خیر المفاتیح

اردو شرح

مشکوٰۃ المصابیح

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب مدظلہ
مفتی و استاذ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان

مع افادات

استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ
شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد صاحب رحمہ اللہ
حضرت علامہ نواب محمد قطب الدین دہلوی رحمہ اللہ

جمع و ترتیب ...... مولانا حبیب الرحمٰن

تلمیذ

حضرت علامہ شبیر الحق کشمیری مدظلہ العالی
استاذ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان

ادارہ تالیفات اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(0322-6180738, 061-4519240)

جلد چہارم

قدیم وجدید شارحین حدیث کے علوم ومعارف
کی امین مشکوٰۃ شریف کی پہلی مفصل اُردو شرح

اُردو شرح

مشکوٰۃ المصابیح

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب مدظلہ

سابق مفتی واستاذ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان

جمع وترتیب

حبیب الرحمٰن

فاضل جامعہ خیر المدارس ملتان

مع افادات

استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد صاحب رحمہ اللہ

حضرت علامہ نواب محمد قطب الدین دھلوی رحمہ اللہ

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان

(0322-6180738, 061-4519240

خیر المفاتیح

تاریخ اشاعت.............. شوال المکرم ۱۴۳۴ھ

ناشر.............. ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت.............. سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ... چوک فوارہ... ملتان

مکتبہ سید احمد شہید...... اردو بازار...... لاہور | دارالاشاعت...... اردو بازار........ کراچی

مکتبہ علمیہ............ اکوڑہ خٹک...... پشاور | مکتبہ رشیدیہ...... سرکی روڈ...... کوئٹہ

اسلامی کتاب گھر.... خیابان سرسید..... راولپنڈی | مکتبہ دارالاخلاص.... قصہ خوانی بازار..... پشاور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE

119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE. (U.K)

عرضِ مرتب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

امابعد! اللہ تعالیٰ کی توفیق اور فضل سے اکابر اہل علم وفضل اور مشائخ اہل اللہ کی درسی واصلاحی کتب کی نشر واشاعت میں ''ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان'' کا نام ملک بھر میں محتاج تعارف نہیں...ادارہ نے جہاں عوام الناس کی علمی وفکری اصلاح کیلئے بے شمار عام فہم کتب کی جمع وتالیف اور نشر واشاعت کا کام کیا...وہاں اہل علم اور مدارس دینیہ کے اساتذہ وطلبا کرام کیلئے بھی متعدد درسی وعلمی کتب شائع کی ہیں...جن میں علمی تفاسیر...شروحات احادیث اور فقہی کتب شامل ہیں... بعض نادر وضخیم عربی کتب بھی ادارہ کی مطبوعات میں سے ہیں...

آج سے تقریباً پانچ سال قبل ادارہ نے خیر المفاتیح کے نام سے مشکوٰۃ شریف کی اردو شرح شائع کی تھی جو کہ بندہ کے استاذ محترم جامع المعقول والمنقول حضرت علامہ شبیر الحق کشمیری مدظلہ (استاذ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان) کی درسی شرح تھی جو حضرت کی اجازت ونظر ثانی کے بعد شائع کی گئی...الحمدللہ یہ درسی شرح مولانا کی تدریسی زندگی کی تحقیقات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اساتذہ کرام اور طلبا وطالبات میں بے حد مقبول ہوئی... لیکن خیر المفاتیح کی مطبوعہ تین جلدیں مشکوٰۃ شریف کے ''کتاب الایمان'' سے ''باب الوصایا'' تک تھی اور مولانا کی درسی تقریر بھی یہیں تک تھی...عرصہ سے ادارہ اور شائقین کی خواہش تھی کہ مشکوٰۃ شریف کی یہ اہم شرح مکمل ہو کر شائع ہو۔

اس سلسلہ میں ادارہ نے راقم الحروف کے ذمہ اسی شرح کی تکمیل کا کام سپرد کیا...اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ایک عرصہ کی محنت کے بعد اپنے اکابر کی شروحات سے خوشہ چینی کرتے ہوئے خیر المفاتیح کی تکمیل کی گئی...اگرچہ یہ تکمیل سابقہ مطبوعہ تین جلدوں کے مقابلہ میں اسی طرح ہے جس طرح مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگانا...تاہم کتاب النکاح سے آخر کتاب تک تکمیل کر دی گئی جو اس تمنا کے ساتھ اہل علم کی خدمت میں پیش ہے کہ اگر کوئی مفید علمی بات سامنے آجائے تو اسے اکابر کی طرف منسوب کیا جائے اور اگر کوئی صوری یا معنوی تقصیر نظر سے گزرے تو فی الفور ناشر کو مطلع فرما دیں تا کہ آئندہ درستگی کر دی جائے۔ اللہ تعالیٰ حدیث شریف کی اس خدمت کو شرف قبول سے نوازیں اور اسے جملہ مستفیدین کے علم وعمل سے خیر وبرکت کا ذریعہ بنائے آمین

والسلام

حبیب الرحمٰن غفرلہ الرحمٰن

تلمیذ علامہ شبیر الحق کشمیری مدظلہ

فاضل جامعہ خیر المدارس ملتان

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب دامت برکاتہم العالیہ

مفتی واستاذ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم

امابعد! ناظرین کرام قابل صد تبریک ہیں کہ ان کے ہاتھوں میں ''خیر المفاتیح'' کی چوتھی جلد ہے۔

اس کے ناشر ومرتب بھی قابل صد تبریک ہیں۔

شکر الله سعیهم وجزاهم جزاء واسعاً

کتاب ہذا کی جلدیں معرب یعنی ان میں عربی متن حدیث پر اعراب بھی لگا ہوا ہے جس سے اردو خواں طبقہ بھی حدیث شریف کا عربی متن پڑھ سکتا ہے۔

کتاب ہذا کا یہ حصہ معاملات سے متعلق ہے جس میں معاملات سے متعلق مسائل ہیں۔ الحمد للہ یہ مشکل حصہ فاضل مرتب کی سعی سے سہل وآسان ہو گیا ہے۔ اب یہ نہ صرف مشکوۃ شریف کے اساتذہ وطلباء وطالبات کیلئے مفید ہے بلکہ دورحدیث شریف والوں کیلئے بھی معین ومفید ہے۔

ناشکری ہوگی اگر قاری محمد اسحق صاحب مدظلہ کا شکریہ ادا نہ کریں... جنہوں نے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی تالیفات کی اشاعت کیلئے کمر باندھی اور کثیر کتب منصۂ شہود پر لائے اور یوں ادارہ تالیفات اشرفیہ ایک مثالی ادارہ بن گیا۔

اللہ تعالیٰ ان کے حق میں ہماری دعائیں قبول فرمائیں آمین۔ واللہ اعلم

فقط والسلام

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

عشرہ آخر شوال المکرم ۱۴۳۳ھ

اجمالی فہرست

خیر المفاتیح جلد چہارم

خیر المفاتیح جلد پنجم

خیر المفاتیح جلد ششم

فہرست عنوانات

بَابُ الْاَیْمَانِ وَالنُّذُوْرِ ..... قسموں اور نذروں کا بیان

بَابُ فِی النُّذُوْرِ..... نذروں کا بیان

❀❀❀

کِتَابُ النِّکَاحِ

نکاح کا بیان

نکاح کے لغوی معنی جمع کرنا۔لیکن اس لفظ کا اطلاق مجامعت کرنے اور عقد کے معنی پر بھی ہوتا ہے کیونکہ مجامعت اور عقد دونوں ہی میں جمع ہونا اور ملنا پایا جاتا ہے۔لہٰذا اصول فقہ میں نکاح کے یہی معنی یعنی جمع ہونا بمعنی مجامعت کرنا مراد لینا چاہئے بشرطیکہ ایسا کوئی قرینہ نہ ہو جو اس معنی کے خلاف دلالت کرتا ہو۔

علماء فقہ کی اصطلاح میں نکاح اس خاص عقد و معاہدہ کو کہتے ہیں جو مرد و عورت کے درمیان ہوتا ہے اور جس سے دونوں کے درمیان زوجیت کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ ....جوانوں کو نکاح کرنے کا حکم

(۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَامَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَاِنَّهُ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَاِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ۔ (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے جوانوں کے گروہ! تم میں سے جو شخص مجامعت کے لوازمات (یعنی بیوی بچوں کا نفقہ اور مہر ادا کرنے) کی استطاعت رکھتا ہو اسے چاہئے کہ وہ نکاح کرلے کیونکہ نکاح کرنا نظر کو بہت چھپاتا ہے اور شرم گاہ کو بہت محفوظ رکھتا ہے (یعنی نکاح کر لینے سے اجنبی عورت کی طرف نظر مائل نہیں ہوتی اور انسان حرام کاری سے بچتا ہے) اور جو شخص جماع کے لوازمات کی استطاعت نہ رکھتا ہو اسے چاہئے کہ وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ رکھنا اس کے لیے خصی کرنے کا فائدہ دے گا (یعنی جس طرح خصی ہو جانے سے جنسی ہیجان ختم ہو جاتا ہے اسی طرح روزہ رکھنے سے بھی جنسی ہیجان ختم ہو جاتا ہے)۔'' (بخاری و مسلم)

تشریح: یا معشر الشباب: معشر اس جماعت کو کہتے ہیں جو کسی خاص وصف پر مشتمل ہو مثلاً معشر الرجال مردوں کی جماعت، معشر النساء عورتوں کی جماعت، معشر الجن جنات کی جماعت، معشر الشیوخ بوڑھوں کی جماعت اور معشر الشباب جوانوں کی جماعت کو کہتے ہیں۔

شباب: جمع ہے اس کا مفرد شاب ہے، شبان اور شبیۃ بھی جمع آتی ہے، جوان کو کہتے ہیں جوانی کی آخری عمر اور آخری حد میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، شوافع حضرات کے ہاں جوانی کی آخری حد تیس سال ہے ائمہ احناف کے ہاں ایک شخص چالیس سال تک جوان کہلائے جانے کا حق رکھتا ہے اور بلوغ کے وقت سے جوانی شروع ہو جاتی ہے۔

الباءۃ: '' ای مؤنۃ الباءۃ'' یہ کلمہ چار لغات پر پڑھا جاتا ہے (۱) ''باءۃ'' اس میں مد بھی ہے اور تا بھی ہے (۲) ''باء'' اس میں مد تو ہے لیکن آخر میں تا نہیں ہے (۳) ''باھۃ'' اس میں مد نہیں مگر آخر میں ایک ہا اور ایک تا ہے (۴) ''باۃ'' اس میں مد نہیں ہے مگر آخر میں ہا موجود ہے۔ باہ اور مباہات جماع اور نکاح کے معنی میں آتا ہے جو دراصل ہمزہ کے ساتھ مباءۃ مکان دینے کے معنی میں ہے کیونکہ جو شخص نکاح کرتا ہے وہ بیوی کو جگہ اور مکان دیتا ہے۔ باہ قوت باہ کو بھی کہا جاتا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ یہاں حدیث میں اس لفظ کا کیا معنی ہے اور مراد کیا ہے۔

شارحین حدیث میں سے علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس لفظ سے جماع اور نکاح دونوں مراد لیا جا سکتا ہے اور جماع مراد لینا راجح ہے لیکن اس صورت میں مضاف محذوف ماننا پڑے گا یعنی مؤنۃ الجماع و اسباب الجماع اس محذوف کی اس لئے ضرورت پیش آئی کہ بعد میں ومن لم

یستطع کا جملہ آیا ہے اس کا عطف ''باءۃ'' پر صحیح نہیں کیونکہ معنی یہ ہو جائے گا کہ جو شخص تم میں سے جماع کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ روزے رکھے یہ معنی غلط ہے کیونکہ جو شخص جماع پر قادر نہیں اسے شہوت کنٹرول کرنے کیلئے روزے رکھنے کی کیا ضرورت ہے وہ تو پہلے سے جماع پر قادر نہیں ہاں اگر ''باءۃ'' کے لفظ سے نکاح مراد لیا تو پھر یہ عطف صحیح ہو جائے گا۔

مسلم شریف کے شارح علامہ محمد بن خلیفہ متوفی ۸۲۸ھ مسلم شریف کی شرح اُبّی میں فرماتے ہیں کہ ''الباءۃ'' نکاح ہی کے معنی ہے۔ جماع کا معنی مراد لینا غلط ہے کیونکہ اس صورت میں ومن لم یستطع کا مفہوم غلط ہو جائے گا یعنی جس کو جماع کی طاقت نہیں وہ روزے رکھے یہ غلط ہے اس لئے نکاح ہی مراد ہے۔ علامہ اُبّی کی تشریح زیادہ بہتر اور آسان تر ہے۔

اغض: نگاہ نیچے رکھنے کے معنی میں ہے یعنی نکاح کرنے سے آدمی غلط نظر بازی سے بچ جاتا ہے۔

واحصن للفرج: شرم گاہ کی حفاظت اور آدمی کے پاک دامن رہنے کے معنی میں ہے نکاح کرنے سے آدمی حرام کاری سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے دو بڑے فائدے بتائے ہیں ایک یہ کہ نکاح سے آدمی غلط نظر بازی سے بچتا ہے دوسرا یہ کہ حرام کاری سے بچتا ہے۔

ومن لم یستطع: اس جملے کا عطف اس سے پہلے من استطاع کے جملے پر ہے اور ''باءۃ'' نکاح کے معنی میں ہے تب معنی صحیح ہوگا اور اگر باءۃ جماع کے معنی میں لیا جائے جیسا کہ علامہ طیبی کی رائے ہے تو پھر مضاف محذوف ماننا پڑے گا تا کہ معنی درست ہو جائے یعنی مؤنۃ الباءۃ ای اسباب الجماع۔

وجاء: خصیتین کے کچلنے کو وجاء کہتے ہیں اس سے مراد کسر شہوت ہے کیونکہ خصیتین مرکز شہوت ہے۔

فعلیہ بالصوم: علی لزوم اور رکوب کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے جس سے یہ اشارہ کیا گیا کہ ایک دو روزوں سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوگا بلکہ مسلسل روزے رکھنے سے حاصل ہوگا کیونکہ روزہ رکھنے سے انسانی رگوں میں خون کا دورہ بند ہو جاتا ہے اور شیطان اسی خون کے راستوں سے داخل ہوتا ہے تو اس کا داخلہ جسم میں بند ہو جاتا ہے جس سے مستی کے راستے بند ہو جاتے ہیں ورنہ روزہ سے آدمی خصی نہیں ہوتا صرف شہوت کنٹرول ہو جاتی ہے۔ جانوروں کو بدھیا بنانے میں شوافع حضرات فرماتے ہیں کہ ماکول اللحم چھوٹے جانوروں کا خصی کرنا جائز ہے بڑوں کا جائز نہیں ہے اور حرام جانوروں کا خصی کرنا مطلقاً ناجائز ہے۔ احناف کے ہاں جانوروں کے خصی کرنے کا ذکر تو ہے مگر مزید تفصیل نہیں ہے۔

تبتل کی ممانعت

(۲) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ رَدَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ التَّبَتُّلَ وَلَوْ أَذِنَ لَهُ لَاخْتَصَيْنَا (متفق علیہ)

ترجمہ: اور حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ کو تبتل (یعنی نکاح ترک کرنے) سے منع کر دیا تھا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تبتل کی اجازت دیدیتے تو ہم بھی خصی ہو جاتے۔'' (بخاری ومسلم)

تشریح: ''تبتل'' کے معنی ہیں۔ ''عورتوں سے انقطاع اور ترک نکاح'' نصاریٰ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین) کے ہاں تبتل ایک اچھا اور پسندیدہ فعل ہے کیونکہ ان کے نزدیک دینداری کی آخری حد یہ ہے کہ انسان عورتوں سے اجتناب کرے اور نکاح وغیرہ سے پرہیز کرے لیکن جس طرح عیسائی یا بعض دوسرے مذاہب میں نکاح کو ترک کر دینا اور لذائذ زندگی سے کنارہ کش ہو جانا عبادت اور نیکی وتقویٰ کی آخری حد سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح کی کوئی بات اسلام میں نہیں ہے بلکہ شریعت اسلامیہ نے نکاح کو انسانی زندگی کیلئے ایک ضرورت قرار دیکر اس کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور بتایا ہے کہ لذائذ زندگی سے مکمل کنارہ کشی اور خود ساختہ تکالیف برداشت کرنا عبادت نہیں ہے بلکہ رہبانیت ہے جسے اس دین فطرت میں کوئی مقام حاصل نہیں ہے۔ ہاں امام شافعی اتنا ضرور کہتے ہیں کہ بغیر نکاح زندگی گزارنا افضل ہے لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ قول بھی نکاح کے بارے میں شریعت اسلامیہ کے بنیادی منشاء کے منافی نہیں ہے کیونکہ اول تو اس کا تعلق صرف افضلیت سے ہے اور دوسرے یہ کہ یہ افضلیت بھی نفس نکاح (یعنی کرنے یا نہ کرنے) کے دائرہ میں نہیں ہے بلکہ صرف ''تخلی للعبادۃ'' (یعنی عبادت کیلئے مجرد رہنا) کے نکتہ نظر سے ہے۔ گویا امام شافعی رحمہ اللہ کا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ

عبادات میں مشغول رہنا نکاح کی مشغولیت سے افضل ہے۔ چنانچہ ملا علی قاریؒ نے مرقات میں امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیلیں نقل کرنے کے بعد امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی بہت سی دلیلیں نقل کی ہیں جن سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ تجرد بغیر نکاح رہنے کے مقابلہ میں تاہل (نکاح کرنا) ہی افضل ہے۔

بہرکیف حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تبتل کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا کیونکہ اسلام مسلمانوں کے ہاں نکاح کے ذریعہ افزائش نسل کو پسند کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ دنیا میں زیادہ سے زیادہ خدا کے حقیقی نام لیوا موجود رہیں اور وہ ہمیشہ کفر و باطل کے خلاف جہاد کرتے رہیں۔ اسی سلسلہ میں حدیث کے راوی حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تبتل کی اجازت دیدیتے تو ہم سب اپنے آپ کو خصی کر ڈالتے تاکہ ہمیں عورتوں کی ضرورت پڑتی اور نہ ہمیں عورتوں سے متعلق کسی برائی میں مبتلا ہو جانے کا خوف رہتا۔

طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس موقع کے مناسب تو یہ تھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ یہ کہتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تبتل کی اجازت دیدیتے تو ہم بھی تبتل کرتے مگر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ کہنے کی بجائے یہ کہا کہ ہم سب اپنے آپ کو خصی کر ڈالتے۔ لہٰذا حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ بات دراصل بطور مبالغہ کہی یعنی ایلی اس بات سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اجازت دیدیتے تو ہم بھی تبتل میں اتنا مبالغہ اور اتنی سخت کوشش کرتے کہ آخر کار خصی کی مانند ہو جاتے۔ گویا اس جملہ سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی مراد حقیقۃً خصی ہو جانا نہیں تھا۔ کیونکہ یہ فعل (یعنی اپنے آپ کو خصی کر ڈالنا) جائز نہیں ہے۔

اور علامہ نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ بات اس وجہ سے کہی کہ ان کا گمان یہ تھا کہ خصی ہو جانا جائز ہے۔ حالانکہ انکا یہ گمان حقیقت و واقعہ کے خلاف تھا کیونکہ خصی ہو جانا انسان کیلئے حرام ہے خواہ چھوٹی عمر کا ہو یا بڑی عمر کا! اس موقع پر جانوروں کے بارہ میں جان لینا چاہئے کہ ہر اس جانور کو خصی کرنا حرام ہے جو غیر ماکول (یعنی کھایا نہ جاتا) ہو اور جو جانور کھایا جاتا ہے اس کو خصی کرنا چھوٹی عمر میں تو جائز ہے لیکن بڑی عمر میں حرام ہے۔ جانوروں کو خصی کرنے کے بارہ میں مذکورہ بالا تفصیل علامہ نووی شافعی رحمہ اللہ نے لکھی ہے جبکہ فقہ حنفی کی کتابوں اور بحر الرائق اور ہدایہ میں بڑی عمر اور چھوٹی عمر کی تفصیل کے بغیر صرف یہ لکھا ہے کہ جانوروں کو خصی کرنا جائز ہے۔

دیندار عورت سے نکاح کرنا بہتر ہے

(۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تُنْكَحُ الْمَرْاَةُ لِاَرْبَعٍ لِمَا لِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِیْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّیْنِ تَرِبَتْ یَدَاكَ. (متفق علیہ)

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کسی عورت سے نکاح کرنے کے بارہ میں چار چیزوں کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اول اس کا مالدار ہونا دوم اس کا حسب نسب والی ہونا سوم اس کا حسین و جمیل ہونا اور چہارم اس کا دین دار ہونا۔ لہٰذا دیندار عورت کو اپنا مطلوب قرار دو اور خاک آلودہوں تیرے دونوں ہاتھ۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: حدیث کا یہ حاصل ہے کہ عام طور پر لوگ عورت سے نکاح کرنے کے سلسلہ میں مذکورہ چار چیزوں کو بطور خاص ملحوظ رکھتے ہیں کہ کوئی شخص تو مالدار عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ بعض لوگ اچھے حسب و نسب کی عورت کو بیوی بنانا پسند کرتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ایک حسین و جمیل عورت ان کی رفیقہ حیات بنے اور کچھ نیک بندے دین دار عورت کو ترجیح دیتے ہیں۔ لہٰذا دین و مذہب سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کو چاہئے کہ وہ دین دار عورت ہی کو اپنے نکاح کیلئے پسند کرے کیونکہ اس میں دنیا کی بھی بھلائی بھی ہے اور آخرت کی بھی سعادت ہے۔

اور خاک آلودہ ہوں تیرے دونوں ہاتھ ویسے تو یہ جملہ لفظی مفہوم کے اعتبار سے ذلت وخواری اور ہلاکت کی بددعا کیلئے کنایہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے لیکن یہاں اس جملہ سے یہ بددعا مراد نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد دین دار عورت کو اپنا مطلوب قرار دینے کی ترغیب دلانا ہے۔

نیک بخت عورت دنیا کی بہترین متاع ہے

(۴) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْاَةُ الصَّالِحَةُ (رواہ مسلم)

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پوری دنیا ایک متاع ہے اور دنیا کی بہترین متاع نیک بخت عورت ہے۔" (مسلم)

تشریح: متاع۔ دنیا کا وہ قلیل و کثیر ساز و سامان جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے متاع کہلاتا ہے مختصر الفاظ میں یوں کہو کہ متاع وہ چیز ہے جس سے تھوڑا سا عارضی فائدہ اٹھایا جائے اور پھر فنا ہو جائے امام لغت شیخ اصمعی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کو تین چیزوں یعنی متاع، تبارک اور رقیم" کی حقیقت معلوم کرنے کی تلاش تھی کہ ان تینوں الفاظ کی اصلی مفہوم اور حقیقت کیا ہے چنانچہ وہ دیہات کی طرف نکل گئے تاکہ صحرا نشین فصحاء عرب سے اس کی حقیقت معلوم کر سکیں۔ جب آپ دیہات میں ایک کنوئیں کے پاس پہنچ گئے تو آپ نے دیکھا کہ کنوئیں پر ایک لڑکی برتن دھو رہی ہے جس کے پاس برتن دھونے کیلئے میلا کچیلا اور چکناہٹ سے آلودہ کپڑا تھا اصمعی یہ منظر دیکھ رہا تھا کہ ایک کتا آیا اور یہی گندہ کپڑا منہ میں اٹھا کر پہاڑ کے اوپر چڑھنے اور بلند ہونے لگا۔ اس لڑکی نے فریاد کے انداز میں اپنی والدہ کو اس طرح پکارا " یا اماہ جاء الرقیم واخذ المتاع وتبارک الی الجبل " اصمعی نے جب اپنے تینوں مقاصد ایک جملہ میں سن لئے تو خوشی سے جھومنے لگے۔

مطلب یہ کہ متاع کی حقیقت چیتھڑا اور دست پناہ اور برتن دھونے کا گندہ کپڑا ہے اور سورۃ کہف میں جو رقیم کا لفظ آیا ہے اس سے کتا مراد ہے اور قرآن میں جہاں تبارک کا لفظ آیا ہے اس سے اللہ کی بلندی اور عظمت مراد ہے نیک عورت کو اس لئے متاع اور نفع کا سامان کہا گیا کہ یہ مفت میں چوکیدار ہے شوہر کی خدمت گار ہے اچھا وفادار نسل بردار ہے اور غمگسار ہے خیر خواہ مشورہ کار ہے اور یہی بہترین روزگار ہے۔

قریش کی نیک بخت عورتوں کی فضیلت

(۵) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الْاِبِلَ صَالِحُ نِسَاءِ قُرَيْشٍ اَحْنَاهُ عَلٰى وَلَدِهٖ فِيْ صِغَرِهٖ وَاَرْعَاهُ عَلٰى زَوْجٍ فِيْ ذَاتِ يَدِهٖ۔ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں میں بہترین عورتیں قریش کی ہیں جو چھوٹے بچوں پر بہت شفیق ہوتی ہیں اور اپنے شوہر کے اس مال کی جو ان کے قبضہ میں ہوتا ہے بہت زیادہ حفاظت کرتی ہیں۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں سے مراد عرب کی عورتیں ہیں کیونکہ عرب کی عورتیں عام طور پر اونٹ کی سواری کی عادی ہوتی تھیں۔ لہٰذا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ عرب کی عورتوں میں بہترین عورتیں قریش کی نیک بخت عورتیں ہیں۔

رکبن الابل: اس سے عرب کی عورتیں مراد ہیں کیونکہ اونٹوں پر سواری عرب عورتوں کی عادت اور ان کی خصوصیت ہے یہ ان کی تعریف ہے۔

احناہ علی ولد: حنا یحنو نصر ینصر سے شفقت کے معنی میں ہے "ولد" کو نکرہ لایا تاکہ عموم آجائے کہ کسی کا کوئی بھی ولد ہو خواہ اپنا ہو یا سابقہ بیوی کا ہو جو اس کی تربیت میں ہو ہر ایک پر شفقت کرنے والی ہے۔

"حانیہ" وہ عورت جو یتیم بچے کو پالے ورنہ شادی نہیں یا اگر یتیموں کو چھوڑ کر نکاح کرے تو پھر بھی حانیہ نہیں ہے اس حدیث میں عرب اور بالخصوص قریش کی عورتوں کی تعریف ہے۔ اب یہاں سوال یہ ہے کہ " احناہ " میں ضمیر مذکر کیوں لایا جبکہ ضمیر بظاہر عورتوں کی طرف لوٹتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مذکر کی ضمیر " الصنف " کی طرف لوٹتی ہے مراد هذا الصنف ہے یا " من یرکب الابل " کی طرف لوٹتی ہے جو کلام کے مفہوم میں موجود ہے اسی طرح ارعاہ کی ضمیر بھی ماں کی طرف لوٹتی ہے جو کلام کے مفہوم میں ہے۔

عورتوں کا فتنہ زیادہ نقصان دہ ہے

(۶) وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَرَكْتُ بَعْدِيْ فِتْنَةً اَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ (متفق عليه)

ترجمہ: اور حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں نے اپنے بعد ایسا کوئی فتنہ نہیں چھوڑا ہے جو مردوں کے حق میں عورتوں کے فتنہ سے زیادہ ضرررساں ہو" (بخاری ومسلم)

تشریح: فتنة اضر: عورت کو اگر اس کی جبلی اور تخلیقی فطرت یا کوئی ظاہری شریعت قابو نہ کرے اور یہ فطری اور شرعی چیزیں اس کی اصلاح نہ کریں تو عورت عین فساد ہے اور مردوں کے حق میں یہ سب سے بڑا ضرررساں فتنہ ہے۔ اول تو اس لئے کہ عام طور پر مردوں کے طبائع عورتوں کی طرف مائل ہوتی ہیں دوسرے یہ کہ مرد زیادہ تر عورتوں کی خواہشات پورا کرنے کے پابند ہوتے ہیں اور عورت کا کل سرمایہ یہ ہے کہ وہ مرد کو دنیا کے آرائشوں زیبائشوں کی طرف مائل کرتی ہے اور دنیا کی محبت میں گرفتار کردیتی ہے اور دنیا کی محبت ہر برائی اور فتنہ کی جڑ ہے۔ لہٰذا عورت صرف فساد کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ عین فساد ہے۔

دنیا میں سب سے پہلا قتل قابیل نے عورت کی وجہ سے کیا تھا اور وہ بھی اپنے بھائی کو مارا تھا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے زين للناس حب الشهوات من النساء الخ میں عورتوں کو نفس شہوات قرار دیکر تمام شہوات میں سرفہرست رکھا۔

خلاصہ یہ کہ اگر صالحہ ہو تو یہ حوا کی بیٹی اور حور ہے اور اگر مفسدہ ہو تو یہ شیطان کی خالہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے اس فتنہ کو "بعدی" سے جوڑ کر اشارہ فرمادیا کہ ان کا فتنہ میرے انتقال کے بعد بڑھتا جائیگا۔

عورت کے فتنہ سے بچو

(۷) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ وَ اِنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيْهَا فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ فَاِنَّ اَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ. (رواه مسلم)

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دنیا شیریں اور سبز (جاذب نظر) ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس دنیا کا خلیفہ بنایا ہے اس لیے وہ (ہر وقت) دیکھتا ہے کہ تم اس دنیا میں کس طرح عمل کرتے ہو لہٰذا دنیا سے بچو اور عورتوں (کے فتنہ) سے بچو کیونکہ بنی اسرائیل کی تباہی کا باعث سب سے پہلا فتنہ عورتوں ہی کی صورت میں تھا۔" (مسلم)

تشریح: حلوة خضرة: یعنی میٹھی شیریں سبز جاذب نظر ہے شیریں چیز کو طبیعت چاہتی ہے اور سرسبز و زار چیز بھی نظروں میں بھاتی ہے اسی طرح دنیا بھی دونوں آنکھوں میں بڑی پیاری لگتی ہے۔

والله مستخلفكم: یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو اس دنیا میں اپنا خلیفہ بنا رکھا ہے تم خلیفہ ہو اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے تم صرف نائب اور وکیل کے طور پر اس میں رہ رہے ہو۔

فاتقوا الدنيا: یعنی دنیا ایک پُرفریب جال ہے اس میں پھنس نہ جاؤ دنیا فانی اور ناپائیدار ہے لہٰذا اس خطرناک سمندر میں غرق نہ کرو۔

یار ناپائیدار دوست مدار / درستی رانہ شائدایں غدار

دنیا تخادعنی کانی لست اعرف حالها / فرایتها محتاجة فوهبت جملتها لها

منع الاله حرامها وانا اجتنبت حلالها / مدت الی یمینها فقطعتها وشمالها

اور عورتوں کے مکر وفریب سے بچو یہ بہت مکار عیارہ و رشطار ہیں ان کید کن عظیم ان کا کردار ہے تم کو ہلاک کر کے رکھ دے گی۔

شاہوں کے تاج چھینے راجوں کے راج چھینے / گردن کشوں کی گردن نیچا دکھا کے چھوڑا

فان اول فتنة بنی اسرائیل:۔اس حدیث میں بنی اسرائیل پر عورتوں کی وجہ سے جو فتنہ آیا تھا اس کا مصداق دو واقعے ہو سکتے ہیں۔

حکایت! حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لیکر جہاد کی غرض سے شام کے علاقہ میں جباروں (عمالقہ وغیرہ) کے مقابلہ میں نکل آئے اس قوم میں بلعم ابن باعور کے نام سے ایک مستجاب الدعوات شخص رہتا تھا قوم نے ان سے کہا کہ موسیٰ کے خلاف بددعا کرو تا کہ موسیٰ اپنے لشکروں کے ساتھ واپس چلا جائے اس نے کہا توبہ کرو وہ پیغمبر ہیں اگر بددعا کی تو ہلاک ہو جاؤں گا۔ ان لوگوں نے عورتوں اور تحفوں کے ذریعے ان کو بددعا پر آمادہ کیا بلعم اپنے گدھے پر سوار ہو کر بددعا کے لئے نکلا گدھے نے گویا ہو کر کہا!

اے نادان بلعم! تجھ پر افسوس ہے کہاں جا رہے ہو اپنے ساتھ مجھے بھی ہلاک کر رہے ہو؟ تم مجھے آگے بڑھا رہے ہو اور فرشتے مجھے پیچھے دھکیل رہے ہیں بلعم گدھے سے اتر کر پیدل چلنے لگا اور جا کر ایک مقام پر بددعا کی بددعا الٹ گئی اب وہ اپنی قوم کو بددعا دے رہے ہیں۔ قوم نے کہا بلعم یہ کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا میں کیا کروں بے اختیار زبان سے تمہارے لئے بددعا نکل رہی ہے اس کے ساتھ بلعم کی زبان منہ سے باہر آئی اور سینہ پر لٹک گئی۔

بلعم نے قوم سے کہا میری دنیا و آخرت تو تباہ ہو گئی اب تم موسیٰ اور اس کے لشکر کو روکنے کیلئے اپنی خوبصورت عورتوں کو سنوار کر لشکر کے اندر بھیج دو اور ان عورتوں سے کہدو کہ ہر سپاہی کی ہر خواہش پوری کریں۔

چنانچہ یہ عورتیں جا کر لشکر اسلام میں فتنہ ڈالنے لگیں لیکن کسی نے ان کی طرف نہیں دیکھا مگر زمرم نام کے ایک سردار نے ایک عورت سے زنا کیا جس کے نتیجہ میں بنی اسرائیل میں ایک وبائی بیماری پھیل گئی جس سے ستر ہزار فوجی مر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس گناہ کی تلاش کے لئے آدمی بھیجے ایک آدمی نے زمرم اور اس کے ساتھ اجنبی عورت کو قتل کر دیا تب عذاب ٹل گیا۔ ہو سکتا ہے اس حدیث میں اس قصہ اور اس فتنہ کی طرف اشارہ ہو۔

حکایت ۲! دوسرا قصہ یوں پیش آیا کہ بنی اسرائیل میں عامیل نام کے ایک شخص نے اپنے چچا یا چچازاد بھائی کو اس لئے قتل کیا کہ اس کی بیٹی یا اس کی بیوی سے نکاح کرے سورۃ بقرہ کا لمبا قصہ اسی واقعہ کے متعلق ہے ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں اس قصہ کی طرف اشارہ ہو۔

وہ تین چیزیں جن میں نحوست ہوتی ہے

(۸) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشُّؤْمُ فِي الْمَرْأَةِ وَالدَّارِ وَالْفَرَسِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ الشُّؤْمُ فِي ثَلَاثَةٍ فِي الْمَرْأَةِ وَالْمَسْكَنِ وَالدَّابَّةِ.

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عورت، گھر اور گھوڑے میں نحوست ہوتی ہے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نحوست تین چیزوں میں ہوتی ہے عورتوں میں، مکان میں اور جانور میں۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: الشوم:۔ شوم بدشگونی نحوست اور بے برکتی کو کہتے ہیں یہ "یمن" یعنی برکت کی ضد ہے۔

سوال:۔ یہ حدیث ان تمام احادیث سے معارض ہے جن میں بدشگونی اور نحوست کی نفی کی گئی بلکہ "الطیرۃ شرک" فرمایا گیا ہے؟

جواب:۔ اس سوال کے کئی جوابات ہیں اول جواب یہ کہ یہ کلام فرض و تقدیر کے طور پر ہے کہ فرض کرلو اگر نحوست ہوتی تو ان تین چیزوں میں ہوتی مگر نحوست نہیں ہے اس لئے ان تین میں بھی نہیں ہے۔

دوسرا جواب! یہ کہ خود حضرت ابو ہریرہؓ اس نحوست کی تشریح و توضیح میں فرماتے ہیں کہ عورت کی نحوست یہ کہ بداخلاق ہو گھوڑے کی نحوست یہ کہ سرکش ہو سوار ہونے نہیں دیتا ہو گھر کی نحوست یہ کہ یہ تنگ ہو۔ تو یہاں حدیث میں شوم سے بدشگونی نہیں بلکہ بدی اور برائی مراد ہے۔ بعض نے کہا کہ منحوس عورت وہ ہے جو بانجھ ہو گھر کی نحوست یہ کہ اس کا پڑوسی بیکار ہو گھوڑے کی نحوست یہ کہ اس پر جہاد نہ کیا جائے۔

تیسرا جواب! یہ کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے ان تین چیزوں میں نحوست کی خاصیت رکھی ہے یہ تاثیر بالخاصہ ہے اس لئے یہ تین چیزیں بدشگونی اور طیرہ کی عام احادیث سے مستثنیٰ ہیں" وما من عام الا وقد خص عنہ البعض "

اپنے نکاح کیلئے کنواری عورت کو ترجیح دو

(۹) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةٍ فَلَمَّا قَفَلْنَا كُنَّا قَرِيْبًا مِنَ الْمَدِيْنَةِ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِعُرْسٍ قَالَ تَزَوَّجْتَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ أَبِكْرًا أَمْ ثَيِّبٌ قُلْتُ بَلْ ثَيِّبٌ قَالَ فَهَلَّا بِكْرًا تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ فَلَمَّا قَدِمْنَا ذَهَبْنَا لِنَدْخُلَ فَقَالَ أَمْهِلُوْا حَتّٰى نَدْخُلَ لَيْلًا أَيْ عِشَاءً لِكَيْ تَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ وَتَسْتَحِدَّ الْمُغِيْبَةُ. (متفق علیہ)

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک جہاد میں ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے چنانچہ جب ہم (جہاد سے) واپس ہوئے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو میں نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! میری نئی شادی ہوئی تھی (کہ میں جہاد میں چلا گیا اب اگر حکم ہو تو میں آگے چلا جاؤں تاکہ اپنے گھر جلد سے جلد پہنچ سکوں)" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم نے نکاح کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں!" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "بیوی کنواری تھی یا بیوہ تھی؟" میں نے عرض کیا کہ "بیوہ تھی" آپ نے فرمایا "تو تم نے کنواری سے کیوں نکاح نہیں کیا تاکہ تم اس کے ساتھ کھیلتے اور وہ تمہارے ساتھ کھیلتی" پھر جب ہم مدینہ پہنچ گئے اور ہم سب نے اپنے اپنے گھروں میں جانے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ابھی ٹھہر جاؤ" ہم رات میں (یعنی شام کے وقت) گھروں میں داخل ہوں گے تاکہ جس عورت کے بال پراگندہ ہوں وہ کنگھی چوٹی کرلے اور وہ عورت جس کا خاوند موجود نہیں تھا (بلکہ ہمارے ساتھ جہاد میں گیا ہوا تھا) اپنے زائد بال صاف کرلے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: **فی غزوۃ:** اس سے غزوہ تبوک مراد ہے "قفلنا" میدان جہاد اور غزوہ سے واپس گھر لوٹ کر آنے کو قفل کہتے ہیں۔

تلاعبها وتلاعبک: اس جملہ سے میاں بیوی کے درمیان کھیل کود اور حقوق زوجیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت جابر کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باکرہ اور کنواری سے نکاح کی ترغیب دی حضرت جابرؓ نے اس کی معقول وجہ یہ بتائی کہ میری آٹھ بہنیں ہیں اگر میں کنواری لڑکی سے شادی کر کے لاتا تو وہ بھی ان کے ساتھ ایک لڑکی بن کر رہتی میں نے چاہا کہ ایک ثیبہ بیوہ تجربہ کار عورت سے شادی کرلوں تاکہ وہ ان کی ماں بن کر تربیت کرے۔

ندخل لیلا: یہاں سوال یہ ہے کہ دوسری حدیث میں رات کے وقت داخل ہونے کو منع فرمایا اور یہاں رات کے دخول کے لئے انتظار کا حکم دیا گیا ہے یہ تعارض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ رات کا دخول اس وقت منع ہے کہ پہلے عورت کو اطلاع نہ ہو اور عورت کی تزئین و آرائش کے بغیر اچانک یہ شخص اندر گھس آیا اور ادھر بیوی صاحبہ میلی کچیلی چڑیل کی طرح بیٹھی ہوئی تھی اس سے دونوں کے تعلقات کو سخت نقصان پہنچ سکتا ہے تو یہ منع ہے اور یہاں رات کے دخول سے پہلے عورتوں کو اطلاع ہوگئی تھی ان کو تیاری اور آرائش و زیبائش کا موقع مل گیا تھا تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ صورت اس ممنوع صورت سے الگ ہے۔

لکی تمتشط: امتشاط کنگھی کرنے کو کہتے ہیں "الشعثة" پراگندہ بال عورت کو کہتے ہیں جب دیر تک شوہر گھر سے غائب رہتا ہے تو عورت عموماً بال سنوارنے سے غافل رہتی ہے یہی شعثہ ہے۔

تستحد المغيبة: استحداد حدید سے ہے لوہا استعمال کرنے کے معنی میں آتا ہے "المغیبة" اس عورت کو کہتے ہیں جس کا شوہر کافی عرصہ سے غائب ہو۔ میم پر ضمہ ہے۔

اب یہاں پہلا سوال یہ ہے کہ یہاں عورت کے لئے استرے کا استعمال بتایا گیا ہے یہ کیسا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عورت کے لئے استرے کا استعمال نامناسب بھی ہے اور نہ عورتیں اس استعمال کو صحیح طریقہ سے پورا کرسکتی ہیں یہاں استحداد کا لفظ ازالۂ بال سے کنایہ ہے خواہ نورہ سے ہو یا بالصفا وغیرہ سے ہو۔ عورتوں کے لئے اصل طریقہ "نتف" یعنی بال نوچنے کا ہے لیکن اس لفظ کو بوجہ قباحت ظاہر نہیں کیا گیا تو استحداد کا لفظ استعمال کرنا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں "المغیبة" کا لفظ آیا ہے اور اس سے پہلے الشعثة کا لفظ آیا ہے حالانکہ وہ کنگھی کرنے والی پراگندہ بال عورت بھی المغیبة ہے اس کا شوہر بھی غائب رہتا ہے لیکن یہاں عورت کے زیر ناف بال کے لمبے ہونے کا ذکر چھوڑ کر اس کو مغیبة کے نام سے یاد کیا گیا ہے تاکہ عورتوں کے پوشیدہ مسائل پر ممکن حد تک پردہ ڈالا جاسکے تو المغیبة کا لفظ درحقیقت عورت کے زیر ناف بال کے لمبے ہونے سے کنایہ ہے اس کا

ذکر بوجہ قباحت چھوڑا گیا ہے اور الشعث میں قباحت نہیں تھی اس لئے اس کا ذکر کیا گیا اس کو المغیبۃ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ مردوں کے لئے زیر ناف بال کی صفائی میں استرے کا استعمال زیادہ بہتر اور باعث قوت مردمی ہے اور عورتوں کے لئے ''نتف'' یعنی نوچنا زیادہ بہتر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ ..... وہ تین شخص جن کی اللہ تعالیٰ ضرور مدد کرتا ہے

(۱۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلاثَةٌ حَقٌّ عَلَی اللّٰهِ عَوْنُهُمْ اَلْمُكَاتَبُ الَّذِیْ یُرِیْدُ الاداء وَالنَّاكِحُ الَّذِیْ یُرِیْدُ الْعَفَافَ والمجاهد فی سبیل الله (رواه الترمذی والنسائی وابن ماجة)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ایسے تین شخص ہیں جن کی مدد اللہ پر (اس کے وعدہ کے مطابق) واجب ہے ایک تو وہ مکاتب جو اپنا بدل کتابت ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو دوسرا وہ نکاح کرنے والا شخص جو حرام کاری سے بچنے کی نیت رکھتا ہو اور تیسرا خدا کی راہ میں جہاد کرنے والا۔''

تشریح: مکاتب اس غلام کو کہتے تھے جس کا آقا اس سے یہ کہہ دیتا تھا کہ اگر تم مجھے اتنا روپیہ کما کر دیدو گے تو تم آزاد ہو جاؤ گے۔ اس طرح روپیہ کی وہ مقدار جو اس غلام کا آقا آزادی کیلئے ضروری قرار دیتا تھا بدل کتابت کہلاتی تھی۔

عورت کے ولی کیلئے ایک ضروری ہدایت

(۱۱) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَطَبَ اِلَیْكُمْ مَّنْ تَرْضَوْنَ دِیْنَهٗ وَخُلُقَهٗ فَزَوِّجُوْهُ اِنْ لَا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِیْضٌ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تمہارے پاس کوئی شخص نکاح کا پیغام بھیجے اور تم اس شخص کی دینداری اور اس کے اخلاق سے مطمئن وخوش ہو تو (اس کا پیغام منظور کر کے) اس سے نکاح کر دو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین پر فتنہ اور بڑا فساد برپا ہو جائے گا۔'' (ترمذی)

تشریح: یہ ارشاد گرامی دراصل عورتوں کے سرپرست اور ولیوں سے ایک خطاب اور ان کیلئے ایک ضروری ہدایت ہے کہ اگر کوئی دیندار اور اچھے اخلاق واطوار کا حامل شخص تمہاری بیٹی یا تمہاری بہن وغیرہ سے نکاح کا پیغام بھیجے تو منظور کر لو اور اس سے نکاح کر دو اگر ایسا نہ کرو گے بلکہ ایسے شخص کے پیغام کو نظرانداز کر کے کسی مالدار یا ثروت دار شخص کے پیغام کی انتظار میں رہو گے۔ جیسا کہ اکثر دنیداروں کی عادت ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اکثر عورتیں بغیر خاوند کے بیٹھی رہ جائیں گی اور اکثر مرد بغیر بیوی کے پڑے رہیں گے۔ اس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ بدکاری اور برائیوں کا عام چلن ہو جائے گا بلکہ ان عورتوں کے سرپرست اور ولی بڑی بری قسم کی عار وغیرت میں مبتلا ہوں گے پھر جو لوگ ان کو عار وغیرت دلائیں گے وہ ان سے لڑنے جھگڑنے لگیں گے۔ آخر کار اس برائی وفحاشی اور لڑائی جھگڑے سے ایک ہمہ گیر فتنہ وفساد کی شکل پیدا ہو جائے گی۔

طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک طرح سے یہ حدیث حضرت امام مالک کی دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ کفائت (زوجین میں سے ایک دوسرے کا کفو ہونے) کا لحاظ صرف دین کے وصف میں کیا جائے گویا ان کے نزدیک ایک دوسرے کا کفو صرف دین میں ہو سکتا ہے۔ جبکہ علماء کی اکثریت کا مسلک یہ ہے کہ ان چار اوصاف میں ایک دوسرے کا کفو (شریک) ہونے کا لحاظ کیا جائے۔

دین، حریت، نسب، پیشہ۔ چنانچہ کسی مسلمان عورت کا نکاح کافر سے نہ کیا جائے۔ نہ کسی غیر معلوم النسب سے کیا جائے اور کسی سوداگر یا اچھے پیشے والے کی بیٹی کا نکاح کسی حرام یا مکروہ پیشہ والے سے نہ کیا جائے۔ لیکن اس بارہ میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اگر کسی عورت کا ولی اور خود وہ عورت کسی غیر کفو والے سے نکاح کرنے پر راضی ہو جائے تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔

محبت کرنے والی عورت سے نکاح کرو

(۱۲) وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَإِنِّيْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ (ابوداود و النسائی)

ترجمہ: اور حضرت معقل ابن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم ایسی عورت سے نکاح کرو جو اپنے خاوند سے محبت کرنے والی ہو اور زیادہ بچے جننے والی ہو کیونکہ دوسری امتوں کے مقابلہ میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔'' (ابوداؤد و نسائی)

تشریح: منکوحہ عورت میں مذکورہ بالا دو صفتوں کو ساتھ ساتھ اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کسی عورت کے ہاں بچے تو بہت پیدا ہوتے ہیں مگر وہ اپنے خاوند سے محبت کم کرتی ہو تو اس صورت میں خاوند کو اس کی طرف رغبت کم ہوگی اور اگر کوئی عورت خاوند سے محبت تو بہت کرے مگر اس کے یہاں بچے زیادہ نہ ہوں تو اس صورت میں مطلوب حاصل نہیں ہوگا اور مطلوب امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت ہے جو ظاہر ہے کہ زیادہ بچے ہونے کی صورت میں ممکن ہے اگر مسلمان عورتوں کے ہاں زیادہ بچے ہوں گے تو امت میں کثرت ہوگی جو پیغمبر اسلام کے نزدیک پسندیدہ اور مطلوب ہے۔

بہر کیف۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ شوہر سے بہت زیادہ محبت کرنے والی اور بچے پیدا کرنے والی عورت سے نکاح کرنا مستحب ہے نیز یہ کہ زیادہ بچے ہونا بہتر اور پسندیدہ ہے کیونکہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد (یعنی امت کی زیادتی و کثرت کا فخر) حاصل ہوتا ہے۔

ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہاں نکاح کرنے سے مراد یہ تعلیم دینا ہے کہ تمہاری جن بیویوں میں سے یہ اوصاف موجود ہوں ان کے ساتھ زوجیت کے تعلق کو ہمیشہ قائم رکھو اور اس بات کی کوشش کرو کہ آپس میں بھی کوئی تفرقہ اور جدائی نہ ہو۔

کنواری سے نکاح کرنا زیادہ بہتر ہے

(۱۳) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَالِمِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ عُوَيْمِ بْنِ سَاعِدَةَ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالْأَبْكَارِ فَإِنَّهُنَّ أَعْذَبُ أَفْوَاهًا وَأَنْتَقُ أَرْحَامًا وَأَرْضٰى بِالْيَسِيْرِ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ مُرْسَلًا.

ترجمہ: اور حضرت عبدالرحمٰن ابن سالم ابن عتبہ ابن عویم ابن ساعدہ انصاری رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت سالم سے اور وہ عبدالرحمٰن کے دادا (یعنی حضرت عتبہ تابعی رضی اللہ عنہ) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تمہیں کنواری عورتوں سے نکاح کرنا چاہئے کیونکہ وہ شیریں دہن ہوتی ہیں (یعنی کنواری عورتیں شیریں زبان و خوش کلام ہوتی ہیں کہ وہ بدزبانی فحش گوئی میں مبتلا نہیں ہوتیں) اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہوتی ہیں نیز وہ تھوڑے پر بھی راضی رہتی ہیں (یعنی تھوڑا مال و اسباب پانے پر بھی راضی رہتی ہیں) اس روایت کو ابن ماجہ رحمہ اللہ نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔''

تشریح: اعذب افواھا: عربی محاورہ میں محبوبہ کے منہ کی تھوک کی جب تعریف کی جاتی ہے تو اس کو اعذاب کہتے ہیں یہاں منہ بول کر تھوک مراد لیا گیا ہے۔ شاعر ساحر نے محبوبہ کی تھوک کو مٹھاس میں شہد سے بڑھ کر بتایا ہے۔

مظلومة القدفى تشبيهه غصنا   مظلومة الريق فى تشبيهه ضربا

ضرب شہد کو کہتے ہیں۔'' اعذب افواھا '' یا تو اس کی زبان اور کلام کی مٹھاس سے کنایہ ہے کہ باکرہ کی زبان میں بوجہ شرم و حیا زبان درازی نہیں ہوتی ہے کیونکہ اس کا اس سے پہلے کسی شوہر سے واسطہ نہیں پڑا ہے۔

یا اس سے کنایہ ہے کہ باکرہ کی شکل و صورت میں بناوٹ اور سجاوٹ ہوتی ہے جو عذوبت کا ذریعہ ہے یہ کیفیت ثیبہ میں نہیں ہوتی ہے۔

وہ لب کہ جیسے ہو شاخ گلاب پر غنچہ   جو بات بھی نہ کرے با کمال نکلتا ہے

یا حقیقۃً باکرہ کی تھوک بوجہ بکارت لذیذ ہوتی ہے جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے کہ منہ بول کر تھوک مراد لیا گیا ہے۔ اس حدیث میں باکرہ کی

دوسری خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ باکرہ بوجہ بکارت زیادہ بچے پیدا کرتی ہے۔

وانتق ارحاما: انتق اوسع کے معنی میں ہے "ای اکثر اولادا" یعنی رحم میں قوت غریزی اور حرارت زیادہ ہونے کی وجہ سے نطفہ کو جلدی قبول کر کے بچے زیادہ پیدا کرتی ہے۔ ناتق اس عورت کو کہتے ہیں جس کی اولاد کثیر ہوں۔ شاعر حماسی کہتا ہے

ابی لهم ان یعرفوا الضیم انهم بنو ناتق کانت کثیرا عیالها

یعنی کثیر اناولاد عورت کے بہت سارے بیٹے ہیں وہ ظلم اور ذلت کو نہیں پہچانتے ہیں۔

نتق عربی میں پھینکنے کے معنی میں ہے گویا یہ عورت اولاد کو مسلسل پھینک رہی ہے "وارضی بالیسیر" اس جملہ میں باکرہ کی تیسری خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ باکرہ ہر چیز میں جتنا حصہ اس کو دیا گیا اس پر راضی رہتی ہے خواہ وہ جماع ہو یا سامان ہو یا طعام ہو یا سلام کلام ہو کیونکہ اس نے کسی اور شوہر کو نہیں دیکھا ہے بلکہ اس میدان کی پہلی شہسوار ہے تو قلیل وکثیر پر راضی رہتی ہے۔ بخلاف بیوہ عورت کے کہ اس نے اس سے پہلے ایک اور شوہر کی شہسواری کی ہے تو وہ اس دوسرے شوہر کو ہر چیز میں تولتی رہتی ہے۔ یہ حدیث اور اس سے پہلے حضرت معقل کی حدیث آپس میں مفہوم ومضمون کے ساتھ عجیب انداز میں مربوط ہے۔ پہلی حدیث میں محبت والی عورت کا ذکر تھا اور جس عورت میں محبت ہوتی ہے اس کی زبان اور الفاظ میٹھے ہوتے ہیں تو دوسری حدیث میں اس کا ذکر آ گیا یہ اس عورت کی ظاہری خوبی ہوئی اور "ارضی بالیسیر" سے اس کی قناعت اور صبر وتحمل کا پتہ چلا یہ اس عورت کی باطنی خوبی ہوئی جو اس دوسری حدیث میں مذکور ہے اور جس انسان میں دل اور زبان کی خوبی جمع ہوگئی وہ کامیاب انسان ہوتا ہے شاعر کہتا ہے۔

لسان الفتی نصف ونصف فوائده فلم یبق الاصورة اللحم والدم

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ.....نکاح کی ایک خصوصیت

(۱۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ تَرَ لِلْمُتَحَابَّيْنِ مِثْلَ النِّكَاحِ

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "(اے شخص!) تو نے نکاح کی مانند ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی ہوگی جو دو محبت کرنے والوں کے درمیان محبت کو زیادہ کرے۔"

تشریح: للمتحابین:۔ یعنی نکاح کے ذریعے سے میاں بیوی کے آپس کی محبت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ ایک دوسرے میں فنا ہو جاتے ہیں دو سے متجاوز ہو کر طرفین کے خاندان آپس میں محبت میں جڑ جاتے ہیں گویا خونی رشتہ سے یہ رشتہ محبت میں بڑھ جاتا ہے ایک دوسرے پر فدا ہوتے ہیں۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ پہلے دونوں میں پاکیزہ محبت تھی اس کے بعد دونوں میں نکاح ہو گیا تو نکاح والی محبت اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ کسی نے اس طرح کی محبت نہ دیکھی ہوگی نہ سنی ہوگی اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح کے بغیر محبت ناقص ہے اور نکاح میں جماع ہے جس میں محبت کی تکمیل ہے۔

آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی فضیلت

(۱۵) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَرَادَ اَنْ يَلْقَى اللّٰهَ طَاهِرًا مُطَهَّرًا فَلْيَتَزَوَّجِ الْحَرَائِرَ

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اس بات کا خواہشمند ہو کہ وہ (زنا کی نجاست سے) پاکی کی حالت میں اور پاکیزہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے تو اسے چاہئے کہ آزاد عورتوں سے نکاح کرے۔"

تشریح: اس کی وجہ عام طور پر آزاد عورتیں لونڈیوں کی بہ نسبت زیادہ پاک دپاکیزہ ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کی پاکیزگی مخالطت ومعاشرت کے ذریعہ ان کی شوہروں میں سرایت کرتی ہے پھر یہ کہ آزاد عورتیں اپنی اولاد کو جو ادب وسلیقہ اور تہذیب سکھا سکتی ہیں وہ لونڈیوں کے بس کی بات نہیں ہے کیونکہ جب وہ خود بھی کمتر وپست نفسیں ہوتی ہیں تو اپنی اولاد کو ادب وتہذیب اور اخلاق سے کیسے مزین کر سکتی ہیں۔

نیک بخت بیوی کی خصوصیت

(۱۶) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ يَقُوْلُ مَا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوَى اللّٰهِ خَيْرًا لَهُ مِنْ زَوْجَةٍ صَالِحَةٍ إِنْ أَمَرَهَا أَطَاعَتْهُ وَ إِنْ نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَ إِنْ أَقْسَمَ عَلَيْهَا أَبَرَّتْهُ وَ إِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْهُ فِي نَفْسِهَا وَمَالِهِ رَوَى ابْنُ مَاجَةَ الْأَحَادِيْثَ الثَّلَاثَةَ.

ترجمہ: اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مؤمن اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کے بعد جو سب سے بہتر چیز اپنے لیے منتخب کرتا ہے وہ نیک بخت وخوب صورت بیوی ایسی بیوی کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر (شوہر) اس کو کوئی حکم دیتا ہے تو وہ اس کی تعمیل کرتی ہے جب وہ اس کی طرف دیکھتا ہے تو وہ (اپنے حسن اور پاکیزگی اور اپنی خوش سلیقگی و پاک سیرتی سے) اس کا دل خوش کرتی ہے جب وہ اس کو قسم دیتا ہے تو اس قسم کو پورا کرتی ہے اور جب اس کا خاوند موجود نہیں ہوتا تو وہ اپنے نفس کے بارہ میں (یہ) خیر خواہی کرتی ہے (کہ اس کو ضائع وخراب ہونے سے بچاتی ہے اور اس میں کوئی خیانت نہیں کرتی) مذکورہ بالا تینوں حدیثیں ابن ماجہ رحمہ اللہ نے نقل کی ہیں۔"

تشریح: بعد تقوی اللہ: یعنی دینداری اور تقویٰ کے بعد سب سے بہتر چیز صالح عورت ہے جو مفت کی خدمت گار ہے غم گسار واطاعت گزار ہے شوہر کے تمام احساسات کا محافظ ہے جس میں دین ودنیا دونوں کا فائدہ ہے۔ اس حدیث میں "تقوی اللہ" یعنی خوف خدا اور دین اسلام کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا آدھا حصہ نیک عورت سے نکاح ہے اور باقی آدھا اس کے علاوہ ہے اس حدیث کا مضمون آنے والی حدیث کی طرح ہے کہ نکاح کرنا آدھا دین ہے۔ احیاء العلوم میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کو تباہ کرنے والی عمومی طور پر دو چیزیں ہیں ایک بطن ہے اور دوسرا فرج ہے نکاح سے فرج کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے اس حدیث میں زوجہ صالحہ کی تشریح وتفصیل ہے خلاصہ یہ ہے کہ عورت اگر صالحہ ہے تو شوہر کے اوامر و نواہی اور اس کے اشارہ ابرو پر لبیک کہتی ہے شوہر موجود نہ ہو پھر بھی خیر خواہ ہوتی ہے اور اگر مفسدہ ہو تو پھر فساد ہی فساد ہے۔ اقسم علیہا: مطلب یہ کہ شوہر نے بیوی سے متعلق کوئی قسم کھائی کہ یہ کام نہیں کریگی یا کرے گی تو نیک بیوی شوہر کی قسم کا پورا پورا خیال رکھتی ہے۔

نکاح، آدھا دین ہے

(۱۷) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ نِصْفَ الدِّيْنِ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ فِي النِّصْفِ الْبَاقِيْ

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس بندہ نے نکاح کیا اس نے اپنا آدھا دین پورا کرلیا اب اسے چاہئے کہ باقی آدھے کے بارے میں خدا سے ڈرے۔"

تشریح: انسان کے جسم میں دو چیزیں ایسی ہیں جو عام طور پر دین میں فساد ونقصان کا سبب بنتی ہیں یعنی شرمگاہ اور پیٹ لہذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی شخص نے نکاح کر کے شرمگاہ کے فتنہ وفساد سے نجات پائی تو اب اسے چاہئے کہ پیٹ کے فتنے وفساد کو دور کرنے کے بارہ میں خدا سے ڈرتا رہے۔ یعنی حلال کمائی اور حلال رزق کے ذریعہ اپنا اور اپنے اہل وعیال کا پیٹ بھرے تا کہ دین کی بھلائی پوری حاصل ہو۔

کون سا نکاح بابرکت ہے؟

(۱۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مُؤْنَةً. رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بلاشبہ بہت زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جو محنت کے لحاظ سے آسان ہو" یہ دونوں روایتیں بیہقی رحمہ اللہ نے شعب الایمان میں نقل کی ہیں۔

تشریح: محنت کے لحاظ سے آسان نکاح سے مراد وہ نکاح ہے جس میں بیوی کا مہر کم ہو اور عورت زیادہ مال واسباب اور حیثیت سے زیادہ ضروریات زندگی (یعنی روٹی کپڑا) طلب کر کے مرد کو پریشان نہ کرے بلکہ شوہر کی طرف سے جو کچھ اور جیسا کیسا مل جائے برضا ورغبت اسی پر قانع رہے۔

بَابُ النَّظْرِ اِلَى الْمَخْطُوْبَةِ وَبَيَانُ الْعَوْرَاتِ

منسوبہ کو دیکھنے اور جن اعضاء کو چھپانا واجب ہے ان کا بیان

المخطوبة: خطب تخاطبا اور تخاطب ایک دوسرے سے کلام کرنے کے معنی میں ہے خطبہ وعظ کے کلام اور خطبہ نکاح کے پیغام کو کہتے ہیں یہاں یہی نکاح کا پیغام مراد ہے۔ عورات جمع ہے اس کا مفرد عورۃ ہے اصل اور حقیقت میں عورۃ انسان کی شرمگاہ اور مستورہ اعضاء کو کہا جاتا ہے یہ عار سے مشتق ہے کیونکہ ان اعضاء کے ظاہر ہونے سے انسان کو عار لاحق ہوتا ہے اسی لئے عورۃ کو لفظ مستورات پر بولا جاتا ہے۔

النظر الی المخطوبة: مخطوبہ وہ عورت ہے جس کے نکاح کا پیغام دیا گیا ہو جس کو اردو میں منسوبہ کہتے ہیں نکاح سے پہلے مخطوبہ کو دیکھنا جائز ہے یا نا جائز ہے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:۔ اہل ظواہر کے نزدیک مخطوبہ کو کسی صورت میں دیکھنا جائز نہیں ہے امام مالکؒ کے نزدیک ایک قول کے مطابق مطلقاً ممنوع ہے اور ایک قول کے مطابق عورت کی اجازت سے جائز ہے بغیر اجازت منع ہے۔ جمہور فقہاء اور عام علماء فرماتے ہیں کہ مخطوبہ کو دیکھنا مطلقاً جائز ہے خواہ انکی اجازت ہو یا نہ ہو۔

دلائل:۔ اہل ظواہر نے مشکوٰۃ شریف کی حضرت علیؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے اس میں یہ الفاظ ہیں "یا علی لا تتبع النظرة النظرة" اہل ظواہر کہتے ہیں کہ اس سے مطلقاً دیکھنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

جمہور نے کئی احادیث سے استدلال کیا ہے زیر بحث باب میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث پر ہے جس میں "فانظر الیھا" واضح الفاظ آئے ہیں اسی صفحہ پر فصل ثانی میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے اس کے ساتھ مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت ہے ان احادیث میں واضح طور پر مخطوبہ کو دیکھنے کا حکم ہے اور تاکید ہے تو یہ کس طرح ممنوع ہو سکتا ہے۔ نیز یہ زندگی کا مسئلہ اور معاملہ ہے تو خوب تسلی کرنی چاہیے۔

جواب:۔ اہل ظواہر نے حضرت علیؓ کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ غلط استدلال ہے کیونکہ اس حدیث کا تعلق اجنبیات کی بدنظری سے ہے اور ہماری بحث مخطوبہ منسوبہ میں ہے۔ ہاں اختلاف سے بچنے کیلئے بہتر صورت یہ ہے کہ کسی تجربہ کار عورت کو اس لڑکی کے ہاں بھیجا جائے وہ تسلی سے دیکھ کر صورت حال بتادیگی لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ مخطوبہ کو دیکھنے کی مردوں کو جو اجازت ہے وہ صرف چہرہ اور ہتھیلیوں کے ایک بار دیکھنے کی اجازت ہے دیگر اعضاء نہیں اور بار بار دیکھنا بھی نہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ ..... اپنی منسوبہ کو دیکھ لینا مستحب ہے

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ تَزَوَّجْتُ امْرَاَةً مِّنَ الْاَنْصَارِ قَالَ فَانْظُرْ اِلَيْهَا فَاِنَّ فِیْ اَعْيُنِ الْاَنْصَارِ شَيْئًا. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں ایک انصاری عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں (اس بارہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا ہدایت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم اس عورت کو دیکھ لو (تو اچھا ہے) کیونکہ (بعض) انصاریوں کی آنکھوں میں کچھ خرابی ہے۔" (مسلم)

تشریح: فان فی اعین الانصار شیئا:۔ یعنی مشورہ کا تقاضا یہی تھا جس طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو صاف صاف بتلا دیا کیونکہ "المستشار مؤتمن" کہ جس سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ امین بنایا جاتا ہے تو ان کو صاف بتلانا چاہیے۔

"شئی" اس سے مراد یا یہ کہ انصاری عورتوں کی آنکھیں نیلی ہوتی ہیں یا مطلب یہ کہ اس میں پیلا پن ہوتا ہے۔

سوال:۔ اب شارحین نے یہاں یہ سوال اٹھایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اجنبی عورتوں کی آنکھوں کا کیسا علم ہوا؟

جواب:۔ پہلا جواب یہ کہ مردوں پر عورتوں کو قیاس کیا مردوں کی آنکھیں ایسی تھیں۔ دوسرا جواب یہ کہ وحی کے ذریعے سے معلوم ہوا۔ تیسرا جواب یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امت کے روحانی باپ تھے۔ آپ سے شرعاً کسی کا پردہ نہیں تھا یا یہ کہ پردہ کا حکم آنے سے پہلے آپ نے دیکھ لیا تھا۔ یا امہات المؤمنین کے ذریعے سے معلوم ہو گیا تھا۔

یہ چند جوابات ہو گئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سوال بالکل بے وزن اور بے جا ہے کیونکہ ایک ہی ماحول و معاشرہ میں رہتے ہوئے اپنی قوم وطبقہ کے حالات سے کون واقف نہیں ہوتا۔ کیا انصار کی عورتیں سب بالغہ پیدا ہوئی تھیں ان پر بچپن کا زمانہ نہیں گزرا تھا یا ان کی آنکھوں پر پیدائش کے وقت سے بلوغ تک پردے پڑے تھے کسی کی نظر ان پر نہیں پڑی؟

کسی عورت کے جسم کا حال اپنے شوہر سے بیان نہ کرو

(۲) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُبَاشِرُ الْمَرْاَةُ الْمَرْاَةَ فَتَنْعَتُهَا لِزَوْجِهَا كَاَنَّهٗ يَنْظُرُ اِلَيْهَا (متفق علیه)

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کوئی عورت اپنا برہنہ جسم کسی دوسری عورت کے برہنہ جسم سے نہ لگائے اور نہ اس عورت کے جسم کا حال اپنے خاوند کے سامنے بیان کرے (کیونکہ اپنے خاوند کے سامنے کسی اجنبی عورت کے جسم کا حال بیان کرنا ایسا ہی ہے) جیسا کہ اس کا خاوند اس عورت کے جسم کو خود دیکھ رہا ہو" (بخاری و مسلم)

تشریح: کسی عورت کا اپنے جسم کو برہنہ کر کے کسی دوسری عورت کے برہنہ جسم سے مس کرنا اور پھر اس عورت کے جسم کی خصوصیات یعنی گداز پن وغیرہ اپنے شوہر کے سامنے بیان کرنا انتہائی معیوب بات ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے عورتوں کو منع کیا ہے کیونکہ یہ نہ صرف بے شرمی کی بات اور غیر اخلاقی حرکت ہے بلکہ اس سے یہ بھی خطرہ ہے کہ اس کا خاوند کسی اجنبی عورت کے جسم کی پرکشش خصوصیات سن کر نفسانی ہیجان اور گندے خیالات میں مبتلا ہو جائے جو فتنہ برائی کی جڑ ہے۔

عورتوں اور مردوں کیلئے چند ہدایات

(۳) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلٰى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَا الْمَرْاَةُ اِلٰى عَوْرَةِ الْمَرْاَةِ وَلَا يُفْضِي الرَّجُلُ اِلَى الرَّجُلِ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ وَلَا تُفْضِي الْمَرْاَةُ اِلَى الْمَرْاَةِ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ. (رواه مسلم)

ترجمہ: اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم نے فرمایا "کوئی مرد کسی دوسرے مرد کے ستر کی طرف نہ دیکھے کوئی عورت کسی دوسری عورت کے ستر کی طرف نہ دیکھے، دو برہنہ مرد ایک کپڑے میں جمع نہ ہوں اور نہ دو برہنہ عورتیں ایک کپڑے میں جمع ہوں۔" (مسلم)

تشریح: مرد کا ستر اس کے جسم کا وہ حصہ ہے جو زیر ناف سے گھٹنوں کے نیچے تک ہوتا ہے اس کے جسم کے اس حصہ کو بلا ضرورت دیکھنا نہ تو کسی مرد کیلئے جائز ہے اور نہ کسی عورت کیلئے۔ مرد کے جسم کے اس حصہ کے علاوہ بقیہ حصوں کو دیکھنا مرد کیلئے بھی جائز ہے اور عورت کیلئے بھی بشرطیکہ عورت جنسی ہیجان سے مامون ہو اگر عورت جنسی ہیجان سے مامون نہ ہو تو پھر وہ غیر مرد کے جسم کے کسی بھی حصہ کو مطلقاً نہ دیکھے۔ اسی طرح عورت کا ستر عورت کے حق میں اس کے جسم کا زیر ناف سے زانوں تک کا حصہ ہے۔ لہٰذا عورت کے جسم کے اس حصہ کو بلا ضرورت دیکھنا عورت کیلئے بھی جائز نہیں ہے جبکہ عورت کا ستر اجنبی مرد کے حق میں اس کا پورا جسم ہے۔ یعنی مرد کیلئے کسی اجنبی عورت کے جسم کے کسی بھی حصہ پر نظر ڈالنا جائز نہیں ہے۔ ہاں ایک روایت کے مطابق عورت کا چہرہ اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر اس کے "ستر" میں داخل نہیں ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی اجنبی عورت کا ان اعضاء کا دیکھنا غیر مرد کیلئے جائز ہے بشرطیکہ وہ مرد جنسی ہیجان سے مامون ہو اگر جنسی ہیجان سے مامون نہ ہو تو پھر اس کیلئے ان اعضاء کا دیکھنا بھی جائز نہیں ہوگا۔ البتہ کسی خاص ضرورت کے وقت دیکھنا جائز ہوگا۔ خواہ جنسی ہیجان سے مامون ہو یا مثلاً گواہ کسی معاملہ میں گواہی کے وقت یا حاکم کسی معاملہ کے فیصلہ کے وقت ہر حالت

میں ان اعضاء کو دیکھ سکتا ہے۔ اسی طرح عورت کے ان اعضاء یعنی چہرہ اور ہاتھ پیر کو چھونا غیر مرد کیلئے جائز نہیں ہے اگر چہ وہ جنسی ہیجان سے مامون ہی کیوں نہ ہو۔ بشرطیکہ عورت جوان ہو ہاں اگر عورت اتنی عمر رسیدہ ہو کہ نفسانی خواہش اس کی طرف مائل ہی نہ ہوتی ہو یا مرد اتنا بوڑھا ہو کہ خود بھی اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو اور اس عورت کے نفس کی طرف سے بھی مطمئن ہو تو اس صورت میں ان اعضاء کو چھونا جائز ہوگا۔ مرد کو اپنی بیوی کے جسم کا ہر حصہ دیکھنا جائز ہے اسی طرح اپنی اس لونڈی کا پورا جسم دیکھنا جائز ہے جس سے مجامعت حلال ہو۔ عورت کا ستر اس کے محرم کے حق میں اس کی پیٹھ پیٹ اور زیر ناف سے گھٹنوں کے نیچے تک کا حصہ ہے۔ لہٰذا کسی عورت کے جسم کے ان حصوں اور اعضاء کو دیکھنا اور چھونا اس کے محرم کیلئے جائز نہیں ہے اگر چہ وہ جنسی ہیجان سے مامون ہی کیوں نہ ہو۔ چونکہ عورت کا سر، پنڈلی بازو اور سینہ اس کے محرم کے حق میں ستر نہیں ہے اس لئے ان اعضاء کو محرم دیکھ سکتا ہے۔ بشرطیکہ جنسی ہیجان سے مامون ہو۔ "دو برہنہ مرد ایک کپڑے میں جمع نہ ہوں" کے بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ دو ننگے مردوں کا ایک کپڑے میں یکجا ہونا یا دو ننگی عورتوں کا ایک کپڑے میں اکٹھا ہونا اگر چہ بحسب عادت کسی برائی کا محل نہیں رکھتا لیکن اس کے باوجود یہ حرام اور مکروہ ہے کیونکہ یہ چیز بہر حال شرم و حیا کے منافی ہے۔

اجنبی عورت کے ساتھ خلوت گزینی کی ممانعت

(۴) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا لَا يَبِيْتَنَّ رَجُلٌ عِنْدَ امْرَأَةٍ ثَيِّبٍ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ نَاكِحًا اَوْ ذَا مَحْرَمٍ (رواہ مسلم)

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خبردار! کوئی مرد کسی ثیب عورت کے ساتھ شب نہ گذارے الا یہ کہ وہ مرد منکوح یعنی خاوند ہو یا محرم ہو۔" (مسلم)

تشریح: یہاں "رات گزارنے سے مراد" تنہائی میں ملنا" ہے۔ لہٰذا اس حکم کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مرد کسی اجنبی ثیب عورت کے ساتھ کسی جگہ تنہائی میں اکٹھا نہ ہو خواہ رات ہو یا دن ہو۔

ثیب اس عورت کو کہتے ہیں جس سے جماع ہو چکا ہو یا جو خاوند کر چکی ہو۔ لیکن یہاں ثیب سے مراد جوان عورت ہے خواہ وہ کنواری ہو یا غیر کنوری ہو۔

محرم سے مراد ہے جس سے نکاح کرنا ابدی طور پر ناجائز ہو جیسے بیٹا بھائی اور داماد وغیرہ اگر چہ یہ محرمیت دودھ کے رشتہ ہی کی وجہ سے کیوں نہ ہو۔

(۵) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيَّاكُمْ وَالدُّخُوْلَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ الْحَمْوَ قَالَ الْحَمْوُ الْمَوْتُ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: اور حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اجنبی) عورتوں کے نزدیک جانے سے اجتناب کرو (جب کہ وہ تنہائی میں ہوں یا ننگی کھلی بیٹھی ہوں) ایک شخص نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) حمو کے بارہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حکم ہے؟ (کیا ان کے لیے بھی یہ ممانعت ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حمو" تو موت ہے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: حمو شوہر کے قرابت داروں کو کہتے ہیں جیسے بھائی (یعنی عورت کا دیور) وغیرہ وہاں شوہر کا باپ اور شوہر کا بیٹا حمو میں داخل نہیں ہے۔

"حمو تو موت ہے" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح موت انسان کی ظاہری اور دنیوی زندگی کو ہلاک کر دیتی ہے اس طرح حمو کا تنہائی میں غیر محرم عورت کے پاس جانا اس کی دینی اور اخلاقی زندگی کو ہلاکت و تباہی کے راستہ پر ڈال دیتا ہے کیونکہ عام طور پر لوگ غیر محرم عورتوں کے ساتھ حمو کے خلط ملط کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ اس لئے ان کے عورتوں کے پاس ہر وقت آتے جاتے رہنے اور ان کے ساتھ بے محابا نشست و برخواست رکھنے کی وجہ سے ان کا کسی برائی میں مبتلا ہو جانا زیادہ مشکل نہیں رہتا اس کی وجہ سے فتنے سر ابھارتے ہیں اور نفس برائیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

یہ جملہ الحمو الموت (یعنی حمو تو موت ہے) لفظ "موت" کا ذکر دراصل اس محاورہ کی بنیاد پر ہے جو اہل عرب کے ہاں عام طور پر کسی خطرناک چیز سے خوف دلانے کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اہل عرب کہہ دیا کرتے ہیں کہ شیر مرگ ہے یا بادشاہ آگ ہے چنانچہ ان جملوں کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ شیر کے قریب جانا موت کی آغوش میں چلا جانا ہے یا بادشاہ کی قربت آگ کی قربت کی مانند ہے۔ لہٰذا ان سے بچنا چاہئے۔

معالج عورت کا جسم دیکھ سکتا ہے

(۶) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ اسْتَاذَنَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى الْحِجَامَةِ فَاَمَرَ اَبَاطَيْبَةَ اَنْ يَحْجِمَهَا قَالَ حَسِبْتُ اَنَّهُ كَانَ اَخَاهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ اَوْغُلَامًالَمْ يَحْتَلِمْ . (رواہ مسلم)

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سینگی کھچوانے کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطیبہ رضی اللہ عنہ کو سینگی کھینچنے کا حکم دیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ حضرت ابوطیبہ رضی اللہ عنہ (کو سینگی کھینچنے کا حکم دینے کی وجہ یہ تھی کہ وہ) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے دودھ شریک بھائی تھے یا ابھی بالغ نہیں ہوئے تھے۔ (مسلم)

تشریح: فی الحجامة: حجامہ سینگی کھچوانے پچھنے لگوانے کو کہتے ہیں احادیث میں اس کی بہت زیادہ ترغیب دیدی گئی ہے اور اس امت کے لئے اس کو علاج کا بڑا ذریعہ قرار دیا گیا ہے سینگی کرانے سے بلڈ پریشر اور اس سے پیدا ہونے والی تمام بیماریوں کا مؤثر علاج ہوسکتا ہے۔ حضرت ام سلمہؓ نے کسی بیماری کے علاج کے لئے اس کی اجازت اس لئے مانگی کہ سینگی کا یہ عمل مرد کر رہا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیدی اور ابوطیبہ حجام کو اس کے لئے متعین فرمایا اب یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ ابوطیبہ اجنبی مرد نے حضرت ام سلمہؓ کے جسم کو کیسے دیکھا؟
حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس سوال کو دفع کرنے کے لئے دو جواب دیتے ہیں۔ پہلا جواب یہ دیا ہے کہ میرا خیال ہے کہ ابوطیبہ ام سلمہ کا دودھ شریک بھائی تھا۔ دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ وہ نابالغ لڑکا تھا۔ بہر حال ان دو جوابات کے علاوہ تیسرا جواب اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر علاج کی ضرورت ہو اور بیماری کی مجبوری ہو تو طبیب مریض عورت کے جسم کا صرف متاثرہ حصہ دیکھ سکتا ہے ہاں غیر ضروری مقامات پر کپڑا ڈالنا چاہیے۔ اگر عورت طبیب اور ڈاکٹر ہو تب بھی مسئلہ اسی طرح ہے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج کل ہسپتالوں میں ڈاکٹر عورتیں اور مرد دونوں شوقیہ طور پر مریضوں کے جسم کے غیر ضروری مواضع دیکھتے رہتے ہیں۔

کسی اجنبی عورت پر اچانک نظر پڑ جانے کا مسئلہ

(۷) وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَظَرِ الْفَجْاءَةِ فَاَمَرَنِىْ اَنْ اَصْرِفَ بَصَرِىْ (رواہ مسلم)

ترجمہ: اور حضرت جریر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی اجنبی عورت پر ناگہاں نظر پڑ جانے کے بارہ میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ حکم دیا کہ میں اپنی نظر (فوراً) پھیرلوں۔ (مسلم)

تشریح: نظر الفجاءة: بغیر قصد وارادہ اچانک کسی اجنبی عورت پر نظر پڑ جانے کو "نظر الفجاءة" کہا گیا ہے۔ شریعت میں یہ اچانک نظر ایک بار معاف ہے لیکن نظر پڑنے والے شخص پر واجب ہے کہ فوراً اپنی نظر پھیر لے اگر وہ پہلی نظر کو مسلسل جمائے رکھتا ہے تو پہلی نظر پر بھی گناہ گار ہو جائیگا۔
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت بوجہ مجبوری چہرہ کھول سکتی ہے یہ ان کی مجبوری ہے لیکن کسی شخص کو اجازت نہیں کہ وہ ان کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر ان کے چہرہ میں مطالعہ شروع کرے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو نگاہ نیچے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نگاہ زنا کی بنیاد ہے اس کی حفاظت بہت ضروری ہے۔
اس حدیث کے بعد والی حدیث میں ہے کہ اجنبیہ پر اچانک نظر پڑ جانے کا علاج یہ ہے کہ اگر ان کو شہوت آگئی ہو تو جا کر اپنی بیوی سے جماع کرلے۔ آئندہ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت فتنے میں خالص شیطان کی طرح ہے لہٰذا ان کو شدید ضرورت کے بغیر گھومنا پھرنا جائز نہیں اور پرکشش اور جاذب لباس میں تو کسی صورت میں باہر نکلنا جائز نہیں کیونکہ یہ شیطان کا سب سے بڑا جال ہے جس سے مرد شکار ہوتے ہیں۔
اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کو لازم ہے کہ وہ اجنبی عورتوں اور ان کے لباس کو نہ دیکھیں اور اس سے یہ بھی معلوم

ہوا کہ مرد دن کے وقت اپنی بیوی سے جماع کرسکتا ہے۔

(۸) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَرْأَةَ تُقْبِلُ فِيْ صُوْرَةِ شَيْطَانٍ وَ تُدْبِرُ فِيْ صُوْرَةِ شَيْطَانٍ إِذَا أَحَدُكُمْ أَعْجَبَتْهُ الْمَرْأَةُ فَوَقَعَتْ فِيْ قَلْبِهِ فَلْيَعْمِدْ إِلَى امْرَأَتِهِ فَلْيُوَاقِعْهَا فَإِنَّ ذٰلِكَ يَرُدُّ مَا فِيْ نَفْسِهِ. (رواه مسلم)

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے اور شیطان کی صورت میں جاتی ہے۔ لہٰذا جب تم میں سے کسی کو کوئی اجنبی عورت اچھی لگے اور وہ اس کے دل میں گھر کرنے لگے تو اسے چاہئے کہ وہ فوراً اپنی بیوی کے پاس چلا جائے اور اس سے مباشرت کرلے کیونکہ یہ مباشرت اس چیز کو ختم کردے گی جو اس کے دل میں پیدا ہوگئی ہے (یعنی جنسی خواہش)"۔ (مسلم)

تشریح: عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے الخ یہ دراصل گندے خیالات، برے وسوسوں اور گمراہی میں مبتلا کرنے کے سلسلہ میں عورت کو شیطان کے ساتھ مشابہت دینے کا ایک اسلوب ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح شیطان انسانوں کے دل ودماغ میں برے خیالات ڈال کر گمراہ کرتا ہے۔ اسی طرح عورت کا جمال مرد کی نظر کو اپنا اسیر بنا کر اس کے دل کو بری خواہشات اور گندے خیالات کی گمراہی میں مبتلا کردیتا ہے۔ لہٰذا اجنبی عورت کو دیکھنا فتنہ وشر کا باعث بن جاتا ہے اس سے علماء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ عورت کو تو یہ چاہئے کہ وہ بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلے اور کسی ضرورت کے تحت باہر نکلے تو بناؤ سنگھار کرکے نہ نکلے اور مرد کو یہ چاہئے کہ وہ اجنبی عورت کی طرف نہ دیکھے اور نہ اس کے کپڑوں کی طرف نظر کرے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ..... اپنی منسوبہ کو نکاح سے پہلے دیکھ لینا مستحب ہے

(۹) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمُ الْمَرْأَةَ فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَّنْظُرَ إِلٰى مَا يَدْعُوْهُ إِلٰى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ نکاح کا پیغام بھیجے تو اگر وہ اس (عورت کے ان اعضاء) کو دیکھنے پر قادر ہو جو اس کو نکاح کی رغبت دلاتے ہیں (یعنی ہاتھ اور چہرہ) تو ایک نظر دیکھ لے۔" (ابوداؤد)

تشریح: اپنی منسوبہ کو نکاح کا پیغام بھیجنے سے پہلے ایک نظر دیکھ لینا مستحب ہے کیونکہ اگر وہ عورت پسند آگئی اور طبیعت کو بھاگئی تو اس نکاح کے بعد وہ اس عورت کی وجہ سے بدکاری سے بچا رہے گا جو نکاح کا اصل مقصود ہے۔ اس موقع پر یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ ایک موقع پر جو یہ فرمایا گیا ہے کہ کسی عورت سے اس کے حسن وجمال کی وجہ سے نکاح نہ کیا جائے تو اس حکم کا یہ مقصد نہیں ہے کہ حسن وجمال کو ملحوظ ہی نہ رکھا جائے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ کسی حسین وجمیل عورت سے نکاح کرنے میں کوئی دینی نقصان وفساد ہو تو اس دینی نقصان وکوتاہی سے بالکل صرف نظر کرکے اس سے محض اس بنا پر نکاح نہ کیا جائے کہ وہ حسن وجمال کی حامل ہے۔

(۱۰) وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ خَطَبْتُ امْرَأَةً فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ نَظَرْتَ إِلَيْهَا قُلْتُ لَا قَالَ فَانْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أَحْرٰى أَنْ يُّؤْدَمَ بَيْنَكُمَا. (رواه احمد و الترمذي والنسائي و ابن ماجة و الدارمي)

ترجمہ: حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے منگنی کا ارادہ کیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ "کیا تم نے اس عورت کو دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ "نہیں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم اس عورت کو ایک نظر دیکھ لو کیونکہ دیکھ لینا بہت مناسب وبہتر ہے۔" (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، داری)

تشریح: یعنی اگر تم اپنی منسوبہ کو ایک نظر دیکھ لینے کے بعد اس سے نکاح کروگے تو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت الفت بہت زیادہ ہوگی کیونکہ جب منسوبہ کو دیکھ لینے کے بعد نکاح ہوتا ہے تو عام طور پر کوئی پچھتاوا نہیں ہوتا اور نہ اپنے اس انتخاب پر کوئی شرمندگی وپریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔

کسی اجنبی عورت پر نظر پڑ جائے تو فوراً اپنی بیوی سے تسکین حاصل کرلو

(۱۱) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ رَأَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةً فَاَعْجَبَتْهُ فَاَتٰى سَوْدَةَ وَهِيَ تَصْنَعُ طِيْبًا وَعِنْدَهَا نِسَاءٌ فَاَخْلَيْنَهُ فَقَضٰى حَاجَتَهُ ثُمَّ قَالَ اَيُّمَا رَجُلٍ رَاٰى امْرَأَةً تُعْجِبُهُ فَلْيَقُمْ اِلٰى اَهْلِهٖ فَاِنَّ مَعَهَا مِثْلَ الَّذِيْ مَعَهَا (رواہ الدارمی)

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک عورت پر پڑی تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی لگی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (فوراً) ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے وہ اس وقت خوشبو تیار کر رہی تھیں اور چند عورتیں ان کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں ان عورتوں نے خلوت کردی (یعنی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے اٹھ کر باہر آگئیں) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ضرورت پوری کی (یعنی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے مجامعت فرمائی) اور فرمایا کہ "جس مرد کی کسی ایسی عورت پر نظر پڑ جائے جو اسے اچھی لگے تو اسے چاہئے کہ وہ (فوراً) اپنی بیوی کے پاس چلا جائے (اور اس کے ذریعہ جنسی تسکین حاصل کرلے تاکہ اس کی جنسی خواہش پوری ہو جائے اور برے خیالات میں مبتلا نہ ہو) کیونکہ اس کی بیوی کے پاس بھی وہی چیز ہے جو اس عورت کے پاس ہے۔" (دارمی)

تشریح: اس عورت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑ جانا ایک اتفاقی امر تھا جس پر کوئی اختیار نہیں تھا اور پھر اس عورت کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں اچھا لگنا انسانی طبیعت و جبلت کا تقاضا تھا جو ایک فطری امر ہے۔

عورت بیگانی نظروں سے چھپنے کی چیز ہے

(۱۲) وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَاِذَا خَرَجَتْ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عورت پردہ میں رہنے کی چیز ہے چنانچہ جب کوئی عورت (اپنے پردہ سے باہر) نکلتی ہے تو شیطان اس کو مردوں کی نظر میں اچھا کر کے دکھاتا ہے۔" (ترمذی)

تشریح: المراۃ عورۃ: یعنی عورت قابل پردہ چیز ہے یہ "عار" سے ہے اس کے ظاہر ہونے اور بے پردہ ہونے سے مرد کو عار لاحق ہو جاتا ہے۔ عورت کا بے پردہ ہونا ایسا ہے جیسا شرمگاہ بے پردہ ہو جائے جب اس کو کوئی برداشت نہیں کرسکتا تو عورت کی بے پردگی کیسے برداشت کرتا ہے لیکن حقیقت میں مردوں کی غیرت پر پردہ پڑ گیا ہے لسان العصر اکبر الہ آبادی نے کیا خوب فرمایا ہے

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں	اکبر زمین میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا؟	کہنے لگیں کہ عقلوں پر مردوں کی پڑ گیا

استشرفها الشیطان: "استشراف" جھانک کر دیکھنے کو کہتے ہیں خاص کر تعجب کے وقت آدمی جب ہاتھ کو آنکھوں کے اوپر آبرو پر رکھ کر دیکھتا ہے وہ استشراف ہے اب شیطان کے جھانکنے کے کئی مطلب ہیں۔

مطالب حدیث:۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس جھانکنے کا پہلا مطلب یہ ہے کہ شیطان اس عورت کو مردوں کے سامنے خوبصورت بناتا ہے اور اس کے ذریعے سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور خود اس عورت کو بھی گمراہ کرتا ہے۔

صاحب آکام المرجان فی احکام الجان نے اپنی اس کتاب میں لکھا ہے کہ شیطان عورت کی سرین کے اوپر پتلی کمر کے نیچے بیٹھ کر لوگوں کو اس طرف راغب کرتا رہتا ہے۔ علامہ طیبی کے نزدیک اس حدیث کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ جھانکنے سے بدکار لوگوں کا جھانکنا مراد ہے یعنی جب عورت گھر سے بے پردہ ہو کر نکلتی ہے تو فساق و فجار اس کو جھانک کر دیکھتے ہیں اور ان کے دلوں میں یہ وسوسہ اور خباثت چونکہ شیطان پیدا کرتا ہے اس لئے ان کے فعل کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے یعنی شیطان سے مراد فساق و فجار لوگ ہیں۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ شیطان چاہتا ہے اور اس سے خوش ہوتا ہے کہ عورت ذات کھلے میدان میں آئے تا کہ شیطان اس کو خوب جی بھر کر دیکھے اور وہ شیطان کے سامنے کھڑی ہو۔ چوتھا مطلب اور حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ شیطان باہر نکلی ہوئی عورت پر جھانک کر اپنی خبیث نگاہ ڈالتا رہتا ہے تا کہ اس کے اثر سے یہ پاکیزہ اور طیبہ عورت رذیلہ اور خبیثہ بن جائے۔ علامہ طیبی کی یہ آخری توجیہ بہت عمدہ ہے۔

کسی عورت پر اتفاقی نظر پڑ جانے کے بعد دوسری نظر ڈالنا جائز نہیں ہے

(۱۳) وَعَنْ بُرَیْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِعَلِیٍّ یَا عَلِیُّ لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَإِنَّ لَکَ الْاُوْلٰی وَلَیْسَتْ لَکَ الْاٰخِرَةُ۔ (رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد)

ترجمہ: اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "علی! نظر پڑ جانے کے بعد پھر نظر نہ ڈالو (یعنی اگر کسی عورت پر ناگہاں نظر پڑ جائے تو پھر اس کے بعد دوبارہ اس کی طرف نہ دیکھو) کیونکہ تمہارے لیے پہلی نظر تو جائز ہے (جب کہ اس میں قصد و ارادہ کو قطعاً دخل نہ ہو) مگر دوسری نظر جائز نہیں ہے۔" (احمد ترمذی ابوداؤد اور داری)

اپنی لونڈی کا نکاح کر دینے کے بعد اسے اپنے لئے حرام سمجھو

(۱۴) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا زَوَّجَ اَحَدُکُمْ عَبْدَہٗ اَمَتَہٗ فَلَا یَنْظُرَنَّ اِلٰی عَوْرَتِھَا وَفِیْ رِوَایَةٍ فَلَا یَنْظُرَنَّ اِلٰی مَادُوْنَ السُّرَّةِ وَفَوْقَ الرُّکْبَةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: اور حضرت عمرو ابن شعیب رحمہ اللہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص اپنے غلام کا نکاح اپنی لونڈی سے کر دے تو پھر اس لونڈی کی (شرمگاہ) کو نہ دیکھے (کیونکہ نکاح کے بعد وہ اپنے آقا کے لیے حرام ہو جاتی ہے) اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "تو وہ (اس لونڈی کے جسم کے) اس حصہ کو نہ دیکھے جو ناف کے نیچے سے زانو کے اوپر تک ہے۔"

ران، جسم کا مستور حصہ ہے

(۱۵) وَعَنْ جَرْھَدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الْفَخِذَ عَوْرَةٌ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

ترجمہ: اور حضرت جرہد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا تم نہیں جانتے کہ ران ستر ہے (یعنی ران جسم کا وہ حصہ ہے جسے چھپا ہوا ہونا چاہئے)۔" (ترمذی ابوداؤد)

تشریح: کتاب "اسد الغابہ" میں یہ لکھا ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں حضرت جرہد رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ ان کی ران کھلی ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی ران ڈھانک لو کیونکہ ران ستر ہے۔ لہذا یہ ارشاد گرامی ان علماء کے مسلک کے خلاف دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ران ستر نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ اور حضرت امام احمد رحمہ اللہ کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ ان کے نزدیک ران ستر میں داخل نہیں ہے۔

(۱۶) وَعَنْ عَلِیٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَہٗ یَا عَلِیُّ لَا تُبْرِزْ فَخِذَکَ وَلَا تَنْظُرْ اِلٰی فَخِذِ حَیٍّ وَّلَا مَیِّتٍ۔ (رواہ ابوداؤد و ابن ماجۃ)

ترجمہ: اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ "علی رضی اللہ عنہ اپنی ران کو (لوگوں کے سامنے) مت کھولو اور نہ زندہ شخص کی ران دیکھو اور نہ مردے کی ران دیکھو۔" (ابوداؤد ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ستر کے حکم میں زندہ اور مردہ دونوں برابر ہیں یعنی جس طرح زندہ شخص کے جسم کے ان حصوں

کو دیکھنا ممنوع ہے جس کا چھپایا جانا شرعی طور پر ضروری ہے اسی طرح مردہ کے جسم کے ان حصوں کو دیکھنا بھی ممنوع ہے۔

(۱۷) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَحْشٍ قَالَ مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مَعْمَرٍ وَ فَخِذَاهُ مَكْشُوْفَتَانِ فَقَالَ يَا مَعْمَرُ غَطِّ فَخِذَيْكَ فَإِنَّ الْفَخِذَيْنِ عَوْرَةٌ. (رواه فی شرح السنة)

ترجمہ: اور حضرت محمد ابن جحش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے اس حال میں گذرے کہ ان کی دونوں رانیں کھلی ہوئی تھیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "معمر! اپنی رانوں کو چھپالو کیونکہ ران ستر ہے۔" (شرح السنۃ)

بغیر ضرورت تنہائی میں بھی ستر کھولنا اچھا نہیں ہے

(۱۸) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاكُمْ وَالتَّعَرِّيَ فَإِنَّ مَعَكُمْ مَنْ لَا يُفَارِقُكُمْ إِلَّا عِنْدَ الْغَائِطِ وَحِيْنَ يُفْضِي الرَّجُلُ إِلٰى أَهْلِهِ فَاسْتَحْيُوْهُمْ وَأَكْرِمُوْهُمْ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم برہنہ ہونے سے اجتناب کرو (اگرچہ تنہائی کیوں نہ ہو) کیونکہ پاخانہ اور اپنی بیوی سے مجامعت کے اوقات کے علاوہ تمہارے ساتھ ہر وقت وہ (فرشتے) ہوتے ہیں جو تمہارے اعمال لکھنے پر مامور ہیں) لہٰذا تم ان (فرشتوں) سے حیا کرو اور ان کی تعظیم کرو۔" (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ تم ہر وقت اپنے ستر کو چھپائے رکھو اچھے کام کرتے رہو اور بری باتوں اور فحش اعمال سے اجتناب کرتے رہو تا کہ ان فرشتوں کی شان میں حیا سوزی نہ ہو اور ان کی تعظیم و تکریم میں کوئی فرق نہ آئے ابن ملک کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی ضرورت مثلاً مجامعت یا رفع حاجت وغیرہ کے علاوہ ستر کو کھولنا جائز نہیں ہے کیونکہ بڑی بے شرمی اور بے غیرتی کی بات ہے۔

عورت، مرد کو دیکھ سکتی ہے یا نہیں؟

(۱۹) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مَيْمُوْنَةُ إِذْ أَقْبَلَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُوْمٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجِبَا مِنْهُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَلَيْسَ هُوَ أَعْمٰى لَا يُبْصِرُنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَعَمْيَاوَانِ أَنْتُمَا تُبْصِرَانِهِ. (رواه احمد و الترمذی و ابوداود)

ترجمہ: اور حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) وہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھیں کہ اچانک ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ (جو ایک نابینا صحابی تھے) آگئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر) ان دونوں ازواج مطہرات سے فرمایا کہ "ان سے چھپ جاؤ" ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم سن کر) میں نے عرض کیا کہ "کیا وہ نابینا نہیں ہیں وہ ہمیں نہیں دیکھ سکتے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا تم دونوں بھی اندھی ہو؟ کیا تم ان کو نہیں دیکھ رہی ہو؟ (یعنی اگر وہ اندھے ہیں تو تم تو اندھی نہیں ہو)۔"

تشریح: اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح مرد کا اجنبی یعنی غیر محرم عورت کو دیکھنا حرام ہے اس کی طرح عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا بھی حرام ہے لیکن علماء یہ لکھتے ہیں کہ یہ ارشاد گرامی ورع اور تقویٰ پر محمول ہے یا یہ کہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ عورت' مرد کو بطور اختلاط نہ دیکھے یعنی ایسا ہونا چاہئے کہ دو اجنبی مرد و عورت ایک جگہ باہم ہوں اور دونوں ایک دوسرے سے بات چیت کریں اور عورت' مرد کو شوق و دلچسپی کے ساتھ غور سے دیکھے۔ چنانچہ اس بارہ میں صحیح مسئلہ یہی ہے کہ عورت' مرد کو دیکھ سکتی ہے لیکن ناف سے زانوں تک کے حصہ پر نظر ڈالنا جائز نہیں ہے اس مسئلہ کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول ہے کہ "جب حبشی نیزہ بازی کر رہے تھے تو میں ان کو دیکھ رہی تھی"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حبشیوں کو دیکھنا ۹ ھ کی بات ہے جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۱۶ سال کی تھی اور پردہ کا حکم نافذ ہو چکا تھا لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا مرد کو دیکھنا جائز ہے۔ علاوہ اس کے جسم کے اس مذکورہ حصہ کے جو ستر میں داخل ہے لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ اجازت اس صورت میں ہے جبکہ جنسی خواہش سے مامون ہو اگر جنسی خواہش سے مامون نہ ہو تو پھر مرد کو بالکل نہ دیکھے۔

خلوت میں بھی اپنا ستر چھپائے رکھو

(۲۰) وَعَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْفَظْ عَوْرَتَكَ إِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ أَوْمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَفَرَأَيْتَ إِذَا كَانَ الرَّجُلُ خَالِيًا قَالَ فَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَحْيٰى مِنْهُ (رواه الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت بہز بن حکیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اپنے باپ وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی شرمگاہ کی حفاظت کر مگر اپنی بیوی پر اور جو تیری لونڈی ہے میں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت آدمی اکیلا ہو فرمایا اللہ زیادہ لائق ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔ روایت کیا اس کو ترمذی' ابوداؤد اور ابن ماجہ نے۔

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ خلوت میں اگر چہ کوئی موجود نہیں ہوتا لیکن اس وقت بھی اپنا ستر کھولنا مناسب نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ تو بہرصورت دیکھتا ہے جو انسانوں سے زیادہ اس بات کا لائق ہے کہ اس سے شرم و حیا کی جائے۔

لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ خلوت میں بھی ستر کو چھپائے رکھنا واجب ہے ہاں کسی ضرورت کی بنا پر کھولنا جائز ہے۔

حدیث میں ستر کو چھپانے کا حکم دیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں بیوی اور لونڈی کا جو استثناء کیا گیا ہے کہ اپنی بیوی یا اپنی لونڈی کے سامنے اپنا ستر چھپانا ضروری نہیں ہے تو اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ ملک اور نکاح' جانبین (یعنی مرد و عورت) کیلئے ایک دوسرے کے ستر کی طرف دیکھنے کو مباح کر دیتے ہیں۔

اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہو

(۲۱) وَعَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثُهُمَا الشَّيْطَانُ (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی آدمی کسی اجنبی عورت کے ساتھ علیحدہ نہیں ہوتا مگر اس کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے)

تشریح: جب دو اجنبی مرد و عورت کہیں خلوت میں جمع ہوتے ہیں تو وہاں شیطان فوراً پہنچ جاتا ہے جو ان دونوں کے جنسی جذبات کو برانگیختہ کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ ان پر جنسی ہیجان کا غلبہ ہو جاتا ہے اور وہ بدکاری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تم کسی اجنبی عورت کے ساتھ خلوت میں یکجا ہونے کا کوئی موقع ہی نہ آنے دو کہ شیطان تمہارے درمیان آ جائے اور تمہیں برائی کے راستہ پر لگا دے۔

(۲۲) وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَلِجُوْا عَلَى الْمُغِيْبَاتِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ مِنْ أَحَدِكُمْ مَجْرَى الدَّمِ قُلْنَا وَمِنْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَمِنِّيْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ أَعَانَنِيْ عَلَيْهِ فَأَسْلَمُ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا جن کے خاوند غائب ہیں ان پر مت داخل ہو اس لیے کہ شیطان خون کی طرح تمہارے اندر سرایت کرتا ہے ہم نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی جاری ہوتا ہے فرمایا ہاں مگر اللہ نے میری مدد فرمائی ہے اس لیے میں محفوظ رہتا ہوں۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے)

تشریح: یوں تو کسی غیر محرم عورت کے پاس تنہائی میں جانا اس کے ساتھ اختلاط رکھنا ممنوع ہے لیکن اس حدیث میں ان عورتوں کا کہ جن کے خاوند گھر پر موجود نہ ہوں (مثلاً باہر سفر میں گئے ہوں) خاص طور پر اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ عام طور پر شادی کے بعد چونکہ عورتوں کے جنسی جذبات

بیدار ہوجاتے ہیں اوران پرنفسانی خواہش کا غلبہ رہتا ہے۔اس لئے ان کے خاوند کی غیر موجودگی میں ان کے پاس تنہائی میں غیر محرم مرد کا جانا برائی میں مبتلا ہوجانے کے بہت زیادہ احتمال رکھتا ہے۔لفظ اسلم مضارع متکلم کے صیغہ کے ساتھ منقول ہے اور بعض روایتوں میں صیغہ ماضی کے ساتھ بھی نقل ہوا ہے اور یہ دونوں صحیح ہیں چنانچہ مضارع متکلم کا ترجمہ تو وہی ہے جو یہاں نقل کیا گیا اور اگر اسے صیغہ ماضی کے ساتھ پڑھا جائے تو پھر اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ (اللہ تعالیٰ نے شیطان کے مقابلہ پر میری اعانت فرمائی ہے) چونکہ وہ شیطان (میرے حق میں) مسلمان (یعنی مطیع ومغلوب) ہوگیا ہے۔

غلام، اپنی مالکہ کے حق میں اجنبی مرد کی طرح ہے

(۲۳) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتٰی فَاطِمَۃَ بِعَبْدٍ قَدْوَھَبَہٗ لَھَا وَ عَلٰی فَاطِمَۃَ ثَوْبٌ اِذَاقَنَّعَتْ بِہٖ رَاْسَھَا لَمْ یَبْلُغْ رِجْلَیْھَا وَاِذَا غَطَّتْ بِہٖ رِجْلَیْھَا لَمْ یَبْلُغْ رَاْسَھَا فَلَمَّا رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَاتَلْقٰی قَالَ اِنَّہٗ لَیْسَ عَلَیْکِ بَاْسٌ اِنَّمَا ھُوَاَبُوْکِ وَغُلَامُکِ۔ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اس حال میں کہ ان کے پاس غلام تھا جو حضرت نے ان کو دیا تھا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر کپڑا تھا جس سے سر ڈھانکتیں تو پاؤں تک نہ پہنچتا۔ جب پاؤں ڈھانکتیں تو سر ننگا رہ جاتا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اس مشقت کو دیکھا تو فرمایا کہ باپ اور غلام سے کوئی پردہ نہیں۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: **انما ھوابوک وغلامک**:۔ یہاں یہ بحث فقہاء کرام کے درمیان چل پڑی ہے کہ آیا مالکہ عورت کا غلام اس عورت کا محرم ہوتا ہے یا اجانب کی طرح ہے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے

فقہاء کرام کا اختلاف:۔امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک عورت کا غلام اس کے محارم میں سے ہے ان سے کوئی پردہ نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ امام غزالیؒ اور علامہ نوویؒ کے نزدیک عورت کا غلام اس کیلئے بمنزلہ اجنبی ہے جن سے مکمل پردہ ہے اس عورت کے چہرہ اور کفین کے علاوہ بدن کے کسی حصہ کو غلام نہیں دیکھ سکتا۔

دلائل: مالکیہ اور شوافع زیر بحث حضرت انسؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں ان حضرات نے سورۃ نور کی آیت **ولا یبدین زینتھن** ...... **او ما ملکت ایمانھن** سے بھی استدلال کیا ہے کہ یہاں ما کا لفظ عام ہے لہٰذا عورت اپنے مملوک غلام اور لونڈی دونوں کے سامنے مواضع زینت ظاہر کرسکتی ہے۔

ائمہ احناف اپنی دلیل میں مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ " **تستتر المراۃ من غلامھا** " اسی طرح مصنف عبدالرزاق میں مذکور مجاہد اور حضرت طاؤس والی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ " **لا ینظر المملوک الی شعر سیدتہ** "

صاحب ہدایہ نے عقلی دلیل اس طرح پیش کی ہے کہ جب غلام آزاد ہوجاتا ہے تو اس کا نکاح اپنی سابقہ مالکہ عورت سے جائز ہے اگر یہ محارم میں سے ہوتا تو نکاح کیسے جائز ہوتا۔الجواب: سورۃ نور کی آیت میں " **ما مملکت ایمانھن** " سے لڑکیاں اور مملوکہ لونڈیاں مراد ہیں لڑکے مراد نہیں حضرت سعید بن مسیب اور حضرت حسن بصری اور حضرت سمرہ بن جندب فرماتے ہیں کہ " **لا تغرنکم سورۃ النور فانھا فی الاناث دون الذکور** " باقی حضرت انسؓ کی مذکورہ روایت کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ غلام نابالغ ہو یا جواب یہ ہے کہ یہاں مظنۂ شہوت اور فتنہ کا احتمال نہیں تھا بہرحال یہ ایک جزوی واقعہ ہے اس میں کئی احتمالات ہوسکتے ہیں ہمیں قاعدہ اور ضابطہ کو اپنانا چاہیے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ.....عورتوں میں مخنث کے آنے کی ممانعت

(۲۴) عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ عِنْدَھَا وَ فِی الْبَیْتِ مُخَنَّثٌ فَقَالَ لِعَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ اَبِیْ اُمَیَّۃَ اَخِیْ

اُمِّ سَلَمَةَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ إِنْ فَتَحَ اللّٰهُ لَكُمْ غَدًا الطَّائِفَ فَإِنِّي أَدُلُّكَ عَلَى ابْنَةِ غَيْلَانَ فَإِنَّهَا تُقْبِلُ بِأَرْبَعٍ وَتُدْبِرُ بِثَمَانٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلَنَّ هٰؤُلَاءِ عَلَيْكُمْ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تھے اور گھر میں ایک مخنث تھا اس نے عبداللہ بن ابی امیہ کو کہا جو ام سلمہ کا بھائی تھا اے عبداللہ اگر اللہ نے کل طائف فتح فرما دیا تو میں تجھ کو غیلان کی بیٹی بتلاؤں گا کہ آتی ہے چار کے ساتھ اور جاتی ہے آٹھ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مخنث گھروں میں داخل نہ ہوا کریں۔ (متفق علیہ)

تشریح: لفظ ''مخنث'' نون کے زیر کے ساتھ یعنی ''مخنِث'' بھی لکھا پڑھا جاتا ہے اور نون کے زبر کے ساتھ ''مخنَث'' بھی استعمال ہوتا ہے لیکن زیادہ صحیح زیر کے ساتھ یعنی مخنِث ہی ہے جبکہ مشہور زبر کے ساتھ یعنی عام طور پر مخنَث لکھا پڑھا جاتا ہے۔ مخنث اس شخص کو کہتے ہیں جو عادات و اطوار، بول چال اور حرکات وسکنات میں عورتوں کے مشابہ ہو جس کو ہمارے ہاں زنانہ اور زنخا کہتے ہیں۔ یہ مشابہت کبھی تو خلقی طور پر ہوتی ہے اور کبھی مصنوعی طور پر اختیار کی جاتی ہے خلقی طور پر جو مشابہت ہوتی ہے اس میں کوئی گناہ نہیں کیونکہ یہ ایک قدرتی چیز ہوتی ہے جس میں انسانی اختیار کو دخل نہیں ہوتا۔ ہاں جو مشابہت مصنوعی ہوتی ہے بعض مرد عورتوں کی مشابہت اختیار کر لیتے ہیں اور اپنے رہن سہن عادات واطوار اور بول چال میں اپنے آپ کو بالکل عورت ظاہر کرتے ہیں یہ بہت برائی اور گناہ کی بات ہے ایسے لوگ لعنت کے مستحق ہیں کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ان عورتوں پر اللہ کی لعنت ہو جو مردوں کے مشابہت اختیار کرتی ہیں اور ان مردوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔

یہاں حدیث میں جس مخنث کا ذکر کیا گیا ہے اس کا نام ہیت تھا بعض نے اس کا نام ماطع لکھا ہے اس کے بارہ میں علماء لکھتے ہیں کہ یہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے گھروں میں آیا جایا کرتا تھا کیونکہ ازواج مطہرات کا یہ گمان تھا کہ یہ خلقی طور پر اوصاف مردانگی سے عاری اور جذبات نفسانی سے خالی ہے۔ اسے عورتوں کی طرف نہ کوئی رغبت وحاجت ہے اور نہ جنسیات سے اسے کوئی دلچسپی ہے بلکہ یہ غیر اولی الارب میں سے ہے جن کا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے اور کہا ہے کہ ان سے پردہ کرنا عورتوں کیلئے واجب نہیں ہے مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ بات سنی جو جنسی معاملات میں اس کی دلچسپی کی مظہر تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندازہ ہو گیا کہ مخنث غیر اولی الارب میں سے نہیں ہیں بلکہ اولی الارب میں سے ہیں اور جنسیات کی طرف خواہش اور رغبت رکھتے ہیں۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً منع کر دیا کہ اب مخنث گھروں میں داخل نہ ہوا کریں اور عورتوں کے پاس آیا جایا نہ کریں۔ فقہاء لکھتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی کی روشنی میں نہ صرف یہ کہ مخنث کیلئے گھروں میں داخل ہونے اور عورتوں کے پاس آنے جانے کی ممانعت ہے بلکہ خصی اور مجبوب کا بھی یہی حکم ہے اور پردہ وغیرہ کے سلسلہ میں تینوں ان مردوں کی مانند ہیں جن سے پردہ کرنا عورتوں پر واجب ہے۔

جو چار کے ساتھ آتی ہے اور آٹھ کے ساتھ جاتی ہے۔ اس بات سے اس مخنث کا مقصد غیلان کی بیٹی تھی کہ جس کا نام بادیہ تھا کہ فربہی وتنومندی کو بیان کرنا تھا کیونکہ عام طور پر جس شخص کا جسم فربہ ہوتا ہے اس کے پیٹ پر چار شکن پڑے ہوتے ہیں جو سامنے سے چار ہی نظر آتے ہیں مگر پیچھے سے دیکھنے پر وہ آٹھ نظر آتے ہیں بایں طور پر کہ ان چاروں شکنوں کے سرے دونوں پہلوؤں کی طرف نمایاں ہوتے ہیں۔ لہٰذا مخنث نے جو یہ بات کہی تو اس کی مراد یہی تھی کہ غیلان کی بیٹی جب آتی ہے تو اس کے پیٹ پر چار شکن نظر آتے ہیں اور جب وہ پیٹھ پھیر کر جاتی ہے تو پیچھے آٹھ شکن معلوم ہوتے ہیں جو دراصل پیٹ کے ان چاروں شکنوں کے وہ دونوں طرف کے سرے ہوتے ہیں جو دونوں پہلوؤں کی طرف نمایاں ہوتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ عرب کے لوگ چونکہ فربہ جسم والی عورتوں کی طرف زیادہ میلان رکھتے تھے اس لئے اس مخنث نے غیلان کی بیٹی کی فربہی کو ظاہر کرنے کیلئے یہ طرز تعبیر اختیار کیا۔

برہنگی کی ممانعت

(۲۵) وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ حَمَلْتُ حَجَرًا ثَقِيلًا فَبَيْنَا أَنَا أَمْشِي سَقَطَ عَنِّي ثَوْبِي فَلَمْ أَسْتَطِعْ أَخْذَهُ فَرَآنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ فَقَالَ لِي خُذْ عَلَيْكَ ثَوْبَكَ وَلَا تَمْشُوا عُرَاةً. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت مسور بن مخرمہ سے روایت ہے کہا میں نے ایک بھاری پتھر اٹھایا۔ جس وقت میں چلا تو میرے بدن سے کپڑا گر پڑا میں اس کو پکڑ نہ سکا۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا فرمایا اپنا کپڑا لے اور ننگے مت چلا کرو۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

شرم وحیا کا انتہائی درجہ

(۲۶) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَانَظَرْتُ اَوْمَارَأَيْتُ فَرْجَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطُّ. (رواه ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا نہیں نظر کی میں نے یا کہا نہیں دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ستر کبھی بھی۔ (ابن ماجہ)

تشریح: حرف ''او'' دراصل راوی کے اس شک کو ظاہر کرتا ہے کہ روایت میں مانظرت (میں نے کبھی نظر نہیں اٹھائی) کے الفاظ ہیں یا مارایت (میں نے کبھی نہیں دیکھا) کے الفاظ نقل ہوئے ہیں بہرحال ان دونوں کے معنی ایک ہی ہیں ان کے مفہوم ومطلب میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ ہیں کہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ستر کبھی دیکھا اور نہ کبھی میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ستر دیکھا۔ ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ اگرچہ شوہر اور بیوی ایک دوسرے کا ستر دیکھ سکتے ہیں لیکن آداب زندگی اور شرم وحیا کا انتہائی درجہ یہی ہے کہ شوہر اور بیوی بھی آپس میں ایک دوسرے کا ستر نہ دیکھیں۔

(۲۷) وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَامِنْ مُسْلِمٍ يَنْظُرُ اِلٰى مَحَاسِنِ امْرَأَةٍ اَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ يَغُضُّ بَصَرَهٗ اِلَّا اَحْدَثَ اللّٰهُ لَهٗ عِبَادَةً يَجِدُ حَلَاوَتَهَا. (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان کی حسین عورت پر ایک بار نظر پڑ جائے وہ اپنی نظر کو اس سے پھیر لے تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے ایک عبادت پیدا کریگا وہ اسکا مزا پائیگا۔ (احمد)

تشریح: مطلب یہ ہے اس شخص نے چونکہ اپنے رب کی فرمانبرداری میں ایک حسن وجمال کی طرف اٹھی ہوئی نظر کو فوراً پھیر لیا اور اس طرح اس نے گویا اپنے جمالیاتی ذوق کو تسکین پہنچانے کی بجائے اپنے پروردگار کے حکم کے سامنے اپنے نفس کی خواہش کو پامال کر دیا۔ اس لئے حق تعالیٰ اس کے اس فعل (نظر پھیر لینے) کو ایک ایسی عبادت میں تبدیل کر دے گا جس کی وجہ سے وہ اپنے قلب ودماغ میں حکم خداوندی کی تعمیل کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے مخصوص سکون قلب کی لذت محسوس کرے گا اور یہ لذت دراصل اس تلخی کا بدلہ ہوگی جو اس نے اپنے نفس کی خواہش پر صبر وضبط کر کے برداشت کی تھی۔

(۲۸) وَعَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ بَلَغَنِيْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ النَّاظِرَ وَ الْمَنْظُوْرَ اِلَيْهِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ارسال کے طریقے پر مجھ کو یہ حدیث بیان کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے دیکھنے والے پر اور جس کی طرف دیکھا گیا ہے دونوں پر لعنت کی ہے روایت کیا اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جو اس چیز کی طرف قصداً اور ارادۃً دیکھے جس کو دیکھنا جائز نہیں وہ چیز خواہ کوئی اجنبی عورت ہو یا کسی کا ستر ہو یا اور کوئی ممنوع المنظر چیز ہو۔ اسی طرح اس کو بھی مستحق لعنت قرار دیا گیا ہے جس کو دیکھا جائے لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ اس نے بغیر عذر اور اضطرار کے قصداً اپنے آپ کو دکھایا ہو مثلاً کوئی عورت اپنے آپ کو قصداً کسی اجنبی مرد کو دکھائے تو اس صورت میں وہ بھی اس لعنت میں داخل ہوگی ہاں اگر کسی عورت کو کسی اجنبی مرد نے اس طرح دیکھا کہ اس میں اس عورت کے قصد وارادہ کو قطعاً دخل نہ ہو تو وہ بھی اس لعنت کا مورد نہیں بنے گی۔

بَابُ الْوَلِيِّ فِي النِّكَاحِ وَاسْتِيْذَانِ الْمَرْأَةِ

نکاح کے ولی اور عورت سے نکاح کی اجازت لینے کا بیان

ولی لغت میں منتظم امور اور کارساز کے معنی میں ہے یہ ولایت سے ماخوذ ہے جو ''تنفيذ الحكم على الغير'' کو کہتے ہیں یہاں ولی سے

مراد وہ شخص ہے جو کسی عورت کے نکاح کا اختیار رکھتا ہو اور اس معاملہ کا قانونی ذمہ دار ہو۔ سب سے پہلے کسی عورت کے نکاح کی ولایت کا اختیار عورت کے اس رشتہ دار کو حاصل ہے جو عصبہ بنفسہ ہو اور عصبات کی ترتیب وہی ہوگی جو میراث اور وراثت میں ہوتی ہے۔

حق ولایت حاصل ہونے کے لئے آدمی کا آزاد ہونا شرط ہے عاقل ہونا ضروری ہے بالغ ہونا اور مسلمان ہونا لازم ہے لہٰذا غلام مجنون، بچہ اور کافر ولی نہیں بن سکتا۔ تاکہ کامل شفقت اور مکمل حکمت کی روشنی میں زندگی کا یہ لمبا معاملہ کسی نقصان کا شکار نہ ہو جائے۔ اسلام کی نظر میں چونکہ نکاح اور انسانی شرافت کا بہت زیادہ لحاظ رکھا گیا ہے اس لئے ولی کی اجازت اور عورت کی اجازت سے اس معاملہ کو شرافت کی روشنی میں جوڑا گیا ہے۔ تاکہ نامناسب جگہ میں نکاح کر کے عورت اپنے خاندان کو رسوا نہ کرے اور دوسری طرف عورت بے بس ہو کر حیوانات کے زمرے میں شامل نہ ہو جائے اس لئے اس "باب ولی النکاح" میں وہ تمام احادیث آئیں گی جن میں طرفین کے احساسات وجذبات کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے انسانی حق خودداری کے اصول کے تحت اس معاملہ میں عورت کی حیثیت ذرا طاقتور اور مستحکم ہے لیکن شرافت اور شرم وحیاء کے میدان میں ولی کا پلہ بھاری ہے لہٰذا اس باب میں جن احادیث میں بظاہر تعارض نظر آئیگا اس کو اسی طرفین کے حقوق کے تناظر میں دیکھنا چاہیے پھر کوئی تعارض نہیں رہے گا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ.....نکاح سے پہلے عورت کی اجازت حاصل کر لینی چاہیے

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنْکَحُ الْاَیِّمُ حَتّٰی تُسْتَأْمَرَ وَلَا تُنْکَحُ الْبِکْرُ حَتّٰی تُسْتَاْذَنَ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَکَیْفَ اِذْنُهَا قَالَ اَنْ تَسْکُتَ. (متفق علیه)

توضیح: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بیوہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا اے اللہ کے رسول اس کا اذن کیونکر ہے فرمایا اس کا خاموشی اختیار کرنا اس کا اذن ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: ایم اس عورت کو کہتے ہیں جس کا خاوند نہ ہو خواہ وہ باکرہ ہو (پہلے کبھی اس کی شادی نہ ہوئی ہو) خواہ ثیب ہو کہ پہلے اس کی شادی ہو چکی ہو اور پھر یا تو اس کا خاوند مر گیا ہو یا اس نے طلاق دیدی ہو) لیکن یہاں ایم سے مراد ثیب بالغہ ہے یعنی وہ عورت جو بالغہ ہو اور اس کا پہلا شوہر یا تو مر گیا ہو یا اس نے طلاق دیدی ہو۔ عورت سے اس کے نکاح کی اجازت حاصل کرنے کے سلسلہ میں حدیث نے باکرہ (کنواری) اور ثیب (بیوہ) کا ذکر اس فرق کے ساتھ کیا ہے کہ ثیب کے بارہ میں تو یہ فرمایا گیا کہ "جب تک اس کا حکم حاصل نہ کر لیا جائے" اور باکرہ کے بارہ میں یہ الفاظ ہیں کہ "جب تک کہ اس کی اجازت حاصل نہ کر لی جائے۔ لہٰذا حکم اور اجازت کا یہ فرق اس لئے ظاہر کیا گیا ہے کہ ثیب یعنی بیوہ عورت اپنے نکاح کے سلسلہ میں زیادہ شرم وحیا نہیں کرتی بلکہ وہ خود کھلے الفاظ میں اپنے نکاح کا حکم کرتی ہے یا کم سے کم صریح اشارات کے ذریعہ اپنی خواہش کا از خود اظہار کر دیتی ہے اور اس بارہ میں اسے کوئی خاص جھجک نہیں ہوتی اس کے برخلاف باکرہ یعنی کنواری عورت چونکہ بہت زیادہ شرم وحیا کرتی ہے اس لئے وہ نہ تو کھلے الفاظ میں اپنے نکاح کا حکم کرتی ہے اور نہ صریح اشارات کے ذریعہ ہی اپنی خواہش کا اظہار کرتی ہے۔ ہاں جب اس کے نکاح کی اجازت اس سے لی جائے تو وہ اپنی رضامندی واجازت دیتی ہے بلکہ زیادہ تر تو یہ ہوتا ہے کہ طلب اجازت کے وقت وہ زبان سے اجازت دینا بھی شرم کے خلاف سمجھتی ہے اور اپنی خاموشی وسکوت کے ذریعہ ہی اپنی رضامندی کا اظہار کر دیتی ہے۔

اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے حکم یا اجازت کے بغیر نکاح جائز نہیں ہوتا لیکن فقہاء کے یہاں اس بارہ میں تفصیل ہے اور وہ یہ کہ تمام عورتوں کی چار قسمیں ہیں۔ اول ثیب بالغہ یعنی وہ بیوہ عورت جو بالغ ہو اس عورت کے بارہ میں متفقہ طور پر تمام علماء کا قول یہ ہے کہ اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کرنا جائز نہیں ہے بشرطیکہ وہ عاقلہ ہو یعنی دیوانی نہ ہو اگر عاقلہ نہ ہوگی تو ولی کی اجازت سے اس کا نکاح ہو جائے گا۔ دوم باکرہ صغیرہ یعنی وہ کنواری لڑکی جو نابالغ ہو اس کے بارہ میں بھی تمام علماء کا متفقہ طور پر یہ قول ہے کہ اس کے نکاح کیلئے اس کی اجازت کی ضرورت نہیں بلکہ اس کا ولی اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کر سکتا ہے۔ سوم ثیب صغیرہ یعنی وہ بیوہ جو بالغ نہ ہو اس کے بارہ میں حنفی علماء کا تو یہ قول ہے کہ اس کا نکاح

اس کی اجازت کے بغیر ہو سکتا ہے لیکن شافعی علماء کہتے ہیں کہ اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔ چہارم باکرہ بالغہ یعنی وہ کنواری جو بالغہ ہو اس کے بارہ میں حنفی علماء تو یہ کہتے ہیں کہ اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں لیکن شافعی علماء کے نزدیک جائز ہے۔

گویا تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ حنفی علماء کے نزدیک ولایت کا مدار صغر پر ہے یعنی ان کے نزدیک ولی کو عورت کی اجازت کے بغیر نکاح کر دینے کا حق اسی صورت میں حاصل ہوگا جبکہ وہ کمسن یعنی نابالغ ہو خواہ وہ باکرہ (کنواری) ہو یا ثیب (بیوہ) ہو۔ جبکہ شافعی علماء کے نزدیک ولایت کا مدار بکارت پر ہے یعنی ان کے نزدیک ولی کو عورت کی اجازت کے بغیر نکاح کر دینے کا حق اس صورت میں حاصل ہوگا جبکہ وہ باکرہ ہو۔ خواہ بالغ ہو یا نابالغ ہو۔ لہٰذا یہ حدیث حنفیہ کے نزدیک بالغہ پر محمول ہے خواہ وہ ثیب ہو یا باکرہ ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی **ولا تنکح البکر حتی تستاذن** (کنواری عورت کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس کی اجازت حاصل نہ کر لی جائے) شوافع کے قول کے خلاف ایک واضح دلیل ہے۔

(۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاَيِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ تُسْتَاْذَنُ فِي نَفْسِهَا وَاِذْنُهَا صُمَاتُهَا وَ فِي رِوَايَةٍ قَالَ الثَّيِّبُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ تُسْتَاْمَرُ وَاِذْنُهَا سُكُوْتُهَا. وَ فِي رِوَايَةٍ قَالَ الثَّيِّبُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ يَسْتَاْذِنُهَا اَبُوْهَا فِي نَفْسِهَا وَاِذْنُهَا صُمَاتُهَا. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیوہ عورت اپنے نفس کی خود مالک ہے اور کنواری سے اجازت طلب کی جائے گی اس کا اذن چپ رہنا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ فرمایا بیوہ عورت احق تر ہے اپنے نفس کی اپنے ولی سے اور کنواری لڑکی سے اجازت طلب کی جائے اور اس کی اجازت خاموش رہنا ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا بیوہ عورت اپنے نفس کی زیادہ مالک ہے اپنے ولی سے اور کنواری سے اس کا باپ اجازت حاصل کرے اس کے نکاح کرنے میں اس کی اجازت چپ رہنا ہے۔ (روایت اس کو مسلم نے)

تشریح: اپنے ولی سے زیادہ خود اختیار رکھتی ہے کا مطلب یہ ہے کہ بیوہ عورت اپنے نکاح کی اجازت دینے یا نہ دینے کے معاملہ میں بالکل خود مختار ہے اور یہ کہ جب تک وہ خود اپنی زبان سے اجازت نہ دیدے اس کا نکاح نہیں ہوگا۔ بخلاف کنواری عورت کے کہ اس کے لئے زبان سے اجازت دینا ضروری نہیں ہے بلکہ وہ خاموشی کے ذریعہ بھی اپنی اجازت کا اظہار کر سکتی ہے۔

بیوہ اپنی مرضی کے خلاف ہو جانے والے نکاح کو رد کر سکتی ہے

(۳) وَعَنْ خَنْسَاءَ بِنْتِ خِدَامٍ اَنَّ اَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذٰلِكَ فَاَتَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّ نِكَاحَهَا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ مَاجَةَ نِكَاحَ اَبِيْهَا.

ترجمہ: حضرت خنسا بنت خدام رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح کر دیا اس حال میں کہ وہ بیوہ تھی اس نکاح کو اس نے مکروہ جانا پھر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نکاح کو رد کر دیا۔ روایت کیا اس کو بخاری نے ابن ماجہ کی روایت میں یوں ہے اس کے باپ کا کیا ہوا نکاح رد کر دیا۔

تشریح: وهی ثیب:۔ جمہور نے اس سے مفہوم مخالف کے طور پر اپنے مسلک کے اثبات کے لئے استدلال کیا ہے کہ ثیب کو نکاح رد کرنے کا اختیار ہے باکرہ کو اختیار نہیں ہے۔ احناف فرماتے ہیں کہ یہاں ثیب سے بالغہ عورت مراد ہے اور اس کو اختیار بوجہ اہلیت دیا گیا کیونکہ عاقلہ بالغہ عورت ہے ہر قسم عقود وفسوخ کا اختیار اس کو شریعت نے دیا ہے تو عقد نکاح کا اختیار بھی شریعت نے دیا ہے اور جب ایک عورت کو اختیار دیا گیا تو پھر بیوہ اور باکرہ کا فرق نہیں صرف بلوغ کا لحاظ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر

(۴) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهِيَ بِنْتُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَزُفَّتْ اِلَيْهِ وَهِيَ بِنْتُ تِسْعِ

سَبْعَ وَلُعَبُهَا مَعَهَا وَمَاتَ عَنْهَا وَهِيَ بِنْتُ ثَمَانِيَ عَشَرَةَ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا اس حال میں کہ وہ سات برس کی تھیں اور جب حضرت کے گھر بھیجی گئیں نو برس کی تھیں اور انکے کھیلنے کے کھلونے انکے ساتھ تھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے انکی عمر اٹھارہ برس کی تھی۔ (مسلم)

تشریح: یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ابتدائی زندگی کے تین اہم موڑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی رفاقت کی مدت کو ظاہر کرتی ہے۔ چنانچہ سات سال کی عمر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں۔ نو سال کی عمر میں رخصت ہوکر آستانہ نبوت میں لائی گئیں اور نو سال کی رفاقت کے بعد جبکہ ان کی عمر صرف اٹھارہ سال کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

نو سال کی عمر بچپن کی عمر ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں تشریف لائیں تو ان کے ساتھ وہ کھلونے بھی آئے جن سے وہ اپنے گھر کھیلا کرتی تھیں اور یہ کھلونے بھی کیا تھے وہ گڑیاں تھیں جو عام طور پر بچیوں کا سب سے محبوب کھلونا ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان گڑیوں کو دیکھا تو ان پر اظہار ناپسندیدگی نہیں کیا۔ لہٰذا اس سے یہ معلوم ہوا کہ گڑیوں کا بنانا جائز ہے اور بچیوں کو گڑیوں سے کھیلنا مباح ہے اس کا سبب علماء نے یہ لکھا ہے کہ گڑیوں سے کھیلنا دراصل بچیوں کیلئے ایک سبق بھی ہے جس سے وہ اولاد کی پرورش سینا پرونا اور گھر کی اصلاح وانتظام کی تربیت حاصل کرتی ہیں۔ تاہم اس بارہ میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ ہجرت کا ہے اور اس وقت تک تصویر کی حرمت نازل نہیں ہوئی ہوگی۔ جبکہ علماء نے یہ کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ساتھ گڑیاں لیکر آئی تھیں ان میں صورتیں بنی ہوئی نہیں تھیں جو تصویروں میں ہوتی ہیں اور حرام ہیں بلکہ کپڑوں اور چیتھڑوں کو لپیٹ کر بغیر صورتوں کے یوں ہی بنائی گئی تھیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيُ..... کمسن لڑکی کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا

(۵) عَنْ اَبِي مُوسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَانِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيٍّ. (رواه احمد و الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجة و الدارمی)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا ولی کے بغیر کوئی نکاح نہیں۔ روایت کیا اس کو ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ اور دارمی نے۔

تشریح: حنفیہ کے نزدیک اس حدیث کا تعلق نابالغہ اور غیر عاقلہ سے ہے یعنی کمسن لڑکی اور دیوانی کا نکاح اس کے ولی کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا جبکہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اور حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ نکاح اسی وقت صحیح ہوتا ہے جبکہ ولی عقد کرے اور عورتوں کی عبارت کے ساتھ نکاح منعقد نہیں ہوتا عورت خواہ اصیلہ ہو خواہ وکیلہ ہو۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو (نابالغہ اور غیر عاقلہ پر محمول نہ ماننے بلکہ رکھنے کی صورت میں) جمہور علماء نے نفی صحت پر اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے نفی کمال پر محمول کیا ہے۔

(۶) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا امْرَاَةٍ نَكَحَتْ نَفْسَهَا بِغَيْرِ اِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَاِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا فَاِنِ اشْتَجَرُوْا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ. (رواه احمد و الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجة و الدارمی)

ترجمہ: حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت اپنے ولی کے بغیر اپنا نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے اس کا نکاح باطل ہے اس کا نکاح باطل ہے۔ اگر اس عورت کے ساتھ صحبت کرے تو اس کی شرمگاہ کے بدلہ میں جو فائدہ اٹھایا مہر ادا کرے۔ پھر اگر ولی اختلاف کریں تو بادشاہ ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔ روایت کیا اس کو احمد ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ اور دارمی نے۔

تشریح: اس کا نکاح باطل ہے۔ یہ الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار ارشاد فرما کر گویا ولی کی اجازت کے بغیر ہونے والے نکاح پر متنبہ کیا اور اس بات کی تاکید فرمائی کہ نکاح کے معاملہ میں ولی کی اجازت ومرضی کو بنیادی درجہ حاصل ہونا چاہئے۔ اس طرح یہ حدیث اور اسی مضمون کی دوسری حدیثیں ارشاد گرامی "الایم احق بنفسها من ولیها ایم کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس کا حکم حاصل نہ کرلیا جائے) کے معارض و برعکس

ہیں۔اس لئے حنفیہ کی طرف سے اس حدیث کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ یہاں مراد یہ ہے کہ جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر کفو سے نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے یا یہ کہ جو کمسن لڑکی یا لونڈی اور یا مکاتبہ اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے گی تو اس کا نکاح باطل ہوگا۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ یہ حدیث اور اس سے پہلے کی حدیث' یہ دونوں فنی طور پر اس درجہ کی نہیں ہیں کہ انہیں کسی مسلک کے خلاف بطور دلیل اختیار کیا جاسکے کیونکہ ان دونوں حدیثوں کے صحیح ہونے میں محدثین نے یہ کلام کیا ہے۔حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی عورت کے ولی آپس میں اختلاف ونزاع کرتے ہیں اور کسی فیصلہ پر متفق نہیں ہو پاتے تو وہ سب کالعدم ہو جاتے ہیں اور اس صورت میں ولایت کا حق بادشاہ وقت کو حاصل ہوتا ہے ورنہ تو یہ معلوم ہی ہے کہ ولی کی موجودگی میں بادشاہ کو ولایت کا حق حاصل نہیں ہوتا۔

بغیر گواہوں کے نکاح صحیح نہیں ہوتا

(۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْبَغَایَا اللاَّتِیْ یُنْکِحْنَ اَنْفُسَہُنَّ بِغَیْرِ بَیِّنَۃٍ وَالْاَصَحُّ اَنَّہٗ مَوْقُوْفٌ عَلَی ابْنِ عَبَّاسٍ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ عورتیں جو گواہوں کے بغیر نکاح کرتی ہیں زنا کرتی ہیں۔صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث ابن عباس پر موقوف ہے۔روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

تشریح: اہل ظواہر اور ابن ابی لیلیٰ کی طرف یہ منسوب کیا جاتا ہے کہ عقد نکاح کے وقت ان کے ہاں دو گواہوں کا ہونا اور ایجاب وقبول سننا ضروری نہیں۔جمہور امت کے نزدیک نکاح کے لئے دو گواہوں کا موجود ہونا شرط ہے البتہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میاں بیوی کی ملاقات تک گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے۔جمہور کے ہاں عقد نکاح کے وقت موجود ہونا کافی ہے۔

نکاح کی طلب اجازت کے وقت عورت کی خاموشی ہی اس کی رضا ہے

(۸) وَعَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْیَتِیْمَۃُ تُسْتَاْمَرُ فِیْ نَفْسِہَا فَاِنْ صَمَتَتْ فَہُوَ اِذْنُہَا وَاِنْ اَبَتْ فَلاَ جَوَازَ عَلَیْہَا. رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَ رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کنواری کا نکاح کرتے وقت اس سے پوچھا جائے اگر خاموشی اختیار کرے تو یہی اس کا اذن ہے اور اگر اس نے انکار کر دیا تو اس پر جبر نہیں۔روایت کیا اس کو ترمذی' ابوداؤد اور نسائی نے اور روایت کیا دارمی نے ابوموسیٰ سے۔

تشریح: شادی بیاہ کا معاملہ انسانی زندگی کا بڑا اہم موڑ ہوتا ہے اس موڑ پر زوجین کی مرضی وخواہش کے علی الرغم والدین اور ولی وسرپرست کا کوئی بھی فیصلہ اور اس میں ادنیٰ درجہ کی کوتاہی اور غیر دانشمندی زوجین کی پوری زندگی کو جہنم بنا دیتی ہے۔اس لئے شریعت نے ہر بالغ مسلمان کو خواہ مرد ہو یا عورت یہ حق دیا ہے کہ وہ اس مرحلہ پر اپنی مرضی وخواہش اور اپنی پسند وناپسند کا پورا پورا اظہار کرے۔خاص طور پر عورتوں کے بارہ میں ان کے ماں باپ اور ولی وسرپرست پر زیادہ زور دیا گیا ہے کہ وہ اس معاملہ میں اپنی ذاتی پسند وناپسندی ہی کو مدار قرار نہ دیں بلکہ عورت کو خود بھی سوچنے سمجھنے کا موقع دیں اور اس کی اجازت ومرضی ہی کو اصل فیصلہ سمجھیں۔پھر اس کی اجازت کے بارہ میں یہ آسانی بھی دی گئی ہے کہ اگر کوئی عورت شرم وحیا کی وجہ سے اپنی اجازت ومرضی کا زبان سے اظہار نہیں کر سکتی تو اس کی خاموشی ہی کو اس کی اجازت سمجھا جائے۔

لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ عورت کی خاموشی کو اس کی اجازت کا قائم مقام ہونا صرف اس کے ولی کے حق میں ہے یعنی عورت اگر اپنے ولی کی طلب اجازت کے موقع پر خاموش رہے تو اس کی خاموشی اس کی اجازت سمجھی جائے گی اور اگر ولی کے علاوہ کوئی اور اجازت طلب کرے تو اس صورت میں عورت کیلئے ضروری ہوگا کہ وہ زبان سے اجازت دے۔

غلام کا نکاح اس کے آقا کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہوتا

(۹) وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ اِذْنِ سَيِّدِهٖ فَهُوَ عَاهِرٌ (رواه الترمذی و ابوداؤد و الدارمی)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا جو غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے وہ زانی ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی، ابوداؤد اور دارمی نے۔

تشریح: مطلب یہ ہے مملوک کا نکاح مالک کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر کوئی مملوک اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے گا اور اس نکاح کے بعد منکوحہ سے مجامعت کریگا تو یہ فعل حرام ہوگا اور وہ زنا کار کہلائے گا۔ چنانچہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اور حضرت امام احمد رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے کہ غلام کا نکاح اس کے آقا کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہوتا اور نکاح کے بعد اگر آقا اجازت دیدے تب بھی وہ عقد صحیح نہیں ہوتا جبکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ آقا کی اجازت کے بغیر نکاح تو ہو جاتا ہے مگر اس کا نافذ ہونا یعنی صحیح ہونا آقا کی اجازت پر موقوف رہتا ہے کہ جب آقا اجازت دیدے گا تو صحیح ہو جائے گا جیسا کہ فضولی کے نکاح کا حکم ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ..... بالغہ اپنے نکاح کے معاملہ میں خود مختار ہے

(۱۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ جَارِيَةً بِكْرًا اَتَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ اَنَّ اَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ فَخَيَّرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہا ایک کنواری لڑکی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی کہنے لگی کہ میرے باپ نے میرا نکاح جبراً کر دیا ہے میں راضی نہیں ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار دے دیا۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ولی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ نکاح کے معاملہ میں عورت پر جبر کرے اگر چہ وہ باکرہ ہی کیوں نہ ہو اور وہ ولی خواہ باپ دادا ہو یا اور کوئی عزیز چنانچہ حنفیہ کا یہی مسلک ہے۔

اس مسئلہ میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ مخالف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جو عورت کنواری نہ ہو گو وہ بالغ ہو تو ولی کو اس کا نکاح کرنے کے معاملہ میں اس پر جبر کرنے کا حق نہیں ہے لیکن عورت کنواری ہو اس (کی اجازت) کے بغیر نکاح کر دینے کا اختیار ولی کو حاصل ہے اگر چہ وہ عورت بالغہ ہی کیوں نہ ہو۔

بالغہ عورت کا نکاح ولی کو کرنا مستحب ہے

(۱۱) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُزَوِّجِ الْمَرْاَةُ الْمَرْاَةَ وَلَا تُزَوِّجُ الْمَرْاَةُ نَفْسَهَا فَاِنَّ الزَّانِيَةَ هِيَ الَّتِيْ تُزَوِّجُ نَفْسَهَا. (رواه ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی عورت کسی عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ عورت اپنا نکاح کرے وہ زنا کرنے والی ہے جو اپنا نکاح خود کرتی ہے۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

تشریح: عورت کسی عورت کا نکاح نہ کرے۔ حنفیہ کے نزدیک اس ممانعت کا تعلق یا تو اس عورت سے ہے جس کو ولایت حاصل نہ ہو یا پھر یہ نہی تنزیہی پر محمول ہے کیونکہ اگر چہ بالغہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنا نکاح اپنے ولی کی اجازت کے بغیر خود کرلے یا کسی کو بھی اپنا وکیل بنادے۔ لیکن اس کیلئے یہ مستحب ہے کہ وہ اپنے نکاح کا معاملہ اپنے ولی ہی کو سپرد کر دے۔ چنانچہ اگر کسی عورت کا ولی موجود ہو تو اس کا نکاح اسی کو کرنا مستحب ہے اور یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے اگر کسی کا کوئی بھی ولی موجود نہ ہو تو پھر اس کا ولی قاضی ہوتا ہے۔

لہٰذا حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ بہتر اور مناسب بات یہ ہے کہ جس عورت کا ولی موجود ہو تو کوئی دوسری عورت اس کا نکاح نہ کرے بلکہ وہ ولی

خود کرے اور اگر ولی موجود نہ ہو تو پھر قاضی کو حق ولایت حاصل ہوگا جو اس عورت کا نکاح کرے گا۔

نہ عورت خود اپنا نکاح کرے۔ حنفیہ کے نزدیک اس ممانعت کی مراد یہ ہے کہ کوئی عورت بغیر گواہوں کے اور غیر کفو سے اپنا نکاح نہ کرے جبکہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مراد یہ ہے کہ کوئی عورت اپنے ولی کے بغیر نکاح نہ کرے۔ اس طرح حدیث کے آخری جملہ کا مطلب حنفیہ کی مراد کی روشنی میں تو یہ ہوگا کہ جو عورت اس شوہر سے مجامعت کرے گی جس سے اس نے بغیر گواہوں کے اور اس کے غیر کفو ہونے کے باوجود نکاح کیا ہے تو اس کی مجامعت زنا کے حکم میں ہوگی اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی مراد کی روشنی میں یہ مطلب ہوگا کہ جو عورت اپنے ولی کے بغیر اپنا نکاح کرے گی تو وہ جب بھی اپنے اس شوہر سے مجامعت کرے گی۔ گویا زنا کا ارتکاب کریگی۔ کیونکہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جس طرح کسی عورت کو کسی دوسری عورت کا عقد کرنے کی ولایت حاصل نہیں ہوتی۔ اسی طرح کوئی عورت خود اپنا عقد نکاح کرنے کا بھی اختیار نہیں رکھتی۔ چنانچہ شوافع کے ہاں عورتوں کی عبارت کے ساتھ نکاح صحیح نہیں ہوتا۔

باپ کے فرائض

(١٢) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ وُلِدَ لَہٗ وَلَدٌ فَلْیُحْسِنْ اِسْمَہٗ وَ اَدَبَہٗ فَاِذَا بَلَغَ فَلْیُزَوِّجْہُ فَاِنْ بَلَغَ وَلَمْ یُزَوِّجْہُ فَاَصَابَ اِثْمًا فَاِنَّمَا اِثْمُہٗ عَلٰی اَبِیْہِ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے دونوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے گھر لڑکا پیدا ہو وہ اس کا نام اچھا رکھے۔ نیک ادب سکھائے اور جب بالغ ہو پھر اس کا نکاح کردے۔ اگر اس کا نکاح بلوغت کے وقت نہ کیا وہ کسی گناہ کا مرتکب ہوا اس کا گناہ باپ پر ہوگا۔

تشریح: صالح معاشرہ کی حقیقی بنیاد وہ نوخیز ذہن ہیں جو اپنے والدین اور سرپرست کی آغوش پرورش میں اعمال و کردار کی بنیادی تربیت حاصل کرتے ہیں اگر اس بنیادی تربیت کا فقدان ہوتا ہے تو کائنات انسانی کا ہر طبقہ بھیانک قسم کی برائیوں سے متاثر ہوتا ہے کیونکہ آگے چل کر یہی نوخیز معاشرہ کا فعال جز بنتے ہیں اور ان کا ایک ایک فعل و عمل اپنے اثرات پیدا کرتا ہے۔ آج کے دور میں فحاشی و بے حیائی اور جنسی بے راہ روی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ جو بھی نئی نسل سامنے آتی ہے وہ اعمال و کردار اور ذہن و عقیدہ کی اس بنیادی تربیت سے یکسر محروم رہتی ہے جو والدین اور سرپرستوں کے زیر سایہ ملنی چاہئے۔ اسی لئے یہ حدیث اس اہم نکتہ کی طرف متنبہ کر رہی ہے اور والدین کو ان کے اس فریضہ سے آگاہ کر رہی ہے کہ جب ان کے لڑکا پیدا ہو تو پہلے وہ اس کا اچھا نام رکھیں کیونکہ اچھا نام پوری زندگی پر اچھے اثرات مرتب کرتا ہے پھر جب وہ ہوش سنبھالے تو اس کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دیں۔ بایں طور کہ اسے دین کی تعلیم دلوائیں۔ اسلامی احکام و آداب سے روشناس کرائیں اور اسے زندگی کے اعلیٰ اصول اور اچھے طریقوں کے سانچے میں ڈھالیں تا کہ سب سے پہلے تو اس کا قلب و دماغ نیکی و برائی کے امتیاز کو جان لے اور پھر اس کا کردار اس پختگی کے حامل ہو جائے جو زندگی کے ہر راستہ پر اسے نیکی و بھلائی ہی کی طرف لے جائے۔

جب تعلیم و تربیت کا یہ مرحلہ گزر جائے اور وہ لڑکا بالغ ہو جائے تو اس کے بعد والدین کا بڑا فریضہ یہ ہے کہ اس کی شادی کی طرف فوراً متوجہ ہوں تا کہ وہ مرد زندگی کی وجہ سے جنسی جذبات کی مغلوبیت کا شکار ہو کر برائیوں کے راستہ پر نہ لگ جائے چنانچہ اس فریضہ کی اہمیت کو بتانے اور اس بات کی تاکید کیلئے بطور زجر و تہدید یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے بالغ لڑکے کی شادی نہیں کی اور وہ لڑکا جنسی بے راہ روی کا شکار ہو کر بدکاری میں مبتلا ہو گیا تو اس کا گناہ اور وبال باپ پر ہوگا۔ اس بارے میں غلام اور لونڈی کا بھی وہی حکم ہے جو لڑکے کا ہے۔

لڑکی کے بالغ ہوتے ہی اس کا نکاح کردو

(١٣) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فِی التَّوْرَاۃِ مَکْتُوْبٌ مَنْ بَلَغَتْ اِبْنَتُہٗ اِثْنَتَیْ عَشْرَۃَ سَنَۃً وَلَمْ یُزَوِّجْھَا فَاَصَابَتْ اِثْمًا فَاِثْمُ ذٰلِکَ عَلَیْہِ. رَوَاھُمَا الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تورات میں لکھا ہوا ہے جس کی لڑکی بارہ سال کی ہوگئی اور وہ اس کا نکاح نہ کرے اگر وہ لڑکی کسی گناہ کو پہنچی تو اس کا گناہ باپ پر ہوگا۔ روایت کیا ان دونوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں۔

بَابُ اِعْلَانِ النِّكَاحِ وَالْخُطْبَةِ وَالشَّرْطِ

نکاح کا اعلان اور نکاح کے خطبہ وشرط کا بیان

اسلام میں نکاح زوجین کے درمیان جنسی تعلقات استوار کرنے کا پہلا جائز مرحلہ ہے اس لئے شریعت نے اس کو چھپانے کے بجائے ظاہر کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ دوسرے سازشی نکاحوں اور ناجائز بندھنوں سے اس کا امتیاز ہو جائے اسی اصول اور قاعدہ کے پیش نظر ''اعلان النکاح'' کے عنوان سے یہاں باب باندھا گیا ہے۔ اس باب میں نکاح کے واجبات وآداب سنن ومستحبات اور دیگر ضروریات کا نہایت واضح انداز سے بیان آ گیا ہے۔ اعلان نکاح کے سلسلہ میں سب سے پہلا اعلان یہ ہونا چاہیے کہ نکاح دو گواہوں کے سامنے ہو ورنہ صحیح نہیں ہوگا۔ دوسرا اعلان یہ کہ نکاح کی خوب تشہیر ہو کھلے عام مسجد میں ہو جانبین کے بزرگوں اور علاقے کے معززین کے سامنے ہو اس میں جائز حد تک علاقائی دستور کے مطابق فائرنگ ہو کیونکہ اس میں ایک فائدہ تشہیر کا ہے اور دوسرا فائدہ نشانہ سیدھا کرنے کا ہے اور تیسرا فائدہ جہادی تربیت کا بھی ہے لیکن اسراف سے بچ کر نکاح اچھی نیت سے کرے۔ اعلان نکاح کے سلسلے میں دف بجانا بھی جائز ہے جو جائز کی حد تک ہو اس میں ایک فائدہ تشہیر نکاح کا ہے تاکہ سازشی نکاح سے شرعی نکاح ممتاز ہو جائے دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ماتم اور غم اور شادی وخوشی میں فرق آ جائے کہ یہ شادی ہے غمی نہیں۔

اعلان نکاح کے سلسلہ میں دعوت ولیمہ بھی ہے تاکہ عام تشہیر ہو جائے اور ہر سازش بند ہو جائے خطبہ نکاح بھی اعلان تشہیر کا ذریعہ ہے یہ تمام امور تشہیر کی غرض سے جائز ہیں بعض واجب ہیں اور بعض مستحب ومسنون یا مباح ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کا نکاح جاہلیت اور اہل بدعت کی تمام رسومات سے پاک ہونا چاہیے یہود وہنود اور اہل باطل کے تمام خرافات سے اس کا پاک ہونا اسلام وایمان اور شریعت وشرافت کا تقاضا ہے مثلاً گانے بجانے آتش بازیاں بے پردگی سہرا باندھنا گھوڑے کی سواری بازار کا چکر اور دولہا دلہن کی ناشائستہ حرکات فضول ہیں۔

الخطبۃ: اس لفظ کو ضمہ اور کسرہ کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے اگر ''خا'' کا ضمہ ہو تو نکاح کا خطبہ مراد ہوگا اور یہ خطبہ احناف اور شوافع سب کے ہاں مسنون ہے البتہ شوافع ہر عقد کے موقع پر خطبہ کو مسنون کہتے ہیں۔ مثلاً بیع وشراء کے وقت بھی خطبہ ان کے ہاں مسنون ہے۔ اور اگر یہ لفظ خا کے کسرہ کے ساتھ ہو تو پھر پیغام نکاح کے معنی میں ہے باب کی احادیث میں دونوں چیزیں ہیں لیکن خطبہ مسنونہ مراد لینا زیادہ واضح ہے۔

شادی بیاہ کی رسوم وبدعات

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ..... نکاح کے وقت دف بجانا جائز ہے

(۱) عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ حِيْنَ بُنِيَ عَلَيَّ فَجَلَسَ عَلٰى فِرَاشِيْ كَمَجْلِسِكَ مِنِّيْ فَجَعَلَتْ جُوَيْرِيَاتٌ لَنَا يَضْرِبْنَ بِالدُّفِّ وَيَنْدُبْنَ مَنْ قُتِلَ مِنْ اٰبَائِيْ يَوْمَ بَدْرٍ اِذْ قَالَتْ اِحْدَاهُنَّ وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ فَقَالَ دَعِيْ هٰذِهٖ وَ قُوْلِيْ بِالَّذِيْ كُنْتِ تَقُوْلِيْنَ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تشریف لائے جب میں اپنے خاوند کے گھر لائی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے بستر پر تیرے بیٹھنے کی طرح بیٹھے میرے پاس لڑکیاں دف بجاتی تھیں اور

ہمارے آباء واجداد کی شجاعت بیان کرتی تھیں جو بدر کے دن شہید ہوگئے تھے۔ ایک لڑکی نے کہا ہم میں سے ایسا نبی ہے جو کل کو ہونے والی بات کی خبر دیتا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بات مت کہہ اور جو تو پہلے کہتی تھی وہی کہہ۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

تشریح: ''عفرا'' حضرت معوذ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام ہے۔ حضرت معوذ رضی اللہ عنہ ایک عظیم المرتبت صحابی ہیں جنہوں نے غزوہ بدر کے موقع پر حق کا پرچم سربلند کرتے ہوئے میدان کارزار میں جام شہادت نوش کیا اور تاریخ اسلام کی یہی وہ عظیم ہستی ہے جس نے اپنے بھائی معاذ رضی اللہ عنہ کی معیت میں اس غزوہ بدر میں ابوجہل لعین کو قتل کیا۔

بچیوں سے انصار کی وہ چھوٹی بچیاں مراد ہیں جو ابھی بچپن کے دور سے گزر رہی تھیں اور حد بلوغ کو نہیں پہنچی تھیں۔

اکمل الدین رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ وقت نکاح اور زفاف کے اعلان کیلئے دف بجانا جائز ہے۔ پھر بعض علماء نے اس جواز میں ختنہ، عیدین، مسافر کی آمد اور تقریب مسرت میں احباب واعزہ کے اجتماع کو بھی شامل کر دیا ہے۔ یعنی نکاح کی طرح ان مواقع پر بھی دف بجانا جائز ہے۔ لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ ''دف'' سے مراد وہ دف ہے جس میں جھانج نہ ہو کیونکہ جھانج دار دف بجانا متفقہ طور پر مکروہ ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کی وضاحت یہ ہے کہ اس وقت جبکہ وہ بچیاں اپنے آباء واجداد کے بہادرانہ کارناموں اور حق کی راہ میں ان کے قربان ہوجانے کی پرشجاعت داستانوں کے گیت گانے لگیں تو اسی دوران ایک بچی نے جو ابھی عقائد کے نازک گوشوں سے ناواقف تھی۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف میں یہ کہا کہ ہمارے درمیان وہ نبی موجود ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ آنے والی کل میں کیا وقوع پذیر ہوگا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنتے ہی اسے روک دیا کیونکہ اس نے علم غیب کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی تھی جو ظاہر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے گوارا ہوسکتی تھی۔ اس لئے کہ عقائد کا یہ کھلا ہوا مسئلہ ہے کہ غیب کی باتوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ غیب کی جن باتوں کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اپنے رسولوں پر منکشف کردیتا ہے۔ یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جن اشعار میں شریعت کے خلاف اور عقائد کے منافی کوئی بات نہ ہو اور فحش کذب شامل نہ ہو انہیں پڑھنا اور سننا جائز ہے۔

(۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ زُفَّتِ امْرَأَةٌ اِلٰى رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ مَعَكُمْ لَهْوٌ فَاِنَّ الْاَنْصَارَ یُعْجِبُهُمُ اللَّهْوُ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا ایک عورت شادی کے بعد ایک انصاری آدمی کے پاس لائی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے ساتھ کوئی کھیل نہ تھا تحقیق انصار کو کھیل بہت خوش لگتا ہے۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

شوال کے مہینے میں نکاح کرنا مستحب ہے

(۳) وَعَنْهَا قَالَتْ تَزَوَّجَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ شَوَّالٍ وَبَنٰى بِیْ فِیْ شَوَّالٍ فَاَیُّ نِسَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اَحْظٰى عِنْدَهٗ مِنِّیْ. (رواه مسلم)

ترجمہ: اسی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مجھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال کے مہینہ میں نکاح کیا اور اپنے گھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے شوال کے مہینہ میں لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری عورتوں میں سے مجھ سے زیادہ کون نصیبہ والی ہے۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض جاہل لوگ شوال کے ماہ میں شادی بیاہ کرنے کو جو منحوس سمجھتے ہیں وہ بالکل غلط ہے بلکہ اس مہینہ میں شادی بیاہ کرنا یا دولہن کو رخصت کرا کر اپنے گھر لانا مستحب ہے۔ چنانچہ عرب میں بھی زمانہ جاہلیت کے لوگ یہی عقیدہ رکھتے تھے اور شوال میں نکاح کرنے اور دلہن کو گھر میں لانے کو برا سمجھتے تھے۔ اسی غلط عقیدہ کی تردید میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات فرمائی کہ اگر شوال کے مہینہ میں شادی بیاہ کرنا اپنے اندر کوئی نحوست رکھتا ہے۔ تو پھر آخر میں شادی میرے حق میں منحوس کیوں نہیں رہی جبکہ شوال ہی کے مہینہ میں میرا نکاح ہوا

اور شوال ہی کے مہینہ میں رخصت کرا کر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آئی اور اس بات کو دنیا جانتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں جو خوش نصیبی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مجھے نصیب ہوئی وہ کسی بھی زوجہ کو حاصل نہیں ہوئی۔

مہر ادا کرنے کی تاکید

(۴) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَقُّ الشُّرُوْطِ اَنْ تُوْفُوْا بِهٖ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوْجَ (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام شرطوں میں زیادہ لائق پورا کرنے کے لحاظ سے وہ شرط ہے جس سے تم نے ان کی شرمگاہیں حلال کیں یعنی مہر نان ونفقہ وغیرہ۔ (متفق علیہ)

تشریح: سب سے اہم شرط سے مراد بیوی کا مہر ہے یا پھر بیوی کے وہ تمام حقوق مراد ہیں جو شوہر کے ذمہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تم اپنی بیوی کے مہر ادا کر دو۔ ان کے کھانے پینے کا خرچ ان کو دو انہیں رہنے کیلئے مکان دو اور ان کی دیگر ضروریات زندگی اپنی استطاعت کے مطابق پوری کرو اور صرف یہ نہیں بلکہ ان کے ساتھ اپنی زندگی اس حسن سلوک میل جول اور پر محبت انداز سے گزارو جو ایک باوقار اور شریف انسان کی شان کے عین مطابق ہے۔

اب رہی یہ بات کہ ان چیزوں کو "شرط" کیوں کہا گیا ہے تو واقعہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرتا ہے تو اس کے ذہن میں تصور کے ہر گوشہ میں یہی عزم ہوتا ہے کہ وہ جس عورت کو اپنی بیوی بنا کر اپنے گھر لا رہا ہے اس کے تمام حقوق کی ادائیگی پورے طور پر کریگا اور پھر وہ ان حقوق کی ادائیگی کا التزام بھی کرتا ہے۔ لہٰذا اس کا یہ عزم اور پھر یہ التزام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ گویا اس نے حقوق کی ادائیگی کی شرط کی ہے۔

کسی دوسرے کی منسوبہ کو اپنے نکاح کا پیغام نہ دو

(۵) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلٰى خِطْبَةِ اَخِيْهِ حَتّٰى يَنْكِحَ اَوْ يَتْرُكَ (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی آدمی اپنے بھائی کے خطبہ یعنی منگنی پر نکاح کا پیغام نہ بھیجے جب تک کہ وہ اس سے نکاح نہ کرے لے یا اس کو چھوڑ نہ دے۔ (متفق علیہ)

تشریح: لا یخطب: پیغام نکاح کو خطبہ کہتے ہیں یہ خاء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اسلام بغض وحسد اور تنازعات اور اس کے اسباب کو ختم کرنا چاہتا ہے چنانچہ ایک مسلمان جب کسی عقد میں لگا ہوا ہے تو جب تک اس کا معاملہ ختم نہیں ہوتا دوسرا مسلمان اس معاملہ میں داخل نہیں ہو سکتا ہے تاکہ بغض وحسد اور عداوت قائم نہ ہو اسی سلسلہ میں یہ حدیث ہے کہ دوران گفتگو اور معاملہ طے کرنے کے دوران مداخلت نہ کرو یہاں تک کہ ان کا نکاح ہو جائے یا مخطوبہ کو چھوڑ دے۔

سوال:۔ یہاں ایک فنی اعتراض ہے اور وہ یہ کہ "حتی ینکح" کا جملہ لا یخطب کے جملہ پر متفرع ہے لیکن اس نہی کے لئے یہ جملہ غایہ نہیں بن سکتا ہے کیونکہ اس صورت میں ترجمہ اس طرح ہو جائیگا "کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نہ دے یہاں تک کہ وہ بھائی نکاح کر لے یا ترک کر دے" تو جب اس بھائی نے نکاح کر لیا پھر یہ شخص اس کے منکوحہ بیوی کو پیغام نکاح کیسے دے سکتا ہے؟

جواب:۔ علامہ طیبی نے یہ اعتراض کر کے پھر دو جواب دیئے ہیں۔

اول جواب یہ کہ یہ کلام تعلیق بالمحال کے طور پر ہے یعنی بفرض محال اگر یہ شخص پیغام نکاح دے سکتا ہے اور ممکن ہے تو دیدے لیکن نکاح کے بعد پیغام دینا جائز نہیں لہٰذا پیغام نہ دے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حتی کا کلمہ "بمعنی" "کی" ہے اور "او" کا کلمہ "الی ان" کے معنی میں ہے اور ینکح کی ضمیر اس نئے شخص کی طرف راجع ہے اور یترک کی ضمیر اس کے مسلمان بھائی کی طرف لوٹائی جائے گی۔ ترجمہ اس طرح ہوگا "کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی

کے پیغام نکاح پر پیغام نہ دے تا کہ اس عورت کے ساتھ خود نکاح کرے یہاں تک کہ اس کا مسلمان بھائی اس عورت کو ترک کر دے۔ اس توجیہ کے مطابق حدیث میں نہی کے لئے غایہ صرف بتبرک کا جملہ بنے گا نسخ نہیں بنے گا۔ اب یہ بحث ہے کہ پیغام دینے کی یہ حرمت کس وقت اور کس صورت میں ہے۔ تو جمہور علماء فرماتے ہیں اگر عورت یا اس کے ولی نے واضح طور پر اس پیغام کو قبول کرلیا اور دونوں طرف سے رضامندی ہوگئی صرف عقد نکاح باقی ہے تو اس وقت دوسرے کو پیغام بھیجنا ناجائز ہے اور اگر واضح طور پر رد کر دیا تو اتفاقاً پیغام دینا جائز ہے۔

عورت اپنی خواہش کی تکمیل کیلئے کسی دوسری عورت کو طلاق نہ دلوائے

(۶) وَعَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْأَلِ الْمَرْاَةُ طَلَاقَ اُخْتِهَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا وَلِتَنْكِحَ فَاِنَّ لَهَا مَاقُدِّرَلَهَا. (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا سوال نہ کرے کہ اس کے پیالہ کو خالی کرے اور چاہئے کہ خود نکاح کرلے اس کے لیے وہ ہے جو اس کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: فرض کیا جائے کہ زید شادی شدہ ہے اور خالدہ اس کی بیوی کا نام ہے۔ اب زید کسی دوسری عورت مثلاً زہرہ سے بھی شادی کرنا چاہتا ہے لیکن زہرہ کہتی ہے کہ میں تم سے شادی تو کرلوں گی مگر تم اپنی پہلی بیوی خالدہ کو طلاق دیدو! یا یہ صورت ہے کہ مثلاً زید نے دو شادیاں کر رکھی ہیں ایک بیوی کا نام خالدہ ہے اور دوسری کا نام زہرہ ہے۔ اب زہرہ اپنے شوہر سے کہتی ہے کہ اپنی دوسری بیوی خالدہ کو طلاق دے دو۔ اسی بات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کوئی عورت کسی دوسری عورت کو طلاق دلوانے کیلئے نہ کہے کیونکہ اپنی اپنی تقدیر اپنے ساتھ ہے کسی دوسرے کا برا چاہنے سے کیا

حدیث کی وضاحت کے سلسلہ میں اگر پہلی صورت کا اعتبار کیا جائے تو لتنکح کا ترجمہ وہی ہوگا جو اوپر نقل کیا گیا جبکہ دوسری صورت مراد لی جائے تو پھر اس جملہ کا ترجمہ یہ ہوگا کہ" اور (اس عورت کا طلاق دلوانے سے یہ مقصد ہو کہ) اس کی سوکن کسی اور مرد سے نکاح کرلے۔

شغار کی ممانعت

(۷) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الشِّغَارِ وَالشِّغَارُ اَنْ تُزَوِّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَهُ عَلٰى اَنْ يُزَوِّجَهُ الْاٰخَرُ بِنْتَهُ وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا صَدَاقٌ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ لَا شِغَارَ فِي الْاِسْلَامِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع فرمایا ہے شغار یہ ہے کہ ایک آدمی اپنی لڑکی کا نکاح اس شرط پر کرے کہ دوسرا آدمی اپنی لڑکی کا نکاح اس کے ساتھ کرے اور دونوں کے درمیان مہر مقرر نہ ہو (متفق علیہ) مسلم کی ایک روایت میں ہے فرمایا کہ نکاح شغار اسلام میں نہیں ہے۔

تشریح: نهى عن الشغار:۔ شغار شغر سے ماخوذ ہے اور شغر اٹھانے کے معنی میں آتا ہے چنانچہ کتا جب ٹانگ اٹھا کر پیشاب کرتا ہے تو کہتے ہیں" شغر الكلب" ادھر شغار کے اس معاملہ میں مہر کو بیچ سے اٹھایا جاتا ہے اس لئے اس کو بھی شغر کہا گیا یا یہ کہ ہر ایک دوسرے کی بیٹی یا بہن کی ٹانگ اٹھانے پر عقد کرتا ہے اس لئے یہ شغار ہوا اس میں ہر قسم کے عار کی طرف اشارہ ہے۔

شغار کی صورت تو اس حدیث میں ترجمہ کے ساتھ بیان ہو چکی ہے ذرا مزید وضاحت سے یوں سمجھیں کہ شغار یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے سے کہہ دے کہ مجھے اپنی بیٹی نکاح میں دیدو وہ کہتا ہے تم اپنی بیٹی میری بیٹی کے عوض نکاح میں دیدو اس طرح دونوں کے راضی ہو جانے پر عقد ہو جاتا ہے اور درمیان میں مہر نہیں ہوتا بلکہ لڑکیوں کا یہ تبادلہ ہی مہر مانا جاتا ہے فقط یہی عقد گویا ایک دوسرے کے لئے مہر ہے۔

فقہاء کا اختلاف:۔ نکاح شغار میں فقہاء کا اختلاف ہے جمہور فرماتے ہیں کہ یہ عقد باطل ہے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں عقد صحیح ہے نکاح تو

ہو گیا البتہ مہر مثل ادا کرنا پڑے گا۔ احناف حدیث کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں" لاشغار فی الاسلام "یعنی اسلام میں کسی عقد میں اس طرح شرط صحیح نہیں تو شرط باطل ہے نفس عقد ہو گیا مہر مثل دینا لازم ہوگا۔ احناف فرماتے ہیں کہ کئی مسائل میں اسکے نظائر موجود ہیں کہ عقد صحیح ہے اور شرط باطل ہے مثلاً نکاح کرلیا اور مہر میں خمر یا خنزیر مقرر کرلیا تو سب کے نزدیک عقد صحیح ہے لیکن مہر مثل دینا ہوگا احناف فرماتے ہیں کہ احادیث میں جس شغار سے نہی آئی ہے وہ اپنی جگہ پر صحیح ہے مگر اسکے ضمن میں عقد منعقد ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ شغار کے معاملہ کا یہ طریقہ وطرز باطل ہے نفس نکاح صحیح ہے تو مہر مثل دینا پڑے گا۔ زیلعی نے کہا ہے کہ یہ عقد اور معاملہ مکروہ ہے لیکن کراہت سے کسی چیز میں فساد تو نہیں آتا ہے مہر مثل دینے کے بعد پھر شغار نہیں رہتا یہ بحث وتحقیق اپنی جگہ پر لیکن حکم یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس طرح کے نکاح سے سختی سے اجتناب کرنا چاہیے اور نہی اسی کراہت پر محمول ہے۔

متعہ کی ممانعت

(۸) وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ خَيْبَرَ وَعَنْ اَكْلِ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاِنْسِيَّةِ. (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا خیبر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے متعہ سے منع فرمایا اور گھریلو گدھوں کے گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ (متفق علیہ)

تشریح: کسی متعینہ مدت کیلئے ایک متعینہ رقم کے عوض نکاح کرنے کو "متعہ" کہتے ہیں جیسے کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ یہ کہہ کر نکاح کرے کہ فلاں مدت مثلاً دو سال تک اتنے روپے (مثلاً ایک ہزار روپے) کے عوض تم سے فائدہ اٹھاؤں گا نکاح کا یہ خاص طریقہ یعنی متعہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تو جائز تھا مگر بعد میں حرام قرار دیدیا۔ علماء لکھتے ہیں کہ متعہ کے سلسلے میں تحقیقی بات یہ ہے کہ متعہ دو مرتبہ تو حلال قرار دیا گیا اور دو مرتبہ حرام ہوا۔ چنانچہ پہلی مرتبہ تو جنگ خیبر سے پہلے کسی جہاد میں جب صحابہ تجرد کی وجہ سے سخت پریشان ہوئے یہاں تک کہ بعض لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خصی کرانے کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں متعہ کرنے کی اجازت دیدی۔ پھر جنگ خیبر کے دن جو یہ حدیث کا واقعہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیلئے حرام قرار دے دیا۔ چنانچہ جواز متعہ کا فسخ ہونا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

اسی مسئلہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت میں یہ ذکر کیا ہے کہ جس طرح حالت اضطرار میں بھوکے کو مردار کھانے کی اجازت ہے۔ اسی طرح اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اس شخص کیلئے جو بسبب تجرد جنسی ہیجان کی وجہ سے حالت اضطرار کو پہنچ گیا ہو۔ یہ اجازت تھی کہ وہ متعہ کرلے مگر (جب بعد میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے یہ حرام قرار دیدیا گیا تو) پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اجتماعی طور پر یہ فیصلہ کیا کہ متعہ کے طور پر جو بھی نکاح ہوا سے باطل قرار دیا جائے۔

اس لئے ہر دور میں تمام اہل اسلام کا اس بات پر اجماع واتفاق رہا ہے کہ متعہ حرام ہے۔ کیا صحابہ کیا فقہاء اور کیا محدثین سبھی کے نزدیک اس کا حرام ہونا ایک متفقہ مسئلہ ہے۔ صحابہ میں صرف ابن عباس رضی اللہ عنہ پہلے اضطرار کی حالت میں متعہ کو مباح سمجھتے تھے مگر جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو سخت تہدید کی اور متعہ کی قطعی وابدی حرمت سے ان کو واقف کیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے قول سے رجوع کیا اور وہ بھی اس کی حرمت کے قائل ہوگئے چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اپنے اباحت کے قول سے رجوع کرنا حدیث وفقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

"ہدایہ" فقہ حنفی کی ایک مشہور ترین اور اونچے درجہ کی قابل اعتماد کتاب ہے۔ اس کے مصنف اپنے علم وفضل اور فقہی بصیرت ونکتہ رسی کے اعتبار سے فقہاء کی جماعت میں سب سے بلند مرتبہ حیثیت کے حامل ہیں لیکن یہ واقعہ ہے کہ متعہ کے سلسلہ میں انہوں نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی طرف قول جواز کی جو نسبت کی ہے وہ ان کی سخت علمی چوک ہے نہ معلوم انہوں نے یہ بات کہاں سے لکھدی کہ امام مالک متعہ کے جائز ہونے کے قائل تھے۔ امام مالک بھی متعہ کو اسی طرح حرام کہتے ہیں جس طرح تمام اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے۔ چنانچہ نہ صرف ابن ہمام رحمہ اللہ نے ہدایہ میں مذکورہ امام مالک رحمہ اللہ کی طرف قول جواز کی نسبت کو غلط کہا ہے بلکہ ہدایہ کے بعد فقہ کی جتنی بڑی کتابیں تالیف ہوئیں تقریباً سب ہی میں ہدایہ کی اس غلطی کو بیان کرنا لازم سمجھا گیا۔

متعہ کے بارے میں شیعوں کا مسلک

(۹)وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ اَوْطَاسٍ فِي الْمُتْعَةِ ثَلَاثًا ثُمَّ نَهٰى عَنْهَا (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ اوطاس میں متعہ کی تین دن اجازت دی پھر منع فرمایا۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: اوطاس' ایک وادی کا نام ہے جو مکہ مکرمہ کے قریب طائف جانے والے راستے میں واقع ہے اور جس کے گردو پیش قبیلہ ہوازن کی شاخیں آباد تھیں اس کو' وادی حنین' بھی کہتے ہیں۔ جب رمضان المبارک ۸ھ میں مکہ فتح ہو گیا اور اسلام کی طاقت نے گویا پورے عرب کے باطل عناصر کو حق کے سامنے سرنگوں کر دیا تو اوطاس میں بسنے والے ہوازن اور ثقیف کے قبیلوں کو بڑی غیرت آئی اور انہوں نے پوری حشر سامانیوں کے ساتھ ایک مرتبہ اسلام کے مقابلہ کی ٹھانی۔ چنانچہ شوال ۸ھ میں ان قبیلوں کے لوگوں کے ساتھ اوطاس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں وہ جنگ ہوئی جسے" غزوہ حنین" کہا جاتا ہے اور غزوہ اوطاس اور غزوہ ہوازن کے نام سے بھی اس کو یاد کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حق کو بلند کیا اور اسلامی لشکر کو فتح عطا فرمائی۔ اس غزوہ میں غنیمت کے طور پر مسلمانوں کو بہت زیادہ مال و اسباب ہاتھ لگا' چوبیس ہزار اونٹ چالیس ہزار بکریاں اور تقریباً چالیس ہزار روپیہ کی مالیت کی چاندی پر مسلمانوں نے قبضہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سارا مال غنیمت وہیں اوطاس میں مسلمانوں کے درمیان تقسیم فرمایا۔

بہر حال متعہ کی تحلیل و تحریم دوسری مرتبہ اسی جنگ اوطاس کے موقع پر ہوئی ہے اور یہ جنگ چونکہ فتح مکہ کے فوراً بعد ہوئی ہے۔ اس لئے اس موقع پر متعہ کی ہونے والی تحلیل و تحریم کی نسبت کو فتح مکہ کے دن کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ گویا اس سے پہلے کی حدیث کی تشریح میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ متعہ کی تحلیل و تحریم دوسری مرتبہ فتح مکہ کے دن ہوئی ہے تو وہاں فتح مکہ کے دن سے مراد فتح مکہ کے سال ہے۔ لہٰذا اب بات یوں ہوگی کہ دوسری مرتبہ متعہ کی تحلیل و تحریم فتح مکہ کے سال یعنی ۸ھ میں جنگ اوطاس کے موقع پر ہوئی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ.....نکاح کا خطبہ

(۱۰) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّشَهُّدَ فِي الصَّلٰوةِ وَالتَّشَهُّدَ فِي الْحَاجَةِ قَالَ التَّشَهُّدُ فِي الصَّلٰوةِ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَالتَّشَهُّدُ فِي الْحَاجَةِ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَيَقْرَاُ ثَلَاثَ اٰيَاتٍ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَفِيْ جَامِعِ التِّرْمِذِيِّ فَسَّرَ الْاٰيَاتِ الثَّلَاثَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَزَادَ ابْنُ مَاجَةَ بَعْدَ قَوْلِهٖ اَنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَبَعْدَ قَوْلِهٖ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا وَالدَّارِمِيُّ بَعْدَ قَوْلِهٖ عَظِيْمًا ثُمَّ يَتَكَلَّمُ بِحَاجَتِهٖ وَرَوٰى فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ فِيْ خُطْبَةِ الْحَاجَةِ مِنَ النِّكَاحِ وَغَيْرِهٖ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد پڑھنا نماز میں اور تشہد پڑھنا حاجت میں سکھایا۔ عبداللہ نے کہا نماز میں تشہد یہ ہے۔

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّیِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

زبان کی عبادتیں اور بدنی عبادتیں اور مالی عبادتیں اللہ کے لیے ہیں۔ سلام ہے تم پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور برکتیں اس کی۔ ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ حاجت کی تشہد یہ ہے تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہم اس سے مدد اور بخشش اور اللہ سے پناہ مانگتے ہیں اپنے نفسوں کی برائیوں سے اللہ جس کو ہدایت کرے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو اللہ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت کرنے والا نہیں میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں میں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ تین آیتیں پڑھتے۔ اے لوگو ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور نہ مرو تم مگر اسلام کی حالت میں اے ایمان والو اللہ سے ڈرو ایسا اللہ کہ تم آپس میں اس کے نام کا وسیلہ پکڑتے ہو اور رشتہ داریاں توڑنے سے ڈرو اللہ تم پر نگہبان ہے۔ اے لوگو ایمان والو اللہ سے ڈرو اور بات صحیح کہو۔ اللہ تمہارے اعمال کی اصلاح کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا جو اللہ کی اطاعت کرے گا اور اس کے رسول کی تو اس نے بڑی کامیابی حاصل کر لی روایت کیا اس کو احمد ترمذی ابو داؤد نسائی ابن ماجہ اور دارمی نے جامع ترمذی میں ہے کہ سفیان ثوری نے ان تین آیتوں کو ذکر کیا ابن ماجہ نے زیادہ کہا ان الحمد للہ کے بعد لفظ نحمدہ اور من شرور انفسنا کے بعد ومن سیئات اعمالنا کو زیادہ کیا دارمی نے عظیما کے بعد آدمی اپنی حاجت طلب کرے۔ شرح السنہ میں ابن مسعود سے روایت ہے حاجت کے خطبہ میں کہ نکاح ہے اس کے سوائے۔ اور کسی حاجت وضرورت کے وقت پڑھا جانے والا تشہد یہ ہے۔

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

پھر اس تشہد کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی تین آیتیں پڑھتے، ایک آیت یہ ہے:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔

"اے ایمان والو! خدا سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔"

دوسری آیت یہ ہے: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا۔

"اے ایمان والو! خدا سے ڈرو جس کے نام کو تم اپنی حاجت برآری کا ذریعہ بناتے ہو اور (قطع مودت) ارحام سے (بچو) بیشک خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔"

تیسری آیت یہ ہے: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا۔

خطبہ کے بغیر نکاح بے برکت رہتا ہے

(۱۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کُلُّ خُطْبَةٍ لَیْسَ فِیْهَا تَشَهُّدٌ فَهِیَ کَالْیَدِ الْجَذْمَاءِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس خطبہ میں تشہد نہ ہو وہ کٹے ہوئے ہاتھ کی مانند ہے۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے اور کہا یہ حدیث حسن غریب ہے)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس طرح کٹا ہوا ہاتھ بے فائدہ ہوتا ہے کہ ہاتھ والا اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا اسی طرح خطبہ کے بغیر نکاح بھی بے فائدہ ہے کہ وہ خیر و برکت سے خالی رہتا ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اپنی شرح میں لفظ "خطبہ" کو خ کے زیر کے ساتھ لکھا ہے اور اس کے

معنی "تزویج یعنی نکاح کرنا" بیان کئے ہیں جبکہ حضرت مولانا شاہ اسحٰق دہلوی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہم نے اپنے اساتذہ سے اس لفظ کو خ کے پیش کے ساتھ یعنی خطبہ سنا ہے اور حضرت شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ کے کلام سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے۔

(۱۲) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ اَمْرٍ ذِيْ بَالٍ لَا يُبْدَأُ فِيْهِ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ فَهُوَ اَقْطَعُ (رواه ابن ماجة)

ترجمہ: اسی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ذی شان کام الحمد للہ کے ساتھ شروع نہ کیا جائے وہ بے برکت ہے۔ (روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے)

نکاح کا اعلان کرنا مستحب ہے

(۱۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْلِنُوْا هٰذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوْهُ فِي الْمَسَاجِدِ وَاضْرِبُوْا عَلَيْهِ بِالدُّفُوْفِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

ترجمہ: حضرت عائشہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نکاح کو ظاہر کیا کرو اور مسجدوں میں نکاح کرو اور ان میں دف بجایا کرو۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے اور کہا یہ حدیث غریب ہے)

تشریح: "اعلان" سے مراد اگر گواہوں کی موجودگی ہو کہ نکاح گواہوں کے سامنے کیا جائے تو یہ حکم بطریق وجوب ہوگا اور اگر "اعلان" سے مراد "تشہیر" ہو کہ نکاح کی مجلس اعلانیہ طور پر منعقد کرو تو پھر یہ حکم بطریق استحباب ہوگا۔

مسجد میں نکاح کرنا مستحب ہے اسی طرح جمعہ کے دن نکاح کرنا مستحب ہے کیونکہ مسجد میں اور جمعہ کے دن نکاح کرنے سے برکت حاصل ہوتی ہے۔

(۱۴) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَاطِبٍ الْجُمَحِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَصْلُ مَا بَيْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ الصَّوْتُ وَالدُّفُّ فِي النِّكَاحِ. (رواه احمد والترمذی والنسائی وابن ماجة)

ترجمہ: حضرت محمد بن حاطب جمحی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا حلال اور حرام میں فرق آواز کرنا اور دف بجانا ہے نکاح میں روایت کیا اس کو احمد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے۔

تشریح: "آواز" سے مراد تو گانا ہے یا لوگوں کے درمیان نکاح کا ذکر و اعلان کرنا ہے۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بغیر آواز اور دف کے نکاح ہوتا ہی نہیں کیونکہ نکاح دو گواہوں کے سامنے بھی ہو جاتا ہے بلکہ اس حدیث کا مقصد لوگوں کو اس بات کی ترغیب دلانا ہے کہ نکاح کی مجلس علانیہ طور پر منعقد کی جائے اور لوگوں میں اس کی تشہیر کی جائے اب رہی یہ بات کہ تشہیر کی حد کیا ہے؟ تو وہ یہ ہے کہ اگر ایک مکان میں نکاح ہو تو دوسرے مکان میں یا پڑوس میں اس کا علم ہو جائے اور یہ چیز دف بجانے یا آواز کے ذریعہ (یعنی کوئی نظم و گیت پڑھنے گانے سے) حاصل ہو جاتی ہے۔ تشہیر کا مطلب قطعاً نہیں ہے کہ محلوں اور شہروں میں شہنائی نوبت اور باجوں کے شور و شغب کے ذریعہ نکاح کا اعلان کیا جائے۔

شادی گانے کی اجازت

(۱۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ عِنْدِيْ جَارِيَةٌ مِنَ الْاَنْصَارِ زَوَّجْتُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةُ اَلَا تُغَنِّيْنَ فَاِنَّ هٰذَا الْحَيَّ مِنَ الْاَنْصَارِ يُحِبُّوْنَ الْغِنَاءَ رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ فِيْ صَحِيْحِهٖ.

ترجمہ: حضرت عائشہ سے روایت ہے کہا میرے پاس ایک انصاری لڑکی تھی میں نے اس کا نکاح کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ کیا تو گانے کو نہیں کہتی اس لیے کہ قوم انصار کی گانے کو پسند کرتی ہے۔ (روایت کیا اس کو)

تشریح: یہ لڑکی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہا کرتی تھیں اور جس کا نکاح انہوں نے کیا تھا تو ان کے قرابت داروں میں سے کسی

کی تھی جیسا کہ آگے آنے والی حدیث وضاحت کر رہی ہے یا پھر کوئی یتیمہ رہی ہوگی۔ جسے انہوں نے یہاں رکھ کر پالا پوسا تھا۔
مشکوۃ کے اصل نسخہ میں لفظ رواہ کے بعد کوئی عبارت نہیں لکھی ہوئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مولف مشکوۃ کو اس روایت کے اصل ماخذ کا علم نہیں ہوسکا تھا پھر بعد میں دوسرے علماء نے حاشیہ پر یہ عبارت "ابن حبان فی صحیحہ (یعنی اس روایت کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے) لکھ دی ہے۔

(۱۶) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَنْكَحَتْ عَائِشَةُ ذَاتَ قَرَابَةٍ لَهَا مِنَ الْاَنْصَارِ فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَهْدَيْتُمُ الْفَتَاةَ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ اَرْسَلْتُمْ مَعَهَا مَنْ تُغَنِّي قَالَتْ لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْاَنْصَارَ قَوْمٌ فِيْهِمْ غَزَلٌ فَلَوْ بَعَثْتُمْ مَعَهَا مَنْ يَقُوْلُ اَتَيْنَاكُمْ اَتَيْنَاكُمْ فَحَيَّانَا وَحَيَّاكُمْ. (رواہ ابن ماجہ)

اَتَيْنَاكُمْ اَتَيْنَاكُمْ فَحَيَّانَا وَحَيَّاكُمْ وَلَوْلَا الْحِنْطَةُ السَّمْرَاءُ لَمْ تَسْمَنْ عَذَارَاكُمْ
وَلَوْلَا الْعَجْوَةُ السَّوْدَاءُ مَا كُنَّا بِوَادِيْكُمْ

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک انصاری عورت کا جو اس کے قرابتیوں میں سے تھی نکاح کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے فرمایا تم نے لڑکی کو گھر والوں کے پاس بھیجا ہے اس نے کہا ہاں فرمایا تم نے اس کے ساتھ گانے والی کو بھیجا ہے عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا نہیں فرمایا انصار ایسی قوم ہے جو گانے کو پسند کرتے ہیں کاش کہ تم اس کے ساتھ کسی کو بھیجتیں جو کہتا ہم تمہارے پاس آئے ہیں ہم تمہارے پاس آئے ہیں اللہ ہم کو اور تم کو باقی رکھے۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

تشریح: شادی بیاہ کے موقع پر طربیہ اشعار کے ذریعہ خوشی ومسرت کا اظہار ایک قدیم روایت ہے۔ چنانچہ انصار میں بھی یہ روایت جاری تھی اور وہ اسے بہت پسند کرتے تھے اسی وجہ سے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس انصاری لڑکی کا نکاح کیا اور اس کے ساتھ کسی گانے والے کو نہیں بھیجا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خواہش کا اظہار فرمایا کہ اگر اس لڑکی کے ساتھ کوئی گانے والا بھی جاتا تو اس موقع پر اس کے طربیہ اشعار لڑکی کے سسرال والوں کے جذبات مسرت وخوشی میں یقیناً اضافہ کرتے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طربیہ بیت کا ایک مصرعہ بھی پڑھ کر سنایا جو عرب میں شادی بیاہ کے موقع پر گایا جاتا تھا۔ چنانچہ وہ پورا شعر یوں ہے۔

اتیناکم اتیناکم فحیانا وحیاکم ولولا الحنطة السمرآء لم تسمن عذاراکم

ہم تمہارے پاس آئے خداوند تعالیٰ تمہیں بھی اور ہمیں بھی سلامتی کے ساتھ رکھے۔ اگر سرخ گیہوں نہ ہوتے تو تمہاری کنواریاں گداز بدن والی نہ ہوتیں۔ بعض لوگوں نے کہا ہے دوسرا مصرعہ "ولولا الحنطة الخ کی بجائے یہ ہے۔ ولولا العجوة السوداء ماکنا بواداکم
اگر سیاہ کھجوریں نہ ہوتیں تو ہم تمہارے مکانوں میں نہ رہتے (بلکہ بھوک کے مارے کہیں نکل جاتے)

دو نکاحوں میں پہلا نکاح درست ہے

(۱۷) وَعَنْ سَمُرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا امْرَاَةٍ زَوَّجَهَا وَلِيَّانِ فَهِيَ لِلْاَوَّلِ مِنْهُمَا وَمَنْ بَاعَ بَيْعًا مِنْ رَجُلَيْنِ فَهُوَ لِلْاَوَّلِ مِنْهُمَا. (رواہ الترمذی و ابوداود والنسائی والدارمی)

ترجمہ: حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس عورت کا نکاح دو ولی کر دیں وہ عورت پہلے ولی کے لیے ہے جو کسی چیز کو دو آدمیوں کے ہاتھ بیچے وہ پہلے آدمی کے لیے ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی ابوداؤد نسائی اور دارمی نے۔

تشریح: کسی عورت کے دو ولی ہوں اور دونوں ولی اس عورت کا نکاح الگ الگ وقتوں میں دو مردوں سے کر دیں بایں طور کہ پہلے ایک ولی نے کسی شخص سے نکاح کر دیا۔ پھر دوسرے ولی نے کسی دوسرے شخص سے نکاح کر دیا تو دوسرے ولی کا کیا ہوا نکاح باطل ہوگا اور وہ عورت اسی شخص کی بیوی ہوگی جس سے پہلے نکاح ہوا ہے۔ لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جبکہ دونوں ولی ایک ہی درجہ کے ہوں یعنی دونوں یکساں قرابت رکھتے

ہوں۔ اگر دونوں ولی ایک درجے کے نہ ہوں تو پھر وہ ولی مقدم ہوگا۔ جو اقرب ہو یعنی قریبی قرابت رکھتا ہو۔ لہٰذا اس صورت میں وہ عورت اس شخص کی بیوی ہوگی جس سے اس کے قریبی قرابت والے ولی نے نکاح کیا ہے چاہے اس نے پہلے نکاح کیا ہو اور چاہے بعد میں کیا ہو اور اگر عورت کے یکساں درجہ والے دو ولی اس کا نکاح ایک وقت میں دو الگ الگ مردوں سے کردیں۔ مثلاً ایک ولی نے زید سے نکاح کیا اور ٹھیک اسی وقت دوسرے ولی نے بکر سے اس کا نکاح کیا تو اس صورت میں متفقہ طور پر تمام علماء کا مسلک یہ ہے کہ دونوں ہی نکاح باطل ہو گئے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ..... متعہ ابتداء اسلام میں جائز تھا

(۱۸) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا نَغْزُوْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مَعَنَا نِسَاءٌ فَقُلْنَا أَلَا نَخْتَصِيْ فَنَهَانَا عَنْ ذٰلِكَ ثُمَّ رَخَّصَ لَنَا أَنْ نَسْتَمْتِعَ فَكَانَ أَحَدُنَا يَنْكِحُ الْمَرْأَةَ بِالثَّوْبِ إِلٰى أَجَلٍ ثُمَّ قَرَأَ عَبْدُ اللّٰهِ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ أَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ.

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے تھے اور ہمارے ساتھ عورتیں نہ ہوتی تھیں ہم نے کہا کیا ہم خصی نہ ہو جائیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خصی ہونے سے منع فرمایا پھر ہم کو متعہ کی رخصت دی ہم میں سے ایک عورت سے کپڑے کے بدلے میں ایک مدت تک نکاح کرتا پھر عبداللہ بن مسعود نے یہ آیت پڑھی اے لوگو ایمان والو پاکیزہ چیزوں کو حرام نہ جانو ان چیزوں سے جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں۔ (متفق علیہ)

تشریح: یہ حدیث متعہ کی اجازت پر دلالت کرتی ہے۔ چنانچہ ابتدا اسلام میں متعہ کی اجازت تھی مگر بعد میں یہ اجازت منسوخ ہوگئی اور اب متعہ کرنا حرام ہے جیسا کہ آگے آنے والی حدیث سے بھی معلوم ہوگا اور پہلے بھی وہ احادیث گزر چکی ہیں جن سے متعہ کی اجازت کا منسوخ ہونا ثابت ہو چکا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذکورہ بالا آیت پڑھنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرح متعہ کے مباح ہونے کے قائل تھے۔ لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بارہ میں تو یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا اور وہ بھی متعہ کے حرام ہونے کے قائل ہو گئے تھے۔ جیسا کہ آگے آنے والی حدیث سے معلوم ہوگا۔ اب رہی حضرت ابن مسعود رحمہ اللہ کی بات تو ہو سکتا ہے کہ انہوں نے بھی اس کے بعد اس سے رجوع کر لیا ہو اور وہ بھی متعہ کے حرام ہونے کے قائل ہو گئے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہیں جواز متعہ کے منسوخ ہونے کا صریح حکم معلوم ہی نہ ہوا ہو اور اس وجہ سے وہ آخر تک جواز متعہ کے قائل رہے ہوں۔

(۱۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّمَا كَانَتِ الْمُتْعَةُ فِيْ أَوَّلِ الْإِسْلَامِ كَانَ الرَّجُلُ يَقْدَمُ الْبَلْدَةَ لَيْسَ لَهٗ بِهَا مَعْرِفَةٌ فَيَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ بِقَدْرِ مَا يُرٰى أَنَّهٗ يُقِيْمُ فَتَحْفَظُ لَهٗ مَتَاعَهٗ وَتُصْلِحُ لَهٗ شَيْئَهٗ حَتّٰى إِذَا نَزَلَتِ الْاٰيَةُ إِلَّا عَلٰٓى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَكُلُّ فَرْجٍ سِوَاهُمَا فَهُوَ حَرَامٌ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہا متعہ اول اسلام میں تھا ایک آدمی شہر میں آیا اور اس کے لیے اس میں کوئی شناسائی نہ ہوتی وہ ایک عورت سے نکاح کرتا ایک مدت جب تک وہ خیال کرتا کہ میرا اس میں قیام ہوگا تو وہ عورت اس کے سامان کی حفاظت کرتی اس کے لیے کھانا پکاتی یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی اپنی بیویوں پر یا لونڈیوں پر ابن عباس نے کہا ان دونوں کے سوا ہر شرمگاہ حرام ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

تشریح: آیت کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ اپنی شرمگاہوں کو اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے علاوہ دوسری عورتوں سے محفوظ رکھتے ہیں ان پر کوئی ملامت نہیں ہے لیکن جو لوگ اپنی بیویوں اور لونڈیوں پر قناعت نہیں کرتے یا جو لوگ نکاح کے ذریعہ اپنی شرعی طور پر اپنی جنسی خواہش کی تسکین کا سامان نہیں کرتے۔ بلکہ غیر عورتوں کی طرف مائل ہوتے ہیں وہ در اصل حلال سے گزر کر حرام کی طرف تجاوز کرنے والے ہیں جن کیلئے سخت ملامت ہے۔

طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس ارشاد سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ پرہیز گار

بندوں کی تعریف بیان کی ہے کہ وہ عورتوں سے اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ البتہ اپنی بیویوں اور اپنی لونڈیوں سے اجتناب نہیں کرتے بلکہ ان کے ذریعہ اپنے جنسی جذبات کو تسکین پہنچاتے ہیں اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ متعہ کی صورت میں جو اس عورت پر تسلط حاصل ہوتا ہے وہ نہ تو بیوی ہوتی ہے اور نہ مملوکہ (لونڈی) ہوتی ہے کیونکہ اگر وہ بیوی ہوتی تو اس کے اور اس کے مرد کے درمیان میراث کا سلسلہ ضرور ہوتا اور یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ متعہ کی عورت کے ساتھ میراث کا کوئی سلسلہ قائم نہیں ہوتا چونکہ وہ عورت محض چند روز (یعنی ایک متعین مدت) کیلئے اجرت پر اپنے نفس کو اس مرد کے حوالہ کرتی ہے۔ اس لئے وہ مملوکہ بھی نہیں ہوسکتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص متعہ کے طور پر کسی عورت سے جنسی تسکین حاصل کرتا ہے۔ تو وہ ان لوگوں کے زمرہ میں نہیں ہے جن کی توصیف مذکورہ آیت بیان کر رہی ہے۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے بھی اپنی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ جو شخص کسی عورت سے متعہ کرتا ہے تو وہ عورت اس کی بیوی نہیں بنتی اور جب وہ بیوی نہیں بنتی تو پھر لامحالہ یہ واجب ہوگا کہ وہ عورت اس کیلئے حلال نہ ہو۔

شیعوں کے بارہ میں پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ ان کے نزدیک متعہ جائز ہے چنانچہ بڑی مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول پر تو عمل کرتے ہوئے متعہ کو جائز کہتے ہیں۔ باوجودیکہ جواز متعہ کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اپنے قول سے رجوع کرنا ثابت ہو چکا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مسلک وعقیدہ کو ترک کرتے ہیں اور ان کے خلاف عمل کرتے ہیں جبکہ صحیح مسلم میں یہ روایت موجود ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سنا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ متعہ کو جائز کہتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ایسا نہ کہو کیونکہ میں نے خود سنا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن متعہ اور پالتو گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرما دیا تھا۔

شادی بیاہ کے موقع پر گانے کی اجازت

(۲۰) وَعَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى قَرْظَةَ بْنِ كَعْبٍ وَاَبِىْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِىِّ فِىْ عُرْسٍ وَاِذَا جَوَارٍ يُغَنِّيْنَ فَقُلْتُ اَىْ صَاحِبَىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَهْلَ بَدْرٍ يُفْعَلُ هٰذَا عِنْدَكُمْ فَقَالَا اجْلِسْ اِنْ شِئْتَ فَاسْمَعْ مَعَنَا وَ اِنْ شِئْتَ فَاذْهَبْ فَاِنَّهٗ قَدْ رُخِّصَ لَنَا فِى اللَّهْوِ عِنْدَ الْعُرْسِ۔ (رواه النسائی)

ترجمہ: حضرت عامر بن سعد سے روایت ہے کہا میں قرظہ بن کعب اور ابو مسعود انصاری پر ایک شادی میں داخل ہوا۔ اور بہت سی لڑکیاں گاتی تھیں میں نے کہا اے دو صحابہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اہل بدر کے کیا تمہارے ہاں یہ کیا جاتا ہے ان دونوں نے کہا اگر تو چاہتا ہے تو بیٹھ ہمارے ساتھ اگر چاہتا ہے تو چلا جا۔ ہم کھیل میں اجازت دیئے گئے ہیں نکاح کے وقت۔ (روایت کیا اس کو نسائی نے)

تشریح: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی گانے کی حرمت وکراہت ہی مشہور تھی۔ عیدین اور نکاح وغیرہ کی تخصیص بعض لوگوں کو تو معلوم تھی اور بعض لوگوں کو معلوم نہیں تھی۔ چنانچہ حضرت عامر ابن سعد رحمہ اللہ انہی لوگوں میں سے تھے جنہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ عیدین اور شادی بیاہ وغیرہ میں گانا جائز ہے۔

بَابُ الْمُحَرَّمَاتِ..... مرد پر حرام عورتوں کا بیان

نکاح ایک اسلامی رشتہ ہے صرف شہوت رانی نہیں ہے اس لئے اس کی صحت وحرمت کی نہایت ضرورت ہے نکاح کے صحیح ہونے کے لئے دیگر شرائط کے علاوہ ایک شرط یہ بھی ہے کہ عورت محرمات سے نہ ہو اس "باب المحرمات" میں یہی بیان ہے کہ کونسی عورت کس مرد پر حرام ہے۔ حرمت دو قسم پر ہے ایک حرمت مؤبدہ ہے یعنی وہ عورت جس سے ہمیشہ کیلئے نکاح نہیں ہوسکتا ہے۔ دوسری حرمت غیر مؤبدہ ہے یہ وہ عورت ہے جو عارض کی وجہ سے حرام ہوتی ہے۔

حرمت نکاح کے اسباب

حرمت نکاح کے مختلف اسباب ہیں سب کا بیان کرنا مشکل بھی ہے اور طویل بھی ہے تو اسباب کا بیان مختصر طور پر یہاں ہوگا ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) پہلا سبب نسبی رشتہ ہے جو عورتیں نسبی رشتے کی وجہ سے حرام ہیں وہ یہ ہیں ماں بیٹی بہن پھوپھی خالہ بھتیجی اور بھانجی۔ لہٰذا ان عورتوں سے نکاح حرام ہے اسی طرح والدین کے اصول اوپر تک اور ان کے فروع نیچے تک حرام ہیں۔(۲) دوسرا سبب سسرالی رشتہ ہے جیسے ساس بہو ام مزنیہ وغیرہ۔(۳) تیسرا سبب رضاعت اور دودھ کا رشتہ ہے۔(۴) چوتھا سبب عورتوں کو نکاح میں جمع کرنے کا سبب ہے جس سے حرمت آتی ہے جیسے چار سے زائد عورتوں کو بیک وقت نکاح میں اکٹھا کر لیا یا دو بہنیں یا پھوپھی اور اس کی بھتیجی کو جمع کر لیا یا ایسی دو عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کر دیا کہ اگر ان میں سے ایک کو مرد تصور کیا جائے تو وہ عورت اس مرد کے لئے حلال نہ ہو۔ خلاصہ یہ کہ یا اجنبیات کو چار سے زیادہ اکٹھا کرنا یا ذوات الارحام میں سے دو یا دو سے زیادہ اکٹھا کرنا سب حرام ہیں۔(۵) پانچواں سبب عورت کا مملوکہ ہونا ہے یعنی پہلے سے منکوحہ آزاد بیوی موجود ہے تو اس پر لونڈی سے نکاح کرنا حرام ہے۔(۶) چھٹا سبب تعلق حق الغیر ہے یعنی دوسرے کی منکوحہ سے نکاح ہے۔(۷) ساتواں سبب اختلاف مذہب ہے یعنی مشرکہ آتش پرست دھریہ آغا خانیہ قادیانیہ رافضیہ سے نکاح حرام ہے صرف اہل کتاب کی عورتیں اگر واقعی اہل کتاب ہوں ان سے نکاح جائز ہے لیکن مسلمان لڑکی کا اہل کتاب سے نکاح حرام ہے۔(۸) آٹھواں سبب عورت کا مالکہ ہونا ہے یعنی عورت مالکہ ہے وہ اپنے مملوک غلام سے نکاح نہیں کر سکتی ہے۔(۹) نواں سبب طلاق ہے یعنی تین طلاق دینے کے بعد بغیر حلالہ یہ عورت اس مرد کے لئے حرام ہوگئی ہے نیز لعان سے جو عورت شوہر کے لئے ہمیشہ حرام ہو جاتی ہے وہ بھی طلاق کے زمرے میں آتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ... پھوپھی اور بھتیجی یا خالہ اور بھانجی کو ایک وقت اپنے نکاح میں نہ رکھا جائے

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یُجْمَعُ بَیْنَ الْمَرْاَةِ وَ عَمَّتِهَا وَلَا بَیْنَ الْمَرْاَةِ وَخَالَتِهَا (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت اور اس کی پھوپھی کو جمع نہ کیا جائے نہ عورت اور اس کی خالہ کو جمع کیا جاوے۔(متفق علیہ)

تشریح: **لا یجمع**۔ اس حدیث میں ایک ضابطہ اور ایک اصولی قاعدہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور علماء امت نے اس قاعدہ کی تشریح کر کے واضح فرمائی ہے وہ قاعدہ یہ ہے کہ ہر ان دو عورتوں کو کہ جن میں قرابت محرمیت ہو اگر ان میں سے ایک کو مرد اور دوسری کو عورت فرض کیا جائے تو دونوں کا نکاح درست نہ ہوتا ہو ایسی دو عورتوں کو نکاح میں اکٹھا کرنا حرام ہے۔ اس کی مثال مذکورہ حدیث میں پھوپھی اور بھتیجی کی ہے اگر پھوپھی کو مرد فرض کیا جائے تو بھتیجی سے چچا کا نکاح حرام ہے اور اگر بھتیجی کو مرد فرض کیا جائے تو بھتیجے سے پھوپھی کا نکاح حرام ہے۔

اس قاعدہ کے متعلق ایک بات ذہن میں رکھنی چاہیے وہ یہ کہ یہ حرمت دونوں طرف سے ضروری ہے یعنی جانبین میں سے جس کو بھی مرد فرض کر لو تو نکاح حرام ہو جاتا ہے اگر ایسا نہیں بلکہ ایک طرف سے تو حرمت آتی ہے لیکن اس کے برعکس میں حرمت نہیں آتی ہے تو یہ قاعدہ اس صورت کو شامل نہیں ہے بلکہ ایسی دو عورتوں کو ایک نکاح میں اکٹھا کیا جا سکتا ہے مثلاً بیوی اور اس کے پچھلے شوہر کی بیٹی کو جمہور کے نزدیک ایک نکاح میں اکٹھا کیا جا سکتا ہے جبکہ وہ لڑکی اس بیوی سے نہ ہو اب اگر پچھلے خاوند کی اس بیٹی کو مرد فرض کیا جائے تو یہ بیوی اس کے باپ کی بیوی یعنی ''زوجۃ الاب'' بنتی ہے اور زوجۃ الاب سے نکاح حرام ہے لیکن اگر اس بیوی کو مرد فرض کیا جائے تو اس لڑکی سے نکاح کی حرمت کی کوئی وجہ نہیں بنتی ہے لہٰذا مذکورہ بالا قاعدہ طرفین کی حرمت پر مبنی ہے ایک طرف کی حرمت کافی نہیں ہے۔

حرمت رضاعت کا ذکر

(۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا یَحْرُمُ مِنَ الْوِلَادَةِ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دودھ پینے سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو جننے کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

تشریح: یعنی جو رشتے نسب کی وجہ سے ایک دوسرے کیلئے حرام ہیں وہی رشتے دودھ پینے کی وجہ سے بھی ایک دوسرے کیلئے حرام ہو جاتے ہیں۔ مثلاً جس طرح نسبی یعنی حقیقی بہن اپنے بھائی کیلئے حرام ہے۔ اسی طرح رضاعی بہن بھی حرام ہے۔ ہاں کچھ مسائل ایسے ہیں جو اس کلیہ سے مستثنٰی ہیں۔ چنانچہ بعض صورتوں میں نسبی رشتہ اور رضاعی رشتہ کے درمیان فرق ہو جاتا ہے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے اگرچہ رضاعت سے نکاح حرام ہو جاتا ہے اور نظر و خلوت اور مسافرت حلال ہو جاتی ہے۔ (یعنی مثلاً رضاعی ماں بیٹے کے درمیان نکاح تو حرام ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے کی طرف نگاہ ڈالنا اور ایک دوسرے کے ساتھ تنہائی میں اٹھنا بیٹھنا اور ایک دوسرے کے ساتھ تنہا سفر کرنا جائز ہو جاتا ہے لیکن رضاعی رشتہ پر نسبی رشتہ کے تمام احکام نافذ نہیں ہوتے چنانچہ رضاعی رشتہ میں نہ تو ایک دوسرے کا وارث ہوتا ہے نہ ایک دوسرے پر نان نفقہ واجب ہوتا ہے۔ نہ ایک دوسرے کی ملکیت میں آجانے سے آزادی مل جاتی ہے اور اگر دودھ پلانے والی اپنا دودھ پینے والے کو قتل کر دے تو اس کے ذمہ سے اس کا قصاص بھی ساقط نہیں ہوتا۔ چنانچہ ان تمام صورتوں میں وہ دونوں رضاعی رشتہ دار بالکل اجنبیوں کی طرح ہوتے ہیں۔

(۳) وَعَنْهَا قَالَتْ جَاءَ عَمِّي مِنَ الرَّضَاعَةِ فَاسْتَأْذَنَ عَلَيَّ فَأَبَيْتُ أَنْ آذَنَ لَهُ حَتَّى أَسْأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ إِنَّهُ عَمُّكِ فَأْذَنِي لَهُ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّمَا أَرْضَعَتْنِي الْمَرْأَةُ وَلَمْ يُرْضِعْنِي الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ عَمُّكِ فَلْيَلِجْ عَلَيْكِ وَ ذٰلِكَ بَعْدَمَا ضُرِبَ عَلَيْنَا الْحِجَابُ (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا کہ میرا چچا آیا جو رضاعی تھا اور اس نے میرے پاس آنے کی اجازت طلب کی میں نے اجازت دینے سے انکار کیا یہاں تک کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے میں نے پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ تیرا چچا ہے اس کو اجازت دے آنے کی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو عورت نے دودھ پلایا ہے نہ کہ مرد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ تیرا چچا ہے چاہیے کہ وہ تجھ پر داخل ہو۔ یہ پردہ کے فرض ہونے کے بعد کا قصہ ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جن رضاعی چچا کا ذکر کیا گیا ہے ان کا نام افلح تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جس عورت کا دودھ پیا تھا اس کے خاوند ابوالقعیس تھے وہ اور افلح بھائی تھے اس رشتہ سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی چچا ہوئے۔

مجھ کو تو عورت نے دودھ پلایا ہے الخ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مطلب یہ تھا کہ میں نے چونکہ عورت کا دودھ پیا ہے اس لئے میرا رضاعت کا تعلق تو عورت سے قائم ہوا ہے نہ کہ مرد سے گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ سمجھتی تھیں کہ کسی عورت کا دودھ پلانا اس کے خاوند کے قرابت داروں سے رضاعت کا تعلق قائم نہیں کرتا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس گمان کی تصحیح کی کہ کسی عورت کا دودھ پلانا جس طرح اس عورت سے اور اس کے قرابت داروں سے رضاعت کا رشتہ قائم کر دیتا ہے اسی طرح اس کے خاوند اور خاوند کے قرابت داروں سے بھی رضاعی تعلق پیدا کر دیتا ہے اور جس طرح رضاعی ماں کی بہن رضاعی خالہ اور اس کی بیٹی رضاعی بہن ہوتی ہے۔ اسی طرح اس کے خاوند کا بھائی بھی رضاعی چچا ہوتا ہے اور رضاعی چچا چونکہ حقیقی چچا کی مانند ہے۔ اس لئے افلح تمہارے پاس شوق سے آئیں ان سے کوئی شرم و پردہ نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح دودھ پلانے والی کے قرابت داروں کے ساتھ حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اس طرح اس کے خاوند کے قرابت داروں سے بھی حرمت رضاعت کا تعلق ہو جاتا ہے۔

رضاعی بھتیجی سے نکاح کرنا حرام ہے

(۴) وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ لَكَ فِي بِنْتِ عَمِّكَ حَمْزَةَ فَإِنَّهَا أَجْمَلُ فَتَاةٍ فِي قُرَيْشٍ فَقَالَ لَهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ حَمْزَةَ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا حَرَّمَ مِنَ النَّسَبِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا حمزہ کی بیٹی کی خواہش ہے وہ خوبصورت ہے اور قریش کی عورتوں میں سے جوان ہے آپ نے فرمایا کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ حمزہ میرا رضاعی بھائی ہے جو چیز نسب

سے حرام ہوتی ہے وہ دودھ پینے سے بھی حرام ہوتی ہے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: یوں تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ابولہب کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے لیکن وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ شریک بھائی بھی تھے جس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ ابولہب کے ہاں ایک لونڈی تھی جس کا نام ثوبیہ تھا۔ ثوبیہ نے پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا تھا اور پھر چار سال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دودھ پلایا یہ وہی ثوبیہ ہے جس نے جب ابولہب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی تو ابولہب نے بھتیجے کی پیدائش کی خوشی میں اس کو آزاد کر دیا بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پر ابولہب نے اپنی اس خوشی و مسرت کا جو اظہار کیا تھا اس کی وجہ سے پیر (سوموار) کے دن حق تعالیٰ کی طرف سے ابولہب کے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیر ہی کے دن پیدا ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چار عورتوں نے دودھ پلایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ نے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے ثوبیہ نے اور ام ایمن نے جو آپ کے والد محترم حضرت عبداللہ کی لونڈی تھیں۔

رضاعت کی مقدار

(۵) وَعَنْ اُمِّ الْفَضْلِ قَالَتْ اِنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُحَرِّمُ الرَّضْعَةُ اَوِالرَّضْعَتَانِ وَ فِیْ رِوَایَةِ عَائِشَةَ قَالَ لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَالْمَصَّتَانِ وَ فِیْ اُخْرٰی لِاُمِّ الْفَضْلِ قَالَ لَا تُحَرِّمُ الْاِمْلَاجَةُ وَالْاِمْلَاجَتَانِ هٰذِهٖ رِوَایَاتٌ لِمُسْلِمٍ.

ترجمہ: حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک بار یا دو بار دودھ پینا حرام نہیں کرتا عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک بار چوسنا یا دو بار چوسنا حرام نہیں کرتا۔ ام الفضل سے دوسری روایت یوں آئی ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک بار چھاتی کا داخل کرنا یا دو بار حرام نہیں کرتا یہ تمام روایتیں مسلم کی ہیں۔

تشریح: بظاہر ان روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار یا دو بار دودھ چوسنے سے نکاح حرام نہیں ہوتا۔ ہاں تین بار یا اس سے زائد مرتبہ دودھ چوسنے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ بعض علماء نے اسی پر عمل کرنے کا فتویٰ دیا ہے لیکن حنفیہ اور اکثر علماء کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ مطلق دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے خواہ وہ مقدار کے اعتبار سے کم ہو یا زیادہ ہو۔ بشرطیکہ دودھ بچہ کے حلق سے نیچے اتر کر پیٹ میں پہنچ جائے اور وہ دودھ بھی مدت رضاعت (شیر خوارگی کی مدت) میں پیا گیا ہو اور مدت رضاعت اکثر علماء بشمول صاحبین یعنی امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک دو سال کی عمر تک ہے جبکہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ مدت رضاعت ڈھائی سال کی عمر تک ہے لیکن حنفی مسلک میں صاحبین رحمہما اللہ ہی کے قول پر فتویٰ ہے۔ جو علماء یہ کہتے ہیں کہ مطلق دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے ان کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے۔ وامهتكم اللاتی ارضعنكم (النساء:۴:۲۳) اور تم پر تمہاری رضاعی مائیں حرام ہیں۔

اس روایت میں مطلق دودھ پینے کی حرمت رضاعت کا ذکر ہے کم و زیادہ کی کوئی قید نہیں۔ لہٰذا خبر واحد کو چونکہ یہ درجہ حاصل نہیں ہوگا کہ وہ قرآن کریم کے کسی مطلق حکم کو مقید کرے۔ اس لئے مذکورہ روایت اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ حرمت رضاعت اس صورت میں ثابت ہوتی ہے جبکہ بچہ نے تین بار یا تین بار سے زائد دودھ چوسا ہو۔ نیز ان حضرات کی ایک دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت بھی ہے جس میں مطلق دودھ پینے سے حرمت ثابت ہو جانے کو ان الفاظ کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے۔ یحرم من الرضاعة ما یحرم من الولادة ''دودھ پینے سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو پیدائش کی وجہ سے حرام ہیں''۔ حرمت رضاعت کے سلسلہ میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بچہ پانچ بار سے کم دودھ پیے تو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ ان کی دلیل آگے آنے والی حدیث ہے۔

(۶) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَ فِیْمَا اُنْزِلَ مِنَ الْقُرْاٰنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُوْمَاتٍ یُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُوْمَاتٍ فَتُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهِیَ فِیْمَا یُقْرَأُ مِنَ الْقُرْاٰنِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ حکم جو قرآن میں نازل ہوا یہ تھا کہ دس بار دودھ پینا کہ اس کا وجود معلوم ہو حرام کرتا ہے پھر یہ حکم پانچ بار دودھ پینے کے ساتھ منسوخ ہوا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت کیے گئے اور یہ آیت قرآن میں تلاوت کی جاتی تھی۔ (مسلم)

تشریح: پہلے یہی حکم تھا کہ اگر کوئی بچہ کسی عورت کا دس بار دودھ پی لے تو ان دونوں کے درمیان حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے بعد میں نہ صرف یہ کہ یہ حکم ہی منسوخ ہو گیا بلکہ اس آیت کی تلاوت بھی منسوخ ہو گئی جس میں یہ حکم تھا اور یہ آیت نازل ہوئی کہ پانچ بار دودھ پینا نکاح کو حرام کرتا ہے اور پھر اس آیت کی تلاوت بھی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک تو منسوخ ہو گئی لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی قرأت میں اس کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ اب حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا حکم تو باقی ہے کہ حرمت رضاعت پانچ بار دودھ پینے سے ثابت ہوتی ہے اور اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی ہے لیکن حضرت امام اعظم اور دیگر علماء کے نزدیک اس آیت کی تلاوت بھی منسوخ ہو گئی اور اس کا حکم بھی اس مطلق آیت وامھتکم اللاتی ارضعنکم کے ذریعہ منسوخ ہو گیا۔

مدت رضاعت کے بعد دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی

(۷) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا رَجُلٌ فَكَاَنَّهُ كَرِهَ ذٰلِكَ فَقَالَتْ اِنَّهُ اَخِیْ فَقَالَ انْظُرْنَ مِنْ اِخْوَانِكُنَّ فَاِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت عائشہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے اور ان کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بیٹھنا مکروہ جانا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا یہ میرا بھائی ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو کون تمہارے بھائی ہیں۔ ایام شیر کے وقت دودھ پینا معتبر ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ دودھ پینے کے احکام اسی صورت میں جاری ہوتے ہیں جبکہ دودھ بطور غذا پیا گیا ہو اور اس سے بھوک دور کی گئی ہو۔ چنانچہ یہ بات خورد سالی یعنی ایام شیر خوارگی ہی میں ہوتی ہے اور شیر خوارگی کی مدت اکثر علماء کے نزدیک دو سال اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ڈھائی سال کی عمر تک رہتی ہے اس مدت میں بچہ کی غذائی ضرورت وخواہش کا دارومدار عورت کے دودھ پر ہوتا ہے جب تک وہ دودھ نہیں پیتا اس کی بھوک ختم نہیں ہوتی۔ لہٰذا حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ بڑی عمر میں یعنی مدت رضاعت ختم ہو جانے کے بعد کسی عورت کا دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی اور وہ شخص جو اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا دودھ شریک بھائی کہا تھا اس نے دراصل بڑی عمر میں دودھ پیا تھا اور چونکہ بڑی عمر میں دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھنا ناگوار ہوا۔

ثبوت رضاعت کے سلسلہ میں ایک عورت کی گواہی معتبر ہے یا نہیں؟

(۸) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ اَنَّهُ تَزَوَّجَ ابْنَةً لِاَبِیْ اِهَابِ بْنِ عُزَيْزٍ فَاَتَتِ امْرَاَةٌ فَقَالَتْ قَدْ اَرْضَعْتُ عُقْبَةَ وَالَّتِیْ تَزَوَّجَ بِهَا فَقَالَ لَهَا عُقْبَةُ مَا اَعْلَمُ اَنَّكِ قَدْ اَرْضَعْتِنِیْ وَلَا اَخْبَرْتِنِیْ فَاَرْسَلَ اِلٰی اٰلِ اَبِیْ اِهَابٍ فَسَاَلَهُمْ فَقَالُوْا مَا عَلِمْنَا اَرْضَعَتْ صَاحِبَتَنَا فَرَكِبَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ فَسَاَلَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ وَقَدْ قِيْلَ فَفَارَقَهَا عُقْبَةُ وَنَكَحَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس نے ابواہاب ابن عزیز کی بیٹی سے نکاح کیا ایک عورت آئی اور کہنے لگی کہ میں نے عقبہ اور اس عورت کو کہ اس کی منکوحہ ہے دودھ پلایا ہے عقبہ کہنے لگے کہ میں نہیں جانتا کہ تو نے مجھے دودھ پلایا ہے اور نہ ہی تو نے مجھے بتایا تھا۔ عقبہ نے کسی کو اہاب کے لوگوں کی طرف بھیجا پوچھا کہ فلاں عورت نے تمہاری لڑکی کو دودھ پلایا ہے وہ کہنے لگے ہم نہیں

جانتے کہ اس نے ہماری لڑکی کو دودھ پلایا ہو عقبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سوار ہو کر چلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نکاح کا حکم پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب کس طرح ہو جبکہ کہا گیا ہے عقبہ نے اس عورت کو جدا کر دیا۔ اس عورت نے اور خاوند سے نکاح کیا۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

تشریح: کیف وقد قیل: اگر ایک عورت گواہی دیدے کہ میں نے فلاں شخص کو دودھ پلایا تھا تو کیا اس عورت کی اس گواہی کا کوئی اعتبار ہوگا یا نہیں؟ اس بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف: امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راھویہ کے نزدیک حرمت رضاعت کے لیے ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ صرف ایک عورت مرضعہ کی گواہی سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی ہے پھر جمہور کا آپس میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ دو عورتوں کی شہادت کافی ہو جاتی ہے امام شافعیؒ چار عورتوں کی گواہی کو معتبر مانتے ہیں ائمہ احناف کے ہاں رضاعت میں بھی وہی عام قاعدہ چلے گا جو دین کے تمام شعبوں میں گواہی کا قاعدہ چلتا ہے کہ دو مرد ہوں یا ایک مرد دو عورتیں ہوں یہ شہادت کا نصاب ہے رضاعت میں بھی اسی پر عمل ہوگا۔

جمہور نے حضرت عقبہ کی روایت کے دو جواب دیئے ہیں (۱) ایک جواب یہ دیا کہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے سے معلوم ہو گیا کہ اس عورت نے واقعی دونوں کو دودھ پلایا تھا تو آپ نے فرقت کا حکم دیدیا۔ (۲) دوسرا جواب یہ کہ چھوڑنے کا یہ فیصلہ اور حکم بطور قاعدہ شرعیہ نہیں تھا اور نہ بطور فتویٰ تھا بلکہ یہ حکم بطور احتیاط و تقویٰ تھا اور حدیث کا یہ لفظ کیف وقد قیل اس پر صریح دلالت کرتا ہے یعنی جب ایک شک والی بات کہی گئی ہے تو اس کے بعد تیرا دل کیسے مطمئن ہوگا اس لئے بہتر یہ ہے کہ چھوڑ دو۔

دارالحرب سے قید کر کے لائی جانے والی عورت کا حکم

(۹) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمَ حُنَیْنٍ بَعَثَ جَیْشًا اِلٰی اَوْطَاسٍ فَلَقُوْا عَدُوًّا فَقَاتَلُوْهُمْ فَظَهَرُوْا عَلَیْهِمْ وَاَصَابُوْا لَهُمْ سَبَایَا فَکَاَنَّ نَاسًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَحَرَّجُوْا مِنْ غِشْیَانِهِنَّ مِنْ اجل ازواجهن من المشرکین فانزل الله تعالیٰ فی ذلک والمحصنات من النساء الا ماملکت ایمانکم ای فهن لهم حلال اذا انقضت عدتهن (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حنین کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کی طرف ایک لشکر بھیجا جب دشمنوں سے ملے تو دشمنوں پر غالب آئے لونڈیاں ہاتھ آئیں بعض صحابہ نے ان لونڈیوں سے صحبت کرنے سے گریز کیا ان کے مشرک خاوندوں کے موجود ہونے کی وجہ سے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ حرام ہیں تم پر وہ عورتیں جن کے خاوند ہیں مگر وہ کہ تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہوئے یعنی لونڈیاں حلال ہیں عدت کے گذرنے کے بعد۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ جو عورت کسی مرد کے نکاح میں ہو کسی دوسرے مرد کو نہ تو اس سے نکاح کرنا درست ہے اور نہ اسے اپنے تصرف میں لانا جائز ہے ہاں کافروں کی وہ بیویاں جنہیں جنگ و جدل کے بعد دارالحرب سے پکڑ کر لایا جائے اور ان کے خاوند دارالحرب میں رہ گئے ہوں تو ان عورتوں کو ان کی عدت گزر جانے کے بعد اپنے تصرف میں لانا جائز ہے اور یہاں عدت سے مراد استبراء ہے یعنی اگر وہ عورت حاملہ ہو تو جب اس کے ہاں ولادت ہو جائے اور اگر اسے حیض آتا ہو تو جب اسے ایک حیض آجائے اور اگر اسے حیض نہ آتا ہو تو پھر جب ایک مہینہ گزر جائے تب اس سے جماع کرنا جائز ہو جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں طیبی رحمہ اللہ نے یہ کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کریمہ کے پیش نظر یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ جب کوئی خاوند والی لونڈی فروخت کی جاتی ہے تو اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور جو شخص اسے خریدتا ہے اس کیلئے استبراء کے بعد اس سے جماع کرنا جائز ہو جاتا ہے۔ گویا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے حکم کو عمومیت پر محمول کیا ہے جبکہ اور تمام علماء کا یہ متفقہ مسلک ہے کہ اس کا نکاح نہیں ٹوٹتا ان کے نزدیک یہ آیت ہر خاوند والی لونڈی کے بارہ میں نازل نہیں ہوئی ہے بلکہ یہ صرف ان لونڈیوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو دارالحرب سے پکڑ کر لائی گئی ہوں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ…وہ عورتیں جنہیں بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا ممنوع ہے

(۱۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى اَنْ تُنْكَحَ الْمَرْاَةُ عَلٰى عَمَّتِهَا اَوِ الْعَمَّةُ بِنْتَ اَخِيْهَا وَالْمَرْاَةُ عَلٰى خَالَتِهَا اَوِ الْخَالَةُ عَلٰى بِنْتِ اُخْتِهَا لَا تُنْكَحُ الصُّغْرٰى عَلَى الْكُبْرٰى وَلَا الْكُبْرٰى عَلَى الصُّغْرٰى رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَرِوَايَتُهٗ اِلٰى قَوْلِهٖ بِنْتَ اُخْتِهَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ نکاح کی جاوے عورت اپنی پھوپھی پر یا پھوپھی بھتیجی پر اور منع فرمایا کہ نکاح کی جاوے عورت اپنی خالہ پر یا خالہ اپنی بھانجی پر اور نہ نکاح کی جاوے چھوٹے ناتے والی بڑے ناتے والے پر اور بڑے ناتے والی چھوٹے ناتے والی پر۔ روایت کیا اس کو ترمذی ابو داؤد و دارمی اور نسائی نے اور نسائی کی روایت اس کے قول بنت اختہا تک ختم ہو جاتی ہے۔

تشریح: حدیث کا دوسرا جز یعنی لا تنکح الصغری علی الکبری الخ دراصل حدیث کے پہلے جز یعنی ان تنکح المراۃ علی عمتہا الخ کے حکم کی تاکید کے طور پر ہے چنانچہ بڑے رشتہ والی سے پھوپھی اور خالہ مراد ہیں اور چھوٹے رشتہ والی سے بھتیجی اور بھانجی مراد ہیں۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر پہلے سے خالہ اپنے نکاح میں ہو تو اس کی موجودگی میں اس کی بھانجی سے یا پہلے سے بھانجی نکاح میں ہو تو اس کی موجودگی میں اس کی خالہ سے اسی طرح پہلے سے پھوپھی نکاح میں ہو تو اس کی موجودگی میں اس کی بھتیجی سے یا پہلے سے بھتیجی نکاح میں ہو تو اس کی موجودگی میں اس کی پھوپھی سے نکاح کرنا ناجائز ہے۔ ہاں ان میں سے کسی ایک کو طلاق دینے اور اس کی عدت کے دن گزر جانے کے بعد دوسری سے نکاح کیا جا سکتا ہے یا ان میں سے کسی ایک کے مر جانے کے بعد دوسری سے نکاح کرنا درست ہے۔

باپ کی بیوی سے نکاح کرنا حرام ہے

(۱۱) وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ مَرَّبِیْ خَالِیْ اَبُوْبُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ وَمَعَهٗ لِوَاءٌ فَقُلْتُ اَيْنَ تَذْهَبُ فَقَالَ بَعَثَنِی النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَاَةَ اَبِيْهِ اٰتِيْهِ بِرَاْسِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَفِیْ رِوَايَةٍ لَهٗ وَلِلنَّسَائِيِّ وَابْنِ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيِّ فَاَمَرَنِیْ اَنْ اَضْرِبَ عُنُقَهٗ وَاٰخُذَ مَالَهٗ وَفِیْ هٰذِهِ الرِّوَايَةِ قَالَ عَمِّیْ بَدَلَ خَالِیْ.

ترجمہ: حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ مجھ پر میرا ماموں ابو بردہ بن نیار گذرا اس کے پاس نشان تھا میں نے کہا کہاں جاتے ہو۔ کہا کہ مجھ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی طرف بھیجا ہے کہ اس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے میں اس کا سر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لاؤں گا روایت کیا اس کو ترمذی ابو داؤد نے ابو داؤد اور نسائی اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو حکم دیا کہ میں اس کو قتل کروں اور اس کا مال لے آؤں۔ اس کی روایت میں خالی کے بدلہ میں عمی کا لفظ ہے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بردہ رضی اللہ عنہ کو اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرنے والے کی گردن مارنے کیلئے بھیجا تو ان کے ہاتھ میں بطور نشان ایک جھنڈا دے دیا تھا تاکہ لوگ اس علامتی جھنڈے کو دیکھ کر جان لیں کہ یہ شخص مذکورہ بالا خدمت کی انجام دہی کیلئے دربار رسالت کا فرستادہ ہے۔

طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بردہ رضی اللہ عنہ کو جس شخص کی گردن مارنے کا حکم دیا تھا اس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر کے شریعت اسلام کے ایک ظاہری حکم کی محض خلاف ورزی ہی نہیں کی تھی بلکہ اس کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ باپ کی بیوی کے ساتھ نکاح کرنا حلال ہے جیسا کہ اہل جاہلیت یعنی کفار ایسا عقیدہ رکھتے تھے لہٰذا اسلامی شریعت کا یہ فیصلہ ہے کہ جو شخص کسی حرام چیز کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھے وہ کافر ہو جاتا ہے اور ایسے شخص کو قتل کر ڈالنا اور اس کا مال و اسباب ضبط کر لینا جائز ہے۔

مدت رضاعت گزرنے کے بعد دودھ پینا حرمت کو ثابت نہیں کرتا

(۱۲) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعِ إِلَّا مَا فَتَقَ الْأَمْعَاءَ فِي الثَّدْيِ وَ كَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دودھ پینا نہیں حرام کرتا مگر جو انتڑیوں کو کھولے چھاتی کے دودھ سے اور دودھ چھڑانے سے پہلے ہو۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے)

تشریح: ''انتڑیوں کو کھول دیتا ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ دودھ بچہ کے پیٹ کو اس طرح سیر کر دے جس طرح کسی بھوکے کے پیٹ کو غذا سیر کر دیتی ہے اور وہ دودھ بچہ کی انتڑیوں میں غذا کی جگہ حاصل کر لے۔ چنانچہ یہ بات شیر خوارگی کی مدت میں ہوتی ہے اور شیر خوارگی کی مدت دو سال یا ڈھائی سال کی عمر تک رہتی ہے اس ارشاد کی مراد یہ ہے کہ بڑی عمر میں یعنی دو سال یا ڈھائی سال کی عمر کے بعد دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی بلکہ چھوٹی عمر یعنی دو سال یا ڈھائی سال کی عمر تک کے عرصہ میں دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے۔

''چھاتی سے پینے کی وجہ سے'' ان الفاظ کا مقصد محض دودھ پلانے کی صورت اور واقعہ کا بیان کرنا ہے کہ عورت بچہ کو اپنی چھاتی سے دودھ پلاتی ہے ورنہ تو حرمت رضاعت کے ثابت ہونے کیلئے چھاتی سے دودھ پینا شرط نہیں ہے یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ حرمت رضاعت اسی صورت میں ثابت ہوگی جبکہ بچہ نے عورت کی چھاتی ہی سے دودھ پیا ہو بلکہ خواہ عورت اپنی چھاتی سے دودھ پلائے خواہ کسی چیز جیسے چمچہ وغیرہ میں دودھ نکال کر پھر بچہ کو پلائے اور خواہ کسی اور ذریعہ سے اپنا دودھ اس کے پیٹ میں پہنچائے۔ بہر صورت حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

''دودھ'' ''دودھ چھڑانے کے وقت سے پہلے پیا ہو'' یہ جملہ دراصل ماقبل کی عبارت کی تاکید کے طور پر ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ شریعت میں بچہ کا دودھ چھڑانے کا جو وقت مقرر ہے یعنی دو سال یا ڈھائی سال کی عمر اس سے پہلے جو دودھ پیا گیا ہے حرمت رضاعت کے سلسلے میں اسی کا اعتبار ہوگا۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ مدت رضاعت کے سلسلے میں وقت معین سے پہلے دودھ چھڑانے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا چنانچہ اگر کسی بچہ کا دودھ وقت متعین سے پہلے یعنی دو سال یا ڈھائی سال کی عمر سے پہلے چھڑا دیا گیا اور اس کے بعد اس مدت متعین یعنی دو سال یا ڈھائی سال کی عمر کے اندر کسی عورت نے اس کو اپنا دودھ پلا دیا تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی اس بارہ میں ضمنی طور پر یہ مسئلہ جان لینا ضروری ہے کہ کسی بچہ کو وقت متعین یعنی دو سال یا ڈھائی سال کی عمر کے بعد دودھ پلانا جائز نہیں ہے کیونکہ دودھ انسان کا ایک جزو ہے اور انسان کے جزو سے بغیر ضرورت فائدہ اٹھانا حرام ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مدت رضاعت کے بعد ضرورت ختم ہو جاتی ہے اسی بناء پر انسان کے دودھ کو بطور دوا استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

بطور نکتہ ایک یہ بات بھی ذہن میں رکھئے کہ اطباء نے ثابت کیا ہے کہ بیٹی کا دودھ آنکھ کو قوی کرتا ہے۔ علماء نے اس بارہ میں اختلاف کیا ہے چنانچہ بعض حضرات تو یہ کہتے ہیں کہ (اگرچہ طبی طور پر یہ بات صحیح ہو لیکن شرعی طور پر) یہ جائز نہیں ہے جبکہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے بشرطیکہ یہ گمان غالب ہو کہ اپنی بیٹی کا دودھ آنکھ میں ڈالنے سے آنکھ کا مرض جاتا رہے گا۔

دودھ پلانے والی کا حق کس طرح ادا ہو سکتا ہے؟

(۱۳) وَعَنْ حَجَّاجِ بْنِ حَجَّاجٍ الْأَسْلَمِيِّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا يُذْهِبُ عَنِّي مَذِمَّةَ الرَّضَاعِ فَقَالَ غُرَّةٌ عَبْدٌ أَوْ أَمَةٌ. (رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی و الدارمی)

ترجمہ: حضرت حجاج بن حجاج اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اس نے کہا اے اللہ کے رسول دودھ کے حق کو مجھ سے کیا چیز دور کرتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غلام یا لونڈی۔ روایت کیا اس کو ترمذی ابوداؤد نسائی اور دارمی نے۔

تشریح: مذمة الرضاع: ۔ مذمۃ ذال کے کسرہ اور میم کے فتحہ کے ساتھ حق اور ذمہ داری کے معنی میں ہے الذمام واجب الحفاظت

چیز کا حق ادا کر کے حفاظت کرنے کو کہتے ہیں مراد دودھ پینے کے احسان کا بدلہ دینا ہے عرب کی عادت تھی کہ دودھ پلانے کی اجرت دینے کے علاوہ بھی بطور احسان کچھ دیا کرتے تھے۔

اسی چیز کا سوال حضرت حجاج اسلمی رضی اللہ عنہ نے کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا ''غرۃ'' دیدو غرہ خوبصورت غلام کو کہتے ہیں اصل میں یہ لفظ گھوڑے کی پیشانی کے سفید داغ پر بولا گیا پھر اس کا اطلاق ہر روشن اور سردار اور شریف آدمی پر ہونے لگا اس سلسلہ میں یہ لفظ غلام ولونڈی پر بولا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرضعہ کو خدمت کے لئے لونڈی یا غلام دیدو وہ ان کی خدمت کریگا جس طرح مرضعہ نے تیری خدمت کی گویا یہ'' جزاء حقها من جنس فعلها'' ہوا یعنی خدمت کا بدلہ خدمت سے ہوا۔ هل جزاء الاحسان الا الاحسان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دایہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کی تعظیم وتکریم

(۱۴) وَعَنْ اَبِي الطُّفَيْلِ الْغَنَوِيِّ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ اَقْبَلَتْ امْرَأَةٌ فَبَسَطَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِدَاءَهُ حَتّٰى قَعَدَتْ عَلَيْهِ فَلَمَّا ذَهَبَتْ قِيْلَ هٰذِهِ اَرْضَعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابوطفیل غنوی سے روایت ہے میں ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا ایک عورت آئی۔ ... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے چادر بچھائی وہ چادر پر بیٹھ گئی۔ جب وہ عورت چلی گئی تو کہا گیا کہ اس عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: حضرت حلیمہ سعدیہ قبیلہ سعد سے تعلق رکھتی تھیں آپ نے دو سال تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا ہے جنگ حنین کے موقع پر شائد یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بہت اکرام کیا اسی موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن اور حلیمہ سعدیہ کی بیٹی شیما بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تھیں ان کا بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت اکرام کیا یہ دونوں خوش قسمت مسلمان ہوئی تھیں حضرت حلیمہ کی قبر مدینہ منورہ میں جنت البقیع میں ہے۔

چار سے زیادہ نکاح کی ممانعت

(۱۵) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ غَيْلَانَ بْنَ سَلَمَةَ الثَّقَفِيَّ اَسْلَمَ وَلَهٗ عَشْرُ نِسْوَةٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَاَسْلَمْنَ مَعَهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمْسِكْ اَرْبَعًا وَفَارِقْ سَائِرَهُنَّ. (رواه احمد و الترمذی و ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی مسلمان ہوا اور اس کے پاس جاہلیت کے زمانہ میں دس عورتیں تھیں وہ عورتیں بھی اس کے ساتھ مسلمان ہوگئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار کو رکھ لے اور باقیوں کو جدا کر دے۔ روایت کیا اس کو احمد ترمذی اور ابن ماجہ نے۔

تشریح: امسک اربعا: کوئی کافر مسلمان ہو جائے اور اس کی بیویاں بھی ساتھ مسلمان ہو جائیں اب اس پر سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ وہ شخص چار بیویاں اپنے پاس رکھ سکتا ہے باقی کو چھوڑ دینا پڑیگا لیکن اختلاف اس میں ہے کہ ان عورتوں میں کن کو رکھے اور کن کو چھوڑے فیصلہ کیسے کرے۔ اس میں اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف: ائمہ ثلاثہ اور امام محمد یعنی جمہور فرماتے ہیں کہ اس شخص کو اختیار ہے جن کو رکھنا چاہتا ہے رکھ لے اور جسے چھوڑنا چاہتا ہے رخصت کر لے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس شخص کو چھوڑنے میں تخییر نہیں بلکہ پہلے جن چار عورتوں سے نکاح ہوا ہے ان ہی کو رکھ لے اور چار کے نکاح کے بعد جن سے نکاح کیا ہے وہ چھوڑنے کیلئے متعین ہیں۔

دلائل: جمہور زیر بحث غیلان بن سلمہ کی روایت اور واقعہ سے استدلال کرتے ہیں جس میں امسک اربعا کے مطلق الفاظ آئے ہیں

کوئی قید نہیں کہ پہلے کس کو چھوڑے اور بعد میں کس کو رکھے۔ جمہور کی دوسری دلیل حضرت ضحاک بن فیروز کی روایت ہے جس میں "اختر ایتھما شئت" کے الفاظ آئے ہیں جو تخییر اور اختیار استعمال کرنے پر دلالت کرتے ہیں۔ جمہور کی تیسری دلیل نوفل بن معاویہ کی روایت ہے کہ ان کو جب چار کے رکھنے اور باقی کو چھوڑنے کا حکم ملا تو انہوں نے سب سے پرانی والی کو چھوڑ دیا اور چار کو رکھ لیا۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ نکاح کے معاملات میں کفار شرعی نصوص اور احکامات اور فروعات کے پابند ہیں تو چار نکاح کسی کافر نے پہلے کئے تھے وہ تو اسلام کی نظر میں صحیح تھے لیکن چار کے بعد والے نکاح صحیح نہیں تھے مگر کافر پر شرعی احکامات کی تنفیذ اس لئے نہیں تھی کہ وہ مسلمان نہیں اور اہل ذمہ اپنی شخصی زندگی میں آزاد ہیں لیکن جب وہ شخص مسلمان ہوا تو اب شریعت کا حکم اس کی طرف متوجہ ہوا لہٰذا جو چار پہلے نکاح میں آئی تھیں وہ تو بیویاں تھیں اور بعد میں بھی وہی رہیں گی اور جو چار کے بعد نکاح میں آئی تھیں ان کا نکاح کالا نکاح تھا وہ اسی وقت کالعدم تھا لہٰذا وہ چھوڑنے اور رخصت کرنے کیلئے متعین ہیں۔ احناف کی یہ دلیل شریعت کے مجموعی قواعد اور اصول پر مبنی ہے یہ کوئی قیاس نہیں جو نصوص کے مقابلہ میں آیا ہے تاہم چونکہ امام محمدؒ بھی جمہور کے ساتھ ہیں لہٰذا فتویٰ جمہور کے قول پر ہے اسی میں احتیاط بھی ہے۔

جواب:۔ امام طحاوی نے جمہور کے مستدلات کا یہ جواب دیا ہے کہ مذکورہ احادیث میں شوہر کو جو اختیار دیا گیا ہے یہ اس پرانے اور قدیم نکاح کی بات ہے جبکہ چار سے زائد یا دو اختین کے اکٹھا رکھنے کی تحریم کا حکم ہی نہیں آیا تھا۔ لہٰذا اس وقت سب نکاح صحیح تھا تو سب میں اختیار دیا گیا کہ جسے چاہو رکھ لو جسے چاہو رخصت کرلو پھر یہ حکم موقوف ہوگیا۔ بہرحال جمہور کا قول راجح ہے۔

(۱۶) وَعَنْ نَوْفَلِ بْنِ مُعَاوِيَةَ قَالَ اَسْلَمْتُ وَ تَحْتِيْ خَمْسُ نِسْوَةٍ فَسَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ فَارِقْ وَاحِدَةً وَاَمْسِكْ اَرْبَعًا فَعَمَدْتُ اِلَى اَقْدَمِهِنَّ صُحْبَةً عِنْدِيْ عَاقِرٍ مُنْذُ سِتِّيْنَ سَنَةً فَفَارَقْتُهَا. (رواه فى شرح السنة)

ترجمہ: حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کہا میں مسلمان ہوا اور میرے نکاح میں پانچ عورتیں تھیں میں نے آنحضرت سے پوچھا آپ نے فرمایا ایک کو چھوڑ دے چار کو رکھ لے۔ میں نے ارادہ کیا کہ جو سب سے پہلے ساٹھ سال سے میرے نکاح میں آئی تھی اور بانجھ تھی میں نے اس کو جدا کر دیا۔ روایت کیا اس کو شرح السنہ میں۔

دو بہنوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنے کی ممانعت

(۱۷) وَعَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ فَيْرُوْزَ الدَّيْلَمِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَسْلَمْتُ وَ تَحْتِيْ اُخْتَانِ قَالَ اخْتَرْ اَيَّتَهُمَا شِئْتَ. (رواه الترمذى و ابوداؤد و ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت ضحاک بن فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہا میں نے کہا اے اللہ کے رسول میں مسلمان ہوا میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں۔ فرمایا ان میں سے ایک کو پسند کر لے۔ روایت کیا اس کو ترمذی ابوداؤد اور ابن ماجہ نے۔

تشریح: حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس حال میں اسلام قبول کرے کہ اس کے نکاح میں دو بہنیں ہوں اور وہ دونوں بھی اس کے ساتھ اسلام قبول کریں تو اس کیلئے جائز ہوگا کہ وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو اپنے نکاح میں برقرار رکھے خواہ وہ پہلی منکوحہ ہو یا دوسری منکوحہ ہو لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر اس شخص نے ان دو بہنوں سے ایک ساتھ عقد کیا تھا تو اس صورت میں اس کیلئے ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی اپنے نکاح میں برقرار رکھنا جائز نہیں ہوگا ہاں اگر اس نے ان دونوں سے آگے پیچھے عقد کیا تھا تو ان میں سے ایک اس کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز ہوگا جس سے اس نے پہلا نکاح کیا تھا جس سے بعد میں نکاح کیا تھا اس کو کسی صورت میں بھی اپنے نکاح میں برقرار رکھنا جائز نہیں ہوگا۔

کافر میاں بیوی میں سے کوئی ایک اسلام قبول کر لے تو؟

(۱۸) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَسْلَمَتِ امْرَاَةٌ فَتَزَوَّجَتْ فَجَاءَ زَوْجُهَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ قَدْ اَسْلَمْتُ وَعَلِمَتْ بِاِسْلَامِيْ فَانْتَزَعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ زَوْجِهَا الْآخِرِ وَرَدَّهَا اِلٰى زَوْجِهَا الْاَوَّلِ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهُ قَالَ اِنَّهَا اَسْلَمَتْ مَعِيْ فَرَدَّهَا عَلَيْهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرُوِيَ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ اَنَّ جَمَاعَةً مِنَ النِّسَاءِ رَدَّهُنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنِّكَاحِ الْاَوَّلِ عَلٰى اَزْوَاجِهِنَّ عِنْدَ اِجْتِمَاعِ الْاِسْلَامَيْنِ بَعْدَ اخْتِلَافِ الدِّيْنِ وَالدَّارِ مِنْهُنَّ بِنْتُ الْوَلِيْدِ بْنِ مُغِيْرَةَ كَانَتْ تَحْتَ صَفْوَانَ ابْنِ اُمَيَّةَ فَاَسْلَمَتْ يَوْمَ الْفَتْحِ وَهَرَبَ زَوْجُهَا مِنَ الْاِسْلَامِ فَبَعَثَ اِلَيْهِ ابْنَ عَمِّهٖ وَهْبَ بْنَ عُمَيْرٍ بِرِدَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَانًا لِصَفْوَانَ فَلَمَّا قَدِمَ جَعَلَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْيِيْرًا اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ حَتّٰى اَسْلَمَ فَاسْتَقَرَّتْ عِنْدَهٗ وَاَسْلَمَتْ اُمُّ حَكِيْمٍ بِنْتُ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ امْرَاَةُ عِكْرِمَةَ بْنِ اَبِيْ جَهْلٍ يَوْمَ الْفَتْحِ بِمَكَّةَ وَهَرَبَ زَوْجُهَا مِنَ الْاِسْلَامِ حَتّٰى قَدِمَ الْيَمَنَ فَارْتَحَلَتْ اُمُّ حَكِيْمٍ حَتّٰى قَدِمَتْ عَلَيْهِ الْيَمَنَ فَدَعَتْهُ اِلَى الْاِسْلَامِ فَاَسْلَمَ فَثَبَتَا عَلٰى نِكَاحِهِمَا رَوَاهُ مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ مُرْسَلًا

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ایک عورت مسلمان ہوئی اور اس نے نکاح کر لیا پھر اس کا پہلا خاوند نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کہنے لگا اے اللہ کے رسول میں مسلمان ہوں اور اس کو میرے اسلام کا علم تھا آپ نے اس کو پہلے خاوند کی طرف لوٹا دیا۔ ایک روایت میں ہے پہلے خاوند نے کہا کہ وہ عورت میرے ساتھ مسلمان ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پہلے خاوند کے حوالے کر دیا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔ شرح السنہ میں روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی عورتوں کو پہلے نکاح کی وجہ سے ان کے خاوندوں پر لوٹا دیا۔ خاوند اور بیوی کے اسلام میں جمع ہونے سے پیچھے دین کے مختلف اور ملک کے مختلف ہونے کے۔ ان میں ولید بن مغیرہ کی بیٹی صفوان بن امیہ کے نکاح میں تھی فتح مکہ کے دن وہ مسلمان ہوئی۔ اور اس کا خاوند اسلام لانے سے بھاگ گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اس کے چچا کے بیٹے وہب بن عمیر کو اپنی چادر مبارک دے کر بھیجا صفوان کو امان دینے کے لیے۔ جب صفوان آیا تو آپ نے چار ماہ چلنے پھرنے کا امن دیا۔ یہاں تک کہ صفوان مسلمان ہو گیا تو وہ اس کے نکاح میں رہی ان عورتوں میں حارث بن ہشام کی بیٹی ام حکیم ہے جو عکرمہ بن ابوجہل کی بیوی تھی فتح مکہ کے دن اس کا خاوند اسلام لانے سے بھاگ گیا وہ یمن میں آیا۔ ام حکیم اپنے خاوند کی طرف یمن میں گئی اس نے اپنے خاوند کو اسلام کی دعوت دی وہ مسلمان ہو گیا تو وہ دونوں اسی نکاح پر رہے۔ (روایت کیا اس کو ابن شہاب نے مرسل)

تشریح: وردھا الی زوجھا الاول:۔ اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے اور دوسرا غیر مسلم رہے تو اس میں چند صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ اسلام کے بعد دونوں میاں بیوی ایک ہی ملک میں رہ رہے ہیں' دوسری صورت یہ کہ یہ ملک دارالاسلام ہے یا دارحرب ہے۔ تیسری صورت یہ کہ دونوں میں ایسی جدائی ہوگئی کہ ایک ملک چھوڑ کر چلا گیا دوسرا رہ گیا اختلاف دارین آ گیا۔ چوتھی صورت یہ کہ جدائی کے بعد کتنا عرصہ گزر گیا ہے۔ پانچویں صورت یہ کہ بیوی کتابیہ ہے یا غیر کتابیہ ہے۔ یہ چند صورتیں ہیں مگر سب منتشر ہیں اس لئے فقہاء کے اختلاف بیان کرنے کے ضمن میں جس صورت کی طرف اشارہ ملے گا فوراً پہچان لو۔

فقہاء کرام کا اختلاف:۔ (۱) ائمہ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ احدالزوجین میں سے اگر کوئی اسلام قبول کرے تو دوسرے پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر اس نے اسلام قبول کر لیا تو نکاح برقرار رہے گا اور اگر اس دوسرے نے انکار کیا تو نکاح ختم ہو جائے گا قاضی دونوں کے درمیان تفریق کریگا ہاں اگر عورت کتابیہ ہو تو اس پر اسلام پیش نہیں کیا جائے گا نکاح برقرار رہے گا۔ (۲) اگر احدالزوجین میں سے ایک مسلمان ہو گیا اور اس کے بعد تبدل دارین آ گیا یعنی ایک نے ملک چھوڑا تو اس اختلاف دارین کی وجہ سے بھی جمہور کے نزدیک نکاح ختم ہو جائے گا کیونکہ دارین کے اختلاف سے اسلام کا پیش کرنا ممکن نہیں

ہے ہاں دارحرب میں جانے کے بعد اگر عدت کی مقدار مدت گزر گئی تو نکاح ختم ہو جائے گا۔(۳) اگر احد الزوجین میں سے ایک نے اسلام قبول کرلیا اور دوسرے نے مدت عدت یعنی تین حیض تک اسلام قبول نہیں کیا تو اس سے بھی دونوں کا نکاح ختم ہو جائے گا۔ الغرض جمہور کے نزدیک بیوی کی جدائی کے اسباب تین ہیں ایک انکار اسلام دوسرا تبدل دارین اور تیسرا مقدار عدت تک کا عرصہ بغیر قبول اسلام کے گزر جانا یعنی تین حیض کا عرصہ گزر جانا۔

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ احد الزوجین نے جب اسلام قبول کرلیا تو بقاء نکاح میں دوسرے کا انتظار انقضاء عدت یعنی تین حیض تک کیا جائے گا اگر اس میں دوسرا بھی مسلمان ہو گیا تو نکاح باقی رہے گا ورنہ نکاح ختم ہو جائے گا' خواہ میاں بیوی میں اختلاف دینین کے ساتھ اختلاف دارین آیا ہو یا نہ آیا ہو اختلاف دارین سے کوئی بھی فرق نہیں پڑتا۔ اسی طرح ایک کے اسلام کی صورت میں دوسرے پر اسلام پیش نہیں کیا جائے گا اور نہ اسلام کے انکار سے فرقت کا کوئی تعلق ہے فرقت کا تعلق صرف انقضاء عدت سے ہے۔

دلائل:۔ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبل نے اپنے مسلک کے لئے جس واقعہ سے استدلال کیا ہے وہ حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو العاص کا قصہ ہے کہ حضرت زینب چھ سال تک مدینہ میں رہیں اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح اول کے ساتھ ابو العاص کو لوٹا دیا (ترمذی ج۱ص ۲۱۷)

صاحب مشکوٰۃ نے زیر بحث حدیث کے نقل کرنے کے بعد صاحب مصابیح کی شرح السنۃ کے حوالے سے کئی واقعات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے گویا یہ واقعات ان کے مسلک کے دلائل ہیں کہ تباین دارین کے باوجود نکاح اول کے ساتھ میاں بیوی کو برقرار رکھا گیا ہے نکاح جدید نہیں کیا گیا لہٰذا تباین دارین کی کوئی حیثیت نہیں فرقت کا اصل سبب انقضاء عدت ہے۔

حضرت امام شافعیؒ نے عرض اسلام کو تسلیم نہیں کیا وہ فرماتے ہیں کہ ذمی کو ہم نے عدم تعرض کا عہد دیا ہے اب اس پر اسلام پیش کرنا یہ تعرض ہے جو جائز نہیں ہے۔ جمہور اور ائمہ احناف کے لئے دو قسم دلائل کی ضرورت ہے ایک وہ دلائل جو عرض اسلام کے لئے مفید اور مثبت ہوں۔ دوسری قسم وہ دلائل جو تباین دارین سے فرقت کے ثبوت کے لئے ہوں۔

پہلے دعویٰ کی دلیل:۔ چنانچہ عرض اسلام کے لئے احناف نے حضرت عمر فاروقؓ کے دو واقعات سے استدلال کیا ہے۔ پہلے واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ داؤد بن کردوس کا بیان ہے کہ ہمارے بنو تغلب میں سے ایک نصرانی آدمی تھا اس کے نکاح میں ایک نصرانی عورت تھی اس عورت نے اسلام قبول کیا اور شوہر انکار کر رہا تھا حضرت عمرؓ کے پاس جب شوہر لایا گیا تو آپ نے فرمایا" اسلم والا فرقت بینکما" اس نصرانی نے کہا کہ میں اس لئے اسلام قبول نہیں کرتا کہ میں عرب سے شرماتا ہوں یہ کہیں گے کہ اس شخص نے عورت کے فرج کے لئے اسلام قبول کیا حضرت عمر فاروقؓ نے دونوں میں تفریق فرمائی اس روایت کو زجاجۃ المصابیح ج۳ص ۴۴ پر اس کے مصنف نے نقل کیا ہے اور عارضۃ الاحوذی کے مصنف ابن عربی نے شرح ترمذی میں اور امام طحاوی نے بھی اسے نقل کیا ہے۔

اسی طرح حضرت عمرؓ کی طرف ایک اور واقعہ منسوب ہے کہ ان کے پاس دو مشرک لائے گئے ایک مسلمان ہو چکا تھا آپ نے دوسرے پر اسلام پیش فرمایا انکار پر آپ نے دونوں میں تفریق فرمائی معلوم ہوا اسلام پیش کرنا ثابت ہے اور فرقت نکاح کے اسباب میں سے ایک سبب انکار اسلام ہے۔

عقلی دلیل:۔ احناف فرماتے ہیں کہ اسلام رحمت ہے شفقت اور طاعت ہے لہٰذا یہ خود فرقت کا ذریعہ نہیں بن سکتا ہے جب کافر پر اسلام پیش کیا گیا اور اس نے انکار کیا تو اب انکار از اسلام فرقت کا ذریعہ بنے گا اور قصور وار ہی کافر ٹھہرے گا اس لئے عرض اسلام ضروری ہے تاکہ اسلام پر تفریق زوجین کا الزام نہ آئے۔ باقی شوافع نے جو یہ کہا ہے کہ ذمی کو تعرض جائز نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ٹھیک ہے تعرض جائز نہیں جبری طور پر جائز نہیں مجبور کر کے ڈرا دھمکا کر جائز نہیں اختیاری طور پر یہ جائز ہے اس کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔

دوسرے دعویٰ کی دلیل:۔ جمہور اور احناف کا دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ تباین دارین سے فرقت واقع ہو جاتی ہے اور نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ اس دعویٰ پر احناف نے قرآن کریم سے دو آیتیں پیش کی ہیں اول آیت اس طرح ہے۔

فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ (سورۃ ممتحنہ ۱۰)

اس سے واضح طور پر یہ مسئلہ ثابت ہو جاتا ہے کہ تباین دارین فرقت زوجین کا سبب ہے۔ دوسری آیت یہ ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ (سورۃ ممتحنہ)

اگر تباین دارین فرقت زوجین کا ذریعہ نہیں تو ان عورتوں سے نکاح کیسے جائز ہوا جن کے شوہر مکہ میں موجود تھے۔ احناف نے اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس کو امام ترمذیؒ نے عمرو بن شعیبؓ کے حوالے سے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے الفاظ یہ ہیں!

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم رد ابنته زينب على ابن العاص بن الربيع بمهر جديد ونكاح جديد (ترمذی ج ۱ ص ۲۱۷)

الجواب: جمہور اور احناف زیر بحث حدیث ابن عباس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس روایت میں کوئی تفصیل اور کوئی تصریح نہیں ہے کہ یہاں تباین دارین ہوا ہے اس طرح محتمل اور مجمل روایت سے کوئی قطعی استدلال نہیں ہو سکتا ہے۔

باقی صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل کے واقعات سے تباین دارین پر استدلال کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہاں تباین ہوا ہی نہیں یہ دونوں حضرات بے شک مکہ سے بھاگے تھے لیکن مکہ کی حدود سے باہر نہیں نکلے تھے بلکہ ایک تو ساحل سمندر تک گیا تھا اور دوسرا مکہ کے مضافات میں چھپا ہوا تھا۔

باقی صاحب مشکوٰۃ کا یہ کہنا کہ شرح السنہ میں صاحب مصابیح سے روایت ہے کہ عورتوں کی ایک جماعت تھی جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح اول کے ساتھ ان کے شوہروں کی طرف لوٹا دیا تو اس کا جواب بھی وہی ہے کہ یہ ایک مجمل اور مبہم دعویٰ ہے جب تک تباین دارین کی تفصیل سامنے نہیں آتی محض یہ اجمال کسی پر حجت نہیں بن سکتا۔

حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ اور تحقیق:۔ بنیادی طور پر شوافع اور حنابلہ نے حضرت ابو العاصؓ کے واقعہ سے استدلال کیا ہے" حضرت ابو العاصؓ کا نکاح مکہ میں بنت الرسولؐ حضرت زینبؓ سے ہوا تھا حضرت زینب تو مسلمان تھیں لیکن ابو العاص نے اسلام قبول نہیں کیا تھا جنگ بدر میں جب گرفتار ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا فدیہ چھوڑ دیا مگر یہ شرط رکھ لی کہ میری بیٹی زینب کو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کیلئے چھوڑ دو گے اس موقع پر حضرت زینب نے ان کو چھڑانے کیلئے اپنا وہ ہار بھی بھجوایا تھا جو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے اپنی بیٹی کو شادی کے موقع پر دیا تھا حضورؐ نے جب یہ ہار دیکھا اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی یاد تازہ ہوگئی تو آپ پر رقت طاری ہوگئی آپ نے صحابہ کے مشورہ سے ابو العاص کو بلا فدیہ واپس بھیجا اور ہار بھی واپس کیا حضرت ابو العاص نے وعدہ پورا کیا اور حضرت زینب مدینہ منورہ پہنچ گئیں۔

پھر ایک قافلہ کا صحابہ کرام نے کچھ عرصہ تعاقب کیا جس میں حضرت ابو العاص بھی تھے آپ بھاگتے ہوئے مدینہ آئے اور سیدھے حضرت زینب کے گھر پہنچ گئے حضرت زینب نے آپ کیلئے امان مانگی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امان دیدی ابو العاص مکہ چلے گئے اور وہاں جا کر اپنے اسلام کا شاندار انداز سے اعلان کیا اور واپس مدینہ چلے آئے اس میں چھ سال کا عرصہ گزر چکا تھا مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے نکاح کے ساتھ حضرت زینب کو ان کی طرف واپس کیا شوافع کہتے ہیں کہ دیکھو تباین دارین ہو گیا تھا مگر فرقت نکاح نہیں ہوا۔

الجواب:۔ احناف اور جمہور اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ دیکھو حضرت ابو العاص کے واقعہ سے تو آپ حضرات قطعاً استدلال نہیں کر سکتے ہو ایک تو یہ کہ ترمذی میں جہاں یہ ہے کہ نکاح اول کے ساتھ لوٹا دیا وہاں یہ بھی ہے کہ نکاح جدید اور مہر جدید کے ساتھ لوٹایا اب کیا کرو گے؟" اذا تعارضا تساقطا" اسی طرح آپ حضرات اس واقعہ اور روایت سے اس لئے بھی استدلال نہیں کر سکتے ہو کہ اس میں تو عدت کی مدت بھی گزر گئی تین حیض یا تین ماہ کیا چھ سال گزر گئے تھے تو لامحالہ تم بھی تاویل کرو گے ہم بھی تاویل کریں گے بغیر تاویل کوئی بھی استدلال نہیں کر سکے گا تو تاویل ... ایک تاویل یہ ہے کہ یہ خصوصیت پیغمبری تھی کہ چھ سال تک سابقہ نکاح برقرار رہا دوسری توجیہ یہ کہ بالنکاح الاول میں ایک تشبیہ کی صورت ہے پہلے نکاح کی طرح مہر جدید اور نکاح جدید کے ساتھ ہوا۔ باقی ترمذی کی دونوں روایتیں صحیح ہیں اور اس میں واضح تعارض ہے تو جمہور کہتے ہیں کہ عمرو بن شعیب کی روایت جو ہماری دلیل ہے کہ نکاح جدید ہوا مہر جدید رکھا یہ روایت راجح ہے کیونکہ یہ مثبت ہے اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت نافی ہے اور نافی و مثبت میں جب تعارض آتا ہے تو مثبت اولیٰ بالترجیح ہوتی ہے۔

علامہ خطابی نے شوافع کی حمایت میں فرمایا کہ ممکن ہے کہ حضرت زینب کی عدت چھ سال تک لمبی ہوگئی ہو کیونکہ طہر طویل بھی ہو جاتا ہے تو فرقت زوجین نہیں آئی کیونکہ عدت ابھی تک گزری نہیں ہم نے کہا شاباش!!!

الفصل الثالث: . کون کون رشتہ والی عورتیں محرمات میں داخل ہیں؟

(۱۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حُرِمَ مِنَ النَّسَبِ سَبْعٌ وَ مِنَ الصِّهْرِ سَبْعٌ ثُمَّ قَرَأَ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ الآيَةُ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نسب سے سات عورتیں حرام کی گئی ہیں اور مصاہرت سے سات پھر تلاوت کی یہ آیت حرمت علیکم امہاتکم آخر آیت تک۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

تشریح: از روئے نسب جو سات رشتہ والی عورتیں حرام قرار دی گئی ہیں وہ یہ ہیں ۱۔ ماں ۲۔ بیٹی ۳۔ بہن ۴۔ پھوپھی ۵۔ خالہ ۶۔ بھتیجی ۷۔ بھانجی۔

''مصاہرت'' اس رشتہ اور قرابت کو کہتے ہیں جو نکاح کے ذریعہ قائم ہوا ور جسے ''سسرالی رشتہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ مصاہرت یعنی سسرالی رشتہ کی وجہ سے جو سات عورتیں حرام قرار دی گئی ہیں ان میں سے چار تو ہمیشہ کیلئے حرام ہوتی ہیں کہ ان سے کسی بھی حال میں اور کسی بھی وقت نکاح کرنا جائز نہیں ہوتا اور وہ یہ ہیں۔ ۱۔ بیوی کی ماں یعنی ساس۔ ۲۔ بیٹے اور پوتے کی بیویاں یعنی بہو اور پوت بہو۔ اگرچہ وہ کتنے ہی نیچے درجے کی ہوں جیسے پڑپوتے اور سکڑ پوتے وغیرہ کی بیویاں۔ ۳۔ باپ اور دادا کی بیویاں اگرچہ اوپر کے درجہ کی ہوں جیسے پڑدادا اور سکڑ دادا وغیرہ کی بیویاں۔ ۴۔ اپنی اس بیوی کی بیٹی جس سے جماع کر چکا ہو۔ سسرالی رشتہ کی وہ تین عورتیں جو ہمیشہ کیلئے حرام نہیں ہیں وہ یہ ہیں۔ ۱۔ بیوی کی بہن ۲۔ بیوی کی پھوپھی ۳۔ بیوی کی خالہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی بات کی دلیل کے طور پر قرآن کریم کی آیت پڑھی۔ چنانچہ اس آیت میں نسبی رشتہ والی ان سات عورتوں کا ذکر ہے جو حرام قرار دی گئی ہیں اور سسرالی رشتہ کی وجہ سے جو عورتیں حرام ہیں۔

اپنی بیوی کی بیٹی سے نکاح کی ممانعت

(۲۰) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا رَجُلٍ نَكَحَ اِمْرَاَةً فَدَخَلَ بِهَا فَلَا يَحِلُّ لَهٗ نِكَاحُ ابْنَتِهَا وَاِنْ لَّمْ يَدْخُلْ بِهَا فَلْيَنْكِحِ ابْنَتَهَا وَاَيُّمَا رَجُلٍ نَكَحَ امْرَاَةً فَلَا يَحِلُّ لَهٗ اَنْ يَّنْكِحَ اُمَّهَا دَخَلَ بِهَا اَوْلَمْ يَدْخُلْ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَا يَصِحُّ مِنْ قِبَلِ اِسْنَادِهٖ وَ اِنَّمَا رَوَاهُ ابْنُ لَهِيْعَةَ وَالْمُثَنَّى بْنُ الصَّبَّاحِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ وَهُمَا يُضَعَّفَانِ فِي الْحَدِيْثِ.

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور اس سے صحبت کرے اس کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز نہیں اگر صحبت نہ کی تو نکاح اس کی لڑکی سے جائز ہے۔ جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے اس کی ماں اس پر حرام ہے اس سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور کہا یہ حدیث سند کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے سوائے اس کے کہ اس کو ابن لہیعہ نے روایت کیا اور مثنیٰ بن صباح نے عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے اور یہ دونوں ضعیف ہیں حدیث میں۔

تشریح: حدیث میں اپنی بیوی کی بیٹی سے نکاح کے عدم جواز کا جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہے۔

وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ (النساء۴:۲۳)

اور حرام ہیں تم پر تمہاری بیویوں کی وہ بیٹیاں جو ان کیلئے پہلے شوہر سے ہیں اور تمہاری پرورش میں ہیں اور جو تمہاری ان بیویوں سے ہیں جن سے تم جماع کر چکے ہو اور اگر تم نے ان بیویوں سے جماع نہیں کیا ہے تو اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم ان کی بیٹیوں سے نکاح کرو اور بیوی کی ماں یعنی اپنی ساس سے نکاح کے عدم جواز کا جو مطلق حکم بیان کیا گیا ہے وہ قرآن کریم کی اس مطلق آیت سے ثابت ہے۔

وامهت نسآئكم اور حرام ہیں تم پر تمہاری بیویوں کی مائیں۔

بَابُ الْمُبَاشَرَةِ.... مباشرت کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ.... مباشرت کے سلسلہ میں یہود کے ایک غلط خیال کی تردید

(۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَتِ الْيَهُوْدُ تَقُوْلُ إِذَا أَتَى الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ مِنْ دُبُرِهَا فِيْ قُبُلِهَا كَانَ الْوَلَدُ أَحْوَلَ فَنَزَلَتْ نِسَاءُ كُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے یہود کہتے تھے کہ اگر آدمی عورت کو دبر کی طرف سے قبل میں صحبت کرے بچہ بھینگا ہوتا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی نساؤکم حرث لکم فاتو احر ثکم انی اشئتم۔ (متفق علیہ)

تشریح: یہودی یہ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص عورت سے اس طرح جماع کرے کہ اس کے پیچھے کھڑا ہو کر یا بیٹھ کر اس کے اگلے حصہ میں شرم گاہ میں اپنا عضو داخل کرے تو اس کی وجہ سے بھینگا بچہ پیدا ہوگا چنانچہ ان کے اس غلط خیال اور وہم کی تردید کیلئے یہ آیت نازل ہوئی کہ تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں کہ جس طرح تمہارے کھیتوں میں تمہارے لئے فصل پیدا ہوتی ہے اسی طرح تمہاری بیویوں کے ذریعہ تمہاری اولاد پیدا ہوتی ہے اس لئے تم اپنی کھیتی میں آنے میں خودمختار رہو کہ جس طرح چاہو آؤ خواہ لیٹ کر خواہ بیٹھ کر خواہ کھڑے ہو کر خواہ پیچھے ہو کر اور خواہ آگے ہو کر جس طرح بھی تمہارا جی چاہے ان سے جماع کرو کسی صورت میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ جماع بہرصورت عورت کے اگلے حصہ یعنی شرم گاہ ہی میں کیا جائے کیونکہ جس اعتبار سے عورت کو کھیتی کہا گیا ہے اس کا اطلاق عورت کی شرمگاہ ہی پر ہوسکتا ہے مقعد پر اس کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ بایں وجہ کہ مقعد اولاد پیدا ہونے کی جگہ نہیں ہے بلکہ پاخانہ کی جگہ ہے اس لئے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ پیچھے کے حصہ میں بدفعلی یعنی اغلام کرنا صرف اسلام ہی نہیں بلکہ ہر دین میں حرام ہے۔

عزل کا مسئلہ

(۲) وَعَنْهُ قَالَ كُنَّا نَعْزِلُ وَالْقُرْاٰنُ يَنْزِلُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَنْهَنَا.

ترجمہ: اسی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ہم عزل کرتے تھے اور قرآن بھی نازل ہوتا رہا متفق علیہ مسلم نے زیادہ کیا یہ خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا۔

تشریح: "عزل" کا مطلب یہ ہے کہ عورت سے اس طرح جماع کیا جائے کہ مرد جب منزل ہونے لگے تو وہ اپنا عضو مخصوص عورت کی شرم گاہ سے باہر نکال کر مادہ کا باہر ہی اخراج کردے۔ اس طریقہ سے مادہ منویہ چونکہ اندر نہیں پہنچتا اس لئے عورت حاملہ ہونے سے بچ جاتی ہے۔

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء اس بات کے قائل ہیں کہ عزل جائز ہے اور بعض حضرات جن میں کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں اس کو ناجائز کہتے ہیں لیکن زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ عزل کرنا جائز ہے چنانچہ درمختار میں بھی یہی لکھا ہے کہ (اگر کوئی شخص کسی کی خاص مصلحت یا عذر کی بنا پر عزل کرنا چاہے تو اس کی اجازت ہے لیکن یہ ملحوظ رہے کہ) اپنی لونڈی سے عزل کرنا تو اس کی اجازت کے بغیر بھی جائز ہے جبکہ اپنی آزاد منکوحہ سے اس کی اجازت کے بعد ہی جائز ہوگا اسی طرح اگر کسی دوسرے کی لونڈی اپنے نکاح میں ہو تو اس کے مالک کی اجازت حاصل کرنے کے بعد اس سے عزل کرنا جائز ہوگا۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے بارہ میں سید نے یہ لکھا ہے کہ ان کے نزدیک بھی اپنی آزاد منکوحہ سے اس کی اجازت کے بعد ہی عزل کرنا جائز ہے لیکن لونڈی خواہ اپنی مملوکہ ہو یا منکوحہ ہو اس کی اجازت کے بغیر بھی عزل کرنا جائز ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے (جو شافعی المسلک ہیں) یہ لکھا ہے کہ ہمارے یعنی شوافع کے نزدیک عزل کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ انقطاع نسل کا سبب ہے۔

(۳) وَعَنْهُ قَالَ اَنَّ رَجُلاً اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ لِيْ جَارِيَةً هِيَ خَادِمَتُنَا وَاَنَا اَطُوْفُ عَلَيْهَا وَاَكْرَهُ اَنْ تَحْمِلَ فَقَالَ اِعْزِلْ عَنْهَا اِنْ شِئْتَ فَاِنَّهُ سَيَاْتِيْهَا مَاقُدِّرَ لَهَا فَلَبِثَ الرَّجُلُ ثُمَّ اَتَاهُ فَقَالَ اِنَّ الْجَارِيَةَ قَدْ حَبِلَتْ فَقَالَ قَدْ اَخْبَرْتُكَ اَنَّهُ سَيَاْتِيْهَا مَاقُدِّرَ لَهَا. (رواہ مسلم)

ترجمہ: اسی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کہنے لگا میری لونڈی ہے میں اس سے صحبت کرتا ہوں اور میں حمل کو مکروہ جانتا ہوں فرمایا اس سے عزل کر اگر تو چاہے پیدا ہوگی جو اس کے لیے مقدر ہے۔ ایک مدت تک اس نے تاخیر کی پھر آیا کہا وہ حاملہ ہوگئی ہے۔ فرمایا میں نے خبر دی تھی کہ پیدا ہوگی جو مقدر ہوگی۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: علامہ نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عزل کرنے کے باوجود اگر حمل ٹھہر جائے تو اس کا نسب ثابت ہوگا اور علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ نے اس بارہ میں لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے عورت کی اجازت کے بعد یا اس کی اجازت کے بغیر عزل کیا اور اس کے باوجود اس عورت کے حمل بھی ٹھہر گیا۔ تو آیا اس شخص کیلئے اس حمل سے انکار کرنا (یعنی یہ کہنا کہ یہ حمل میرا نہیں ہے) جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں تفصیل ہے۔ چنانچہ علماء کا قول ہے کہ اگر اس شخص نے عزل کرنے کے بعد پھر دخول نہیں کیا تھا یا دخول کیا تھا مگر اس سے پہلے پیشاب نہیں کیا گیا تھا تو پھر اس کیلئے اس حمل سے انکار کرنا جائز نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں اس بات کا قوی احتمال ہو سکتا ہے کہ اس کے ذکر میں منی کا کوئی قطرہ باقی رہ گیا ہو اور وہ اب دخول کی صورت میں عورت کے رحم میں چلا گیا ہو۔ اسی طرح حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہ مسلک یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے (مثلاً جماع سے فارغ ہونے کے بعد) پیشاب کرنے سے پہلے غسل جنابت کیا اور اس کے بعد جب اس نے پیشاب کیا تو منی کا کوئی قطرہ نکل آیا تو اس صورت میں اس پر واجب ہوگا کہ وہ اب پھر غسل کرے۔

(۴) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ بَنِي الْمُصْطَلِقِ فَاَصَبْنَا سَبْيًا مِنْ سَبْيِ الْعَرَبِ فَاشْتَهَيْنَا النِّسَاءَ وَ اشْتَدَّتْ عَلَيْنَا الْعُزْبَةُ وَاَحْبَبْنَا الْعَزْلَ فَاَرَدْنَا اَنْ نَعْزِلَ وَ قُلْنَا نَعْزِلُ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ اَظْهُرِنَا قَبْلَ اَنْ نَسْاَلَهُ فَسَاَلْنَاهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ مَاعَلَيْكُمْ اَنْ لَا تَفْعَلُوْا مَا مِنْ نَسَمَةٍ كَائِنَةٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اِلَّا وَهِيَ كَائِنَةٌ. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بنی مصطلق میں نکلے ہم کو عرب کی لونڈیاں ہاتھ لگیں۔ ہم نے عورتوں کی طرف رغبت کی اور ہم پر مجرد رہنا مشکل ہوگیا ہم نے عزل کرنا چاہا۔ ہم نے کہا ہم کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں موجود ہیں ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عزل نہ کرنے میں تمہارا کوئی نقصان نہیں جس جان نے قیامت تک پیدا ہونا ہے وہ پیدا ہو کر ہی رہے گی۔ (متفق علیہ)

تشریح: امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سبیا من العرب سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اہل عرب پر بھی رق جاری ہوتا ہے جبکہ وہ مشرک ہوں۔ یعنی جس طرح غیر عرب مشرک و کافر جنگ میں پکڑ لئے جانے کے بعد غلام و لونڈی بنائے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح اگر وہ مشرک و کافر جن کا تعلق عرب نسل سے ہو کسی جنگ میں بطور قیدی ہاتھ لگیں تو وہ بھی مسلمانوں کے حق میں لونڈی غلام ہو جاتے ہیں کیونکہ یہاں جن لونڈی غلاموں کا ہاتھ لگنا ذکر کیا گیا ہے ان کا تعلق بنی المصطلق سے تھا جو قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ تھی اور قبیلہ خزاعہ اہل عرب میں سے تھے چنانچہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔

ماعلیکم ان لا تفعلوا میں حرف ''ان'' الف کے زبر کے ساتھ یعنی اَن بھی صحیح ہے اور الف کے زیر کے ساتھ یعنی اِن بھی صحیح ہے اس جملہ کے معنی نووی رحمہ اللہ نے یہ بیان کئے ہیں کہ اگر تم عزل نہ کرو تو اس میں کوئی نقصان نہیں ہے کیونکہ جب یہ بات طے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس نفس کو پیدا کرنا مقدر کر دیا ہے تو وہ ضرور پیدا ہو کر رہے گا اس لئے تم عزل کرو یا عزل نہ کرو پیدا ہونے والی جان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا اگر اسے دنیا میں آنا ہے تو تم لاکھ عزل کرلو ضبط ولادت کے لاکھ طریق آزمالو وہ اس دنیا میں آکر رہے گی اور اگر اس کا پیدا ہونا مقدر نہیں ہے تو پھر اگر عزل نہ کرو تو تمہارا کوئی نقصان نہیں حاصل یہ کہ تمہارا عزل کرنا کوئی فائدہ مند چیز نہیں ہے۔ اس اعتبار سے یہ حدیث عزل کے عدم جواز کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ ان لاتفعلوا میں حرف لا زائد ہے اس صورت میں اس جملہ کے یہ معنی ہوں گے کہ عزل کرنے میں کوئی قباحت نہیں اس اعتبار سے یہ حدیث عزل کے جائز ہونے کی دلیل ہوگی۔

(۵) وَعَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَزْلِ فَقَالَ مَا مِنْ كُلِّ الْمَاءِ يَكُوْنُ الْوَلَدُ وَ اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ خَلْقَ شَيْءٍ لَمْ يَمْنَعْهُ شَيْءٌ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: اسی حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کے بارے میں سوال کیا گیا فرمایا منی کے تمام پانی سے بچہ پیدا نہیں ہوتا جب اللہ کسی کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کوئی روکنے والا نہیں۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: بظاہر اشکال پیدا ہوسکتا ہے کہ سوال اور جواب میں کوئی مطابقت نہیں ہے حالانکہ اگر حدیث کے حقیقی مفہوم پر نظر ہو تو یہ اشکال پیدا ہونے کا کوئی محل ہی نہیں رہ جاتا کیونکہ سوال کا مقصد یہ تھا کہ عزل کرنے کی اجازت مل جائے تاکہ عورت کے ہاں ولادت ہونے کا کوئی خوف نہ رہے۔ سوال کے اسی حقیقی مفہوم کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ تم لوگ تو یہ سمجھتے ہو کہ مرد کی منی کا عورت کے رحم میں گرنا عورت کے ہاں ولادت ہونے کا سبب ہے اور عزل کر لینا ولادت نہ ہونے کا سبب ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ منی کے ہر پانی سے بچہ نہیں بنتا اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مرد کی منی عورت کے رحم تک پہنچ جاتی ہے مگر اس سے بچہ نہیں بنتا اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے لوگ عزل کرتے ہیں مگر اس کے باوجود عورت حاملہ ہوجاتی ہے لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا حاملہ ہونا مرد کے مادہ تولید کے اندر گرنے پر موقوف نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ پر موقوف ہے۔ اسی طرح عورت کا حاملہ نہ ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ ہی پر موقوف ہے عزل پر موقوف نہیں ہے۔ ہاں یہ ثابت ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توالد وتناسل کا ایک نظام مقرر کردیا ہے کہ مرد کے نطفہ سے بچہ کی تولید ہوتی ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ عزل کرنے کی صورت میں بھی نطفہ کا کوئی حصہ بلا امتیاز عورت کے رحم میں چلا جائے اور اس سے بچہ بن جائے بلکہ اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ اگر کسی بچہ کا پیدا ہونا ہی تقدیر الٰہی میں ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت حاصل ہے کہ وہ اس بچہ کو بغیر نطفہ کے بھی پیدا کردے۔

بظاہر یہ احادیث عزل کے جائز نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے لیکن ان کا حقیقی مفہوم ومنشاء اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ عزل کرنا پسندیدہ نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے اس مسئلہ میں حنفیہ اور دوسرے علماء کا جو فقہی مسلک ہے اس کا بیان حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کی تشریح میں گزر چکا ہے۔

(۶) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِىْ وَقَّاصٍ اَنَّ رَجُلًا جَاءَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّىْ اَعْزِلُ عَنِ امْرَاَتِىْ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَ تَفْعَلُ ذٰلِكَ فَقَالَ الرَّجُلُ اُشْفِقُ عَلٰى وَلَدِهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ ذٰلِكَ ضَارًّا ضَرَّ فَارِسَ وَالرُّوْمَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میں اپنی عورت سے عزل کرتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کیوں عزل کرتا ہے اس شخص نے کہا میں اس کے لڑکے پر ڈرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ بات ضرر پہنچاتی تو روم اور فارس کو یہ ضرر ہوتا۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: لوگوں کا خیال یہ تھا کہ مدت رضاعت میں جماع اور پھر حمل ٹھہرنے سے چونکہ عورت کے دودھ میں خرابی پیدا ہوجاتی ہے اس لئے اس دودھ کو پینے سے شیر خوار بچہ کو نقصان پہنچتا ہے اس کے علاوہ ایسی حالت میں عورت کا دودھ بھی کم ہوجاتا ہے اس کا حاصل یہ تھا کہ اسی خوف کی بنا پر اس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کی اجازت چاہی اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا اس کا حاصل یہ تھا کہ اگر مدت رضاعت میں جماع کرنا اور حمل ٹھہر جانا شیر خوار بچہ کو نقصان دہ ہوتا تو یہ روم وفارس والوں کو ضرور نقصان پہنچاتا کیونکہ وہ اس کے عادی ہیں اور جب ان کی یہ عادت ان کیلئے نقصان دہ نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ مدت رضاعت میں حمل ٹھہر جانا نقصان دہ نہیں ہے۔ لہٰذا عزل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور حمل ٹھہر جانے کے خوف کی وجہ سے عزل نہ کرو۔ گویا آپ کا یہ ارشاد عزل کی کراہت وناپسندیدگی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(۷) وَعَنْ جُدَامَةَ بِنْتِ وَهْبٍ قَالَتْ حَضَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ أُنَاسٍ وَهُوَ يَقُوْلُ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَنْهٰى عَنِ الْغِيْلَةِ فَنَظَرْتُ فِي الرُّوْمِ وَفَارِسَ فَإِذَا هُمْ يُغِيْلُوْنَ اَوْلَادَهُمْ فَلَا يَضُرُّ اَوْلَادَهُمْ ذٰلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَاَلُوْهُ عَنِ الْعَزْلِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ الْوَأْدُ الْخَفِيُّ وَهِيَ وَ اِذَا الْمَوْؤُدَةُ سُئِلَتْ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جدامہ بنت وہب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا میں چند لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میں ارادہ کرتا ہوں کہ میں غیلہ سے منع کردوں پھر میں نے روم اور فارس کو دیکھا ہے وہ اپنی اولاد میں غیلہ کرتے ہیں۔ اور ان کو غیلہ ضرر نہیں دیتا۔ پھر لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کا حکم دریافت کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ پوشیدہ طریقے سے زندہ گاڑنا ہے اور یہ خصلت اس آیت میں داخل ہے کہ زندہ درگور سوال کی جاوے گی۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: "غیلہ" کے معنی ہیں "حمل کی حالت میں بچہ کو دودھ پلانا" اور نہایہ میں لکھا ہے کہ غیلہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ایام رضاعت میں اپنی بیوی سے جماع کرے چنانچہ اہل عرب غیلہ (یعنی ایام رضاعت میں اپنی بیوی سے جماع کرنے) سے احتراز کرتے تھے اور اس کی وجہ ان کا یہ گمان تھا کہ اس صورت میں شیر خوار بچہ کو نقصان پہنچتا ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ ارادہ فرمایا کہ لوگوں کو ایام رضاعت میں اپنی بیوی کے پاس جانے سے منع کردیں لیکن جب آپ نے دیکھا کہ روم و فارس کے لوگ ایسا کرتے ہیں اور ان کی اولاد کو کوئی نقصان نہیں ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت کا ارادہ ترک فرمادیا۔

واد کے معنی ہیں "زندہ درگور کرنا جیتا گاڑ دینا"۔ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب تنگدسی کے خوف اور عار کی وجہ سے اپنی بچیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان والدین سے سخت باز پرس کی جائے گی جو اپنے ہاتھوں اپنی بچیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عزل کو بھی واد خفی یعنی پوشیدہ زندہ گاڑ دینے سے تعبیر فرمایا۔ اس طرح یہ حدیث منسوخ ہے یا آپ نے یہ بات محض تہدید و تنبیہ کے طور پر فرمائی ہے یا پھر یہ کہ اس ارشاد کے ذریعہ گویا اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ عزل نہ کرنا ہی اولیٰ اور زیادہ بہتر ہے۔ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد گرامی عزل کے حرام ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ البتہ اس کے مکروہ ہونے پر ضرور دلالت کرتا ہے بایں معنی کہ عزل کرنا' واد حقیقی (یعنی واقعۃ زندہ درگور کردینے) کے حکم میں داخل نہیں ہے کیونکہ "وادِ حقیقی" کا مطلب ہوتا ہے ایک جان کو ہلاک کردینا جبکہ عزل میں یہ صورت نہیں ہوتی۔ البتہ عزل کرنا واد حقیقی کے مشابہ یقیناً ہے اسی واسطے اس کو "پوشیدہ زندہ گاڑ دینا" فرمایا گیا ہے جو اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ عزل کے ذریعہ چونکہ اپنے مادہ تولید (نطفہ) کو ضائع کیا جاتا ہے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ مادہ تولید اللہ تعالیٰ نے بچہ پیدا ہونے کیلئے مہیا کیا ہے۔ اس لئے یہ فعل (یعنی عزل کرنا) اپنے بچہ کو ہلاک کرنے یا اس کو زندہ درگور کردینے کے مشابہ ہے۔

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارہ میں یہ صحیح روایت منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ عزل موؤدۃ صغری ہے۔ نیز حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں یہ منقول ہے کہ جب ان سے عزل کا حکم پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے کسی مسلمان کو عزل کرتے نہیں دیکھا سنا (اس سے معلوم ہوا کہ عزل کرنا پسندیدہ نہیں ہے) اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ منقول ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بعض لوگوں کو عزل کرنے پر مارا ہے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں یہ منقول ہے کہ وہ عزل کرنے سے منع کرتے تھے۔ ان تمام روایات سے عزل کی ممانعت ثابت ہوتی ہے لیکن علماء لکھتے ہیں کہ یہ ممانعت نہی تنزیہی کے طور پر ہے۔

اپنی بیوی کی پوشیدہ باتوں کو افشاء کرنے والے کے بارہ میں وعید

(۸) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَعْظَمَ الْاَمَانَةِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ فِيْ رِوَايَةٍ اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلُ يُفْضِيْ اِلَى امْرَاَتِهِ وَ تُفْضِيْ اِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے نزدیک قیامت کے دن بری امانت ایک روایت میں ہے اللہ کے نزدیک قیامت کے دن مرتبے کے لحاظ سے شریر لوگوں کا وہ آدمی ہے کہ وہ اپنی بیوی کی طرف جاتا ہے اور وہ اس کی طرف آتی ہے پھر وہ اس کے راز فاش کرتا ہے۔ (روایت کیا اسکو مسلم نے)

تشریح: علامہ طیبی رحمہ اللہ ان اعظم الامانۃ کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بہت بڑی امانت کہ جس میں خیانت کرنے والے سے قیامت کے دن سخت باز پرس ہوگی شوہر و بیوی کے درمیان جنسی معاملات اور نجی امور سے متعلق باتیں ہیں۔ یعنی خاوند بیوی کے درمیان جنسی افعال اور راز و نیاز کی باتیں ایک بہت بڑی امانت ہے جس کی حفاظت ہر شوہر کی ذمہ داری ہے جو شوہر اس امانت کی حفاظت نہیں کرے گا۔ بایں طور پر کہ وہ اپنی بیوی سے ہمبستری کے بعد اس کے راز افشاء کرے گا اس سے قیامت کے دن باز پرس کی جائے گی۔ اس ارشاد کے معنی یہ ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑی امانت میں خیانت اس شخص کے خیانت ہوگی جو اپنی بیوی سے ہمبستری کرے اور پھر اس کے راز کو افشاء کردے اور افشاء کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان راز و نیاز کی جو باتیں ہوئی ہوں اور جنسیات سے متعلق جو افعال ہوئے ہوں ان کو لوگوں سے کہتا پھرے جیسا کہ بے حیا لوگوں کی عادت ہے یا اپنی بیوی کے کسی عیب کو بیان کرتا پھرے اور یا یہ کہ اپنی بیویوں کی ان خوبیوں اور اوصاف کو ذکر کرتا پھرے جن کو چھپانا شرعاً اخلاقاً اور عرفاً واجب ہے۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ خاوند بیوی کے درمیان جنسی معاملات اور ذاتی امور سے متعلق جو باتیں ہوتی ہیں یا جو افعال ہوتے ہیں ان کو غیروں کے سامنے بیان کرنا یا ایک دوسرے کے عیوب وغیرہ کو ظاہر کرنا اخلاقی نکتہ نظر ہی سے معیوب نہیں ہے بلکہ شرعی طور پر آخرت میں مواخذۂ خداوندی کا موجب ہے۔ بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ خاوند بیوی کیلئے ایک دوسرے کی باتوں کو ظاہر کرنے کی یہ ممانعت اس صورت میں ہے جبکہ اس کا کوئی فائدہ اور مقصد نہ ہو ہاں اگر اس کا کوئی فائدہ یا اس کی کوئی معقول وجہ ہو تو پھر یہ ممانعت نہیں ہوگی۔ مثلاً اگر عورت کا دعویٰ ہو کہ اس کا خاوند اس کی جنسی خواہش کی تسکین کا اہل نہیں ہے یا بیوی یہ شکایت کرے کہ اس کا شوہر اس کے ساتھ بیزاری اور لاپرواہی کا برتاؤ کرتا ہے تو اس صورت میں بیوی کیلئے ان چیزوں کا ذکر کرنا غیر پسندیدہ نہیں ہوگا جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ

اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کسی بری بات کو اعلانیہ بیان کیا جائے ہاں اگر کسی پر ظلم کیا گیا ہے (تو وہ اسے علانیہ بھی بیان کرسکتا ہے۔

ایام حیض میں اپنی بیوی کے پاس نہ جاؤ اور نہ بیوی کے ساتھ بدفعلی کرو

(۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اُوْحِيَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمُ الْآيَةَ اَقْبِلْ وَاَدْبِرْ وَاتَّقِ الدُّبُرَ وَالْحِيْضَةَ. (رواه الترمذی و ابن ماجة و الدارمی)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا وحی کی گئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تمہاری عورتیں تمہارے لیے کھیتیاں ہیں آخر آیت تک اگلی طرف سے صحبت کریا پچھلی طرف سے۔ مقعد میں دخول سے اور حیض کے وقت پرہیز کر۔ (ترمذی ابن ماجہ اور دارمی)

تشریح: لفظ اقبل (خواہ آگے سے اگلی جانب میں آؤ) اور ادبر (یا پیچھے سے اگلی جانب آؤ) یہ دونوں لفظ آیت کریمہ کے الفاظ فاتوا حرثکم الآیۃ کی تفسیر و بیان میں یعنی ان دونوں الفاظ کے ذریعہ یہ وضاحتی تنبیہ کی گئی ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ خواہ آگے کی طرف سے آؤ یا پیچھے کی طرف سے آؤ مگر دخول بہر صورت اگلے حصہ یعنی شرمگاہ ہی میں کرو۔ چنانچہ بدفعلی کرنا یعنی مقعد میں دخول کرنا قطعی حرام ہے اسی طرح حیض کی حالت میں اگلے حصہ میں بھی دخول کرنا حرام ہے۔

(۱۰) وَعَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَقِّ لَا تَاْتُوا النِّسَاءَ فِيْ اَدْبَارِهِنَّ. (رواه احمد و الترمذی و ابن ماجة و الدارمی)

ترجمہ: حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ حق بیان کرنے سے شرماتا نہیں کہ عورتوں کے پاس ان کی مقعدوں سے نہ آؤ۔ (روایت کیا اس کو احمد ترمذی ابن ماجہ اور دارمی نے)

تشریح: حیا اس تغیر کو کہتے ہیں جو عیب لگنے اور برا کہے جانے کے خوف سے انسان میں واقع ہوتا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی تغیر کا واقع ہونا محال ہے اس لئے یہاں "حیا" سے حقیقی حیا مراد نہیں ہے بلکہ مجازی حیا یعنی ترک کرنا مراد ہے جو حیا کا مقصد ہے اس طرح ان اللہ لایستحیی الخ کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ حق بات کہنے اور اس کے اظہار کو ترک نہیں کرتا۔ لہذا حدیث میں اس بات کو مابعد کے مضمون (عورت کے ساتھ بدفعلی کی ممانعت) کی تمہید و مقدمہ کے طور پر ذکر کرنا گویا اس فعل بد کی انتہائی برائی اور اس کے حرام ہونے پر متنبہ کرنا ہے کہ یہ بات اتنی ناپسندیدہ اور مکروہ ہے کہ اس کو زبان پر لانا اور اس کا ذکر کرنا بھی شرم و حیا کے منافی ہے اگر چہ اس کا ذکر کرنا اس سے روکنے ہی کی وجہ سے کیوں نہ ہو لیکن چونکہ یہ ایک شرعی مسئلہ ہے اور شرعی مسئلہ کو بیان کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے اس لئے سن لو کہ عورتوں کے ساتھ "ان کا مقعد میں" بدفعلی کرنا حرام ہے اس لئے اجتناب کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب عورتوں کے ساتھ بدفعلی کرنا حرام ہے تو مردوں کے ساتھ یہ فعل بد طریقہ اولیٰ حرام ہوگا۔

طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس موقع پر مناسب تو یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہیں کہ "میں حق بات بیان کرنے سے حیا نہیں کرتا" لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا اور اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس حکم کی اہمیت کو ظاہر کرنا اور اس فعل بد کی برائی کو بطور مبالغہ بیان کرنا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے ساتھ بدفعلی کرنا حرام ہے لہذا جو لوگ اس کو جائز کہتے ہیں وہ سخت گمراہی میں مبتلا ہیں۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی اجنبی عورت کے ساتھ یہ فعل بد کرے تو وہ زانی کے حکم میں ہوگا اور اگر اپنی بیوی یا اپنی لونڈی کے ساتھ کرے تو وہ حرام کا مرتکب ہوا لیکن اس کی پاداش میں اسے سنگسار نہیں کیا جائے گا اور نہ اس پر حد جاری کی جائے گی۔ البتہ اسے کوئی سزا ضرور دی جائے گی اور نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام کے ساتھ (اغلام) کرے تو وہ اجنبی کے ساتھ بدفعلی کرنے والے کے حکم میں ہوگا۔ نیز حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس فعل بد پر فاعل اور مفعول (یعنی یہ فعل بد کرنے والا اور کرانے والا) دونوں مستوجب تعزیر ہوتے ہیں کہ ان دونوں کو ان کے حال کے مناسب کوئی سزا دی جائے گی ہاں اگر مفعول (یعنی جس کے ساتھ یہ بدفعلی کی گئی ہے) چھوٹا ہو یا دیوانہ ہو یا اس کے ساتھ زبردستی یہ فعل بد کیا گیا ہو تو اسے سزا نہیں دی جائے گی۔

اپنی بیوی کے ساتھ بدفعلی کرنے والا ملعون ہے

(۱۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَلْعُوْنٌ مَنْ اَتٰی امْرَاَتَهٗ فِیْ دُبُرِهَا. (رواہ احمد و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی عورت کے پاس دبر میں آنے والا ملعون ہے۔ روایت کیا اس کو احمد اور ابوداؤد نے۔

تشریح: ملعون۔ اپنی بیوی کے ساتھ جو عورت بھی ہے بدفعلی کرنا کتنا بڑا جرم ہے تو اجنب امارد اور رجال سے بدفعلی کا کیا ٹھکانہ ہوگا سابقہ اقوام میں قوم لوط مکمل طور پر اس جرم کی پاداش میں تباہ ہوگئی کہتے ہیں اس فعل بد کی وجہ سے عرش میں زلزلہ اٹھتا ہے بعض نے کہا ہے کہ اس فعل کے بعد اگر اس جرم کا مرتکب سات سمندروں میں غسل کرے پھر بھی اسکو طہارت حاصل نہیں ہوتی ہے ظاہر ہے ظاہری غسل اور پانی سے باطنی خباثت اور گناہ کہاں زائل ہوسکتا ہے۔

لواطت کی سزا:۔ جمہور کے ہاں لواطت کی سزا زنا کی حد کی طرح ہے لہذا اسی کی طرح حد نافذ ہوگی صاحبین بھی جمہور کے ساتھ ہیں۔ حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے لوطی کو سنگسار کیا تھا حسن بصریؒ اور ابراہیم نخعیؒ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

عقلی دلیل میں جمہور فرماتے ہیں کہ لواطت سے قضاء شہوت کامل درجہ میں ہوتی ہے لہذا یہ زنا کے حکم میں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ لواطت میں تعزیر ہے کیونکہ اس کو کسی حد کے تحت لانا مشکل ہے اگر یہ کسی حد کے تحت متعین طور پر داخل ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کی سزا

دینے میں مختلف نہ ہوتے حالانکہ مختلف صحابہ نے مختلف انداز سے سزا دی ہے کسی نے پہاڑ سے لوطی کو گرایا ہے کسی نے اس پر دیوار گرائی ہے کسی نے اس کو سمندر میں ڈبو دیا ہے کسی نے آگ میں ڈالا ہے کسی نے چھت سے گرا کر پیچھے سے سنگ باری کی ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں حد نہیں البتہ تعزیر ہے تعزیر کے تحت اس کو قتل بھی کیا جا سکتا ہے سنگسار بھی کیا جا سکتا ہے کیونکہ تعزیر تو امیر کی صوابدید پر ہے۔ لہٰذا احناف پر یہ اعتراض حسد پر مبنی ہے کہ وہ لواطت کی حد کے قائل نہیں ہیں حالانکہ ان کے ہاں تو حد سے بھی زیادہ اس عمل بد پر سخت سے سخت سزا دی جا سکتی ہے۔

(۱۲) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الَّذِي يَأْتِي امْرَأَتَهُ فِي دُبُرِهَا لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ إِلَيْهِ. (رواہ فی شرح السنۃ)

ترجمہ: اسی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص عورت کو اس کی دبر سے آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر کرم نہیں کرے گا۔ (روایت کیا اس کو شرح السنہ میں)

(۱۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ إِلٰى رَجُلٍ أَتٰى رَجُلًا أَوِ امْرَأَةً فِي الدُّبُرِ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف قیامت کے دن دیکھے گا بھی نہیں جو آدمی کو یا عورت کو اس کی دبر سے آتا ہے۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے)

غیلہ کی ممانعت

(۱۴) وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَقْتُلُوْا أَوْلَادَكُمْ سِرًّا فَإِنَّ الْغَيْلَ يُدْرِكُ الْفَارِسَ فَيُدَعْثِرُهُ عَنْ فَرَسِهِ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تم اپنی اولادوں کو قتل نہ کرو پوشیدہ طریقہ سے غیلہ سوار کو پالیتا ہے اور اس کو اس کے گھوڑے سے پچھاڑتا ہے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: اپنی اولاد کو مخفی طور پر قتل نہ کرو۔ کا مطلب یہ ہے کہ غیلہ کے ذریعہ اولاد کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور غیلہ یہ ہے کہ حمل کی حالت میں دودھ پلانے یا مدت رضاعت میں جماع کرنے کو غیلہ کہتے ہیں۔ لہٰذا حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ غیلہ کی وجہ سے بچہ کے مزاج میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے قویٰ ضعیف ہو جاتے ہیں اور اس خرابی وضعف کا اثر اس کے بالغ ہونے کے بعد تک رہتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بچہ بڑا ہونے کے بعد جب میدان کارزار میں جاتا ہے تو دشمن کے مقابلہ میں سست اور کمزور پڑ جاتا ہے اور گھوڑے سے گر پڑتا ہے اور یہ چیز اس کے حق میں ایسی ہے جیسا کہ اسے مقابلہ سے پہلے ہی قتل کر دیا گیا ہو۔ لہٰذا غیلہ نہ کرو تا کہ غیلہ کی وجہ سے اپنے بچے کے قتل ہو جانے کا باعث نہ بنو۔

اس موقع پر خلجان پیدا ہو سکتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچہ پر غیلہ کا اثر پڑتا ہے جبکہ اس سے پہلے گزرنے والی بعض احادیث سے یہ معلوم ہوا تھا کہ غیلہ بچہ پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ اس کا جواب طیبی نے یہ دیا ہے کہ گزشتہ احادیث میں بچہ پر غیلہ کے اثر انداز ہونے کی نفی زمانہ جاہلیت کے اس اعتقاد کی تردید کیلئے تھا کہ لوگ غیلہ ہی کو حقیقی موثر سمجھتے تھے اور اس حدیث کے ذریعہ غیلہ کے اثر انداز ہونے کا جو اثبات کیا گیا ہے وہ اس بات کے پیش نظر ہے کہ غیلہ فی الجملہ سبب بنتا ہے اور موثر حقیقی حق تعالیٰ کی مرضی اور اس کا حکم ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ اس حدیث میں غیلہ کی جو ممانعت بیان کی گئی ہے کہ وہ نہی تنزیہی کے طور پر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزشتہ ارشاد لقد هممت الخ (حدیث نمبر ۷) تحریم پر محمول ہے اسی طرح دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد باقی نہیں رہے گا۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے) ان دونوں کی بنیاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد تھا یعنی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ عرب کے لوگ جب غیلہ کرتے ہیں تو ان کے بچے ضعیف و کمزور ہو جاتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیلہ سے منع کیا مگر جب بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روم وفارس کے لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہاں غیلہ کی وجہ سے بچہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیلہ کی ممانعت کو ختم کر دیا۔ چنانچہ حضرت جدامہ رضی اللہ عنہ کی روایت نمبر ۷ سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔

الفصل الثالث...عزل کا مشروط جواز

(۲۵) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّعْزَلَ عَنِ الْحُرَّةِ اِلَّا بِاِذْنِهَا (رواه ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد عورت سے عزل کرنے سے منع فرمایا ہے اس کی اجازت کے بغیر۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

تشریح: آزاد عورت سے جماع کے وقت اگر عزل کیا جائے تو اس سے اجازت لینی ضروری ہے اس کی اجازت حاصل کئے بغیر عزل نہ کیا جائے کیونکہ عزل کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ بچہ نہیں ہوتا بلکہ عورت کی جنسی لذت میں کمی بھی ہو جاتی ہے اوران دونوں چیزوں سے آزاد عورت کا حق متعلق ہے کہ اگر عورت بچہ کی پیدائش چاہتی ہے تو مرد کو یہ اختیار نہیں کہ وہ عورت کی اس خواہش کو پورا نہ ہونے دے اسی طرح عورت اگر عزل کی وجہ سے اپنی جنسی لذت میں کمی محسوس کرتی ہے تو یہ اس کے ساتھ بے انصافی ہے اس لئے ضروری ہے کہ عزل کیلئے عورت کیلئے کی اجازت حاصل کرلی جائے اگر وہ اجازت دے تو عزل کیا جائے اور اگر اجازت نہ دے تو عزل نہ کیا جائے۔ گویا یہ حدیث آزاد عورت کی اجازت کی شرط کے ساتھ اور لونڈی کی اجازت کے بغیر بھی عزل کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہے جیسے کہ حنفیہ کا مسلک ہے۔

بَابٌ ... گزشتہ باب کے متعلقات کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ ... لونڈی آزاد ہونے کے بعد اپنا نکاح فسخ کرسکتی ہے

(۱) عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهَا فِيْ بَرِيْرَةَ خُذِيْهَا فَاَعْتِقِيْهَا وَكَانَ زَوْجُهَا عَبْدًا فَخَيَّرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا وَلَوْ كَانَ حُرًّا لَمْ يُخَيِّرْهَا. (متفق عليه)

ترجمہ: حضرت عروہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بریرہ رضی اللہ عنہا کے متعلق فرمایا کہ اس کو خرید پھر اس کو آزاد کر اور اس کا خاوند غلام تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار دیا۔ بریرہ رضی اللہ عنہا نے اپنے نفس کو اختیار کیا۔ اگر اس کا خاوند آزاد ہوتا تو اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اختیار نہ دیتے۔ (متفق علیہ)

تشریح: مدینہ منورہ میں ایک یہودی کی لونڈی تھی جس کا نام بریرہ تھا اس کے مالک نے ۹ اوقیہ کے بدلے میں اس کو مکاتب بنالیا بدل کتابت میں مدد کے سلسلہ میں بریرہ حضرت عائشہ کے پاس آئی تھیں حضرت عائشہ نے ان کو خرید لیا اور پھر آزاد کیا خریدنے کے وقت بریرہ کے مالک یہودی نے اس شرط کا ذکر کیا کہ بریرہ کا "حق ولا" اس کے مرنے کے بعد ہمیں ملے گا حضرت عائشہ نے اس کا تذکرہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت ناراض ہوئے اور خطبہ دیا اور فرمایا! "فقضاء الله احق وشرط الله اوثق وانما الولاء لمن اعتق"

حضرت بریرہ کا ایک شوہر تھا جن کا نام مغیث تھا وہ بھی پہلے غلام تھا بعد میں ان کو بھی آزادی ملی اس سلسلہ میں حضرت بریرہ کو خیار عتق یعنی اختیار طلاق بوجہ عتق حاصل ہو گیا خیار عتق کی تفصیلات میں فقہاء کرام کا اختلاف ہوا ہے۔

فقہاء کا اختلاف:۔ (۱) اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر لونڈی کے آزاد ہونے کے وقت اس کا شوہر غلام ہو تو لونڈی کو خیار عتق یعنی اختیار طلاق ملے گا۔

(۲) اس پر بھی تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر ایک ساتھ دونوں میاں بیوی آزاد ہو جائیں تو کسی کو خیار عتق حاصل نہیں ہوگا۔

(۳) اگر لونڈی کی آزادی کے وقت خاوند آزاد ہو تو بیوی کو خیار عتق ملے گا یا نہیں؟ اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہوا ہے۔

ائمہ احناف کے نزدیک لونڈی کو ہر حالت میں خیار عتق ملے گا خواہ اس کا شوہر غلام ہو یا آزاد ہو جمہور اور شوافع کے ہاں خیار عتق صرف اس صورت میں ہے جب شوہر غلام ہو اور بیوی آزاد ہو جائے اگر شوہر آزاد ہو تو لونڈی کو خیار عتق حاصل نہیں ہوگا۔

علت اختلاف:۔ احناف اور جمہور کے درمیان یہ جو اختلاف ہے یہ تخریج علت کی وجہ سے ہے جمہور نے خیار عتق کے لئے جو علت نکالی ہے وہ یہ ہے کہ لونڈی جب آزاد ہو جائے گی تو اب وہ غلام شوہر کے تحت رہنے کو عار تصور کرے گی کیونکہ دونوں میں کفاءت نہیں رہی اور اگر شوہر آزاد ہو تو کوئی عار نہیں اس لئے اس کو خیار نہیں غلام میں عار ہے تو وہاں اختیار ہے۔

احناف کے نزدیک خیار عتق کی علت آزادی کے بعد عار نہیں بلکہ تین طلاق کا اختیار ہے کیونکہ طلاق کا مدار عورتوں پر ہے اگر عورت لونڈی ہے تو شوہر کو دو طلاق کا حق حاصل ہے (طلاق الامة اثنتان) اور اگر عورت آزاد ہے تو شوہر کو تین طلاق کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔

احناف فرماتے ہیں کہ آزادی کے بعد اس عورت کی طرف ایک زائد تیسری طلاق متوجہ ہوگئی لہٰذا اس کو اس اضافی بوجھ کے دفع کرنے کا حق حاصل ہے جو خیار عتق ہے یہ اس خیار عتق کی علت بھی ہے اور فائدہ و حکمت بھی ہے۔

منشائے اختلاف:۔ اس مسئلہ میں اختلاف کا منشا احادیث مقدسہ اور روایت کا اختلاف ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دو روایات منقول ہیں ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں "و كان زوجها عبدا" رواہ البخاری۔ ادھر مشکوٰۃ شریف میں بھی یہی روایت ہے۔

دوسری روایت میں ہے "و كان زوجها حرا" رواہ ابوداؤد۔ یہ روایت بخاری میں بھی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے شاگردوں عروۃ، عبدالرحمٰن اور اسود میں بھی اختلاف ہے بعض نے بریرہ کے شوہر کو حر کہا ہے اور بعض نے عبد کہہ دیا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں بھی اسی طرح اختلاف ہے اس لئے فقہاء کرام کا خیار عتق کے مسئلہ میں اختلاف ہوا ہے۔

دلائل:۔ اس مسئلہ میں حضرت بریرہؓ کی حیثیت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور دلائل کا مدار بھی اسی واقعہ پر ہے کہ آیا آزادی کے وقت ان کا شوہر حر تھا یا غلام؟ اگر اس وقت وہ حر تھا تو یہ لفظ احناف کی دلیل بنے گا جمہور کے خلاف ہوگا اور اگر اس وقت وہ غلام تھا تو یہ حدیث جمہور کی دلیل بنے گی لیکن احناف کے خلاف دلیل نہیں بنے گی۔ کیونکہ احناف تو حر اور عبد دونوں صورتوں میں خیار عتق کے قائل ہیں۔

جمہور کے دلائل:۔ جمہور نے زیر بحث حضرت عروہ عن عائشہ کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں "كان زوجها عبدا" کے واضح الفاظ آئے ہیں نیز "ولو كان حرا لم يخيرها" الفاظ سے جانب مخالف کا رد بھی ہوگیا تو مسئلہ صاف ہوگیا اور روایت بخاری و مسلم کی ہے یہ مزید پختگی ہے اسی طرح جمہور نے عقلی دلیل بھی پیش فرمائی ہے جو درحقیقت اس مسئلہ کی علت کی طرف اشارہ ہے کہ اگر شوہر غلام ہو تو عورت کو اس کے ماتحت رہنے میں عار ہے اور اگر شوہر حر ہو تو کوئی عار نہیں لہٰذا اس کو خیار نہیں مسئلہ میں کوئی غبار نہیں۔

احناف کے دلائل:۔(۱) **روى البخاري واصحاب السنن عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة في قصة بريرة وفي آخرها و كان زوجها حرا** (بحوالہ زجاجۃ المصابیح ج ۲ ص ۴۲۸ بخاری ج ۲ ص ۹۹۹)

(۲) **وروى مسلم عن عبدالرحمن بن القاسم الى آخر الحديث قال القاسم وخيرت فقال عبدالرحمن و كان زوجها حرا۔** (زجاجہ ج ۲ ص ۴۳۰)

(۳) **وروى ابو داؤد عن الاسود عن عائشة ان زوج بريرة كان حرا حين عتقت** (زجاجہ ج ۲ ص ۴۳۱)

(۴) **وفي رواية الترمذي قالت كان زوج بريرة حرا فخيرها النبي صلى الله عليه وسلم** (ایضا)

(۵) **وروى ابن ماجة والنسائي عن الاسود عن عائشة انها اعتقت بريرة فخيرها النبي صلى الله عليه وسلم و كان لها زوج حر** (ایضا)

(۶) **وروى الطحاوي وابن ابي شيبة عن طاؤس قال للامة الخيار اذا اعتقت وان كانت تحت قرشي، وفي رواية لهما عنه قال لها الخيار في الحر والعبد** (ایضا)

(۷) **وروى ابن ابي شيبة عن ابن سيرين والشعبي نحوه وفي رواية له عن مجاهد قال لها الخيار ولو كانت تحت امير المؤمنين** (زجاجۃ المصابیح مشکوٰۃ الحکمی ج ۲ ص ۴۳۱)

(۸) دار قطنی نے ایک روایت نقل کی ہے "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لبريرة ملكت بضعك فاختاري" یہاں اس روایت میں خیار عتق

کی علت کو بیان کر کے آنحضرت نے خود فیصلہ فرمادیا کہ شوہر کا اعتبار نہیں خواہ غلام ہو خواہ حر ہو شرط یہ ہے کہ عورت اپنے اختیار کی مالکہ بن جائے اب یہاں مطلق ملکیت بضعہ کو فاختیاری کا سبب قرار دیا گیا ہے شوہر کا لحاظ نہیں رکھا گیا افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ اتنی روایات ہیں مگر صاحب مشکوۃ نے ایک بھی نقل نہیں فرمائی۔

الجواب: اب جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ دونوں طرف کی حدیثیں صحیح ہیں جمہور نے وکان زوجھا عبدا کو اختیار کیا ہے اور احناف نے وکان زوجھا حرا کو اختیار کیا ہے تو بظاہر ان متعارض روایات میں کسی ایک جانب کو ترجیح نہیں دی جاسکتی ہے تو پھر ان روایات پر عمل کیسے کریں گے تو احناف نے تطبیق کی صورت اختیار کرلی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب کان زوجھا حرا کو اختیار کرلیا جائے تو تمام روایات پر عمل ہو جائے گا اور وہ اس طرح کہ ہم حر اور عبد کے دو متضاد الفاظ کو ایک وقت پر حمل نہیں کریں گے بلکہ تطبیق کی غرض سے ہم حر کو الگ زمانہ پر حمل کریں گے اور عبد کو الگ زمانہ پر حمل کریں گے۔

تو اصولی قاعدہ یہ ہے کہ حر مسلم پر عبدیت طاری نہیں ہو سکتی ہے اور عبد مسلم پر حریت طاری ہو سکتی ہے اور بریرہ کے شوہر مغیث پہلے غلام تھے بعد میں آزاد ہوئے تو ان کے حق میں عبدیت کے جو الفاظ آئے ہیں یہ حکایت ماضی اور گذشتہ زمانہ پر محمول ہے "یعنی وکان عبدا" پہلے زمانہ میں غلام تھے اب بریرہ کی آزادی کے وقت نہیں تو وہ واقعی پہلے غلام تھے۔ اور جہاں وکان زوجھا حرا کے الفاظ آئے ہیں تو یہ الفاظ حالت عتق اور خیار عتق کے وقت پر محمول ہیں نتیجہ یہ نکلا کہ مغیث حر تھے اور بریرہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیار عتق کا حق دیدیا معلوم ہوا حر کی ماتحتی میں اگر لونڈی آزاد ہو جائے تو اس کو بھی خیار عتق حاصل رہے گا اور عبدیت میں تو سب مانتے ہیں۔ باقی جمہور نے جو عقلی دلیل پیش کی ہے کہ عبد کے ماتحت آزاد عورت کا رہنا عار ہے تو یہ علت بیان کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ حرہ کا ابتداء غلام کی ماتحتی میں آنا عار ہے لیکن اگر وہ پہلے سے اس کے نکاح میں مستعملہ مستقر شدہ ہو تو اس میں اب کیا عار ہے؟ باقی زیر نظر حدیث "ولو کان حرا لم یخیرھا" کے الفاظ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نہیں بلکہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں کیونکہ حضرت عائشہ تو مغیث کے حر ہونے کی روایت بار بار بیان کرچکی ہیں۔

(۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ زَوْجُ بَرِيْرَةَ عَبْدًا اَسْوَدَ يُقَالُ لَهُ مُغِيْثٌ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ يَطُوْفُ خَلْفَهَا فِيْ سِكَكِ الْمَدِيْنَةِ يَبْكِيْ وَدُمُوْعُهُ تَسِيْلُ عَلٰى لِحْيَتِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْعَبَّاسِ يَا عَبَّاسُ اَلَا تَعْجَبُ مِنْ حُبِّ مُغِيْثٍ بَرِيْرَةَ وَمِنْ بُغْضِ بَرِيْرَةَ مُغِيْثًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْرَاجَعْتِيْهِ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَأْمُرُنِيْ قَالَ اِنَّمَا اَشْفَعُ قَالَتْ لَا حَاجَةَ لِيْ فِيْهِ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا بریرہ رضی اللہ عنہا کا خاوند غلام سیاہ رنگ کا تھا اس کو مغیث کہا جاتا تھا گویا کہ میں اس کو دیکھتا ہوں کہ وہ بریرہ رضی اللہ عنہا کے پیچھے پیچھے مدینہ کی گلیوں میں روتا پھرتا تھا اس کے آنسو اس کی داڑھی پر گرتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس کو فرمایا اے عباس کیا تجھ کو مغیث کی محبت اور بریرہ رضی اللہ عنہا کے مغیث کے ساتھ بغض پر تعجب نہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ کو فرمایا کاش کہ تو مغیث سے رجوع کرلے بریرہ نے عرض کی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ حکم فرماتے ہیں فرمایا نہیں میں سفارش کرتا ہوں بریرہ رضی اللہ عنہا نے کہا مجھ کو اس سے رجوع کرنے کی ضرورت نہیں روایت کیا اس کو بخاری نے۔

تشریح: چونکہ بعض روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مغیث رضی اللہ عنہ یعنی بریرہ رضی اللہ عنہا کا شوہر آزاد تھا اس لئے اگر اس حدیث کے ابتدائی جملہ کی یہ وضاحت کی جائے کہ مغیث بدصورتی میں ایک سیاہ فام غلام کی مانند تھا۔ یا یہ کہ مغیث پہلے تو غلام تھا (جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے) لیکن پھر آزاد کیا گیا اور وہ آزاد ہو گیا۔ تو اس صورت میں روایتوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں رہے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سردار حاکم کو اپنی رعایا سے کسی کے حق میں جائز کام کی سفارش کرنا ایک اچھی بات ہے۔ اسی طرح حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اپنے سردار حاکم کی سفارش کو قبول کرنا واجب نہیں ہے اور نہ اس سفارش کو نہ ماننے کی وجہ سے اس سے سردار حاکم کو کوئی مواخذہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ نیز حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی سے اس کی بدصورتی و بدخلقی کی وجہ سے تعلق نہ رکھنا جائز ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ.... مملوک خاوند و بیوی کو آزاد کرنا ہو تو پہلے خاوند کو آزاد کیا جائے

(۳) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا اَرَادَتْ اَنْ تُعْتِقَ مَمْلُوْكَيْنِ لَهَا زَوْجٌ فَسَاَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَهَا اَنْ

تَبْدَأَ بِالرَّجُلِ قَبْلَ الْمَرْأَةِ. (رواه ابوداؤد والنسائی)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے دو غلاموں کے آزاد کرنے کا ارادہ کیا جو کہ آپس میں میاں بیوی تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے خاوند کو پھر عورت کو آزاد کر روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے۔

تشریح: اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پہلے عورت کو آزاد کرتیں تو وہ آزاد ہونے کے بعد ایک غلام کے نکاح میں رکھتی اس صورت میں اسے یہ اختیار حاصل ہو جاتا کہ اگر وہ چاہتی تو اپنا نکاح باقی رکھتی اور اگر اسے شوہر کے ساتھ رہنا گوارہ نہ ہوتا تو نکاح فسخ کر دیتی (جیسا کہ آئمہ ثلاثہ کا مسلک ہے) چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہلے مرد کو آزاد کرنے کا حکم دیا تا کہ یہ اختیار نہ رہے اور مرد کی دل شکنی نہ ہو لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مرد کو آزاد کرنے کا حکم اس لئے دیا کہ مرد عورت کی بہ نسبت زیادہ کامل اور افضل ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کو مقدم رکھنا چاہئے یا پھر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو محسوس کرتے تھے کہ مرد تو لونڈی بیوی کو گوارا کر لیتا ہے لیکن عورت اگر کسی غلام کے نکاح میں ہوتی ہے تو پھر اکثر اس سے بیزار رہتی ہے اور ہر وقت ذہنی اذیت و کوفت میں مبتلا رہتی ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مرد کو آزاد کرنے کا حکم دیا تا کہ اس کی بیوی اپنے شوہر کی طرف سے کسی بیزاری میں مبتلا نہ ہو۔

اگر لونڈی اپنی مرضی سے اپنا نکاح کرے تو

(۴) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ بَرِيْرَةَ عَتَقَتْ وَهِيَ عِنْدَ مُغِيْثٍ فَخَيَّرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ قَالَ لَهَا اِنْ قَرِبَكِ فَلَاخِيَارَ لَكِ. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا کہ بریرہ رضی اللہ عنہا آزاد ہوئی اس حال میں کہ وہ مغیث کے نکاح میں تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دیا اور اس کو فرمایا کہ اگر وہ تجھ سے نزدیکی کرے گا تو پھر تیرے لیے اختیار نہیں۔ (ابوداؤد)

تشریح: ہدایہ میں لکھا ہے کہ اگر کسی لونڈی نے اپنے مالک کی رضا مندی سے اپنا نکاح کیا یا اس کے مالک نے اس کا نکاح اس کی رضا مندی سے یا اس کی رضامندی کے بغیر کر دیا اور پھر وہ لونڈی آزاد ہو گئی تو اس کو اپنا نکاح باقی رکھنے یا فسخ کر دینے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ خواہ اس کا خاوند ہو یا غلام ہو اور اگر لونڈی اپنے مالک کی رضامندی و اجازت کے بغیر اپنا نکاح خود کرے اور پھر اس کا مالک اس کو آزاد کر دے تو آزاد ہوتے ہی اس کا نکاح منعقد یعنی صحیح ہو جاتا ہے لیکن اسے مذکورہ اختیار حاصل نہیں رہتا۔ ائمہ ثلاثہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر لونڈی کسی آزاد کے نکاح میں ہو تو آزاد ہونے کے بعد اس لونڈی کو اپنے نکاح کے باقی یا فسخ کر دینے کا اختیار نہیں ہوتا۔ علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ائمہ ثلاثہ کے درمیان اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند کے بارہ میں متعارض روایتیں منقول ہیں بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو اس حال میں اختیار دیا تھا کہ اس کا شوہر غلام تھا لیکن بخاری و مسلم ہی میں یہ بھی منقول ہے کہ جب بریرہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا گیا تو اس کا شوہر ایک آزاد مرد تھا۔ اسی طرح کی روایت سنن اربعہ یعنی ابوداؤد ترمذی نسائی اور ابن ماجہ نے بھی نقل کی ہے۔ نیز ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کیا ہے۔ لہٰذا ائمہ ثلاثہ نے تو پہلی روایت کو ترجیح دی اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے دوسری روایت کو راجح قرار دیا۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ابن ہمام رحمہ اللہ کے اس قول کو مرقات میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

بَابُ الصَّدَاقِ.... مہر کا بیان

قَالَ اللّٰهُ تعالٰى وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وقال اللّٰه تعالٰى قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْ اَزْوَاجِهِمْ وقال اللّٰه تعالٰى وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا وقال اللّٰه تعالٰى وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً صداق بروزن کتاب عورت کے مہر کو کہتے ہیں اس کی جمع صدق کتب کی طرح آتی ہے صداق میں صاد کا کسرہ زیادہ فصیح اور فتح بھی مشہور ہے ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ مہر کو صداق اس لئے کہا

گیا "لانه یظهر به صدق میل الرجل الی المرءة" "المهر" بھی عربی میں بولا جاتا ہے جس کی جمع مھور آتی ہے۔

شوہر کی طرف سے بیوی کو حقوق زوجیت کے معاوضہ میں جو کچھ دیا جاتا ہے وہ مہر ہے نکاح کی صحت کیلئے مہر کا ہونا ضروری ہے اس کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہاں اگر تذکرہ نہیں کیا تو مہر مثل لازم آئے گا نکاح صحیح ہوگا۔ مہر خالص عورت کا حق ہے جو لوگ بیٹی یا بہن کے نام مہر وصول کر کے خود اپنے مصرف میں لاتے ہیں یہ عورتوں کے حق میں بڑے ظالم لوگ ہیں اور بڑی بے شرمی کی بات ہے کہ بیٹیاں فروخت کرتے ہیں علماء حق پر فرض ہے کہ اس رسم بد اور ظلم کے خلاف حق کا نعرہ بلند کریں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے مہر کی حکمتوں سے متعلق حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ نکاح ایک نظم وضبط اور جوڑ و ترتیب کا نام ہے اور میاں بیوی کے درمیان دائمی معاونت اور نصرت و مدد کا نام ہے۔

اسی جوڑ اور نظم وضبط کے پیش نظر مہر مقرر ہوا تا کہ بلا ضرورت خاوند اس نظم کے توڑنے میں اپنے مال یعنی مہر کے ضائع ہونے کا خطرہ محسوس کرتا رہے گویا مہر مقرر کرنا نکاح کے دوام اور پائیداری کیلئے ضروری ہے مہر میں دوسری حکمت یہ ہے کہ مہر مقرر کرنے سے نکاح میں عظمت اور اہتمام پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ لوگ طبعی طور پر مال کے بارے میں حریص ہیں تو جب ایک شخص ملک بضعہ کے عوض مال دیتا ہے تو دینے والے اور لینے والے دونوں کی آنکھوں میں نکاح کی عظمت پیدا ہوگی اور لڑکی والوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوسکتی ہیں کہ ہمارے لخت جگر کا ایک شخص مفت میں مالک نہیں بنا ہے۔ تیسری حکمت یہ کہ مہر مقرر کرنے سے زنا اور نکاح میں امتیاز آ جاتا ہے پھر مال کے دینے اور لینے میں چونکہ لوگوں کی عادت اور ان کے حرص کے درجات نیز انسانوں کے طبقات مختلف ہیں اس لئے شریعت نے کسی کو مہر کے کم اور زیادہ مقرر کرنے میں پابند نہیں کیا (یعنی جانب اکثر میں مہر میں پابندی نہیں لگائی)

ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں رضی اللہ عنہن کا مہر:۔ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ تمام صاحبزادیوں کا مہر پانچ سو درہم چاندی کی مقدار ۔۵۷۵ اماشہ یعنی ایک کلو ۵۳۰ گرام ہوتی ہے آج کل کے نرخ کے مطابق ایک کلو ۵۳۰ گرام چاندی کی قیمت تقریباً ۹۱۸ روپے ہوتی ہے۔ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر چار ہزار درہم یا چار سو دینار تھا۔ چار ہزار درہم بارہ ہزار چھ سو ماشہ یعنی بارہ کلو ۲۴۷ گرام چاندی کے بقدر ہوتے ہیں اور چاندی کے موجودہ نرخ کے مطابق اس کی قیمت سات ہزار تین سو اڑتالیس روپیہ (۷۳۴۸) ہوتی ہے۔

حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کا مہر چار سو مثقال اٹھارہ سو ماشہ یعنی ایک کلو ۷۵۰ گرام چاندی کے بقدر ہوتے ہیں اور چاندی کے موجودہ نرخ کے مطابق اس کی قیمت ایک ہزار پچاس روپیہ ہوتی ہے۔ اس قدر چاندی کے ساتھ روپے کی یہ مطابقت آج کل کے دور میں درست نہیں کیونکہ پاکستان میں روپے کی قیمت بہت زیادہ گر چکی ہے۔ ہاں ہر زمانے میں چاندی کی قیمت معلوم کر کے روپے کا تعین کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ..... مہر کی کم سے کم مقدار کیا ہونی چاہیے؟

(۱) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَتْهُ امْرَاَةٌ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ وَهَبْتُ نَفْسِيْ لَكَ فَقَامَتْ طَوِيْلًا فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ زَوِّجْنِيْهَا اِنْ لَمْ تَكُنْ لَكَ فِيْهَا حَاجَةٌ فَقَالَ هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ تُصْدِقُهَا قَالَ مَا عِنْدِيْ اِلَّا اِزَارِيْ هٰذَا قَالَ فَالْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيْدٍ فَالْتَمَسَ فَلَمْ يَجِدْ شَيْئًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ شَيْءٌ قَالَ نَعَمْ سُوْرَةُ كَذَا وَسُوْرَةُ كَذَا فَقَالَ قَدْ زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ انْطَلِقْ فَقَدْ زَوَّجْتُكَهَا فَعَلِّمْهَا مِنَ الْقُرْاٰنِ. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی کہنے لگی کہ میں نے اپنے نفس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کیا کافی دیر کھڑی رہی ایک آدمی کھڑا ہوا کہنے لگا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کو حاجت نہیں تو میرا اس سے نکاح کر دیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے پاس اس کے مہر کے لیے کوئی چیز ہے کہنے لگا نہیں مگر یہ

میری چادر فرمایا تلاش کر اگر چہ لوہے کی انگوٹھی ہو اس نے تلاش کیا کچھ نہ پایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تیرے پاس ہے قرآن سے کچھ اس نے کہا ہاں فلاں فلاں سورت فرمایا میں نے تیرا اس سے نکاح کیا اس چیز سے جو تیرے پاس قرآن سے ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے فرمایا جا میں نے تیرا اس سے نکاح کیا اس کو قرآن سکھا دے۔ (متفق علیہ) لا صداق اقل من عشرة دراهم۔

تشریح: مقدار مہر کتنی ہونا چاہیے اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔

مقدار مہر میں فقہاء کا اختلاف:۔ اس بات پر سارے فقہاء متفق ہیں کہ مہر کی جانب اکثر میں کوئی حد مقرر نہیں بلکہ قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ نے ''قنطارا'' کا ذکر فرمایا ہے اگر چہ مستحب یہ ہے کہ مہر میں غلو نہ ہو اور وہ اتنا زیادہ نہ ہو کہ لوگ نکاح کرنے کے قابل ہی نہ رہیں اور مہر تلے دب کر رہ جائیں البتہ مہر کی جانب اقل میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ کے ہاں کم از کم مہر ربع دینار ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اقل مہر کی بھی کوئی حد مقرر نہیں ہے بلکہ زوجین جس پر راضی ہو گئے وہی درست ہے ان کے نزدیک نکاح بیع وشراء کی طرح مالی معاملہ ہے مال ہونا چاہیے کم ہو یا زیادہ میاں بیوی راضی ہو یا کریگا قاضی۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اقل مہر دس دراہم ہے اس سے کم جائز نہیں یہ آخری حد ہے۔

دلائل:۔ امام مالک کی دلیل حدیث المجن ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ''ثمن المجن'' پر نکاح ہوا ہے اور ڈھال کی قیمت ربع دینار ہوتی تھی۔ امام مالکؒ کا استدلال حد سرقہ اور قطع ید سے بھی ہے فرماتے ہیں کہ ہاتھ ربع دینار کے بدلے چوری میں کاٹا جاتا ہے تو ایک عضو کی قیمت ربع دینار ہے یہاں نکاح میں ملک بضعہ بھی ایک عضو ہے اس کا بدلہ بھی ربع دینار ہونا چاہیے۔

امام شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ کے دلائل وہ اکثر احادیث ہیں جن میں شئی قلیل من المال کا ذکر ہے جیسے بخاری کی ایک روایت ہے ''ولو خاتما من حديد'' ایک روایت میں ''ستو'' کا ذکر آیا ہے ایک میں ''چھوہارے'' کا ذکر ہے ایک میں ''نعلین'' کا ذکر ہے لہٰذا مہر کی کوئی حد نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے قرآن عظیم کی آیت **قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ** سے استدلال کیا ہے طرز استدلال اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مفروض ومقرر فرمایا ہے اس کی کوئی معتد بہ معین مقدار ہونی چاہیے اسی طرح آیت **ان تبتغوا باموالكم** بھی ایک معین ومقرر مقدار کا تقاضا کرتی ہے یہ مقدار ضرور معلوم ہونی چاہیے تو اس مجمل آیت کی تفصیل کیلئے حضرت ابن مسعودؓ کی وہ حدیث آگئی جو دارقطنی اور بیہقی نے نقل کی ہے ''**لا مهر دون عشرة دراهم**'' انہیں دو کتابوں میں حضرت علیؓ کی وہ موقوف روایت بھی ہے ''**ولا يكون المهر اقل من عشرة دراهم**'' ان روایات میں اگر چہ انفرادی طور پر ضعف ہے لیکن کثرت طرق کی وجہ سے درجہ حسن سے کم نہیں ہیں۔ ابن ابی حاتم نے حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے ''**قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا مهر اقل من عشرة**'' اس روایت کو ابن حجرؒ نے حسن کہا ہے۔

الجواب:۔ امام مالکؒ کا مستدل ہمارے خلاف نہیں ہے کیونکہ ابتدائی دور میں ربع دینار یا ثمن مجن یہ چیزیں دس درہم کے برابر تھیں اور قطع ید کے مسئلہ کو تو ہم بھی اپنی عقلی دلیل میں پیش کرتے ہیں کیونکہ وہاں دس دراہم کا ذکر وہی ربع دینار ہے۔ امام شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ کی مستدلات کا جواب یہ ہے کہ جن احادیث میں قلیل اشیاء کا مہر میں دینے کا ذکر آیا ہے اس سے مہر معجل مراد ہے عرب کی عادت تھی کہ پہلی ملاقات میں بیوی کو کچھ نہ کچھ بطور تحفہ دیا کرتے تھے جو مہر کے علاوہ منہ دکھائی کا تحفہ ہوتا تھا یا مہر کا کچھ حصہ ہوتا تھا جس طرح حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کو ایک زرہ دی تھی حالانکہ مہر الگ مقرر رکھا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ اس وقت کی بات تھی جب مہر کی حد مقرر نہیں ہوئی تھی یہی وجہ ہے کہ احادیث میں تعلیم قرآن کو مہر میں شمار کیا گیا ہے حالانکہ وہ مال نہیں ہے۔ زوجتكها بما معك من القرآن: حدیث کے اس لفظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم قرآن کو مہر مقرر کیا گیا ہے امام شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ نے اس کو جائز مانا ہے لیکن امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس طرح کرنے سے مہر شغل لازم آئے گا۔

البتہ ابتداء اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن عظیم کو ہر شعبہ زندگی میں عام کرنا چاہتے تھے اس لئے کبھی کسی محلہ میں اس شخص کو امام مقرر فرمایا جو زیادہ قرآن کا حافظ ہوتا خواہ چھوٹا بچہ کیوں نہ ہو جہاد پر بھیجنے والی جماعت کا امیر بھی اسی کو مقرر فرمایا جو زیادہ حافظ ہوتا۔ اسی طرح اجتماعی قبر میں قبلہ کی طرف آگے اس کو رکھا جو زیادہ حافظ ہوتا قرآن عظیم کی وجہ سے مہر کے بغیر ان کا نکاح کیا جن کے پاس بالکل مال نہ ہوتا گویا یہ مہر مقرر

کرنے کا ضابطہ نہیں تھا بلکہ قرآن کو عام کرنے کا ایک اعزاز تھا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نکاح کیلئے مہر کا ہونا ضروری ہے بغیر مہر کے کسی کا نکاح جائز نہیں صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جائز تھا۔ خالصة لک من دون المؤمنین ہاں اگر مہر کا انکار نہ ہو اور بوقت نکاح تذکرہ بھی نہ ہو تو نکاح صحیح ہو جائیگا اور مہر مثل دیا جائیگا۔ مہر مثل باپ کے خاندان کی لڑکیوں کی مہر کی مانند ہوتا ہے اس حدیث سے اشارہ کے طور پر یہ بھی معلوم ہوا کہ تعلیم قرآن اس شخص کے لئے بدرجہ مجبوری مہر بن سکتا ہے جس کے پاس پوری مالیت میں ایک لوہے کی انگوٹھی بھی نہ ہو ایسا شخص دنیا میں کون ہو سکتا ہے تو یہ ایک نادر صورت تھی "والنادر کالمعدوم" نیز سنن سعید بن منصور میں ایک حدیث اس طرح بھی ہے

"عن ابی النعمان الازدی قال زوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امراۃ علی سورۃ من القرآن ثم قال لا یکون لا حد بعدک مهرا" (مشکوٰۃ المجتبیٰ ج ۲ ص ۳۳۵)

ابوداؤد شریف میں بروایۃ مکحول یہ منقول ہے "انه کان یقول لیس ذالک لا حد بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ معلوم ہوا یہ خصوصیت پیغمبری تھی۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بغیر مہر کے لفظ ہبہ کے ذریعہ نکاح کا جواز صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تھا یہ کسی اور کیلئے جائز نہیں ہے جبکہ حنفی مسلک یہ ہے کہ لفظ ہبہ کے ذریعہ نکاح کرنا تو سب کیلئے جائز ہے مگر اس صورت میں مہر کا واجب نہ ہونا صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تھا لہٰذا اگر کوئی عورت اپنے آپ کو کسی شخص کیلئے ہبہ کرے اور وہ شخص اس ہبہ کو قبول کر لے تو اس ہبہ کے ذریعہ دونوں کے درمیان نکاح صحیح ہو جائے گا اور اس شخص پر مہر مثل واجب ہوگا۔ اگرچہ وہ عورت مہر کا کوئی ذکر نہ کرے یا مہر کی نفی ہی کیوں نہ کر دے۔ لہٰذا حنفی مسلک کے مطابق مذکورہ بالا آیت کے الفاظ خالصة لک الخ کے معنی ہیں کہ اپنے آپ کو ہبہ کر دینے والی عورت کا مہر واجب ہوئے بغیر حلال ہونا صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہے۔

ولو خاتما من حدید (اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو) سے معلوم ہوا کہ از قسم مال کسی بھی چیز کا مہر باندھنا جائز ہے خواہ وہ چیز کتنی ہی کم تر کیوں نہ ہو بشرطیکہ مرد و عورت دونوں اس پر راضی ہوں۔ نیز حنفی مسلک کی تائید دار قطنی اور بیہقی میں منقول حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ لا صداق اقل من عشرۃ دراهم حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دس درہم سے کم کا مہر معتبر نہیں۔

حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو حنفیہ نے مہر معجل پر محمول کیا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مقررہ مہر میں سے کچھ حصہ علی الفور یعنی جماع کرنے سے پہلے دے دیتے تھے اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی رضی اللہ عنہ کو بھی یہ حکم فرمایا کہ اگر تمہیں کوئی بھی چیز خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو مل جائے تو لے آؤ تا کہ نکاح کے بعد اس عورت کو مہر کے طور پر کچھ تو دے سکو۔ اسی بناء پر بعض علماء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ نکاح کے بعد اپنی بیوی سے اس وقت تک جماع نہ کیا جائے جب تک اس کے مہر میں سے کچھ نہ کچھ اسے دے دیا جائے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حضرت زہری رحمہ اللہ اور حضرت قتادہ کا یہی مسلک تھا ان کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس وقت تک جانے سے ممانعت کر دی جب تک کہ وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کے مہر میں سے کچھ نہ دے دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس وقت تو میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم فاطمہ کو اپنی زرہ دے دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زرہ دے دی اور اس کے بعد ان کے پاس گئے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مہر چار سو مثقال چاندی کا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس مقررہ مہر سے ایک زرہ کی بقدر دینے کا حکم دیا تھا۔ لہٰذا ان حضرات کے نزدیک مقررہ مہر میں سے علی الفور (یعنی جماع سے قبل) کچھ دے دینا واجب ہے جبکہ حنفیہ کے ہاں یہ مستحب ہے واجب نہیں ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم قرآن کو مہر قرار دیا۔ چنانچہ بعض آئمہ نے اسے جائز رکھا ہے جبکہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں (یعنی تعلیم قرآن کو مہر قرار دے کر نکاح کر لینے کی صورت میں) نکاح تو صحیح ہو جاتا ہے مگر خاوند پر مہر مثل واجب ہوتا ہے اور جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے تو ارشاد گرامی بما معک الخ میں حرف با بدل کیلئے نہیں

ہے بلکہ سببیت کے اظہار کیلئے ہے یعنی اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ قرآن میں سے جو کچھ تمہیں یاد ہے اس کے سبب میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کردیا۔ گویا تمہیں قرآن کا یاد ہونا اس عورت کے ساتھ ہوا تھا تو قبولیت اسلام ان کے نکاح کا سبب تھا اسے مہر قرار نہیں دیا گیا تھا۔ تم اس کو قرآن کی تعلیم دیا کرو۔ یہ حکم بطور وجوب نہیں تھا بلکہ بطریق استحباب تھا لہٰذا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم قرآن کو مہر قرار دیا تھا۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مہر کی مقدار

(۳) وَعَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ كَمْ كَانَ صَدَاقُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ صَدَاقُهُ لِاَزْوَاجِهِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ اُوْقِيَّةً وَ نَشٌّ قَالَتْ اَتَدْرِيْ مَا النَّشُّ قُلْتُ لَا قَالَتْ نِصْفُ اُوْقِيَّةٍ فَتِلْكَ خَمْسُمِائَةِ دِرْهَمٍ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَ نَشٌّ بِالرَّفْعِ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَ فِيْ جَمِيْعِ الْاُصُوْلِ.

ترجمہ: حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر کتنا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آپ کا اپنی بیویوں کے لیے مہر مقرر کرنا بارہ اوقیہ اور ایک نش تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کیا تجھے نش کا پتہ ہے میں نے کہا نہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا آدھا اوقیہ پس یہ پانچ سو درہم ہوئے روایت کیا اس کو مسلم نے اور لفظ نش دو پیشوں کے ساتھ ہے۔ شرح السنہ میں اور اصول کی کتابوں میں۔

تشریح: پانچ سو درہم کے موجودہ وزن اور موجودہ حیثیت کی تفصیل ابتداء باب میں بیان کی جاچکی ہے اس حدیث سے شوافع یہ استدلال کرتے ہیں کہ پانچ سو درہم کا مہر باندھنا مستحب ہے۔

یہاں ایک خلجان پیدا ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی مقدار پانچ سو درہم بتائی حالانکہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر چار ہزار درہم یا چار سو دینار تھا اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ تھیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مہر کی مقدار بتائی ہے۔ جن کا مہر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا تھا جبکہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے باندھا تھا۔

بھاری مہر کی ممانعت

(۴) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ اَلَا لَا تُغَالُوْا صَدُقَةَ النِّسَاءِ فَاِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَكْرُمَةً فِي الدُّنْيَا وَ تَقْوٰى عِنْدَ اللّٰهِ لَكَانَ اَوْلَاكُمْ بِهَا نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَلِمْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَكَحَ شَيْئًا مِنْ نِسَائِهِ وَ لَا اَنْكَحَ شَيْئًا مِنْ بَنَاتِهِ عَلٰى اَكْثَرَ مِنْ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اُوْقِيَّةً. (رواه احمد و الترمذی و ابوداؤد والنسائی و ابن ماجة و الدارمی)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا کہ عورتوں کے حق مہر میں مبالغہ نہ کرو اگر زیادہ حق مہر باندھنا دنیا میں عزت والی چیز ہوتی اور اللہ کے نزدیک تقویٰ والی تو اللہ کے نبی زیادہ لائق تھے کہ زیادہ حق مہر مقرر کرتے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں جانتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں سے نکاح کیا اور نیز اپنی بیٹیوں کا نکاح کیا بارہ اوقیوں سے زیادہ پر۔ روایت کیا اس کو احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی نے۔

تشریح: تقویٰ سے مراد زیادہ تقویٰ ہے اور آیت کریمہ۔

ان اکرمکم عند الله اتقکم یعنی اللہ کے نزدیک تم میں سب سے بڑے مرتبہ والا وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کے نزدیک امتیاز عطا کرنے والی بزرگی وفضیلت کا مستحق بناتا ہے حاصل یہ کہ بھاری مہر باندھنے سے نہ صرف یہ کہ دنیا میں کوئی عظمت و بزرگی

حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کی وجہ سے آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک امتیازی بزرگی وفضیلت کا درجہ حاصل نہیں ہوگا اور جب اس کی وجہ سے نہ دنیا کا کوئی فائدہ ہے اور نہ دین کا کوئی نفع تو پھر اس لا حاصل چیز کو کیوں اختیار کیا جائے! ازواج مطہرات کے مہر کے سلسلہ میں تین روایتیں ہیں جو بظاہر متضاد معلوم ہوتی ہیں ایک تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے دوسری روایت یہ ہے جس میں بارہ اوقیہ یعنی چار سو اسی درہم کی مقدار ذکر کی گئی ہے اور ایک روایت آگے آئے گی جس میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے مہر کی مقدار چار ہزار درہم ذکر ہوگی ان تینوں روایتوں میں سے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے مہر والی روایت کو مستثنیٰ سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ ان کا مہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر نہیں کیا تھا بلکہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے باندھا تھا اور نجاشی بادشاہ نے بھی اتنا زیادہ مہر محض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم کے پیش نظر باندھا تھا۔

اب رہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایتیں تو دونوں کے درمیان بھی درحقیقت کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مہر کی اصل مقدار کی وضاحت کرتے ہوئے اوقیہ کے ساتھ کسر یعنی آدھے اوقیہ کا بھی ذکر کیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف اوقیہ کا ذکر کیا کسر کو چھوڑ دیا اس کے علاوہ یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارہ اوقیہ سے زیادہ کی نفی اپنے علم کے مطابق کی ہے۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو صرف بارہ اوقیہ ہی کا علم ہوگا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو ایک نش (آدھا اوقیہ) زیادہ ذکر کیا ہے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم میں نہیں آیا ہوگا۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں صرف اولیٰ اور افضل کو بیان کیا ہے یعنی ان کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ زیادہ بہتر اور افضل واولیٰ یہ ہے کہ مہر کم ہی باندھا جائے جس کی مسنون مقدار بارہ اوقیہ ہے ورنہ تو جہاں تک جواز کا تعلق ہے یہ بتایا ہی جا چکا ہے کہ اس سے زیادہ مہر باندھنا بھی جائز ہے۔

مہر میں کچھ حصہ فی الفور دے دینا بہتر ہے

(۴) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَعْطٰى فِيْ صَدَاقِ امْرَأَتِهٖ مِلْءَ كَفَّيْهِ سَوِيْقًا اَوْتَمْرًا فَقَدِ اسْتَحَلَّ (ابوداود)

ترجمہ: حضرت جابر سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنی بیوی کے حق مہر میں اپنے دونوں ہاتھ بھر کر ستو یا کھجور دیدیئے تو اس نے اس عورت کو اپنے اوپر حلال کر لیا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

(۵) وَعَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ اَنَّ امْرَأَةً مِنْ بَنِيْ فَزَارَةَ تَزَوَّجَتْ عَلٰى نَعْلَيْنِ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَضِيْتِ مِنْ نَفْسِكِ وَ مَالِكِ بِنَعْلَيْنِ قَالَتْ نَعَمْ فَاَجَازَهٗ. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت عامر بن ربیعہ سے روایت ہے بنوفزارہ کی ایک عورت نے دو جوتوں پر نکاح کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا کیا اپنے نفس کے بدلے دو جوتوں کے مال سے تو راضی ہوگئی ہے اس نے کہا ہاں۔ تو جائز رکھا۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے)

تشریح: رفع تعارض کے پیش نظر اس حدیث کو بھی مہر معجل پر محمول کیا جائے گا لیکن اس کی یہ توجیہ زیادہ مناسب ہے کہ جب اس عورت نے ایک جوڑا جوتی کے عوض نکاح کیا تو اس کا نکاح صحیح ہو گیا اور اسے اپنے مہر مثل کے مطالبہ کا حق حاصل ہو گیا جب وہ ایک جوڑا جوتی پر راضی ہوگئی تو گویا وہ اپنے مہر مثل میں سے ایک جوڑا جوتی سے زیادہ کے حق سے دست بردار ہوگئی۔ لہٰذا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جائز رکھا اور چونکہ اس صورت میں اس کے جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اس لئے یہ حدیث حضرت امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کے مسلک کی دلیل نہیں ہوسکتی اور ویسے بھی یہ حدیث ضعیف ہے۔

مہر مثل واجب ہونے کی ایک صورت

(۶) وَعَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا شَيْئًا وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا حَتّٰى مَاتَ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ لَهَا مِثْلُ صَدَاقِ نِسَائِهَا لَا وَكْسَ وَلَا شَطَطَ وَ عَلَيْهَا الْعِدَّةُ وَلَهَا الْمِيْرَاثُ فَقَامَ مَعْقِلُ بْنُ سِنَانٍ الْاَشْجَعِيُّ فَقَالَ

... صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بِرْوَعَ بِنْتِ وَاشِقٍ امْرَأَةٍ مِنَّا بِمِثْلِ مَاقَضَيْتَ فَفَرِحَ بِهَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ (الترمذی)

... حضرت علقمہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے ایک شخص کے بارہ میں سوال کیا گیا کہ اس نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کے لیے نہ تو مہر مقرر کیا اور نہ ہی اس سے دخول کیا وہ مر گیا۔ ابن مسعود نے کہا اس کے لیے مہر مثل ہے یعنی اس کی عورتوں کی مانند اس سے نہ کم اور نہ زیادہ اس پر عدت ہے اور اس کے لیے میراث بھی ہے۔ معقل بن سنان اشجعی کھڑا ہوا کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا بروع بنت واشق کے بارہ میں جو عورت تھی ہم میں سے تیرے فیصلہ کی مانند ابن مسعود خوش ہوئے۔ (ترمذی)

تشریح: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے علم وفضل ذہانت وذکاوت اور دینی فہم وفراست کی دولت بڑی فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی تھی کبھی کبھی الجھے ہوئے مسئلے کو اپنی بے پناہ قوت اجتہاد کے ذریعہ اس طرح حل فرما دیتے تھے کہ وہ قرآن وحدیث کے بالکل مطابق ہوتا تھا چنانچہ اس موقع پر بھی جب یہ مسئلہ آپ سے پوچھا گیا تو وہ اس پر ایک ماہ تک قرآن وسنت کی روشنی میں غور وفکر کرتے رہے پھر جب انہوں نے اپنی قوت اجتہاد سے اس کا شرعی فیصلہ سنایا تو ایک صحابی حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے علی الاعلان یہ شہادت دی تھی کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے عین مطابق ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی قسم کے ایک معاملہ میں ایسا ہی فیصلہ صادر فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی اس بات پر بہت زیادہ خوشی کا اظہار فرمایا کہ حق تعالیٰ نے میری رہبری فرمائی اور میرا یہ فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ہوا۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور صحابہ کی ایک جماعت کا یہ مسلک تھا کہ اس صورت میں عورت عدم دخول کی وجہ سے مہر کی حقدار نہیں ہوتی ہاں اس پر عدت واجب ہوتی ہے اور اسے شوہر کی میراث بھی ملتی ہے اس بارہ میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں ایک تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موافق ہے اور دوسرا قول حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور حضرت امام احمد رحمہ اللہ کا مسلک وہی ہے جو حضرت ابن مسعود نے بیان کیا ہے۔ مہر مثل کسے کہتے ہیں۔ مہر مثل عورت کے اس مہر کو کہتے ہیں جو اس کے باپ کے خاندان کی ان عورتوں کا ہو جو ان باتوں میں اس کے مثل ہوں عمر، جمال، مال، زمانہ، عقل، دینداری، بکارت وثیوبت، علم وادب اور اخلاق وعادات۔

الفصل الثالث....ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح

(۷) عَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ اَنَّهَا كَانَتْ تَحْتَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَحْشٍ فَمَاتَ بِاَرْضِ الْحَبَشَةِ فَزَوَّجَهَا النَّجَاشِيُّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمْهَرَهَا عَنْهُ اَرْبَعَةَ اٰلَافٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَرْبَعَةَ اٰلَافِ دِرْهَمٍ وَبَعَثَ بِهَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ شُرَحْبِيْلَ ابْنِ حَسَنَةَ. (رواہ ابوداؤد والنسائی)

ترجمہ: حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھی۔ وہ حبشہ میں فوت ہو گیا تو نجاشی نے اس کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا اور اس کا مہر حضرت کی طرف سے نجاشی نے چار ہزار دیا ایک روایت میں ہے چار ہزار درہم اور شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیا۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے)

تشریح: حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر کا نام مشکوٰۃ کے تمام نسخوں میں عبداللہ ابن جحش ہی لکھا ہوا ہے حالانکہ یہ غلط نام ہے صحیح نام عبیداللہ ابن جحش (تصغیر کے صیغہ کے ساتھ) ہے چنانچہ سنن ابوداؤد اور اصول وغیرہ میں اسی طرح لکھا ہوا ہے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا اصل نام رملہ تھا۔ یہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ پہلے ان کی شادی عبیداللہ ابن جحش کے ساتھ ہوئی تھی۔ عبیداللہ نے اسلام قبول کر لیا تھا اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے پھر وہاں پہنچ کر مرتد ہو گئے۔ یعنی اسلام ترک کر کے عیسائی ہو گئے اور وہیں مر گئے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اسلام پر ثابت قدم رہیں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو ابن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو حبشہ کے بادشاہ اصحمہ جن کا لقب نجاشی تھا کے پاس یہ حکم دے کر بھیجا کہ وہ ام حبیبہ

رضی اللہ عنہا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا پیغام دیں چنانچہ نجاشی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم آپ کی اپنی ایک لونڈی ابرہہ کے ذریعہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا ابرہہ نے ان سے کہا کہ مجھے بادشاہ نے آپ کے پاس بھیجا ہے اور کہا ہے کہ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ملا ہے کہ آپ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح کردوں۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے یہ پیغام بطیب خاطر قبول کیا اور فوراً ایک آدمی کو حضرت خالد ابن سعید رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج کر ان کو اپنا وکیل مقرر کیا جو ان کے والد کے چچازاد بھائی تھے اور ساتھ ہی ابرہہ کو یہ خوشخبری سنانے کے عوض دو کپڑے اور چاندی کی ایک انگوٹھی عطا کی پھر جب شام ہوئی تو نجاشی نے حضرت جعفر ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو اور ان تمام مسلمانوں کو جو اس وقت حبشہ میں موجود تھے جمع ہونے کا حکم دیا جب سب لوگ جمع ہو گئے تو نجاشی نے یہ خطبہ پڑھا۔

الحمد لله الملک القدوس السلام المومن المهيمن العزيز الجبار اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله ارسله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون

پھر یہ الفاظ کہے بعد ازاں میں نے اس چیز کو قبول کیا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور میں نے چار سو دینار مہر مقرر کیا۔ اس کے بعد انہوں نے وہ چار سو دینار لوگوں کے سامنے پیش کر دیئے اس کے بعد حضرت خالد ابن سعید رضی اللہ عنہ نے یہ خطبہ پڑھا۔

الحمدلله الملک القدوس السلام المومن المهيمن العزيز الجبار اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله ارسله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون

پھر یہ الفاظ کہے بعد ازاں میں نے اس چیز کو قبول کیا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور میں نے ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح کر دیا۔ اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نکاح مبارک کرے۔ اس ایجاب وقبول کے بعد مہر کے وہ چار سو دینار حضرت خالد ابن سعید رضی اللہ عنہ کو دے دیئے گئے جنہیں انہوں نے رکھ لیا پھر جب لوگوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو نجاشی نے کہا کہ ابھی آپ لوگ بیٹھے رہیں کیونکہ نکاح کے وقت کھانا کھلانا انبیاء کی سنت ہے چنانچہ انہوں نے کھانا منگوایا اور سب لوگ کھانا کھا کر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ یہ سن ۷ھ کا واقعہ ہے اس وقت حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد ابو سفیان مشرک تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمن تھے پھر بعد میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

قبولیت اسلام مہر کا قائم مقام

(۸) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ تَزَوَّجَ اَبُوطَلْحَةَ اُمَّ سُلَيْمٍ فَكَانَ صَدَاقُ مَابَيْنَهُمَا الْاِسْلَامُ اَسْلَمَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ قَبْلَ اَبِيْ طَلْحَةَ فَخَطَبَهَا فَقَالَتْ اِنِّيْ قَدْ اَسْلَمْتُ فَاِنْ اَسْلَمْتَ نَكَحْتُكَ فَاَسْلَمَ فَكَانَ صَدَاقُ مَابَيْنَهُمَا. (رواہ نسائی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ابو طلحہ نے ام سلیم سے نکاح کیا ان کا مہر اسلام لانا تھا۔ ام سلیم ابو طلحہ سے پہلے مسلمان ہوئی تھی۔ ابو طلحہ نے نکاح کا پیغام بھیجا ام سلیم نے کہا میں مسلمان ہوئی ہوں اگر تو مسلمان ہو گا تو نکاح کروں گی۔ ابو طلحہ مسلمان ہو گیا۔ ابو طلحہ کا اسلام لانا ہی مہر مقرر ہوا۔ (روایت کیا اس کو نسائی نے)

تشریح: حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا ملحان کی بیٹی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک کی ماں ہیں پہلے ان کی شادی مالک ابن نضر کے ساتھ ہوئی تھی جس سے حضرت انس رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے مالک کو قبولیت اسلام کی توفیق نصیب نہیں ہوئی اور وہ حالت شرک میں مارا گیا پھر ام سلیم نے اسلام قبول کر لیا اور ابو طلحہ نے جو اس وقت تک مشرک تھے ان کو اپنے نکاح کا پیغام دیا۔ ام سلیم سے ان کا نکاح ہو گیا۔

لہٰذا حدیث کے الفاظ ''اور اسلام قبول کر لینا ہی مہر قرار پایا'' کی وضاحت حنفیہ کے مسلک کے مطابق یہ ہے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ساتھ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا نکاح تو مہر کے ساتھ ہی ہوا لیکن ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اپنے وعدہ کے مطابق ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی وجہ سے اپنا

مہر بخش دیا گیا۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا ان کے آپس کے نکاح کا سبب ہوا نہ یہ کہ قبولیت اسلام ان کا مہر تھا ہاں دوسرے آئمہ اس حدیث کو ظاہری معنی پر محمول کرتے ہوئے یہی کہتے ہیں کہ ابوطلحہ کا اسلام قبول کرنا ہی ان کا مہر تھا۔

بَابُ الْوَلِيْمَةِ...... ولیمہ کا بیان

ولیمہ کی شرعی حیثیت اور اس کا وقت:۔ اکثر علماء کے قول کے مطابق "ولیمہ" مسنون ہے جبکہ بعض علماء اسے مستحب کہتے ہیں اور بعض حضرات کے نزدیک یہ واجب ہے اسی طرح "ولیمہ" کے وقت کے بارہ میں بھی اختلافی اقوال ہیں۔ بعض علماء تو یہ فرماتے ہیں کہ ولیمہ کا اصل وقت دخول (یعنی شب زفاف) کے بعد ہے بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ ولیمہ عقد نکاح کے وقت کھلانا چاہئے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ عقد نکاح کے وقت بھی کھلانا چاہئے اور دخول کے بعد بھی۔ دو دن سے زیادہ وقت تک ولیمہ کھلانے کے بارہ میں بھی علماء کے مختلف قول ہیں۔ ایک طبقہ تو اسے مکروہ کہتا ہے یعنی علماء کے اس طبقہ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ دو دن تک کھلایا جا سکتا ہے اس سے زیادہ وقت تک کھلانا مکروہ ہے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں ایک ہفتہ تک کھلانا مستحب ہے لیکن اس سلسلہ میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس کا انحصار خاوند کی حیثیت واستطاعت پر ہے اگر وہ صرف ایک ہی وقت پر اکتفا کرے اور اگر کئی دن اور کئی وقت تک کھلانے کی استطاعت رکھتا ہے تو کئی دن اور کئی وقت تک کھلا سکتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ..... ولیمہ کرنے کا حکم

(۱) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى عَلٰى عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَثَرَ صُفْرَةٍ فَقَالَ مَا هٰذَا قَالَ اِنِّيْ تَزَوَّجْتُ امْرَاَةً عَلٰى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ. (متفق عليه)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوف پر زردی کا نشان دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیا ہے عبدالرحمٰن نے کہا میں نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کا مہر گٹھلی کے برابر سونا مقرر کیا ہے۔ فرمایا اللہ برکت کرے ولیمہ کر اگر چہ ایک بکری ہو۔ (متفق علیہ)

تشریح: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے کپڑوں پر یا ان کے بدن پر زعفران کا نشان دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "یہ کیا ہے؟" کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زعفران کے لگنے کا سبب دریافت فرمایا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ مردوں کو خلوق استعمال کرنے سے منع کرتے تھے (خلوق ایک خوشبو کا نام ہے جو زعفران وغیرہ سے بنتی ہے) اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کے ذریعہ ان کو تنبیہ فرمائی کہ جب مردوں کیلئے یہ ممنوع ہے تو تم نے کیوں لگائی؟ چنانچہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے قصداً نہیں لگائی ہے بلکہ دلہن سے اختلاط کی وجہ سے بغیر میرے قصد اور بغیر علم کے لگ گئی ہے۔

قاضی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جس طرح "نش" بیس درہم اور اوقیہ چالیس درہم کے برابر وزن کو کہتے ہیں اسی طرح "نواۃ" پانچ درہم کے برابر وزن کا نام ہے۔ لہٰذا ایک نواۃ سونے کے عوض کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اس عورت کا مہر پانچ درہم کے برابر یعنی پونے سولہ ماشہ سونا مقرر کیا ہے۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ "نواۃ" سے نواۃ تمر یعنی کھجور کی گٹھلی مراد ہے اور بظاہر یہی مراد زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اس صورت میں حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے کھجور کی گٹھلی کے بقدر سونے کا مہر باندھا ہے۔

"تم ولیمہ کرنا اگر چہ وہ ایک بکری کا ہو" اس طرح کی عبارت تقلیل "کم سے کم مقدار بیان کرنے" کیلئے بھی استعمال ہوتی ہے اور یہاں تکثیر مراد ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ بیان کرنا تھا کہ اگر چہ زیادہ خرچ ہو تب بھی ولیمہ کر دو اور "تکثیر" مراد لینے کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں بکری کو ایک قلیل ترین مقدار کے اظہار کیلئے ذکر کرنا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے کیونکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی مالی اور اقتصادی

حالت بہت کمزور تھی لوگ ستو اور اسی قسم کی دوسری کم تر چیزوں کے ذریعہ ولیمہ کی سنت پوری کیا کرتے تھے۔ پھر یہ کہ خود حضرت عبدالرحمن ابن عوف کی مالی حیثیت اس وقت اتنی زیادہ نہیں تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے بکری جیسی چیز کو کم سے کم مقدار کی صورت میں بیان کرتے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح میں سب سے بڑا ولیمہ

(۲) وَعَنْهُ قَالَ مَا اَوْلَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَحَدٍ مِنْ نِسَائِهِ مَا اَوْلَمَ عَلٰى زَيْنَبَ اَوْلَمَ بِشَاةٍ (متفق علیه)

ترجمہ: اسی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں میں سے کسی کا ولیمہ اتنا نہیں کیا جتنا کہ زینب کے نکاح میں کیا۔ ان کا ایک بکری کے ساتھ ولیمہ کیا۔ (متفق علیہ)

(۳) وَعَنْهُ قَالَ اَوْلَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ بَنٰى بِزَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَاَشْبَعَ النَّاسَ خُبْزًا وَلَحْمًا (رواہ البخاری)

ترجمہ: اسی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ کیا جس وقت زینب بنت جحش سے نکاح کیا لوگوں کا پیٹ گوشت اور روٹی سے بھر دیا۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

عورت کی آزادی کو اس کا مہر قرار دیا جاسکتا ہے

(۴) وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْتَقَ صَفِيَّةَ وَتَزَوَّجَهَا وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا وَاَوْلَمَ عَلَيْهَا بِحَيْسٍ (متفق علیه)

ترجمہ: اسی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ کو آزاد کیا اور ان سے نکاح کیا ان کا مہر آزاد کرنا مقرر کیا ان کے نکاح میں حیس کے ساتھ ولیمہ کیا۔ (متفق علیہ)

تشریح: حضرت صفیہ حیی ابن اخطب رضی اللہ عنہا کی بیٹی تھیں جو خیبر میں آباد قبیلہ بنو قریظہ و بنو نضیر کے سردار تھے جب خیبر کے یہودیوں سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح عطا کی تو صفیہ رضی اللہ عنہا بھی ہاتھ لگیں اور بطور لونڈی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں آئیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزادی کے خلعت سے نوازا اور پھر اپنی زوجیت میں لے کر انہیں دین و دنیا کی سب سے بڑی سعادت سے سرفراز کیا۔

اس مسئلہ میں اہل علم کے اختلافی اقوال ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی لونڈی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے اور اس کی آزادی ہی کو اس کا مہر قرار دے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت اور بعض علماء اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے پیش نظر اس کے جواز کے قائل ہیں جبکہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور علماء کی ایک جماعت نے اسے جائز نہیں کہا ہے اور حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے ان کی طرف سے اس حدیث کی یہ تاویل کی جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا جانا ایک استثنائی صورت ہے جو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ مختص ہے۔ لہٰذا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے تھا اور کسی کو جائز نہیں ہے۔

شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی لونڈی کو آزاد کرے اور اس کی آزادی کو مہر قرار دے بایں طور کہ اس سے یہ کہے کہ میں نے تجھ کو اس شرط پر آزاد کیا کہ تو مجھ سے آزادی کے عوض نکاح کر لے اور پھر اس لونڈی نے اسے قبول کر لیا تو یہ آزاد کرنا صحیح ہو جائے گا یعنی وہ آزاد ہو جائے گی۔ البتہ نکاح کے معاملہ میں وہ خود مختار ہوگی یہاں تک کہ اگر اس نے اس شخص سے نکاح کر لیا تو اس کیلئے اس کا مہر مثل واجب ہوگا۔ "حیس" ایک کھانے کا نام ہے جو حلوے کی قسم کا ہوتا ہے اور کھجور گھی اور اقط سے بنتا ہے۔ "اقط" کہ جس کا دوسرا نام "قروط" ہے پنیر کی طرح ہوتا ہے اور دہی سے بنایا جاتا ہے

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ولیمہ کا ذکر

(۵) وَعَنْهُ قَالَ اَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ خَيْبَرَ وَالْمَدِيْنَةِ ثَلَاثَ لَيَالٍ يُبْنٰى عَلَيْهِ بِصَفِيَّةَ فَدَعَوْتُ الْمُسْلِمِيْنَ اِلٰى وَلِيْمَتِهٖ

وَمَا كَانَ فِيهَا مِنْ خُبْزٍ وَلَا لَحْمٍ وَمَا كَانَ فِيهَا إِلَّا أَنْ أَمَرَ بِالْأَنْطَاعِ فَبُسِطَتْ فَأَلْقَى عَلَيْهَا التَّمْرَ وَالْأَقِطَ وَالسَّمْنَ (رواہ البخاری)

ترجمہ: اسی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خیبر اور مدینہ کے درمیان ٹھہرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صفیہ لائی گئی میں نے مسلمانوں کو ان کے ولیمہ کی طرف بلایا اس میں روٹی اور گوشت نہیں تھا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چمڑے کے دستر خوان بچھانے کا حکم فرمایا دستر خوان بچھائے گئے۔ اس پر کھجوریں پنیر اور گھی ڈال دیا گیا۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

تشریح: التمر والاقط والسمن: اس سے پہلے حدیث میں لفظ " حیس " آیا تھا یہ اس کی تفسیر ہے کہ کھجور و پنیر اور گھی کا حریرہ اور حلوا نما ایک کھانا "حیس" کہلاتا ہے۔ اس حدیث کے بعد والی حدیث میں دو سیر کا جو ذکر آیا ہے کہ سردار اولین و آخرین کا ولیمہ اس طرح تھا اس سے امت کے ان غریبوں کی دلجوئی ہوگی جو ولیمہ کی دعوت کی طاقت نہیں رکھتے تو ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نمونہ ملا کہ آپ نے دو سیر جو سے اپنا ولیمہ کیا اور اس سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمے میں لوگوں کو بکری کا گوشت پیٹ بھر کر کھلایا گیا جس سے مالداروں کو سنت کا نمونہ ملتا ہے کہ اگر استطاعت ہو تو خوب کھلاؤ اور استطاعت نہ ہو تو قرض لیکر اپنے آپ کو خراب نہ کرو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو دیکھو دو سیر جو کا ولیمہ دیا جا رہا ہے۔ سچ ہے کہ آپ تمام انسانوں کیلئے کامل نمونہ تھے۔

جہاں تک آپ کی تقلید ہے اسی حد تک سلیقۂ بشریت بشر کو ملتا ہے

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ

(۶) وَعَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ قَالَ أَوْلَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَعْضِ نِسَائِهِ بِمُدَّيْنِ مِنْ شَعِيرٍ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت صفیہ بنت شیبہ سے روایت ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض بیویوں کا ولیمہ دو سیر جو کے ساتھ کیا۔ (بخاری)

ولیمہ کی دعوت قبول کرنا چاہیے

(۷) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْوَلِيمَةِ فَلْيَأْتِهَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ فَلْيُجِبْ عُرْسًا كَانَ أَوْ نَحْوَهُ. (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت تم میں سے کوئی شادی کے کھانے کی طرف بلایا جائے اس میں حاضر ہو مسلم کی ایک روایت میں ہے نکاح کی دعوت کو قبول کرنا چاہیے یا جو اس کے مانند ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ شادی شدہ بیاہ کے کھانے کی دعوت قبول کرنا واجب ہے اگر کوئی شخص بلا کسی عذر کے دعوت قبول نہ کرے تو وہ گناہ گار ہوتا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

من ترک الدعوة فقد عصی اللہ ورسولہ جس شخص نے دعوت قبول نہ کی اس نے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔

اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے لیکن یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ " قبول کرنے " سے مراد دعوت میں جانا یعنی اگر کسی شخص کو شادی میں بلایا جائے تو اس کیلئے اس دعوت میں جانا بعض علماء کے نزدیک واجب ہے اور بعض علماء کے نزدیک مستحب ہے اب رہی یہ بات کہ کھانے میں شریک ہونے کی تو اس کے بارہ میں متفقہ طور پر مسئلہ یہ ہے کہ اگر روزے سے نہ ہو تو کھانے میں شریک ہونا مستحب ہے شادی کے کھانے کی دعوت کے علاوہ دوسری دعوتوں کا قبول کرنا مستحب ہے۔ طیبی رحمہ اللہ اور ابن ملک رحمہ اللہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ دعوت قبول کرنے کا وجوب یا استحباب بعض صورتوں میں ساقط ہو جاتا ہے یہ شبہ ہو کہ دعوت میں جو کھانا کھلایا جائے گا وہ حلال مال کا نہیں ہوگا یا اس دعوت میں مالداروں کی تخصیص ہو یا اس دعوت میں کوئی ایسا شخص شریک ہو جس سے یا تو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو یا وہ اس قابل نہ ہو کہ اس کے ساتھ کہیں بیٹھا جائے ان صورتوں میں اگر کوئی شخص دعوت قبول نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو دعوت میں محض اس لئے بلایا جائے کہ ان کی خوشنودی مزاج حاصل ہو جائے اور اس

سے کوئی نقصان نہ پہنچے یا اس کی ذات دجاہ سے کوئی دنیاوی غرض پوری ہو جائے تو ایسی دعوت کو قبول نہ کرنا ہی اولی ہے یا ایسے ہی اگر کچھ لوگ کسی شخص کو اس مقصد کیلئے دعوت میں بلائیں کہ وہ ان لوگوں کے باطل ارادوں یا غیر شرعی کاموں میں مدد کرے یا کسی دعوت میں ممنوع چیزیں جیسے شراب وغیرہ موجود ہو وہاں ناچ گانے یا غیر شرعی تفریحات کی چیزیں ہوں یا جس جگہ دعوت ہو وہاں حریر وغیرہ کا فرش بچھا ہو تو ایسی دعوت میں شریک نہ ہونا چاہئے۔ یہ بات مدنظر رکھنی چاہئے کہ آج کل کی مجالس مذکورہ بالا چیزوں سے خالی نہیں ہوتیں اگر سب چیزیں نہیں ہوتیں تو ان میں بعض چیزیں اکثر مجلسوں میں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے صوفیا کا قول ہے کہ عزلت (گوشہ نشینی) حلال ہوگئی ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ آج کل گوشہ نشینی واجب ہوگئی ہے۔ لہذا جو شخص احتیاط کے پیش نظر گوشہ نشینی اختیار کرنا چاہے اور کسی بھی مجلس یا دعوت میں شریک ہونا مناسب نہ سمجھتا ہو تو اس کیلئے گوشہ نشینی ہی بہتر ہے۔

(۸) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دُعِيَ اَحَدُكُمْ اِلٰى طَعَامٍ فَلْيُجِبْ فَاِنْ شَاءَ طَعِمَ وَ اِنْ شَاءَ تَرَكَ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت تم میں سے کوئی کھانے کی طرف بلایا جائے اس کو قبول کرے اگر چاہے تو کھائے اگر چاہے نہ کھائے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: اس حدیث سے بھی یہ معلوم ہوا کہ دعوت قبول کرنے کا مطلب داعی کے یہاں جانا ہے اور یہ واجب یا سنت ہے ہاں دعوت کے کھانے میں شریک ہونا سنت ہے بشرطیکہ روزہ سے نہ ہو۔ ابن ملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ارشاد گرامی میں دعوت کو قبول کا جو حکم دیا گیا ہے وہ بطریق وجوب ہے لیکن اس کا تعلق اس شخص سے ہے جس کو کوئی عذر لاحق نہ ہو اگر کوئی شخص معذور ہو مثلاً دعوت کی جگہ اتنی دور ہے کہ وہاں جانا تکلیف ومشقت برداشت کرنے کا مرادف ہے تو اس صورت میں اس دعوت کو قبول نہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

ولیمہ میں صرف مالداروں کو بلانا انتہائی برا ہے

(۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيْمَةِ يُدْعٰى لَهَا الْاَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ وَمَنْ تَرَكَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ. (متفق علیہ)

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا برا کھانا اس نکاح کا ہے کہ اس کے لیے دولت مند بلائے جاتے ہیں اور فقراء کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور جس نے دعوت قبول نہ کی اس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ (متفق علیہ)

تشریح: اس حدیث کا مقصد مطلقاً ولیمہ کے کھانے کی برائی بیان کرنا نہیں ہے کیونکہ نہ صرف دعوت ولیمہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بلکہ اس دعوت کو قبول کرنے کی تاکید بھی فرمائی گئی ہے اور جو شخص دعوت ولیمہ کو قبول نہیں کرتا وہ گنہگار ہوتا ہے۔ لہذا حدیث کی مراد یہ ہے کہ جو ولیمہ ایسا ہو کہ اس میں صرف مالداروں کو بلایا جائے اور غربا کو نہ پوچھا جائے تو وہ ایک برا ولیمہ ہے۔ چنانچہ اس وقت کچھ لوگوں کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے ولیمہ میں صرف مالداروں کو بلاتے تھیں اور انہیں اچھا اچھا کھانا کھلاتے اور بیچارے غریبوں کی بات بھی نہ پوچھتے تھے لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا اس ارشاد گرامی کے ذریعہ اس بری عادت سے منع فرمایا۔ دعوت قبول نہ کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اس طرح ہوتی ہے کہ اللہ کے رسول نے دعوت قبول کرنے کا حکم دیا ہے۔ لہذا جس نے دعوت قبول نہ کر کے اللہ کے رسول کے حکم کی نافرمانی کی اس نے گویا اللہ ہی کے حکم کی نافرمانی کی۔ جو حضرات دعوت کے قبول کرنے کو واجب کہتے ہیں۔ انہوں نے اس حدیث کو اپنے قول کی دلیل قرار دیا ہے جبکہ جمہور علماء نے اس حدیث کو تاکید استحباب پر محمول کیا ہے۔

غیر مدعو کو کھانا کھلانا، میزبان کی اجازت پر موقوف ہے

(۱۰) وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ كَانَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ يُكْنٰى اَبَا شُعَيْبٍ كَانَ لَهُ غُلَامٌ لَحَّامٌ فَقَالَ اِصْنَعْ لِیْ طَعَامًا يَكْفِیْ خَمْسَةً لَعَلِّیْ اَدْعُو النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَامِسَ خَمْسَةٍ فَصَنَعَ لَهُ طُعَيِّمًا ثُمَّ اَتَاهُ فَدَعَاهُ فَتَبِعَهُمْ رَجُلٌ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا شُعَيْبٍ اِنَّ رَجُلًا تَبِعَنَا فَاِنْ شِئْتَ اَذِنْتَ لَهُ وَ اِنْ شِئْتَ تَرَكْتَهُ قَالَ لَا بَلْ اَذِنْتُ لَهُ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ایک شخص کی کنیت ابو شعیب تھی اس کا غلام گوشت بیچتا تھا اس نے اپنے غلام کو کہا کہ پانچ آدمیوں کا کھانا تیار کرتا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پانچوں میں سے ایک ہوں۔ غلام نے تھوڑا سا کھانا تیار کیا پھر اس شخص نے آنحضرت کو دعوت دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک آدمی چل دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو شعیب یہ شخص ہمارے ساتھ آ گیا ہے اگر چاہے تو اس کو اذن دے اگر چاہے تو واپس کر دے ابو شعیب نے کہا میں نے اس کو بھی اذن دیا۔ (متفق علیہ)

تشریح: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کسی بھی شخص کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کی دعوت میں بن بلائے پہنچ جائے اور اسی طرح کسی مہمان کیلئے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ کسی بن بلائے شخص کو اپنے ساتھ دعوت میں لے جائے ہاں اگر میزبان نے اس بات کی صریح اجازت دی ہو یا کوئی ایسی دعوت ہو جہاں اذن عام ہو یا مہمان یہ جانتا ہو کہ اگر میں کسی بن بلائے مہمان شخص کو اپنے ساتھ دعوت میں لے گیا تو میزبان کی مرضی کے خلاف نہیں ہوگا تو ان صورتوں میں مدعو کسی غیر مدعو کو اپنے ساتھ دعوت میں لے جا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ اس حدیث سے اور بھی کئی باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر اس کے گھر میں داخل ہونا جائز نہیں ہے دوم یہ کہ اگر کوئی شخص چند مخصوص آدمیوں کی دعوت کرے اور ان کے ساتھ کوئی بن بلایا شخص بھی ہو لے تو ان مہمانوں کیلئے یہ مستحب ہے کہ وہ صاحب خانہ یعنی میزبان سے اس شخص کیلئے کھانے میں شریک ہونے کی اجازت لے لیں۔ سوم یہ کہ بن بلائے مہمان کے بارہ میں میزبان کیلئے یہ مستحب ہے کہ وہ اس کو دستر خوان پر بیٹھنے سے نہ روکے الا یہ کہ اس کی وجہ سے مہمانوں کو کوئی نقصان یا تکلیف پہنچنے کا خوف ہو اور اگر اس کو کھانے میں شریک کئے بغیر واپس کرے تو نرمی کے ساتھ واپس کرے لیکن بہتر یہی ہے کہ اس کو کھانے میں کچھ دے دے بشرطیکہ وہ اس کا مستحق ہو۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کسی غیر مدعو کو دعوت کے کھانے میں شریک ہونا جائز نہیں ہے اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ جب ایک شخص نے کسی کی دعوت کی اور اس کے سامنے کھانا رکھ کر اس کو اس کھانے کا مالک بنا دیا تو اب وہ شخص (یعنی مہمان) مختار ہے کہ چاہے تو اس کھانے کو خود کھائے چاہے کسی اور کو کھلائے اور چاہے اٹھا کر اپنے گھر لے جائے ہاں اگر یہ صورت ہو کہ میزبان دستر خوان بچھا کر اس پر کھانا چن دے جو اس بات کی علامت ہو کہ اس نے مہمان کو اس کھانے کا مالک نہیں بنایا ہے بلکہ اسے اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ یہیں بیٹھ کر کھائے اور جو کچھ بچ جائے اسے میزبان اٹھا کر لے جائے تو اب مہمان کیلئے ضروری ہوگا کہ وہ دستر خوان پر بیٹھ کر حسب قاعدہ اور حسب رواج کھانا کھائے نہ تو اس کھانے میں سے کچھ اٹھا کر اپنے گھر لے جائے ورنہ اس میں سے کسی اور کو کھلائے۔ بعض اہل علم نے اس چیز کو بہت اچھا جانا ہے کہ جب ایک دستر خوان پر کچھ لوگ کھانا کھانے بیٹھیں تو دستر خوان پر موجود کھانے کی چیزیں آپس میں ایک دوسرے کے سامنے کرتے رہیں ہاں اگر وہ لوگ دو دستر خوانوں پر بیٹھے ہوں تو ایک دستر خوان کے لوگوں کو دوسرے دستر خوان کے لوگوں کے سامنے اپنے دستر خوان کے کھانے پیش کرنا جائز نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ...... حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ

(۱۱) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْلَمَ عَلٰی صَفِيَّةَ بِسَوِيْقٍ وَ تَمْرٍ. (رواه احمد و الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو ستو اور کھجور سے ولیمہ کیا۔ روایت کیا اس کو احمد، ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے۔

تشریح: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ولیمہ کے سلسلہ میں جو حدیث پہلے گزری ہے اس میں ان کے ولیمہ کا کھانا حیس ذکر کیا گیا تھا جبکہ یہاں ستو اور کھجور کا ذکر ہے۔ ان دونوں روایتوں میں اس طرح مطابقت ہوگی کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں دونوں چیزیں تھیں حیس بھی تھا اور ستو اور کھجوریں بھی تھیں۔ راویوں میں سے جس نے جو دیکھا اسی کو بیان کر دیا۔

دنیاوی زیب وزینت کی چیزوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتناب

(۱۲) وَعَنْ سَفِيْنَةَ اَنَّ رَجُلاً ضَافَ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ فَصَنَعَ لَهُ طَعَامًا فَقَالَتْ فَاطِمَةُ لَوْ دَعَوْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَكَلَ مَعَنَا فَدَعَوْهُ فَجَاءَ فَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى عِضَادَتَيِ الْبَابِ فَرَاَى الْقِرَامَ قَدْ ضُرِبَ فِيْ نَاحِيَةِ الْبَيْتِ فَرَجَعَ قَالَتْ فَاطِمَةُ فَتَبِعْتُهُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ مَارَدَّكَ قَالَ اِنَّهُ لَيْسَ لِيْ اَوْلِنَبِيٍّ اَنْ يَدْخُلَ بَيْتًا مُزَوَّقًا. (رواہ احمد و ابن ماجۃ)

ترجمہ: حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص علی بن ابی طالب کے پاس مہمان آیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے کھانا تیار کیا۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلائیں اور وہ ہمارے ساتھ کھائیں تو بہتر ہے اس نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ دروازے کے دونوں بازوؤں پر رکھے گھر کے کونے میں پردہ کیا ہوا دیکھا تو واپس لوٹے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں آپ کے پیچھے پیچھے گئی میں نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ کو کس چیز نے پھیرا آپ نے فرمایا میرے لیے فرمایا کسی نبی کے لائق نہیں کہ وہ کسی زینت والے گھر میں داخل ہو۔ روایت کیا اس کو احمد اور ابن ماجہ نے۔

تشریح: قرام باریک اور منقش پردہ کو کہتے ہیں بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے گوشہ میں جو پردہ پڑا ہوا تھا وہ منقش نہیں تھا لیکن اس پردہ سے دیوار کو اس طرح ڈھکا گیا تھا جیسے دلہا دلہن کے چھپر کٹ کو پردوں سے سجاتے اور ڈھکتے ہیں اور یہ چونکہ دنیاداروں اور اپنی وجاہت و مالداری کا بے جا اظہار کرنے والوں کا طریقہ ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پردہ کو دیکھتے ہی واپس ہو گئے اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا یہ تنبیہ فرمائی کہ دیواروں کو اس طرح پردوں سے سجانا اور ڈھکنا مناسب نہیں ہے کیونکہ یہ دنیا کی بیجا زیب وزینت ہے جو آخرت کیلئے نقصان دہ بھی ہو سکتی ہے۔

کسی دعوت میں بغیر بلائے پہنچ جانے والے کی مذمت

(۱۳) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دُعِيَ فَلَمْ يُجِبْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَ مَنْ دَخَلَ عَلٰى غَيْرِ دَعْوَةٍ دَخَلَ سَارِقًا وَ خَرَجَ مُغِيْرًا. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دعوت کیا جاوے پھر اس کو قبول نہ کرے اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی جو شخص کھانے کی مجلس میں آیا بن بلائے تو چور ہو کر داخل ہوا اور لوٹ کر نکلا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: کسی دعوت میں بغیر بلائے پہنچ جانے والے کو چور کے ساتھ اس وجہ سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح کوئی چور چھپ کر کسی کے گھر میں داخل ہوتا ہے اسی طرح "بن بلایا مہمان" بھی صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر اس کے کھانے کی مجلس میں گویا چور کی طرح چپکے سے آتا ہے۔ لہذا جس طرح چور کسی کے گھر میں گھسنے کی وجہ سے گناہ گار ہوتا ہے اسی طرح "بن بلایا مہمان" بھی اپنے اس غیر اخلاقی اور قبیح فعل کی وجہ سے گناہ گار ہوتا ہے۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد گرامی کے ذریعہ اپنی امت کے لوگوں کو اخلاق زندگی کے دو بنیادی سبق دیے ہیں جو ایک انسان کی معاشرتی برائی اور انسانی وقار کے ضامن ہیں۔ اول تو یہ کسی کی دعوت کو بلا عذر کے قبول نہ کرنا نفس کے تکبر و رعونت اور عدم الفت پر دلالت کرتا ہے دوم یہ کہ بغیر دعوت کے کسی کے ہاں پہنچ جانا نفس کے حرص ولالچ اور اپنی عزت اپنے ہاتھوں خراب کرنے پر دلالت کرتا ہے۔

اگر دو آدمی بیک وقت دعوت کریں تو ان میں سے کس کی دعوت قبول کی جائے

(۱۴) وَ عَنْ رَجُلٍ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اجْتَمَعَ الدَّاعِيَانِ فَاَجِبْ اَقْرَبَهُمَا بَابًا وَ اِنْ سَبَقَ اَحَدُهُمَا فَاَجِبِ الَّذِيْ سَبَقَ. (رواہ احمد و ابوداؤد)

ترجمہ: حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت دو دعوت کرنے والے جمع ہو جائیں تو ان میں سے جو از روئے دروازے کے نزدیک ہو اس کی قبول کر اگر ان دونوں میں سے کسی نے پہل کر لی تو اس کی دعوت قبول کر۔ روایت کیا اس کو احمد اور ابوداؤد نے۔

تشریح: بظاہر یہ حکم اس صورت سے متعلق ہے جبکہ ایک ہی وقت ہونے کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے دونوں کی دعوت میں شریک ہونا ممکن نہ ہو ہاں اگر دونوں کی دعوت میں شریک ہونا ممکن ہو تو پھر یہی حکم ہوگا کہ دونوں کی دعوت میں شرکت کی جائے۔ نیز یہ حکم دو ہمسایوں کی دعوت کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ اگر ایک ہی وقت میں پڑوس کے دو آدمی دعوت کریں تو اس پڑوسی کی دعوت کو ترجیح حاصل ہوگی جس کا دروازہ زیادہ قریب ہو اور اگر ہمسایوں کے علاوہ شہر آبادی کے دوسرے دو آدمی بیک وقت مدعو کریں تو اس صورت میں دوسری وجوہ مثلاً معرفت اصلاح اور حقوق کے پیش نظر ترجیح دی جائے گی۔ یعنی ان دونوں میں سے اس شخص کی دعوت کو ترجیح حاصل ہوگی جو دوسرے سے زیادہ قریبی جان پہچان کا ہو یا دوسرے سے زیادہ نیک بخت وصالح ہو اور یا حقوق کے اعتبار سے وہ دوسرے سے زیادہ قریب ہو۔

اس حدیث سے ایک نکتہ یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی استاد کے پاس اس کے دو شاگرد بیک وقت سبق پڑھنے آئیں یا کسی عالم کے پاس ایک ہی وقت میں دو آدمی مسئلہ پوچھنے آئیں تو پہلے اس کو سبق پڑھایا جائے یا مسئلہ بتایا جائے جو پہلے آیا ہے۔

نام ونمود کیلئے زیادہ دنوں تک ولیمہ کھلانے والے کے بارے میں وعید

(۱۵) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامُ اَوَّلِ يَوْمٍ حَقٌّ وَ طَعَامُ يَوْمِ الثَّانِيْ سُنَّةٌ وَ طَعَامُ يَوْمِ الثَّالِثِ سُمْعَةٌ وَ مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے دن کا کھانا حق ہے۔ دوسرے دن کا سنت ہے تیسرے دن کا شہرت کے لیے اور جو کوئی شہرت چاہے اللہ اس کی شہرت کر دے گا۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ شادی بیاہ میں پہلے دن لوگوں کو کھانے پر بلانا اور لوگوں کا اس دعوت کو قبول کرنا سنت موکدہ ہے (اور جن علماء نے ولیمہ کی دعوت کو واجب کہا ہے۔ ان کے نزدیک "حق" سے مراد "واجب" ہے اور دوسرے دن کو مدعو کرنا مسنون و مستحب دو دن کے بعد جب تیسرے دن بھی کوئی مدعو کرے تو سمجھنا چاہئے کہ اب اس کی دعوت میں نام ونمود کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ یعنی اس نے تیسرے دن لوگوں کو کھانے پر اس لئے بلایا ہے تاکہ شہرت ہو جائے اور لوگ اس کی تعریف کریں اس کے بارہ میں یہ تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ جو شخص اپنے نام ونمود کے تحت تیسرے دن بھی لوگوں کو کھانے پر بلائے گا اور خواہش مند ہوگا کہ اس کی سخاوت کی تعریف کریں تاکہ وہ اظہار فخر کر سکے تو ایسے شخص کو جان لینا چاہئے کہ میدان حشر میں اللہ تعالیٰ اس کے بارہ میں یہ اعلان کرائے گا کہ دیکھو یہ شخص جھوٹا اور مفتری ہے جس نے محض دکھانے سنانے کیلئے لوگوں کو کھانا کھلایا تھا چنانچہ وہ شخص تمام مخلوق خدا کے سامنے سخت رسوا اور ذلیل ہوگا۔ طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جس بندہ کو اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عطا کرے (مثلاً اس کا نکاح ہو جائے) تو اس پر لازم ہے کہ وہ شکر ادا کرے (اور شکر یہ ہے کہ دعوت ولیمہ میں لوگوں کو بلا کر کھانا کھلائے اور یہ (یعنی شکر ادا کرنا مثلاً دعوت کرنا پہلے دن تو ضروری ہے اور) دوسرے دن مستحب ہے تاکہ پہلے دن اگر کوتاہی ہوگئی ہو تو دوسرے دن ان کی تلافی ہو جائے اس لئے کہ سنت واجب کو مکمل کر دیتی ہے اور تیسرے دن (دعوت کرنا) بس دکھانے سنانے کیلئے ہے (یعنی تیسرے دن دعوت کرنے کا نہ صرف یہ کہ کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ نام ونمود کی وجہ سے آخرت کا نقصان ہی ہوتا ہے) اسی طرح جن لوگوں کی دعوت کی جائے ان کے بارہ میں یہ مسئلہ ہے کہ پہلے دن کی دعوت قبول کرنا ان کیلئے واجب ہے دوسرے دن کی دعوت قبول کرنا مستحب ہے اور تیسرے دن کی دعوت قبول کرنا مکروہ بلکہ حرام ہے۔

اس حدیث سے مالکیہ کے اس مسلک کی صریح تردید ہوتی ہے کہ سات دن تک ولیمہ کی دعوت کرتے رہنا مستحب ہے۔

اظہار فخر میں مقابلہ کرنے والے دونوں آدمیوں کی دعوت کھانا ممنوع

(۱۶) وَعَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ طَعَامِ الْمُتَبَارِيَيْنِ اَنْ يُؤْكَلَ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ قَالَ مُحْيِ السُّنَّةِ وَالصَّحِيْحُ اَنَّهُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلاً.

ترجمہ: حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو فخر کرنے والوں کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے محی السنہ نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ عکرمہ نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق ارسال روایت کیا ہے۔

تشریح: متباریین ان دو شخصوں کو کہتے ہیں جو زیادہ کھانا پکانے کا آپس میں مقابلہ کریں اور ان میں سے ہر ایک کی یہی کوشش ہو کہ وہ دوسرے کی ضد میں زیادہ سے زیادہ کھانا پکوائے اور زیادہ لوگوں کی دعوت کرے تا کہ وہ برتر اور دوسرا کمتر رہے۔ گویا اس مقابلہ سے دونوں ہی کا مقصد اظہار فخر اور محض نام ونمود ہو۔ چنانچہ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں حکم دیا گیا ہے کہ ان کی دعوت نہ قبول کی جائے اور نہ ان کے کھانے میں شرکت کی جائے۔

آج کل تو اس سلسلہ میں احتیاط نہیں برتی جاتی لیکن پہلے زمانہ کے بزرگوں کا یہ حال تھا کہ اگر انہیں کسی شخص کی دعوت کے بارہ میں یہ شبہ بھی ہو جاتا تھا کہ اس دعوت کا مقصد محض اظہار فخر اور نام ونمود ہے وہ اس دعوت میں شرکت کرنے سے پرہیز کرتے تھے۔

الفصل الثالث

(۱۷) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَبَارِيَانِ لَا يُجَابَانِ وَ لَا يُؤْكَلُ طَعَامُهُمَا قَالَ الْاِمَامُ اَحْمَدُ يَعْنِي الْمُتَعَارِضَيْنِ بِالضِّيَافَةِ فَخْرًا وَّرِيَاءً.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو فخر کرنے والوں کی دعوت قبول نہ کی جاوے اور ان کا کھانا نہ کھایا جاوے۔ امام احمد نے کہا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد متباریین سے یہ ہے کہ دو شخص مقابلہ سے از راہ فخر اور ریا کے ضیافت کریں۔

فاسق کی دعوت قبول نہ کرو

(۱۸) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اِجَابَةِ طَعَامِ الْفَاسِقِيْنَ.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسقوں کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔

تشریح: "فاسق" سے مراد مطلق فاسق ہے خواہ وہ کسی طرح کے فسق میں مبتلا ہو فاسق کی دعوت قبول کرنے کی ممانعت کا سبب یہ ہے کہ اکثر فاسق اپنے مزاج وکردار کے اعتبار سے ظالم بھی ہوتا ہے اور یہ مسئلہ ہے کہ ظالم جو لوگوں کا مال از راہ ظلم لیتا ہے اس کے کھانے میں شریک ہونا حرام ہے اس کے علاوہ فاسق کی دعوت قبول کرنا۔ گویا اس فاسق کو خوش کرنا اور اس کی عزت کرنا ہے۔ جو شرعاً جائز نہیں ہے۔

(۱۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمْ عَلٰى اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ فَلْيَأْكُلْ مِنْ طَعَامِهٖ وَ لَا يَسْأَلْ وَيَشْرَبْ مِنْ شَرَابِهٖ وَلَا يَسْأَلْ رَوَى الْاَحَادِيْثَ الثَّلَاثَةَ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَ قَالَ هٰذَا اِنْ صَحَّ فَلِاَنَّ الظَّاهِرَ اَنَّ الْمُسْلِمَ لَا يُطْعِمُهُ وَ لَا يَسْقِيْهِ اِلَّا مَا هُوَ حَلَالٌ عِنْدَهُ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت ایک تمہارا مسلمان بھائی کے پاس آئے اس کے کھانے کو کھائے اور پیئے زیادہ کا سوال نہ کرے۔ روایت کیا ان تینوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں۔ بیہقی نے کہا اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس کی وجہ ظاہر یہ ہے کہ مسلمان مسلمان کو کھلاتا پلاتا نہیں مگر وہ جو اس کے نزدیک حلال ہے۔

تشریح: "مسلمان" سے کامل یعنی متقی و پرہیز گار مسلمان مراد ہے چنانچہ اس کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے ہاں کھانا

کھانے جائے تو اس کے کھانے کے جائز و ناجائز ہونے کی تحقیق نہ کرے بلکہ جو کچھ اس کے سامنے آئے بلا شک وشبہ اسے کھا پی لے کیونکہ اول تو اس کے متقی و پرہیزگار ہونے کی وجہ سے اس کے بارہ میں یہی نیک گمان رکھا جائے کہ وہ ناجائز و حرام چیز نہیں کھلائے گا۔ دوسرے یہ کہ اگر اس کے کھانے کے جائز و ناجائز کی تحقیق کی جائے گی تو اسے تکلیف پہنچے گی جو مناسب نہیں ہے۔ ہاں اگر یہ یقین ہو کہ جو چیز کھلائی پلائی جارہی ہے اس کا کوئی جز حرام ذریعہ سے آیا ہوا ہے یا اس کھانے کا اکثر حصہ حرام ہے تو پھر اس کو نہ کھائے پیئے۔

بَابُ الْقَسْمِ..... باری مقرر کرنے کا بیان

اگر کسی شخص کے ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے ساتھ شب باشی کیلئے نوبت (باری) مقرر کرنا واجب ہے۔ یعنی ان بیویوں کے پاس باری باری سے جانا چاہئے۔ اس سلسلہ میں چند باتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ جب باری مقرر ہو جائے تو ایک بیوی کی باری میں دوسری بیوی کے ہاں شب باشی جائز نہیں ہے۔ مثلاً جس رات میں پہلی بیوی کے ہاں جانا ہو اس رات میں دوسری بیوی کے ہاں نہ جائے۔

۲۔ ایک رات میں بیک وقت دو بیویوں کے ساتھ شب باشی جائز نہیں ہے اگر وہ دونوں بیویاں اس کی اجازت دے دیں اور وہ خود بھی اس کیلئے تیار ہوں تو جائز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں جو یہ منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات میں ایک سے زائد بیویوں سے جماع کیا ہے تو یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ باری مقرر کرنا واجب نہیں تھا یا یہ کہ اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان بیویوں کی اجازت حاصل تھی۔ اس کے علاوہ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ باری مقرر کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب نہیں تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اپنے کرم اور اپنی عنایت سے اپنی ہر زوجہ مطہرہ کے ہاں رہنے کی باری مقرر کر دی تھی۔

۳۔ سفر کی حالت میں بیویوں کو باری کا حق حاصل نہیں ہوتا اور نہ کسی بیوی کی باری کا لحاظ رکھنا ضروری ہے بلکہ اس کا انحصار خاوند کی مرضی پر ہے کہ وہ جس بیوی کو چاہے اپنے ساتھ سفر میں لے جائے اگرچہ بہتر اولیٰ یہی ہے کہ خاوند اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈال لے اور جس کا نام قرعہ میں نکلے اس کو سفر میں ساتھ رکھے۔

۴۔ مقیم کے حق میں اصلی باری کا تعلق رات سے ہے۔ دن رات کا تابع ہوتا ہے ہاں جو شخص رات میں اپنے کام کاج میں مشغول رہتا ہو۔ مثلاً چوکیداری وغیرہ کرتا ہو اور اس کی وجہ سے وہ رات اپنے گھر میں بسر نہ کر سکتا ہو تو اس کے حق میں اصل باری کا تعلق دن سے ہوگا۔

درمختار میں یہ لکھا ہے کہ جس شخص کے ایک سے زائد بیویاں ہوں تو اس پر ان بیویوں کے پاس رات میں رہنے اور ان کے کھلانے پلانے میں برابری کرنا واجب ہے ان کے ساتھ جماع کرنے یا جماع نہ کرنے اور پیار و محبت میں برابری کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

کسی عورت کا جماع سے متعلق اس کے شوہر پر حق ہوتا ہے وہ ایک بار جماع کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے جماع کرنے کے بارہ میں شوہر خود مختار ہے کہ جب چاہے کرے لیکن کبھی کبھی جماع کر لینا اس پر دیانۃً واجب ہے اور مدت ایلاء کے بقدر (یعنی چار چار مہینہ تک) جماع نہ کرنا خاوند کیلئے مناسب نہیں ہے ہاں اگر بیوی کی مرضی سے اتنے دنوں جماع نہ کرے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ہر بیوی کے ہاں ایک ایک رات اور ایک ایک دن رہنا چاہئے۔ لیکن برابری کرنا رات ہی میں ضروری ہے چنانچہ اگر کوئی شخص ایک بیوی کے ہاں مغرب کے فوراً بعد چلا گیا اور دوسری بیوی کے ہاں عشاء کے بعد گیا تو اس کا یہ فعل برابری کے منافی ہوگا اور اس کے بارہ میں کہا جائے گا۔ اس نے باری کے حکم کو ترک کیا کسی بیوی سے اس کی باری کے علاوہ (یعنی کسی دوسری بیوی کی باری میں) جماع نہ کرے اسی طرح کسی بیوی کے پاس اس کی باری کے علاوہ کسی رات میں نہ جائے ہاں اگر وہ بیوی بیمار ہو تو اس کی عیادت کیلئے جا سکتا ہے بلکہ اگر اس کا مرض شدید ہو تو اس کی باری کے علاوہ بھی اس کے پاس اس وقت تک رہنا جائز ہے جب تک کہ وہ شفایاب ہو یا اس کا انتقال ہو جائے لیکن یہ اس صورت میں جائز ہے جبکہ اس کے پاس کوئی اور تیمار دار اور غمخوار نہ ہو اور اگر خاوند اپنے گھر میں بیماری کی حالت میں ہو تو وہ اپنی ہر بیوی کو اس کی باری میں بلاتا رہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی تعداد

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ عَنْ تِسْعِ نِسْوَةٍ وَ كَانَ يَقْسِمُ مِنْهُنَّ لِثَمَانٍ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نو (۹) بیویوں کو چھوڑ کر وفات پائی ان میں سے آٹھ کے لیے باری تقسیم کرتے۔ (متفق علیہ)

تشریح: تسع نسوة: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کل گیارہ بیویاں تھیں لیکن حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب خزاعیہ کا انتقال پہلے ہو چکا تھا اس حدیث میں ان ازواج کا ذکر ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت زندہ موجود تھیں۔ یہ کل نو بیویاں تھیں جن کے نام یہ ہیں:

(۱) ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ (۲) ام المؤمنین حفصہؓ (۳) ام المؤمنین زینبؓ (۴) ام المؤمنین ام سلمہؓ (۵) ام المؤمنین صفیہؓ (۶) ام المؤمنین سودہؓ (۷) ام المؤمنین میمونہؓ (۸) ام المؤمنین جویریہؓ (۹) ام المؤمنین ام حبیبہؓ

ان میں سے صرف آٹھ کی باری مقرر تھی حضرت سودہؓ نے اپنی باری حضرت عائشہ کو دی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا تھا کہ حضرت سودہؓ کو طلاق دیں تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھے آپ طلاق نہ دیں اس لئے کہ میں امید کرتی ہوں کہ جنت میں آپ کی بیوی رہوں گی میں اپنی باری عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیتی ہوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت ازواج کی بحث: عام کفار اور اکثر ملحدین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی زیادہ شادیاں کیوں کیں اور اتنی زیادہ بیویاں کیوں رکھیں؟

جواب: اہل اسلام اور علماء کرام اس کا جواب بھی دیتے ہیں اور کثرت ازدواج کی مصلحت اور ضرورت بھی بتاتے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عظیم مصلحت وحکمت کے تحت زیادہ نکاح کیے تھے اس میں کوئی خواہش نفس نہیں تھی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۵ سال کی جوانی میں ۴۰ سالہ معمر خاتون حضرت خدیجہؓ سے نکاح کیا جو دودفعہ بیوہ ہو چکی تھیں اگر آپ کو خواہش نفس مجبور کرتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نکاح کبھی نہ کرتے کیونکہ قریش میں آپ کیلئے دوشیزہ لڑکیاں موجود تھیں۔ پھر جب تک حضرت خدیجہ موجود تھیں ۵۲ سال کی عمر تک آپؐ نے کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد چند حکمتوں کی وجہ سے آپؐ نے کثرت ازواج پر عمل کیا جس میں مندرجہ ذیل حکمتیں پوشیدہ تھیں۔

(۱) ازدواجی زندگی اور گھریلو معاملات نصف دین کے برابر ہیں اس آدھی شریعت کو ایک یا دو بیویاں امت تک نہیں پہنچا سکتی تھیں یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ ازواج مطہرات نے دین کا ایک بڑا حصہ محفوظ کر کے امت کو دیا ہے ہجرت کے بعد یہ مسائل اور احکام زیادہ ہو گئے تھے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کی تعداد زیادہ کردی جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا سب بیوہ تھیں یہ خواہش نہیں بلکہ ضرورت تھی۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام قبائل عرب میں رشتے قائم کر کے اسلام پھیلانے کا انتظام فرمایا لوگوں کے ساتھ رشتے قائم ہونے سے میل جول پیدا ہو گیا لوگوں کی عداوتیں اور ان کے قلبی احساسات وجذبات کو اعتدال پر لانے کا موقع فراہم ہو گیا اور یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان رشتوں سے لوگوں کی دشمنیاں اسلام کے ساتھ بہت کم ہو گئیں خود ابوسفیان جو کفار کی قیادت کر رہے تھے جب ان کو معلوم ہوا کہ ان کی بیٹی ام حبیبہ نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کرلیا تو انہوں نے کہا ''ذاک فحل لا یقدع'' یعنی یہ ایسا تو جوان ہے کہ ان کی بات اور پیغام کو ٹھکرایا نہیں جاسکتا۔

(۳) بعض قبائل عرب کے لوگ زیادہ تر مسلمانوں کی غلامی میں آگئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے قبائل میں نکاح کر کے سینکڑوں غلاموں کی آزادی کا سامان پیدا فرمایا چنانچہ حضرت جویریہؓ کے ساتھ نکاح کرنے سے اس قبیلہ کے سینکڑوں غلام صحابہ کرام نے اس لئے آزاد کئے کہ اب یہ قبیلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سسرالی قبیلہ بن گیا ہے۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کئی سو انسانوں کی قوت عطا فرمائی تھی اس کے پیش نظر تو آپ کو اس سے بھی زیادہ شادیوں کا حق تھا آپ پر اعتراض کرنا انسانی حق کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ ہم پھر عیسائیوں سے پوچھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے شادی کیوں نہیں کی؟ تم اس کا کیا جواب دو گے؟ ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے نبی نے تمہیں ازدواجی زندگی کے متعلق کونسی تعلیم دی ہے؟ جس پر تم عمل کر سکو گھریلو معاملات کے ہزاروں مسائل ہیں تمہارے پاس اس کا کیا حل موجود ہے تمہارے دین میں یہی کمی تھی جو محمد عربی کے دین اسلام نے پوری کر دی ہے۔ اگر ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نبی برحق ہونے کی وجہ سے اعتراض نہیں کرتے تو تم کو نبی برحق محمد عربی پر اعتراض کرکے شرم آنی چاہیے۔

یوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ بیویاں تھیں یہاں صرف ان بیویوں کی تعداد کا ذکر کیا گیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں تھیں اور جن کے اسماء یہ ہیں ۱۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ ۲۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا۔ ۳۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا۔ ۴۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا۔ ۵۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا۔ ۶۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا۔ ۷۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا۔ ۸۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا۔ ۹۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا۔ ان نو بیویوں میں سے آٹھ کی باری مقرر تھی اور نویں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کیلئے کوئی باری نہ تھی کیونکہ انہوں نے اپنی مرضی سے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی تھی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی باری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہتے تھے۔

کوئی اپنی باری اپنی کسی سوکن کو دی جاسکتی ہے

(۲) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ سَوْدَةَ لَمَّا كَبِرَتْ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ جَعَلْتُ يَوْمِىْ مِنْكَ لِعَائِشَةَ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْسِمُ لِعَائِشَةَ يَوْمَيْنِ يَوْمَهَا وَ يَوْمَ سَوْدَةَ۔ (متفق عليه)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سودہ رضی اللہ عنہا جب بڑی ہوگئی تو اس نے کہا اے اللہ کے رسول میں نے اپنا دن عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے دو دن تقسیم کرتے ایک دن اس کا اور دوسرا سودہ کا۔ (متفق علیہ)

تشریح: حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام زمعہ اور والدہ کا نام سموس تھا پہلے ان کی شادی حضرت سکران رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوئی تھی۔ یہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ابتدائی ایام میں اسلام لے آئے تھے اور ہجرت کرکے حبشہ چلے گئے تھے جب ان کے خاوند حضرت سکران رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد مکہ میں ان سے نکاح کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ان کے نکاح کے بعد ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان کا انتقال ہوا اور مدینہ منورہ میں مدفون ہوئیں۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کی کوئی بیوی اپنی باری اپنی کسی سوکن کو دے تو جائز ہے بشرطیکہ اس میں شوہر کی طرف سے کسی لالچ یا جبر کا دخل نہ ہو نیز اپنی باری اپنی کسی سوکن کو دینے والی عورت کیلئے یہ بھی جائز ہے کہ وہ جب چاہے اپنی پیشکش کو واپس لے لے۔

(۳) وَعَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْأَلُ فِىْ مَرَضِهِ الَّذِىْ مَاتَ فِيْهِ اَيْنَ اَنَا غَدًا اَيْنَ اَنَا غَدًا يُرِيْدُ يَوْمَ عَائِشَةَ فَاَذِنَ لَهُ اَزْوَاجُهُ يَكُوْنُ حَيْثُ شَاءَ فَكَانَ فِىْ بَيْتِ عَائِشَةَ حَتّٰى مَاتَ عِنْدَهَا۔ (رواه البخاری)

ترجمہ: اسی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بیماری میں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے سوال کرتے تھے کہ میں کل کہاں ہوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ کے دن کا ارادہ کرتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دے دی کہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل چاہتا ہے وہاں رہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر آ گئے اور وہیں فوت ہوئے۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

تشریح: یرید یوم عائشة ماقبل جملہ کی وضاحت ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روزانہ پوچھنا ازواج مطہرات سے طلب اجازت کیلئے تھا کہ تمام ازواج مطہرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے ہاں رہنے کی اجازت دے دیں۔ چنانچہ یہ جملہ فاذن له ازواجه ازواج مطہرات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دے دی اسی بات پر دلالت کرتا ہے۔

سفر میں ساتھ لے جانے کیلئے کسی بیوی کا انتخاب قرعہ کے ذریعہ کیا جائے

(۴) وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ سَفَرًا أَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهِ فَأَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا مَعَهُ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالتے جس کا قرعہ نکلتا اس کو ساتھ لے جاتے۔ (متفق علیہ)

(۵) وَعَنْ أَبِيْ قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْبِكْرَ عَلَى الثَّيِّبِ أَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا وَقَسَمَ وَ إِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَسَمَ قَالَ أَبُوْقِلَابَةَ وَلَوْ شِئْتُ لَقُلْتُ إِنَّ أَنَسًا رَفَعَهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوقلابہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ انس سے روایت کرتے ہیں کہا سنت طریقہ یہ ہے کہ جب آدمی کنواری کا نکاح ثیبہ پر کرے تو اس کے پاس سات دن رہے پھر باری شروع کرے اور جب ثیبہ سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین دن قیام کرے پھر باری تقسیم کرے۔ ابوقلابہ نے کہا اگر میں چاہتا تو میں کہتا کہ انس نے اس حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر کسی شخص کے نکاح میں کئی عورتیں ہوں یا ایک عورت ہو اور پھر وہ ایک عورت سے نکاح کرے تو اگر وہ عورت باکرہ (کنواری) ہو تو اس کے پاس سات رات تک رہے اور اگر وہ ثیبہ (یعنی بیوہ یا مطلقہ ہو) تو اس کے پاس تین رات تک رہے اور پھر نئی اور پرانی بیویوں کے درمیان باری مقرر کر دے کہ ہر ایک کے پاس برابر برابر ایک ایک رات جایا کرے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس سلسلہ میں باکرہ اور ثیبہ یا نئی اور پرانی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ باری کے اعتبار سے سب برابر ہیں۔ انہوں نے ان دونوں حدیثوں پر عمل کیا ہے جو اس باب کی دوسری فصل میں آئیں گی اور جن میں اس قسم کا فرق و امتیاز بیان نہیں کیا گیا ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی ایک یا ایک سے زائد بیویوں کی موجودگی میں کسی باکرہ سے نکاح کرے تو اس کے پاس سات رات تک رہے اور پھر پہلی بیویوں میں سے بھی ہر ایک کے پاس سات سات رات تک رہے اور اگر ثیبہ کے ساتھ نکاح کرے تو اس کے پاس تین رات تک رہے اور پھر پہلی بیوی سے بھی ہر ایک کے پاس تین تین رات تک رہے۔

روایت کے آخر میں ابوقلابہ رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں چاہتا تو اس حدیث کو مرفوع کہتا یعنی یہ کہتا کہ اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ کہنا کہ یہ مسنون ہے مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔

(۶) وَعَنْ أَبِيْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ تَزَوَّجَ أُمَّ سَلَمَةَ وَأَصْبَحَتْ عِنْدَهُ قَالَ لَهَا لَيْسَ بِكِ عَلٰى أَهْلِكِ هَوَانٌ إِنْ شِئْتِ سَبَّعْتُ عِنْدَكِ وَ سَبَّعْتُ عِنْدَهُنَّ وَ إِنْ شِئْتِ ثَلَّثْتُ عِنْدَكِ وَ دُرْتُ قَالَتْ ثَلِّثْ وَ فِيْ رِوَايَةٍ أَنَّهُ قَالَ لَهَا لِلْبِكْرِ سَبْعٌ وَلِلثَّيِّبِ ثَلَاثٌ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے پاس رات گذاری فرمایا تو اپنے اہل پر ذلت والی نہیں اگر تو چاہے تو میں تیرے پاس سات دن رہتا ہوں تو میں تمام کے ساتھ سات سات دن رہوں گا اگر چاہے تو تین دن تیرے پاس رہتا ہوں اور میں دورہ کروں۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا تین دن رہیے ایک روایت میں ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا باکرہ کے لیے سات راتیں اور ثیبہ کے لیے تین راتیں۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: "اس میں کوئی ذلت نہیں ہے" کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہارے پاس جو تین رات رہوں گا تو اس کی وجہ سے تمہارے خاندان و قبیلہ پر کسی حقارت یا ذلت کا داغ نہیں لگے گا کیونکہ تمہارے ساتھ میرا تین رات تک رہنا تمہاری محبت و اختلاط سے بے رغبتی کے سبب سے نہیں ہے بلکہ شرعی

حکم کی بنا پر ہے۔ ان الفاظ کے ذریعہ گو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عذر کی تمہید بیان فرمائی ہے جس کی وجہ سے شادی کی ابتدا کے ایام میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں شب باشی کیلئے صرف تین راتوں پر اکتفا کرنا پڑا اور وہ عذر یہ شرعی حکم ہے کہ اگر اپنی پہلی بیوی کی موجودگی میں کسی اور عورت سے نکاح کیا جائے تو اس نئی بیوی کے ساتھ مسلسل سات دن تک شب باشی اس صورت میں جائز ہوگی جبکہ وہ باکرہ (کنواری) ہو لیکن اس کے بعد پہلی بیویوں میں سے بھی ہر ایک کے ہاں سات سات دن تک شب باشی کی جائے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے یہاں بھی سات راتوں تک رہ سکتا ہوں۔ لیکن یہ حق کنواری عورت کیلئے ہے اور تم ثیبہ ہو اور پھر یہ کہ بعد میں مجھے دوسری تمام بیویوں کے پاس بھی سات سات راتوں تک رہنا ہوگا اس لئے بہتر یہ ہے کہ ثیبہ کے حق میں جو حکم ہے اسی کے مطابق میں تمہارے پاس تین دن تک شب باشی کروں اور پھر بعد میں ہر ایک بیوی کے ہاں تین تین دن تک شب باشی کر کے تمہارے سب کے درمیان باری مقرر کر دوں۔ لہذا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے منشاء شریعت اور مزاج نبوت کے مطابق اسی بات کو قبول کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں تین رات تک ہیں۔

کوئی شخص اپنی تمام بیویوں سے یکساں محبت کرنے پر مجبور نہیں ہے

(۷) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقْسِمُ بَیْنَ نِسَائِہٖ فَیَعْدِلُ وَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ ھٰذَا قَسْمِیْ فِیْمَا اَمْلِکُ فَلَا تَلُمْنِیْ فِیْمَا تَمْلِکُ وَ لَا اَمْلِکُ. (رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجۃ و الدارمی)

ترجمہ: حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں میں تقسیم کرتے تھے اور عدل کرتے اور فرماتے اے اللہ یہ میری تقسیم ہے جس کا میں مالک ہوں مجھ کو ملامت نہ کر اس میں جس کا تو مالک ہے اور میں مالک نہیں۔ روایت کیا اس کو ترمذی ابوداؤد نسائی ابن ماجہ اور دارمی نے۔

تشریح: دعا کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بیویوں کے پاس جانے کی باری مقرر کرنے اور ان کے نان نفقہ کا میں مالک ہوں۔ لہذا ان چیزوں میں عدل و برابری کرنا میری ذمہ داری ہے جسے میں پورا کرتا ہوں اور کسی بھی بیوی کے ساتھ ناانصافی یا اس کی حق تلفی نہیں کرتا ہاں پیار و محبت کا معاملہ دل سے متعلق ہے جس پر میرا کوئی اختیار نہیں ہے میں اس میں برابری نہیں کر سکتا۔ اس لئے اگر مجھے کسی بیوی سے زیادہ محبت اور کسی سے کم محبت ہو تو چونکہ میرے قصد و ارادہ کو دخل نہیں ہوگا لہذا اس پر مجھ سے مواخذہ نہ کیجئے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے ایک سے زائد بیویاں ہوں تو اس پر یہ لازم ہوگا کہ وہ ان بیویوں کے پاس جائے ان کے ہاں شب گزارے اور ان کے نان ونفقہ میں پورا پورا عدل کرے اور ان چیزوں میں سے ان کے درمیان اس طرح برابری کرے کہ کسی بھی بیوی کو فرق و امتیاز کی شکایت نہ ہو ہاں پیار و محبت مباشرت و جماع اور جنسی لطف حاصل کرنے کے بارہ میں عدل و برابری لازم نہیں ہوگی کیونکہ یہ چیزیں دل و طبیعت سے متعلق ہیں جس پر کسی انسان کا اختیار نہیں ہوتا۔

اپنی بیویوں کے درمیان عدل و برابری نہ کرنے والے کے بارہ میں وعید

(۸) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا کَانَتْ عِنْدَ الرَّجُلِ امْرَاَتَانِ فَلَمْ یَعْدِلْ بَیْنَھُمَا جَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَ شِقُّہٗ سَاقِطٌ. (رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجۃ و الدارمی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس دو بیویاں ہیں اور ان میں عدل نہیں کرتا وہ قیامت کے دن آئے گا اس کا آدھا حصہ گرا ہوا ہوگا۔ روایت کیا اس کو ترمذی ابوداؤد نسائی ابن ماجہ اور دارمی نے۔

تشریح: جس شخص کے ہاں ایک سے زائد بیویاں ہوں خواہ دو ہوں اور خواہ تین یا چار ہوں اور وہ ان دونوں کے درمیان عدل و برابری نہ کرتا ہو تو اس کی اس بے انصافی پر مذکورہ بالا سزا کی دھمکی دی گئی ہے۔ لہذا باری میں برابری کرنا باہں اعتبار سے واجب ہے کہ رات جتنا حصہ ایک بیوی کے ہاں گزارتا ہو اتنا ہی حصہ دوسری بیوی کے ہاں بھی گزارنا چاہئے مثلاً اگر ایک بیوی کے ہاں مغرب کے بعد چلا جاتا ہے تو دوسری بیوی کے ہاں بھی مغرب کے بعد ہی چلا

جائے اگر اس کے پاس عشاء کے بعد جائے گا تو یہ عدل و انصاف کے خلاف ہوگا یہاں صحبت کے معاملہ میں برابری کرنا واجب نہیں ہے۔
اس بارہ میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے۔ اس حکم میں باکرہ، ثیبہ، نئی، پرانی مسلمان اور کتابیہ سب برابر ہیں اور سب کے حقوق یکساں ہیں البتہ آزاد عورت کی بہ نسبت لونڈی، مکاتبہ، مدبرہ اور ام ولد کیلئے آدھی باری ہے یعنی اگر کسی شخص کے نکاح میں ایک آزاد عورت ہو اور کسی کی لونڈی وغیرہ سے بھی اس نے نکاح کر رکھا ہو تو لونڈی وغیرہ کے پاس ایک رات رہے اور آزاد عورت کے پاس دو راتیں رہے، حرم (باندی) کیلئے باری مقرر کرنا واجب نہیں ہے۔

اَلفصل الثالث... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کیلئے باری

(۹) عَنْ عَطَاءٍ قَالَ حَضَرْ نَامَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ جَنَازَةَ مَيْمُونَةَ بِسَرِفٍ فَقَالَ هٰذِهٖ زَوْجَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا رَفَعْتُمْ نَعْشَهَا فَلَا تُزَعْزِعُوْهَا وَلَا تُزَلْزِلُوْهَا وَ ارْفُقُوْا بِهَا فَاِنَّهٗ كَانَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِسْعُ نِسْوَةٍ كَانَ يَقْسِمُ مِنْهُنَّ لِثَمَانٍ وَ لَا يَقْسِمُ لِوَاحِدَةٍ قَالَ عَطَاءٌ اَلَّتِيْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْسِمُ لَهَا بَلَغَنَا اَنَّهَا صَفِيَّةُ وَكَانَتْ اٰخِرَهُنَّ مَوْتًا مَاتَتْ بِالْمَدِيْنَةِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَ قَالَ رَزِيْنٌ قَالَ غَيْرُ عَطَاءٍ هِيَ سَوْدَةُ وَ هُوَ اَصَحُّ وَهَبَتْ يَوْمَهَا لِعَائِشَةَ حِيْنَ اَرَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَاقَهَا فَقَالَتْ لَهٗ اَمْسِكْنِيْ قَدْ وَهَبْتُ يَوْمِيْ لِعَائِشَةَ لَعَلِّيْ اَنْ اَكُوْنَ مِنْ نِسَائِكَ فِي الْجَنَّةِ.

ترجمہ: حضرت عطاء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ابن عباس کے ساتھ سرف مقام پر میمونہ رضی اللہ عنہا کے جنازہ میں حاضر ہوئے۔ ابن عباس نے کہا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہے جب تم اس کا جنازہ اٹھاؤ تو مت ہلاؤ اس کو اور نہ جنبش دو آہستہ اٹھاؤ اور اس کی تعظیم کرو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویاں تھیں آٹھ کے لیے باری تقسیم کرتے اور نویں کے لیے تقسیم نہ کرتے۔ عطاء نے کہا وہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باری تقسیم نہیں کرتے تھے وہ صفیہ تھیں اور صفیہ سب سے آخر فوت ہوئی ہے مدینہ میں (متفق علیہ) رزین نے کہا عطاء کے سوائے کہا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم باری تقسیم نہ فرماتے وہ سودہ تھیں۔ یہ صحیح ہے انہوں نے اپنا دن عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا تھا۔ جب آنحضرت نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا۔ اس نے کہا مجھ کو اپنے نکاح میں رہنے دو اور میں اپنا دن عائشہ کو بخشتی ہوں اس امید سے کہ میں بھی جنت میں تمہاری بیویوں سے ہوں گی۔

تشریح: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زوجہ مطہرہ ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں ان کے والد کا نام حارث تھا ماں کا نام ہندہ تھا خود ان کا نام برہ تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میمونہ رکھا یہ پہلے مسعود ابن عمرو کے نکاح میں تھیں۔ پھر ابو رہم کے ساتھ شادی ہوئی ان کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذی قعدہ سن ۷ ہجری میں بمقام سرف جو مکہ معظمہ سے آٹھ میل کا فاصلہ ہے وہاں ان کا نکاح ہوا۔ یہیں شب زفاف گزری اور اتفاق کی بات کہ اسی مقام سرف میں وفات پائی اور یہیں مدفون ہوئیں۔

جس زوجہ مطہرہ کیلئے باری مقرر نہیں تھی وہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تھیں یا حضرت سودہ؟ اس بارہ میں بظاہر دو متضاد روایتیں ہیں لیکن تحقیقی بات یہی ہے کہ وہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا تھیں بلکہ خطابی نے عطاء کے اس قول کو کہ ''وہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تھیں'' کے بارے میں یہ کہا ہے کہ کسی راوی کی چوک ہے یعنی حضرت عطاء نے تو یہاں ''حضرت سودہ رضی اللہ عنہا'' ہی کہا تھا مگر کسی راوی کی چوک سے ''حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا'' نقل ہو گیا۔

وکانت اخرھن موتا ماتت بالمدینۃ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا سب سے آخر میں مدینہ میں انتقال ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے کس زوجہ مطہرہ کا انتقال کب ہوا ہے۔ صاحب مواہب نے لکھا ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال سن ۵۰ ہجری کے ماہ رمضان میں ہوا ہے اور بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ ان کا انتقال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ سن ۵۲ یا ۵۵ ہجری میں ہوا ہے اور بقیع میں مدفون ہوئیں ہیں۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۵۱ ہجری میں ہوا اور بعض علماء کے قول کے مطابق ۶۶ یا سن ۶۳ ہجری میں ہوا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ میں ۵۷ ہجری میں وفات پائی جبکہ بعض علماء کہتے ہیں کہ ان کی وفات سن ۵۸ میں ہوئی ہے۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے سن ۵۴ ہجری میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے سن ۵۰ یا بعض علماء کے قول کے مطابق ۴۱ ہجری میں حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا نے سن ۵۹ ہجری میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے سن ۴۴ ہجری یا بعض علماء کے قول کے مطابق ۴۳ ہجری حضرت زینب بنت جحش نے سن ۲۰ ہجری میں یا بعض علماء کے قول کے مطابق سن ۲۱ ہجری میں اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے سن ۵۰ ہجری میں انتقال کیا ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہجرت سے پہلے ہی مکہ میں ہو گیا تھا اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی وفات پا گئی تھیں۔

اب اس تفصیل کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ کہنا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا سب سے آخر میں انتقال ہوا ہے صحیح نہیں ہے اور اگر لفظ کانت کی ضمیر کا مرجع حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو قرار دیا جائے تو بھی بات صحیح نہیں ہوتی کیونکہ اگر بعض علماء کے قول کے مطابق حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا سن وفات سن ۶۶ ہجری یا ۶۳ زیادہ صحیح تسلیم کر لیا جائے تو ازواج مطہرات میں ان کا سب سے آخر میں انتقال ہونا تو ثابت ہو جائے گا مگر یہ بات خود اسی عبارت کے اگلے جملے ماتت بالمدینہ کے مطابق نہیں ہوگی کیونکہ اس بارہ میں حدیث نے وضاحت کر دی ہے کہ ان کا انتقال مقام سرف میں ہوا ہے۔ لہذا اس عبارت کا صحیح مفہوم متعین کرنا بڑا مشکل ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس عبارت میں کیا مفہوم پوشیدہ ہے اور اس کا صحیح مطلب کیا ہے۔

بَابُ عِشْرَةِ النِّسَاءِ وَ مَالِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنَ الْحُقُوْقِ

گھریلو زندگی اور میاں بیوی کے حقوق کا بیان

قال الله تعالیٰ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وقال تعالیٰ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ط وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

عشرة النساء: عاشر یعاشر معاشرة وعشرة میل جول رہن سہن اور مل جل کر زندگی گزارنے کو "عشرۃ" کہتے ہیں اسی سے عشیرہ اور عشائر ہیں جو آدمی کے خاندانی قبیلہ اور برادری پر مشتمل ہوتا ہے عشیر شوہر کو بھی کہتے ہیں۔ یہاں میاں بیوی کے آپس کی زندگی گزارنے کے اصول وقواعد مراد ہیں۔

وما لکل واحدۃ: ہر عورت کی اپنی حیثیت وحالت اور کیفیت ہوتی ہے کہ کوئی باکرہ ہے تو کوئی ثیبہ ہے کوئی مالدار ہے کوئی غریب اور کوئی متوسطہ ہوتی ہے کوئی خوش خلق ہوتی ہے کوئی بدخلق ہوتی ہے ان تمام اقسام کے پیش نظر "ومالکل واحدۃ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ ہر قسم کی عورت کے حقوق کا بیان ہے ورنہ اس لفظ کے لانے کی ضرورت نہیں تھی مشکوۃ شریف کے متن کے تمام نسخوں میں "لکل واحد" کے الفاظ ہیں یہ الفاظ زیادہ بہتر ہیں کیونکہ یہ مردوں اور عورتوں دونوں قسم کے افراد کو شامل ہیں۔ لیکن تمام شراح نے واحدۃ کا لفظ نقل کیا ہے۔

الفصل الاول ... عورت کی کجی کو سخت روی سے دور نہیں کیا جا سکتا

(۱) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَاِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ وَاِنَّ اَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ اَعْلَاهُ فَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهٗ كَسَرْتَهٗ وَاِنْ تَرَكْتَهٗ لَمْ يَزَلْ اَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری وصیت کو قبول کرو عورتوں سے اچھا معاملہ کرو اس لیے کہ یہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور پسلیوں میں سب سے زیادہ ٹیڑھی اوپر والی پسلی ہے اگر تو اس کو سیدھا کرنے کا ارادہ کرے تو اس کو توڑ دے گا اور اگر تو اس پسلی کو اپنی حالت پر چھوڑ دے تو وہ ٹیڑھی رہے گی۔ عورتوں کے بارہ میں وصیت قبول کرو۔ (متفق علیہ)

تشریح: اس ارشاد گرامی نے عورتوں کی خلقت وطبیعت کے بارہ میں دو بنیادی نکتے بیان کئے ہیں اول تو یہ کہ عورتوں کی اصل وبنیاد حضرت حوا ہیں جو حضرت آدم کی اوپر کی پسلی سے پیدا ہوئی ہیں جو بہت زیادہ ٹیڑھی ہوتی ہے۔ لہذا عورتوں کی اصل خلقت ہی میں ٹیڑھا پن ہے جسے کوئی درست نہیں کر سکتا دوم یہ کہ جس طرح پسلی کا حال ہے کہ اگر کوئی اسے سیدھا کرنا چاہے تو سیدھی نہیں ہوگی۔ بلکہ ٹوٹ جائے گی اور اگر اس کو اسی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی بعینہ اسی طرح عورتوں کا حال ہے کہ ان کی اصل خلقت ہی میں چونکہ اعمال واخلاق کی کجی ہے اس لئے اگر مرد چاہیں کہ ان کی کجی کو درست کر دیں تو وہ

اس میں کامیاب نہیں ہوں گے بلکہ اس کو توڑ ڈالیں گے (توڑنے سے مراد طلاق دینا ہے جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہوگا) لہٰذا عورتوں سے فائدہ اٹھانا اور ان کا کارآمد رہنا اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ ان کو ان کے خلقی ٹیڑھے پن پر چھوڑے رکھا جائے۔ پس حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ عورتوں کی اصلاح و درستگی کا معاملہ بہت پیچیدہ اور نازک ہے ان کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر سخت روی اور غیظ و غضب کی بجائے ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے اور اس بنیادی نکتہ کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ ان کے ٹیڑھے پن کو درست کرنے کیلئے اگر سختی سے کام لیا جائے گا۔ اس کا انجام ان کی توڑ پھوڑ یعنی طلاق کی صورت میں ظاہر ہوگا جو ان عورتوں ہی کیلئے تباہی کا باعث نہیں ہوگا بلکہ خود اپنی زندگی کیلئے بھی نقصان دہ اور اضطراب انگیز ہوگا۔ اس لئے اپنی عورتوں کے ساتھ نرم معاملہ رکھو اور ان کے ٹیڑھے پن پر صبر کرو اور یہ طریقہ چھوڑ دو کہ وہ سب باتوں میں تمہاری مرضی اور تمہاری خواہش کے مطابق عمل کریں گی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان کا ٹیڑھا پن اگر روزمرہ کی گھریلو زندگی اور معاشرتی امور سے گزر کر گناہ و معصیت کی حدود میں پہنچ جائے تب بھی اس پر صبر کیا جائے بلکہ ان کے ٹیڑھے پن پر صبر کرنا اور اس سے چشم پوشی کرنا اس وقت تک مناسب ہوگا جب تک کوئی گناہ لازم نہ آئے اگر گناہ لازم آئے تو پھر تغافل اور چشم پوشی بالکل مناسب نہیں ہوگی۔

(۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَرْاَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ لَنْ تَسْتَقِیْمَ لَکَ عَلٰی طَرِیْقَةٍ فَاِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَبِهَا عِوَجٌ وَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِیْمُهَا کَسَرْتَهَا وَکَسْرُهَا طَلَاقُهَا۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے تیرے لیے کبھی سیدھی نہیں ہوگی اگر تو اس سے فائدہ حاصل کرے تو اس کی کجی سے فائدہ حاصل کر اگر تو اس کو سیدھا کرنا چاہے اس کو توڑ بیٹھے گا۔ اس کا توڑنا طلاق دینا ہے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: ہرگز سیدھی نہیں ہوگی۔ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم یہ چاہو کہ کوئی عورت کسی ایک حالت پر ہمیشہ قائم رہے تو یہ ناممکن ہے کیونکہ اس کی خلقت ہی میں چونکہ کجی ہے اسی لئے اس کی حالت بدلتی سدلتی رہے گی کبھی شکر گزاری کی راہ چھوڑ کر ناشکری کا راستہ اختیار کرے گی۔ کبھی طاعت و فرمانبرداری کے راستے پر چلتے چلتے نافرمانی کی راہ پر پڑ جائے گی کبھی قناعت کو بالائے طاق رکھ کر طمع و حرص کے جال میں پھنس جائے گی غرضیکہ اسی طرح اس کے مزاج و عمل میں دوسرے تغیرات پیدا ہوتے رہیں گے۔

عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت اختیار کرو

(۳) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَفْرَکْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ کَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِیَ مِنْهَا اٰخَرَ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان مرد مسلمان عورت سے بغض نہ رکھے اگر اس کا ایک فعل اچھا نہیں تو دوسرا فعل اس کو پسند ہوگا۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: حدیث کے آخری جز کا مطلب یہ ہے کہ کسی انسان کے تمام افعال و خصائل برے نہیں ہوتے بلکہ اگر اس کے کچھ افعال و خصائل برے ہوتے ہیں تو اس میں کچھ اچھی عادتیں اور اچھے خصائل بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان مرد کو چاہئے کہ وہ اپنی عورت کے ان اچھے افعال واخلاق کو پیش نظر رکھے جو اس کی نظر میں پسندیدہ ہیں اور جو افعال واخلاق برے ہوں ان پر صبر و تحمل کرے گویا اس ارشاد کا مقصد اس بات کی ترغیب دلانا ہے کہ عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت اختیار کرو ان کی معیت میں خوشگوار و پرمسرت زندگی گزارنے کی کوشش کرو اور اگر ان کی طرف سے کوئی ایسی کوتاہی یا غلطی ہو جائے یا ان میں کوئی ایسی بری عادت وخصلت ہو جس سے تکلیف پہنچتی ہے تو اس تکلیف پر صبر کرو۔

اس حدیث میں ایک بہت بڑے لطیف نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ بے عیب یار اور اپنے مزاج کے بالکل موافق ہاتھ نہیں لگا کرتا۔ اگر کوئی شخص بالکل بے عیب یار ڈھونڈنے لگے تو وہ ہمیشہ بے یار ہی رہے گا کیونکہ ایسا کوئی انسان نہیں ہے جس میں کوئی عیب دار کوئی ناپسندیدہ بات نہ ہو اسی طرح کوئی انسان خصوصاً مسلمان اچھے خصائل اور اچھی عادتوں سے بالکل بھی خالی نہیں ہوتا۔ لہٰذا عقل کا تقاضا یہی ہونا چاہئے کہ اس کے ان اچھے خصائل کو تو پیش نظر رکھا جائے اور برے خصائل سے چشم پوشی کی جائے۔

کجی ہر عورت کو ورثہ میں ملی ہے

(۴) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوْ لَا بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ لَمْ يَخْنِزِ اللَّحْمُ وَلَوْ لَا حَوَّاءُ لَمْ تَخُنْ اُنْثٰى زَوْجَهَا الدَّهْرَ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر بنو اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت نہ سڑتا۔ اگر حوا نہ ہوتی تو کوئی عورت اپنے خاوند کی خیانت نہ کرتی۔ (متفق علیہ)

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ان کی قوم بنی اسرائیل یعنی یہودیوں کیلئے جنگل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے من وسلویٰ کا خوان نعمت اترا کرتا تھا اور اس کا یہ حکم تھا کہ انہیں جتنی ضرورت ہو اسی کے بقدر اس میں سے لے لیا کریں۔ ضرورت سے زائد لے کر ذخیرہ نہ کریں مگر وہ یہودی کیا جو اپنی کج فطرتی اور خدا کی نافرمانی سے باز آجائیں چنانچہ اس موقع پر بھی انہوں نے حکم خداوندی کی نافرمانی کی اور اس خوان نعمت سے اپنی ضرورت سے زائد لے کر ذخیرہ کرنے لگے۔ مگر قدرت کا کرنا ایسا ہوتا کہ جب وہ ذخیرہ کرتے تو وہ گوشت سڑ جاتا تھا۔ چنانچہ یہ گوشت کا سڑنا ان کے اس فعل بد یعنی اللہ تعالیٰ پر توکل واعتماد نہ کرنے اور محض حرص وطمع کی وجہ سے ذخیرہ کرنے کی سزا کے طور پر تھا اس کے بعد نظام قدرت نے ہمیشہ کیلئے گوشت کا سڑنا لازم کر دیا۔ لہٰذا اس کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر بنی اسرائیل اس بری عادت میں مبتلا نہ ہوتے اور ان کو یہ سزا نہ ملتی تو گوشت سڑا نہ کرتا بلکہ جب تک لوگ چاہتے اسے اپنی ضرورت کے مطابق رکھا کرتے۔ یہاں "خیانت" کے وہ معنی مراد نہیں ہیں جو امانت ودیانت کی ضد ہے بلکہ "خیانت" سے ناراستی یعنی کجی مراد ہے لہٰذا حضرت حوا کی کجی یہ تھی کہ انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت کا وہ درخت کھانے کی ترغیب دی جس سے اللہ تعالیٰ نے روک رکھا تھا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کجی حضرت حوا سے سرزد ہوگئی تھی وہ ہر ایک عورت کی سرشت کا جزو بن گئی ہے اگر حضرت حوا سے یہ کجی سرزد نہ ہوتی تو کسی بھی عورت میں کجی کا خمیر نہ ہوتا اور وہ اپنے خاوند کے ساتھ کجروی کا کوئی بھی برتاؤ نہ کرتی۔

عورت کو مارنے کی ممانعت

(۵) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَمْعَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْلِدُ اَحَدُكُمْ امْرَاَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ ثُمَّ يُجَامِعُهَا فِیْ اٰخِرِ الْيَوْمِ وَ فِیْ رِوَايَةٍ يَعْمِدُ اَحَدُكُمْ فَيَجْلِدُ امْرَاَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ فَلَعَلَّهُ يُضَاجِعُهَا فِیْ اٰخِرِ يَوْمِهِ ثُمَّ وَعَظَهُمْ فِیْ ضَحِكِهِمْ مِنَ الضَّرْطَةِ فَقَالَ لِمَ يَضْحَكُ اَحَدُكُمْ مِمَّا يَفْعَلُ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زمعہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غلام کی طرح اپنی بیوی کو نہ مار پھر آخر دن میں اس سے صحبت کرے گا۔ ایک روایت میں ہے ایک تمہارا قصد کرتا ہے اپنی بیوی کو غلام کی طرح مارتا ہے شاید کہ وہ دن کے آخر میں اس کے ساتھ ہم خواب ہو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی ان کے ہوا خارج ہونے پر ہنسنے میں فرمایا ایک تم میں سے جب کہ وہ خود بھی وہ فعل کرتا ہے کیوں ہنستا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: اور پھر دن کے آخری حصہ میں اس سے جماع کرے۔ اس کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑا نفسیاتی نکتہ بیان فرمایا کہ جو شخص اپنی بیوی سے جنسی لذت حاصل کرتا ہے اس کیلئے یہ بات کس طرح مناسب ہو سکتی ہے کہ ایک طرف تو اس کے ساتھ ایسا پر کیف معاملہ ہو۔ دوسری طرف اس کے ساتھ اتنا وحشیانہ اور بے دردانہ سلوک کرے؟ اگرچہ اپنی بیوی کو اس کی مسلسل نافرمانی اور سرکشی پر مارنے کی اجازت ہے لیکن اس طرح نہیں کہ غلاموں کی طرح بے دردی سے اسے مارا پیٹا جائے۔ یہ ایک غیر شرعی فعل ہی نہیں ہے بلکہ ایک انتہائی غیر انسانی اور غیر مہذب حرکت بھی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنی بیوی کے ساتھ پیار ومحبت اور اتفاق وسلوک کے ساتھ رہنا چاہیے۔

حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا کسی ایسی عجیب بات پر ہنسنا تو اچھا معلوم ہوتا ہے جو عام طور پر نہ پائی جاتی ہو لیکن جب

ایک چیز خود اپنے اندر موجود ہے تو پھر جب وہ کسی دوسرے سے سرزد ہوتی ہے تو اس پر ہنسنے کا کیا موقع ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کی ریح خارج ہو جائے تو اسے تغافل کیا جائے تا کہ وہ خجالت اور شرمندگی کر کے کبیدہ خاطر نہ ہو۔

اس سلسلہ میں یہ سبق آموز واقعہ پڑھنے کے قابل ہے کہ ایک بہت بڑے عالم گزرے ہیں جن کا نام عاصم تھا یہ اگر چہ حقیقت میں بہرے نہیں تھے لیکن انہوں نے دنیا کی نظروں میں اپنے آپ کو بہرا بنا رکھا تھا جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دن ایک عورت کوئی مسئلہ پوچھنے کیلئے ان کے پاس آئی جب وہ ان سے مسئلہ پوچھ رہی تھی تو اسی اثناء میں اس کی ریح خارج ہوگئی۔ عاصم رحمہ اللہ نے سوچا کہ یہ عورت ذات ہے اب یہ بہت زیادہ شرمندگی وخجالت محسوس کر رہی ہوگی۔ لہٰذا انہوں نے اس کی شرمندگی وخجالت دور کرنے کیلئے کہا کہ ذرا زور سے کہو کیا کہہ رہی ہو؟ گویا انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ میں اونچا سنتا ہوں وہ عورت بڑی خوش ہوئی اس نے بتایا کہ یہ تو بہرے ہیں انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں اور اس طرح اس کی شرمندگی دور ہوگئی۔ مگر عاصم رحمہ اللہ نے پھر اپنی اس بات کو نبھانے کیلئے اپنے آپ کو ہمیشہ بہرا بنائے رکھا۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ تنبیہ پوشیدہ ہے کہ ہر عقل مند انسان کو چاہئے کہ جب وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کی عیب گیری کا ارادہ کرے تو اپنے دل میں سوچے کہ آیا یہ عیب یا اسی طرح کا کوئی اور عیب میری ذات میں بھی موجود ہے یا نہیں؟ اگر وہ اپنے آپ کو کسی عیب سے پاک نہ پائے تو پھر اس کیلئے اس مسلمان بھائی کی عیب گیری سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس عیب سے پاک کرنے پر توجہ دے کسی مرد دانا نے کیا خوب کہا ہے کہ میں اکثر لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ دوسروں کے عیوب کو تو دیکھ لیتے ہیں لیکن خود ان کے اندر جو عیوب ہیں ان سے وہ اندھے ہیں۔

اپنی بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو

(۶) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ كَانَ لِيْ صَوَاحِبُ يَلْعَبْنَ مَعِيَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ يَنْقَمِعْنَ مِنْهُ فَيُسَرِّبُهُنَّ اِلَيَّ فَيَلْعَبْنَ مَعِيَ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا میں گڑیوں کے ساتھ کھیلتی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور میری سہیلیاں بھی میرے ساتھ کھیلتیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو میری سہیلیاں چھپ جاتیں حضرت ان کو میری طرف بھیجتے وہ میرے ساتھ کھیلتیں۔ (متفق علیہ)

تشریح: بنات: کپڑوں سے بنی ہوئی گڑیاں ہوتی ہیں بچیاں اس سے کھیلتی ہیں اور اپنے ہاتھوں سے بناتی ہیں اس سے مسلمان بچیوں کو خانہ داری امور میں مدد ملتی ہے لڑکی کو امور خانہ سنبھالنے کھانا پکانے اور لین دین کا اچھا خاصا ابتدائی سلیقہ آجاتا ہے گویا کہ یہ بچیوں کی مہارت حاصل کرنے کا دستکاری کا سکول ہے اس لئے شریعت نے اس کی اجازت دی ہے اس پر آج کل کی پلاسٹک کی گڑیاں قیاس کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ ناجائز مجسمے ہیں جو ناجائز تصاویر کے زمرے میں آتی ہیں۔ اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان وسعت صدری کا پتہ چلتا ہے اور خوشگوار گھریلو ماحول کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے اور اس میں حسن معاشرت کی بڑی تعلیم موجود ہے۔ **ینقمعن:** انقماع چھپنے اور غائب ہونے کے معنی میں ہے اصل میں انقماع غار میں چھپنے کے معنی میں ہے۔ **فیسربھن:** سرب تسریب بھیجنے کے معنی میں ہے خواہ تنہا ہو خواہ جماعتی صورت میں ہو یہاں دونوں معنی صحیح ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان بچیوں کو میری طرف بھیجتے تھے۔

(۷) وَعَنْهَا قَالَتْ وَ اللّٰهِ لَقَدْ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْمُ عَلٰى بَابِ حُجْرَتِيْ وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُوْنَ بِالْحِرَابِ فِي الْمَسْجِدِ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتُرُنِيْ بِرِدَائِهٖ لِاَنْظُرَ اِلٰى لَعِبِهِمْ بَيْنَ اُذُنِهٖ وَعَاتِقِهٖ ثُمَّ يَقُوْمُ مِنْ اَجْلِيْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَنَا الَّتِيْ اَنْصَرِفُ فَاقْدُرُوْا قَدْرَ الْجَارِيَةِ الْحَدِيْثَةِ السِّنِّ الْحَرِيْصَةِ عَلَى اللَّهْوِ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا اللہ کی قسم میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حجرے کے دروازے پر کھڑے دیکھا اور حبشی برچھیوں سے کھیلتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے اپنی چادر سے پردہ کر رہے تھے تا کہ میں ان کے کھیل کو

دیکھ سکوں حضرت کے کانوں اور مونڈھوں کے درمیان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے کھڑے رہے جب تک کہ میں پھری۔ لڑکی کا چھوٹی عمر میں جب کہ کھیل کو دیکھنے کی حریص ہوتی ہے تو اس کے کھڑے ہونے کا اندازہ کرو۔ کتنی دیر تک کھڑی رہے گی۔ (متفق علیہ)

تشریح: ''مسجد'' سے مراد ''رحبہ مسجد'' ہے جو مسجد سے ملا ہوا ایک چبوترہ تھا یعنی وہ حبشی مسجد میں اپنا کرتب نہیں دکھا رہے تھے بلکہ مسجد متصل رحبہ میں اپنے کمالات کا مظاہرہ کر رہے تھے اور اگر نفس مسجد ہی مراد لی جائے یعنی یہ کہا جائے کہ ان کا کھیل کرتب مسجد ہی کے اندر ہو رہا تھا تو اس میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ ان کا برچھیوں کا کرتب دکھانا گویا جہاد کی ایک علامتی مشق تھی۔ لہٰذا تیر اندازی کی طرح انکا یہ کھیل کرتب بھی عبادت کی مانند تھا۔ ایسے ہی ان کا کھیل دیکھنا بھی پسندیدہ تھا بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ پردہ واجب ہونے سے پہلے کا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خوشی وناخوشی کو کس طرح پہچانتے تھے

(۸) وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَاَعْلَمُ اِذَا كُنْتِ عَنِّيْ رَاضِيَةً وَاِذَا كُنْتِ عَلَيَّ غَضْبٰى فَقُلْتُ مِنْ اَيْنَ تَعْرِفُ ذٰلِكَ فَقَالَ اِذَا كُنْتِ عَنِّيْ رَاضِيَةً فَاِنَّكِ تَقُوْلِيْنَ لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ وَاِذَا كُنْتِ عَلَيَّ غَضْبٰى قُلْتِ لَا وَرَبِّ اِبْرَاهِيْمَ قَالَتْ قُلْتُ اَجَلْ وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَهْجُرُ اِلَّا اسْمَكَ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت تو خوش ہوتی ہے میں جانتا ہوں اور جب تو خفا ہوتی ہے میں نے کہا کیسے پہچانتے ہو فرمایا جس وقت تو مجھ پر خوش ہوتی ہے تو کہتی ہے نہیں ہے اس طرح قسم ہے پروردگار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اور جب تو خفا ہوتی ہے تو کہتی ہے نہیں ہے اس طرح قسم ہے ابراہیم علیہ السلام کے پروردگار کی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہاں اللہ کی قسم اے اللہ کے رسول نہیں چھوڑتی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہی۔ (متفق علیہ)

تشریح: لیکن میں صرف آپ کا نام ہی چھوڑتی ہوں کا مطلب یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں مغلوب العقل ہو جاتی ہوں اگرچہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں لیتی مگر میرے دل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے پیار ومحبت کا جو دریا موجزن ہے اس کے تلاطم میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں ہوتی۔ بلکہ میرا دل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں جوں کا توں مستغرق رہتا ہے۔

شوہر کی خواہش پر بیوی کو ہم بستر ہونے سے انکار نہ کرنا چاہیے

(۹) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَعَى الرَّجُلُ امْرَاَتَهٗ اِلٰى فِرَاشِهٖ فَاَبَتْ فَبَاتَ غَضْبَانَ لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا مِنْ رَجُلٍ يَدْعُوْ امْرَاَتَهٗ اِلٰى فِرَاشِهٖ فَتَاْبٰى عَلَيْهِ اِلَّا كَانَ الَّذِيْ فِي السَّمَاءِ سَاخِطًا عَلَيْهَا حَتّٰى يَرْضٰى عَنْهَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی اپنی عورت کو بستر کی طرف بلائے اگر وہ انکار کر دے اور وہ اس پر ناراضگی کی حالت میں رات گذار دے فرشتے صبح تک اس پر لعنت کرتے ہیں۔ (متفق علیہ)

اور مسلم کی ایک روایت ہے ان دونوں کیلئے فرمایا اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کوئی آدمی اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف نہیں بلاتا پھر انکار کرے اس پر مگر آسمان میں جو وہ ہے اس پر ناراض رہتا ہے یہاں تک کہ راضی ہو اس سے۔

تشریح: یہ وعید اس صورت میں ہے جبکہ بیوی کوئی شرعی عذر نہ ہونے کے باوجود شوہر کے بستر پر آنے سے انکار کر دے۔ بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ حیض ایسا عذر نہیں ہے جس کی موجودگی میں بیوی کو شوہر کے بستر پر آنے سے انکار کر دینے کا حق پہنچتا ہو کیونکہ جمہور علماء کے نزدیک شوہر کو اس صورت میں بھی کپڑوں کے اوپر سے جنسی لطف حاصل کرنا (یعنی بدن سے بدن ملانا اور بوسہ وغیرہ لینا) جائز ہے اور بعض علماء کے

نزدیک شرم گاہ کے علاوہ جسم کے بقیہ حصوں سے لطف اندوزی جائز ہے۔

''صبح تک'' غالب کے اعتبار سے فرمایا گیا ہے یعنی اکثر یہ صورت حال چونکہ رات میں پیش آتی ہے اس لئے ''صبح تک'' کا ذکر کیا گیا ورنہ اگر شوہر کی طرف سے خواہش اور بیوی کی طرف سے انکار کی یہ صورت حال دن میں پیش آئے اور اس کی وجہ سے شوہر دن بھر ناراض رہے تو فرشتے اسی طرح شام تک اس عورت پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔ وہ جو آسمان میں ہے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذات جس کا حکم آسمانوں میں جاری ہے۔ یا وہ ذات جس کی آسمانوں میں عبادت کی جاتی ہے اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یوں تو اللہ تعالیٰ زمین اور زمین کی ساری مخلوقات کا بھی معبود اور آسمان اور آسمان کی ساری مخلوقات کا بھی معبود ہے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ اور وہ (اللہ تعالیٰ) ایسا ہے کہ جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے۔ لیکن حدیث میں صرف آسمان کا معبود اس لئے کہا گیا ہے کہ زمین کی بہ نسبت آسمان زیادہ شرف رکھتا ہے اور صرف آسمان کا ذکر اظہار مقصد کیلئے کافی ہے تاہم یہ بھی احتمال ہے کہ ''وہ جو آسمان میں ہے'' سے فرشتے مراد ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خاوند کی ناراضگی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے اور جب جنسی جذبات کی تسکین کے بارہ میں خاوند کی ناراضگی کی یہ اہمیت ہے تو کسی دنیوی معاملہ میں خاوند کی ناراضگی کی کتنی اہمیت ہوگی۔

(۱۰) وَعَنْ اَسْمَاءَ اَنَّ امْرَاَةً قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ ضَرَّةً فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ اِنْ تَشَبَّعْتُ مِنْ زَوْجِيْ غَيْرَ الَّذِيْ يُعْطِيْنِيْ فَقَالَ الْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے ایک عورت نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میری ایک سوکن ہے کیا مجھ پر گناہ ہے اگر میں اپنے خاوند کی طرف سے وہ چیز جو مجھ کو نہیں دی گئی اظہار کروں فرمایا جو چیز نہیں ملی اس کا اظہار کرنے والا جھوٹ کے دو کپڑے پہننے کی مانند ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: دو کپڑوں سے مراد چادر اور تہبند ہیں اور جھوٹ موٹ کے کپڑے پہننے والے وہ شخص مراد ہیں جو کسی کا مانگا ہوا یا کسی کی امانت کا کپڑا پہنے اور ظاہر یہ کرے کہ گویا وہ کپڑے اسی کے ہیں یا وہ شخص مراد ہے جو زاہدوں اور بزرگوں کا لباس پہنے حالانکہ واقعۃً سے زہد و بزرگی سے کوئی نسبت نہ ہو بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حدیث میں اس شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو ایسا قمیص و کرتہ پہنے جس کی آستینوں کے نیچے دو اور آستینیں لگی ہوئی ہوں تا کہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ دو کپڑے پہن رکھے ہیں اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ عرب میں ایک شخص تھا جو محض اس لئے دو بہت عمدہ اور نفیس کپڑے پہنتا تھا تا کہ لوگ اسے عزت و احترام کی نظر دیکھیں اور اگر وہ کوئی جھوٹی گواہی دے تو کوئی آدمی اس کی کسی گواہی کو جھوٹی نہ جانے لہٰذا حدیث میں اسی شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

ایلاء کا مطلب

(۱۱) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اٰلٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نِسَائِهٖ شَهْرًا وَكَانَتِ انْفَكَّتْ رِجْلُهٗ فَاَقَامَ فِيْ مَشْرُبَةٍ تِسْعًا وَعِشْرِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ نَزَلَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اٰلَيْتَ شَهْرًا فَقَالَ اِنَّ الشَّهْرَ يَكُوْنُ تِسْعًا وَعِشْرِيْنَ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں سے ایک ماہ کا ایلا کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کا جوڑ نکل گیا تھا۔ بالا خانہ میں انتیس (29) راتیں ٹھہرے رہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اترے لوگوں نے عرض کی اے اللہ کے رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ کا ایلا کیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انتیس دن کا بھی مہینہ ہوتا ہے۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

تشریح: ایلا کے لغوی معنی ہیں قسم کھانا اور اصطلاح شریعت میں ایلاء اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اس بات کی قسم کھائے کہ میں چار مہینہ یا اس سے زیادہ تک اپنی بیوی کے پاس نہیں جاؤں گا یعنی اس سے جماع نہیں کروں گا اگر قسم پوری ہو جائے یعنی وہ شخص اپنی قسم کے مطابق چار مہینے تک یا اس سے بھی زائد اس مدت تک جو اس نے متعین کی ہو۔ اپنی بیوی کے پاس نہ جائے تو طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے اور اگر وہ قسم پوری نہ کرے یعنی اس مدت کے پوری ہونے سے پہلے ہی بیوی کے پاس چلا جائے تو ایلاء ساقط ہو جاتا ہے اور اس پر قسم پوری نہ کرنے کا کفارہ واجب ہو جاتا ہے یا جزاء

لازم ہو جاتی ہے اور اگر کسی شخص کے نکاح میں کسی کی لونڈی ہو۔ یعنی اس کی بیوی آزاد عورت نہ ہو بلکہ کسی کی لونڈی ہو اور وہ اس سے ایلاء کرے تو اس کی کم سے کم مدت بجائے چار مہینہ کے دو مہینے ہوں گی اور اور اگر کسی شخص نے آزاد عورت کے حق میں چار مہینے سے کم اور لونڈی کے حق میں دو مہینے سے کم مدت کیلئے قسم کھائی تو یہ ایلاء شرعی نہیں کہلائے گا۔ چنانچہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جس ایلاء کی نسبت کی گئی ہے وہ شرعی ایلا نہیں ہے۔ بلکہ ایلاء لغوی مراد ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قسم کھائی تھی کہ میں اپنی بیویوں کے پاس ایک مہینہ تک نہیں جاؤں گا جس کا سبب یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ زیادہ نفقہ کا مطالبہ کیا تھا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگواری ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کے ساتھ یہ عہد کیا کہ میں ان بیویوں کے پاس ایک مہینہ تک نہیں جاؤں گا۔ انہیں دنوں میں یہ حادثہ پیش آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سے گر پڑے جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک میں چوٹ آگئی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہینہ بالاخانہ ہی پر رہے نیچے نہیں آئے مگر وہ مہینہ غالباً انتیس دن کا تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتیس پر اکتفا کیا اور نیچے تشریف لے آئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلاء کا واقعہ

(۱۲) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ دَخَلَ اَبُوْبَکْرٍ یَسْتَاْذِنُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ النَّاسَ جُلُوْسًا بِبَابِہٖ لَمْ یُؤْذَنْ لِاَحَدٍ مِنْھُمْ قَالَ فَاُذِنَ لِاَبِیْ بَکْرٍ فَدَخَلَ ثُمَّ اَقْبَلَ عُمَرُ فَاسْتَاْذَنَ فَاُذِنَ لَہٗ فَوَجَدَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَالِسًا حَوْلَہٗ نِسَاءُہٗ وَاجِمًا سَاکِتًا قَالَ فَقُلْتُ لَاَقُوْلَنَّ شَیْئًا اُضْحِکُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ لَوْرَاَیْتَ بِنْتَ خَارِجَۃَ سَاَلَتْنِی النَّفَقَۃَ فَقُمْتُ اِلَیْھَا فَوَجَاْتُ عُنُقَھَا فَضَحِکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ قَالَ ھُنَّ حَوْلِیْ کَمَا تَرٰی یَسْاَلْنَنِی النَّفَقَۃَ فَقَامَ اَبُوْبَکْرٍ اِلٰی عَائِشَۃَ یَجَاُ عُنُقَھَا وَ قَامَ عُمَرُ اِلٰی حَفْصَۃَ یَجَاُعُنُقَھَا کِلَاھُمَا یَقُوْلُ تَسْاَلْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَالَیْسَ عِنْدَہٗ فَقُلْنَ وَ اللّٰہِ لَا نَسْاَلُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَیْئًا اَبَدًا لَیْسَ عِنْدَہٗ ثُمَّ اعْتَزَلَھُنَّ شَھْرًا اَوْتِسْعًا وَّ عِشْرِیْنَ ثُمَّ نَزَلَتْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃُ یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ حَتّٰی بَلَغَ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْکُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا قَالَ فَبَدَاَ بِعَائِشَۃَ فَقَالَ یَا عَائِشَۃُ اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اَعْرِضَ عَلَیْکِ اَمْرًا اُحِبُّ اَنْ لَا تَعْجَلِیْ فِیْہِ حَتّٰی تَسْتَشِیْرِیْ اَبَوَیْکِ قَالَتْ وَمَاھُوَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَتَلَا عَلَیْھَا الْاٰیَۃَ قَالَتْ اَفِیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَسْتَشِیْرُ اَبَوَیَّ بَلْ اَخْتَارُ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَۃَ وَ اَسْاَلُکَ اَنْ لَا تُخْبِرَ امْرَاَۃً مِنْ نِسَائِکَ بِالَّذِیْ قُلْتُ قَالَ لَا تَسْاَلُنِی امْرَاَۃٌ مِنْھُنَّ اِلَّا اَخْبَرْتُھَا اِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَبْعَثْنِیْ مُعَنِّتًا وَ لَا مُتَعَنِّتًا وَلٰکِنْ بَعَثَنِیْ مُعَلِّمًا مُیَسِّرًا۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوبکر تشریف لائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کرتے تھے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر جمع تھے کسی کو اجازت نہیں ملتی تھی۔ جابر نے کہا ابوبکر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی وہ داخل ہوئے پھر عمر آئے انہوں نے اجازت مانگی اجازت دی گئی۔ عمر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں تھیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم غمگین خاموش تھے۔ جابر رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت عمر نے کہا میں ایسی بات کہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ دیکھیں کہ خارجہ کی بیٹی مجھ سے خرچ طلب کرتی تھی میں نے اس کی گردن ماری۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے فرمایا یہ عورتیں خرچ کی طلب میں میرے ارد گرد جمع ہیں۔ ابوبکر نے عائشہ کو پکڑا۔ عمر حفصہ کی طرف گئے دونوں کو مارنا شروع کر دیا۔ دونوں کہتے تھے کہ مانگتی ہو وہ چیز جو حضرت کے پاس نہیں۔ عورتوں نے کہا ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی بھی خدا کی قسم کچھ چیز نہیں مانگیں گی جو آپ کے پاس نہ ہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم الگ ہوئے اپنی عورتوں سے ایک مہینہ یا انتیس دن پر پھر یہ آیت اتری اے نبی کہہ دے اپنی بیویوں کو یہاں تک کہ پہنچے

للمحسنت منکن اجراً عظیماً تک' جابر رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت یہ بات فرماتے تھے عائشہ رضی اللہ عنہا سے اے عائشہ رضی اللہ عنہا میں ارادہ کرتا ہوں کہ تیرے سامنے ایک بات بیان کروں اور تو اس میں جلدی نہ کرنا یہاں تک کہ تو اپنے ماں باپ سے مشورہ کرے عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا وہ کیا ہے اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے یہ آیت مذکورہ پڑھی۔ عائشہ نے کہا کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں میں اپنے ماں باپ سے مشورہ کروں بلکہ میں اللہ اور اس کے رسول کو پسند کرتی ہوں اور آخرت کے گھر کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتی ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی اپنی کسی عورت کو خبر نہ دیں۔ جو میں نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی نے سوال کر لیا تو میں خبر دے دوں گا۔ اللہ نے مجھ کو کسی کو رنج دینے اور خواہ مخواہ تکلیف دینے کے لیے نہیں بھیجا لیکن مجھ کو دین کے احکام سکھانے والا اور آسانی کرنے والا بھیجا ہے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: واجماً ساکتاً: "وجم یجم وجما" غم کی وجہ سے خاموش رہنے کو وجم کہتے ہیں تو ساکتاً گویا اس کی تفسیر و توضیح ہے' بعض نے کہا کہ "وجم" غم کو کہتے ہیں اور سکوت کا ذکر یہاں الگ کیفیت بیان کرنے کیلئے ہے۔ "الیٰ ایلاء" یہاں بھی ایلا لغوی مراد ہے یعنی ایک ماہ تک گھر میں نہ آنے کی قسم کھائی تھی۔ بنت خارجة: حضرت عمرؓ نے اپنی زوجہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ سالتنی النفقة: یعنی مجھ سے میری استطاعت سے زیادہ نفقہ طلب کرے تو میں اس کی گردن دبوچ لوں گا۔ وجاء ت: وجاء کچلنے اور گردن مروڑنے کے لئے آتا ہے' یہاں مراد گردن پر مارنا ہے بعد میں بھی اس حدیث میں یہی لفظ اسی طرح مارنے کے معنی میں آیا ہے حضرت عمرؓ اپنی بیوی کے اصل نفقہ کا انکار نہیں کر رہے ہیں بلکہ اگر وہ ان کی حیثیت سے زیادہ نفقہ کا مطالبہ کرے پھر ایسا عمل ہوگا۔ ثم نزلت: یعنی آیت تخییر اتری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تخییر کی آیت سنائی سب ازواج نے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار فرمایا۔ جمہور علماء کے نزدیک اپنی بیوی کو "اختاری" کہنے سے کوئی طلاق نہیں پڑتی ہاں اگر بیوی نے طلاق اختیار کی تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ لا تعجلی: یعنی اے عائشہ! میں ایک بات بتانا چاہتا ہوں تم جواب میں جلدی نہ کر بلکہ اپنے والدین سے مشورہ کر کے جواب دو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال یہ تھا کہ عائشہ تو عمر نا تجربہ کار ہے کہیں طلاق کو اختیار نہ کر لے جس سے ان کے والدین کو بھی تکلیف ہوگی اور دیگر امہات المؤمنین بھی حضرت عائشہ کی طرح طلاق اختیار کر سکتی ہیں تو سب کو پریشانی ہوگی۔

ان لا تخبری امرأة: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چاہا کہ میرے جواب کا علم دیگر ازواج کو جب نہ ہو تو ممکن ہے ان میں کوئی طلاق اختیار کر لے اور اس کو طلاق پڑ جائیگی۔ یہ ایک بشری جذبہ ہے جو بشر کے ساتھ لگا ہوا ہے خاص کر سوکنوں کی کی کو کونسی عورت نہیں چاہے گی پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات میں جتنے واسطے کم ہوں اتنا ہی مستفید علم کو استفادہ کا زیادہ موقع ملے گا تو یہ غرض کوئی فاسد غرض نہیں۔

مشربة: پانی کی جگہ کو کہتے ہیں یہاں ایک کمرہ اور بالا خانہ مراد ہے جو مسجد نبوی کے پاس تھا۔

معنتا: تکلف کر کے تکلیف پہنچانے والا۔ یعنی نہ کسی کو مشقت میں ڈالنا نہ کسی کی مشقت چاہنے والا ہوں۔

واقعہ: خیبر کے فتح ہو جانے کے بعد دنیا کی فراوانی ہوگئی اور صحابہ کرام کے لئے اموال بڑھ گئے بعض ازواج مطہرات نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خرچ بڑھانے کی درخواست کی تھی اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور ازواج کے پاس جانے سے ایک ماہ کے لئے قسم کھا لی اور مسجد کے پاس بالا خانہ میں ایک ماہ گزار لیا اور پھر آیت تخییر اتری' یہ واقعہ اور خرچ کی یہ بات ابتداء کی بات تھی بعد میں جب مکمل وسعت آگئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے لئے ایک سال کا خرچ پہلے ادا فرماتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ سب اپنا خرچ لیتی تھیں۔

(۱۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَغَارُ عَلَى اللَّاتِيْ وَ هَبْنَ اَنْفُسَهُنَّ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اَتَهَبُ الْمَرْاَةُ نَفْسَهَا فَلَمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى تُرْجِيْ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِيْ اِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ وَ مَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ قُلْتُ مَا اَرٰى رَبَّكَ اِلَّا يُسَارِعُ فِيْ هَوَاكَ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا میں ان عورتوں پر نکتہ چینی کرتی تھی جو اپنے نفس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے

بخش دیتی ہیں میں کہتی اپنے نفس کو بخشتی ہے اللہ نے یہ آیت اتاری کہ جس کو تو چاہے جدا کر دے اور جس کو چاہے اپنے پاس رکھ لے اور جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہنے لگیں ان عورتوں سے جنہیں الگ کیا تھا تو اس کا گناہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی نہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں کہتی تیرا پروردگار تیری خواہش میں جلدی کرتا ہے۔ (متفق علیہ) جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اتقوا اللہ فی النساء حجۃ الوداع میں ذکر کی گئی ہے۔

تشریح: جو عورتیں اپنا نفس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیتی تھیں ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس لئے اچھی نظر سے نہیں دیکھتی تھیں کہ کسی عورت کا اپنے نفس کو کسی غیر مرد کو ہبہ کر دینا گویا عورت کی عزت وشرف کے منافی ہے اور اس کی حرص وقلت حیاء پر دلالت کرتا ہے اگرچہ جو عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نفس ہبہ کر دیتی تھیں ان عورتوں کے نکتہ نظر سے اور واقعۃ بھی ان کا یہ ہبہ ان کیلئے باعث عزت ہوتا تھا جسے وہ اپنی خوش قسمتی تصور کرتی تھیں۔

کوئی عورت اپنا نفس ہبہ کر سکتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ بات ان عورتوں کے ہبہ کی مخالفت میں کہا کرتی تھیں جس سے ان کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ کسی عورت کیلئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنا نفس کسی غیر مرد کو ہبہ کر دے اور ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ منقول ہیں کہ کیا عورت اپنا نفس ہبہ کرتے ہوئے کوئی شرم وحیا محسوس نہیں کرتی؟ مذکورہ آیت کا مطلب یا تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج میں سے جس کو چاہیں اپنا ہم بستر بنائیں اور جس کو چاہیں اپنے نکاح سے الگ رکھیں یا یہ مطلب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج میں سے جس کو چاہیں اپنے نکاح میں باقی رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے نکاح سے الگ کر دیں۔ یعنی طلاق دیدیں اور یا یہ مطلب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی عورتوں میں جس سے چاہیں نکاح کر لیں اور جس سے چاہیں نکاح نہ کریں۔ اور امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت دراصل اس آیت لا یحل لک النساء من بعد کی ناسخ ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ازواج مطہرات کے علاوہ اور بھی عورتیں مباح رکھی تھی۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون خاتون تھیں جنہوں نے اپنا نفس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کیا تھا؟ چنانچہ بعض علماء کے قول کے مطابق حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا تھیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ حضرت ام شریک تھیں بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ تھیں اور بعض نے کہا ہے کہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا تھیں لیکن اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ کوئی ایک خاتون نہیں تھیں بلکہ وہ کئی عورتیں تھیں۔

وَحَدِيثُ جَابِرٍ اتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ ذُكِرَ فِي قِصَّةِ حَجَّةِ الْوَدَاعِ.

''اور حضرت جابرؓ کی حدیث اتقوا اللہ فی النساء الخ حجۃ الوداع کے بیان میں نقل کی جا چکی ہے۔''

الفصل الثالث... اپنی بیویوں کیساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن معاشرت

(۱۴) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا كَانَتْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ قَالَتْ فَسَابَقْتُهُ فَسَبَقْتُهُ عَلٰى رِجْلَيَّ فَلَمَّا حَمَلْتُ اللَّحْمَ سَابَقْتُهُ فَسَبَقَنِيْ قَالَ هٰذِهٖ بِتِلْكَ السَّبْقَةِ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقابلتاً دوڑی تو میں آپ سے بڑھ گئی جب میں موٹی ہو گئی تو پھر دوڑی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے بڑھ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بڑھ جانا اس بڑھ جانے کے بدلے میں ہے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: اپنے پیروں کے ذریعہ سے اس بات کو مؤکد کرنا مقصود ہے کہ میں کسی سواری پر بیٹھ کر نہیں دوڑی تھی بلکہ اپنے پیروں پر دوڑی تھی۔ چنانچہ طیبی رحمہ اللہ نے یہی فرمایا ہے کہ اس جملہ سے تاکید مقصود ہے جیسا کہ کوئی یوں کہے کہ میں نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے یا میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔

یہ روایت اپنی بیویوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن معاشرت کی ایک مثال ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے ساتھ ایک مسرت اور خوشگوار زندگی بسر کرتے تھے اور اپنی بیویوں کے حق میں انتہائی مہربان اور منس مکھ تھے۔ نیز اس روایت میں امت کیلئے بھی یہ سبق ہے کہ اپنی عائلی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حسن معاشرت کی پیروی کی جائے اور اپنی بیویوں کیساتھ ہنسی خوشی اور باہمی پیار ومحبت کیساتھ رہا جائے۔

قاضی خان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سباق یعنی باہمی دوڑ وغیرہ کا مقابلہ چار چیزوں میں جائز ہے اونٹ میں' گھوڑے' خچر میں' تیر اندازی میں اور پیادہ یا چلنے دوڑنے میں۔ نیز یہ مقابلہ اگر کسی شخص سے کسی شرط کے ساتھ ہو تو وہ ایسی صورت میں جائز ہوگا جبکہ دونوں مقابل میں سے صرف ایک طرف سے شرط ہو یعنی مثلاً زید اور بکر کے درمیان مقابلہ ہو اور زید بکر سے یہ کہے کہ اگر میں جیت گیا تو میں اتنے روپیہ یا فلاں چیز لے لوں گا اور اگر میرے مقابلہ میں تم جیت گئے تو تمہیں کچھ نہیں ملے گا اور اگر دونوں طرف سے شرط ہو یعنی دونوں مقابل ایک دوسرے کے ساتھ یہ شرط کریں کہ ہم دونوں میں سے جو بھی جیت جائے گا اسے اتنے روپے یا فلاں چیز ملے گی تو یہ حرام ہے کیونکہ یہ جوا ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر دونوں مقابل ایک محلل کو (یعنی دونوں کو شرط حلال کرانے والے ایک تیسرے شخص کو اپنے میں شامل کریں تو اس صورت میں دونوں طرف سے شرط بھی جائز ہو جائے گی محلل کو اپنے میں شامل کرنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً زید اور بکر آپس میں یہ شرط کریں کہ ہماری باہمی دوڑ میں ہم دونوں سے جو بھی آگے نکل جائے گا تو اتنے روپے یا فلاں چیز اسے مل جائے گی اور اس کے ساتھ ہی اور ایک تیسرے شخص مثلاً خالد کو بھی اپنی دوڑ میں شامل کرلیں اور یہ طے ہو جائے کہ اگر یہ تیسرا شخص یعنی خالد آگے نکل جائے گا تو اسے کچھ نہیں ملے گا۔ لہٰذا یہ صورت جائز ہے اور حلال ہے لیکن جائز ہونے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں جیتنے والے کو جو چیز ملے گی وہ اس کے حق میں حلال اور طیب مال ہوگا نہ یہ کہ وہ اس چیز کا شرعی طور پر کوئی استحقاق رکھے گا کیونکہ شریعت کی نظر میں جیتنے والا شخص اس مقابلہ سے اس روپیہ پر کوئی قانونی حق نہیں رکھتا دوڑ کے انعامی مقابلے جائز ہیں۔ یعنی کسی فرد یا ادارہ کی طرف سے بطور انعام کچھ روپے یا کوئی چیز مقرر کر کے دوڑنے والوں سے کہا جاتا ہے کہ تم میں سے جو شخص بھی آگے نکل جائے گا اسے یہ روپے یا چیز دی جائے گی فقہاء نے اسے جائز کہا ہے۔

اپنے اہل وعیال کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا بہترین شخص ہے

(۱۵) وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ وَاِذَا مَاتَ صَاحِبُكُمْ فَدَعُوْهُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ الدَّارِمِيُّ وَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اِلٰى قَوْلِهٖ لِاَهْلِيْ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے لیے بہتر ہو۔ جس وقت کوئی مر جائے تو اس کی برائیاں شمار کرنا چھوڑ دو۔ روایت کیا اس کو ترمذی دارمی نے اور ابن ماجہ نے ابن عباس سے لفظ لاھلی تک۔

تشریح: حدیث کے پہلے جزو کے معنی یہ ہیں کہ خدا اور خدا کی مخلوق کے نزدیک تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنی بیوی اپنے بچوں' اپنے عزیزوں واقارب اور اپنے خدمت گاروں وماتحتوں کے ساتھ بھلائی اور اچھا سلوک کرتا ہے کیونکہ اس کا بھلائی اور اچھا سلوک کرنا اس کی خوش اخلاقی و خوش مزاجی پر دلالت کرتا ہے۔ اور جب تمہارا صاحب مر جائے الخ۔ کا مطلب یہ ہے کہ جب تمہارا کوئی عزیز ورشتہ دار یا دوست وغیرہ مر جائے تو اس کی برائیوں کو ذکر کرنا چھوڑ دو گویا اس جملہ کے ذریعہ یہ تعلیم مقصود ہے کہ جو لوگ اس دنیا سے اٹھ چکے ہیں ان کی غیبت نہ کرو۔ جیسا کہ ایک روایت میں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ "اپنے مرے ہوئے لوگوں کو بھلائی کے ساتھ یاد کرو"۔ یعنی صرف ان کی خوبیاں ہی ذکر کرو ان کی برائیوں کا تذکرہ نہ کرو۔

بعض علماء نے اس جملہ کی یہ مراد بیان کی ہے کہ جب کوئی شخص مر جائے تو اس کی محبت اور اس کی موت پر رونا دھونا چھوڑ دو اور یہ سمجھ لو کہ اب اس کے ساتھ تمہارا کوئی جسمانی تعلق باقی نہیں رہا ہے۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملہ میں "صاحب" سے اپنی ذات مبارک مراد رکھی ہے جس کا مطلب امت کو یہ تلقین کرنا ہے کہ جب میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو تم تاسف اور تحیر و اضطراب کا اظہار نہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا کارساز ہے جس ذات پاک نے میری حیات کو تمہاری ہدایت وسعادت کا ذریعہ بنایا تھا۔ وہی ذات پاک میرے انتقال کے بعد بھی تمہیں اسی ہدایت وسعادت پر قائم رکھے گی۔ بعض حضرات نے اس جملہ کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ جب میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو تم مجھے چھوڑے رکھنا بایں معنی کہ میرے اہل بیت' میرے صحابہ اور میری شریعت کے متبعین یعنی علماء و اولیاء کو ایذا پہنچا کر مجھے ایذا پہنچانے کا سبب نہ بننا کیونکہ اگر تم انہیں تکلیف وایذا پہنچاؤ گے تو ان کی تکلیف سے مجھے تکلیف پہنچے گی۔

فرمانبردار بیوی کو جنت کی بشارت

(۱۶) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَرْاَةُ اِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا وَ صَامَتْ شَهْرَهَا وَاَحْصَنَتْ فَرْجَهَا وَ اَطَاعَتْ بَعْلَهَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ. رَوَاهُ اَبُوْ نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچوں نمازیں ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے۔ اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے تو وہ بہشت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔ روایت کیا اس کو ابونعیم نے حلیۃ الابرار میں۔

اگر غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو خاوند کو بیوی کا مسجود قرار دیا جاتا

(۱۷) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتُ اٰمُرُ اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں کسی کو سجدہ کرنا روا رکھتا تو میں عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ رب معبود کے علاوہ اور کسی کو سجدہ کرنا درست نہیں ہے اگر کسی غیر اللہ کو سجدہ کرنا درست ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے کیونکہ بیوی پر اس کے خاوند کے بہت زیادہ حقوق ہیں جن کی ادائیگی شکر سے وہ عاجز ہے گویا اس ارشاد گرامی میں اس بات کی اہمیت وتاکید کو بیان کیا گیا ہے کہ بیوی پر اپنے شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری واجب ہے۔

شوہر کی خوشنودی کی اہمیت

(۱۸) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرَاَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت مرے اور اس کا خاوند اس پر راضی ہے وہ جنت میں داخل ہوگی روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

تشریح: جو شوہر عالم ومتقی ہو اس کی رضامندی اور خوشنودی کا یہ اجر بیان کیا گیا ہے فاسق وجاہل شوہر کی رضامندی وخوشنودی کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

شوہر کی اطاعت کرو

(۱۹) وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا الرَّجُلُ دَعَا زَوْجَتَهُ لِحَاجَتِهِ فَلْتَاْتِهِ وَ اِنْ كَانَتْ عَلَى التَّنُّوْرِ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت طلق بن علی سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی اپنی بیوی کو بلائے چاہیے کہ آوے اگر چہ تنور پر ہی کیوں نہ ہو۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے)

تشریح: اگر چہ وہ چولہے کے پاس ہو کا مطلب یہ ہے کہ اگر بیوی کسی ضروری کام میں مشغول ہو اور کسی چیز کے نقصان کا احتمال بھی ہو تب بھی شوہر کی اطاعت کی جائے اور اس کے بلانے پر فوراً اس کے پاس پہنچ جانا چاہئے مثلاً بیوی چولہے کے پاس ہو اور روٹی توے پر ڈال رکھی ہو اور اسی حالت میں شوہر جماع کیلئے بلائے تو اس بات کی پرواہ کئے بغیر کہ آٹے روٹی کا نقصان ہو جائے گا شوہر کے حکم کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اس کے پاس پہنچ جائے۔

شوہر کو تکلیف مت پہنچاؤ

(۲۰) وَعَنْ مُعَاذٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُؤْذِي امْرَأَةٌ زَوْجَهَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا قَالَتْ زَوْجَتُهُ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ لَا تُؤْذِيهِ قَاتَلَكِ اللّٰهُ فَإِنَّمَا هُوَ عِنْدَكِ دَخِيلٌ يُوشِكُ أَنْ يُفَارِقَكِ إِلَيْنَا. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ

ترجمہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی عورت اپنے خاوند کو دنیا میں تکلیف نہیں دیتی مگر اس کی حورعین سے بیوی کہتی ہے نہ تکلیف دے اللہ تجھ کو ہلاک کرے۔ وہ تیرے پاس مہمان ہے عنقریب تجھ سے جدا ہوگا اور ہماری طرف آئے گا روایت کیا اس کو ترمذی نے اور ابن ماجہ نے اور کہا ترمذی نے یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: ایک دوسری روایت میں یوں فرمایا گیا ہے کہ لعن الملائکة لعاصية الزوج یعنی فرشتے اس عورت پر لعنت بھیجتے ہیں جو اپنے شوہر کی نافرمانی کرتی ہے ان دونوں روایتوں سے جہاں شوہر کی نافرمانی کرنے یا اس کو تکلیف پہنچانے کی سخت برائی ثابت ہو رہی ہے وہیں یہ بھی واضح ہوا کہ اس دنیا میں انسان جو کچھ کرتا ہے وہ ملاء اعلیٰ یعنی آسمان کے رہنے والوں کے علم میں آجاتا ہے۔

شوہر پر بیوی کا حق

(۲۱) وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْقُشَيْرِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا حَقُّ زَوْجَةِ أَحَدِنَا عَلَيْهِ قَالَ أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ وَ تَكْسُوهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَلَا تُقَبِّحْ وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ. (رواه احمد و ابو داؤد و ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت حکیم بن معاویہ قشیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہا میں نے کہا اے اللہ کے رسول ہماری بیوی کا خاوند پر کیا حق ہے فرمایا اس کو کھلاؤ جب خود کھاؤ اور اس کو پہناؤ جب خود پہنو اور اس کے منہ پر نہ مارو اور اس کو برا نہ کہو اس سے جدائی نہ کر مگر گھر میں روایت کیا اس کو احمد' ابوداؤد اور ابن ماجہ نے۔

تشریح: ولا تضرب الوجة: تمام اعضاء میں چہرہ زیادہ معظم ومکرم ہے اس لئے بطور خاص اس پر مارنے سے منع کیا گیا ہے قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ نے بیویوں کے مارنے کی اجازت دی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "ضربا غیر مبرح" فرما کر حد بندی فرمائی ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت میں شوہر سے (حدود شریعت میں رہتے ہوئے) بیوی کے مارنے کا سوال نہیں ہوگا۔

چار باتوں کی وجہ سے شوہر اپنی بیوی کو مار سکتا ہے (۱) شوہر کے لئے زیب و زینت اختیار نہ کرنے پر (۲) بغیر عذر جماع سے انکار کرتے پر (۳) فرائض اسلام کے چھوڑنے پر (۴) اجازت کے بغیر گھر سے باہر جانے پر یعنی بے پردگی کرنے پر مار سکتا ہے قرآن کریم کی یہ ترتیب ہے "واللاتي تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن في المضاجع واضربوهن اور حدیث میں ہے "ولا ترفع عنهم عصاک ادبا"

ولا تقبح: یعنی بیوی کو قبیح الفاظ سے یاد نہ کرو کہ تم گندی ہو چڑیل ہو بدشکل ہو کیونکہ عورت کا اصل سرمایہ اس کا حسن اور اس کی تعریف ہے تو اس قسم کی مذمت پر وہ مرتی ہے۔

بدزبان بیوی کو طلاق دے دو

(۲۲) وَعَنْ لَقِيطِ بْنِ صَبِرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ لِي امْرَأَةً فِي لِسَانِهَا شَيْءٌ يَعْنِي الْبَذَاءَ قَالَ طَلِّقْهَا قُلْتُ إِنَّ لِي مِنْهَا وَلَدًا وَلَهَا صُحْبَةٌ قَالَ فَمُرْهَا يَقُولُ عِظْهَا فَإِنْ يَكُ فِيهَا خَيْرٌ فَسَتَقْبَلُ وَلَا تَضْرِبَنَّ ظَعِينَتَكَ ضَرْبَكَ أُمَيَّتَكَ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے کہا اے اللہ کے رسول میری بیوی بڑی بدزبان ہے فرمایا اس کو طلاق دیدے میں نے کہا اس سے میری اولاد ہے اور قدیمی صحبت فرمایا اس کو نصیحت کر اگر اس میں کچھ بھلائی ہوگی تو تیری نصیحت کو قبول

کرے گی اور اپنی بیوی کو لونڈی کی طرح نہ مار۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔)

تشریح: یقول عظها کے الفاظ راوی کے ہیں جن کے ذریعہ وضاحت مقصود ہے کہ اس ارشاد فمرها (تو پھر اس کو حکم کرو) سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ اس کو نصیحت کرو۔

حدیث کے آخری جملہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ پہلے اپنی بیوی کو زبانی نصیحت وتنبیہ کے ذریعہ زبان درازی اور فحش گوئی سے باز رکھنے کی کوشش کرو اگر اس پر زبانی نصیحت وتنبیہ کا کوئی اثر نہ ہو تو اس کو مارو لیکن بے رحمی کے ساتھ نہ مارو بلکہ ہلکے سے اور تھوڑا سا مارو۔

عورتوں کو مارنے کی ممانعت

(۲۳) وَعَنْ إِيَاسِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَضْرِبُوْا إِمَاءَ اللّٰهِ فَجَاءَ عُمَرُ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ذَئِرْنَ النِّسَاءُ عَلٰى أَزْوَاجِهِنَّ فَرَخَّصَ فِيْ ضَرْبِهِنَّ فَأَطَافَ بِآلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِسَاءٌ كَثِيْرٌ يَشْكُوْنَ أَزْوَاجَهُنَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ طَافَ بِآلِ مُحَمَّدٍ نِسَاءٌ كَثِيْرٌ يَشْكُوْنَ أَزْوَاجَهُنَّ لَيْسَ أُولٰئِكَ بِخِيَارِكُمْ. (رواه ابو داؤد و ابن ماجة و الدارمی)

ترجمہ: حضرت ایاس بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی لونڈیوں کو نہ مارو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے کہا اے اللہ کے رسول عورتیں اپنے خاوندوں پر دلیر ہوگئی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مارنے کی رخصت دی۔ پھر جمع ہوئیں عورتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے پاس وہ اپنے خاوندوں کا شکوہ کرتی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے پاس بہت سی عورتیں اپنے خاوندوں کی شکایت کرتی ہیں یہ لوگ تم میں سے بہتر نہیں۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد ابن ماجہ اور دارمی نے)

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنی بیویوں کو بہت مارتے ہیں۔ یا مطلق مارتے ہیں تم میں سے بہتر لوگ نہیں ہیں بلکہ بہتر لوگ وہی ہیں جو اپنی بیویوں کو نہیں مارتے ان کی ایذاء اور تکلیف دہی پر صبر وتحمل کرتے ہیں یا ان کو اتنا زیادہ نہیں مارتے جو ان کی شکایت کا باعث ہو بلکہ بطور تادیب تھوڑا سا مار دیتے ہیں۔

شرح السنہ میں لکھا ہے کہ اس روایت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی بیوی اپنے شوہر کے حقوق نکاح کی ادائیگی سے انکار کرے تو اس کو مارنا مباح ہے لیکن بہت نہیں مارنا چاہئے۔ حضرت حکیم ابن معاویہ رضی اللہ عنہ کی جو روایت گزری ہے اور اس کی تشریح میں جو آیت نقل کی گئی ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بطور تادیب اپنی بیویوں کو مارنے کی اجازت دی گئی ہے جبکہ اس روایت سے اس کی ممانعت ثابت ہوتی ہے؟ گویا دونوں میں بظاہر تضاد وتعارض معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا اس تضاد وتعارض کو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول اس وجہ تطبیق کے ذریعہ ختم کیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے عورتوں کو مارنے سے منع کیا ہوگا پھر جب عورتیں شوہروں پر غالب ہوگئیں اور ان کی جرأت ودلیری بڑھ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مارنے کی اجازت دیدی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی توثیق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ لیکن اس کے بعد جب عورتوں کی طرف سے یہ شکایت کی گئی کہ ان کے خاوند ان کو بہت مارتے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا کہ اگرچہ بیوی کی بداطواری پر اس کو مارنا مباح ہے لیکن اس کی بداطواری پر صبر وتحمل کرنا اور ان کو نہ مارنا ہی بہتر اور افضل ہے۔

بیوی کو اس کے خاوند کے خلاف بہکانے کی مذمت

(۲۴) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ امْرَأَةً عَلٰى زَوْجِهَا أَوْ عَبْدًا عَلٰى سَيِّدِهٖ (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ہم میں سے نہیں جو کسی عورت کو اس کے خاوند پر بہکائے یا غلام کو اس کے مالک پر بہکائے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: میاں بیوی میں تفریق ڈالنا یہ ہے کہ باتوں اور غیبتوں اور چغلیوں سے ان کے درمیان بگاڑ پیدا کرے یا جادو اور منتر جنتر تعویذات سے فساد ڈالے سب ممنوع ہے خواہ روحانی توڑ ہو یا مادی توڑ ہو ہم سے نہیں کا مطلب یہ کہ اب یہ شخص اس شعبہ میں اسلام کے طریقہ پر نہیں ہے یا یہ مطلب بطور اسلوب حکیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم سے نہیں تو جو مسلمان اس بات کو سنے گا وہ رور و کر اس کام کو چھوڑ دے گا۔

اپنے اہل وعیال کے حق میں کمال مہربانی، کمال ایمان کی دلیل ہے

(۴۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَكْمَلِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنَهُمْ خُلُقًا وَاَلْطَفُهُمْ بِاَهْلِهٖ (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومنوں میں سے کامل ایمان والا وہ شخص ہے جو اخلاق میں اچھا ہو اور اپنے اہل وعیال پر مہربان ہو۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

تشریح: خوش اخلاق اور اپنے اہل وعیال پر بہت مہربان مسلمان کو کامل ترین مومن اس لئے فرمایا گیا ہے کہ کمال ایمان، خوش اخلاق اور مخلوق خدا بالخصوص اپنے اہل وعیال کے حق میں سراپا مہربان وخوش اخلاق ہوگا۔

(۴۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَ خِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ اِلٰی قَوْلِهٖ خُلُقًا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کامل ایمان والا وہ ہے جو اخلاق میں اچھا ہو اور تم میں سے بہتر وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے حق میں بہتر ہوں روایت کیا اس کو ترمذی نے اور کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور روایت کیا اس کو ابوداؤد نے لفظ خلقا تک۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کیساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پر لطف واقعہ

(۴۷) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ اَوْ خَيْبَرَ وَ فِیْ سَهْوَتِهَا سِتْرٌ فَهَبَّتْ رِيْحٌ فَكَشَفَتْ نَاحِيَةَ السِّتْرِ عَنْ بَنَاتٍ لِعَائِشَةَ لُعَبٍ فَقَالَ مَاهٰذَا يَا عَائِشَةُ قَالَتْ بَنَاتِیْ وَرَاٰی بَيْنَهُنَّ فَرَسًا لَهٗ جَنَاحَانِ مِنْ رِقَاعٍ فَقَالَ مَاهٰذَا الَّذِیْ اَرٰی وَسْطَهُنَّ؟ قَالَتْ فَرَسٌ قَالَ وَمَا الَّذِیْ عَلَيْهِ قَالَتْ جَنَاحَانِ قَالَ فَرَسٌ لَهٗ جَنَاحَانِ؟ قَالَتْ اَمَا سَمِعْتَ اَنَّ لِسُلَيْمٰنَ خَيْلًا لَهَا اَجْنِحَةٌ قَالَتْ فَضَحِكَ حَتّٰی رَاَيْتُ نَوَاجِذَهٗ. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک یا حنین سے واپس تشریف لائے تو عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے کونہ میں پردہ پڑا ہوا تھا ہوا نے گڑیوں پر سے پردے کو کھول دیا جو عائشہ رضی اللہ عنہا کے کھیلنے کے لیے تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا یہ کیا ہے عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا یہ میری گڑیاں ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گڑیوں کے درمیان میں ایک گھوڑا دیکھا اس کے دو کپڑے کے پر ہیں فرمایا یہ کیا ہے جو میں ان گڑیوں کے درمیان دیکھتا ہوں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا یہ گھوڑا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ کیا چیز ہے جو اس پر ہے عرض کی وہ دو پر ہیں فرمایا کہ گھوڑے کے بھی پر ہوتے ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں سنا کہ سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے کے پر تھے۔ عائشہ رضی اللہ

عنہا نے کہا آپ ہنسے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت ظاہر ہو گئے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: تبوک یا حنین میں حرف یا راوی کے شک کو ظاہر کرتا ہے۔ یعنی راوی کو یقین کے ساتھ یاد نہیں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس موقع پر غزوہ تبوک کا ذکر کیا تھا یا غزوہ حنین کا؟

تبوک ایک جگہ کا نام ہے۔ جو مدینہ سے ۴۶۵ میل کے فاصلہ پر دمشق اور مدینہ کے درمیانی راستہ پر واقع ہے۔ ۹ھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں فوج لے کر گئے تھے لیکن دشمن کو مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی اس لئے جنگ نہ ہو سکی۔ حنین ایک وادی کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے شمال مشرق جانب طائف کے راستہ میں واقع ہے اس کو وادی اوطاس بھی کہا جاتا ہے ۸ھ میں فتح مکہ کے کچھ ہی دنوں بعد مشہور غزوہ حنین یہیں ہوا تھا۔ گڑیوں سے بچیوں کے کھیلنے کا جو شرعی حکم ہے اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ.....غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں

(۲۸) وَعَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ اَتَيْتُ الْحِيْرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ لَهُمْ فَقُلْتُ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَقُّ اَنْ يُسْجَدَ لَهٗ فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنِّيْ اَتَيْتُ الْحِيْرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ لَهُمْ فَاَنْتَ اَحَقُّ بِاَنْ يُسْجَدَ لَكَ فَقَالَ لِيْ اَرَأَيْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِيْ اَكُنْتَ تَسْجُدُ لَهٗ فَقُلْتُ لَا فَقَالَ لَا تَفْعَلُوْا لَوْ كُنْتُ اٰمِرًا اَحَدًا اَنْ يَسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ النِّسَاءَ اَنْ يَسْجُدْنَ لِاَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ حَقٍّ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ.

ترجمہ: حضرت قیس بن سعد سے روایت ہے کہا میں حیرہ آیا وہاں میں نے لوگوں کو اپنے سرداروں کو سجدہ کرتے دیکھا میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ حق دار ہیں کہ ان کو سجدہ کیا جاوے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا میں نے عرض کی کہ میں حیرہ میں گیا وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سرداروں کو سجدہ کرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کے زیادہ لائق ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو اس بات کی خبر دے اگر تو میری قبر سے گذرے تو اس کو سجدہ کرے گا میں نے کہا نہیں فرمایا اگر میں سجدہ کرنے کا حکم کرتا تو سب سے پہلے عورتوں کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں اس لیے کہ اللہ نے عورتوں پر مردوں کا حق رکھا ہے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اور احمد نے معاذ بن جبل سے۔

تشریح: حضرت قیس ابن سعد رضی اللہ عنہ نے جب حیرہ میں لوگوں کو اپنے سردار کو سجدہ کرتے دیکھا تو ان کے دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر یہ لوگ اپنے سردار کی عظمت و مرتبہ کے پیش نظر اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں تو کائنات انسانی میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عظمت و مرتبہ کا حامل کون شخص ہو سکتا ہے تو کیوں نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا جائے۔ چنانچہ ان کے اس خیال نے بارگاہ رسالت میں عرض کی صورت اختیار کر لی جہاں اس غرض کو بڑے لطیف انداز میں رد کر دیا گیا اور یہ واضح کر دیا گیا کہ انسان کی پیشانی اتنی مقدس ہے کہ وہ صرف اپنے خالق ہی کے سامنے سجدہ ریز ہو سکتی ہے کسی مخلوق کے سامنے نہیں جھک سکتی۔ خواہ وہ مخلوق کتنی ہی باعظمت و فضیلت ذات کیوں نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (فصلت ۳۷:۴۱)

نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو سجدہ کرو بلکہ صرف اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے اگر تم اللہ کی عبادت کرتے ہو۔

نافرمان بیوی کو مارنے پر مواخذہ نہیں ہوگا

(۲۹) وَعَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُسْأَلُ الرَّجُلُ فِيْمَا ضَرَبَ امْرَأَتَهٗ عَلَيْهِ. (رواہ ابوداؤد و ابن ماجۃ)

ترجمہ: حضرت عمر سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا مرد سے اپنی بیوی کو مارنے میں سوال نہیں کیا جاتا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے۔

تشریح: قابل مواخذہ نہیں ہوتا کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بیوی کو مارنے سے کوئی گناہ لازم نہیں ہوتا کہ جس پر اس سے دنیا اور آخرت میں باز پرس ہو بشرطیکہ بیوی کو مارنے کی جو قیود و شرائط ہیں ان کو ملحوظ خاطر رکھا جائے اور حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔

لفظ علیہ کی ضمیر مجرور حرف ما کی طرف راجع ہے اور ما سے مراد نشوز (نافرمانی) ہے جو اس آیت واللاتی تخافون نشوزھن الخ میں مذکور ہے لہٰذا اس جملہ اس چیز پر مارنے کا حاصل یہ ہوگا جو مرد اپنی بیوی کو اس کی نافرمانی پر مارے تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا۔

بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزہ نہ رکھے

(۳۰) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ جَاءَتْ اِمْرَاَۃٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ عِنْدَہٗ فَقَالَتْ زَوْجِیْ صَفْوَانُ بْنُ الْمُعَطَّلِ یَضْرِبُنِیْ اِذَا صَلَّیْتُ وَیُفَطِّرُنِیْ اِذَا صُمْتُ وَلَا یُصَلِّی الْفَجْرَ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ وَصَفْوَانُ عِنْدَہٗ قَالَ فَسَاَلَہٗ عَمَّا قَالَتْ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَمَّا قَوْلُھَا یَضْرِبُنِیْ اِذَا صَلَّیْتُ فَاِنَّھَا تَقْرَأُ بِسُوْرَتَیْنِ وَقَدْ نَھَیْتُھَا قَالَ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ کَانَتْ سُوْرَۃً وَاحِدَۃً لَکَفَتِ النَّاسَ قَالَ وَاَمَّا قَوْلُھَا یُفَطِّرُنِیْ اِذَا صُمْتُ فَاِنَّھَا تَنْطَلِقُ تَصُوْمُ وَاَنَا رَجُلٌ شَابٌّ فَلَا اَصْبِرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَصُوْمُ امْرَاَۃٌ اِلَّا بِاِذْنِ زَوْجِھَا وَاَمَّا قَوْلُھَا اِنِّیْ لَا اُصَلِّیْ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَاِنَّا اَھْلُ بَیْتٍ قَدْ عُرِفَ لَنَا ذٰلِکَ لَا نَکَادُ نَسْتَیْقِظُ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ فَاِذَا اسْتَیْقَظْتَ یَا صَفْوَانُ فَصَلِّ (رواہ ابوداود وابن ماجۃ)

ترجمہ: حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ایک عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے اس نے کہا میرا خاوند صفوان بن معطل مجھ کو مارتا ہے جب میں نماز پڑھتی ہوں اور جب روزہ رکھتی ہوں تو افطار کرا دیتا ہے وہ فجر کی نماز سورج نکلنے کے قریب پڑھتا ہے۔ راوی نے کہا صفوان حضرت کے پاس تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے عورت کی شکایت کے بارے میں دریافت فرمایا صفوان نے کہا اے اللہ کے رسول اس کا یہ کہنا کہ جب میں نماز پڑھتی ہوں مارتا ہے تو میں نے اس کو منع کیا اس بات سے کہ دو سورتیں پڑھے۔ راوی نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ایک سورت ہوتی تو بھی لوگوں کو کفایت کرتی اور اس کا یہ کہنا کہ میں روزہ رکھتی ہوں افطار کرا دیتا ہے۔ ہمیشہ روزہ رکھتی چلی جاتی ہے اور میں جوان ہوں صبر نہیں کر سکتا۔ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر روزہ نہ رکھے اور اس کا یہ کہنا کہ میں سورج نکلے صبح کی نماز پڑھتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم کاروباری آدمی ہیں اور ہماری یہ بات پہچانی گئی ہے کہ ہم سورج کے نکلنے کے قریب جاگتے ہیں فرمایا اے صفوان جب تو جاگے نماز پڑھ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے۔

تشریح: صفوان رضی اللہ عنہ زراعت پیشہ آدمی تھے وہ بہت رات گئے تک اپنے کھیتوں اور باغوں میں پانی دیتے تھے اور پھر وہیں پڑ کر سو جاتے تھے اور چونکہ وہاں جگانے والا کوئی نہیں ہوتا تھا اس لئے ان کی آنکھ دیر سے کھلتی تھی اس اعتبار سے وہ گویا معذور تھے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عذر کے بنا پر ان کو حکم دیا کہ اگر تمہاری آنکھ وقت پر نہ کھل سکے تو جب بھی جاگو پہلے نماز پڑھو اس کے بعد کسی اور کام میں لگو۔

سخت سے سخت حکم میں بھی شوہر کی اطاعت کرو

(۳۱) وَعَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ فِیْ نَفَرٍ مِّنَ الْمُھَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ فَجَاءَ بَعِیْرٌ فَسَجَدَ لَہٗ فَقَالَ اَصْحَابُہٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ تَسْجُدُ لَکَ الْبَھَائِمُ وَالشَّجَرُ فَنَحْنُ اَحَقُّ اَنْ نَسْجُدَ لَکَ فَقَالَ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَاَکْرِمُوْا اَخَاکُمْ وَلَوْ کُنْتُ اٰمُرُ اَحَدًا اَنْ یَسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَۃَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِھَا وَلَوْ اَمَرَھَا اَنْ تَنْقُلَ مِنْ جَبَلٍ اَصْفَرَ اِلٰی جَبَلٍ اَسْوَدَ وَمِنْ جَبَلٍ اَسْوَدَ اِلٰی جَبَلٍ اَبْیَضَ کَانَ یَنْبَغِیْ لَھَا اَنْ تَفْعَلَہٗ. (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین اور انصار کی جماعت میں تھے ایک اونٹ آیا

اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی اے اللہ کے رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چار پائے اور درخت سجدہ کرتے ہیں اور ہم زیادہ لائق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کی عزت کرو اگر میں کسی کو سجدہ کا حکم دیتا تو عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے اگر اس کا خاوند اس کو حکم کرے کہ زرد پہاڑ سے پتھر سیاہ پہاڑ پر لے جائے اور سیاہ سے سفید کی طرف تو اس کو چاہئے کہ یہ حکم بجالائے۔ روایت کیا اس کو احمد نے۔

تشریح: اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ دراصل عبادت ہے اور عبادت کا مستحق صرف پروردگار ہے اللہ کے علاوہ کوئی بھی ذات خواہ نبی ہی کیوں نہ ہو کسی کا معبود نہیں بن سکتی تو مجھے اپنا مسجود بنا کر گویا مجھے خدا کی بندی میں شریک کرنا چاہتے ہو۔ حالانکہ خدا نے مجھے نبی بنا کر تمہارے درمیان اس لئے بھیجا ہے کہ میں تم سے اپنی عبادت کرا کر تمہیں شرک کی آلائش میں مبتلا کروں بلکہ میں تو اس دنیا میں اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں شرک کی ظلمت سے نکال کر خدائے واحد کی بندگی کے راستہ پر لگاؤں اور تمہیں یہ تعلیم دوں کہ تمہاری اس مقدس پیشانی کو صرف خدا کے سامنے جھکنا چاہئے۔

جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اونٹ کے سجدہ کرنے کا سوال ہے تو اس میں کوئی خلجان نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اونٹ کا سجدہ کرنا خرق عادت (یعنی عادت اور قانون قدرت کے خلاف ایک انوکھی بات ہونے) کے طور پر تھا جو اونٹ کو اللہ تعالیٰ کے مسخر کر دینے کے سبب واقع ہوا تھا اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم و فعل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی دخل نہیں تھا پھر یہ کہ اونٹ معذور محض تھا کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا۔ اس وجہ سے محل اشکال نہیں ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری پر مجبور تھے اسی طرح اونٹ کو بھی حق تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرے اور وہ اس حکم کی تعمیل پر مجبور تھا۔

اور اپنے بھائی کی یعنی میری تعظیم کرو کا مطلب یہ ہے کہ میری ذات اور میرے منصب کے تئیں تمہاری عقیدت و محبت کا بس اتنا تقاضہ ہونا چاہئے کہ تم اپنے دل میں میری محبت رکھو اور ظاہر و باطن میں میری اطاعت کرو۔ پہاڑوں کے رنگ کا مقصد ان پہاڑوں کے درمیان فاصلہ کی مسافت و دوری کو زیادہ سے زیادہ بیان کرنا ہے کیونکہ اس طرح کے پہاڑ ایک دوسرے کے قریب نہیں پائے جاتے۔ لہٰذا اس جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ اگر دو پہاڑ ایک دوسرے سے بہت دور واقع ہوں اور خاوند اپنی بیوی کو یہ حکم دے کہ ایک پہاڑ سے پتھر اٹھا کر دوسرے پہاڑ پر جاؤ تو بیوی کو اس سخت حکم کی تعمیل کرنی چاہئے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر خاوند اپنی بیوی کو اتنا سخت حکم بھی دے تو بیوی کیلئے یہی لائق ہے کہ وہ اس حکم کو بجالائے۔

جس عورت کا خاوند ناراض ہو اس کی نماز پوری طرح قبول نہیں ہوتی

(۳۲) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تُقْبَلُ لَهُمْ صَلَاةٌ وَلَا تَصْعَدُ لَهُمْ حَسَنَةٌ اَلْعَبْدُ الْاٰبِقُ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلٰى مَوَالِيْهِ فَيَضَعَ يَدَهُ فِيْ اَيْدِيْهِمْ وَالْمَرْأَةُ السَّاخِطُ عَلَيْهَا زَوْجُهَا وَالسَّكْرَانُ حَتّٰى يَصْحُوَ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین شخصوں کے بارہ میں فرمایا کہ ان کی نماز قبول نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کی نیکی اوپر چڑھتی ہے ایک بھاگا ہوا غلام جب تک کہ وہ واپس مالک کے پاس نہیں آتا اپنا ہاتھ ان کے ہاتھوں میں رکھے دوسری وہ عورت کہ اس کا خاوند اس پر ناراض ہے تیسرا بدمست یہاں تک کہ ہوش میں آئے روایت کیا اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں۔

تشریح: الی موالیہ: موالی مولی کی جمع ہے آقا کو کہتے ہیں یہاں جمع لا کر اشارہ کیا گیا کہ اس غلام کو چاہیے کہ صرف آقا نہیں بلکہ ان کے اولاد کے ہاتھ میں بھی ہاتھ دے کر توبہ کرلے تاکہ اس کی عبادت خراب نہ ہو اور وفاداری کا خوب اظہار ہو جائے۔

لا تقبل: میں نفی کمال کی ہے یعنی عبادت پوری طرح اور کامل طور پر قبول نہیں ہوتی ہے۔

لا تصعد: سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ نیک اعمال اوپر کی طرف چڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بادشاہت اور عرش بریں کا نظام اوپر ہے یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ جن احادیث میں شوہر کو اعزاز دیا گیا ہے اس سے مراد وہ شوہر ہے جو اپنے خالق و مالک کا مطیع فرمانبردار اور مؤمن پرہیزگار ہو فاسق فاجر شوہر کا یہ مقام نہیں ہے۔

بہترین بیوی کی پہچان

(۳۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ النِّسَاءِ خَیْرٌ قَالَ الَّتِیْ تَسُرُّهٗ اِذَا نَظَرَ وَ تُطِیْعُهٗ اِذَا اَمَرَ وَ لَا تُخَالِفُهٗ فِیْ نَفْسِهَا وَلَا فِیْ مَالِهَا بِمَا یَکْرَهُ رَوَاهُ النَّسَائِیُّ وَ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کونسی عورت بہتر ہے فرمایا وہ عورت جو اپنے خاوند کو خوش کرے جب اس کا خاوند اس کی طرف دیکھے اس کا حکم بجالائے جب کچھ کہے۔ اپنی ذات میں اور اپنے مال میں اس کی مخالفت نہ کرے جو مرد کو ناگوار ہو۔ روایت کیا اس کو نسائی اور بیہقی نے شعب الایمان میں۔

تشریح: اس روایت میں ایک اچھی بیوی کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ جب اس کا شوہر اس کی طرف دیکھے یعنی اس کی خوش اخلاقی وخوش اطواری کو دیکھے تو وہ خاموش ہو جائے اور اگر کہیں وہ بیوی صورت وسیرت دونوں میں اچھی ہو تو پھر کیا کہنا نور علی نور اور سرور علی سرور ہے اسی طرح ایک پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اپنی ذات اور اپنے مال میں ایسی کوئی بات نہ کرے جو اس کے شوہر کی نظر میں پسندیدہ نہ ہو۔ یہاں اپنے مال سے خود اس بیوی کا مال بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی جس مال کی حقیقت میں وہ خود مالک ہو اس مال کو بھی وہ اپنے شوہر کی مرضی کے خلاف خرچ نہ کرے اور اس سے وہ مال بھی ہو سکتا ہے جو خود اس کی ملکیت نہ ہو بلکہ حقیقت میں مالک تو اس کا خاوند ہو۔ البتہ اس عورت کے قبضہ تصرف میں ہو۔ اس صورت میں بھی یہ مطلب ہوگا کہ اس کا خاوند اس کو جو کچھ مال واسباب اور روپیہ پیسہ دے وہ اس کو ایک امانت کے طور پر اپنے پاس رکھے اس میں نہ تو خیانت کرے اور نہ اپنے خاوند کی مرضی کے خلاف اس کو خرچ کرے۔

امانت دار بیوی کی فضیلت

(۳۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْبَعٌ مَنْ اُعْطِیَهُنَّ فَقَدْ اُعْطِیَ خَیْرَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ قَلْبٌ شَاکِرٌ وَ لِسَانٌ ذَاکِرٌ وَ بَدَنٌ عَلَی الْبَلَاءِ صَابِرٌ وَزَوْجَةٌ لَا تَبْغِیْهِ حَوْبًا فِیْ نَفْسِهَا وَلَا مَالِهٖ. رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار چیزیں ہیں جو شخص وہ دیا گیا گویا کہ وہ دنیا اور آخرت کی بھلائی دیا گیا۔ دل شکر کرنے والا زبان ذکر کرنے والی اور بدن مصائب پر صبر کرنے والا اور بیوی اپنے نفس اور خاوند کے مال میں، خیانت نہ کرنے والی۔ روایت کیا اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں۔

بَابُ الْخُلْعِ وَ الطَّلَاقِ ..... خلع اور طلاق کا بیان

قال اللہ تعالیٰ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ ط وَ لَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ شَیْئًا اِلَّآ اَنْ یَّخَافَآ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ط فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ط تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا (بقرہ: ۲۲۹)

باب فتح یفتح سے خلع جب خاء کے فتحہ کے ساتھ آجائے تو یہ لغت میں کسی چیز کے نکالنے کھولنے زائل کرنے اور کھینچنے میں استعمال کیا جاتا ہے خاص طور پر بدن سے کپڑے اور جوتا اتارنے کیلئے بولا جاتا ہے اور جب خاء کے ضمہ اور لام کے سکون کے ساتھ ہو تو یہ ازالۂ زوجیت کیلئے استعمال ہوتا ہے اور یہی خُلع ہے۔ اس کی شرعی تعریف اس طرح ہے (الخلع فراق الرجل امرأته علی عوض) یعنی (ملکیت نکاح کو مال کے عوض خلع کے لفظ سے زائل کرنے کا نام خلع ہے) علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ لغوی اور شرعی معنی میں یہ مناسبت ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کیلئے بمنزلہ لباس ہیں هن لباس لکم وانتم لباس لهن اور جب میاں بیوی نے خلع کا عمل کیا تو گویا دونوں نے اپنے اپنے بدن سے کپڑے اتار لئے (والطلاق) یہ خلع پر عطف ہے اگر خلع فسخ نکاح کا نام ہے اور طلاق کا نام نہیں ہے تو اس پر (طلاق) کا عطف کرنا واضح اور ظاہر ہے کہ دونوں لفظ مفہوم کے اعتبار سے الگ الگ ہیں اور عطف درست ہے اور اگر خلع بھی ایک طلاق ہے جیسا کہ بعد میں اختلاف آرہا ہے تو پھر لفظ (

الطلاق) عطف عام علی الخاص ہوگا کہ طلاق عام ہے خلع خاص ہے۔

اسلام سہولت اور رحمت کا دین اور شفقت کا قانون ہے کبھی بیوی اچھی نہیں ہوتی جس کی وجہ سے شوہر کی زندگی تکلیف سہنے کا مجموعہ بن جاتی ہے تو اسلام نے شوہر کو بہتر طریقہ سے طلاق دینے کا اختیار دیا ہے کبھی شوہر اچھا نہیں ہوتا اور عورت اس کے مظالم کی چکی میں پستی رہتی ہے تو اسلام نے اس عورت کو جان چھڑانے کیلئے رضا کارانہ طور پر خلع کرانے یعنی کچھ مقدار مال کے عوض طلاق خریدنے کا حق دیا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ طلاق میں شوہر آزاد ہے بیوی کی مرضی پر طلاق موقوف نہیں ہے لیکن خلع میں شوہر کی مرضی کو باقی رکھا گیا ہے تا کہ گھریلو قیادت اور رجال کی سیادت مفلوج ہو کر نہ رہ جائے۔ان سہولتوں کے باوجود اسلام نے ایذا رسانی اور فساد کی بنیاد پر طلاق دینے یا خلع لینے کی شدید مذمت کی ہے تا کہ مجبوری کی ایک سہولت سے کوئی شخص نا جائز فائدہ نہ اٹھائے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ....ناپسند شوہر سے طلاق حاصل کی جاسکتی ہے

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ امْرَاَةَ ثَابِتِ ابْنِ قَيْسٍ اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ مَا اَعْتِبُ عَلَيْهِ فِيْ خُلُقٍ وَلَا دِيْنٍ وَلٰكِنِّيْ اَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَرُدِّيْنَ عَلَيْهِ حَدِيْقَتَهُ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْبَلِ الْحَدِيْقَةَ وَ طَلِّقْهَا تَطْلِيْقَةً. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ثابت بن قیس کی عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ثابت بن قیس پر نہ غصہ کرتی ہوں اور نہ ہی اس کے خلق اور دین پر عیب لگاتی ہوں لیکن میں کفر کو اسلام میں پسند نہیں کرتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو اس کا باغ واپس کردے گی اس نے کہا ہاں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت کو کہا کہ تو اپنا باغ واپس لے لے اور اس کو ایک طلاق دیدے۔(روایت کیا اس کو بخاری نے)

فقہاء کا اختلاف:۔امام احمد بن حنبل اور امام شافعیؒ کے مشہور قول کے مطابق خلع کرنے سے نکاح فسخ ہو جائیگا اور میاں بیوی دونوں کی جدائی ہو جائیگی۔امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خلع کے عمل سے عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائیگی۔خلاصہ یہ ہے کہ امام احمد و شافعیؒ کے نزدیک خلع فسخ نکاح ہے اور امام مالکؒ وابوحنیفہؒ کے نزدیک طلاق بائن ہے۔

دلائل:۔فریق اول کے دلائل الطلاق مرتان ...... الیٰ ..... فان طلقها الخ آیت ہے طرز استدلال اس طرح ہے کہ آیت میں پہلے دو طلاق کا ذکر ہے اور پھر فان طلقها سے تیسری اور آخری طلاق کو بیان کیا گیا ہے اب اگر بیچ میں فیما افتدت به کی فدیہ والی خلع کی صورت کو بھی طلاق واحد شمار کیا جائے تو اسلام میں تین کے بجائے طلاق چار ہو جائے گی اور یہ باطل ہے لہٰذا خلع کو طلاق میں شمار کرنا بھی باطل ہے۔ان حضرات کی دوسری دلیل حضرت ثابت بن قیس کی بیوی کا قصہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عدت کو صرف ایک حیض قرار دیا (**فجعل عدتها حيضة**) ابوداؤد شریف کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ خلع کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت کی بیوی کی عدت ایک حیض قرار دیا اور طلاق میں ایک حیض نہیں بلکہ تین حیض عدت کے لئے ضروری ہے معلوم ہوا خلع طلاق نہیں بلکہ فسخ نکاح ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے حضرت ثابت بن قیس کی بیوی کے واقعہ سے استدلال کیا ہے جو بخاری میں بھی مذکور ہے اور مشکوٰۃ شریف کے صفحہ حاضرہ پر ہے کہ حضور اکرمؐ نے ان کے شوہر سے فرمایا کہ یہ باغ جو تیری بیوی نے دیا ہے اسے قبول کرلو اور بیوی کو ایک طلاق دیدو یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اگر یہ خلع فسخ نکاح ہوتا تو طلاق دینے کی ضرورت کیا تھی؟ ان حضرات نے اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے۔ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جعل الخلع تطلیقة واحدة رواہ سعید بن المسیب مرسلا کذا فی مصنف ابن ابی شیبہ۔

جواب:۔فریق اول کے آیت سے استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہاں خلع الگ طلاق نہیں ہے بلکہ قرآن نے الطلاق مرتان کی دو صورتیں بیان کی ہیں ایک طلاق بلا عوض ہے جس کا ذکر الطلاق مرتان میں ہے اور ایک طلاق بالعوض ہے جس کو خلع کہتے ہیں یہ الگ طلاق کا ذکر نہیں

بلکہ الطلاق مرتان کے ضمن میں ایک قسم طلاق کا ذکر ہے یہ دو طلاقیں ہوئیں اور فان طلقها میں تیسری طلاق کو بیان کیا گیا ہے۔

جہاں حدیث میں (حیضۃ) کا لفظ آیا ہے تو یہ جنس کیلئے ہے جو قلیل و کثیر پر بولی جاتی ہے لہذا اس سے تین حیض کی نفی نہیں ہوتی۔ حضرت شاہ انور شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک حیض کا جو ذکر حدیث میں آیا ہے یہ وہ حیض ہے جس کے گزارنے کیلئے عورت سے کہا گیا ہے کہ وہ شوہر کے گھر میں کم از کم اس کو گزارے اس کے علاوہ دو حیض گزارنے کیلئے اپنے گھر جائے۔ اکرہ الکفر فی الاسلام: یعنی مجھے ان سے قلبی محبت نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ طبعی طور پر مجھے پسند نہیں کسی شرعی وجوہ سے برا نہیں تو ان میں شرعی عیوب ہیں لیکن مجھے پسند نہیں اور چونکہ وہ میرے شوہر ہیں جن سے نفرت و کراہت حرام ہے لہذا اسلام میں رہتے ہوئے یہ بے اسلامی کی باتیں اور یہ ناشکری مجھے گوارہ نہیں کہیں میرا ایمان خراب نہ ہو جائے تو کفر سے کفران نعمت مراد لیا جا سکتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت ثابت بن قیس کا قد پست تھا اور صورت بھی سفید گوری نہ تھی اور ان کی بیوی جن کا نام جمیلہ یا حبیبہ تھا خوبصورت تھی اس لئے دونوں کا جوڑ ناموزوں اور بے جوڑ تھا۔

حالت حیض میں طلاق دینے کی ممانعت

(۲) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهُ طَلَّقَ امْرَاَةً لَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَذَكَرَ عُمَرُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَغَيَّظَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ لِيُرَاجِعْهَا ثُمَّ يُمْسِكْهَا حَتّٰى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيْضَ فَتَطْهُرَ فَاِنْ بَدَالَهُ اَنْ يُّطَلِّقَهَا فَلْيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا قَبْلَ اَنْ يَّمَسَّهَا فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِيْ اَمَرَ اللّٰهُ اَنْ تُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ وَفِيْ رِوَايَةٍ مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لِيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا اَوْ حَامِلًا. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس فعل سے ناراض ہوئے فرمایا عبداللہ اس عورت سے رجوع کرلے پھر اس عورت کو اپنے پاس رکھے یہاں تک کہ وہ پاک ہو پھر حائضہ ہو پھر پاک ہو پھر اگر طلاق دینا چاہے طہر کی حالت میں طلاق دے پہلے اس سے کہ صحبت کرے یہ ہے عدت جس کا اللہ نے حکم فرمایا کہ اس عدت میں طلاق دی جاوے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر کو فرمایا حکم کر عبداللہ کو کہ اس کے ساتھ رجوع کرے پھر اس کو طہر کی حالت میں طلاق دے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ طلق امراۃ لہ: طلاق بمعنی تطلیق ہے جیسے سلام تسلیم کے معنی میں ہے۔ لغت میں طلاق کا معنی یہ ہے ''حل قید حسی او معنوی'' یعنی ظاہری یا معنوی بندھن کے کھولنے کا نام طلاق ہے قید ظاہری کی مثال جیسے کسی کے پاؤں میں زنجیریں ڈالدی ہیں اور قید معنوی کی مثال جیسے نکاح کی وجہ سے عورت پر غیر مرئی و غیر حسی قید لگ جاتی ہے۔

فقہاء کرام کی اصطلاح میں طلاق کی تعریف اس طرح ہے'' الطلاق ازالۃ النکاح او نقص حلہ '' یعنی نکاح کی قید کو بالکل زائل کرنا یا اس کی حلت کو کم کرنا۔ جب کوئی شخص بیوی کو مغلظ طلاق دیتا ہے تو یہ بالکلیہ نکاح کی قید کو زائل کرتا ہے اب وطی حرام ہے اور اگر طلاق رجعی دیتا ہے تو نکاح کی حلت کی صورت میں نقصان کرتا ہے اب وطی اگر چہ جائز ہے لیکن رجوع کرنے کی صورت میں آئندہ تین طلاق کے بجائے دو طلاق کا مالک ہوگا یہی حلت میں کمی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ لغت میں طلاق قید اٹھانے کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں قید نکاح کا مخصوص الفاظ کے ذریعہ سے زائل کرنے کا نام طلاق ہے۔

طلاق کی اقسام:۔ طلاق کی تین قسمیں ہیں۔ اول احسن، دوم حسن، سوم بدعی۔ طلاق احسن: یہ ہے کہ ایک عدد طلاق ایسے طہر میں دی جائے جس میں جماع نہ کیا ہو پھر تین ماہ عدت گزر جانے تک رجوع اور جماع سے اجتناب کرے عدت گزرنے پر عورت بائنہ ہو جائے گی۔ یہ احسن اس لئے ہے کہ شوہر کو ہر وقت رجوع کا اختیار رہے گا سوچنے کا طویل موقع ملے گا اور طلاق کے مکروہ الفاظ بھی کم سے کم استعمال ہو جاتے ہیں۔

طلاق حسن: اس کو کہتے ہیں کہ طہر میں اپنی بیوی کو ایک طلاق دیدی دوسرے طہر میں دوسری طلاق دیدی اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق دیدی اس طرح عورت پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ صورت حسن نہیں کیونکہ جب ایک طلاق دینے سے بیوی الگ ہو سکتی ... اس

(ابغض المباحات کو تین بار تک استعمال کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جمہور فرماتے ہیں کہ شرعی نصوص کی موجودگی میں آپ کا قیاس نہیں چل سکتا ہے۔

طلاق بدعی:۔ تیسری طلاق بدعی ہے وہ یہ ہے کہ ایک طہر میں تین طلاق ایک مجلس میں دیدی یا الگ الگ اوقات میں دی یا حالت حیض میں بیوی کو طلاق دیدی یہ طلاق بدعی ہے اس طرح بدعی طلاق دینے سے آدمی گناہ گار ہو جائے گا مگر طلاق پڑ جائے گی۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ طلاق بدعی وہ ہے جو حالت حیض میں دی جائے اگر طہر میں دی گئی تو وہ طلاق بدعی نہیں خواہ ایک مجلس میں تین طلاقیں ایک ساتھ دیدی یا الگ الگ دیدی سب جائز ہے کیونکہ طلاق امر مشروع ہے تو ممنوع نہیں۔ احناف فرماتے ہیں کہ نکاح مصالح دینیہ اور دنیویہ پر مشتمل ہے اور طلاق دینے سے یہ مصالح ختم ہو جاتے ہیں لہذا طلاق شدید مجبوری کے وقت دینا چاہیے اور وہ بھی اس طرح دینا چاہیے کہ بوقت پشیمانی شوہر کے ہاتھ میں کچھ اختیار باقی ہو جس سے اس کی پریشانی دور ہو جائے گی اس لئے طلاق جتنی کم دی جائے اتنا ہی بہتر ہے اور کثرت بدعت ہے۔

طلاق کی اقسام میں بعض شارحین نے مختصر الفاظ کے ساتھ اس طرح تقسیم کی ہے کہ طلاق دو قسم پر ہے سنی اور بدعی پھر سنی دو قسم پر ہے احسن اور حسن تو کل تین قسمیں بن گئیں۔ حیض کی حالت میں طلاق دینے کی ممانعت:۔ "**فتغیظ**" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے غصہ ہوئے کہ حالت حیض میں طلاق دینا حرام ہے کیونکہ حالت حیض میں طلاق دینا بالا جماع گناہ اور بدعت ہے۔ ائمہ اربعہ اور سلف صالحین کا اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے البتہ غیر مقلدین کا مسلک ہے کہ اگر کسی نے حالت حیض میں طلاق دیدی تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

جمہور ائمہ نے زیر نظر حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں حضرت عمر فاروقؓ کی شکایت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اپنے بیٹے کو حکم دو کہ وہ اپنی بیوی کی طرف رجوع کرے " **مرہ فلیراجعها** " اب یہ بات واضح ہے کہ رجوع متفرع ہے طلاق پر جب طلاق پڑ جاتی ہے تب رجوع ہوتا ہے ورنہ رجوع کی ضرورت کیا ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ باوجودیکہ حیض کی حالت میں طلاق دینا گناہ ہے لیکن اگر کسی نے دیدیا تو طلاق پڑ جائیگی رہ گیا یہ مسئلہ کہ اس حیض کے متصل جو طہر ہے اس میں طلاق دینے کے بجائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں فرمایا کہ آنیوالے حیض کے بعد جو طہر آئے گا اس میں طلاق دیدے اس کی حکمت علماء نے یہ بتائی ہے کہ اس تاخیر سے شاید شوہر کا ارادہ طلاق بدل جائے یا بطور سزا موخر کیا کہ تم نے جلدی کر کے حیض میں طلاق دی اب ایک طہر نہیں بلکہ دو طہر کا انتظار کرو۔ بہر حال یہ ایک تنبیہ ہے جو کہ اولیٰ ہے واجب نہیں۔

اختیار کا مسئلہ

(۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَيَّرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَرْنَا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَلَمْ يَعُدَّ ذٰلِكَ عَلَيْنَا شَيْئًا (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اختیار دیا اور ہم نے اللہ اور اس کے رسول کو پسند کیا تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ شمار نہ کیا۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی سے یوں کہے کہ "اپنے نفس کو اختیار کر لو یا مجھے اختیار کر لو"۔ اور پھر بیوی خاوند کو اختیار کر لے تو اس سے کسی طرح کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔ لیکن اگر بیوی اپنے نفس کو اختیار کر لے تو اس صورت میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اور حضرت امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک طلاق رجعی حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک طلاق بائن اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں۔

منقول ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس بات کے قائل تھے کہ بیوی کو شوہر کے محض اختیار دینے ہی سے طلاق رجعی واقع ہو جاتی ہے۔ خواہ وہ اپنے شوہر ہی کو کیوں نہ اختیار کر لے۔

اور حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ اس بات کے قائل تھے کہ طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں ہی کے اقوال کی تردید میں یہ حدیث بیان کر کے گویا یہ واضح کیا کہ شوہر کے محض اختیار دے دینے سے کوئی بھی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے سے کفارہ لازم آتا ہے

(۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فِي الْحَرَامِ يُكَفِّرُ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (متفق عليه)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا حرام کے بارہ میں کفارہ دے تمہارے لیے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اچھی ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: قال فی الحرام یکفر: یعنی اگر کوئی شخص کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے تو وہ چیز تو حلال ہے اور حلال رہے گی البتہ حرام کرنے والا کفارہ قسم اس وقت ادا کریگا جب اس نے اس چیز کو استعمال کیا خواہ وہ چیز فی نفسہ حلال ہو یا حرام ہو مثلاً کسی نے قسم کی نیت سے یہ کہا کہ شراب مجھ پر حرام ہے اور اس کی نیت خبر دینے کی نہیں تھی بلکہ قسم کی تھی تو اب اگر اس نے وہ شراب پی لی تو کفارہ قسم لازم ہو جائیگا اگرچہ شراب پینا حرام ہے اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم مجھ پر حرام ہو تو یہ (ایلا) ہو جائیگا جس کی تفصیل ایلا کے ابواب میں ہے اور اگر کسی نے کہا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی تمام چیزیں حرام ہیں تو مظاہر حق میں لکھا ہے کہ فتویٰ یہی ہے کہ اس طرح کہنے سے اس کی بیوی پر طلاق پڑ جائیگی اگرچہ اس نے طلاق کی نیت نہ کی ہو حضرت ابن عباسؓ کا بھی مسلک ہے اور ائمہ احناف کا بھی یہی مسلک ہے آیت سے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر شہد حرام کیا تھا پھر آپ نے قسم توڑ کر کفارہ قسم ادا فرمایا آنے والی حدیث میں تفصیل کے ساتھ یہی واقعہ آ رہا ہے۔

(۵) وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْكُثُ عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَشَرِبَ عِنْدَهَا عَسَلاً فَتَوَاصَيْتُ أَنَا وَحَفْصَةُ أَنَّ أَيَّتَنَا دَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْتَقُلْ إِنِّي أَجِدُ مِنْكَ رِيحَ مَغَافِيرَ أَكَلْتَ مَغَافِيرَ؟ فَدَخَلَ عَلَى إِحْدَاهُمَا فَقَالَتْ لَهُ ذَالِكَ فَقَالَ لَا بَأْسَ شَرِبْتُ عَسَلاً عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَلَنْ أَعُوْدَ لَهُ وَقَدْ حَلَفْتُ لَا تُخْبِرِي بِذَالِكَ أَحَدًا يَبْتَغِي مَرْضَاةَ أَزْوَاجِهِ فَنَزَلَتْ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ الْآيَةَ (متفق عليه)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس ٹھہرتے اور اس سے شہد پیتے۔ میں نے اور حفصہ رضی اللہ عنہا نے صلاح کی کہ ہم میں سے جس کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں تو کہے میں مغافیر کی بو پاتی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ایک کے پاس آئے اس نے وہی بات کہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں۔ زینب رضی اللہ عنہا سے میں نے شہد پیا ہے میں شہد نہیں پیوں گا میں نے قسم کھائی ہے تم کسی کو خبر نہ کرنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کی خوشی چاہتے تھے۔ یہ آیت نازل ہوئی اے نبی کیوں حرام کرتا ہے اس کو کہ اللہ نے حلال فرمائی تیرے لیے تو اپنی بیویوں کی خوشی چاہتا ہے۔ آخر آیت تک۔ (متفق علیہ)

تشریح: حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس ٹھہر جایا کرتے تھے۔ ان کی نوبت (باری) کے دن کا ذکر نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی ازواج مطہرات کے ہاں گشت کیلئے نکلتے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لاتے تو اس وقت ان کے پاس ٹھہر جایا کرتے تھے۔

مغافیر ایک درخت کے پھل کا نام ہے جو گوند کے مشابہ ہوتا ہے اس کی بو خراب ہوتی ہے اور ایک گونہ شہد کی بو کی مشابہت رکھتی ہے۔

اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد بہت مرغوب تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گشت کے وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد پلایا کرتی تھیں۔ اس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں کچھ زیادہ دیر ٹھہر جایا کرتے تھے۔ یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ناگوار گزری اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور بیوی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بہت قریب تھیں اور اکثر معاملات میں ان سے اتفاق کرتی تھیں۔ مذکورہ بالا بات کہنے کا مشورہ کیا تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں ٹھہرنا اور ان کا شہد پینا چھوڑ دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ ذکر کیا گیا لیکن حق تعالیٰ کے ہاں اس بات کو پسند نہیں کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک حلال چیز کو محض اپنی بیویوں کی خوشنودی کیلئے اپنے اوپر حرام کر لیں چنانچہ مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ..... بلاضرورت طلاق مانگنے والی عورت کے حق میں وعید

(۶) وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا امْرَأَۃٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا فِیْ غَیْرِ مَابَاْسٍ فَحَرَامٌ عَلَیْهَا رَائِحَۃُ الْجَنَّۃِ. (رواہ احمد والترمذی و ابن ماجۃ و الدارمی)

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت اپنے خاوند سے بغیر کسی وجہ کے طلاق چاہے اس پر جنت کی بو حرام ہے۔ روایت کیا اس کو احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے۔

طلاق کوئی اچھی چیز نہیں ہے

(۷) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ الطَّلَاقُ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلال چیزوں میں اللہ کے نزدیک زیادہ بری چیز طلاق ہے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: ابغض الحلال: یہاں یہ سوال ہے کہ جب ایک چیز حلال ہے تو اس کو مبغوض کیسے قرار دیا گیا کیونکہ حلال تو جائز ہوتا ہے؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہاں حلال کا لفظ حرام کے مقابلہ میں بولا گیا ہے کہ طلاق حرام نہیں حلال ہے اب حلال کے کئی درجات ہیں خواہ واجب کا درجہ ہو سنت کا درجہ ہو مباح کا درجہ ہو یا خلاف اولیٰ ناپسندیدہ مکروہ کا درجہ ہو یہ سب مراحل حلال کے تحت ہیں لہٰذا یہاں فی نفسہ طلاق کے حلال ہونے کے باوجود یہ فعل مبغوض قرار دیا گیا ہے۔

دوسرا جواب بھی اسی سے ملتا جلتا ہے لیکن الفاظ کی تعبیر میں فرق ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ طلاق دینا حلال اور مباح ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ومکروہ ہے اور بہت سی ایسی چیزیں اور نظائر موجود ہیں کہ ایک چیز مکروہ اور ناپسندیدہ سمجھی جاتی ہے لیکن وہ مباح اور حلال ہوتی ہے مثلاً فرض نماز شرعی عذر کے بغیر گھر میں پڑھنا یا غصب شدہ زمین پر نماز پڑھنا یا اگرچہ مباح ہے اور فرض نماز سے ذمہ ساقط ہو جاتا ہے لیکن اس کے باوجود مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔

نکاح سے پہلے طلاق دینے کا مسئلہ

(۸) وَعَنْ عَلِیٍّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا طَلَاقَ قَبْلَ نِکَاحٍ وَلَا عِتَاقَ اِلَّا بَعْدَ مِلْکٍ وَلَا وِصَالَ فِیْ صِیَامٍ وَلَا یُتْمَ بَعْدَ احْتِلَامٍ وَلَا رَضَاعَ بَعْدَ فِطَامٍ وَلَا صُمْتَ یَوْمٍ اِلَی اللَّیْلِ. (رواہ فی شرح السنۃ)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا نکاح سے پہلے طلاق نہیں۔ مالک ہونے سے پہلے آزاد کرنا نہیں اور روزوں میں وصال جائز نہیں۔ بالغ ہونے کے بعد کوئی یتیم نہیں شیرخوارگی دودھ کی مدت کے بعد نہیں اور دن کو رات تک چپ رہنا جائز نہیں۔

تشریح: لا طلاق قبل نکاح: طلاق دو قسم پر ہے ایک تنجیزی طلاق ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ طلاق کو فوراً کسی شرط کے بغیر واقع کیا جائے دوسری طلاق بالشرط ہے جو کسی شرط کے ساتھ مشروط اور معلق ہوتی ہے۔

کسی عورت سے نکاح کرنے سے پہلے تنجیزی طلاق کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے مثلاً ایک شخص کسی اجنبیہ عورت سے کہتا ہے کہ وہ مجھ پر طلاق ہے یہ کلام بالاتفاق لغو ہے معلق بالشرط طلاق پھر دو قسم پر ہے ایک قسم میں اضافت ونسبت نکاح اپنے ملک کی طرف نہیں ہوتی ہے مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ اگر فلاں عورت نے نکاح کیا تو اس کو طلاق ہے یہ طلاق بھی تنجیزی کی طرح لغو ہے اگر بعد میں نکاح کیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی نکاح درست ہے۔

دوسری قسم وہ کہ اس میں آدمی اضافت ونسبت نکاح اپنے ملک کی طرف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ (ان نکحتک فانت طالق او ان

نکحت فلانۃ فھی طالق)اس صورت میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:۔جمہور کے نزدیک یہ بھی لغو ہے کیونکہ یہ قبل النکاح طلاق ہے تو محل طلاق نہیں ہے تو وقوع طلاق بھی نہیں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں اگر محل صالح نہیں تو ٹھیک ہے کہ طلاق نہیں ہے لیکن جوں ہی محل صالح ہو جائے گی تو طلاق پڑ جائے گی۔

دلائل: جمہور کی دلیل زیر بحث حدیث ہے جس میں لاطلاق قبل نکاح کے واضح الفاظ موجود ہیں امام مالکؒ اور احمد بن حنبلؒ کی روایات اگر چہ مختلف ہیں لیکن ان کی ایک ایک روایت امام شافعیؒ کے ساتھ ہے لہٰذا یہ جمہور ایک طرف ہیں۔

ائمہ احناف کی ایک دلیل موطأ مالک کی راویت ہے امام مالک فرماتے ہیں: **مالک بلغه ان عمر بن الخطاب وعبد الله بن عمر وعبد الله بن مسعود و سالم بن عبدالله والقاسم بن محمد وابن شهاب وسليمان بن يسار كانوا يقولون اذا حلف الرجل بطلاق المرأة قبل ان ينكحها ثم اثم (اى حنث) ان ذالک لازم له اذا نكحها** (صفحہ ۵۲۸)

اسی موطأ مالک میں ہے کہ ایک شخص نے قاسم بن محمد اور سلیمان بن یسار سے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح سے پہلے ظہار کیا تو اس کا حکم کیا ہے تو دونوں نے جواب دیا کہ اگر اس شخص نے اس عورت سے نکاح کیا تو جب تک کفارۂ ظہار ادا نہیں کریگا اس عورت کے قریب نہیں جائیگا (موطأ مالک صفحہ ۵۲۹)

اسی طرح ترمذی میں بھی صفحہ ۲۲۳ پر ایک قول حضرت ابن مسعودؓ کا احناف کی دلیل ہے ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ ائمہ احناف کا مسلک مبرھن اور مدلل بدلائل ہے۔جواب:۔باقی جمہور نے زیر نظر روایت سے جو استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت تنجیزی صورت پر محمول ہے جو سب کے نزدیک نا جائز ہے یہی اختلاف جمہور اور احناف کا لفظ (کلما) کے ساتھ طلاق دینے میں بھی ہے جمہور طلاق واقع ہونے کے قائل نہیں اور احناف اس کو مانتے ہیں اسی طرح مسئلہ اعتاق کا بھی ہے۔

ولا وصال: وصال ان مسلسل روزوں کا نام ہے جس میں افطار نہ ہو اس طرح روزے امت کے افراد کیلئے ممنوع ہیں ہاں نبی اکرم کی خصوصیات میں تھا آپ کیلئے منع نہیں تھا۔**لا يتم بعد البلوغ**: یعنی یتیم کے مسائل وفضائل صرف قبل البلوغ مدت تک محدود ہیں جب لڑکا بالغ ہو گیا تو اب اس کو یتیم نہیں کہا جاسکتا ہے ورنہ دنیا کے سارے لوگ یتیم کہلانے کے مستحق بنیں گے۔

ولا صمت يوم: یعنی چپ کا روزہ نہیں ہے سابقہ امتوں میں خاموش رہنے کا روزہ ہوتا تھا جیسے حضرت مریم نے کہا **انی نذرت للرحمان صوما فلن اکلم الیوم انسیا** ویسے خاموش رہنے میں فائدہ ہے لیکن خاموشی کا روزہ رکھنا یہ اس امت کی عبادات میں سے نہیں ہے۔

(۹) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَذْرَ لِابْنِ اٰدَمَ فِيْمَالَا يَمْلِكُ وَ لَا عِتْقَ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ وَلَاطَلَاقَ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ زَادَ اَبُوْدَاوُدَ وَ لَا بَيْعَ اِلَّا فِيْمَا يَمْلِكُ.

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن آدم جس کا مالک نہیں۔اس کے بارہ میں نذر نہیں قبول ہوگی اور نہ آزاد کرنا جس کا مالک نہیں اور جس سے نکاح نہیں ہوا اس کی طلاق نہیں۔روایت کیا اس کو ترمذی نے اور ابوداؤد نے زیادہ کیا مالک ہونے کے بعد بیع ہوسکتی ہے۔

تشریح: نذر صحیح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں اللہ کی خوشنودی کیلئے اس غلام کو آزاد کرنے کی نذر مانتا ہوں اور حالانکہ یہ نذر ماننے کے وقت وہ غلام اس کی ملکیت میں نہیں ہے تو یہ صحیح نذر نہیں ہوگی اور اگر اس کے بعد وہ اس غلام کا مالک ہو گیا تو وہ غلام آزاد نہیں ہوگا۔

طلاق بت کا مسئلہ

(۱۰) وَعَنْ رُكَانَةَ بْنِ عَبْدِيَزِيْدَ اَنَّهٗ طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ سُهَيْمَةَ الْبَتَّةَ فَاَخْبَرَ بِذٰلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ قَالَ وَاللّٰهِ مَا اَرَدْتُّ اِلَّا وَاحِدَةً فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَرَدْتَّ اِلَّا وَاحِدَةً؟ فَقَالَ رُكَانَةُ وَاللّٰهِ مَا

اَرَدْتُ اِلَّا وَاحِدَةً فَرَدَّهَا اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَطَلَّقَهَا الثَّانِيَةَ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ وَالثَّالِثَ فِيْ زَمَانِ عُثْمَانَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ اِلَّا اَنَّهُمْ لَمْ يَذْكُرُوا الثَّانِيَةَ وَ الثَّالِثَةَ۔

ترجمہ: حضرت رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس نے اپنی بیوی سہیمہ کو طلاق دے دی۔ رکانہ رضی اللہ عنہ نے اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی اور کہا اللہ کی قسم میرا اس سے ایک طلاق کا ارادہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم نہیں ارادہ کیا تو نے مگر ایک کا رکانہ نے کہا قسم ہے خدا کی نہیں ارادہ کیا مگر ایک کا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عورت واپس پھیر دی۔ رکانہ نے دوسری طلاق عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں دی اور تیسری عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد' ابن ماجہ اور دارمی نے مگر ترمذی' ابن ماجہ اور دارمی نے دوسری اور تیسری کا ذکر نہیں کیا۔

تشریح: البتۃ: لفظ بتہ اور البتۃ ایک ہی چیز ہے جو کاٹنے اور قطع کرنے کے معنی میں آتا ہے میاں بیوی کے درمیان علاقۂ نکاح کو کاٹنے اور ختم کرنے کے لئے شوہر اس لفظ کو استعمال کرتا ہے یعنی لفظ طلاق کو (بتہ یا البتۃ) کے ساتھ مقید کرتا ہے جس کا مفہوم یہ ہوا کہ ایسی طلاق جو رشتۂ نکاح کے تعلق کو بالکل ختم کر کے عورت کو نکاح سے قطعی طور پر نکال دیتی ہے اب اگر کسی شخص نے طلاق کو البتۃ کے ساتھ مقید کیا تو آیا آدمی کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا یا ایک طلاق پڑے گی یا دو یا تین واقع ہونگی اس میں فقہاء کرام کا کچھ اختلاف ہے

فقہاء کا اختلاف:۔ امام مالک کا قول ہے کہ اس لفظ سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں عورت مغلظہ ہو جائیگی نیت کا اعتبار نہیں جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ اس لفظ کے استعمال کرنے والے شخص کی نیت کا اعتبار ہے پھر شوافع اور احناف کا اس نیت کی تفصیل میں اختلاف ہوا ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایک طلاق رجعی کی نیت کرتا ہے تو بھی صحیح ہے دو کی نیت بھی صحیح ہے اور تین طلاق کی نیت بھی کر سکتا ہے جس سے عورت مغلظہ ہو جائیگی ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ اس لفظ سے طلاق رجعی نہیں بلکہ ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے اگر ایک طلاق کی نیت کی اور اگر تین طلاق کی نیت کی تو بھی صحیح ہے ہاں دو کی نیت نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ (البتۃ) کا لفظ مصدر ہے اور مصدر کا اطلاق دو پر نہیں ہو سکتا کیونکہ دو عدد محض ہے اور مصدر قلیل و کثیر پر تو بولا جاتا ہے لیکن عدد محض پر نہیں بولا جاتا' بہر حال ایک طلاق سے عورت بائن ہو جائیگی اور اگر تین کی نیت ہو تو مغلظہ ہو جائیگی۔

واللہ ما اردت الا واحدۃ: چونکہ یہ کنائی الفاظ ہیں اس لئے طلاق دینے والے کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے اسی لئے بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ سے استفسار فرمایا ہے کہ ایک کا ارادہ تھا یا تین کا تھا وہ قسم کھا رہے ہیں کہ ایک کا ارادہ تھا چونکہ ان الفاظ سے عرب کی عادت کے موافق ایک طلاق کا ارادہ معروف و مشہور تھا لہٰذا اسی پر عمل ہوتا تھا۔

فردھا: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ حضرت رکانہ نے ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا اور وہ رجعی تھا لہٰذا صرف (راجعتها الی نکاحی) کے الفاظ سے بیوی کو اپنے نکاح میں واپس کر دیا' امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس لفظ سے ایک طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے جبکہ ایک یا دو طلاق کا ارادہ کیا گیا یا کچھ بھی ارادہ نہ کیا ہاں اگر تین کا ارادہ کیا تو تین طلاق واقع ہوں گی خلاصہ یہ ہے کہ یہ الفاظ کنائی ہیں اور کنائی الفاظ سے ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے لہٰذا (ردھا) کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح جدید کے ساتھ ان کی بیوی کو ان کی طرف لوٹا دیا۔

نکاح و طلاق کے الفاظ ہنسی میں منہ سے نکالے جائیں تو حکم ثابت ہو جاتا ہے

(۱۱) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ اَلنِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ہیں کہ ان کا قصد کرنا بھی قصد ہے مذاق سے کہنا بھی قصد ہے نکاح کرنا۔ طلاق دینا۔ رجوع کرنا۔ روایت کیا اس کو ترمذی اور ابوداؤد نے اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: جد کے معنی ہیں کسی کام میں سعی وکوشش کرنا لیکن یہاں اس کے یہ معنی مراد ہیں کہ جو لفظ جس معنی کیلئے وضع کیا گیا ہو اس کو زبان سے ادا کرتے وقت وہی معنی مراد لئے جائیں۔ مثلاً لفظ نکحت (میں نے نکاح کیا) زبان سے جب ادا کیا جائے تو اس کے معنی یعنی نکاح کرنا ہی مراد لیا جائے یا جب لفظ "طلقت" (میں نے طلاق دی) زبان سے ادا کیا جائے تو اس کے معنی یعنی طلاق دینا ہی مراد لیا جائے اور لفظ ہزل کے معنی یہ ہیں کہ کوئی لفظ زبان سے ادا کیا جائے مگر اس کے معنی مراد نہ ہوں۔

لہٰذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں جو زبان سے ادا ہوتے ہی وقوع پذیر ہو جاتی ہیں خواہ ان کے معنی مراد ہوں یا مراد نہ ہوں۔ چنانچہ اگر دو اجنبی مرد وعورت کے درمیان ہنسی ہنسی میں دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول ہو جائے تو بھی نکاح ہو جاتا ہے اور وہ دونوں میاں بیوی بن جاتے ہیں یا اگر کوئی ہنسی مذاق میں طلاق دے دے تو بھی طلاق پڑ جائے گی اسی طرح طلاق رجعی کے بعد ہنسی ہنسی میں رجوع کرنے سے بھی رجعت ثابت ہو جاتی ہے۔ ان چیزوں کے علاوہ اور چیزیں مثلاً بیع وشراء وغیرہ اس طرح ہنسی مذاق میں وقوع پذیر نہیں ہوتیں۔

زبردستی دلوائی جانے والی طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

(۱۲) وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا طَلَاقَ وَلَا عِتَاقَ فِي اغْلَاقٍ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ قِيْلَ مَعْنَى الْاِغْلَاقِ الْاِكْرَاهُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے طلاق میں جبر نہیں اور آزاد کرنے میں جبر نہیں۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد وابن ماجہ نے۔ کہا گیا کہ اغلاق کا معنی اکراہ کے ہیں۔

تشریح: "اکراہ" کے معنی ہیں زبردستی کرنا لہٰذا حدیث کا یہ مطلب ہوا کہ اگر کوئی کسی سے زبردستی طلاق دلوا دے یا اس کا غلام آزاد کرا دے تو نہ طلاق پڑے گی اور نہ وہ غلام آزاد ہوگا۔

گویا یہ حدیث حضرت امام شافعی رحمہ اللہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے مسلک کی دلیل ہے کیونکہ ان تینوں آئمہ کے نزدیک یہ دونوں چیزیں زبردستی کی حالت میں واقع نہیں ہوتیں جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ واقع ہو جاتی ہیں۔ انہوں نے اس کو ہزل پر قیاس کیا ہے۔ (جس کا بیان اوپر کی حدیث میں گزر چکا) ویسے حضرت امام اعظم رحمہ اللہ نے اپنے مسلک کی دلیل میں جو کچھ پیش کیا ہے وہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

اس موقع پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق زبردستی کی حالت میں بھی جن چیزوں کا حکم ثابت ہو جاتا ہے وہ گیارہ ہیں۔ ۱۔ نکاح ۲۔ طلاق ۳۔ رجعت ۴۔ ایلاء ۵۔ فئ یعنی ایلاء سے رجوع کرنا ۶۔ ظہار ۷۔ عتاق ۸۔ عفو قصاص یعنی قصاص کو معاف کر دینا ۹۔ قسم ۱۰۔ نذر ۱۱۔ قبولیت اسلام۔

دیوانے کی طلاق واقع نہیں ہوتی

(۱۳) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ اِلَّا طَلَاقَ الْمَعْتُوْهِ وَالْمَغْلُوْبِ عَلٰى عَقْلِهٖ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَ عَطَاءُ بْنُ عَجْلَانَ الرَّاوِيْ ضَعِيْفٌ ذَاهِبُ الْحَدِيْثِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر طلاق واقع ہوتی ہے مگر بے عقل اور مغلوب العقل کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔ اس میں عطاء بن عجلان راوی ضعیف ہے اس کا حافظہ کمزور ہے۔

تشریح: امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک اس حدیث کے مطابق ہے کیونکہ ان کے نزدیک بھی دیوانے کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

یہاں حدیث میں معتوہ سے دیوانہ مراد ہے یعنی وہ شخص جو کبھی تو مسلوب العقل رہتا ہو اور کبھی اس کی عقل ٹھکانے رہتی ہو۔ قاموس میں لکھا ہے کہ عتہ (جو معتوہ کا مصدر ہے) کے معنی ہیں کم عقل ہونا' مدہوش ہونا اور صراح میں لکھا ہے کہ معتوہ الٹے ہوئے ذول اور بے عقل شخص کو بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ فقہ کی کتابوں میں اس کے یہی معنی بیان کئے گئے ہیں اس اعتبار سے حدیث کا یہ جملہ و المغلوب علی عقله گویا لفظ معتوہ کا عطف تفسیری ہے (یعنی اس جملہ میں معتوہ کی وضاحت مقصود ہے) اسی لئے بعض روایات میں المغلوب بغیر واؤ منقول ہے۔

اس تفصیل سے یہ ثابت ہوا کہ جب معتوہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی تو مجنون مطلق (یعنی پاگل محض) کہ جو سرے سے عقل و شعور رکھتا ہی نہیں اس کی طلاق بطریق اولی واقع نہیں ہوگی۔ چنانچہ زین العرب رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یوں تو معتوہ ناقص العقل اور مغلوب العقل کو کہتے ہیں لیکن مجنون' سویا ہوا شخص' مدہوش اور ایسا مریض کہ جس کی عقل اس کے مرض کی وجہ سے جاتی رہے وہ بھی اس لفظ کے مفہوم میں شامل ہیں یعنی ان سب کی بھی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

لفظ معتوہ کے بارہ میں علامہ ابن ہمام نے بعض علماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ معتوہ اس شخص کو کہتے ہیں جو ناقص العقل و کم سمجھ اور پریشان کلام ہو (یعنی بے عقلی اور ناسمجھی کی باتیں کرتا ہو) اور فاسد التدبیر (یعنی بے عقلی اور بے سمجھی کے کام کرتا ہو) لیکن نہ تو مارتا پھرتا ہو اور نہ گالیاں بکتا پھرتا ہو بخلاف مجنوں کے (کہ لوگوں کو مارتا اور گالیاں بکتا پھرتا ہے) امام ترمذی کے قول کے مطابق اس حدیث کا راوی اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ کل طلاق جائز الا طلاق المعتوہ یعنی ہر طلاق واقع ہو جاتی ہے مگر معتوہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

تین شخص جو مرفوع القلم ہیں

(۱۴) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنِ الثَّلاثَةِ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَبْلُغَ وَعَنِ الْمَعْتُوْهِ حَتّٰى يَعْقِلَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ عَائِشَةَ وَابْنُ مَاجَةَ عَنْهُمَا

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا تین قسم کے آدمیوں سے عقل کو اٹھا لیا گیا ہے۔ سونے والے سے اس کے جاگنے تک اور بچہ سے بالغ ہونے تک۔ بے عقل سے عقل مند ہونے تک۔ روایت کیا اس کو ترمذی اور ابوداؤد نے۔ روایت کیا اس کو داری نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اور روایت کیا ابن ماجہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے۔

لونڈی کیلئے دو طلاقیں ہیں

(۱۵) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ طَلاَقُ الْاَمَةِ تَطْلِيْقَتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ. (رواه الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجة والدارمی)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لونڈی کی دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں۔ روایت کیا اس کو ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ اور داری نے۔

تشریح: طلاق الامة: اس حدیث میں ایسے دو مسئلوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن میں فقہاء کا اختلاف ہے ان میں سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اس بات پر تو سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ آزاد آدمی اور غلام کی طلاق میں فرق ہے (حر) کی طلاقیں تین ہیں اور غلام کو صرف دو طلاقوں کا اختیار ہے اختلاف اس میں ہے کہ دو طلاقوں میں یا تین طلاقوں کے دینے میں بیوی کی حالت کا اعتبار ہے یا شوہر کی حالت کا اعتبار ہے یعنی طلاق بالرجال ہے یا بالنساء ہے۔

فقہاء کا اختلاف:۔ ائمہ احناف کے نزدیک طلاقوں کی تعداد کا دارومدار عورت کی حالت پر ہے اگر بیوی (حرہ) آزاد اور شریف عورت ہے تو شوہر کو تین طلاق کا حق حاصل ہے خواہ شوہر آزاد ہو یا غلام ہو اور اگر عورت باندی اور لونڈی ہے تو شوہر کو اس پر دو طلاقوں کا اختیار ہے خواہ شوہر حر ہو یا رقیق ہو ائمہ ثلاثہ یعنی جمہور کے نزدیک زوج اور شوہر کی حالت کا اعتبار ہے اگر زوج حر ہے تو اس کو تین طلاقوں کا اختیار ہے خواہ بیوی حرہ ہے یا لونڈی ہے اور

اگر شوہر غلام ہے تو اس کو دو طلاقوں کا اختیار حاصل ہے خواہ بیوی آزاد ہے یا باندی ہے یعنی ان کے ہاں طلاق بالرجال ہے طلاق بالنساء نہیں ہے۔

فقہاء کرام کے نزدیک دوسرا اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں یہ تو واضح ہے کہ آزاد عورت کی عدت کی مدت تین قروء ہیں کیونکہ قرآن میں یہ الفاظ آئے ہیں وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ (بقرہ ۲۲۸) اس میں تو کسی کا اختلاف نہیں ہے البتہ اختلاف اس میں ہے کہ لفظ قروء سے اطہار مراد ہیں یا تین حیض مراد ہیں امام مالک اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ (قروء) کا مصداق طہر ہے اس لئے مطلقہ عورت کی عدت تین طہر ہیں ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ قروء کا مصداق حیض ہے لہٰذا عدت تین حیض گزرنے سے مکمل ہوگی۔

دلائل:۔ جمہور نے پہلے والے مسئلہ کیلئے طبرانی کی ایک روایت سے استدلال کیا ہے کہ (الطلاق بالرجال والعدۃ بالنساء رواہ الطبرانی عن ابن مسعود موقوفا) ان حضرات کے پاس دوسرے مسئلہ کے اثبات کیلئے کوئی مرفوع حدیث نہیں۔

ائمہ احناف نے اپنے دونوں مسئلوں میں زیر نظر اس صریح اور صحیح حدیث سے استدلال کیا ہے حدیث کے اول حصہ میں واضح طور پر مذکور ہے کہ لونڈی کی طلاقیں دو ہیں جس سے معلوم ہو گیا کہ تعداد طلاق میں شوہر کا اعتبار نہیں بلکہ عورت کا اعتبار ہے اس لئے فرمایا کہ لونڈی کا شوہر خواہ کوئی بھی ہو مگر اس کی طلاق دو سے زائد نہیں ہیں احناف نے اپنے دوسرے مسئلہ کے اثبات کیلئے اسی حدیث کے دوسرے حصہ سے استدلال کیا ہے کہ لونڈی کی عدت کی مدت دو حیض ہیں جس سے معلوم ہوا کہ عدت بالاطہار نہیں ہے بلکہ عدت بالحیض مقرر ہے اس دوسرے مسئلہ پر احناف نے ابو داؤد شریف کی فاطمہ بنت ابی حبیش کی واضح اور صریح حدیث سے استدلال کیا ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں (فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم انما ذالک عرق فانظری اذا اتی قروءک فلا تصلی فاذا مر قروءک فتطهری ثم صلی مابین القرء الی القرء) (ابوداؤد صفحہ ۳۷) اس حدیث میں چار مرتبہ (قروء) کا لفظ آیا ہے اور چاروں مرتبہ حیض کیلئے استعمال ہوا ہے اور طہر کیلئے ایک بار بھی استعمال نہیں ہوا لہٰذا انصاف کا تقاضا ہے کہ تمام فقہاء سے انصاف کی اپیل بھی ہے کہ اس صریح حدیث کے پیش نظر سب پر اکٹھے ہو جائیں۔

جواب:۔ جمہور نے اپنے ایک مدعا پر جو دلیل پیش کی تھی اس کا جواب یہ ہے کہ ''الطلاق بالرجال'' کا مطلب یہ ہے کہ طلاق دینے کا حق زوج کو حاصل ہے اور بیوی کے ذمہ عدت گزارنی ہے لہٰذا یہ حدیث جمہور کی دلیل نہیں بن سکتی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ ..... اپنے خاوند سے طلاق یا خلع چاہنے والی عورت کے بارہ میں وعید

(۱۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُنْتَزِعَاتُ وَالْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ (رواہ النسائی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نکاح سے نکلنے والیاں اور خلع طلب کرنے والیاں منافق ہیں۔ روایت کیا اس کو نسائی نے۔

تشریح: مطلب یہ کہ جو عورتیں بلا سبب اپنے شوہروں سے طلاق مانگتی ہیں یا ان سے خلع چاہتی ہیں وہ منافق ہیں۔ منافق کا مطلب یہ ہے کہ وہ ظاہر میں تو احکام اسلام کی مطیع و فرمانبردار ہیں مگر باطنی طور پر گناہ گار و عاصی ہیں۔

عورت کے تمام مال کے عوض خلع کرنا مکروہ ہے

(۱۷) وَعَنْ نَافِعٍ عَنْ مَوْلَاةٍ لِصَفِيَّةَ بِنْتِ اَبِیْ عُبَيْدٍ اَنَّهَا اخْتَلَعَتْ مِنْ زَوْجِهَا بِكُلِّ شَیْءٍ لَهَا فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ (رواہ مالک)

ترجمہ: حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا روایت کی ایک عورت آزاد کی ہوئی صفیہ بنت ابی عبید کی سے کہ صفیہ نے اپنے خاوند سے خلع کیا تمام چیز کے بدلے جو اس کے پاس تھی۔ اس کا عبداللہ بن عمر نے انکار نہیں کیا۔ (روایت کیا اس کو مالک نے)

تشریح: بكل شئ لها: یعنی عورت کے سارے مال کے عوض شوہر نے خلع قبول کر کے طلاق دیدی یہ صورت اگرچہ مکروہ

ہے لیکن طرفین کی رضامندی کے بعد خلع جائز ہے۔

علامہ ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ شیخ مزنی کا مسلک ہے کہ خلع کرنا کسی صورت میں جائز نہیں۔ اور اہل ظواہر نے کہا ہے کہ اگر شوہر سے بیوی کی سخت نفرت ہو اور شوہر نے اندازہ کرلیا کہ اب نہ میں بیوی کا حق ادا کرسکتا ہوں اور نہ بیوی میرے حقوق ادا کرسکتی ہے تو اس صورت میں خلع لینا جائز ہے ورنہ نہیں۔

جمہور فقہاء کے نزدیک خلع جائز ہے اور قرآن کی آیت سے ثابت ہے اور منسوخ نہیں ہے البتہ اتنی بحث ضرور ہے کہ شوہر نے جتنا مہر ادا کرلیا ہے آیا عورت اتنا ہی مال خلع کے عوض فدیہ میں ادا کرے گی یا زیادہ بھی ادا کرسکتی ہے؟

تو ملا علی قاری نے مرقات میں اس حدیث کے تحت بہت سی روایات نقل کی ہیں کہ شوہر نے جتنا مال دیا ہے اس سے زیادہ مال خلع میں لینا جائز نہیں ہے لیکن آخر میں لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں صحابہ کرام کے دور میں اختلاف رہا ہے اور بعض صحابہ نے کل مال پر خلع کو جائز قرار دیا ہے۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ اگر نافرمانی عورت کی طرف سے نہ ہو بلکہ شوہر سرکشی کررہا ہو تو اس صورت میں خلع کے عوض عورت سے مال لینا منع ہے۔ لیکن اس کو حرام نہیں کہا جاسکتا کیونکہ روایات میں تعارض ہے بہرحال مہر سے زیادہ مال لینا مکروہ ہے اور خلع جائز ہے پوری تفصیل مرقات میں ہے۔

بیک وقت تین طلاق دینا حرام ہیں

(۱۸) وَعَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ قَالَ اُخْبِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَاَتَهُ ثَلَاثَ تَطْلِيْقَاتٍ جَمِيْعًا فَقَامَ غَضْبَانَ ثُمَّ قَالَ اَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَاَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ حَتّٰى قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا اَقْتُلُهُ (رواه النسائی)

ترجمہ: حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک آدمی کا اپنی عورت کو ایک مجلس میں تین طلاق دینے کے بارہ میں خبر دی گئی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں کھڑے ہوئے فرمایا کیا کتاب اللہ کے ساتھ کھیلا جاتا ہے۔ حالانکہ میں تمہارے درمیان ہوں یہاں تک کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں اس کو قتل نہ کروں۔ روایت کیا اس کو نسائی نے۔

تشریح: **ثلاث تطلیقات:** حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تین طلاق ایک ساتھ دینا بدعت اور حرام ہے امام شافعیؒ کے نزدیک ایک ساتھ تین طلاق دینا خلاف اولیٰ ہے حرام نہیں ہے مذکورہ حدیث سے ایک ساتھ تین طلاق دینا حرام معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح غضبناک ہونا حرام پر ہوسکتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ بہت سارے احکامات ایسے ہوتے ہیں کہ ممانعت کے باوجود حکم نافذ ہوجاتا ہے جیسے حالت حیض میں طلاق کی ممانعت ہے لیکن حضرت ابن عمرؓ نے جب طلاق دی تو وہ واقع ہوگئی جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور رجوع کرنے کا حکم دیدیا (جمعہ کی اذان کے بعد بیع وشراء ممنوع ہے لیکن کرنے سے ہوجاتا ہے مغصوبہ زمین کا غصب منع ہے لیکن اس پر نماز ہوجاتی ہے لہٰذا غیر مقلدین ان روایات سے استدلال نہیں کرسکتے جن میں تین طلاق دینے کی ممانعت ہے کیونکہ ممانعت کے باوجود طلاق واقع ہوجاتی ہے بہرحال اللہ تعالیٰ نے انسان کو طلاق دینے میں مہلت کا حکم دیا ہے کہ ایک طلاق دیدے اور پھر سوچ لے پھر کچھ عرصے بعد دوسری طلاق دیدے اور سوچ لے ہوسکتا ہے اس دوران ان کے دماغ اور غیظ وغضب کے احوال میں تبدیلی آجائے تو بیوی کی طرف رجوع کرنے کا موقع ہاتھ میں رہیگا لیکن اگر کوئی شخص ایک ساتھ تین طلاق ایک مجلس میں دیتا ہے تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کو نظر انداز کرتا ہے اور اپنے آپ کو مشقت ومصیبت میں ڈال دیتا ہے اس کی طرف قرآن عظیم کی یہ آیت اشارہ کرتی ہے **الطلاق مرتان ...... تا ...... ولا تتخذوا آیات اللہ ہزوا** استہزاء اور مذاق یہی ہے کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کے حکم سے لاپرواہی اور بے اعتنائی برتتا ہے اسی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غضب کی حالت میں فرمایا (**ایلعب بکتاب اللہ عزوجل**) اور اسی جملہ کی وجہ سے ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا میں اس کو قتل نہ کروں؟ اس صحابی نے سمجھا کہ جو شخص قرآن کا مذاق اڑاتا ہے وہ کافر ہوجاتا ہے لہٰذا اس کو قتل کرنا چاہیے حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد زجر وتوبیخ اور تغلیظ وتشدید پر مبنی تھا علماء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا (**انت طالق ثلاثا**) تو

تین طلاق واقع ہو جائے گی اہل ظواہر اس میں اختلاف کرتے ہیں۔

(۱۹) وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ أَنَّ رَجُلاً قَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ إِنِّيْ طَلَّقْتُ امْرَأَتِيْ مِائَةَ تَطْلِيْقَةٍ فَمَا ذَا تَرٰى عَلَيَّ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ طُلِّقَتْ مِنْكَ بِثَلَاثٍ وَسَبْعٌ وَتِسْعُوْنَ اتَّخَذْتَ بِهَا اٰيَاتِ اللّٰهِ هُزُوًا. (رواه في الموطا)

ترجمہ: حضرت مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس کو ایک آدمی کی خبر پہنچی اس نے عبداللہ بن عباس کے سامنے یہ کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو 100 سو طلاق دی پس میرے لیے کیا حکم ہے۔ ابن عباس نے کہا تجھ سے تین طلاق سے وہ جدا ہو گئی۔ باقی تمام طلاقوں سے تو نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو ٹھٹھا بنایا۔ (روایت کیا اس کو موطا میں)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلاق ایک بُری چیز ہے

(۲۰) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مُعَاذُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ شَيْئًا عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ الْعَتَاقِ وَلَا خَلَقَ اللّٰهُ شَيْئًا عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ أَبْغَضَ إِلَيْهِ مِنَ الطَّلَاقِ. (رواه الدارقطني)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاذ اللہ نے کوئی چیز زمین پر پیدا نہیں کی جو پیاری ہو آزاد کرنے سے اور نہیں پیدا کی کوئی چیز روئے زمین پر کہ بہت بری ہو طلاق دینے سے۔ (روایت کیا اس کو دار قطنی نے)

بَابُ الْمُطَلَّقَةِ ثَلٰثًا.... جس عورت کو تین طلاقیں دی جائیں اس کا بیان

جس عورت کو تین طلاقیں دی جائیں اس کا حکم اس باب میں بیان کیا گیا ہے کہ اس عورت کو اگر اس کا خاوند کہ جس نے اسے تین طلاقیں دی پھر اپنی بیوی بنا کر رکھنا چاہے تو اس صورت میں ممکن ہے جبکہ وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کرکے اس سے ہمبستر ہو پھر وہ مرد اس کو طلاق دے اور وہ عورت اپنی عدت کے دن پورے کرکے از سر نو پہلے خاوند سے نکاح کرے ان مرحلوں سے گزرنے کے بعد ہی وہ عورت اپنے پہلے خاوند کیلئے حلال ہو گی۔

مشکوۃ کے بعض نسخوں میں باب المطلقة ثلثا کے بعد یہ عبارت بھی لکھی ہے کہ وفیہ ذکر الظهار والا يلاء یعنی اس باب میں ظہار اور ایلاء کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ ظہار اور ایلاء کے معنی اور ان کے کچھ مسائل ان شاء اللہ آگے مذکور ہوں گے۔

اَلْفَصْلُ الْأَوَّلُ.... حلالہ کا صحیح ہونا دوسرے خاوند کے جماع کرنے پر موقوف ہے

(۱) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ امْرَأَةُ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيِّ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ إِنِّيْ كُنْتُ عِنْدَ رِفَاعَةَ فَطَلَّقَنِيْ فَبَتَّ طَلَاقِيْ فَتَزَوَّجْتُ بَعْدَهُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الزُّبَيْرِ وَمَا مَعَهُ إِلَّا مِثْلُ هُدْبَةِ الثَّوْبِ فَقَالَ أَتُرِيْدِيْنَ أَنْ تَرْجِعِيْ إِلٰى رِفَاعَةَ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ لَا حَتّٰى تَذُوْقِيْ عُسَيْلَتَهُ وَيَذُوْقَ عُسَيْلَتَكِ. (متفق عليه)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رفاعہ قرظی کی عورت آئی۔ کہا میں رفاعہ کی بیوی تھی اس نے مجھ کو تین طلاقیں دیں پھر میں نے عبدالرحمان بن زبیر سے نکاح کیا اور وہ مردمی طاقت کا حامل نہیں تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو دوبارہ رفاعہ کے نکاح میں جانے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اس نے کہا ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت تو رجوع نہیں کر سکتی جب تک تو اس کا اور وہ تیرا مزہ نہ چکھے۔ (روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب تک تمہارا دوسرا شوہر تمہارے ساتھ جماع نہ کرے (اور پھر اس کی طلاق کے بعد تم عدت کے دن پورے نہ کر لو) تم اپنے سابق خاوند یعنی رفاعہ رضی اللہ عنہ سے نکاح نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ یہ حدیث

مشہور اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حلالہ یعنی سابق خاوند کے واسطے حلال ہونے کیلئے کسی دوسرے مرد سے محض نکاح کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ مجامعت بھی ضروری ہے۔ البتہ مجامعت میں صرف دخول کافی ہے انزال شرط نہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ.... محلل اور محلل لہ، پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لعنت

(۲) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُحَلِّلَ وَ الْمُحَلَّلَ لَهٗ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا لعنت فرمائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حلالہ کرنے والے کو اور حلالہ کرانے والے کو۔ روایت کیا اس کو دارمی نے اور روایت کیا اس کو ابن ماجہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس اور عقبہ بن عامر سے۔

تشریح: فرض کیجئے دو شخص ہیں ایک کا نام زید ہے اور دوسرے کا نام بکر ہے۔ زید نے اپنی بیوی خالدہ کو تین طلاقیں دے دی ہیں اور اس کی عدت کے دن پورے ہو گئے ہیں اب زید پھر چاہتا ہے کہ وہ خالدہ کو دوبارہ اپنی زوجیت میں لائے۔ لہٰذا دوسرا شخص یعنی بکر خالدہ سے اس شرط یا ارادہ کے ساتھ نکاح کرتا ہے کہ جماع کے بعد خالدہ کو طلاق دے دی جائے گی تاکہ خالدہ کا پہلا شوہر زید کہ جس نے اس کو تین طلاقیں دی تھیں اس سے دوبارہ نکاح کر سکے اور خالدہ کا پہلا شوہر محلل لہ (یعنی جس کیلئے حلالہ کیا گیا) کہلائے گا۔

حدیث میں انہی دونوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر لعنت فرمائی ہے حلالہ کرنے والے پر لعنت فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے زبان سے تحلیل کی شرط کا اظہار واقرار کرنے کے بعد اور محض جدائی اختیار کرنے کے قصد سے اس عورت سے نکاح کیا جبکہ نکاح اس لئے مشروع ہوا ہے کہ اس کے ذریعہ مرد وعورت ہمیشہ کیلئے ایک دوسرے کے رفیق حیات اور دمساز رہیں۔ لہٰذا اس صورت میں نہ صرف یہ کہ نکاح کے اصل مقصد ومنشا پر زد پڑتی ہے بلکہ عورت کی حرمت وعزت بھی مجروح ہوتی ہے۔ اسی لئے ایک حدیث میں اس کو مستعار بکری سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اور محلل لہ یعنی پہلے خاوند پر لعنت فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ اس صورتحال اور اس نکاح کا اصل باعث وہی بنا ہے لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس صورت میں عقد باطل ہوتا ہے بلکہ حدیث کے الفاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عقد صحیح ہو جاتا ہے کیونکہ حدیث میں اس نکاح کرنے والے کو محلل کہا گیا ہے اور یہ ایک ظاہر بات ہے کہ کوئی شخص محلل اسی صورت میں ہوتا ہے جبکہ عقد صحیح ہو عقد فاسد سے محلل نہیں ہوتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اس ارشاد گرامی میں لعنت کا حقیقی مفہوم مراد نہیں ہے بلکہ یہاں مراد محلل اور محلل لہ کی خساست طبع کو ظاہر کرنا ہے اور یہ واضح کرنا ہے کہ یہ ایک قبیح فعل ہے جس کو کوئی سلیم الطبع انسان پسند نہیں کر سکتا ہے۔

حلالہ کے مکروہ تحریمی ہونے کی صورت:۔ ہدایہ اور فقہ کی دیگر کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حلالہ کو زبان سے مشروط کیا گیا ہو یعنی محلل اس عورت سے کہ جس کو اس کا خاوند تین طلاقیں دے چکا ہو یہ کہے کہ میں تم سے اس لئے نکاح کرتا ہوں کہ تمہیں اس خاوند کے لئے کہ جس نے تمہیں طلاق دی ہے حلال کر دوں۔ (یعنی میں تم سے صرف اس لئے نکاح کرتا ہوں کہ میں جماع کے بعد تمہیں طلاق دے دوں تاکہ تمہارے پہلے خاوند کیلئے تم سے دوبارہ نکاح کرنا حلال ہو جائے) یا وہ عورت محلل سے یوں کہے کہ میں تم میں سے اس لئے نکاح کرتی ہوں کہ میں اپنے پہلے خاوند کیلئے حلال ہو جاؤں تو اس صورت میں حلالہ مکروہ تحریمی ہوگا۔ ہاں اگر زبان سے یہ نہ کہا جائے مگر نیت میں یہ بات ہو تو پھر محلل نہ تو قابل مواخذہ ہوگا اور نہ لعنت کا مورد ہوگا کیونکہ اس صورت میں یہی کہا جائے گا کہ اس کا مقصد در اصل اصلاح احوال ہے۔ ابن ہمام رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس عورت نے کہ جس کو تین طلاقیں دی جا چکی ہیں غیر کفو سے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا اور پھر اس نے اس کے ساتھ جماع بھی کر لیا تو اس صورت میں وہ عورت پہلے خاوند کیلئے حلال نہیں ہوگی۔ چنانچہ فتویٰ اسی قول پر ہے۔

ایلاء کا مسئلہ

(۳) وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ اَدْرَكْتُ بِضْعَةَ عَشَرَ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ

يَقُوْلُ يُوْقَفُ الْمُوْلِي (رواه في شرح السنة)

ترجمہ: حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے دس اور پر کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو پایا کہ سب کہتے تھے ایلا کرنے والا ٹھہرایا جائے۔ (روایت کیا اس کو شرح السنہ میں)

تشریح: ایلا اس کو کہتے ہیں کہ کوئی مرد یہ قسم کھائے کہ میں چار مہینہ یا اس سے زائد (مثلاً پانچ مہینہ یا چھ مہینہ) تک اپنی بیوی سے جماع نہیں کروں گا۔ لہٰذا اگر اس مرد نے اپنی بیوی سے جماع نہیں کیا۔ یہاں تک کہ چار مہینے گزر گئے تو اس صورت میں اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول کے مطابق اس مرد کی بیوی پر محض چار مہینے گزر جانے سے طلاق نہیں پڑے گی بلکہ ایلاء کرنے والے کو ٹھہرایا جائے گا یعنی حاکم وقاضی اس کو محبوس کرے گا اور اس سے یہ کہے گا کہ یا تو اپنی عورت سے رجوع کرو۔ یعنی اس سے جماع کرلو اور اپنی قسم پوری نہ کرنے کا کفارہ دو یا اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔ چنانچہ حضرت امام مالک حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اور حضرت امام احمد رحمہ اللہ کا مسلک یہی ہے۔ نیز حضرت امام شافعی رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ مرد حاکم وقاضی کی اس بات پر عمل نہ کرے یعنی نہ تو عورت سے رجوع کرے اور نہ طلاق دے تو حاکم کو اختیار ہے کہ وہ اس کی بیوی کو طلاق دے دے۔

اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے اس صورت میں اگر اس مرد نے چار مہینے کے اندر اپنی بیوی سے جماع کرلیا تو اس کا ایلاء ساقط ہوجائے گا مگر اس پر قسم پوری نہ کرنے کا کفارہ لازم آئے گا اور اگر اس نے جماع نہ کیا یہاں تک کہ چار مہینے گزر گئے تو اس کی بیوی پر ایک طلاق بائن پڑ جائے گی۔

ظہار کا حکم

(۳) وَعَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ اَنَّ سُلَیْمَانَ ابْنَ صَخْرٍ وَ یُقَالُ لَهٗ سَلَمَةُ ابْنُ صَخْرِ نِ الْبَیَاضِیُّ جَعَلَ امْرَأَتَهٗ عَلَیْهِ کَظَهْرِ اُمِّهٖ حَتّٰی یَمْضِیَ رَمَضَانُ فَلَمَّا مَضٰی نِصْفٌ مِنْ رَمَضَانَ وَقَعَ عَلَیْهَا لَیْلًا فَاَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَ ذٰلِکَ لَهٗ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَعْتِقْ رَقَبَةً قَالَ لَا اَجِدُهَا قَالَ فَصُمْ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ قَالَ لَا اَسْتَطِیْعُ قَالَ اَطْعِمْ سِتِّیْنَ مِسْکِیْنًا قَالَ لَا اَجِدُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِفَرْوَةَ بْنِ عَمْرٍو اَعْطِهٖ ذٰلِکَ الْعَرَقَ وَ هُوَ مِکْتَلٌ یَاْخُذُ خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعًا اَوْسِتَّةَ عَشَرَ صَاعًا لِیُطْعِمَ سِتِّیْنَ مِسْکِیْنًا رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ رَوَی اَبُوْدَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ یَسَارٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ صَخْرٍ نَحْوَهٗ قَالَ کُنْتُ امْرَأً اُصِیْبُ مِنَ النِّسَاءِ مَالَا یُصِیْبُ غَیْرِیْ وَفِیْ رِوَایَتِهِمَا اَعْنِیْ اَبَادَاوٗدَ وَالدَّارِمِیُّ فَاَطْعِمْ وَسْقًامِنْ تَمْرٍ بَیْنَ سِتِّیْنَ مِسْکِیْنًا.

ترجمہ: حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سلمان بن صخر نے اس کو سلمہ بن صخر بیاضی کہا جاتا ہے اس نے اپنی بیوی کو ماں کی پیٹھ کی مانند کہا۔ یہاں تک کہ رمضان گزرے۔ مگر جب رمضان آدھا گذرا تو سلمان اپنی بیوی پر واقع ہوگیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سارا قصہ ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک غلام آزاد کر۔ سلمان نے کہا میرے پاس غلام نہیں۔ فرمایا دو ماہ کے متواتر روزے رکھ اس نے کہا میں اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا اس نے کہا میں یہ بھی نہیں پاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فروہ بن عمر صحابی کو کہ اس کو کھجوروں کا ٹوکرہ دے دے عرق ایک تھیلہ ہے کھجور کے پتوں کا اس میں پندرہ صاع کھجوریں ہوتی ہیں۔ تاکہ ساٹھ مسکینوں کو کھلائے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے روایت کیا اس کو ابوداؤد ابن ماجہ اور دارمی نے سلیمان بن یسار سے وہ سلمہ بن صخر سے مثل اس کی۔ کہ میں آدمی تھا کہ پہنچتا عورتوں کو اس قدر کہ میرا غیر نہیں پہنچتا تھا۔ ان دونوں کی ابوداؤد اور دارمی کی روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک وسق کھجور ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو۔

تشریح: کظهر امه: مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں (باب المطلقة ثلاثا) کے بعد (وفیه ذکر الظهار والایلاء) کے الفاظ عنوان میں مذکور ہیں اسی وجہ سے اس باب میں ایلاء کی حدیث بھی ہے اور ظہار کی احادیث بھی آئی ہیں یا ایلاء اور ظہار بھی طلاق کی ایک قسم ہے اس لئے طلاق کے ابواب کے ضمن میں ذکر کیا گیا زیر نظر حضرت ابوسلمہ کی حدیث میں ظہار کا حکم بیان کیا گیا ہے ظہار اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی بیوی

گویا اس کے جسم کے اہم اور مشہور حصہ کو اپنی محرمات ابدیہ کے جسم کے اس حصہ سے تشبیہ دے جس حصہ کی طرف اس کیلئے دیکھنا حرام ہو جیسے اپنی بیوی سے یوں کہہ دے کہ تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح حرام ہو یا تیرا سر یا پیٹ میری ماں کے پیٹ کی طرح ہے ان الفاظ کے بعد اس عورت سے جماع کرنا اور بوس و کنار ہونا سب حرام ہو جاتا ہے ہاں اگر وہ کفارۂ ظہار ادا کر دے پھر جماع جائز ہو جائیگا کفارۂ ظہار ادا کرنے سے پہلے اگر اس نے جماع کیا تو اس پر استغفار لازم ہے صرف وہی کفارۂ ظہار ادا کرنا ہوگا مزید کوئی جرمانہ نہیں آئے گا البتہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے دوبارہ جماع نہ کرے۔

حتی یمضی رمضان: اس جملہ سے معلوم ہوا کہ موقت ظہار جائز ہے اور جب مقررہ وقت گزر جائے تو ظہار باطل ہو جائیگا ابن ہمامؒ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے کسی معین مدت کیلئے ظہار کیا (مثلاً یوں کہہ دیا کہ رمضان تک ظہار ہے) تو یہ قید لگانی صحیح ہے اور وقت کے گزر جانے سے ظہار باطل ہو جائے گا۔اطعم ستین: کفارۂ ظہار میں یہ ترتیب ہے کہ اول تو غلام آزاد کرنا متعین ہے اگر غلام میسر نہیں تو ساٹھ دن روزے رکھنے ہونگے لیکن غلام آزاد کرنے سے پہلے جماع کرنا حرام ہے اسی طرح روزے مکمل ہونے سے پہلے جماع کرنا حرام ہے مگر اس سے کفارہ کا اعادہ لازم نہیں آتا صرف استغفار کرنا لازم ہے اگر روزے نہیں رکھ سکتا تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا پڑیگا مگر اس سے پہلے جماع کرنا حرام ہے ہاں اگر جماع کر لیا تو استغفار کرے کفارہ کا اعادہ نہیں ہے۔

سوال:۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو ۱۴ اصاع کھجور کفارہ میں ادا کر دیا حالانکہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر کھجوریں دی ہوں تو ہر مسکین کو صدقۂ فطر کی مقدار کے برابر دی جائیں اس حساب سے تو ساٹھ صاع کھجوریں ہونی چاہیے؟

جواب:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمہ سے فرمایا کہ ان کھجوروں کو مساکین پر صرف کر و خرچ کرو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ پورا کفارہ یہی ہے بلکہ مطلب یہ تھا کہ جتنی کھجوریں موجود ہیں ان کو تقسیم کر دو اور باقی اپنی طرف سے ملا دو نیز بعض روایات میں یہ تفصیل ہے کہ جو شخص خود غریب تھا تو فی الحال سب کھجوریں ان کو دیدی گئیں اور کفارہ بعد میں ادا کر دیا گیا تیسرا جواب یہ ہے کہ اسی روایت میں ابوداؤد اور دارمی کے حوالہ سے ایک وسق کا ذکر موجود ہے اور وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے تو اب کوئی اشکال باقی نہیں رہا کیونکہ اس شخص کو گویا کہہ دیا گیا کہ یہ سولہ صاع لے لو اور اپنے پاس سے باقی کھجوریں ملا کر ایک وسق پوری کر لو فقہاء نے لکھا ہے کہ کفارۂ ظہار میں اگر کوئی شخص روزے رکھنا چاہتا ہے تو ان روزوں میں اس طرح تسلسل ہونا چاہیے کہ بیچ میں ایام منہیہ نہ آئیں امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت ہے کہ اگر ظہار کرنے والے نے روزوں کے درمیان جماع کر لیا تو نئے سرے سے روزے رکھے مگر امام ابو یوسفؒ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ استیناف نہیں ہے صرف استغفار کرے جمہور کے ہاں کفارۂ ظہار میں مسلمان غلام کا آزاد کرنا ضروری ہے احناف فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں مطلق غلام کا ذکر ہے لہذا مسلمان ہونا افضل ہے لیکن واجب نہیں اسی طرح غلام ہو یا لونڈی ہو بالغ ہو یا نابالغ ہو سب جائز ہے۔

اگر ظہار کرنیوالا کفارہ دینے سے پہلے جماع کر لے تب بھی ایک ہی کفارہ واجب ہوگا

(۵) وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ صَخْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمُظَاهِرِ يُوَاقِعُ قَبْلَ اَنْ يُّكَفِّرَ قَالَ كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ. (رواه الترمذی و ابن ماجته)

ترجمہ: حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ سلمہ بن صخر سے روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ظہار کرنے والے کے حق میں جو کفارہ ادا کرنے سے پہلے صحبت کرے فرمایا ایک کفارہ ہے۔ (روایت کیا اس کو ترمذی ابن ماجہ نے)

اَلْفَصْلُ الثَّالِث

(۶) وَعَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلًا ظَاهَرَ مِنِ امْرَاَتِهٖ فَغَشِيَهَا قَبْلَ اَنْ يُّكَفِّرَ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ مَاحَمَلَكَ عَلٰى ذٰلِكَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَاَيْتُ بَيَاضَ حَجْلَيْهَا فِي الْقَمَرِ فَلَمْ اَمْلِكْ نَفْسِيْ اَنْ وَقَعْتُ عَلَيْهَا فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَهٗ اَنْ لَّا يَقْرَبَهَا حَتّٰى يُكَفِّرَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَ رَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ وَ رَوٰى اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ نَحْوَهٗ مُسْنَدًا وَّمُرْسَلًا وَّقَالَ النَّسَائِيُّ الْمُرْسَلُ اَوْلٰى بِالصَّوَابِ مِنَ الْمُسْنَدِ

ترجمہ: حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا۔ کفارہ ادا کرنے سے پہلے صحبت کر لی پھر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا یہ سارا واقعہ بیان کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کس چیز نے تجھ کو اس پر مجبور کیا۔ عرض کی اے اللہ کے رسول میں نے چاندنی میں اس کی پنڈلی کی سفیدی دیکھی تو میں اپنے نفس کو اس سے صحبت کرنے سے روک نہ سکا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا کہ کفارہ دینے سے پہلے صحبت نہ کرنا۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے اور روایت کیا اس کو ترمذی نے اس کی مانند اور کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے اس کی مانند ابوداؤد ونسائی نے مسنداً اور مرسل نسائی نے کہا مرسل کہنا زیادہ درست ہے مسند کہنے سے۔

بَابٌ ..... گزشتہ باب کے متعلقات کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ... کفارہ ظہار میں غلام کا مومن ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

(۱) عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ جَارِيَةً كَانَتْ تَرْعٰى غَنَمًا لِيْ فَجِئْتُهَا وَقَدْ فَقَدْتُ شَاةً مِنَ الْغَنَمِ فَسَاَلْتُهَا عَنْهَا فَقَالَتْ اَكَلَهَا الذِّئْبُ فَاَسِفْتُ عَلَيْهَا وَكُنْتُ مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ فَلَطَمْتُ وَجْهَهَا وَ عَلَيَّ رَقَبَةٌ اَفَاُعْتِقُهَا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْنَ اللّٰهُ؟ فقالت في السماء فقال من انا؟ فقالت انت رسول الله فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اَعْتِقْهَا رَوَاهُ مَالِكٌ وَ فِيْ رِوَايَةِ مُسْلِمٍ قَالَ كَانَتْ لِيْ جَارِيَةٌ تَرْعٰى غَنَمًا لِيْ قِبَلَ اُحُدٍ وَالْجَوَّانِيَّةِ فَاطَّلَعْتُ ذَاتَ يَوْمٍ فَاِذَا الذِّئْبُ قَدْ ذَهَبَ بِشَاةٍ مِنْ غَنَمِهَا وَاَنَا رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ اٰسَفُ كَمَا يَاْسَفُوْنَ لٰكِنْ صَكَكْتُهَا صَكَّةً فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَظَّمَ ذٰلِكَ عَلَيَّ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا اُعْتِقُهَا قَالَ ائْتِنِيْ بِهَا فَاَتَيْتُهُ بِهَا فَقَالَ لَهَا اَيْنَ اللّٰهُ قَالَتْ فِي السَّمَاءِ قَالَ مَنْ اَنَا قَالَتْ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ اَعْتِقْهَا فَاِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ.

ترجمہ: حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا اے اللہ کے رسول میری لونڈی میرا ریوڑ چراتی تھی میں آیا میں نے ایک بکری نہ پائی میں نے بکری کے متعلق پوچھا اس نے کہا بھیڑیا کھا گیا ہے میں اس پر ناراض ہوا میں بنی آدم سے ہوں میں نے ایک طمانچہ اس کے منہ پر مارا اور مجھ پر ایک غلام آزاد کرنا واجب ہے۔ کیا میں اس لونڈی کو آزاد کر دوں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لونڈی سے فرمایا اللہ کہاں ہیں۔ اس نے کہا آسمان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کون ہوں اس نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو آزاد کر روایت کیا اس کو مالک نے مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا میری لونڈی بکریاں چراتی تھی احد پہاڑ کے کنارے اور جوانیہ کے۔ میں نے ایک دن ریوڑ دیکھا۔ اچانک ایک دن میری ایک بکری بھیڑیا لے گیا اور میں اولاد آدم سے ہوں مجھے غصہ آ گیا اولاد آدم کی طرح میں نے ایک طمانچہ مارا پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور یہ معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ پر بڑا خیال کیا فرمایا کہ تو نے بڑا گناہ کیا ہے میں نے کہا اے اللہ کے رسول کیا میں اس کو آزاد نہ کر دوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو میرے پاس لا میں اس کو آپ کے پاس لایا آپ نے فرمایا اللہ کہاں ہے اس نے جواب دیا آسمان میں فرمایا میں کون ہوں اس نے جواب دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں آپ نے فرمایا اس کو آزاد کر کیونکہ یہ مسلمان ہے۔

کفارہ ظہار کے کچھ مسائل: حنفی مسلک کے مطابق ظہار کے کفارہ میں سب سے پہلا درجہ بردہ (لونڈی یا غلام) کو آزاد کرنے کا ہے بردہ خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلمان، مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا اور خواہ کانا و بہرا ہو لیکن اسی قدر بہرا ہو کہ اگر اس کو بآواز بلند مخاطب کیا جائے تو سن لے اور اگر کوئی ایسا بردہ ہو کہ اس کا ایک ہاتھ اور ایک پیر کٹا ہوا ہو تو اس کو آزاد کرنا بھی درست ہوگا۔ بشرطیکہ یہ دونوں عضو مختلف جانب سے کٹے ہوئے ہوں

مثلاً اگر دایاں ہاتھ کٹا ہوا ہو تو پیر بایاں کٹا ہوا ہو۔ اسی طرح اس مکاتب کو آزاد کرنا بھی درست ہے جس نے اپنا بدل کتابت کچھ بھی ادا نہ کیا ہو۔

جو بردہ گونگا ہو یا ایسا بہرا ہو کہ سرے سے کچھ سن ہی نہ سکتا ہو (خواہ اسے کتنی ہی بلند آواز میں مخاطب کیا جائے) تو اس کو آزاد کرنے سے کفارہ ظہار ادا نہیں ہوگا۔ اسی طرح جس بردہ کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہوں یا دونوں پیر یا دونوں پیروں کے دونوں انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں یا ایک ساتھ اور ایک پیر دونوں ایک ہی طرف کے کٹے ہوئے ہوں۔ مثلاً دایاں ہاتھ بھی کٹا ہوا اور دایاں پیر بھی کٹا ہوا ہو تو ایسے بردہ کو آزاد کرنا بھی کافی نہیں ہوگا۔ ایسا بردہ جو مجنون ہو (یعنی جس پر ہمیشہ دیوانگی طاری رہتی ہو) یا جو مدبر یا ام ولد ہو یا ایسا مکاتب ہو جس نے بدل کتابت میں سے کچھ ادا کر دیا ہو تو ان میں سے بھی کسی کو آزاد کرنے سے کفارہ ظہار ادا نہیں ہوگا۔ دوسرا درجہ پے در پے روزے رکھنے کا ہے یعنی اگر ظہار کرنے والے کو بردہ نہ ملے تو پھر وہ دو مہینے مسلسل روزے رکھے اس طور پر کہ ان دونوں مہینوں میں نہ تو رمضان کا مہینہ آئے اور نہ وہ دن آئیں جن میں روزہ رکھنا ممنوع ہے جیسے عید اور بقر عید کا دن اور ایام تشریق اور جب تک روزے ختم نہ ہو جائیں (یعنی دو مہینے کے مسلسل روزے پورے نہ ہو جائیں) تب تک عورت سے صحبت نہ کرے اگر روزے ختم ہونے سے پہلے اس عورت سے (کہ جس سے ظہار کیا ہے) صحبت کرلی تو اب سب روزے پھر سے رکھے چاہے دن میں اس عورت سے صحبت کی ہو یا رات میں اور چاہے قصداً ایسا کیا ہو یا بھولے سے سب کا ایک ہی حکم ہے اسی طرح اگر کسی عذر کی وجہ سے یا بلا عذر روزہ افطار کر لیا تو بھی از سرنو سب روزے رکھے۔

تیسرا درجہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا ہے یعنی اگر کوئی شخص مذکورہ بالا شرائط وقیود کے ساتھ روزے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر وہ ساٹھ مسکینوں اور فقیروں کو دو وقت کھانا کھلائے یا ان کو کچا اناج دے دے کچا اناج دینے کی صورت یہ ہے کہ ہر مسکین وفقیر کو نصف صاع (پونے دو سیر یعنی ایک کلو ۶۳۳ گرام) گیہوں یا ایک صاع ساڑھے تین سیر یعنی تین کلو ۲۶۶ گرام جو یا کھجوریں یا ان میں سے کسی ایک مقدار کی قیمت دے دے اس طرح اگر ان میں سے کوئی چیز دینے کی بجائے دو چیزیں دی جائیں تو بھی جائز ہے مثلاً چودہ چھٹانک یعنی ۸۱۷ گرام گیہوں کے ساتھ پونے دو سیر یعنی ایک کلو ۶۳۳ گرام جو دیا جا سکتا ہے۔ کفارہ میں اباحت جائز ہے۔ اباحت کا مطلب یہ ہے کہ کھانا پکا کر فقیر کے سامنے رکھ دیا جائے تاکہ وہ اس میں سے جس قدر کھانا چاہے کھالے۔ چنانچہ یہ بات کفارات اور (رمضان کے روزے کے بدلہ میں دیئے جانے والے) فدیہ میں تو جائز ہے لیکن صدقات واجبہ مثلاً زکوۃ وغیرہ میں جائز نہیں ہے کیونکہ صدقات واجبہ یعنی زکوۃ وغیرہ میں فقیر کو مال کا مالک بنا دینا ضروری ہے۔ اس وضاحت کے بعد اب سمجھئے کہ ظہار کے کفارہ میں ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے۔ خواہ ایک ہی دن میں دو وقت یعنی دوپہر اور رات میں کھلا دیا جائے۔ اسی طرح کھلانے میں پیٹ بھرنے کا اعتبار ہے خواہ کتنے ہی تھوڑے کھانے میں ان کا پیٹ بھر جائے جہاں تک کھانے کی نوعیت کا سوال ہے تو اس کا انحصار کھلانے والے کی حیثیت واستطاعت پر ہے کہ وہ جیسا کھانا کھلا سکتا ہو کھلائے اگر کھانے میں جو کی روٹی ہو تو اس کے ساتھ سالن ہونا ضروری ہے۔ البتہ گیہوں کی روٹی کے ساتھ سالن ضروری نہیں ہے اگر دو وقت ساٹھ فقیروں کو کھلانے کی بجائے ایک ہی فقیر کو ساٹھ دن تک دونوں وقت کھلائے تو بھی جائز ہے لیکن ایک ہی فقیر کو ایک ہی دن ساٹھ فقیروں کا کھانا دے دیا تو یہ جائز نہیں ہوگا اس صورت میں صرف ایک ہی دن کا ادا ہوگا۔

ظہار کرنے والے نے اگر کھانا کھلانے کے درمیان جماع کر لیا تو اس صورت میں اگرچہ وہ گناہ گار ہوگا مگر از سرنو کھانا کھلانا نہ پڑے گا۔ اگر کسی شخص پر دو ظہار کے دو کفارے واجب ہوں اور وہ ساٹھ فقیروں کو مثلاً گیہوں نصف صاع فی کفارہ کا اعتبار کر کے ایک ایک صاع دے تو دونوں ظہار کا کفارہ ادا نہیں ہوگا بلکہ ایک ہی ظہار کا کفارہ ادا ہوگا۔ ہاں اگر کسی شخص پر ایک ایک کفارہ تو ظہار کا اور ایک کفارہ روزہ توڑنے کا واجب ہو اور وہ ہر فقیر کو ایک ایک صاع گیہوں دے تو یہ جائز ہوگا اور دونوں کفارے ادا ہو جائیں گے۔

بَابُ اللِّعَانِ.... لعان کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ.... دربار رسالت میں لعان کا ایک واقعہ

(۱) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِيِّ قَالَ اِنَّ عُوَيْمِرَ الْعَجْلَانِيَّ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ رَجُلاً وَجَدَ مَعَ امْرَاَتِهٖ رَجُلاً اَيَقْتُلُهٗ فَيَقْتُلُوْنَهٗ اَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اُنْزِلَ فِيْكَ وَ صَاحِبَتِكَ فَاذْهَبْ فَاْتِ بِهَا قَالَ سَعْدٌ فَتَلَاعَنَا فِي الْمَسْجِدِ وَ اَنَا مَعَ النَّاسِ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا فَرَغَا قَالَ

عُوَيْمِرٌ كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ اَمْسَكْتُهَا فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُنْظُرُوْا فَاِنْ جَاءَتْ بِهٖ اَسْحَمَ اَدْعَجَ الْعَيْنَيْنِ عَظِيْمَ الْاَلْيَتَيْنِ خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ فَلَا اَحْسِبُ عُوَيْمِرًا اِلَّا قَدْ صَدَقَ عَلَيْهَا وَ اِنْ جَاءَتْ بِهٖ اُحَيْمِرَ كَاَنَّهٗ وَحَرَةٌ فَلَا اَحْسِبُ عُوَيْمِرًا اِلَّا قَدْ كَذَبَ عَلَيْهَا فَجَاءَتْ بِهٖ عَلَى النَّعْتِ الَّذِيْ نَعَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ تَصْدِيْقِ عُوَيْمِرٍ فَكَانَ بَعْدُ يُنْسَبُ اِلٰى اُمِّهٖ. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد ساعدی سے روایت ہے کہ عویمر عجلانی نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے بارہ میں کیا حکم ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر آدمی کو پائے کیا اس کو قتل کر دے تو مقتول کے وارث اس کو قتل کر دیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے اور تیری بیوی کے بارہ میں وحی اتاری گئی ہے تو اپنی بیوی کو میرے پاس لا۔ سہل نے کہا دونوں نے مسجد میں لعان کیا میں بھی ان لوگوں میں موجود تھا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے۔ جب دونوں فارغ ہوئے لعان سے تو عویمر نے کہا اے اللہ کے رسول میں نے اس پر جھوٹ بولا اگر میں اس کو رکھوں پھر تین طلاقیں دیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر یہ عورت سیاہ رنگ کا سیاہ آنکھوں والا موٹے چوتڑوں والا موٹی پنڈلیوں والا بچہ لائے میں عویمر پر گمان نہیں کروں گا۔ مگر اس نے سچ کہا۔ اگر سرخ رنگ کا بچہ لائی گویا کہ وہ وحرہ ہے تو میں نہیں گمان کروں گا عویمر کو مگر کہ اس نے جھوٹ بولا اس پر۔ بچہ اس صفت میں پیدا ہوا جو آپ نے عویمر کی تصدیق میں بیان کی تھی اس کے بعد وہ اپنی ماں کی طرف منسوب ہوتا تھا۔ (متفق علیہ)

تشریح: اگر کوئی شخص کسی غیر مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ منہ کالا کرتا ہوا پائے اور وہ شخص اس مرد کو جان سے مار ڈالے تو اس کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ آیا وہ شخص (جس نے اپنی بیوی کے ساتھ منہ کالا کرنے والے کو جان سے مار ڈالا ہے) اسلامی قانون کے مطابق قصاص یعنی سزا موت کا مستوجب ہے یا نہیں؟ چنانچہ جمہور علماء کا قول یہی ہے کہ اس کو سزائے موت دی جائے ہاں اگر وہ شخص اس بات کے ثبوت میں کہ مقتول نے اس کی بیوی کے ساتھ منہ کالا کیا تھا چار گواہ پیش کرے یا خود مقتول کے ورثاء اس بات کا اقرار کر لیں تو اس صورت میں اس کو سزائے موت نہیں دی جائے گی۔ تاہم یہ ملحوظ رہے کہ اگر چار پیش نہ کرنے یا مقتول کے ورثا کے اقرار نہ کرنے کی صورت میں اسے سزائے موت دے دی گئی تو واقع کے اعتبار سے وہ سچا تھا تو خدا کے نزدیک گناہ گار نہیں سمجھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی ہے کا مطلب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں یہ تین آیتیں نازل ہوئی ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ م بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ (النور ۶-۷)

اور جو لوگ اپنی بیویوں پر (زنا کی) تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے (اس دعوی کے) اور کوئی گواہ نہ ہو تو ان کی شہادت (جو کہ ان کو حد قذف سے بچا سکتی ہے) یہی ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ بے شک میں سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں (آخر تک)۔

بعض مفسرین کے قول کے مطابق یہ آیت کریمہ ۹ ہجری کے ماہ شعبان میں نازل ہوئی ہیں۔ ابن ملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ لعان کے بارہ میں مذکورہ بالا آیت حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ پر نازل ہوئی ہے اور اسلام میں سب سے پہلا لعان انہی کی طرف سے ہوا تھا جبکہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت ایک دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ حضرت ہلال ابن امیہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی تھی اور اسلام میں سب سے پہلے ہلال رضی اللہ عنہ ہی نے لعان کیا ہے۔ چنانچہ آگے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی جو روایت آئے گی اس سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ لہذا اس صورت میں ارشاد گرامی تم میاں بیوی کے قضیہ میں وحی نازل کی گئی ہے کا مطلب یہ ہوگا کہ تمہارے قضیہ جیسے ایک قضیہ میں وحی نازل کی گئی ہے۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ آیت دونوں ہی کے بارہ میں نازل ہوئی ہو جس کی صورت یہ ہوئی ہوگی کہ پہلے ان میں سے کسی ایک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بارہ میں سوال کیا ہوگا پھر بعد میں دوسرے کا قضیہ پیش آیا ہوگا اور اس نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا ہوگا یہاں تک کہ ان دونوں کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی لیکن ان دونوں میں حضرت ہلال رضی اللہ عنہ نے پہلے لعان کیا۔

گویا میں نے اس پر جھوٹ تہمت لگائی ہے۔ یہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے دراصل تین طلاق دینے کا سبب بیان کیا کہ اس صورتحال کے بعد بھی اگر میں اس عورت کو اپنے نکاح میں رکھوں اور طلاق نہ دوں تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ میں نے اس کی طرف زنا کی جھوٹی نسبت کی ہے کیونکہ اس کو نکاح میں رکھنے کا مطلب یہی ہوگا کہ گویا میں نے جو کچھ کہا ہے سب جھوٹ ہے اور یہ عورت بدکاری کے گناہ سے پاک ہے۔

لعان کی صورت میں میاں بیوی کے درمیان تفریق کا مسئلہ

(۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاعَنَ بَيْنَ رَجُلٍ وَامْرَاَتِهٖ فَانْتَفٰى مِنْ وَلَدِهَا فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَاَلْحَقَ الْوَلَدَ بِالْمَرْاَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَ فِیْ حَدِيْثِهٖ لَهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَظَهٗ وَذَكَّرَهٗ وَاَخْبَرَهٗ اَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا اَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْاٰخِرَةِ ثُمَّ دَعَاهَا فَوَعَظَهَا وَ ذَكَّرَهَا وَاَخْبَرَهَا اَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا اَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْاٰخِرَةِ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کا حکم فرمایا اس شخص نے لڑکے کا انکار کیا۔ حضرت نے اس شخص اور عورت کے درمیان جدائی کر دی اور لڑکا عورت کو دیدیا۔ متفق علیہ ابن عمر کی حدیث میں جو بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ آپ نے اس شخص کو نصیحت فرمائی اور اس کو آخرت کا عذاب یاد دلایا اور اس بات کی بھی خبر دی کہ دنیا کا عذاب آسان تر ہے آخرت کے عذاب سے۔ پھر عورت کو بلایا اور اس کو بھی نصیحت کی اس کو آخرت کا عذاب یاد دلایا اور دنیا کے عذاب کا آخرت سے آسان ہونے کی خبر دی۔

تشریح: تفریق کرادی کا مطلب یہ ہے کہ لعان کی صورت میں میاں بیوی کے درمیان تفریق (جدائی) حاکم وقاضی کے حکم ہی سے ہوتی ہے نہ کہ محض لعان سے۔ چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہی ہے نیز ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر نفس لعان ہی سے تفریق واقع ہو جاتی تو پھر تین طلاقیں کیوں دی جاتیں جیسا کہ اوپر کی حدیث میں گزرا کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے لعان کے بعد اپنی بیوی کو تین طلاق دی۔

دنیا کے عذاب سے مراد حد یعنی شرعی سزا ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر مرد کسی عورت کو (چاہے وہ اس کی بیوی ہی کیوں نہ ہو) زنا کی تہمت لگائے اور اس کی تہمت جھوٹی ثابت ہو جائے تو شرعی قانون کے مطابق اس پر حد جاری کی جائے گی یعنی اس کو ایک پاک دامن عورت پر زنا کی جھوٹ تہمت لگانے کے جرم میں اسی کوڑے مارے جائیں گے اور اگر وہ مرد سچا ثابت ہو جائے۔ یعنی یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جائے کہ اس عورت نے بدکاری کرائی ہے تو پھر اس عورت پر حد جاری ہوگی کہ شادی شدہ ہونے کی صورت میں اس کو سنگسار کر دیا جائے گا اور غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں سو کوڑے مارے جائیں گے۔ اس صورت میں یہ امکان ہو سکتا ہے کہ مرد نے کسی غلط فہمی کی بنا پر یا کسی خاص جذبہ کے تحت عورت لگا دی ہو اور پھر اسے یہ یقین ہو گیا کہ میں نے عورت پر جو الزام لگایا ہے وہ بے بنیاد ہے مگر اب اس خوف سے کہ ایک پاکدامن عورت پر جھوٹی تہمت لگائی تھی یا یہ کہ واقعۃً عورت نے بدکاری کرائی ہو مگر اس خوف سے کہ میں سنگسار کر دی جاؤں گی یا سو کوڑے ماری جاؤں گی۔ اپنے اس گناہ کا اعتراف و اقرار نہیں کرتی بلکہ ملاعنت پر تیار ہو جاتی ہے۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امکانی صورت کے خلاف دونوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں دنیا کا عذاب (یعنی یہاں کی سزا) نہایت آسان اور سہل ہے اس لئے جو صورت حال ہو اور جو سچ بات ہو اس کا اعتراف واقرار کرلو اور اس دنیا کے آسان عذاب کو اختیار کر کے آخرت کے سخت ترین عذاب سے بچو۔

لعان کرنے والوں کا محاسبہ آخرت میں ہوگا

(۳) وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْمُتَلَاعِنَيْنِ حِسَابُكُمَا عَلَى اللّٰهِ اَحَدُكُمَا كَاذِبٌ لَاسَبِيْلَ لَكَ عَلَيْهَا قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَالِیْ قَالَ لَامَالَ لَكَ اِنْ كُنْتَ صَدَقْتَ عَلَيْهَا فَهُوَبِمَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا وَ اِنْ كُنْتَ كَذَبْتَ عَلَيْهَا فَذَاكَ اَبْعَدُ وَ اَبْعَدُ لَكَ مِنْهَا. (متفق علیہ)

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لعان کرنے والا مرد عورت کے بارہ میں کہ تمہارا حساب اللہ پر ہے ایک تم دونوں میں سے جھوٹا ہے اور اس پر تیرے لیے راہ نہیں اس نے عرض کی اے اللہ کے رسول میرا مال۔ فرمایا اگر تو سچ بولتا ہے تو وہ اس شرمگاہ کے بدلے میں ہے کہ تو نے حلال کی۔ اگر تو نے جھوٹ بولا ہے تو مہر کا لینا دور ہے اور بہت دور ہے اس کا واپس لینا۔ (متفق علیہ)

آیت لعان کا شان نزول

(۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ هِلَالَ بْنَ اُمَيَّةَ قَذَفَ امْرَاَتَهٗ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرِيْكِ بْنِ سَحْمَاءَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبَيِّنَةَ اَوْحَدًّا فِيْ ظَهْرِكَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذَا رَاٰى اَحَدُنَا عَلٰى امْرَاَتِهٖ رَجُلًا يَّنْطَلِقُ يَلْتَمِسُ الْبَيِّنَةَ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْبَيِّنَةَ وَاِلَّا حَدٌّ فِيْ ظَهْرِكَ فَقَالَ هِلَالٌ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ اِنِّيْ لَصَادِقٌ فَلَيُنْزِلَنَّ اللّٰهُ مَا يُبَرِّئُ ظَهْرِيْ مِنَ الْحَدِّ فَنَزَلَ جِبْرِيْلُ وَ اَنْزَلَ عَلَيْهِ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ فَقَرَاَ حَتّٰى بَلَغَ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ فَجَاءَ هِلَالٌ فَشَهِدَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ اَنَّ اَحَدَكُمَا كَاذِبٌ فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ ثُمَّ قَامَتْ فَشَهِدَتْ فَلَمَّا كَانَتْ عِنْدَ الْخَامِسَةِ وَقَّفُوْهَا وَقَالُوْا اِنَّهَا مُوْجِبَةٌ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَتَلَكَّاَتْ وَنَكَصَتْ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهَا تَرْجِعُ ثُمَّ قَالَتْ لَا اَفْضَحُ قَوْمِيْ سَائِرَ الْيَوْمِ فَمَضَتْ وَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْصِرُوْهَا فَاِنْ جَاءَتْ بِهٖ اَكْحَلَ الْعَيْنَيْنِ سَابِغَ الْاَلْيَتَيْنِ خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ فَهُوَ لِشَرِيْكِ ابْنِ سَحْمَاءَ فَجَاءَتْ بِهٖ كَذٰلِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ لَا مَامَضٰى مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ لَكَانَ لِيْ وَ لَهَا شَاْنٌ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہلال بن امیہ نے اپنی عورت پر زنا کی تہمت لگائی آنحضرت کے سامنے شریک بن سحماء کے ساتھ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہلال کو کہ گواہ لایا ہے یا تیری پیٹھ پر حد ماری جاوے گی۔ ہلال نے عرض کی اے اللہ کے رسول جب پاوے اپنی بیوی پر کسی کو کیا وہ گواہ تلاش کرتا پھرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے گواہ قائم کرو ورنہ حد قائم کی جائے گی۔ ہلال نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے کہ میں سچا ہوں اور اللہ میری پیٹھ کو حد سے بری فرمائے گا۔ جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیتیں اتاریں کہ وہ لوگ جو اپنی بیویوں پر تہمت لگاتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھیں آیتیں یہاں تک کہ پہنچے ان کان من الصدقین تک ہلال آیا اور گواہی دی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اللہ جانتا ہے کہ تم میں سے ایک جھوٹا ہے کیا تم میں سے کوئی توبہ کرنے والا ہے۔ پھر ہلال کی عورت کھڑی ہوئی اور لعان کیا جب پانچویں گواہی پر پہنچی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا اور فرمایا یہ پانچویں گواہی واجب کرنے والی ہے ابن عباس نے کہا وہ عورت ٹھہر گئی اور ہٹی حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ وہ پھر جاوے گی۔ پھر اس عورت نے کہا میں اپنی قوم کو عمر بھر رسوا نہیں کروں گی۔ وہ گذری اور فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھتے رہو اس عورت کو اگر یہ سرمگین آنکھوں والا اور بھاری سرینوں والا اور موٹی پنڈلیوں والا بچہ لائی وہ شریک بن سحماء کا ہے۔ وہ عورت اس طرح کا لائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کتاب اللہ کا حکم گذر نہ گیا ہوتا تو میرے لیے اور اس کے لیے ایک حالت ہوتی۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

تشریح: اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے حضرت ہلال رضی اللہ عنہ نے لعان کیا ہے اور اس موقع پر لعان کے سلسلہ میں مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ اس بارہ میں جو تحقیقی تفصیل ہے وہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی روایت کی تشریح میں بیان ہو چکی ہے۔

بلا شبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے الخ بظاہر زیادہ صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ان دونوں کے لعان سے فارغ ہونے کے بعد ارشاد فرمائی اور اس ارشاد گرامی کی مراد یہ ہے کہ جو بھی شخص کوئی جھوٹی بات کہے یا کسی پر جھوٹی تہمت لگائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ توبہ کرے۔ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات لعان سے پہلے ان دونوں کو جھوٹ کے عواقب سے ڈرانے کیلئے ارشاد فرمائی۔

اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ حاکم و قاضی کسی بھی معاملہ میں اپنے گمان وخیال قرائن اور کسی علامت کی بنیاد پر کوئی حکم نہ دے بلکہ وہی حکم دے جس کا دلائل وشواہد تقاضا کریں۔

زنا کی تہمت چار گواہوں کے ذریعہ ثابت ہوتی ہے

(۵) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ لَوْ وَجَدْتُ مَعَ اَهْلِیْ رَجُلاً لَمْ اَمَسَّهُ حَتّٰی اٰتِیَ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ قَالَ کَلاَّ وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ اِنْ کُنْتُ لَاُعَاجِلُهُ بِالسَّیْفِ قَبْلَ ذٰلِکَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اسْمَعُوْا اِلٰی مَایَقُوْلُ سَیِّدُکُمْ اِنَّهُ لَغَیُوْرٌ وَّاَنَا اَغْیَرُ مِنْهُ وَاللّٰهُ اَغْیَرُ مِنِّیْ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا اگر میں اپنی عورت پر غیر آدمی کو پاؤں چار گواہ مہیا ہونے تک اس کو کچھ نہ کہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا یوں نہیں قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا کہ میں تو اس کو تلوار سے جلدی ختم کر دوں گا گواہ تلاش کرنے سے پہلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ بات سنو جو تمہارا سردار کہتا ہے وہ غیرت مند ہے اور میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ مجھ سے بھی زیادہ غیرت مند ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب سن کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کہا اس سے نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تردید مقصود تھی اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت منظور تھی بلکہ انہوں نے اپنی اس بات کے ذریعہ دراصل اپنی طبیعت اور اپنے مزاج کے بارہ میں بتایا کہ میرا حال تو یہ ہے۔ میرے غصہ اور میری غیرت کا یہ عالم ہے کہ اگر میں اپنی بیوی کے پاس کسی غیر مرد کو دیکھ لوں تو اس کو فوراً قتل کر دوں جبکہ اس بارہ میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ جب تک چار گواہ فراہم نہ کر لو۔ اس کو کچھ نہ کہو۔ تو اس صورت میں میرے لئے کونسا راستہ ہے؟ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر لوگوں کو ان کی طرف متوجہ کیا کہ سنو تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سنو تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے؟ کی مراد حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے وصف کی تعریف کرنا ہے اور اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ طبیعت ومزاج میں اتنی غیرت کا ہونا بزرگوں کی صفات اور سرداروں کی عادات میں سے ہے اگر چہ اس معاملہ میں شریعت کا حکم دوسرا ہے جس پر عمل کرنا غیرت مندی کے تقاضے پر عمل کرنے سے زیادہ ضروری ہے۔ حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بات کی تقریر (یعنی تائید وتوثیق) نہیں فرمائی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عذر بیان کیا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جو بات کہی ہے اور جس سے بظاہر میرے حکم کی مخالفت معلوم ہوتی ہے وہ دراصل ان کی غیر معمولی غیرت مندی کی وجہ سے ان کی زبان سے نکل گئی ہے۔ حضرت مظہر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مذکورہ جواب دینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو قبول کرنے سے انکار کر دینے کے طور پر نہیں تھا بلکہ درحقیقت ان کی اس خواہش کے اظہار کے طور پر تھا کہ اگر کوئی غیرت مند کسی غیر مرد کو اپنی بیوی کے پاس پائے تو اس کو قتل کر دینے کی اجازت عطا ہو جائے چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اجازت دینے سے ایک بلیغ انداز میں انکار کر دیا تو انہوں نے سکوت اختیار کر لیا۔

غیرت آدمی کی اندرونی کیفیت وحالت کے اس تغیر کو کہتے ہیں جو اپنے اہل میں کسی ناگوار چیز کو دیکھنے پر پیدا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کی نسبت اسی معنی کے اعتبار سے محال و ناممکن ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے غیرت مند ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے بندوں کو گناہوں سے روکنے والا ہے تاکہ وہ اس کی بارگاہ کی قربت ومقبولیت سے دور نہ جا پڑیں۔

اللہ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں ہے

(۶) وَعَنِ الْمُغِیْرَةِ قَالَ قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ لَوْ رَاَیْتُ رَجُلاً مَعَ امْرَاَتِیْ لَضَرَبْتُهُ بِالسَّیْفِ غَیْرَ مُصْفَحٍ فَبَلَغَ ذٰلِکَ

رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَتَعْجَبُوْنَ مِنْ غَیْرَۃِ سَعْدٍ وَ اللّٰہِ لَاَ نَا اَغْیَرُ مِنْہُ وَاللّٰہُ اَغْیَرُ مِنِّیْ وَمِنْ اَجْلِ غَیْرَۃِ اللّٰہِ حَرَّمَ اللّٰہُ الْفَوَاحِشَ مَاظَھَرَ مِنْھَا وَمَابَطَنَ وَلَا اَحَدَ اَحَبُّ اِلَیْہِ الْعُذْرُ مِنَ اللّٰہِ وَمِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ بَعَثَ الْمُنْذِرِیْنَ وَالْمُبَشِّرِیْنَ وَ لَا اَحَدَ اَحَبُّ اِلَیْہِ الْمِدْحَۃُ مِنَ اللّٰہِ وَ مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ وَ عَدَاللّٰہُ الْجَنَّۃَ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا سعد بن عبادہ نے کہا اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو دیکھوں تو میں اس کو تیز تلوار سے ماروں۔ یہ خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سعد کی غیرت پر تعجب کرتے ہو۔ اللہ کی قسم البتہ میں زیادہ غیرت مند ہوں اس سے بھی اور اللہ مجھ سے بھی زیادہ غیرت مند ہے۔ اسی وجہ سے اللہ نے ظاہر اور پوشیدہ گناہوں کو حرام کیا ہے اور نہیں کوئی کہ بہت محبوب ہو اس کو عذر کرنا اللہ سے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ڈرانے والوں اور خوشخبری دینے والوں کو بھیجا اور نہیں کوئی کہ بہت محبوب ہو اس کو تعریف کرنی اللہ تعالیٰ سے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بہشت کا وعدہ کیا۔ (متفق علیہ)

تشریح: اور اللہ تعالیٰ نے اپنی غیرت ہی کی وجہ سے گناہوں کو حرام کیا ہے۔ یہ جملہ دراصل اللہ تعالیٰ کی غیرت کی وضاحت کیلئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کے معنی یہ ہیں کہ اس نے لوگوں کو حرام امور اختیار کرنے سے منع کیا ہے اور حرام امور کو اختیار کرنے پر عذاب مقرر کیا ہے چنانچہ اصل میں غیرت کا مطلب یہی ہے کہ آدمی اس بات کو ناپسند کرے اور اس پر ناراض ہو کہ کوئی اس کی ملکیت میں تصرف کرے۔

اور غیرت کے مشہور معنی یہ ہیں کہ آدمی اس شخص پر غصہ کرے جو اس کی بیوی کے ساتھ بدکاری کرے یا اس کو نظر بد سے دیکھے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ ہے کہ وہ اس شخص پر غصہ کرے جو گناہ کا مرتکب ہو۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عذر کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں رکھتا۔ میں عذر اعذار یعنی ازالہ عذر کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ عذر ختم کر دینے کو پسند کرتا ہے اس طرح کوئی اور عذر کو ختم کرنے کو پسند نہیں کرتا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پیغمبروں اور رسولوں کو بھیجا ہے تاکہ اس طرف سے اتمام حجت ہو جائے اور بندوں کو عذر کرنے کا موقع نہ ملے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لئلا یکون علی اللہ حجۃ بعد الرسل تاکہ لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے پیغمبروں کے بعد کوئی عذر باقی نہ رہے۔

تعریف کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی پسند نہیں کرتا کا مطلب یہ ہے کہ تعریف کرنے کو جتنا اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اتنا کوئی اور پسند نہیں کرتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تعریف بھی فرمائی ہے اور اپنے محبوب بندوں کی بھی تعریف کی ہے اور ان لوگوں کو جنت میں داخل کرنے کا وعدہ کیا ہے جو اس کی حمد و تعریف کرتے ہیں اور اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔

اللہ کی غیرت کا تقاضا کیا ہے؟

(۷) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَغَارُ وَاِنَّ الْمُؤْمِنَ یَغَارُ وَ غَیْرَۃُ اللّٰہِ اِنْ لَّا یَاْتِیَ الْمُؤْمِنُ مَاحَرَّمَ اللّٰہُ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ غیرت مند ہے اور مومن بھی غیرت مند ہے اور اللہ کی غیرت کا یہ تقاضا ہے کہ مومن حرام کام نہ کرے۔ (متفق علیہ)

محض معمولی علامتوں کی بناء پر اپنے بچہ کا انکار نہ کرو

(۸) وَعَنْہُ اَنَّ اَعْرَابِیًّا اَتٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ امْرَاَتِیْ وَلَدَتْ غُلَامًا اَسْوَدَ وَاِنِّیْ اَنْکَرْتُہٗ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلْ لَکَ مِنْ اِبِلٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَمَا اَلْوَانُھَا قَالَ حُمْرٌ قَالَ ھَلْ فِیْھَا مِنْ اَوْرَقَ قَالَ اِنَّ فِیْھَا لَوُرْقًا قَالَ فَاَنّٰی تُرٰی ذٰلِکَ جَاءَ ھَا قَالَ عِرْقٌ نَزَعَھَا قَالَ فَلَعَلَّ ھٰذَا عِرْقٌ نَزَعَہٗ وَ لَمْ یُرَخِّصْ لَہٗ فِی الْاِنْتِفَاءِ مِنْہُ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس نے کہا میری عورت نے کالے رنگ کا بچہ جنا ہے اور میں اس کا انکار کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تیرے پاس اونٹ ہیں اس نے کہا ہاں فرمایا ان کا رنگ کیسا ہے اس نے کہا سرخ رنگ آپ نے فرمایا کیا ان میں کوئی خاکستری رنگ کا اونٹ بھی ہے اس نے کہا ہاں ان میں کئی خاکستری رنگ کے ہیں فرمایا کہاں سے آیا وہ رنگ اس نے کہا کسی رگ نے ان کو کھینچا ہوگا فرمایا شاید یہ لڑکا کسی رگ کی وجہ سے کالا ہو کہ اس کو کھینچ لیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کو اس بچے سے انکار کرنے کی اجازت نہ دی۔ (متفق علیہ)

تشریح: طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ محض معمولی اور ضعیف علامتوں کی بنا پر اپنے بچہ کا انکار کرنا یعنی یہ کہنا کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے۔ ممنوع ہے بلکہ اس صورت میں مضبوط دلائل دوجوہ کا ہونا ضروری ہے۔ مثلاً بیوی سے صحبت نہ کی ہو اور اس کے باوجود بچہ کی ولادت ہوئی ہو یا صحبت کی ہو مگر صحبت کے بعد چھ مہینے سے کم مدت میں بچہ پیدا ہوا ہو اور ان صورتوں میں اس بچہ کا انکار کر دینا جائز ہے۔

زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچہ کا نسب زانی سے ثابت نہیں ہوتا

(۹) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ عُتْبَةُ بْنُ اَبِیْ وَقَّاصٍ عَهِدَ اِلٰى اَخِيْهِ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ اَنَّ ابْنَ وَلِيْدَةِ زَمْعَةَ مِنِّیْ فَاقْبِضْهُ اِلَيْكَ فَلَمَّا كَانَ عَامُ الْفَتْحِ اَخَذَهٗ سَعْدٌ فَقَالَ اِنَّهُ ابْنُ اَخِیْ وَ قَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ اَخِیْ فَتَسَاوَقَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ سَعْدٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِبْنُ اَخِیْ كَانَ عَهِدَ اِلَیَّ فِيْهِ وَ قَالَ عَبْدُ ابْنُ زَمْعَةَ اَخِیْ وَ ابْنُ وَلِيْدَةِ اَبِیْ وُلِدَ عَلٰى فِرَاشِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ لَكَ يَا عَبْدَ ابْنَ زَمْعَةَ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ ثُمَّ قَالَ لِسَوْدَةَ بِنْتِ زَمْعَةَ احْتَجِبِیْ مِنْهُ لِمَا رَاٰى مِنْ شَبَهِهٖ بِعُتْبَةَ فَمَا رَاٰهَا حَتّٰى لَقِیَ اللّٰهَ وَ فِیْ رِوَايَةٍ قَالَ هُوَ اَخُوْكَ يَا عَبْدَ ابْنَ زَمْعَةَ مِنْ اَجْلِ اَنَّهٗ وُلِدَ عَلٰى فِرَاشِ اَبِيْهِ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا عتبہ بن ابی وقاص نے وصیت کی تھی اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص کو کہ زمعہ کی لونڈی کا لڑکا مجھ سے ہے اس کو لے لینا جب فتح مکہ کا سال ہوا تو سعد نے اس کو لے لیا اور کہا کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔ عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے کہا یہ میرا بھائی ہے دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ کے رسول میرے بھائی نے اس لڑکے کے بارہ میں مجھ کو وصیت کی تھی کہ اس کو لے لینا۔ عبد بن زمعہ نے کہا یہ میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی لونڈی کا لڑکا ہے رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ کو یہ تیرا ہے بچہ بستر والے کا ہے اور زانی کے لیے محرومی ہے پھر سودہ کو فرمایا تو اس سے پردہ کر عتبہ کی مشابہت کی وجہ سے تو اس لڑکے نے سودہ کو نہیں دیکھا یہاں تک کہ اللہ کو جا ملا ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ بن زمعہ یہ تیرا بھائی اس لیے ہے کہ تیرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: اس حدیث میں جو چند نام ذکر ہوئے ہیں پہلے ان کے بارہ میں بتا دینا ضروری ہے تا کہ صورت واقعہ کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ عتبہ حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا حقیقی بھائی تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت سے بہرہ ور کیا اور وہ ایک جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ ہوئے مگر عتبہ کفر کے اندھیرے سے نہ نکل سکا۔ یہاں تک کہ کفر کی حالت میں مر گیا اور یہی وہ بد بخت تھا جس نے غزوہ احد کے موقع پر رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک شہید کیا تھا۔ زمعہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے باپ تھے اور عبد ان (زمعہ) کے بیٹے یعنی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی تھے! حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں۔

اب حدیث کی طرف آیئے عتبہ نے زمعہ کی لونڈی سے زنا کیا جس کے نتیجہ میں لڑکا پیدا ہوا چونکہ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ زانی کے نطفہ سے پیدا ہونے والا ولد الزنا (حرامی بچہ) کا نسب اسی زانی سے ثابت ہوتا تھا اس لئے عتبہ نے اس قدیم دستور کے مطابق اس لڑکے کے بارہ میں دعویٰ کیا کہ یہ میرا ہے اور اپنے بھائی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ تم اس لڑکے کو اپنی تحویل میں لے کر اس کی پرورش کرنا چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ

نے فتح مکہ کے سال اپنے بھائی کی وصیت کے مطابق اس لڑکے کو اپنی تحویل میں لے لیا اور یہ اعلان کیا یہ میرا بھتیجا ہے۔ ادھر زمعہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبد رضی اللہ عنہ نے دعویٰ کیا کہ یہ میرا بھائی ہے کیونکہ اس کو میرے باپ نے اپنی لونڈی سے جنوایا ہے غرضیکہ ان دونوں کے درمیان ایک تنازعہ کی صورت ہوگئی تو وہ دونوں اس معاملہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد ابن زمعہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ تمہارا بھائی ہے کیونکہ بچہ کا نسب صاحب فراش ہی سے ثابت ہوتا ہے اور زانی اس سے محروم رہتا ہے۔

اس جملہ **الولد للفراش وللعاهر الحجر** (بچہ صاحب فراش کی طرف منسوب ہوتا ہے اور زانی کیلئے محرومی ہے) کی تفصیلی وضاحت باب الوصایا کی پہلی فصل میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے ضمن میں کی جاچکی ہے۔

ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کہ (تم اس لڑکے سے پردہ کیا کرو کا مطلب یہ تھا کہ اگر چہ یہ لڑکا شرعی حکم کے مطابق تمہارا بھائی ہوا بایں طور اس کا نسب تمہارے باپ زمعہ سے ثبت کیا گیا ہے اور یہ بھی اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ شرعی معاملات میں مشابہت اور قیافہ وقرائن کا اعتبار نہیں لیکن وہ لڑکا چونکہ عتبہ کے مشابہ ہے اور عتبہ کے دعویٰ کی وجہ سے اس کا عتبہ کے نطفہ سے ہونا ایک حد تک حقیقت کے مطابق بھی ہے اس لئے احتیاط وورع کا تقاضا یہی ہے کہ تم اس کے سامنے نہ آؤ۔

دوسری روایت کے یہ آخری الفاظ انہ ولد علی فراش ابیہ (اس لئے کہ وہ لڑکا ان کے باپ کے بستر پر پیدا ہوا تھا) دراصل حدیث کے راوی کا اپنا قول ہے۔ یعنی راوی نے ان الفاظ کے ذریعہ یہ واضح کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد ابن زمعہ کے حق میں یہ حکم کہ وہ لڑکا تمہارا بھائی ہے۔ اس لئے صادر فرمایا تھا کہ وہ ان کے باپ (زمعہ) کے بستر پر پیدا ہوا تھا (ان کے بستر پر پیدا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ استقرار حمل اور بچہ کی ولادت کے زمانہ میں وہ لونڈی زمعہ کی ملکیت میں اور ان کے زیر تصرف تھی نیز وہ لڑکا انہی کے گھر میں پیدا ہوا تھا)

اثبات نسب میں قیافہ شناس کا قول معتبر ہے یا نہیں؟

(۱۰) وَعَنْهَا قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ وَهُوَ مَسْرُوْرٌ فَقَالَ اَيْ عَائِشَةُ اَلَمْ تَرَيْ اَنَّ مُجَزِّزًا الْمُدْلِجِيَّ دَخَلَ فَلَمَّا رَاَى اُسَامَةَ وَزَيْدًا وَعَلَيْهِمَا قَطِيْفَةٌ قَدْ غَطَّيَا رُؤُوْسَهُمَا وَ بَدَتْ اَقْدَامُهُمَا فَقَالَ اِنَّ هٰذِهِ الْاَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا مجھ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے ایک دن کہ وہ خوش تھے فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا کیا تو نہیں جانتی کہ مجزز مدلجی آیا۔ جب اسامہ رضی اللہ عنہ اور زید رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ دونوں چادر اوڑھے ہوئے تھے اور اپنا سرڈھانپے ہوئے تھے ان کے قدم ننگے تھے مجزز نے کہا یہ قدم بعض ان کے بعض میں سے ہیں۔ (متفق علیہ)

تشریح: ان مجزز المدلجی: مجزز مکبر کے وزن پر عرب کے ایک مشہور قیافہ شناس کا نام ہے ان کا خاندانی تعلق چونکہ قبیلہ مدلج سے تھا اس لئے یہ اسی قبیلہ کی طرف منسوب ہے عرب میں قیافہ شناسی میں یہ شخص سند کی حیثیت رکھتا تھا اور لوگوں میں یہ اتھارٹی اور معیار تھا ادھر حضرت زید بن ثابت بہت خوبصورت تھے اور ان کے بیٹے اسامہ بن زید چونکہ حضرت ام ایمن کے بطن سے تھے اس لئے وہ اپنی والدہ کی طرح سانولے رنگ کے تھے منافقین پروپیگنڈہ کرتے تھے کہ اسامہ اپنے باپ کا نہیں ہے کیونکہ اتنے خوبصورت باپ کا بیٹا اس طرح کالا کیسے ہوسکتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پروپیگنڈہ سے بہت زیادہ غمگین اور کبیدہ خاطر ہو جاتے تھے لیکن اس کے توڑ کیلئے کسی ایسی چیز اور سند کی ضرورت تھی جسے معاشرہ کے تمام افراد بلاچون وچرا کرتے اور وہ سند قیافہ شناسی کی قیافہ شناسی ہوسکتی تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انتظام فرمایا اور ایک دن عرب کا مشہور قیافہ شناس مجزز مدلجی مسجد نبوی میں آیا حضرت اسامہ اور حضرت زید دونوں ایک چادر میں اس طرح لیٹے سوئے تھے کہ چہروں پر چادر تھی اور پاؤں کھلے تھے مجزز نے جب دیکھا تو کہنے لگا کہ یہ پاؤں باپ بیٹے کے ہیں اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے کیونکہ اس پروپیگنڈہ کے توڑ کیلئے اسی

سند کی ضرورت تھی ورنہ آسمان سے وحی بھی آسکتی تھی مگر عام معاشرہ میں قیافہ کا زیادہ اعتبار تھا۔

فقہاء کا اختلاف :۔ جمہور کے نزدیک کسی بھی نسب کے ثبوت کیلئے دوسرے دلائل کے علاوہ قیافہ شناسی بھی ایک مؤثر دلیل ہے ان حضرات نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ علم قیافہ ثبوت نسب کیلئے کافی نہیں ہے کیونکہ قیافہ اس علم کا نام ہے جس میں کسی چیز کی پہچان اس کے اندر کے نشانات اور علامات سے ہوتی ہے اور یہ تخمین اور اندازہ ہے جس سے قطعی اور یقینی علم حاصل نہیں ہو سکتا ہے اور ثبوت نسب کیلئے یقینی علم کا ہونا ضروری ہے اس لئے شریعت میں امور یقینیہ کا اعتبار ہے لہٰذا قیافہ بے اعتبار ہے باقی جمہور نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے تو اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے بذریعہ وحی معلوم تھا کہ اسامہ زید کا ہی بیٹا ہے لیکن چونکہ منافقین کا طعن اور پروپیگنڈہ قیافہ شناس کے فیصلہ سے ختم ہوسکتا تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیافہ شناس کی بات پر خوشی کا اظہار فرمایا یہ ثبوت نسب پر دلیل نہیں بلکہ دفع طعن کیلئے دلیل ہے اسی اختلاف پر یہ مسئلہ متفرع ہے کہ مثلاً دو آدمیوں میں ایک مشترکہ لونڈی ہے اور دونوں کے جماع کے نتیجہ میں اس کا بچہ پیدا ہوگیا تو جمہور فرماتے ہیں کہ قائف نے جو فیصلہ کیا اسی کے مطابق بچہ اس شخص کا ہو جائیگا احناف فرماتے ہیں کہ اس صورت میں وہ بچہ دونوں کا مشترکہ مملوک ہوگا اور لونڈی دونوں کی ام ولدہ ہو جائے گی اگرچہ حقیقت میں وہ بچہ کسی ایک کا ہوگا لیکن قائف کے فیصلے کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ اس پر شریعت کا مدار نہیں ہے احناف نے حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ سے بھی استدلال کیا کہ شریح نے حضرت عمرؓ سے بذریعہ خط یہ مسئلہ پوچھا تو حضرت عمر نے فرمایا کہ دونوں آقا اس بچے میں شریک ہیں یہ بچے کے وارث ہونگے اور بچہ ان کا وارث ہوگا حضرت علیؓ کا بھی اسی طرح فیصلہ تھا گویا اجماع صحابہ ہوگیا ملا علی قاری نے دیگر روایات بھی نقل کی ہیں۔

اپنے باپ کا انکار کرنے والے کے بارہ میں وعید

(۱۱) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ وَ اَبِیْ بَکْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ادَّعٰی اِلٰی غَیْرِ اَبِیْهِ وَهُوَ یَعْلَمُ اَنَّهٗ غَیْرُ اَبِیْهِ فَالْجَنَّةُ عَلَیْهِ حَرَامٌ. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ان دونوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی نسبت غیر باپ کی طرف کرے اور وہ جانتا ہے کہ یہ میرا باپ نہیں اس پر جنت حرام ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: اس پر جنت حرام ہے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر اپنے باپ کی بجائے کسی دوسرے شخص کی طرف اپنی نسبت کرتا ہے اور وہ اس بات کو برا نہیں جانتا بلکہ اس کا اعتقاد یہ ہے کہ اپنے نسب میں اس طرح خلط ملط کرنا حلال ہے تو ایک حرام چیز کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھنے کی وجہ سے وہ کفر کی حد میں پہنچ گیا اور جب وہ کفر کی حد میں پہنچ گیا اور اسی حال میں مرگیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس پر جنت کے دروازے ہمیشہ کیلئے بند رہیں گے اور اگر وہ شخص کفریہ عقیدہ نہیں رکھتا (یعنی باپ کی بجائے کسی دوسرے شخص کی طرف اپنی نسبت کرنے کو حلال نہیں جانتا بلکہ حرام ہی جانتا ہے) تو اس صورت میں اس پر جنت حرام ہے کا مطلب یہ ہوگا کہ اس وقت اس پر جنت کے دروازے بند رہیں گے جب تک کہ وہ اپنے اس گناہ کی سزا نہ بھگت لے گا۔

(۱۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَرْغَبُوْا عَنْ اٰبَائِكُمْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ اَبِیْهِ فَقَدْ كَفَرَ. (متفق علیه) وَقَدْ ذُكِرَ حَدِیْثُ عَائِشَةَ مَا مِنْ اَحَدٍ اَغْیَرُ مِنَ اللّٰهِ فِیْ بَابِ صَلٰوةِ الْخُسُوْفِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے باپوں سے اعراض نہ کرو جس شخص نے اپنے باپ سے اعراض کیا اس نے کفران نعمت کیا روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے اور ذکر کی گئی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی ما من احد اغیر من اللہ باب صلوٰۃ الخسوف میں۔

تشریح: زمانہ جاہلیت میں یہ ایک عام برائی تھی کہ لوگ اپنے اصل باپ سے اپنے نسب کا انکار کر کے دوسروں کو اپنا باپ قرار دیتے تھے۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس برائی سے منع فرمایا۔

اس بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ جان بوجھ کر اصل باپ کی بجائے کسی غیر شخص سے اپنا نسب قائم کرنا حرام ہے اور اگر کسی شخص نے غیر شخص سے اپنا نسب قائم کرنے کو مباح جانا اور اس کا عقیدہ رکھا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ ایسی چیز کے حلال ومباح ہونے کا عقیدہ رکھنا جس کو پوری امت نے حرام قرار دیا ہے کفر ہے اس صورت میں حدیث کے الفاظ فقد کفر اپنے حقیقی معنی پر محمول ہوں گے اور اگر اس کو کرنے والا مباح ہونے کا یقین نہیں رکھتا تو اس صورت میں کفر کے دو معنی ہوں گے ایک تو یہ کہ اس شخص نے کفار کے فعل کی مشابہت اختیار کی دوسرے یہ کہ اس نے کفران نعمت کیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ.....اپنے بچہ کا انکار کرنے والا خدا تعالیٰ کے دیدار سے محروم رہیگا

(۱۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّهُ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَمَّا نَزَلَتْ اٰيَةُ الْمُلَاعَنَةِ اَيُّمَا امْرَاَةٍ اَدْخَلَتْ عَلٰى قَوْمٍ مَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ فَلَيْسَتْ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ وَلَنْ يُدْخِلَهَا اللّٰهُ جَنَّتَهُ وَاَيُّمَا رَجُلٍ جَحَدَ وَلَدَهُ وَهُوَ يَنْظُرُ اِلَيْهِ احْتَجَبَ اللّٰهُ مِنْهُ وَ فَضَحَهُ عَلٰى رُؤُوْسِ الْخَلَائِقِ فِی الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ. (رواہ ابوداؤد و النسائی والدارمی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جب کہ لعان کی آیت اتری کہ جو عورت داخل کرے ایک قوم پر اس کو کہ نہیں ان میں سے وہ عورت کسی چیز میں داخل نہیں جو دین میں قابل اعتماد ہو اور اس کو اللہ تعالیٰ کبھی بھی جنت میں داخل نہیں فرمائے گا جو شخص اپنے بیٹے کا انکار کرے حالانکہ وہ اسی سے ہے تو اللہ اس سے پردہ کرے گا اور اس کو تمام مخلوق اگلی پچھلی کے سامنے رسوا فرمائے گا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نسائی اور دارمی نے۔

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نہ تو عورت کو چاہیے کہ وہ بدکاری کرائے اور اپنے حرامی بچہ کو اپنے خاوند کی طرف منسوب کرے اور نہ مرد کو چاہیے کہ دیدہ ودانستہ اپنے بچہ کا انکار کرے اور اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے۔

بدکار بیوی کو طلاق دے دینا اولیٰ ہے

(۱۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ لِیْ امْرَاَةً لَا تَرُدُّ يَدَ لَامِسٍ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلِّقْهَا قَالَ اِنِّیْ اُحِبُّهَا قَالَ فَاَمْسِكْهَا اِذًا. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَ النَّسَائِیُّ وَ قَالَ النَّسَائِیُّ رَفَعَهُ اَحَدُ الرُّوَاةِ اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ وَاَحَدُهُمْ لَمْ يَرْفَعْهُ قَالَ وَهٰذَا الْحَدِيْثُ لَيْسَ بِثَابِتٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کہا میرے لیے ایک عورت ہے جو کسی چھونے والے کے ہاتھ کو رد نہیں کرتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو طلاق دے دے اس نے کہا مجھے اس سے محبت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نگہبانی کر اس کی اس وقت۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے کہا راویوں میں سے ایک نے اس کو ابن عباس تک مرفوع کہا ہے اور ان میں سے ایک نے اس کو مرفوع نہیں کہا۔ کہا نسائی نے یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

تشریح: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بدکار بیوی کو طلاق دے دینا اولیٰ ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دینے کا حکم پہلے دیا اور نگہبانی کرنے کا حکم بعد میں دیا۔ ہاں اگر کسی وجہ سے طلاق دینا آسان نہ ہو۔ مثلاً اس سے اتنی زیادہ محبت ہو کہ اس کو اپنے سے جدا کرنا ناممکن ہو یا اس کے بطن سے کوئی بچہ ہو جو ماں کی جدائی کو برداشت نہ کر سکتا ہو اور یا اس بیوی کا اپنے اوپر کوئی ایسا قرض ومطالبہ مثلاً مہر واجب ہو کہ جس کو ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو ایسی صورتوں میں جائز ہے کہ اس کو طلاق نہ دے لیکن یہ شرط ہے کہ وہ اس کو بدکاری سے روکے اور اگر وہ اس کو بدکاری سے نہ روک سکا تو پھر طلاق نہ دینے کی صورت میں گناہ گار رہو گا۔

اثبات نسب کے سلسلہ میں ایک واضح ہدایت وضابطہ

(۱۵) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى اَنَّ كُلَّ مُسْتَلْحَقٍ اسْتُلْحِقَ بَعْدَ اَبِيْهِ الَّذِيْ يُدْعٰى لَهٗ اِدَّعَاهُ وَرَثَتُهٗ فَقَضٰى اَنَّ كُلَّ مَنْ كَانَ مِنْ اَمَةٍ يَمْلِكُهَا يَوْمَ اَصَابَهَا فَقَدْ لَحِقَ بِمَنِ اسْتَلْحَقَهٗ وَلَيْسَ لَهٗ مِمَّا قُسِمَ قَبْلَهٗ مِنَ الْمِيْرَاثِ شَيْءٌ وَمَا اَدْرَكَ مِنْ مِيْرَاثٍ لَمْ يُقْسَمْ فَلَهٗ نَصِيْبُهٗ وَلَا يُلْحَقُ اِذَا كَانَ اَبُوْهُ الَّذِيْ يُدْعٰى لَهٗ اَنْكَرَهٗ فَاِنْ كَانَ مِنْ اَمَةٍ لَمْ يَمْلِكْهَا اَوْ مِنْ حُرَّةٍ عَاهَرَ بِهَا فَاِنَّهٗ لَا يُلْحَقُ وَلَا يُوْرَثُ وَاِنْ كَانَ الَّذِيْ يُدْعٰى لَهٗ هُوَ الَّذِيْ ادَّعَاهُ فَهُوَ وَلَدُ زِنْيَةٍ مِنْ حُرَّةٍ كَانَ اَوْ اَمَةٍ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا جولڑکا کہ باپ کے مرنے کے بعد لاحق کیا گیا۔ وہ باپ کہ جس کی طرف اس لڑکے کی نسبت ہے۔ اس کے باپ کے وارثوں نے دعویٰ کیا آپ نے حکم فرمایا۔ جولڑکا ایسی لونڈی سے ہو کہ اس لڑکے کا باپ اس کا مالک تھا جس دن صحبت کی تھی تو وہ نسب میں مل گیا اس شخص کے ساتھ ملایا اس کو۔ اس میراث سے اس کا حصہ نہیں جو اس کے ملانے سے پہلے تقسیم کی گئی اور وہ میراث جو ابھی تقسیم نہیں کی گئی اس سے اس لڑکے کا حصہ ہے اور نہیں لاحق ہوتا وہ لڑکا جبکہ ہو باپ اس کا کہ نسبت کیا جاتا ہے اس کی طرف کہ وہ اس کا انکار کرتا تھا اگر اس لونڈی سے ہو کہ اس کا مالک نہیں تھا یا پیدا ہوا حرہ سے کہ زنا کیا تھا اس سے تو وہ لڑکا نہیں لاحق ہوگا اور نہ ہی وارث ہوگا اگر چہ ہو وہ شخص کہ نسبت کیا جاتا ہے اس طرف اس کی خود دعویٰ کیا اس نے وہ بچہ زنا کا ہے حرہ سے ہو یا لونڈی سے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ احکام ہیں جو شروع زمانہ اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نافذ فرمائے تھے اس زمانہ میں لوگوں کی بدکار لونڈیاں تھیں جو زنا کراتی پھرتی تھیں اور ان کے مالک بھی ان سے صحبت کرتے تھے اور پھر جب ان کے کوئی بچہ ہوتا تو اس کا دعویٰ مالک بھی کرتا اور زانی بھی۔ اس قسم کے تنازعہ کو شرعی طور پر ختم کرنے کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا احکام صادر فرمائے۔ چنانچہ اس بارہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شرعی ضابطہ مقرر فرمایا اور جس کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص زید کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد زید کے وارثوں کا یہ دعویٰ تسلیم کرلیا جائے گا اور اس لڑکے کا نسب زید سے قائم کر کے اس کی میراث کا حصہ دار قرار دے دیا جائے گا۔ لیکن یہ اسی صورت میں ہوگا جبکہ وہ لڑکا کسی ایسی لونڈی کے بطن سے ہو جو زید کی ملکیت میں رہی ہو اور زید کا اس کے ساتھ جائز طور پر جماع ہوا ہو یا وہ کسی آزاد عورت کے بطن سے ہو جو زید کے نکاح میں رہی ہو اور خود زید نے بھی اپنی زندگی میں یہ اقرار واعلان کیا ہو کہ یہ میرا لڑکا ہے۔

پھر جیسا کہ حدیث میں وضاحت ہے یہ لڑکا انہی وارثوں کے حق میں حصہ دار ہوگا جنہوں نے مذکورہ بالا دعویٰ کیا ہوا گر سب ہی وارثوں نے یہ دعویٰ کیا ہوگا وہ لڑکا سب وارثوں کے حق میں حصہ دار ہوگا اور اگر بعض وارثوں نے دعویٰ کیا ہوگا تو صرف انہی بعض وارثوں کے حق میں حصہ دار ہوگا۔ نیز یہ لڑکا صرف اس میراث میں حصہ دار ہوگا جو ابھی تقسیم نہیں ہوئی ہے جو میراث اس دعویٰ سے پہلے تقسیم ہو چکی ہوگی اس میں اسے کوئی حصہ نہیں ملے گا اور اگر یہ صورت ہو کہ زید نے اپنی زندگی میں اس لڑکے کے نسب کا انکار کر دیا یعنی یہ کہا تھا کہ یہ لڑکا میرا نہیں ہے تو پھر اس کے مرنے کے بعد اگر اس کے وارث اس لڑکے کو اپنے میں شامل کرنا چاہیں تو وہ شامل نہیں ہو سکے گا اور نہ اس کو زید کی میراث میں سے کوئی حصہ ملے گا۔ اگر اسی طرح وہ لڑکا کسی ایسی لونڈی کے بطن سے ہو جو زید کی ملکیت میں نہیں تھی (جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں زمعہ کے بیٹے کے بارہ میں گزر چکا ہے) یا کسی ایسی آزاد عورت کے بطن سے جو زید کے نکاح میں نہیں تھی۔ یعنی وہ لڑکا زید کے زنا کے نتیجہ میں پیدا ہوا تو اس صورت میں بھی وہ زید کے وارثوں میں شامل نہیں ہو سکے گا اور نہ اس کو زید کی میراث میں سے کچھ ملے گا بلکہ زید اپنی زندگی میں خود بھی یہ چاہے کہ اس کے ساتھ اپنا نسب جوڑ کر اس کو اپنے وارثوں میں شامل کر دے تو بھی وہ شامل نہیں کیا جائے گا کیونکہ ولد الزنا کا نسب زانی سے قائم نہیں ہوتا اور نہ وہ زانی کا وارث ہوتا ہے۔

غیرت بعض صورتوں میں پسندیدہ اور بعض صورتوں میں ناپسندیدہ ہے

(۱۶) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَتِيكٍ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنَ الْغَيْرَةِ مَا يُحِبُّ اللّٰهُ وَمِنْهَا مَا يُبْغِضُ اللّٰهُ فَاَمَّا الَّتِي يُحِبُّهَا اللّٰهُ فَالْغَيْرَةُ فِي الرِّيبَةِ وَاَمَّا الَّتِي يُبْغِضُهَا اللّٰهُ فَالْغَيْرَةُ فِي غَيْرِ رِيبَةٍ وَاِنَّ مِنَ الْخُيَلَاءِ مَا يُبْغِضُ اللّٰهُ وَمِنْهَا مَا يُحِبُّ اللّٰهُ فَاَمَّا الْخُيَلَاءُ الَّتِي يُحِبُّ اللّٰهُ فَاخْتِيَالُ الرَّجُلِ عِنْدَ الْقِتَالِ وَاخْتِيَالُهُ عِنْدَ الصَّدَقَةِ وَاَمَّا الَّتِي يُبْغِضُ اللّٰهُ فَاخْتِيَالُهُ فِي الْفَخْرِ وَفِي رِوَايَةٍ فِي الْبَغْيِ. (رواه احمد و ابوداؤد و النسائی)

ترجمہ: حضرت جابر بن عتیک سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض غیرت وہ ہے کہ اس کو اللہ دوست رکھتا ہے اور بعض وہ غیرت ہے کہ اللہ اس کو مکروہ رکھتا ہے وہ غیرت کہ اللہ اس کو دوست رکھتا ہے یہ وہ غیرت ہے جو مقام شک میں ہو اور وہ غیرت جس کو اللہ مکروہ رکھتا ہے یہ وہ غیرت ہے جو مقام شبہ میں نہ ہے۔ بعض تکبر کو اللہ مکروہ جانتا ہے اور بعض تکبر کو اللہ دوست رکھتا ہے۔ وہ تکبر جس کو اللہ دوست رکھتا ہے وہ ہے لڑائی کے وقت تکبر کرنا۔ اللہ کے لیے دینے کے وقت تکبر کرے۔ وہ تکبر جس کو اللہ مکروہ رکھتا ہے وہ ہے فخر کرنے کے لیے تکبر کرے ایک روایت میں فی الفخر کی جگہ فی البغی آیا ہے۔ روایت کیا اس کو احمد ابوداؤد اور نسائی نے۔

تشریح: اپنے نسب پر فخر کا تکبر یہ ہے کہ جو شخص اعلیٰ حسب و نسب اور اچھے خاندان کا ہو وہ یہ کہتا پھرے کہ مجھے نسب میں برتری اور امتیاز حاصل ہے اور میرے باپ دادا اعلیٰ نسل و خاندان کے افراد ہونے کی وجہ سے بزرگ و افضل ہیں یہ ایسا تکبر ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو برتری و فوقیت اور بزرگی و فضیلت اسی شخص کو حاصل ہے جو دین کے اعتبار سے سب میں ممتاز ہو۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ بزرگ و بلند مرتبہ وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔

مشکوۃ کے ایک نسخہ میں اس روایت میں فی الفخر کی بجائے فی الفقر ہے یعنی جس تکبر کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ فقر کا تکبر ہے۔ مطلب یہ کہ خدا کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ کوئی شخص حالت فقر میں اپنی قناعت اور اپنے صبر و توکل پر تکبر کرے۔ چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ یہ تکبر اس تکبر سے بدتر ہے جو اپنے غنا اور اپنی ثروت پر کیا جاتا ہے لیکن فقر کا تکبر اس صورت میں برا اور خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ہے جبکہ وہ فقراء کے مقابلہ پر کیا جائے ہاں اگر وہ تکبر امراء و اغنیا کے مقابلہ پر ہو تو اچھا اور پسندیدہ ہے کیونکہ ایسے تکبر کو صدقہ کہا گیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ..... ولد الزنا کا نسب زانی سے ثابت ہوتا

(۱۷) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اِنَّ فُلَانًا ابْنِي عَاهَرْتُ بِاُمِّهِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا دِعْوَةَ فِي الْاِسْلَامِ ذَهَبَ اَمْرُ الْجَاهِلِيَّةِ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت ہے کہا ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا اے اللہ کے رسول فلاں میرا بیٹا ہے اس کی ماں سے میں نے زمانہ جاہلیت میں زنا کیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں درست دعوی کرنا اسلام میں جاہلیت کی بات چلی گئی۔ بستر والے کے لیے بچہ ہے زانی کے لیے محرومی ہے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: صاحب فراش سے وہ شخص مراد ہے جو ولد الزنا کی ماں کا خاوند یا مالک ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جو عورت کسی کے نکاح میں ہو یا (لونڈی ہونے کی صورت میں) کسی کی ملک میں ہو تو اس کے زنا کے نتیجہ میں جو بچہ پیدا ہوگا۔ اس کا نسب اس کے خاوند یا مالک سے ثابت ہوگا اور اگر وہ عورت کسی کے نکاح یا کسی کی ملک میں نہ ہو تو پھر بچہ ماں ہی کی طرف منسوب ہوگا۔ بہر صورت زانی کا اس بچہ سے کوئی نسبی تعلق نہیں ہوگا۔

وہ چار عورتیں جن سے لعان نہیں ہوتا

(۱۸) وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْبَعٌ مِنَ النِّسَاءِ لَا مُلَاعَنَةَ بَيْنَهُنَّ النَّصْرَانِيَّةُ تَحْتَ الْمُسْلِمِ

وَالْيَهُوْدِيَةُ تَحْتَ الْمُسْلِمِ وَالْحُرَّةُ تَحْتَ الْمَمْلُوْكِ وَالْمَمْلُوْكَةُ تَحْتَ الْحُرِّ. (رواه ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار قسم کی عورتوں کے درمیان لعان نہیں ایک نصرانیہ عورت جو مسلمانوں کے نکاح میں ہو دوسری یہودیہ جو مسلمان کے نکاح میں ہو۔ تیسری وہ آزاد کہ غلام کے نکاح میں ہو۔ چوتھی لونڈی کہ آزاد کے نکاح میں ہو۔ (روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے)

تشریح۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی عیسائی یا یہودی عورت کسی مسلمان کے نکاح میں ہو اور اس کا خاوند اس پر زنا کی تہمت لگائے اور وہ اس کی تردید کرے تو اس صورت میں ان دونوں کے درمیان لعان نہیں کرایا جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی آزاد عورت کسی غلام کے نکاح میں ہو یا کوئی لونڈی کسی آزاد کے نکاح میں ہو تو اس کے درمیان بھی لعان نہیں ہوگا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لعان دراصل شہادت و گواہی ہے۔ اس لئے لعان کی صورت میں مرد و عورت دونوں کا اہل شہادت (کہ جن کی شہادت شرعی طور پر معتبر ہوتی ہے) ہونا ضروری ہے جب کہ مملوک (یعنی غلام و لونڈی) اور کافر اہل شہادت نہیں ہیں یعنی کسی معاملہ میں (ان کی شہادت و گواہی شرعی طور پر معتبر نہیں ہے لہٰذا ان کے درمیان لعان کی کوئی صورت نہیں۔

حتی الامکان لعان سے اجتناب

(۱۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ رَجُلاً حِيْنَ اَمَرَ الْمُتَلاَعِنَيْنِ اَنْ يَتَلاَعَنَا اَنْ يَضَعَ يَدَهُ عِنْدَ الْخَامِسَةِ عَلٰى فِيْهِ وَقَالَ اِنَّهَا مُوْجِبَةٌ. (رواه النسائى)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم فرمایا جس وقت حکم فرمایا دو لعان کرنے والوں کو لعان کرنے کا پانچویں گواہی کے وقت اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دے اور فرمایا پانچویں گواہی واجب کرنے والی ہے۔ روایت کیا اس کو نسائی نے۔

تشریح: کسی خاوند نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی ہوگی اور بیوی نے اس کی تردید کی ہوگی اور صورت حال کو ختم کرنے کیلئے انہوں نے لعان کا ارادہ کیا ہوگا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لعان کا حکم دیا اور اسی وقت ایک دوسرے شخص کو یہ حکم فرمایا کہ جب پانچویں گواہی کی باری آئے تو لعان کرنے والے کے منہ پر ہاتھ رکھ دینا تا کہ وہ پانچویں گواہی دے کر لعان کو پورا نہ کرے۔

اس حکم کا بظاہر مقصد یہ تھا کہ جب اس کے منہ پر ہاتھ رکھا جائے گا تو اسے تنبہ اور احساس ہوگا اور جو سچ بات ہوگی اس کا اقرار کر کے پانچویں گواہی سے باز رہے گا اور جب پانچویں گواہی پوری نہیں ہوگی تو لعان واقع نہیں ہوگا۔ گویا یہ اس بات کی علامت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حتی الامکان لعان سے روکنے کی کوشش کرتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ جو سچ بات ہو میاں بیوی اس کا اقرار کریں اور اس دنیا کے آسان عذاب (یعنی زنا یا تہمت کی حد) کو اختیار کر کے آخرت کے سخت ترین عذاب سے محفوظ رہیں۔

شیطان، میاں بیوی کو ایکدوسرے سے بدظن کرنے کی کوشش کرتا ہے

(۲۰) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا لَيْلاً قَالَتْ فَغِرْتُ عَلَيْهِ فَجَاءَ فَرَاٰى مَا اَصْنَعُ فَقَالَ مَالَكِ يَا عَائِشَةُ اَغِرْتِ فَقُلْتُ مَالِيَ لاَ يَغَارُ مِثْلِيْ عَلٰى مِثْلِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ جَاءَكِ شَيْطَانُكِ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَمَعِيَ شَيْطَانٌ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَمَعَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ نَعَمْ وَلٰكِنْ اَعَانَنِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ حَتّٰى اَسْلَمَ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات ان کے پاس سے نکلے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غیرت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور دیکھا جو میں کرتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا تو نے غیرت کی ہے۔ کہا عائشہ نے کیا ہے واسطے میرے کہ میرے جیسی آپ جیسے پر غیرت نہ کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا تیرے پاس تیرا شیطان آیا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اے اللہ کے رسول کیا میرے ساتھ شیطان ہے فرمایا ہاں میں نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی ہے فرمایا ہاں لیکن مجھے اللہ نے اس پر مدد دی۔ یہاں تک کہ میں اس سے سلامت رہتا ہوں۔(روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: ایک مرتبہ شعبان کی پندرہویں شب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چپکے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے اٹھ کر جنت البقیع تشریف لے گئے تاکہ وہاں مردوں کیلئے ایصال ثواب اور دعاء مغفرت کریں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ سمجھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے اٹھ کر اپنی کسی اور بیوی کے ہاں چلے گئے۔ یہ گویا شیطان کا فریب تھا جس نے انہیں شک میں مبتلا کر دیا اس کی وجہ سے ان کو بڑی غیرت آئی ان کی قلبی کیفیت متغیر ہوگئی چنانچہ وہ بھی گھبرا کر اٹھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چل پڑیں پھر انہوں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منزل کسی دوسری بیوی کا مکان نہیں۔ بلکہ جنت البقیع (مدینہ کا قبرستان) ہے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے چلے جانے والے مسلمانوں کیلئے دعا مغفرت میں مشغول ہیں۔ یقینی بات ہے کہ جس شک وشبہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اتنا اکسایا اور گھبراہٹ میں مبتلا کیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واپس پہنچنے سے پہلے ہی گھر میں پہنچ جانا چاہتی ہوں گی۔ چنانچہ وہ وہاں سے بھاگی دوڑتی گھر کی طرف چلیں جب گھر میں داخل ہوئیں تو کچھ دوڑنے کی وجہ سے اور کچھ ندامت کے سبب سینہ دھونکنی بن گیا اور دم پھولنے لگا ان کے بعد ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں آئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ کیفیت دیکھی کہ دم چڑھ رہا ہے اور گھبراہٹ طاری ہے تو فرمایا آخر اتنی گھبراہٹ تم پر کیوں طاری ہوگئی کیا تم نے محض اس وجہ سے غیرت محسوس کی کہ میں اس طرح کیوں چلا گیا اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو کچھ کہا وہ دراصل عورت کے جذبات فطرت کی بڑی حسین اور دلچسپ ترجمانی تھی۔ انہوں نے کہا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ مجھ جیسی صورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے مرد پر غیرت نہ کرے؟ یعنی اگرچہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ محبت حاصل ہے لیکن میری سوکنیں بھی کئی ہیں اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام ظاہری وباطنی جمال وکمال سے متصف ہیں ایسی صورت میں کیونکر رشک وغیرت میں مبتلا نہ ہوں۔

بَابُ الْعِدَّةِ..... عدت کا بیان

قال الله تعالیٰ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ م بُيُوْتِهِنَّ (سورۃ طلاق)

وقال تعالیٰ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ (سورۃ طلاق)

وقال تعالیٰ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا (سورۃ بقرہ)

وقال تعالیٰ وَالّٰٓئِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓئِيْ لَمْ يَحِضْنَ۔ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا

عدۃ:۔ باب نصر ینصر کا مصدر ہے اور یہ لغت میں گنتی اور شمار کو کہتے ہیں عورت بھی فرقت زوج کے بعد اپنی عدت کے ایام گنتی ہے اور اصطلاح شرع میں "عورت کا زوج سے فراق کے بعد خاص مدت تک نکاح اور منافی عدت چیزوں سے باز رہنے کا نام عدت ہے۔"

یہ فرقت یا طلاق سے ہوتی ہے یا زوج کی وفات سے ہوگی عدت گزارنے کے کئی طریقے ہیں۔

اول تین حیض کے ذریعہ سے عدت ہو۔ دوم وضع حمل سے عدت وابستہ ہو بشرطیکہ عورت حاملہ ہو سوم عدت بالاشہر ہو کہ اگر عورت چھوٹی ہو یا حیض آنے سے بڑھاپے کی وجہ سے مایوس آئسہ ہو تو تین ماہ کی گنتی سے عدت گزارے گی اور اگر عورت کا شوہر مرگیا ہو تو پھر چار ماہ دس دن عدت کیلئے مقرر ہیں اوپر قرآنی آیات سے اور آنے والی احادیث کی تفصیلات سے اور امت کے اجماع سے عدت گزارنا عورت پر لازم ہے تمام مسلمان عورتوں پر لازم ہے کہ وہ عدت کا اہتمام کریں اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے لاپرواہی نہ برتیں صوبہ سرحد میں عورتیں اس خداوندی حکم میں بہت سستی کرتی ہیں وہاں کے علماء پر لازم ہے کہ وہ اس مسئلہ کی اہمیت کو اہتمام کے ساتھ وعظوں میں بیان کریں اور فقہاء احناف نے احادیث کی روشنی میں جو دفعات

متعین فرمائی ہیں ان کو مسلمانوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کریں تا کہ یہ مری ہوئی سنت زندہ ہو جائے۔لونڈی کو اگر اس کے خاوند نے طلاق دیدی تو اس کی عدت دو حیض ہیں اور اگر اس کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت ڈیڑھ ماہ ہے اور اگر اس کا خاوند مر جائے تو اس کی عدت دو ماہ پانچ دن ہو گی۔

الفصل الاول.... عدت کے دنوں میں شوہر پر نفقہ اور سکنیٰ واجب ہے یا نہیں

(۱) عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَیْسٍ اَنَّ اَبَا عَمْرِو بْنِ حَفْصٍ طَلَّقَهَا الْبَتَّةَ وَهُوَ غَائِبٌ فَاَرْسَلَ اِلَیْهَا وَکِیْلُهُ الشَّعِیْرَ فَسَخِطَتْهُ فَقَالَ وَاللّٰهِ مَالَکِ عَلَیْنَا مِنْ شَیْءٍ فَجَاءَ تْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَتْ ذٰلِکَ لَهُ فَقَالَ لَیْسَ لَکِ نَفَقَةٌ فَاَمَرَهَا اَنْ تَعْتَدَّ فِیْ بَیْتِ اُمِّ شَرِیْکٍ ثُمَّ قَالَ تِلْکَ امْرَاَةٌ یَغْشَاهَا اَصْحَابِیْ اِعْتَدِّیْ عِنْدَ ابْنِ اُمِّ مَکْتُوْمٍ فَاِنَّهُ رَجُلٌ اَعْمٰی تَضَعِیْنَ ثِیَابَکِ فَاِذَا اَحْلَلْتِ فَاٰذِنِیْنِیْ قَالَتْ فَلَمَّا حَلَلْتُ ذَکَرْتُ لَهُ اَنَّ مُعَاوِیَةَ ابْنَ اَبِیْ سُفْیَانَ وَاَبَاجَهْمٍ خَطَبَانِیْ فَقَالَ اَمَّا اَبُوالْجَهْمِ فَلَایَضَعُ عَصَاهُ عَنْ عَاتِقِهٖ وَاَمَّا مُعَاوِیَةُ فَصُعْلُوْکٌ لَامَالَ لَهٗ اِنْکِحِیْ اُسَامَةَ بْنَ زَیْدٍ فَکَرِهْتُهُ ثُمَّ قَالَ اِنْکِحِیْ اُسَامَةَ فَنَکَحْتُهُ فَجَعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا وَاغْتُبِطْتُ وَفِیْ رِوَایَةٍ عَنْهَا فَاَمَّا اَبُوْجَهْمٍ فَرَجُلٌ ضَرَّابٌ لِلنِّسَاءِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَایَةٍ اَنَّ زَوْجَهَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فَاَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا نَفَقَةَ لَکِ اِلَّا اَنْ تَکُوْنِیْ حَامِلًا۔

ترجمہ: حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ ابوعمرو بن حفص نے فاطمہ بنت قیس کو تین طلاقیں دیں اور ابوعمرو رضی اللہ عنہ غائب تھا۔ابوعمر رضی اللہ عنہ کے وکیل نے فاطمہ کے پاس جو بھیجے اس نے ناپسند کیے وکیل نے کہا اللہ کی قسم ہم پر تیرا کچھ حق نہیں فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ کے پاس آئی اور سارا ماجرا آپ سے بیان کیا فرمایا تیرے لیے کچھ نفقہ نہیں اور حکم فرمایا فاطمہ کو کہ وہ ام شریک کے گھر عدت گذارے۔پھر فرمایا آپ نے کہ وہ ایسی عورت ہے کہ اس کے گھر آمد ورفت ہے تو ابن ام مکتوم کے گھر عدت گذار کہ وہ شخص نابینا ہے تو اپنے کپڑے رکھے گی جس وقت تیری عدت پوری ہو جائے تو مجھ کو خبر دینا فاطمہ نے کہا جب میں حلال ہوئی تو میں نے آنحضرت کو اطلاع دی کہ معاویہ بن ابی سفیان اور ابوجہم نے نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔حضرت نے فرمایا ابوجہم اپنے کندھے سے لاٹھی نہیں اتارتا۔اور معاویہ مفلس ہے اس کے پاس مال نہیں اسامہ بن زید سے نکاح کر۔فاطمہ نے کہا میں نے اس کو پسند نہ جانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسامہ سے نکاح کر میں نے اس سے نکاح کیا اللہ نے بھلائی اتاری اور مجھ پر رشک کیا گیا۔فاطمہ سے یوں روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوجہم عورتوں کو بہت مارنے والا ہے روایت کیا اس کو مسلم نے۔مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ فاطمہ کے خاوند نے اس کو تین طلاقیں دیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے لیے نفقہ نہیں مگر حاملہ ہونے کی صورت میں۔

تشریح: طلقها البتة: البتة سے تین طلاق کے ساتھ مطلقہ مغلظہ عورت مراد ہے جس کو مطلقہ مبتوتہ بھی کہتے ہیں جو عورت طلاق رجعی کے ساتھ مطلقہ ہو تو اس کا نفقہ اور سکنیٰ بالاتفاق زوج پر لازم ہے اگر عورت تین طلاق کے ساتھ مطلقہ مغلظہ ہے لیکن حاملہ بھی ہے تو اس کا نفقہ بھی وضع حمل تک زوج پر بالاتفاق لازم ہے اور اگر عورت مطلقہ مغلظہ غیر حاملہ ہے تو اس کے نفقہ اور سکنیٰ میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

مطلقہ مغلظہ کے نفقہ وسکنیٰ میں فقہاء کا اختلاف:۔امام احمد بن حنبلؒ اسحاق بن راہویہ اور اہل ظواہر کے نزدیک مطلقہ مغلظہ غیر حاملہ کیلئے نہ نفقہ ہے اور نہ سکنیٰ ہے یعنی نہ نان ہے نہ مکان ہے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک سکنیٰ ہے لیکن نفقہ نہیں ہے یعنی مکان ہے نان نہیں ہے ائمہ احناف کے نزدیک اس مطلقہ کیلئے سکنیٰ بھی ہے اور نفقہ بھی ہے یعنی نان ومکان دونوں شوہر پر لازم ہیں۔

دلائل:۔امام احمد بن حنبلؒ اور اہل ظواہر غیر مقلدین نے زیر نظر فاطمہ بنت قیس کی روایت سے استدلال کیا ہے اس میں یہ الفاظ ہیں لا نفقة لک الا ان تکونی حاملا اور اسی حدیث میں ان کو حکم دیا گیا ہے کہ تم ابن ام مکتوم کے گھر میں رہو جس سے معلوم ہوا کہ ان کو سکنیٰ کا حق بھی نہیں ہے امام شافعیؒ اور امام مالکؒ نے سکنیٰ کے ثبوت کیلئے قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کیا ہے اسکنوهن من حیث سکنتم من وجدکم

اور نفقہ کی نفی کیلئے اس آیت سے استدلال کیا ہے وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن حتی یضعن حملھن طرز استدلال مفہوم مخالف کے طور پر ہے کہ نفقہ صرف معتدہ حاملہ کو ملے گا لہٰذا جو عورت حاملہ مطلقہ نہیں اس کو کسی بھی صورت میں نفقہ نہیں ملے گا ان حضرات نے نفی نفقہ کیلئے فاطمہ بنت قیس کی زیر نظر حدیث سے بھی استدلال کیا ہے ائمہ احناف اور سفیان ثوریؒ نے وجوب سکنی کیلئے قرآن کریم کی دو آیتوں سے استدلال کیا ہے ایک آیت یہ ہے اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم یہ آیت سکنی پر قطعی دلیل ہے دوسری آیت یہ ہے ولا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن یہ آیت بھی مکان دینے پر صریح دلالت کرتی ہے اور ضمنی طور پر یہ آیت نفقہ کو بھی واجب کرتی ہے کیونکہ جب اس عورت کے نکلنے اور نکالنے پر پابندی ہے تو لازمی طور پر اس کو نفقہ دینا پڑے گا نیز قواعد شریعت کے مطابق بھی اسی کو نفقہ دینا پڑے گا کیونکہ یہاں اس عورت کا حبس بوجہ حق زوج آگیا ہے کیونکہ عدت نکاح کے اثرات میں سے ایک اثر ہے اور نکاح کی وجہ سے جب نفقہ زوج پر لازم تھا تو اب اس نکاح کے اثر کی وجہ سے جو حبس آگیا ہے اس میں بھی نفقہ زوج پر فرض ہوگا احناف نے حضرت عمرؓ کے عام فیصلہ اور صحابہ کرام کے اجماع سے بھی وجوب نفقہ پر استدلال کیا ہے فاطمہ بنت قیس کی روایت سے جواب کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کے فیصلہ کی روایت آنے والی ہے۔

الجواب: احناف فاطمہ بنت قیس کی روایت کا جواب دیتے ہیں کہ یہ روایت کئی وجوہ سے معلل ہے حضرت عمر فاروق نے جب یہ حدیث سنی تو فرمانے لگے (لا ندع کتاب ربنا وسنۃ نبینا بقول امراۃ نسیت او شبہ لھا سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لھا السکنی والنفقۃ) (مرقاۃ جلد ۶ صفحہ ۳۶۵)

سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ فاطمہ بنت قیس کو نفقہ اس لئے نہیں دیا گیا کہ اس کی زبان میں سختی اور تیزی تھی گویا وہ ناشزہ تھی اور ناشزہ کو نان نفقہ نہیں دیا جاتا۔

حضرت اسامہ بن زید کے عقد نکاح میں جب فاطمہ بنت قیس آئیں تو آپ نے ان پر کنکر برسائے اور اس کے قول کو مسترد کرتے ہوئے ناراضگی کا اظہار فرمایا حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ کیا فاطمہ بنت قیس خدا کا خوف نہیں رکھتی جو کہتی ہے کہ اس کے لئے نہ نفقہ تھا نہ سکنی تھا؟ ان اقوال کے علاوہ زیر بحث حدیث میں خود اس حدیث کا جواب موجود ہے کیونکہ فاطمہ بنت قیس کے شوہر ابوعمرو بن حفص کے وکیل نے ان کے خرچ کے سلسلہ میں ان کو کچھ (جو) بھیجے لیکن انہوں نے اس کو کم سمجھ کر واپس کر دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شکایت کی تو حضرت نے زیادہ نفقہ کا انکار فرمایا اصل نان ونفقہ کا انکار نہیں تھا شوافع اور مالکیہ نے آیت کے مفہوم مخالف سے جو استدلال کیا ہے احناف اس کا جواب دیتے ہیں کہ ہم مفہوم مخالف کو نہیں مانتے ہیں اور نہ یہ ہمارے ہاں کوئی مستند دلیل ہے خاص کر جب حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت میں یہ الفاظ موجود ہیں (وانفقوا علیھن من وجدکم) اس صراحت کے بعد ہم نفقہ کا انکار نہیں کر سکتے ہیں اور ویسے شوافع کو بطور الزام احناف یہ جواب دیتے ہیں کہ جب آپ نے سکنی مان لیا تو کیا اس بیچاری عورت کو قتل کرانا چاہتے ہو اور اس کو کہتے ہو کہ گھر میں پڑی رہو کیونکہ تم پر عدت گزارنا واجب ہے اور تم کو کھانا کچھ بھی نہیں ملے گا تو یہ عجیب فیصلہ ہے باقی فاطمہ بنت قیس کو مکان کیوں نہیں ملا تو اس کا جواب خود حضرت عائشہؓ نے دیا ہے کہ فاطمہ کا مکان ایک سنسان غیر آباد علاقہ میں تھا جو شہر سے کسی کنارہ میں واقع تھا وہاں وہ اکیلی اس مکان میں نہیں رہ سکتی تھی اور حضرت سعید بن المسیب کے قول کے مطابق حضرت فاطمہ بنت قیس زبان درازی کرتی تھی اپنے سسرال سے لڑتی تھی اس لئے وہ مکان کی سہولت سے محروم ہوگئی۔

تضعین ثیابک:۔ اس جملہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ وہاں تم عدت کی حالت میں زینت چھوڑ دوگی دوسرا مطلب یہ کہ وہاں سے تم باہر کہیں نہیں نکلوگی تیسرا مطلب یہ کہ وہاں تجھے حجاب کی ضرورت نہیں پڑے گی کیونکہ وہاں کا رہنے والا خود نابینا ہے اور ام شریک کے رشتہ داروں کی طرح یہاں کوئی اور آتا جاتا نہیں لہٰذا تم کو اس طرح پردہ کی ضرورت نہیں پڑیگی جس طرح کسی دیکھنے والے آدمی کے سامنے مکمل پردہ کیا جاتا ہے یہ مطلب نہیں کہ تم بالکل کپڑے ہی استعمال نہ کرو بہرحال اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت اجنبی مرد کو دیکھ سکتی ہے یعنی اگر فتنہ کا خطرہ نہ ہو تو بعض علماء جواز کے قائل ہیں لیکن بعض نے کہا کہ عورتوں کو بھی مردوں کی طرف دیکھنا منع ہے کیونکہ قرآن کا اعلان ہے قل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن تو اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ ابن ام مکتوم نابینا ہے وہ تم کو نہیں دیکھ سکتا اور تم خود ان کی طرف نہیں دیکھوگی لہٰذا رہنا آسان ہو جائیگا اور حجاب کا مکمل اہتمام اور انتظام رہے گا (فلا یضع عصاہ) یعنی ابوجہم ہر وقت ادب کی لاٹھی مارنے کیلئے کندھے پر رکھتا ہے (ضراب للنساء)

مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی وہ عورتوں کو بہت مارنے والا ہے یہ اسی ماسبق کنائی الفاظ (فلا یضع عصاہ) کی تشریح ہے (فصعلوک) صعلوک انتہائی فقیر اور مفلس کو کہتے ہیں اور (لا مال له) گویا اس کی صفت کاشفہ ہے یعنی معاویہ مفلس فقیر ہے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ لیا گیا تھا اس لئے (المستشار مؤتمن) کے قاعدہ کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقت حال کو واضح طور پر بیان فرمایا۔

فوائد الحدیث:۔ فاطمہ بنت قیس کی اس حدیث میں کئی فوائد اور امت کیلئے کئی مفید تعلیمات ہیں۔

(۱) پہلا فائدہ یہ ہے کہ شوہر جب غائب ہو اور قابل اعتماد مستند ذریعہ سے طلاق دیدے تو یہ جائز ہے (۲) آدمی کو اپنے حقوق لینے دینے کیلئے وکیل رکھنا جائز ہے (۳) فتویٰ لینے دینے میں اجنبی مرد و عورت کی گفتگو جائز ہے (۴) عورت جس گھر میں عدت گزارنے کیلئے بیٹھی ہوئی ہو اس سے ضرورت اور حاجت کے تحت منتقل ہو سکتی ہے (۵) جب فتنہ نہ ہو تو نیک عورت کی زیارت ثواب کی نیت سے رشتہ دار مردوں کیلئے مستحب ہے جیسے ام شریک کے پاس آنا جانا تھا (۶) مطلقہ مغلظہ کو زمانہ عدت میں پیغام نکاح دینا تعریض کے طور پر جائز ہے (۷) ایک شخص کے پیغام نکاح پر دوسرے کیلئے پیغام نکاح دینا جائز ہے جبکہ پہلے والے کی بات نہ بن سکی ہو (۸) غائب شخص کے عیوب کا تذکرہ کرنا اس وقت جائز ہے جبکہ مشورہ کے تحت جواب دیا جاتا ہو جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا (۹) کلام میں مجاز کا استعمال جائز ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (لا یضع عصاہ) (۱۰) رشتہ نکاح میں مالداری کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔

(۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ فَاطِمَةَ كَانَتْ فِي مَكَانٍ وَحْشٍ فَخِيْفَ عَلٰى نَاحِيَتِهَا فَلِذٰلِكَ رَخَّصَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْنِيْ فِي النُّقْلَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَتْ مَالِفَاطِمَةَ اَلَاتَتَّقِي اللّٰهَ تَعْنِيْ فِيْ قَوْلِهَا لَاسُكْنٰى وَلَانَفَقَةَ. (رواه البخاري)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا کہ فاطمہ بنت قیس ویران مکان میں تھیں اس پر خوف کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو آنے کی اجازت دی۔ ایک روایت میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا فاطمہ کو کیا ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتی نہیں۔ مراد رکھتی تھیں حضرت عائشہ کہ اس بات کے کہنے سے کہ اس کے لیے سکنی اور نفقہ نہیں۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

تشریح: حدیث کے ابتدائی الفاظ کا مطلب ہے کہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا جس مکان میں رہتی تھیں وہ ایک ویران جگہ میں تھا جہاں ہر وقت چور وغیرہ کا اندیشہ رہتا تھا۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس مکان سے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے مکان میں منتقل ہونے کی اجازت مرحمت فرمادی اور اس بیان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصد یہ آگاہ کرنا تھا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنی عدت کے دنوں میں اپنے خاوند کے گھر کو چھوڑ کر غیر کے گھر میں جو بیٹھی تھیں۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ تین طلاقوں والی عورت کیلئے سکنی نہیں ہے اور وہ جہاں چاہے عدت میں بیٹھ جائے بلکہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اپنے خاوند کے مکان کو چھوڑ کر ایک دوسرے شخص کے مکان میں عدت گزارنے کا سبب یہ ہے جو بیان کیا دوسری روایت کے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نقل کیا کرتی تھیں کہ جس عورت کو طلاق بائن دی گئی ہو اس کیلئے نہ تو نفقہ ہے اور نہ سکنی ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی اس بات کی تردید کی اور فرمایا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اس قول نہ نفقہ اور نہ سکنی ہے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہوئے خدا سے نہیں ڈرتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ہرگز نہیں فرمایا ہوگا بلکہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غلط فہمی ہوئی ہے۔

(۳) وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ اِنَّمَا نُقِلَتْ فَاطِمَةُ لِطُوْلِ لِسَانِهَا عَلٰى اَحْمَائِهَا. (رواه في شرح السنة)

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا فاطمہ اپنے خاوند کے قرابتیوں پر زبان درازی کی وجہ سے منتقل کی گئی تھی۔ روایت کیا اس کو شرح السنۃ میں۔

عدت کے زمانہ میں کسی ضرورت سے گھر سے باہر نکلنا جائز ہے یا نہیں

(۴) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ طُلِّقَتْ خَالَتِيْ ثَلَاثًا فَاَرَادَتْ اَنْ تَجُدَّ نَخْلَهَا فَزَجَرَهَا رَجُلٌ اَنْ تَخْرُجَ فَاَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ فَقَالَ بَلٰی فَجُدِّی نَخْلَکِ فَاِنَّهٗ عَسٰی اَنْ تَصَدَّقِیْ اَوْتَفْعَلِیْ مَعْرُوْفًا. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میری خالہ کو تین طلاقیں دی گئیں اس نے کھجور کا میوہ کاٹنے کا ارادہ کیا ایک شخص نے اس کو نکلنے سے منع کیا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ آپ نے فرمایا ہاں نکل اور اپنی کھجور کاٹ۔ شاید کہ اللہ کے لیے دے یا احسان کرے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اگر وہ کھجوریں اتنی مقدار میں ہو جائیں گی کہ ان پر زکوۃ واجب ہو جائے تم ان کی زکوۃ ادا کرو گی اور اگر بقدر نصاب نہیں ہوں گی تو پھر تم ان کے ذریعہ احسان وسلوک کرو گی بایں طور کہ اپنے ہمسایوں اور فقراء کو نفل صدقہ کے طور پر دو گی یا لوگوں کے پاس بطور تحفہ بھیجو گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ صدقہ کرتیں تو ان کیلئے گھر سے باہر نکلنا جائز نہ ہوتا۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو عورت طلاق بائن کی عدت میں بیٹھی ہو اس کو اپنی کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنا جائز ہے۔

حاملہ کی عدت، وضع حمل ہے

(۵) وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ اَنَّ سُبَیْعَةَ الْاَسْلَمِیَّةَ نُفِسَتْ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِلَیَالٍ فَجَاءَتِ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَاْذَنَتْهُ اَنْ تَنْكِحَ فَاَذِنَ لَهَا فَنَكَحَتْ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سبیعہ اسلمیہ نے اپنے خاوند کے مرنے کے چند دن بعد بچہ جنا پھر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی نکاح کی اجازت طلب کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اجازت دے دی اس نے نکاح کیا۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

تشریح: سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا اپنے خاوند کی وفات کے وقت حاملہ تھیں چنانچہ خاوند کی وفات کے چند ہی دنوں بعد ان کے ہاں ولادت ہو گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دوسرا نکاح کرنے کی اجازت عطا فرما دی۔ علماء لکھتے ہیں کہ اگر خاوند کی وفات یا طلاق کے بعد عورت کے ہاں ولادت ہو جائے تو وہ عدت سے نکل آتی ہے اور اس کیلئے دوسرا نکاح کرنا جائز ہو جاتا ہے اگرچہ ولادت یا وفات کے تھوڑی ہی دیر بعد ہو۔

عدت کے دنوں میں سرمہ لگانے کی ممانعت

(۶) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ جَاءَتِ امْرَاَةٌ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ بِنْتِیْ تُوُفِّیَ عَنْهَا زَوْجُهَا وَقَدِاشْتَكَتْ عَیْنُهَا اَفَنَكْحُلُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَامَرَّتَیْنِ اَوْثَلَاثًا كُلُّ ذٰلِكَ یَقُوْلُ لَاثُمَّ قَالَ اِنَّمَا هِیَ اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ وَعَشْرٌ وَقَدْ كَانَتْ اِحْدَاكُنَّ فِی الْجَاهِلِیَّةِ تَرْمِیْ بِالْبَعْرَةِ عَلٰی رَاْسِ الْحَوْلِ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی کہا اے اللہ کے رسول میری بیٹی کا خاوند فوت ہو گیا اور اس کی آنکھیں دکھتی ہیں کیا میں اس کو سرمہ لگا سکتی ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں دو بار پوچھا یا تین بار آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر فرمایا کہ عدت چار مہینے دس دن ہے جاہلیت میں تم میں سے کوئی ایک سال تک مینگنیاں پھینکتی تھی۔ (متفق علیہ)

تشریح: افنکحلها: متوفی عنها زوجها جب عدت وفات میں سوگ کے ایام میں چار ماہ دس دن تک سوگ میں بیٹھی ہو تو کیا وہ سرمہ لگا سکتی ہے یا نہیں اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف: عدت وفات میں احداد یعنی ترک زینت کے دوران امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک عذر ہو یا عذر نہ ہو کسی صورت میں عورت آنکھوں میں سرمہ نہیں لگا سکتی ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ مجبوری کی صورت میں بطور علاج سرمہ لگا سکتی ہے لیکن رات کو لگائے اور دن کو صاف کرے۔

امام مالک اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ مجبوری کے وقت بطور علاج سرمہ استعمال کرسکتی ہے۔ امام احمد نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے۔
جمہور فرماتے ہیں کہ شاید اس عورت نے بہانہ کیا ہو کہ سرمہ تو لگایا زینت کیلئے اور بہانہ آنکھوں کے دکھنے کا ہو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اصل حقیقت کا علم ہو گیا ہو گا اس لئے اجازت نہیں دی یا ہوسکتا ہے کہ یہ خاص قسم کا کوئی سرمہ تھا جس کی ممانعت فرمادی اس حدیث میں تاویل کا ایک واضح قرینہ یہ بھی ہے کہ اسی حضرت ام سلمہ سے ایک موقع پر جب سرمہ لگانے کا مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے شدید مرض کے وقت اجازت دیدی (کذا فی سنن ابی داؤد جلد ا صفحہ ۳۱۵)
کافرانہ نظام نے عورت پر ظلم کیا اسلام نے مقام دیا۔ ترمی بالبعرۃ علی راس الحول: اس جملہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ جاہلیت میں عورتوں پر بے جا مظالم ڈھائے جانے کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور مقصد یہ تھا کہ دین اسلام میں ہر قسم کی آسانی ہے اور تم پھر بھی مزید رخصتوں کی درخواستیں کرتی ہو تمہیں معلوم نہیں کہ جاہلیت میں عورتوں کی عدت کا کیا افسانہ ہوتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قصہ اور افسانہ کی طرف اشارہ کیا ہے اس کا تذکرہ جن کتابوں نے کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جاہلیت میں جب آدمی مر جاتا تھا تو بیوی سوگ منانے اور عدت گزارنے کیلئے ایک تنگ و تاریک کمرہ میں داخل ہو جاتی تھی باہر سے اس کمرے کا دروازہ بند کیا جاتا تھا اور لپائی کی جاتی تھی ایک کھڑکی سے معتدہ عورت کو کتے کے برتن میں کھانا دیا جاتا تھا اسی کمرہ میں کھانا پینا اسی میں پیشاب پاخانہ کرنا اسی میں لیٹنا اسی میں اٹھنا بیٹھنا ہوتا تھا سال بھر کیلئے ایک ہی جوڑا کپڑا اور سال بھر کیلئے اسی ایک جگہ میں رہنا ہوتا تھا سال پورا ہونے کے بعد جب کمرہ سخت زہریلا ہو جاتا تھا تو وہ لوگ کسی کتے یا جانور یا پرندے کو اندر داخل کراتے تھے اور حیوان کو اس عورت کے فرج سے رگڑ لیا کرتے تھے جب سخت زہریلی گیس سے وہ جانور مر جاتا تھا تو لوگ کہتے تھے زبردست عدت گزار دی ہے پھر اس عورت کو باہر لا کر ایک گدھے پر سوار کراتے تھے عورت کا چہرہ گدھے کی دم اور سرین کی طرف ہوتا تھا اور اس کے ہاتھوں میں اونٹوں یا بکریوں کی مینگنیوں کی بھری ہوئی ٹوکری دیا کرتے تھے وہ ایک ایک مینگنی پھینکا کرتی تھی اور بچے اس کے پیچھے دوڑتے پھرتے اور ڈوم ڈوم کی آوازیں لگا کر ہنستے اور قہقہے لگاتے جاتے تھے جب یہ عورت آخری مینگنی پھینکتی تو اس کی عدت ختم ہو جاتی' حضور اکرم نے گویا اشارہ فرمادیا کہ ایک وہ کافرانہ نظام اور اس کا انسانیت سوز سلوک اور ایک اسلام کی یہ رحمت وشفقت اور عزت وعظمت کا نظام؟ دونوں میں بڑا فرق ہے کسی نے سچ کہا

چراغ مردہ کجا نور آفتاب کجا　　ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا

جاہلیت میں سوگ ایک سال تک منایا جاتا تھا اور کبھی ایک سال تک کیلئے قبر پر خیمہ لگا کر رہا کرتے تھے یہ عدت بھی اسی قسم کی ایک جاہلانہ رسم تھی اور سال کے بعد واپس گھر آتے تھے۔

زمانہ عدت میں سوگ کرنے کا حکم

(۷) وَعَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ وَزَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَايَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور زینب بنت جحش سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جو عورت اللہ پر ایمان رکھتی ہے اور آخرت کے دن پر اس کے لیے درست نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ سوگ منائے مگر اپنے خاوند پر چار مہینے دس دن سوگ رکھنا چاہیے۔ (متفق علیہ)

تشریح: سوگ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بناؤ سنگھار ترک کردے اور خوشبو وسرمہ وغیرہ لگانے سے پرہیز کرے؟ چنانچہ یہ سوگ کرنا کسی دوسری میت پر تو تین دن سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ لیکن اپنے شوہر کی وفات پر چار مہینے دس دن تک یعنی ایام عدت میں سوگ کرنا واجب ہے۔

اب رہی یہ بات کہ چار مہینہ دس دن یعنی عدت کی مدت کی ابتدا کب سے ہوگی تو جمہور علماء کے نزدیک اس مدت کی ابتدا خاوند کی موت کے بعد سے ہوگی۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے قائل تھے کہ عدت کی ابتدا اس وقت سے ہوگی جس وقت کہ عورت کو خاوند کے انتقال کی خبر ہوئی ہے لہذا اگر کسی عورت کا خاوند کہیں باہر سفر میں مر گیا اور اس عورت کو اس کی خبر نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ چار مہینے دس دن گزر گئے تو جمہور علماء کے نزدیک عدت پوری ہوگئی

جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق اس کی عدت پوری نہیں ہوگی بلکہ اس کو خبر ہونے کے وقت سے چار مہینے دس دن تک عدت میں بیٹھنا ہوگا۔

(۸) وَعَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُحِدُّ امْرَأَةٌ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ اِلَّا عَلٰى زَوْجٍ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا وَلَاتَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوْغًا اِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ وَلَاتَكْتَحِلُ وَلَاتَمَسُّ طِيْبًا اِلَّا اِذَاطَهُرَتْ نُبْذَةً مِنْ قُسْطٍ اَوْاَظْفَارٍ. متفق عليه وزاد ابوداؤد وَ لَا تَخْتَضِبُ.

ترجمہ: حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی عورت کسی مرد پر سوگ تین دن سے زیادہ نہ رکھے مگر خاوند پر چار مہینے دس دن اور نہ رنگین کپڑا پہنے اور نہ سرمہ لگائے اور نہ خوشبو لگاوے مگر جب حیض سے پاک ہو قسط یا اظفار کا استعمال درست ہے۔ متفق علیہ ابوداؤد نے زیادہ کیا مہندی نہ لگائے۔

تشریح: ولا ثوبا مصبوغا: یعنی رنگین کپڑا بطور زینت نہ پہنے خواہ زعفرانی رنگ کا ہو یا کسی اور رنگ کا ہو ہاں اگر کوئی اور کپڑا نہیں ملا تو پھر رنگین استعمال کرے مگر زینت کا خیال قطعاً نہ ہو کیونکہ ستر ڈھانکنا فرض ہے (الاثوب عصب) عصب یمن میں ایک قسم کی چادر بنتی تھی اس کو کہتے ہیں یہاں عصب سے مراد رنگین چادر ہے جو بننے اور بنانے سے پہلے دھاگوں یا اون کو رنگا گیا ہو اور جب چادر تیار ہو جائے تو اس میں سفید اور سرخ قسم کے رنگ آتے ہیں اس قسم کی چادر کا استعمال کرنا جائز ہے (طہرت) یعنی جب حیض سے عورت پاک ہو جائے (نبذۃ) نون پر ضمہ ہے اور یہ لفظ بوجہ استثنا منصوب ہے تھوڑی سی چیز کے معنی میں ہے۔ (ای شیاء یسرا) (من قسط) یہ لفظ باب طب میں بار بار آیا ہے اس کا ترجمہ کھٹ یا اگربتی ہے یہاں اس سے ایک قسم عطر مراد ہے ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ یہ عود ہندی ہے جس سے خوشبو اور دوائی دونوں کا کام لیا جاتا ہے عورتیں حیض کے بعد غسل میں اس کو استعمال کرتی ہیں تاکہ بدبو زائل ہو جائے (اواظفار) یہ ایک قسم کی خوشبو ہے جس کے ٹکڑے ناخن کی طرح ہوتے ہیں ہمزہ مفتوح ہے اس کا مفرد یا تو نہیں ہے اگر ہے تو ظفر ہے۔

الفصل الثانی... معتدہ کو بلاضرورت ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل ہونا جائز نہیں

(۹) وَعَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ كَعْبٍ أَنَّ الْفُرَيْعَةَ بِنْتَ مَالِكِ بْنِ سِنَانٍ وَهِيَ اُخْتُ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَخْبَرَتْهَا اَنَّهَا جَاءَتْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْاَلُهُ اَنْ تَرْجِعَ اِلٰى اَهْلِهَا فِيْ بَنِيْ خُدْرَةَ فَاِنَّ زَوْجَهَا خَرَجَ فِيْ طَلَبِ اَعْبُدٍ لَهُ اَبَقُوْا فَقَتَلُوْهُ قَالَتْ فَسَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَرْجِعَ اِلٰى اَهْلِيْ فَاِنَّ زَوْجِيْ لَمْ يَتْرُكْنِيْ فِيْ مَنْزِلٍ يَمْلِكُهُ وَلَانَفَقَةٍ فَقَالَتْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ فَانْصَرَفْتُ حَتّٰى اِذَا كُنْتُ فِي الْحُجْرَةِ اَوْ فِي الْمَسْجِدِ دَعَانِيْ فَقَالَ اُمْكُثِيْ فِيْ بَيْتِكِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ اَجَلَهُ قَالَتْ فَاعْتَدَدْتُ فِيْهِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا (رواه مالک و الترمذی و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجه و الدارمی)

ترجمہ: حضرت زینب بنت کعب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فریعہ بنت مالک بن سنان نے جو ابوسعید خدری کی بہن ہے۔ خبر دی اس کو کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ پوچھتی تھی کہ اپنے کنبہ کی طرف پھر جاوے جو قبیلہ بنی خدرہ میں تھے اس کا خاوند غلاموں کو ڈھونڈنے کے لیے نکلا جو بھاگ گئے تھے انہوں نے اس کو قتل کر دیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اپنے خاندان کی طرف پھر جائے۔ کیونکہ اس کے خاوند کا مکان نہیں کہ اس میں رہے اور نہ نفقہ فریعہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں تو اپنے کنبے میں چلی جا۔ جب میں حجرہ یا مسجد میں پہنچی حضرت نے مجھ کو بلایا فرمایا اپنے گھر میں ٹھہری رہو یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے۔ فریعہ نے کہا میں اسی گھر میں چار ماہ دس دن عدت بیٹھی۔ روایت کیا اس کو مالک' ترمذی' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ اور دارمی نے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معتدہ (یعنی عدت میں بیٹھی ہوئی عورت) کو بلاضرورت ایک مکان سے دوسرے مکان میں اٹھ آنا درست نہیں ہے۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اس بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ جو عورت اپنے خاوند کے مرجانے کی وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو۔ اس کیلئے سکنیٰ (یعنی شوہر ہی کے مکان میں عدت گزارنا) ضروری ہے یا نہیں؟ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں جس میں

زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس کیلئے سکنی ضروری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی اسی کے قائل تھے۔ ان کی طرف سے یہی حدیث بطور دلیل پیش کی جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو فریعہ رضی اللہ عنہا کو مکان منتقل کرنے کی اجازت دیدی مگر پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منتقل ہونے سے منع کر دیا اور یہ حکم دیا کہ وہ اپنے شوہر کے اسی مکان میں عدت کے دن گزاریں۔ اس سے ثابت ہوا کہ فریعہ رضی اللہ عنہا کو پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجازت دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس امکثی فی بیتک الخ (تم اپنے اسی گھر میں عدت میں بیٹھو) کے ذریعہ منسوخ ہو گیا۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ معتدہ وفات کیلئے سکنی ضروری نہیں ہے بلکہ وہ جہاں چاہے عدت میں بیٹھ جائے اور یہی قول حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی تھا اس قول کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فریعہ رضی اللہ عنہا کو مکان میں منتقل ہونے کی اجازت عطا فرمادی تھی اور پھر بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے ہی مکان میں عدت گزارنے کا جو حکم فرمایا وہ استحباب کے طور پر تھا۔

عدت کے دنوں میں بناؤ سنگار کی کوئی بھی چیز استعمال نہ کی جائے

(۱۰) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ تُوُفِّيَ اَبُوْسَلَمَةَ وَقَدْ جَعَلْتُ عَلَيَّ صَبِرًا فَقَالَ مَاهٰذَا يَا اُمَّ سَلَمَةَ قُلْتُ اِنَّمَا هُوَ صَبِرٌ لَيْسَ فِيْهِ طِيْبٌ فَقَالَ اِنَّهٗ يَشُبُّ الْوَجْهَ فَلَا تَجْعَلِيْهِ اِلَّا بِاللَّيْلِ وَتَنْزِعِيْهِ بِالنَّهَارِ وَلَا تَمْتَشِطِيْ بِالطِّيْبِ وَلَا بِالْحِنَّاءِ فَاِنَّهٗ خِضَابٌ قُلْتُ بِاَيِّ شَيْءٍ اَمْتَشِطُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ بِالسِّدْرِ تُغَلِّفِيْنَ بِهٖ رَاْسَكِ. (رواہ ابوداؤد والنسائی)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تشریف لائے جب ابوسلمہ فوت کیے گئے اور میں نے اپنے منہ پر ایلوا لگایا تھا۔ آپ نے فرمایا اے ام سلمہ یہ کیا ہے میں نے کہا ایلوا ہے اس میں خوشبو نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ چہرہ کو روشن کرتا ہے یہ رات کو لگا اور دن کو اتار دے اور نہ خوشبو کے ساتھ کنگھی کر نہ مہندی کے ساتھ کنگھی کر۔ مہندی رنگ ہے میں نے کہا کس چیز کے ساتھ کنگھی کروں فرمایا بیری کے پتوں کے ساتھ غلاف کر اس کا اپنے سر پر۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے۔

تشریح: خوشبودار تیل کے بارہ میں تو علماء کا اتفاق و اجماع ہے کہ عدت والی عورت اس کا استعمال نہ کرے البتہ بغیر خوشبو کے تیل مثلاً روغن زیتون و تل کے بارہ میں اختلافی اقوال ہیں۔ چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تو بغیر خوشبو کا تیل لگانے سے بھی منع کرتے تھے۔ البتہ ضرورت و مجبوری کی حالت میں اس کی اجازت دیتے ہیں اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ حضرت امام احمد رحمہ اللہ اور علماء ظواہر نے عدت والی عورت کیلئے ایسے تیل کے استعمال کو جائز رکھا ہے جس میں خوشبو نہ ہو۔

(۱۱) وَعَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا لَاتَلْبَسُ الْمُعَصْفَرَ مِنَ الثِّيَابِ وَلَا الْمُمَشَّقَةَ وَلَا الْحُلِيَّ وَلَا تَخْتَضِبُ وَلَا تَكْتَحِلُ. (رواہ ابوداؤد والنسائی)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے وہ کسم کا رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے۔ گیرو رنگ کا بھی نہ پہنے نہ زیور پہنے اور نہ ہی ہاتھ پاؤں کو مہندی سے رنگے اور نہ سرمہ لگائے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے۔

تشریح: (المعصفر) ای المصبوغ بالعصفر یعنی کسم میں رنگا ہوا کپڑا (الممشقة) میم اول پر ضمہ ہے ثانی پر زبر ہے شین مشدد ہے ای المصبوغة بالمشق بکسر المیم وھو الطین الاحمر اسکو گیرو کہتے ہیں اس سے کپڑا رنگا جاتا ہے (الممشقة) اس لئے تانیث کیساتھ آیا ہے کہ یہ (الحلة) یا الثیاب) محذوف موصوف کی صفت ہے (الحلی) حاء پر ضمہ بھی صحیح ہے اور کسرہ بھی صحیح ہے اور ی پر شد ہے حلیہ کی جمع ہے زیورات کو کہتے ہیں صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ کسی بیماری یا خارش یا جوؤں کی وجہ سے معتدہ کو سوگ میں ریشم کا کپڑا استعمال کرنا جائز ہے یعنی بغیر مجبوری اور بغیر ضرورت ریشم استعمال

کرنا منع ہے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ سیاہ رنگ کا ریشم اور زیورات استعمال کرنا جائز ہے لیکن شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ زیورات کی تو صریح ممانعت آئی ہے اور رنگے ہوئے کپڑے میں ہر رنگ منع ہے سوائے معصب کے لہٰذا سیاہ ریشم بھی منع ہونا چاہیے (کذا فی المرقات)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ.... مطلقہ کی عدت کے بارہ میں ایک بحث

(۱۲) عَنْ سُلَیْمَانَ ابْنِ یَسَارٍ اَنَّ الْاَحْوَصَ هَلَکَ بِالشَّامِ حِیْنَ دَخَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِی الدَّمِ مِنَ الْحَیْضَةِ الثَّالِثَةِ وَ قَدْ کَانَ طَلَّقَهَا فَکَتَبَ مُعَاوِیَةُ بْنُ اَبِیْ سُفْیَانَ اِلٰی زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ یَسْاَلُهٗ عَنْ ذٰلِکَ فَکَتَبَ اِلَیْهِ زَیْدٌ اَنَّهَا اِذَا دَخَلَتْ فِی الدَّمِ مِنَ الْحَیْضَةِ الثَّالِثَةِ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ وَ بَرِئَ مِنْهَا لَا یَرِثُهَا وَلَا تَرِثُهٗ. (رواہ مالک)

ترجمہ: حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ احوص شام میں فوت ہو گیا تھا اور اس کی بیوی کو حیض کا تیسرا خون تھا اور احوص نے اس کو طلاق دی تھی معاویہؓ بن ابی سفیان نے زید بن ثابت کی طرف لکھا اور یہ مسئلہ اس سے پوچھا۔ زید نے معاویہ کی طرف لکھا کہ وہ عورت حیض کے تیسرے خون میں جس وقت داخل ہوگی احوص سے الگ ہوگئی اور وہ اس سے الگ ہوا نہ وہ اس کا وارث ہوگا اور نہ وہ اس کی وارث ہوگی۔ (روایت کیا اس کو مالک نے)

تشریح: من الحیضة الثالثة: صورت مسئلہ یہ تھی کہ حضرت احوص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی تھی اور ان کی بیوی عدت گزارنے کیلئے بیٹھ گئی تھی ابھی وہ تیسرے حیض میں داخل ہوگئی کہ اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا اب یہ شبہ پیدا ہو گیا کہ یہ عورت چار مہینے دس دن تک وفات کی عدت میں بیٹھ جائے اور پھر یہ اپنے شوہر کی وارث بنے یا اس عورت کی طلاق والی عدت ختم ہو گئی ہے لہٰذا یہ اپنے شوہر کی وارث نہیں بنے گی' یہی مسئلہ حضرت معاویہؓ نے حضرت زید بن ثابت سے بذریعہ خط معلوم کیا حضرت زید نے جواب میں فرمایا کہ جب یہ عورت اپنے تیسرے حیض میں داخل ہوگئی تھی تو اسی وقت اس کی طلاق والی عدت ختم ہوگئی اور وہ آزاد ہوگئی لہٰذا اس کو شوہر کی میراث میں سے کچھ نہیں ملے گا کیونکہ اب اس کا شوہر سے تعلق بالکل منقطع ہو گیا' اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کا حضرت زید سے مسئلہ معلوم کرنے کا مقصد صرف اتنا تھا کہ یہ عورت وارث بن سکتی ہے یا نہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت معاویہؓ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ آیا اس عورت کی عدت طلاق والی عدت رہے گی یا وفات زوج والی عدت گزارنی پڑے گی حضرت زید نے جواب دیا کہ جب یہ عورت تیسرے حیض میں داخل ہوگئی تو اس کی عدت ختم ہوگئی اب نہ یہ اپنے شوہر کی میراث لے سکتی ہے اور نہ وفات کی عدت کی ضرورت ہے کیونکہ وفات زوج کے وقت اس عورت کا تعلق اپنے شوہر سے ختم ہو چکا تھا اس روایت سے شوافع حضرات عدت بالاطہار کا مسئلہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ان کے ہاں قرآن کریم کی آیت ثلاثة قروء سے اطہار مراد ہیں جب تیسرے حیض میں عورت داخل ہوگئی تو تین طہر پورے ہوگئے اس لئے عدت ختم ہوگئی۔ احناف کے ہاں عدت بالحیض ہے زیر نظر روایت کا جواب ائمہ احناف یہ دیتے ہیں کہ یہ حضرت زیدؓ کا مسلک تھا ہم دوسرے صحابہ کے مسلک کو لیتے ہیں جن میں خلفاء راشدین اور کابر صحابہ داخل ہیں نیز یہ قول صحابی ہے اور احناف مرفوع احادیث سے استدلال کرتے ہیں نیز حضرت زید سے طلاق الامة اثنتان و عدتها حیضتان روایت بھی ثابت ہے جس سے عدت بالحیض ثابت ہوتی ہے معلوم ہوا کہ راوی نے اپنے مروی بہ کے خلاف فتویٰ دیا تو قابل استدلال نہ رہا بہر حال مضبوط دلائل احناف کے پاس ہیں۔

مطلقہ کی عدت کا ایک مسئلہ

(۱۳) وَعَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اَیُّمَا امْرَاَةٍ طُلِّقَتْ فَحَاضَتْ حَیْضَةً اَوْ حَیْضَتَیْنِ ثُمَّ رَفَعَتْهَا حَیْضَتُهَا فَاِنَّهَا تَنْتَظِرُ تِسْعَةَ اَشْهُرٍ فَاِنْ بَانَ بِهَا حَمْلٌ فَذٰلِکَ وَاِلَّا اعْتَدَّتْ بَعْدَ التِّسْعَةِ الْاَشْهُرِ ثُمَّ حَلَّتْ. (رواہ مالک)

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب سے کہا عمر بن خطاب نے فرمایا جو عورت طلاق دی گئی پھر اس کو ایک حیض یا دو حیض آئے پھر اس کا حیض موقوف ہو گیا' وہ عورت نو مہینے انتظار کرے اگر حمل ظاہر ہو گیا تو اس کا حکم ظاہر ہے اگر حمل ظاہر نہ ہوا تو وہ نو مہینے کے بعد تین ماہ عدت گذارے پھر حلال ہو۔ (روایت کیا اس کو مالک نے)

بَابُ الْاِسْتِبْرَاءِ..... استبراء کا بیان

استبراء لغت میں طلب برأت اور کسی چیز کو کسی عیب وغیرہ سے پاک کرنے کے معنی میں آتا ہے اور فقہی اصطلاح میں لونڈی کے رحم کو حمل سے خالی ہونے کو طلب کرنا استبراً ہے اسباب استبراً تجدید ملک ہے یعنی لونڈی کا مالک ہو جانا خواہ یہ ملک خرید وفروخت سے حاصل ہو یا میراث سے ہو یا ہبہ سے ہو یا مال غنیمت کی تقسیم سے ہو الغرض جس سبب سے بھی ہو مگر جب تجدید ملک محقق ہو گیا تو استبراً لازم ہے استبراً کی حکمت یہ ہے کہ لونڈی سے پیدا شدہ بچہ میں اشتباہ نسب ختم ہو جاتا ہے کیونکہ استبراً کے بغیر وطی کے ذریعہ سے جو بچہ پیدا ہوگا اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ غیر کے نطفہ سے ہو اب اگر اس کو اپنی طرف منسوب کرے تو احتمال ہے کہ دوسرے کا بچہ اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور اگر دوسرے کی طرف منسوب کرے تو احتمال ہے کہ اپنا بچہ دوسرے کی طرف منسوب کرتا ہے اور یہ سب صورتیں شرعاً حرام ہیں اسی حکمت کی طرف اس باب کی احادیث میں خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمادیا ہے۔

استبراً کی تفصیل:۔ جمہور ائمہ کے نزدیک اصل مذہب یہ ہے کہ ملکیت میں آنیوالی لونڈی اگر ذوات حیض سے ہو تو استبراً رحم کیلئے ایک ہی حیض کافی ہے اور اگر بوجہ صغر عمر یا کبر عمر حیض نہ آتا ہو تو استبراً کیلئے ایک مہینہ کافی ہے استبراً رحم سے پہلے جماع کرنا حرام ہے اور اگر ملک میں آنیوالی لونڈی حاملہ ہو تو استبراً رحم کیلئے وضع حمل کافی ہے پھر یہ استبراً صغیرہ کبیرہ یا باکرہ ثیبہ سب کیلئے لازم ہے۔

سوال:۔ اب سوال یہ ہے کہ استبراً کی ضرورت تو وہاں ہوتی ہے جہاں اشتغال رحم کا امکان ہوتا کہ نسب میں اشتباہ نہ آئے کیونکہ ممکن ہے کہ غیر کا نطفہ رحم میں موجود ہو لیکن جہاں اشتغال رحم کا بالکل امکان نہ ہو وہاں استبراً کی کیا ضرورت ہے؟ مثلاً لونڈی صغیرہ ہے یا باکرہ ہے یا کسی بچہ کی لونڈی تھی یا لونڈی کی مالکہ کوئی عورت تھی یا مالک اس لونڈی کا محرم تھا ان تمام صورتوں میں اشتغال رحم کا امکان نہیں تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ان صورتوں میں استبراً نہ ہو۔

جواب:۔ اس سوال کا جواب جمہور فقہاء اس طرح دیتے ہیں کہ چونکہ استبراً سے متعلق نصوص اور احادیث مطلق ہیں لہٰذا ہم نے نصوص کو لے لیا اور قیاس کو چھوڑ دیا اس لئے بطور امر تعبدی ہم نے ہر جگہ استبراً کو ضروری مان لیا مطلق نصوص کا مطلب یہ ہے کہ جنگ حنین اور جنگ اوطاس کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خبردار حاملہ لونڈی سے وضع حمل تک جماع نہ کرو اور غیر حاملہ سے ایک حیض آنے تک جماع نہ کرو یہاں غیر حاملہ کا لفظ عام ہے باکرہ صغیرہ وغیرہ کا ذکر نہیں اسی مطلق کو جمہور نے قبول کر کے قیاس کو ترک کر دیا ہے یہاں باب کی فصل ثالث کی روایت نمبر ۴ جس کی روایت امام مالک نے کی ہے جس میں یہ آتا ہے کہ اگر لونڈی حیض والی نہیں تو پھر تین ماہ عدت ہے یہ روایت متروک العمل ہے ابن شہاب زہری کے سوا کسی نے اس پر عمل نہیں کیا ہے کیونکہ ایک حیض ایک ایک مہینے کے نصوص عام ہیں اسی طرح روایت نمبر ۵ جو حضرت ابن عمر سے منقول ہے وہ بھی جمہور فقہاء کے ہاں متروک العمل ہے جس میں یہ آیا ہے کہ باکرہ کیلئے استبراً نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ... استبراء کے بغیر لونڈی سے جماع کرنے والا لعنت کا مستحق ہے

(۱) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِامْرَاَةٍ مُجِحٍّ فَسَاَلَ عَنْهَا فَقَالُوْا اَمَةٌ لِفُلَانٍ قَالَ اَيُلِمُّ بِهَا قَالُوْا نَعَمْ قَالَ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَلْعَنَهٗ لَعْنًا يَدْخُلُ مَعَهٗ فِیْ قَبْرِهٖ كَيْفَ يَسْتَخْدِمُهٗ وَهُوَ لَا يَحِلُّ لَهٗ اَمْ كَيْفَ يُوَرِّثُهٗ وَهُوَ لَا يَحِلُّ لَهٗ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے پاس سے گذرے جو بچہ جننے کے قریب تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حال پوچھا صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا یہ فلاں کی لونڈی ہے فرمایا کیا وہ اس سے صحبت کرتا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا ہاں۔ فرمایا میں نے قصد کیا تھا کہ میں اس پر لعنت کروں ایسی لعنت کہ وہ قبر تک اس کے ساتھ جائے کس طرح اپنے فرزند کو خدمت کے لیے لے گا حالانکہ اس کے لیے حلال نہیں یا کس طرح وارث بنائے گا اپنے فرزند کے غیر کو حالانکہ یہ اس کو حلال نہیں۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر لعنت کا ارادہ اس لئے فرمایا کہ جب اس نے ایک لونڈی سے جماع کیا جو حالت حمل

میں اس کی ملکیت میں آئی تو اس استبراء کو ترک کیا۔ حالانکہ وہ فرض ہے۔ وہ کس طرح اپنے بیٹے سے خدمت کو کہے گا الخ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کے ذریعہ ترک استبراء پر لعنت کے سبب کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جس کا حاصل یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی لونڈی سے بغیر استبراء کے صحبت کرے گا اور پھر اس سے بچہ پیدا ہوگا تو اس بچہ کے بارہ میں یہ احتمال ہوگا کہ وہ اس شخص کے نطفہ سے جس کی ملکیت سے نکل کر یہ لونڈی بغیر استبراء کے صحبت کرنے والے کی ملکیت میں آئی ہے تو اس صورت میں اگر وہ شخص کہ جس نے بغیر استبراء کے اس لونڈی سے جماع کیا ہے اس بچہ کے نسب کا اقرار کرے گا یعنی یہ کہے گا کہ یہ بچہ میرا ہے (جب کہ حقیقت میں وہ اس کے نطفہ سے نہیں ہے تو وہ بچہ اس شخص کا وارث ہوگا لہٰذا اس طرح ایک دوسرے شخص کے بچے کو اپنا وارث بنانا لازم آئے گا جو حرام ہے اور اس پر وہ لعنت کا مستحق ہوگا یا پھر یہ صورت ہوگی کہ وہ اس بچہ کے نسب سے انکار کر دے گا (جبکہ اس احتمال کے مطابق حقیقت میں وہ بچہ اس کا بیٹا ہوگا) لہٰذا اس طرح اپنے ہی بیٹے سے غلامی کرانا اور اپنا نسب منقطع کرنا لازم آئے گا اور یہ بھی لعنت کو مستحق کرنے والی صورت ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ تحقیق حال کیلئے استبراء نہایت ضروری ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ..... بغیر استبراء لونڈی سے صحبت کرنے کی ممانعت

(۲) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَفَعَهٗ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِیْ سَبَایَا اَوْطَاسٍ لَاتُوْطَاءُ حَامِلٌ حَتّٰی تَضَعَ وَلَا غَیْرُ ذَاتِ حَمْلٍ حَتّٰی تَحِیْضَ حَیْضَةً. (رواہ احمد و ابوداؤد و الدارمی)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اس حدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا۔ فرمایا اوطاس کی لونڈیوں کے بارے میں کہ کوئی حاملہ عورت صحبت نہ کی جائے یہاں تک کہ جنے اور نہ صحبت کی جاوے بغیر حمل کے یہاں تک کہ ایک حیض آجائے۔ روایت کیا اس کو احمد ابوداؤد اور داری نے۔

تشریح: اگر کسی غیر حاملہ کو اس کی کم عمری کی وجہ سے یا زیادہ عمر ہو جانے کے سبب سے حیض نہ آتا ہو تو اس کا استبراء یہ ہے کہ ایک مہینہ کی مدت تک اس کے پاس جانے سے اجتناب کرے جب ایک مہینہ گزر جائے تب اس سے جماع کرے اس صورت کو اس حدیث میں اس لئے ذکر نہیں کیا گیا ہے کہ یہ قلیل الوجود اور نادر ہے۔ لونڈی حیض کی حالت میں کسی کی ملکیت میں آئے تو استبراء میں اس حیض کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ دوسرے پورے حیض کا اعتبار کیا جائے گا۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ لونڈی کیلئے نئی ملکیت کا پیدا ہو جانا استبراء کو واجب کرتا ہے۔ چنانچہ چاروں آئمہ رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔ نیز یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ دار الحرب سے کسی کافرہ کو بطور لونڈی کے پکڑ لانے سے اس کا پہلا نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ (یعنی کفار سے جنگ وغیرہ کی صورت میں ان کی جو شادی شدہ عورتیں بطور لونڈی ہاتھ لگیں ان کے شوہروں سے ان کی زوجیت کا تعلق ختم ہو جائے گا) لیکن اس بارہ میں حدیث کا ظاہر مفہوم مطلق ہے خواہ ان کے خاوند بھی ان کے ساتھ نہ ہوں چنانچہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک یہی ہے جبکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر میاں بیوی دونوں ایک ساتھ پکڑ کر لائے جائیں تو اس صورت میں ان کا نکاح باقی رہتا ہے۔

(۳) وَعَنْ رُوَیْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمَ حُنَیْنٍ لَایَحِلُّ لِامْرِءٍ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یَّسْقِیَ مَاءَهٗ زَرْعَ غَیْرِهٖ یَعْنِیْ اِتْیَانَ الْحَبَالٰی وَلَایَحِلُّ لِامْرِءٍ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یَّقَعَ عَلَی امْرَاَةٍ مِنَ السَّبْیِ حَتّٰی یَسْتَبْرِءَهَا وَلَا یَحِلُّ لِامْرِءٍ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یَّبِیْعَ مَغْنَمًا حَتّٰی یُقْسَمَ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ اِلٰی قَوْلِهٖ زَرْعَ غَیْرِهٖ.

ترجمہ: حضرت رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے موقعہ پر فرمایا کسی آدمی کے لیے جائز نہیں جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو کہ اپنا پانی غیر کی کھیتی کو پلاوے یعنی غیر کی حاملہ سے صحبت کرے۔ اور نہیں درست اس شخص کو جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا کہ لونڈی سے صحبت کرے یہاں تک کہ استبراء رحم کرے۔ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والے کے لیے جائز نہیں کہ فروخت کرے غنیمت کے مال کو جب تک کہ وہ تقسیم نہ کیا جائے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اور ترمذی نے زرع غیرہ تک روایت کیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ..... غیر حائضہ لونڈی کے حق کے استبراء کی مدت

(۴) عَنْ مَالِکٍ قَالَ بَلَغَنِي اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُ بِاسْتِبْرَاءِ الْاِمَاءِ بِحَيْضَةٍ اِنْ كَانَتْ مِمَّنْ تَحِيضُ وَثَلَاثَةِ اَشْهُرٍ اِنْ كَانَتْ مِمَّنْ لَا تَحِيضُ وَيَنْهٰى عَنْ سَقْيِ مَاءِ الْغَيْرِ.

ترجمہ: حضرت مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا پہنچی مجھ کو یہ بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈیوں کی استبراء رحم کا حکم فرمایا۔ ایک حیض کے ساتھ اگر حیض والی ہیں اور تین مہینوں کے ساتھ اگر ان کو حیض نہیں آتا اور غیر کے پانی پلانے سے منع فرمایا۔

تشریح: حدیث کے آخری جملہ میں حاملہ لونڈی کے استبراء کا حکم ہے کہ اگر کوئی لونڈی حمل کی حالت میں اپنی ملکیت میں آئے تو اس سے اس وقت تک جماع نہ کیا جائے جب تک کہ وہ ولادت سے فارغ نہ ہو جائے تاکہ اس لونڈی کے رحم میں جو ایک دوسرے شخص کے نطفہ کا حمل ہے اس سے اپنے نطفہ ونسب کا اختلاط نہ ہو۔

غیر حائضہ لونڈی کے بارہ میں جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ جس لونڈی کو حیض نہ آتا ہو اس کا استبراء یہ ہے کہ اس کے ساتھ اس وقت جماع کیا جائے جبکہ اپنی ملکیت میں آنے کے بعد اس پر پورا ایک مہینہ یا اس سے زائد عرصہ گزر جائے اور بعض حضرات نے اس حدیث کے پیش نظر یہ کہا ہے کہ غیر حائضہ کا استبراء یہ ہے کہ اس سے اس وقت جماع کیا جائے جبکہ اپنی ملکیت میں آنے کے بعد اس پر تین مہینے یا اس سے زائد عرصہ گزر جائے۔

باکرہ لونڈی کے لئے استبراء واجب ہے

(۵) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ قَالَ اِذَا وُهِبَتِ الْوَلِيْدَةُ الَّتِي تُوْطَأُ اَوْ بِيْعَتْ اَوْ اُعْتِقَتْ فَلْتَسْتَبْرِئْ رَحِمَهَا بِحَيْضَةٍ وَلَا تُسْتَبْرَأُ الْعَذْرَاءُ رَوَاهُمَا رَزِيْنٌ

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا جس وقت ہبہ کی جائے لونڈی کہ صحبت کی جاتی تھی یا بیچی جاوے یا آزاد کی جاوے پس چاہئے کہ اپنے رحم کو پاک کرے ایک حیض سے اور کنواری نہ پاک کرے۔ (روایت کیا ان دونوں حدیثوں کو رزین نے)

تشریح: اس حدیث پر ابن شریح رحمہ اللہ نے عمل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ باکرہ لونڈی کیلئے استبراء واجب نہیں ہے جبکہ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اس کیلئے بھی استبراء واجب ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ اوطاس میں گرفتار ہونے والی لونڈیوں کے بارہ میں استبراء کا جو حکم دیا تھا وہ عام ہے اس میں باکرہ کا کوئی استثناء نہیں ہے۔ ام ولد کی عدت:۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ جس ام ولد کا آقا مر جائے یا اس کو اس کا آقا آزاد کرے تو اس کی عدت کی مدت تین حیض ہیں اور اگر اس کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی مدت تین مہینے ہوگی۔ اور علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ وہ ام ولد نہ تو حاملہ ہو نہ کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہو اور نہ کسی کی عدت میں ہو۔ چنانچہ اگر وہ حاملہ ہوگی تو پھر اس کی عدت وضع حمل ہوگی اور اگر وہ کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہوگی یا کسی کی عدت میں ہوگی تو چونکہ ان صورتوں میں اس (مولی) کے ساتھ اس کے جنسی اختلاط کا کوئی سوال ہی نہیں اس لئے آقا کے آزاد کر دینے کی وجہ سے یا آقا کے مر جانے کے سبب سے اس پر عدت واجب نہیں ہوگی۔ یہ حنفیہ کا مسلک ہے اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ (آقا کی طرف سے آزاد کئے جانے یا آقا کے مر جانے کی صورت میں) ام ولد کی عدت ایک حیض ہے۔ حنفیہ میں سے حضرت امام محمد رحمہ اللہ کا بھی قول یہی ہے۔

بَابُ النَّفَقَاتِ وَحَقُّ الْمَمْلُوْكِ.... نفقات اور لونڈی غلام کے حقوق کا بیان

قال اللہ تعالیٰ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ. وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰهُ اللّٰهُ (طلاق:۷)

قال اللہ تعالیٰ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (بقرہ:۲۳۳) قال اللہ تعالیٰ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ

انفاق ونفقہ خرچ کرنے کو کہتے ہیں وما انفقتم من نفقۃ آیت میں اسی خرچ کرنے کا ذکر ہے ملا علی قاریؒ نے اس کی شرعی اصطلاحی تعریف

اس طرح فرمائی ہے (وفی الشرع الادرار علی الشئی بما به بقائه) یعنی نفقہ ہر اس چیز کا نام ہے جو کسی کی زندگی کے بچانے اور باقی رکھنے میں کام آتی ہو جیسے روٹی کپڑا اور مکان' وجوب نفقہ کے اسباب مختلف ہو سکتے ہیں مثلاً یا زوجیت اور نکاح سبب ہوگا یا ملک رقبہ سبب ہوگا یا قرابت سبب ہوگی یا کسی کی اضطراری حالت سبب بنے گی خلاصہ یہ ہے کہ اسباب نفقہ یا ملک متعہ یا ملک رقبہ اور یا قرابت ہیں' چونکہ انواع مختلف ہیں اس لئے نفقات جمع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ زوجہ کا نفقہ الگ ہے والدین کا نفقہ الگ ہے اولاد کا نفقہ الگ ہے غلاموں کا نفقہ الگ ہے اور کبھی عزیز و اقارب اور مساکین اور مضطرین کا نفقہ الگ واجب ہو جاتا ہے چنانچہ مرد پر اپنی بیوی کا نفقہ اس وقت واجب ہو جاتا ہے جب بیوی اپنے آپ کو شوہر کے سپرد کر دے خواہ بیوی صغیرہ ہو یا کبیرہ ہو مسلمان ہو یا کتابیہ ہو ہاں اگر بیوی ناشزہ نافرمان ہو تو اس کا نفقہ شوہر پر لازم نہیں ہے بہتر تو یہ ہے کہ میاں بیوی ہم پیالہ و ہم نوالہ بن کر رہیں کہ شوہر کمائے اور بیوی دستور کے مطابق خرچ کرے لیکن اگر یہ خوش کن ماحول نہیں ہے اور بیوی نے بذریعہ قاضی الگ خرچ کا مطالبہ کر دیا تو قاضی اس کیلئے الگ خرچ مقرر کریگا اور عورت کے حوالہ کریگا تاہم خرچ شوہر کی استطاعت کے مطابق ہوگا جس میں نہ اسراف کا پہلو ہو اور نہ تنگی ہو اگر بیوی امراض ہائلہ یعنی بڑی بیماریوں میں مبتلا ہو تو اس کا خرچ اس کے والدین کے ذمہ ہے البتہ چھوٹی بیماریوں کا خرچ شوہر کے ذمہ ہے اگر بیوی حج کے سفر پر جا رہی ہو تو اس سفر کا خرچ اس کے ذمہ ہے شوہر کے ذمہ نہیں۔

بیوی کو مکان بھی دیا جائیگا جو الگ تھلگ ہو ہاں اگر وہ مشترکہ مکان میں رہتی ہے تو پھر الگ دینا واجب نہیں ہے اگر شوہر کے مکان میں بیوی کیلئے ایک الگ کمرہ مقرر کیا جائے جس میں خود مختار ہو تو شرعی طور پر اس کے مکان کا حق ادا ہو گیا یہی کافی ہے بیوی اپنے والدین کے ہاں ایک ماہ میں ایک دفعہ جا سکتی ہے اس میں شوہر اس کو منع نہیں کر سکتا دوسرے ذی رحم محرم رشتہ داروں کے ہاں سال میں ایک دفعہ جانا آنا اس کا حق ہے اس سے زیادہ آنے جانے سے شوہر منع کر سکتا ہے عدت گزارنے کے دوران اگر بیوی مرتد ہوگئی تو شوہر پر نفقہ واجب نہیں ہے' نابالغ اولاد کا خرچ والد کے ذمہ پر ہے والدین اور اصول یعنی باپ دادا' دادی' نانا' نانی اور تنگ اگر محتاج ہوں تو ان کے اخراجات اولاد کے ذمہ واجب ہیں بشرطیکہ اولاد خوش حال ہوں اگر وہ خود محتاج ہیں تو پھر واجب نہیں محتاج باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بیٹے کی منقولہ اشیاء فروخت کر کے خرچ بنالے لیکن غیر منقولہ جائیداد کو فروخت نہیں کر سکتا البتہ ماں کو یہ حق حاصل نہیں ہے آقا پر غلام اور باندی کا نفقہ واجب اور ضروری ہے اگر مولی نے ان کو نفقہ دینے سے انکار کر دیا تو غلام خود کمانے میں خود مختار ہو جائیگا اگر ان کو کمانے کی اجازت نہیں دی گئی تو پھر آقا کو غلام فروخت کرنے پر مجبور کیا جائیگا اگر کسی نے جانور پال رکھے ہیں تو ان کا خرچ پالنے والے کے ذمہ واجب ہے اگر وہ خرچ نہیں کرتا تو اس کو مجبور کیا جائے گا کہ یا خرچ کرو یا ان جانوروں کو فروخت کر دو۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ..... بیوی اور اولاد کا بقدر ضرورت نفقہ خاوند پر واجب ہے

(۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ هِنْدَ بِنْتَ عُتْبَةَ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبَاسُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيْحٌ وَلَيْسَ يُعْطِيْنِيْ مَايَكْفِيْنِيْ وَوَلَدِيْ اِلَّا مَااَخَذْتُ مِنْهُ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ فَقَالَ خُذِيْ مَايَكْفِيْكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوْفِ. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے ہند بنت عتبہ نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ابو سفیان بخیل آدمی ہے اور مجھے اتنا خرچ نہیں کرنے دیتا جو مجھ کو اور میری اولاد کو کفایت کرے مگر وہ جو اس کے مال سے اس سے پوچھے بغیر لوں اس حال میں کہ وہ نہیں جانتا فرمایا اس قدر لے جو تجھ کو تیری اولاد کو کفایت کرے۔ (متفق علیہ)

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نفقہ بقدر ضرورت واجب ہے۔ چنانچہ تمام علماء کا اس پر اجماع و اتفاق ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے کئی مسئلے ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ مرد پر اس کی بیوی اور نابالغ اولاد (جس کی ذاتی ملکیت میں مال نہ ہو) کا نفقہ واجب ہے۔ ۲۔ نفقہ ضرورت و حاجت کے بقدر واجب ہوتا ہے۔
۳۔ فتوی دیتے وقت یا کوئی شرعی حق نافذ کرتے وقت اجنبی عورت کا کلام سننا جائز ہے۔

۴۔ کسی شخص کے بارہ میں ایسی کوئی بات بیان کرنا کہ جس کو اگر وہ سنے تو ناگواری محسوس کرے جائز ہے۔ بشرطیکہ یہ بیان کرنا کہ کوئی مسئلہ پوچھنے یا فتویٰ لینے کی غرض سے ہو۔ ۵۔ اگر کسی شخص پر کسی دوسرے شخص کا کوئی مالی مطالبہ ہو اور وہ اس کی ادائیگی نہ کرتا ہو تو مطالبہ والے کیلئے جائز ہے کہ وہ اس شخص کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے اپنے مطالبہ کے بقدر لے لے۔ ۶۔ بیوی بھی اپنے شوہر کے مال کے ذریعہ اپنی اولاد پر خرچ کرنے اور ان کی کفالت کرنے کی ذمہ دار ہے۔ ۷۔ بیوی کو اپنی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنا جائز ہے۔ خواہ شوہر نے اس کی صریحاً اجازت دیدی ہو یا بیوی کو اس کی رضامندی کا علم ہو۔ ۸۔ قاضی اور حاکم کو یہ اختیار ہے کہ اگر وہ کسی معاملہ میں مناسب سمجھے تو محض اپنے علم اور اپنی معلومات کی بنیاد پر حکم جاری کرو ے۔ جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندہ رضی اللہ عنہا سے گواہ طلب نہیں کئے بلکہ اپنی معلومات کی بنیاد پر حکم دے دیا۔

اللہ کی عطا کی ہوئی دولت کو پہلے اپنے اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو

(۲) وعن جابر بن سمرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اعطی اللہ احدکم خیرا فلیبدابنفسہ واھل بیتہ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ مال دے تو پہلے اپنے اوپر خرچ کرے اور اپنے گھر والوں پر۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

غلام کا نفقہ اس کے مالک پر واجب ہے

(۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِلْمَمْلُوْکِ طَعَامُهُ وَکِسْوَتُهُ وَلَایُکَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّامَا یُطِیْقُ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غلام کے لیے روٹی کپڑا ہے اور اس کو تکلیف نہ دی جائے کام سے مگر وہ جتنی طاقت رکھے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: اس حدیث میں غلام کے بارہ میں دو ہدایتیں ہیں ایک تو یہ کہ غلام کا نفقہ چونکہ اس کے مالک پر واجب ہے اس لئے مالک کو چاہئے کہ وہ اپنے غلام کو اس کی حاجت کے بقدر اور اپنے شہر کے عام دستور کے مطابق اس کو روٹی کپڑا دے۔ یعنی اس کے شہر میں عام طور پر غلام کو جس مقدار میں اور جس معیار کا روٹی اور کپڑا دیا جاتا ہے اسی کے مطابق وہ بھی دے۔ دوسری ہدایت یہ ہے کہ اپنے غلام کو کوئی ایسا کام کرنے کا حکم نہ دیا جائے جس پر وہ مداومت نہ کر سکتا ہو اور جو اس کی ہمت وطاقت سے باہر ہو یا جس کی وجہ سے اس کے جسم کو کوئی ظاہری نقصان پہنچ سکتا ہو۔

گویا اس ہدایت کے ذریعہ یہ احساس دلایا گیا ہے کہ انسان اپنے غلام کے بارہ میں یہ حقیقت ذہن میں رکھے کہ جس طرح مالک حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ان کی طاقت وہمت سے زیادہ کسی عمل وفعل کا بار نہیں ڈالا ہے اور ان کو انہی احکام کا پابند کیا ہے جو ان کے قوائے فکر وعمل کے مطابق ہیں۔ اسی طرح بندوں کو بھی کہ جو مالک مجازی ہیں۔ یہی چاہئے کہ وہ اپنے مملوک یعنی غلام پر کہ جو انہی کی طرح انسان ہیں ان کی طاقت وہمت سے باہر کسی کام کا بار نہ ڈالیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مرفوع منقول ہے کہ غلام کے تئیں مالک کیلئے تین چیزیں ضروری ہیں ۱۔ جب غلام نماز پڑھ رہا ہو تو اس کو جلد بازی کا حکم نہ دے ۲۔ جب وہ کھانا کھا رہا ہو تو اس کو اپنے کسی کام کیلئے نہ بلائے ۳۔ اس کو اتنا کھانا دے جس سے اس کا پیٹ اچھی طرح بھر جائے۔

غلام کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم

(۴) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِخْوَانُکُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰہُ تَحْتَ اَیْدِیْکُمْ فَمَنْ جَعَلَ اللّٰہُ اَخَاہُ تَحْتَ یَدَیْہِ فَلْیُطْعِمْهُ مِمَّا یَاْکُلُ وَلْیُلْبِسْهُ مِمَّا یَلْبَسُ وَلَایُکَلِّفُهُ مِنَ الْعَمَلِ مَایَغْلِبُهُ فَاِنْ کَلَّفَهُ مَا یَغْلِبُهُ فَلْیُعِنْهُ عَلَیْہِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں اللہ نے ان کو تمہارے تحت کر دیا جس کو اللہ کسی کے تحت کر دے۔ چاہیے کہ غلام کو کھلائے جس سے آپ کھاتا ہے جو آپ پہنے اسی سے اس کو پہنائے۔

اس کام کی تکلیف نہ دو جو اس سے نہ ہو سکے۔ اگر اس کام کی اس کو تکلیف دے جو اس سے نہیں ہو سکتا تو خود اس کی مدد کرے۔ (متفق علیہ)

تشریح: امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ذریعہ مالک کو یہ حکم دینا کہ وہ اپنے غلام کو وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور اس کو وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے۔ وجوب کے طور پر نہیں بلکہ بطریق استحباب ہے۔ چنانچہ مالک پر اس کے مملوک کا اسی حیثیت و مقدار کا نفقہ واجب ہے جو صرف عام اور رواج و دستور کے مطابق ہو خواہ وہ مالک کے کھانے کپڑے کے برابر ہو یا اس سے کم و زیادہ ہو۔ یہاں تک کہ اگر مالک خواہ اپنے زہد و تقویٰ کی بنا پر یا از راہ بخل اپنے کھانے پینے اور پہننے میں اس طرح کی تنگی کرتا ہو جو اس حیثیت کے لوگوں کے معیار کے منافی ہے تو ایسی تنگی مملوک کے حق میں جائز نہیں ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو کام غلام کیلئے مشکل نظر آئے اور وہ اس کو پورا کرنے میں دقت محسوس کرے تو اس کام کی تکمیل میں غلام کی مدد کرو۔ خواہ خود اس کا ہاتھ بٹاؤ یا کسی دوسرے شخص کو اس کی مدد کرنے پر متعین کر دو۔ چنانچہ بعض بزرگوں کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ چکی پیسنے میں اپنی لونڈیوں کی مدد کرتے تھے بایں طور کہ ان لونڈیوں کے ساتھ مل کر چکی پیستے تھے۔

غلام کی روزی روکنا گناہ ہے

(۵) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو جَاءَهُ قَهْرَمَانٌ لَهُ فَقَالَ لَهُ اَعْطَيْتَ الرَّقِيْقَ قُوْتَهُمْ قَالَ لَا قَالَ فَانْطَلِقْ فَاَعْطِهِمْ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَفٰى بِالرَّجُلِ اِثْمًا اَنْ يَحْبِسَ عَمَّنْ يَمْلِكُ قُوْتَهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ كَفٰى بِالْمَرْءِ اِثْمًا اَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَقُوْتُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ان کے پاس ان کا مختار آیا عبداللہ نے اس کو کہا تو نے لونڈیوں کو ان کی خوراک دی ہے اس نے کہا نہیں عبداللہ نے کہا جا کر ان کو خوراک دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے لیے اتنا گناہ کافی ہے کہ وہ اپنے غلاموں کو خوراک نہ دے ایک دوسری روایت میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کو گنہگار ہونے میں کفایت کرے گا یہ کہ ان کی خوراک ضائع کرے کیونکہ ان کی خوراک میں اس پر لازم ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

اپنے خادم و نوکر کے ساتھ کھانا کھانے میں عار محسوس نہ کرو

(۶) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَنَعَ لِاَحَدِكُمْ خَادِمُهُ طَعَامَهُ ثُمَّ جَاءَهُ بِهٖ وَقَدْ وَلِيَ حَرَّهُ وَدُخَانَهُ فَلْيُقْعِدْهُ مَعَهُ فَلْيَاْكُلْ فَاِنْ كَانَ الطَّعَامُ مَشْفُوْهًا قَلِيْلًا فَلْيَضَعْ فِيْ يَدِهٖ مِنْهُ اُكْلَةً اَوْ اُكْلَتَيْنِ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت ایک تمہارے کا خادم اس کے لیے کھانا تیار کرے پھر اس کے پاس کھانا لائے حالانکہ اس نے اس کی گرمی برداشت کی ہے اور اس کا دھواں چاہیے کہ اس کو اپنے ساتھ بٹھاوے اور کھلاوے اگر کھانا تھوڑا ہے اور کھانے والے بہت ہیں تو اس کے ہاتھ پر ایک لقمہ یا دو لقمے رکھ دے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے خادموں اور نوکروں کے ساتھ کھانا کھانے میں عار محسوس نہ کرے کیونکہ خادم و نوکر بھی ایک انسان اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس کا بھائی ہے پھر اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ ایک دستر خوان پر جتنے زیادہ لوگ ایک ساتھ کھانا کھاتے ہیں اس کھانے میں برکت ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں فرمایا گیا ہے کہ افضل کھانا وہ ہے جس میں زیادہ ہاتھ پڑیں۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ حدیث میں خادم و نوکر کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلانے یا اس کھانے میں سے اس کو تھوڑا بہت دے دینے کا حکم دیا گیا ہے وہ استحباب کے طور پر ہے۔

غلام کے لئے دوہرا اجر

(۷) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا نَصَحَ لِسَيِّدِهٖ وَاَحْسَنَ عِبَادَةَ اللّٰهِ فَلَهٗ اَجْرُهٗ مَرَّتَيْنِ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت غلام اپنے مالک کی خیر خواہی کرتا ہے اور اللہ کی بندگی اچھی کرتا ہے اس کے لیے دوہرا ثواب ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: اس کو دوہرا ثواب ملنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک ثواب تو اپنے آقا کی خدمت کی وجہ سے اور ایک ثواب اللہ تعالیٰ کی عبادت کے سبب سے ملتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنے آقا کی خیر خواہی یعنی اس کی خدمت کرنا بھی عبادت ہے بلکہ حقیقت میں وہ بھی خدا کی عبادت ہے۔ کیونکہ عبادت کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرنا اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ اپنے آقا کی خدمت و خیر خواہی کی جائے۔ اس لئے جو غلام اپنے آقا کی خدمت کرتا ہے۔ درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ جیسا کہ ماں باپ کی خدمت و فرمانبرداری کرنے والے کو اسی لئے ثواب ملتا ہے کہ وہ والدین کی خدمت واطاعت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ بعض حضرات اس حدیث کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ غلام کو اس کے ہر عمل پر دوہرا ثواب ملتا ہے۔

غلام کے لئے بہتر بات کیا ہے؟

(۸) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعِمَّا لِلْمَمْلُوْكِ اَنْ يَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ بِحُسْنِ عِبَادَةِ رَبِّهٖ وَطَاعَةِ سَيِّدِهٖ نِعِمَّالَهٗ (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غلاموں کے لیے یہ بات اچھی ہے کہ جب ان کو اللہ فوت کرے وہ اللہ کی اچھی عبادت کرتے ہوں اور اپنے مالک کی فرمانبرداری کرتے ہوں یہ غلاموں کے لیے اچھی بات ہے۔ (متفق علیہ)

مفرور غلام کی نماز قبول نہیں ہوتی

(۹) وَعَنْ جَرِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَبَقَ الْعَبْدُ لَمْ تُقْبَلْ لَهٗ صَلَاةٌ وَفِیْ رِوَايَةٍ قَالَ اَيُّمَا عَبْدٍ اَبَقَ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ وَفِیْ رِوَايَةٍ عَنْهُ قَالَ اَيُّمَا عَبْدٍ اَبَقَ مِنْ مَوَالِيْهِ فَقَدْ كَفَرَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْهِمْ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مالک سے بھاگنے والے غلام کی نماز مقبول نہیں۔ ایک روایت میں ہے جو غلام بھی اپنے مالک سے بھاگا اس سے اسلام کا کوئی ذمہ نہیں ایک روایت میں ہے جو غلام اپنے مالک سے بھاگا وہ کافر ہو گیا جب تک وہ واپس نہیں آتا۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: اس سے ذمہ ختم ہو گیا کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی غلام بھاگ کر دارالحرب چلا گیا اور مرتد ہو گیا تو اس سے اسلام کی ذمہ داری ختم ہو گئی اور اس کے مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس کے اسلام کے درمیان جو عہد ولمان تھا اور جس کی وجہ سے اسلامی قانون اس کی جان و مال کی حفاظت کا ضامن تھا وہ منقطع ہو گیا لہٰذا اس کو قتل کر دینا جائز ہو گیا۔ ہاں اگر وہ اپنے مالکوں کے ہاں سے بھاگ کر دارالحرب نہیں گیا بلکہ مسلمانوں ہی کے کسی شہر میں چلا گیا اور مرتد نہیں ہوا تو اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اس صورت میں یہ جملہ اس سے ذمہ ختم ہو گیا کا مطلب یہ ہے ہوگا کہ اگر اس غلام کو بھاگنے کے جرم میں جائے تو نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ اسلامی قانون اس کی کوئی مدافعت نہیں کرسکے گا۔ وہ کافر ہو گیا کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس نے بھاگنے کو حلال جانا۔ یعنی وہ اس عقیدہ کے ساتھ بھاگا کہ مالک کے ہاں سے میرا مفرور ہو جانا کوئی گناہ کی بات نہیں ہے بلکہ یہ جائز ہے تو وہ حقیقۃً کافر ہو گیا اور اگر اس نے بھاگنے کو حلال نہیں جانا تو پھر اس صورت میں اس جملے کا مطلب یا تو یہ ہوگا کہ وہ کفر کے قریب پہنچ گیا یا یہ کہ اس کے دائرہ کفر میں داخل ہو جانے کا خوف ہے یا اس نے کافروں کا سا عمل کیا اور یا یہ کہ اس نے اپنے مالک کو کفران نعمت کیا۔

غلام پر زنا کی جھوٹی تہمت لگانے والے کا مسئلہ

(۱۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قَذَفَ مَمْلُوْكَهٗ وَهُوَ بَرِیٌّ مِمَّا قَالَ

جُلِدَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ کَمَا قَالَ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے جو زنا کی تہمت لگائے اپنے غلام پر اور وہ اس سے پاک ہے تو قیامت کے دن مالک کو کوڑے مارے جائیں گے۔ مگر یہ غلام اسی طرح ہو جیسے مالک نے کہا۔ (متفق علیہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام پر زنا کی جھوٹی تہمت لگائے تو اس کی سزا میں اگرچہ دنیا میں اس کو کوڑے نہیں لگائے جائیں گے لیکن آخرت میں تمام مخلوق کے سامنے اس کو اس طرح ذلیل کیا جائے گا کہ اس کو کوڑے لگائے جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ غلام کی عزت و آبرو کا بھی اتنا ہی خیال رکھنا چاہئے۔ جتنا ایک آزاد شخص کی عزت و حرمت کا لحاظ کیا جاتا ہے اور وہ لوگ بڑے نادان ہیں جو اپنے زیر دستوں (نوکروں اور غلاموں) کو بے محابا گالیاں دیتے ہوئے آخرت کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔

غلام کو بلا خطا مارنے کا کفارہ

(۱۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ ضَرَبَ غُلَامًالَهٗ حَدًّالَمْ یَأْتِهٖ اَوْلَطَمَهٗ فَاِنَّ کَفَّارَتَهٗ اَنْ یُّعْتِقَهٗ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جو شخص اپنے غلام کو بغیر وجہ کے حد لگائے یا طمانچہ مارے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو آزاد کرے۔

تشریح: یوں تو بلا کسی وجہ کے کسی بھی شخص کو طمانچہ مارنا حرام ہے لیکن یہاں بطور خاص غلام کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس کو بلا گناہ مارنے یا اس کے منہ پر طمانچہ لگانے کا تاوان یہ ہے کہ وہ اس غلام کو آزاد کر دے۔

(۱۲) وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ کُنْتُ اَضْرِبُ غُلَامًالِیْ فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِیْ صَوْتًا اِعْلَمْ اَبَامَسْعُوْدٍ لَلّٰهُ اَقْدَرُ عَلَیْکَ مِنْکَ عَلَیْهِ فَالْتَفَتُّ فَاِذَا هُوَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هُوَ حُرٌّلِوَ جْهِ اللّٰهِ فَقَالَ اَمَالَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْکَ النَّارُ اَوْلَمَسَّتْکَ النَّارُ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں اپنے غلام کو مارتا تھا میں نے اپنے پیچھے سے آواز سنی اے ابو مسعود خبردار ہو اللہ تجھ پر تیرے غلام پر قادر ہونے سے زیادہ قادر ہے میں نے اپنے پیچھے دیکھا اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے میں نے کہا اے اللہ کے رسول یہ اللہ کے لیے آزاد ہے فرمایا اگر تو اس کو آزاد نہ کرتا تو تجھ کو دوزخ کی آگ جلاتی یا فرمایا تجھ کو دوزخ کی آگ لگتی۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تم نے اپنے غلام کو مار کر ایک بڑا گناہ کیا تھا۔ یہ اچھا ہوا کہ تم نے اس غلام کو آزاد کر دیا اور اس گناہ کے بار سے ہلکے ہو گئے ورنہ چونکہ تم نے اس کو ناحق مارا ہے اس لئے اگر یہ تمہارا قصور معاف نہ کرتا تو اس کو آزاد نہ کرنے کی صورت میں تمہیں دوزخ میں ڈالا جاتا۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کے ذریعہ دراصل اپنے مملوک کے حق میں نرمی کرنے اور ان کے ساتھ حلم و مروت کا معاملہ کرنے کی ترغیب دلائی ہے اور اس بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ جس غلام کو مارا گیا ہے اس کو آزاد کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے اور وہ بھی بایں امید کہ آزاد کرنا ناحق مارنے کے گناہ کا کفارہ ہو جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ..... اولاد کی کمائی پر باپ کا حق

(۱۳) وَعَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَجُلًا اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ لِیْ مَالًا وَاِنَّ وَالِدِیْ یَحْتَاجُ اِلٰی مَالِیْ قَالَ اَنْتَ وَ مَالُکَ لِوَالِدِکَ اِنَّ اَوْلَادَکُمْ مِنْ اَطْیَبِ کَسْبِکُمْ کُلُوْامِنْ کَسْبِ اَوْلَادِکُمْ. (رواہ ابوداؤد و ابن ماجۃ)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا میرے پاس مال ہے اور میرا باپ محتاج ہے فرمایا تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کے ہیں اس واسطے کہ اولاد تمہاری بہترین کمائی ہے اپنی اولاد کی کمائی سے کھاؤ۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ نے۔

تشریح: تم اور تمہارا مال (دونوں) تمہارے باپ کیلئے ہیں کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم پر اپنے باپ کی خدمت و اطاعت واجب ہے اسی طرح تم پر بھی واجب ہے کہ اپنا مال اپنے باپ پر خرچ کرو اور اس کی ضروریات زندگی پوری کرو۔ نیز تمہارے باپ کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ تمہارے مال میں تصرف کرے۔ گویا اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ باپ کا نفقہ بیٹے پر واجب ہوتا ہے۔ اس حدیث کے ضمن میں یہ مسئلہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کے مال میں سے کچھ چرالے یا اس کی لونڈی سے جماع کرلے تو بسبب شبہ ملکیت اس پر حد (شرعی سزا) جاری نہیں ہوتی۔ تمہاری اولاد تمہاری سب سے بہتر کمائی ہے کا مطلب یہ ہے کہ انسان محنت و مشقت کرکے جو کچھ کماتا ہے اس میں سب سے حلال اور افضل کمائی اس کی اولاد ہوتی ہے۔ لہٰذا اولاد جو کچھ کمائے وہ باپ کیلئے حلال ہے اور وہ باپ کے حق میں اپنی کمائی کے مثل ہے۔ اولاد کو باپ کی کمائی اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ دراصل اولاد باپ کے ذریعہ اور اس کی سعی و فعل کے نتیجے میں وجود میں آتی ہے۔

مربی کے حق میں یتیم کے مال کا حکم

(۱۴) وَعَنْهُ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَجُلاً اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ فَقِيْرٌ لَيْسَ لِيْ شَيْءٌ وَلِيْ يَتِيْمٌ فَقَالَ كُلْ مِنْ مَالِ يَتِيْمِكَ غَيْرَ مُسْرِفٍ وَلاَ مُبَادِرٍ وَلاَ مُتَأَثِّلٍ. (رواہ ابوداؤد و النسائی و ابن ماجۃ)

ترجمہ: عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کہا میں فقیر ہوں میرے پاس کچھ نہیں اور میری پرورش میں ایک یتیم ہے فرمایا۔ یتیم کے مال سے کھا اسراف نہ کرنا اور نہ ہی اس کے مال کو برباد کرنا اور نہ ذخیرہ اندوزی کرنا۔ روایت کیا کو اس کو ابوداؤد نسائی ابن ماجہ نے۔

تشریح: یتیم بچہ کے مال میں سے یتیم کے مربی کو اپنی ضروریات زندگی پوری کرنے کی اجازت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں سے مشروط کیا۔ پہلی شرط تو یہ کہ اس کے مال میں سے صرف اتنا لیا جائے جو اصل ضروریات زندگی کے بقدر ہو اسراف اور اپنی ضرورت و حاجت سے زیادہ خرچ کرکے اس یتیم کے مال کو ضائع نہ کیا جائے۔ دوسری شرط یہ کہ اس کے مال میں سے جو کچھ بھی لیا جائے ضرورت کے وقت لیا جائے۔ چنانچہ اس خوف سے کہ اگر یتیم بچہ بالغ ہوگیا تو اپنا تمام مال اپنے قبضہ میں لے لے گا۔ ضرورت سے پہلے ہرگز نہ لیا جائے اور تیسری شرط یہ کہ اپنی ضرورت و حاجت کے نام پر اس کے مال میں سے نکال نکال کر اپنے لئے جمع نہ کیا جائے۔ بہر حال حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ یتیم کے مربی کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ اگر محتاج و مفلس ہو تو اس یتیم کے مال میں سے اپنی ضرورت و حاجت کے بقدر اپنے اوپر خرچ کرے لیکن جو مربی خود خوشحال ہو اس کیلئے یہ جائز نہیں ہے۔ چنانچہ یہ مسئلہ قرآن کریم سے بھی ثابت ہے۔

غلاموں کے حق ادا کرنے کی تاکید

(۱۵) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ مَرَضِهِ اَلصَّلاَةَ وَ مَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَرَوَى اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاوُدَ عَنْ عَلِيٍّ نَحْوَهٗ.

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت کے وقت فرماتے تھے نماز کو لازم پکڑو اور غلاموں کے حق پورے کرو۔ روایت کیا اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں اور روایت کیا اس کو احمد اور ابوداؤد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کی مانند۔

تشریح: نماز پر مضبوطی سے قائم رہو کا مطلب یہ ہے کہ نماز پر مداومت اختیار کرو کوئی نماز بلا عذر شرعی قضا نہ کرو اور نماز کے جو حقوق و آداب ہیں ان کو پورے طور پر ادا کرو۔ لونڈی غلام کا حق یہ ہے کہ ان کا مالک ان کو پیٹ بھر کر کھانا کھلائے۔ حسب حیثیت کپڑے پہنائے ناحق مارنے اور گالی گلوچ سے اجتناب کرے اور برا بھلا نہ کہے۔ اسی طرح جانوروں کا حق ادا کرنے کا بھی حکم ہے کہ جس شخص کی ملکیت میں جانور ہوں ان کے چارہ پانی کا انتظام کرے اور ان کو ناحق مارنے پیٹنے سے پرہیز کرے۔ چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ قیامت کے دن ذمی اور جانوروں کی خصومت مسلمانوں کی خصومت سے زیادہ شدید ہوگی۔

اپنے مملوک کے ساتھ بدسلوکی کرنے والے کے بارہ میں وعید

(۱۶) وَعَنْ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَایَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَیِّئُ الْمَلَکَةِ (رواہ الترمذی و ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا اپنے غلاموں کے ساتھ برائی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ روایت کیا اس کو ترمذی ابن ماجہ نے۔

تشریح: سیئ الملکة: ملکہ طبیعت اور اخلاق ومزاج کو کہتے ہیں یعنی مثلاً ایک آقا اور مالک ہے اس کا ایک غلام ہے اس غلام کے حق میں وہ ظلم وزیادتی اور بداخلاقی کرتا ہے اس حدیث کے بعد آنیوالی حدیث نمبر ۱۷ میں ملکہ اخلاق وطبیعت کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے اور علامہ طیبی نے بھی ملکہ سے اچھے اخلاق کا معنی مراد لیا ہے لیکن نہایہ ابن اثیر میں ملکہ کو صنیع یعنی معاملہ اور سلوک کے معنی میں لیا ہے دونوں معنی قریب ہیں (لا یدخل الجنة) اس سے مراد خول اولی ہے یعنی سزا کاٹنے کے بعد جائیگا یا یہ تغلیظ وتشدید کے اصول کے مطابق ہے۔

اپنے مملوک کے ساتھ حسن سلوک خیر وبرکت کا باعث ہے

(۱۷) وَعَنْ رَافِعِ بْنِ مَکِیْثٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حُسْنُ الْمَلَکَةِ یُمْنٌ وَسُوْءُ الْخُلُقِ شُؤْمٌ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَلَمْ اَرَ فِیْ غَیْرِ الْمَصَابِیْحِ مَازَادَ عَلَیْهِ فِیْهِ مِنْ قَوْلِهٖ وَالصَّدَقَةُ تَمْنَعُ مِیْتَةَ السُّوْءِ وَالْبِرُّ زِیَادَةٌ فِی الْعُمْرِ.

ترجمہ: حضرت رافع بن مکیث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے غلاموں سے حسن سلوک کرنا باعث برکت ہے اور غلاموں سے برا سلوک کرنا بے برکتی کا سبب ہے روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اور کہا مشکوٰۃ کے مصنف نے نہیں دیکھی میں نے مصابیح کے غیر میں وہ چیز کہ جو صاحب مصابیح نے زیادہ کی اس حدیث میں اور وہ قول ہے یہ کہ صدقہ بری موت سے مانع ہے اور نیکی عمر میں برکت کا سبب ہے۔

تشریح: اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب مالک اپنے مملوک کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک کرتا ہے تو وہ اپنے مالک و آقا کے بہت زیادہ تابعدار اور خیر خواہ بن جاتے ہیں اور جو کام ان کے سپرد کیا جاتا ہے اسے وہ پوری دلجمعی ومحنت اور ایمانداری کے ساتھ کرتے ہیں اور یہی چیزیں خیر وبرکت کا باعث ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس اگر اپنے مملوک کے ساتھ بدسلوکی و بدخواہی کا معاملہ کیا جاتا ہے تو ان کے دلوں میں مالک کی طرف سے بغض ونفرت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں اور آخر کار وہ اپنے مالک کی جان وآبرو اور مال ودولت کی ہلاکت ونقصانات کے ارتکاب سے بھی گریز نہیں کرتے۔

بری موت سے مراد یا تو مرگ مفاجات یعنی اچانک موت ہے یا توحید اور یاد حق سے غفلت کے ساتھ مرنا مراد ہے! مرگ مفاجات اس اعتبار سے بری موت ہے کہ انسان یکا یک موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے نہ تو حقوق اللہ اور حقوق العباد کے سلسلہ میں سرزد کوتاہیوں کی تلافی کا موقع ملتا ہے اور نہ توبہ کرنے کی مہلت نصیب ہوتی ہے۔ نیکی سے مراد مخلوق کے ساتھ احسان وسلوک کرنا ہے اور خالق کی طاعت وعبادت بھی مراد ہوسکتی ہے۔ نیکی کی وجہ سے عمر کا بڑھنا حقیقۃً بھی ممکن ہے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ کسی کی عمر کو معلق کردے کہ اس بندہ کی عمر اتنے سال ہے لیکن اگر یہ نیکی کرے گا یعنی اپنے پروردگار کی طاعت وعبادت اور مخلوق خدا کے ساتھ حسن سلوک وخیر خواہی میں مشغول رہے گا تو اس کی عمر میں اتنے سال کا اضافہ ہو جائے گا۔ لہٰذا نیکی کرنے کی صورت میں اس کی عمر اتنے ہی سال بڑھ جائے گی۔

یہ وضاحت تو زیادتی عمر کے حقیقی مفہوم مراد لینے کی صورت میں ہے اور اس کا معنوی مفہوم یہ ہے کہ نیکی کی وجہ سے عمر میں خیر و برکت حاصل ہوتی ہے۔ یا نیکی کرنے والے کو اس کی موت کے بعد لوگ بھلائی کے ساتھ یاد کرتے ہیں پس معنوی طور پر یہ بھی عمر کا بڑھنا ہی ہے۔
روایت کے آخر میں مصنف مشکوۃ نے جو اعتراض کیا ہے وہ میرک کی تحقیق کے مطابق شیخ جزری رحمہ اللہ کے اس قول سے ختم ہو جاتا ہے اس روایت کو صاحب مصابیح نے جس طرح نقل کیا ہے بالکل اسی طرح پوری روایت امام احمد رحمہ اللہ نے بھی نقل کی ہے۔

اگر غلام مار کھاتے ہوئے خدا کا واسطہ دے تو اپنا ہاتھ روک لو

(۱۸) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ضَرَبَ اَحَدُکُمْ خَادِمَهٗ فَذَکَرَ اللّٰهَ فَارْفَعُوْا اَیْدِیَکُمْ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ لٰکِنْ عِنْدَهٗ فَلْیُمْسِکْ بَدَلَ فَارْفَعُوْا اَیْدِیَکُمْ۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ایک تمہارا اپنے خادم کو مارے وہ اللہ کو یاد کرے اپنے ہاتھ ان سے اٹھا لو روایت کیا اس کو ترمذی نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں۔ بیہقی کے نزدیک لفظ فارفعوا ایدیکم کی جگہ فلیمسک کا لفظ ہے۔

تشریح: طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تم اپنا ہاتھ روک لو کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ اس غلام کو مالک تادیباً مار رہا ہو اور اگر اس پر حد جاری کر رہا ہو۔ یعنی شراب پینے یا کسی پر جھوٹی تہمت لگانے کی سزا میں اس کو کوڑے مار رہا ہو تو پھر ہاتھ نہ روکے بلکہ حد پوری کرے۔

کمسن بردہ کو اس کی ماں وغیرہ سے الگ نہ کرو

(۱۹) وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ وَالِدَةٍ وَوَلَدِهَا فَرَّقَ اللّٰهُ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ اَحِبَّتِهٖ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ (رواه الترمذی و الدارمی)

ترجمہ: حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جو شخص ماں اور بیٹے کے درمیان جدائی ڈالے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے اور اس کے محبوبوں کے درمیان جدائی ڈال دے گا۔ (روایت کیا اس کو ترمذی اور دارمی نے)

تشریح: ماں اور بیٹے سے مراد لونڈی اور اس کا بچہ ہے اس طرح جدائی کرانے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مالک مثلاً لونڈی کو تو کسی کے ہاتھ فروخت کر دے یا کسی کو ہبہ کر دے اور بچہ کو اپنے پاس روک لے یا بچہ کو کسی کے ہاتھ فروخت کر دے یا کسی کو ہبہ کر دے اور اس کی ماں کو اپنے پاس رہنے دے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اس طرح سے ماں اور بیٹے کو ایک دوسرے سے جدا کرے گا تو قیامت کے دن اس موقف میں کہ جہاں تمام مخلوق اپنے تمام عزیزوں کے ساتھ جمع ہوگی اور لوگ اپنے پروردگار سے ایک دوسرے کی شفاعت کر رہے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اس شخص اور اس کے عزیزوں مثلاً ماں باپ یا اولاد وغیرہ کے درمیان جدائی کرا دے گا۔ علماء لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں صرف ماں بیٹے کا ذکر محض اتفاقی ہے ورنہ تو ہر چھوٹے (کمسن) بردہ اور اس کے ذی رحم محرم رشتہ دار خواہ وہ ماں ہو باپ دادا ہو یا دادی اور بھائی ہو یا بہن کے درمیان جدائی کرانے کا یہی حکم ہے۔ حنفیہ کے ہاں دو چھوٹے بھائیوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دینا جائز ہے۔

مذکورہ بالا وضاحت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ چھوٹے کی قید سے بڑے کا استثناء ہو گیا۔ یعنی اگر بڑی عمر والے بردہ کو اس کی ماں یا اس کے باپ یا کسی اور ذی رحم محرم رشتہ دار سے جدا کر دیا جائے تو جائز ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بڑے کی تعریف کیا ہے تو اس بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ کس عمر کے بردہ کو بڑا کہیں گے۔ چنانچہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تو سات برس یا آٹھ برس کی عمر والا بڑا کہلائے گا جبکہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ جو بالغ ہو جائے وہ بڑا کہلائے گا۔ نیز حضرت امام اعظم رحمہ اللہ اور حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک چھوٹے بچے اور اس کے ذی رحم محرم رشتہ دار کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر کے بیچنا مکروہ ہے جبکہ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر ان دونوں یعنی بچہ اور اس کے

ذی رحم محرم رشتہ دار میں ولادت کی قرابت ہو (جیسے وہ دونوں ماں اور بیٹا ہوں یا باپ اور بیٹا ہوں) تو اس صورت میں ان دونوں کو جدا کر کے بیچنا سرے سے جائز ہی نہیں ہوگا اور ان کا قول یہ بھی ہے کہ ولادت کی قرابت کے استثناء کے بغیر تمام ذی رحم محرم رشتہ داروں کے بارے میں یہی حکم ہے۔

(۲۰) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ وَهَبَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامَيْنِ اَخَوَيْنِ فَبِعْتُ اَحَدَهُمَا فَقَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ مَافَعَلَ غُلَامُكَ فَاَخْبَرْتُهُ فَقَالَ رُدَّهُ رُدَّهُ. (رواه الترمذی و ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو غلام عطا فرمائے جو آپس میں بھائی تھے میں نے ایک کو فروخت کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی تیرا غلام کہاں ہے میں نے اس کے فروخت کرنے کی خبر دی آپ نے فرمایا واپس کر اس کو واپس کر اس کو۔ روایت کیا اس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے۔

تشریح: اس کو واپس کرلو کا مطلب یہ تھا کہ تم نے جو بیع کی ہے اس کو فسخ کر دو اور اس غلام کو اپنے پاس لے آؤ تا کہ دونوں بھائیوں کے درمیان جدائی واقع نہ ہو۔ اس جملہ کو تاکیداً دو مرتبہ فرمانے میں اس طرف اشارہ تھا کہ جو حکم دیا جا رہا ہے وہ وجوب کے طور پر ہے اور بیع مکروہ تحریمی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک دوسرے کے درمیان جدائی نہ کرانے کا حکم صرف ماں بیٹوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

(۲۱) وَعَنْهُ اَنَّهُ فَرَّقَ بَيْنَ جَارِيَةٍ وَوَلَدِهَا فَنَهَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَالِكَ فَرَدَّ الْبَيْعَ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ مُنْقَطِعًا

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک لونڈی اور اس کے بیٹے کے درمیان جدائی کر دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیع فسخ کر لی۔ روایت کیا اس کو ابو داؤد نے انقطاع کے طریقے سے۔

تشریح: مذکورہ بالا دونوں حدیثیں حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے اس مسلک کی دلیل ہیں کہ چھوٹے بردے اور اس کی ماں یا اس کے باپ کو ایک دوسرے سے الگ کر کے بیچنا ناجائز ہے۔

غلام پر احسان کرنے کا اجر

(۲۲) وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ يَسَّرَ اللّٰهُ حَتْفَهُ وَاَدْخَلَهُ جَنَّتَهُ رِفْقٌ بِالضَّعِيْفِ وَشَفَقَةٌ عَلَى الْوَالِدَيْنِ وَاِحْسَانٌ اِلَى الْمَمْلُوْكِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس میں تین چیزیں ہوں اس کے لیے مرنا اللہ تعالیٰ آسان کر دیتا ہے اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ ضعیف کے ساتھ نرمی کرنا۔ ماں باپ سے شفقت کرنا اور اپنے غلاموں سے احسان کرنا۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: ضعیف و کمزور سے ہر وہ شخص مراد ہے جو خواہ جسم و جان کے اعتبار ضعیف و ناتواں ہو یا مالی حالت کے اعتبار سے اور یا عقل و خرد کے اعتبار سے کمزور ہو۔ احسان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مالک پر اس کے غلام کے تئیں جو کچھ واجب ہے اس سے بھی زیادہ اس کے ساتھ سلوک کرے۔

نمازی کو مارنے کی ممانعت

(۲۳) وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَبَ لِعَلِيٍّ غُلَامًا فَقَالَ لَا تَضْرِبْهُ فَاِنِّيْ نُهِيْتُ عَنْ ضَرْبِ اَهْلِ الصَّلٰوةِ وَقَدْ رَاَيْتُهُ يُصَلِّيْ هٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ وَ فِي الْمُجْتَبٰى لِلدَّارِ قُطْنِيِّ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ضَرْبِ الْمُصَلِّيْنَ.

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام علی رضی اللہ عنہ کو دیا ساتھ ہی فرمایا اس

کو مارنا نہیں اس لیے کہ میں نمازیوں کو مارنے سے منع کیا گیا ہوں اور میں نے اس کو نماز پڑھتے دیکھا ہے یہ مصابیح کے لفظ ہیں۔ مجتبیٰ کتاب میں ہے دارقطنی کے لیے کہ عمر بن خطاب نے کہا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیوں کو مارنے سے منع کیا ہے۔

تشریح: لا تضربه: یعنی شرعی جواز کے بغیر اس غلام کو نہ مارو کیونکہ یہ نمازی ہے اس حدیث سے نمازی کی عزت وعظمت اور اس کا شرف و فضیلت اللہ تعالیٰ کے ہاں دیگر مخلوق پر واضح ہو جاتی ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ حضور اکرم فرماتے ہیں کہ مجھے میرے رب نے نمازیوں کے مارنے سے منع کیا ہے یعنی کسی اور کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے دنیا میں نمازیوں کو مارنے سے منع کیا ہے تو اس کے عظیم احسان و کرم سے امید ہے کہ قیامت کے روز وہ نمازیوں کو عذاب میں مبتلا کر کے ذلیل و رسوا نہیں فرمائے گا۔

مملوک کی خطائیں معاف کرنے کا حکم

(۲۴) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَمْ نَعْفُوْعَنِ الْخَادِمِ فَسَكَتَ ثُمَّ اَعَادَ عَلَيْهِ الْكَلَامَ فَصَمَتَ فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ قَالَ اُعْفُوا عَنْهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا اے اللہ کے رسول ہم اپنے لونڈی اور غلاموں سے کتنی بار تقصیرات معاف کریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ پھر لوٹایا مذکورہ کلام کو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار کی تیسری دفعہ پھر مذکورہ کلام کو لوٹایا آپ نے فرمایا ایک دن میں ستر بار معاف کرو۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اور ترمذی نے عبداللہ بن عمرو سے۔

تشریح: ستر مرتبہ سے یہ خاص عدد مراد نہیں ہے بلکہ جیسا کہ اہل عرب کے ہاں کسی چیز کی زیادتی اور کثرت بیان کرنے کیلئے عام طور پر ستر کا عدد ذکر کیا جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بھی واضح کرنا تھا کہ زیادہ سے زیادہ مرتبہ ان کی خطائیں معاف کرو۔

سائل کے سوال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاموش رہنا سوال کی رکاکت کی بنا پر تھا کہ عفو تو مستحب اور پسندیدہ ہے نہ کہ اس کو کسی خاص عدد کے ساتھ مقید کرنا مقصود ہے اور یہ ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے انتظار میں خاموشی اختیار فرمائی ہو۔

مملوک کے بارہ میں ایک ہدایت

(۲۵) وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَائَمَكُمْ مِنْ مَمْلُوْكِكُمْ فَاَطْعِمُوْهُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ وَاَكْسُوْهُ مِمَّا تَكْسُوْنَ وَمَنْ لَايُلَائِمُكُمْ مِنْهُمْ فَبِيْعُوْهُ وَلَاتُعَذِّبُوْا خَلْقَ اللّٰهِ. (رواه احمد و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو غلام یا لونڈی تمہاری اطاعت کرے اس کو اپنے ساتھ کھلاؤ جو کھاتے ہو اور پہناؤ جو خود پہنتے ہو اور جو تمہاری اطاعت نہ کرے اس کو فروخت کر دو۔ اللہ کی مخلوق کو عذاب نہ کرو۔ (احمد، ابوداؤد)

تشریح: لائمکم: یہ باب مفاعلہ (یلائم ملائمۃ) سے آتا ہے موافقت کے معنی میں ہے مزاج اور خواہش کے مطابق اور موافق مملوک مراد ہے یعنی جب غلام تمہارے مزاج کے موافق اور مطیع اور فرمانبردار ہو تو اس کو رکھو اور اس کے حقوق کا خیال کرو مناسب کھانا اور مناسب لباس اس کو دیا کرو اور اگر ایسا نہیں ہے تو خواہ مخواہ اس کو عذاب میں نہ رکھو اور نہ اپنے آپ کو پریشان کرو بلکہ اس کو بیچ ڈالو یہ امور ارشاد یہ ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی رہنمائی فرما کر یہ حکم دیا ہے۔

جانوروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم

(۲۶) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ الْحَنْظَلِيَّةِ قَالَ مَرَّرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَعِيْرٍ قَدْ لَحِقَ ظَهْرُهُ بِبَطْنِهٖ فَقَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ فِيْ هٰذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعْجَمَةِ فَارْكَبُوْهَا صَالِحَةً وَاتْرُكُوْهَا صَالِحَةً. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت سہل بن حنظلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اونٹ پر سے گذرے۔ بھوک کی وجہ سے اس کا پیٹ پیٹھ سے لگا ہوا تھا۔ فرمایا بے زبان جانوروں کے حق میں خدا سے ڈرو۔ جب سواری کے قابل ہوں سواری کرو اور ان کو چھوڑ دو اچھی حالت میں۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: ان بے زبان چوپالوں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو کا مطلب یہ ہے کہ یہ بولنے پر قادر نہیں ہیں کہ اپنی بھوک و پیاس وغیرہ کا حال اپنے مالک سے بیان کرسکیں۔ اس لئے ان کے چارہ پانی کے جو بھی اوقات ہوں ان میں ان کو کھلانے پلانے میں کوتاہی نہ کرو۔ اس میں گویا اس بات کی دلیل ہے کہ چوپایوں کا چارہ پانی ان کے مالکوں پر واجب ہے۔ ان پر ایسی حالت میں سواری نہ کرو الخ کا مقصد گھاس دانہ کے ذریعہ کی خبر گیری رکھنے کی ترغیب دلانا ہے کہ ان کے گھاس دانہ میں کمی و کوتاہی نہ کرو۔ تاکہ یہ قوی اور سواری کے قابل رہیں۔ نیز جب یہ تھکنے کے قریب ہوں تو ان کو چھوڑ دو اور گھاس دانہ دو جب وہ کھا پی لیں اور ان میں توانائی آجائے تو اس کے بعد ان پر سواری یا بار برداری کرو کیونکہ اس طرح چوپائے فربہ ہوتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ..... مال یتیم کے بارے حکم خداوندی

(۲۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَ قَوْلُهٗ تَعَالٰی وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ وَقَوْلُهٗ تَعَالٰى اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اَلْاٰيَة اِنْطَلَقَ مَنْ كَانَ عِنْدَهٗ يَتِيْمٌ فَعَزَلَ طَعَامَهٗ مِنْ طَعَامِهٖ وَشَرَابَهٗ مِنْ شَرَابِهٖ فَاِذَا فَضَلَ مِنْ طَعَامِ الْيَتِيْمِ وَشَرَابِهٖ شَيْءٌ حُبِسَ لَهٗ حَتّٰى يَاْكُلَهٗ اَوْيَفْسُدَ فَاشْتَدَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فَخَلَطُوْا طَعَامَهُمْ بِطَعَامِهِمْ وَشَرَابَهُمْ بِشَرَابِهِمْ. (رواہ ابوداؤد و النسائی)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا جب اللہ کا یہ فرمان نازل ہوا کہ یتیموں کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر اچھے طریقے سے۔ اللہ کا قول کہ وہ لوگ جو یتیموں کا مال کھاتے ہیں ظلم کے طریقے سے آخر آیت تک وہ لوگ شروع ہوئے جن کے پاس یتیم تھے ان کا کھانا اور پینا الگ کر دیا جب یتیم کا کھانا بچ رہتا اور پینا تو اس کے لیے رکھ چھوڑتے یہاں تک کہ پھر یتیم ہی کھاتا یا خراب ہو جاتا تو یہ یتیموں کے پالنے والوں پر مشکل ہوا پھر ذکر کیا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یتیموں کا حال پوچھتے ہیں فرما دیجئے اصلاح کرنا یتیموں کے لیے بہتر ہے۔ اگر ان کے مالوں کو اپنے مالوں میں ملا لو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ ان کا کھانا اور پینا پرورش کرنے والوں نے اپنے کھانوں میں ملا لیا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے۔

تشریح: لما نزل قولہ تعالیٰ: ابتداء اسلام میں یتیموں کے اموال کے بارے میں جب پہلی آیت اتری تو ان کے سرپرست بہت گھبرا گئے وہ آیت مکمل طور پر اس طرح ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ط وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا (سورۃ نساء: ۱۰) اس وعید کی وجہ سے لوگوں نے یتیموں کا کھانا الگ پکانا شروع کر دیا اس سے ایک طرف یتیموں کا یہ نقصان تھا کہ کھانا کم و زیادہ ہو کر خراب ہو جاتا تھا دوسری طرف سرپرستوں کو بہت ہی تکلیف ہو رہی تھی کہ ان کا کھانا الگ تھلگ پکاتے تھے الگ رکھتے تھے الگ کھلاتے تھے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آسانی فرما دی اور بعد میں یہ آیت اتری وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ط قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ط وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ط وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ط وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ (سورۃ بقرہ: ۲۲۰) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یتیموں کے بدخواہ اور خیر خواہ کو خوب جانتا ہے لہٰذا یتیموں کے اموال کو اپنے اموال کے ساتھ مخلوط تو کرو لیکن یتیموں کی ہمدردی اور خیر خواہی ہر صورت میں لازم ہے اپنی نیتوں کو خراب نہ کرو اور اپنے اموال کا نقصان نہ کرو دھوکہ اور فریب سے ہر حالت میں بچتے رہو آگے اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائیگا۔

(۲۸) وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الْوَالِدِ وَوَلَدِهٖ وَ بَيْنَ الْاَخِ وَ بَيْنَ اَخِيْهِ (رواہ ابن ماجۃ والدار قطنی)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر لعنت فرمائی جو باپ اور بیٹے میں جدائی ڈالتا ہے اور دو بھائیوں میں۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ اور دار قطنی نے۔

تشریح: من فرق: اس تفریق اور جدائی سے مراد وہ جدائی بھی ہو سکتی ہے جو نابالغ بچہ اور اس کے سرپرست ذی رحم محرم کے درمیان ایک کے فروخت کرنے اور دوسرے کے رہ جانے سے پیدا ہوتی ہے جس کی تفصیل حضرت ابوایوب انصاری کی گزشتہ حدیث نمبر ۱۹ میں گزر چکی ہے مگر یہاں اس حدیث میں جدائی کا یہ مفہوم بھی لیا جا سکتا ہے کہ کوئی شخص چغلی غیبت اور فساد و شرارت و نفاق سے دو بھائیوں کے درمیان یا باپ بیٹوں کے درمیان تفرقہ پیدا کرتا ہے تو وہ ملعون ہے۔

(۲۹) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُتِيَ بِالسَّبْيِ اَعْطَى اَهْلَ الْبَيْتِ جَمِيْعًا كَرَاهِيَةَ اَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَهُمْ. (رواه ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب قیدی لائے جاتے تو ایک سارے کو پورا گھرانہ دے دیتے ان میں جدائی کو مکروہ جانتے۔ (روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے)

کون لوگ برے ہیں؟

(۳۰) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِشِرَارِكُمْ الَّذِيْ يَاْكُلُ وَحْدَهُ وَيَجْلِدُ عَبْدَهُ وَيَمْنَعُ رِفْدَهُ. (رواه رزين)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو بروں کے متعلق خبر نہ دوں وہ ہے جو اکیلا کھائے اور اپنے غلام کو مارے اور اپنی بخشش نہ دے۔ (روایت کیا اس کو رزین نے)

تشریح: اس حدیث میں چند ایسی چیزوں کو ذکر کیا گیا ہے جو ناپسندیدہ اور بری ہیں اور یہ چیزیں جن لوگوں کی خصلت بن جاتی ہیں وہ ناپسندیدہ اور برے سمجھے جاتے ہیں۔ چنانچہ سب سے تنہا ہو کر کھانا برا ہے۔ اپنے غلام کو بلا کسی جرم و خطا کے مارنا برا ہے اور کسی کو کچھ نہ دینا برا ہے حاصل یہ ہے کہ جو لوگ بد خلق اور بخیل ہوں وہ برے ہیں۔ جامع صغیر میں ابن عساکر نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا کیا میں تمہیں یہ نہ بتادوں کہ لوگوں میں برے کون ہیں؟ برا وہ شخص ہے جو کھانا تنہا کھائے کسی کو اپنی بخشش و عطا سے فائدہ نہ پہنچائے۔ تنہا سفر کرے اور اپنے غلام کو (ناحق) مارے اور کیا تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ اس سے بھی برا کون شخص ہے؟ وہ شخص اس سے بھی برا ہے جو لوگوں سے بغض رکھے اور لوگ اس سے بغض رکھیں اور کیا تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ اس سے بھی برا کون شخص ہے؟ اس سے بھی برا وہ شخص ہے جس کے شر و فتنہ سے لوگ ڈریں اور اس سے کسی بھلائی کی امید نہ رکھیں اور کیا تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ اس سے بھی برا کون شخص ہے؟ اس سے بھی برا وہ شخص ہے جو اپنی آخرت کو دنیا کے عوض بیچ دے اور کیا تمہیں نہ بتاؤں کہ اس سے بھی برا کون شخص ہے؟ اس سے بھی برا وہ شخص ہے جو دین کے ذریعہ دنیا کمائے۔

لونڈی غلاموں کو اپنی اولاد اور اپنے بھائی کی طرح رکھو

(۳۱) وَعَنْ اَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَيِّئُ الْمَلَكَةِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَيْسَ اَخْبَرْتَنَا اَنَّ هٰذِهِ الْاُمَّةَ اَكْثَرُ الْاُمَمِ مَمْلُوْكِيْنَ وَيَتَامٰى قَالَ نَعَمْ فَاَكْرِمُوْهُمْ كَكَرَامَةِ اَوْلَادِكُمْ وَاَطْعِمُوْهُمْ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ قَالُوْا فَمَا تَنْفَعُنَا الدُّنْيَا قَالَ فَرَسٌ تَرْتَبِطُهٗ تُقَاتِلُ عَلَيْهِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَمْلُوْكٌ يَكْفِيْكَ فَاِذَا صَلّٰى فَهُوَ اَخُوْكَ (رواه ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے غلام یا لونڈی سے برائی کرنے

والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا اے اللہ کے رسول کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ خبر نہیں دی کہ یہ امت اگلی امتوں سے لونڈی اور غلاموں کے اعتبار سے زیادہ ہے فرمایا ہاں۔ عزیز رکھو انہیں اولاد کی طرح عزیز رکھنا جو تم کھاتے ہو اسی سے کھلاؤ۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا ہمیں دنیا میں کونسی چیز نفع دے سکتی ہے فرمایا گھوڑا کہ تو نے اللہ کی راہ میں لڑنے کے لیے اسے روکا ہے اور وہ غلام کہ تجھے کفایت کرے۔ جب وہ غلام نماز پڑھے تو وہ تیرا بھائی ہے۔ (روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے)

تشریح: یہ فرمایا گیا ہے کہ امت میں لونڈی غلام اور یتیم بہت زیادہ ہوں گے تو اس کا سبب یہ ہے کہ جب جہاد کثرت سے ہوگا تو کفار قیدی بھی کثرت سے ہاتھ آئیں گے اور جہاد کی کثرت ہی سے مسلمان شہید ہوں گے اور جب مسلمان شہید ہوں گے تو ان کے بچے یتیم ہو جائیں گے۔

بَابُ بُلُوْغِ الصَّغِيْرِ وَ حِضَانَتِهِ فِي الصِّغَرِ

چھوٹے بچوں کی تربیت و پرورش اور ان کے بالغ ہونے کا بیان

قال الله تعالىٰ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (سورة نور ۵۹)

حضن يحضن حضنا وحضانة باب نصر سے حا کے کسرہ کے ساتھ ہے ماں کا اپنے بچے کو پرورش کی غرض سے بغل میں لینے اور مرغی کا اپنے چوزوں اور انڈوں کو پروں کے نیچے رکھنے اور چھپانے کو "حضانۃ" کہتے ہیں پھر یہ لفظ تربیت کیلئے بھی استعمال ہونے لگا ہے چنانچہ "حاضنہ" اس عورت کو کہا جاتا ہے جو اپنے بچہ کی پرورش اور تربیت کرتی ہے اور یہاں "حضانۃ" تربیت کے اسی عمل کا نام ہے اس باب میں یہ بھی بیان کیا جائیگا کہ بچہ کی تربیت و پرورش کا حق کس کو حاصل ہے اور تربیت کی مدت لڑکے اور لڑکی کیلئے کیا مقرر ہے تو لیجئے۔

الفصل الاول..... عمر بلوغ پندرہ سال ہے

(۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ عُرِضْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ أُحُدٍ وَاَنَا ابْنُ اَرْبَعَ عَشْرَةَ سَنَةً فَرَدَّنِىْ ثُمَّ عُرِضْتُ عَلَيْهِ عَامَ الْخَنْدَقِ وَاَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً فَاَجَازَنِىْ فَقَالَ عُمَرُ ابْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ هٰذَا فَرْقُ مَابَيْنَ الْمُقَاتِلَةِ وَالذُّرِّيَّةِ. (متفق عليه)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں اُحد کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا گیا اور میری عمر چودہ برس تھی مجھے اپنے ساتھ نہ لے گئے پھر جنگ خندق کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا گیا۔ میری عمر پندرہ سال تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اجازت فرمائی۔ عمر بن عبدالعزیز نے کہا کہ یہ عمر لڑنے والوں اور لڑکوں کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے یہ حدیث سنی تو مذکورہ بالا جملہ ارشاد فرمایا جس سے ان کی مراد یہ تھی کہ جب لڑکا پندرہ سال کی عمر کو پہنچ جائے اور جو پندرہ سال کی عمر کو نہ پہنچے اس کو نابالغ لڑکوں میں شمار کیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بالغ ہونے کی عمر پندرہ سال ہے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کی پرورش کا تنازعہ اور اس کا تصفیہ

(۲) وَعَنِ الْبَرَاءِ ابْنِ عَازِبٍ قَالَ صَالَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى ثَلَاثَةِ اَشْيَاءَ عَلٰى اَنَّ مَنْ اَتَاهُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ رَدَّهُ اِلَيْهِمْ وَمَنْ اَتَاهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ لَمْ يَرُدُّوْهُ وَعَلٰى اَنْ يَدْخُلَهَا مِنْ قَابِلٍ وَيُقِيْمَ بِهَا ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ فَلَمَّا دَخَلَهَا وَمَضَى الْاَجَلُ خَرَجَ فَتَبِعَتْهُ ابْنَةُ حَمْزَةَ تُنَادِىْ يَا عَمِّ يَا عَمِّ فَتَنَاوَلَهَا عَلِيٌّ فَاَخَذَ بِيَدِهَا فَاخْتَصَمَ فِيْهَا عَلِيٌّ وَزَيْدٌ وَجَعْفَرٌ فَقَالَ عَلِيٌّ اَنَا اَخَذْتُهَا وَهِيَ بِنْتُ عَمِّىْ وَقَالَ جَعْفَرٌ بِنْتُ عَمِّىْ وَ خَالَتُهَا تَحْتِىْ وَقَالَ زَيْدٌ بِنْتُ اَخِىْ فَقَضٰى بِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِخَالَتِهَا وَقَالَ الْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْاُمِّ وَقَالَ لِعَلِيٍّ اَنْتَ مِنِّىْ وَاَنَا مِنْكَ وَقَالَ

لِجَعْفَرٍ اَشْبَهْتَ خَلْقِیْ وَخُلُقِیْ وَقَالَ لِزَیْدٍ اَنْتَ اَخُوْنَا وَ مَوْلَانَا. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن تین چیزوں پر صلح کی ایک یہ کہ مشرکوں میں سے جو آپ کے پاس آئے واپس کر دیا جائے گا اور جو مسلمانوں میں سے مشرکوں کے پاس چلا جائے تو وہ اس کو واپس نہیں کریں گے اور اس پر صلح ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ آئندہ سال مکہ میں داخل ہوں اور تین دن ٹھہریں جب آپ مکہ میں داخل ہوئے اور مدت معینہ پوری ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکلنے کا ارادہ کیا حضرت کے پیچھے حضرت حمزہ کی لڑکی آئی پکارنے لگی اے میرے چچا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑنے کی کوشش کی اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ علی اور زید اور جعفر حضرت حمزہ کی لڑکی کی پرورش میں جھگڑے۔ علی نے کہا میں نے اسے پہلے لیا ہے اور میرے چچا کی بیٹی ہے۔ جعفر نے کہا میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے۔ زید نے کہا میری بھتیجی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمزہ کی بیٹی کے متعلق حکم فرمایا کہ اس کو اس کی خالہ لے جائے فرمایا کہ خالہ ماں کی جگہ ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔ جعفر کو فرمایا تو میری پیدائش میں مشابہ ہے اور میرے خلق میں۔ زید کو فرمایا تو میرا بھائی اور محب ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: حدیبیہ مکہ سے تقریباً پندرہ میل کے فاصلہ پر بجانب جدہ ایک جگہ کا نام ہے۔ ۶ ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی معیت میں عمرہ کرنے کیلئے مدینہ سے مکہ کو روانہ ہوئے جب حدیبیہ پہنچے تو کفار مکہ نے وہیں سے روک دیا اور مکہ میں نہ آنے دیا اور پھر اس مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار مکہ کے درمیان ایک معاہدہ کے تحت صلح ہوئی جس کی تین بنیادی دفعات کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے۔ یہ صلح حدیبیہ بڑا مشہور واقعہ ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور دودھ شریک بھائی بھی تھے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ابولہب کی لونڈی ثوبیہ کا دودھ پیا تھا اسی رشتہ رضاعت کی بنا پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چچا کہا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی یعنی ابوطالب کے لڑکے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بھائی تھے اور عمر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دس سال بڑے تھے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ایک غلام تھے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کیا تھا اور اپنا متبنّیٰ (لے پالک) بنایا تھا ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبت تھی چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی مانند حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی چارہ کا تعلق قائم کر دیا تھا۔ اس لئے حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کو بھتیجی کہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کو مدینہ لے آئے تو اس کی پرورش کے بارہ میں مذکورہ بالا تینوں حضرات کے درمیان تنازعہ ہوا ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرتا تھا کہ اس بچی کی پرورش کرنا سب سے زیادہ میرا حق ہے اور ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ یہ میری تربیت و کفالت میں رہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تنازعہ کا فیصلہ اس طرح فرمایا کہ اس بچی کو اس کی خالہ کی پرورش میں دے دیا جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور ان تینوں حضرات کی تسلی اور ان کا دل خوش کرنے کیلئے مذکورہ کلمات ارشاد فرمائے تا کہ وہ آزردہ نہ ہوں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ.... کس بچہ کی پرورش کا سب سے زیادہ حق اس کی ماں کو ہے؟

(۳) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ امْرَاَةً قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ ابْنِیْ هٰذَا کَانَ بَطْنِیْ لَهٗ وِعَاءً وَثَدْیِیْ لَهٗ سِقَاءً وَحِجْرِیْ لَهٗ حِوَاءً وَ اِنَّ اَبَاهُ طَلَّقَنِیْ وَ اَرَادَ اَنْ یَنْزِعَهٗ مِنِّیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْتِ اَحَقُّ بِهٖ مَالَمْ تَنْکِحِیْ. (رواہ احمد و ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرا بیٹا میرا پیٹ اس کے لیے برتن تھا۔ اور میری چھاتی اس کے لیے مشک اور میری گود اس کے لیے بچھونا ہے اور اس کے باپ نے مجھ کو

طلاق دے دی ہے اور وہ ارادہ کرتا ہے کہ اس کو مجھ سے چھین لے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو زیادہ حق دار ہے اس کی پرورش کی۔ جب تک تو کسی سے نکاح نہ کرے۔ روایت کیا اس کو احمد اور ابوداؤد نے۔

تشریح: اس حدیث کے بعد جو حدیث آرہی ہے اس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکے کو اختیار دے دیا تھا کہ وہ چاہے تو اپنی ماں کے پاس رہے اور چاہے اپنے باپ کے ہاں رہے۔ اس طرح دونوں حدیثوں کے مفہوم میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جس لڑکے کا ذکر ہے ہوسکتا ہے کہ وہ کم سن رہا ہو اور سن تمیز کو نہ پہنچا ہو۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پرورش کا سب سے زیادہ حق ماں کو دیا جبکہ آگے آنے والی حدیث میں جس لڑکے کا ذکر کیا گیا ہے وہ سن تمیز کو پہنچ چکا تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ حق دے دیا کہ وہ اپنے اختیار تمیزی کی بنا پر ماں باپ میں سے جس کو چاہے پسند کرے اور اس کے پاس چلا جائے جب تک کہ تم کسی سے نکاح نہ کرو۔ اس بارہ میں یہ حدیث مطلق ہے لیکن علماء نے اس مسئلہ کو غیر محرم کے ساتھ مقید کیا ہے۔ یعنی اگر مطلقہ ماں وغیرہ کسی ایسے شخص کے ساتھ شادی کرلے جو لڑکے کا غیر محرم ہے تو اس کو اس لڑکے کی پرورش کا حق نہیں رہتا اور اگر کسی ایسے شخص سے شادی کرے جو لڑکے کا محرم ہے جیسے اس کے چچا سے نکاح تو اس صورت میں اس کو پرورش کا حق رہتا ہے کیونکہ وہ محرم لڑکے کے حق میں یقیناً شفیق ومہربان ثابت ہوگا۔

مدت پرورش کے بعد لڑکے کو ماں باپ میں سے کسی کے بھی پاس رہنے کا اختیار ہے

(۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیَّرَ غُلَامًا بَیْنَ اَبِیْهِ وَاُمِّهٖ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکے کو اس کی ماں اور باپ میں اختیار دیا۔ (ترمذی)

تشریح: خیر غلاما:۔ والدین میں فرقت واقع ہونے کے بعد کمسن اولاد کی پرورش کا حقدار ان کی ماں ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں البتہ کم عمری کی اس مدت کے تعین اور اس کی تفصیلات میں کچھ اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:۔ ائمہ احناف اور مالکیہ حضرات فرماتے ہیں کہ جب تک بچہ سن شعور اور زمانہ تمیز تک نہیں پہنچتا ہے اس وقت تک پرورش کی حقدار اس کی ماں ہے اور بچہ جب شعور اور تمیز کی عمر تک پہنچ گیا تو اس کی پرورش کا حقدار اس کا باپ ہوگا سن شعور کے بارے میں احناف کہتے ہیں کہ جب بچہ خود کھا پی سکتا ہو خود استنجا کرسکتا ہو اور کپڑے تبدیل کرسکتا ہو تو یہ بچہ باشعور ہے بعض احناف نے سن شعور کیلئے سات سال بتایا ہے بعض نے لڑکی کیلئے ۹ سال اور لڑکے کیلئے سات سال کی عمر بتائی ہے فتویٰ سات سال کے قول پر ہے احناف فرماتے ہیں کہ اس عمر میں بچے کو باپ کے حوالہ کیا جانا چاہیے کیونکہ تعلیم وتربیت اور ادب وثقافت میں باپ کی سوچ زیادہ قابل اعتماد اور مؤثر و پائیدار ہوتی ہے اور اب بچے کو انہی چیزوں کی ضرورت ہے اور اس سے کم عمر میں لڑکا اور لڑکی دونوں ماں کی پرورش میں رہیں گے کیونکہ اس زمانہ کی مناسب تربیت ماں بہتر انداز سے کرسکتی ہے شوافع اور حنابلہ کے ہاں بچہ سات سال تک ماں کی پرورش میں رہے گا اسکے بعد اس کو اختیار دیا جائیگا کہ وہ ماں باپ میں سے کس کو اختیار کرتا ہے اس نے جس کو اختیار کیا اسی کے ساتھ چلا جائیگا خلاصہ یہ کہ احناف کسی صورت میں بچہ کی تخییر کے حق میں نہیں ہیں اور شوافع سات سال کے بعد بچے کی تخییر کے قائل ہیں۔

دلائل:۔ احناف اور مالکیہ نے حضرت براء بن عازب کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ کی بچی کو اس کی خالہ کے حوالہ فرمادیا اسی طرح اس کے بعد عمرو بن شعیب کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ ماں کے حوالہ فرمادیا اور کمسن بچہ میں اختیار دینے کی کوئی بات نہیں فرمائی اسی طرح وہ تمام روایات بھی ان حضرات کے دلائل ہیں جہاں تخییر کے بغیر حضور اکرمؐ نے فیصلہ فرمادیا ہے موطا مالک اور بیہقی میں ایک حدیث ہے کہ صدیق اکبر نے عاصم بن عمر کو ان کی ماں کے حوالہ کیا اور اختیار نہیں دیا یہ صحابہ کے سامنے فیصلہ تھا تو اجماع صحابہ ہوگیا اس کا قصہ اس طرح تھا کہ حضرت عمرؓ نے اپنی ایک بیوی کو طلاق دیدی تھی اس کا ایک بچہ پیدا ہوا ایک دن حضرت عمر مسجد قبا کے پاس گزرے تو یہ لڑکا وہاں کھیل رہا تھا حضرت عمرؓ نے اٹھالیا تنازعہ ہوا تو صدیق نے ماں کے حق میں فیصلہ کیا' شوافع

اور حنابلہ نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں واضح طور پر مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کو ماں باپ میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کی اجازت فرمائی تھی نیز اس سے متصل حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں اس کی تفصیل ہے۔

جواب:۔ احناف و مالکیہ حضرات ابو ہریرہ کی روایتوں سے یہ جواب دیتے ہیں کہ جہاں احادیث میں اختیار دینے کی بات آئی ہے وہ باشعور بالغ اور (ممیز) بچے کے بارے میں ہے کیونکہ احادیث میں اس کی تصریح ہے اور ساتھ والی روایت میں بھی یہ جملہ موجود ہے کہ ماں نے کہا (وقد سقاني ونفعني) اور اس سے متصل بعد والی روایت میں یہ الفاظ ہیں (وقد نفعني وسقاني من بئر ابي عنبة) یعنی اس بچے نے مجھے ابوعنبہ کے کنویں سے پانی لا کر پلایا ہے اس بیان سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ بچہ بالغ تھا یا مراہق تھا اور ایسے بچے کے اختیار میں تو کسی کو اختلاف نہیں ہے کیونکہ بالغ خود مختار ہے تیسرا جواب یہ ہے کہ دراصل یہاں ایک مجبوری کے تحت بچے کو ماں باپ میں سے کسی کو اختیار کرنے کا اختیار دیا گیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس لڑکے کا باپ کافر تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ یہ لڑکا ماں کی پرورش میں چلا جائے اگر آپ مسلمان ماں کے حق میں ابتداء سے فیصلہ فرما دیتے تو لوگ اعتراض کرتے کہ مسلمان کی طرف داری کی گئی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی (اللهم اهده) اے اللہ اس کی رہنمائی فرما چنانچہ لڑکے نے والدہ کو اختیار کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا خصوصی پیغمبری تھی اس پر کسی اور کا قیاس نہیں ہو سکتا بہر حال عام ضابطہ وہی ہے جو مالکیہ اور احناف نے اپنایا ہے باقی جزئیات میں تاویل کرنی پڑے گی۔

(۵) وَعَنْهُ قَالَتْ جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ إِنَّ زَوْجِيْ يُرِيْدُ أَنْ يَذْهَبَ بِابْنِيْ وَقَدْ سَقَانِيْ وَ نَفَعَنِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا أَبُوْكَ وَهٰذِهٖ أُمُّكَ فَخُذْ بِيَدِ أَيِّهِمَا شِئْتَ فَأَخَذَ بِيَدِهٖ أُمِّهٖ فَانْطَلَقَتْ بِهٖ. (رواه ابوداؤد و النسائی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی کہا کہ میرا خاوند میرے بیٹے کو لے جانے کا ارادہ رکھتا ہے اور حال یہ ہے کہ وہ مجھ کو پلاتا ہے اور نفع دیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تیرا باپ ہے اور یہ تیری ماں۔ ان دونوں میں سے جس کا چاہے ہاتھ پکڑ لے اس نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑا اور وہ اس کو لے گئی۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نسائی اور دارمی نے۔

(۶) وَعَنْ هِلَالِ بْنِ أُسَامَةَ عَنْ أَبِيْ مَيْمُوْنَةَ سُلَيْمَانَ مَوْلًى لِأَهْلِ الْمَدِيْنَةِ قَالَ بَيْنَمَا أَنَا جَالِسٌ مَعَ أَبِيْ هُرَيْرَةَ جَاءَتْهُ امْرَأَةٌ فَارِسِيَّةٌ مَعَهَا ابْنٌ لَهَا وَقَدْ طَلَّقَهَا زَوْجُهَا فَادَّعَيَاهُ فَرَطَنَتْ لَهُ تَقُوْلُ يَا أَبَاهُرَيْرَةَ زَوْجِيْ يُرِيْدُ أَنْ يَذْهَبَ بِابْنِيْ فَقَالَ أَبُوْهُرَيْرَةَ اسْتَهِمَا عَلَيْهِ رَطَنَ لَهَا بِذٰلِكَ فَجَاءَ زَوْجُهَا وَقَالَ مَنْ يُحَاقُّنِيْ فِيْ ابْنِيْ فَقَالَ أَبُوْهُرَيْرَةَ اللّٰهُمَّ إِنِّيْ لَا أَقُوْلُ هٰذَا إِلَّا أَنِّيْ كُنْتُ قَاعِدًا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ زَوْجِيْ يُرِيْدُ أَنْ يَذْهَبَ بِابْنِيْ وَقَدْ نَفَعَنِيْ وَسَقَانِيْ مِنْ بِئْرِ أَبِيْ عِنَبَةَ وَعِنْدَ النَّسَائِيِّ مِنْ عَذْبِ الْمَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَهِمَا عَلَيْهِ فَقَالَ زَوْجُهَا مَنْ يُحَاقُّنِيْ فِيْ وَلَدِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا أَبُوْكَ وَهٰذِهٖ أُمُّكَ فَخُذْ بِيَدِ أَيِّهِمَا شِئْتَ فَأَخَذَ بِيَدِ أُمِّهٖ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ لٰكِنَّهُ ذَكَرَ الْمُسْنَدَ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ هِلَالِ بْنِ أُسَامَةَ

ترجمہ: حضرت ہلال بن اسامہ ابو میمونہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اس کا نام سلیمان ہے اس کو مدینہ والوں میں سے کسی نے آزاد کیا تھا کہا میں اس وقت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ فارس کی رہنے والی ایک عورت آئی اور اس کے ساتھ اس کا بیٹا تھا اس اور اس کے خاوند نے اس کو طلاق دی تھی۔ بیوی کے خاوند نے لڑکے کا دعویٰ کیا اس عورت نے فارسی میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے باتیں کیں۔ وہ کہتی تھی اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میرا خاوند میرے بیٹے کو لے جانے کا ارادہ رکھتا ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فارسی میں کہا کہ قرعہ ڈالو اس کا خاوند آیا اور کہنے لگا میرے بیٹے کے بارا میں کون جھگڑتا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ یہ میں نہیں کہتا مگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا ایک عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرا خاوند میرے بیٹے کو لے جانا چاہتا ہے حالانکہ وہ مجھ کو نفع دیتا ہے ابو عنبہ کے کنوئیں سے پانی پلاتا ہے۔ نسائی میں یوں آیا ہے کہ مجھے میٹھا پانی پلاتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا قرعہ ڈالو اس کے خاوند نے کہا کون مجھ سے میرے لڑکے کے بارا میں جھگڑتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تیرا باپ ہے اور یہ تیری ماں ہے ان دونوں میں سے جس کا چاہے ہاتھ پکڑ لے اس نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نسائی اور دارمی نے۔

تشریح: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے جو فارسی زبان میں گفتگو کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اہل عجم کے ساتھ میل جول رکھنے اور ان کے ساتھ رہنے سہنے کی وجہ سے ان کی زبان سیکھ گئے تھے۔ اس حدیث میں جس لڑکے کا ذکر کیا گیا ہے وہ بھی بالغ تھا اور چونکہ بالغ کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ چاہے ماں کے پاس رہے اور چاہے باپ کے ساتھ رہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ حق دے دیا اور اس نے ماں کے پاس رہنے کو اختیار کیا اس لڑکے کے بالغ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ شہر کے باہر بہت دور دور سے پانی بھر کر لاتا تھا اگر وہ نابالغ ہوتا تو نہ صرف یہ کہ وہ اپنی کمسنی کی وجہ سے شہر کے باہر اتنی دور سے پانی بھر لانے کی ہمت نہ کرتا بلکہ اس کی ماں بھی اس خوف سے کہ کہیں یہ اپنی نادانی کی وجہ سے کنوئیں میں گر نہ جائے۔ اس کو اتنی دور سے پانی لانے کیلئے ہرگز نہ بھیجتیں۔

کتاب العتق..... غلام کو آزاد کرنے کا بیان

آزادی کی شرعی حیثیت:۔ شرعی نقطہ نظر سے آزادی دراصل ایک ایسی قوت حکمیہ کا نام ہے جو انسان کو اس کا یہ فطری اور پیدائشی حق دیتی ہے کہ وہ مالک ہونے سرپرست بننے اور شہادت (گواہی) دینے کا اہل بن جائے۔ چنانچہ جس انسان کا یہ فطری اور پیدائشی حق مسلوب ہوتا ہے۔ بایں طور پر کہ وہ کسی غلامی میں ہوتا ہے اور پھر اسے آزادی کی صورت میں یہ قوت حکمیہ حاصل ہو جاتی ہے تو اس میں نہ صرف مالک ہونے کی لیاقت' سرپرست بننے کی قابلیت اور شہادت دینے کی اہلیت پیدا ہو جاتی ہے بلکہ وہ اس قوت حکمیہ یا یہ کہئے کہ اس آزادی کی وجہ سے دوسروں پر تصرف کرنے اور دوسروں کے تصرف کو اپنے سے روکنے پر قادر ہو جاتا ہے اور وہ آزاد وخود مختار انسانوں کی صف میں آ کھڑا ہوتا ہے۔

آزاد کرنے کی شرط:۔ کسی بردہ (غلام باندی) کو آزاد کرنے کیلئے شرط یہ ہے کہ آزاد کرنے والا خود مختار ہو' بالغ ہو' عقل مند ہو اور جس بردہ کو آزاد کر رہا ہے اس کا مالک ہو۔

آزاد کرنے کی قسمیں:۔ غلام کو آزاد کرنا بعض صورتوں میں واجب ہے جیسے کفارہ بعض صورتوں میں مستحب ہے اور بعض صورتوں میں گناہ بھی ہے جیسے اگر یہ ظن غالب ہو کہ اگر اس غلام کو آزاد کر دیا جائے تو یہ دار الحرب بھاگ جائے گا یا مرتد ہو جائے گا یا یہ خوف ہو کہ یہ چوری قزاقی کرنے لگے گا۔ بعض صورتوں میں مباح ہے۔ جیسے کسی شخص کی خاطر یا کسی شخص کو ثواب پہنچانے کیلئے بردہ کو آزاد کیا جائے اور بعض صورتوں میں عبادت ہے جیسے کسی بردہ کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کیلئے آزاد کیا جائے۔

الفصل الاول.... بردہ (غلام یا باندی) کو آزاد کرنے کا اجر

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعْتَقَ رَقَبَةً مُسْلِمَةً اَعْتَقَ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنَ النَّارِ حَتّٰى فَرْجَهُ بِفَرْجِهِ. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان غلام کو آزاد کرے گا اللہ اس کے لیے ہر عضو کے بدلے اس کے عضو کو آگ سے آزاد کرے گا یہاں تک کہ اس کے فرج کو اس کے فرج کے بدلے آزاد کر دے گا۔ (متفق علیہ)

تشریح: مسلمان بردہ میں اسلام کی قید اس لئے لگائی گئی ہے تا کہ اس فعل (آزاد کرنے) کا ثواب زیادہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ یوں تو کسی بھی بردہ کو آزاد کرنا اجر کا باعث ہے لیکن اگر کسی مسلمان کو آزاد کیا جائے تو اس کے اجر کی حیثیت اور ثواب کی مقدار کہیں زیادہ ہوگی۔

ہر عضو کے ذکر کے بعد پھر شرمگاہ کو بطور خاص اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ زنا کی جگہ ہے اور زنا شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے۔ لہٰذا

وضاحت فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ جسم کے اس حصہ کو بھی نجات دے گا۔اس کے پیش نظر بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ اس سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ آزاد کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اس غلام کو آزاد کرے جو خصی یا ستر بریدہ نہ ہو۔ نیز یہ اولیٰ ہے کہ اگر آزاد کرنے والا مرد ہو تو وہ مرد (یعنی غلام) کو آزاد کرے اور اگر آزاد کرنے والی عورت ہو تو وہ عورت (یعنی باندی) کو آزاد کرے۔

گراں قیمت اور اپنا پسندیدہ غلام آزاد کرنا زیادہ بہتر ہے

(۲) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ؟ قَالَ اِیْمَانٌ بِاللّٰهِ وَجِهَادٌ فِیْ سَبِیْلِهٖ. قَالَ قُلْتُ فَاَیُّ الرِّقَابِ اَفْضَلُ قَالَ اَغْلَاهَا ثَمَنًا وَاَنْفَسُهَا عِنْدَ اَهْلِهَا قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ اَفْعَلْ قَالَ تُعِیْنُ صَانِعًا اَوْتَصْنَعُ لِاَخْرَقَ قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ اَفْعَلْ قَالَ تَدَعُ النَّاسَ مِنَ الشَّرِّ فَاِنَّهَا صَدَقَةٌ تَصَدَّقُ بِهَا عَلٰی نَفْسِكَ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کونسا عمل بہتر ہے فرمایا اللہ پر ایمان لانا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے کہا کونسا غلام بہتر ہے فرمایا جو قیمت میں مہنگا ہو اور مالک کو زیادہ پیارا ہو میں نے کہا اگر میں آزاد نہ کرسکوں۔ فرمایا کام کرنے والے کی مدد کر۔ اس کے لیے بنادے جو وہ بنانا جانتا نہیں میں نے کہا اگر میں نہ کر سکوں فرمایا تو لوگوں کو برائی سے چھوڑ۔ یہ خصلت بہتر ہے اس کے ساتھ تو خیرات کرتا ہے اپنے نفس پر۔ (متفق علیہ)

تشریح: ایمان کا بہتر ہونا تو بالکل بدیہی بات ہے کہ خیر و بھلائی کی بنیاد ہی ایمان ہے اگر ایمان کی روشنی موجود نہ ہو تو پھر کوئی بھی عمل مقبول نہیں ہوتا۔ خواہ وہ کتنا ہی اہم اور کتنا ہی افضل کیوں نہ ہو اور جہاد اس اعتبار سے بہتر عمل ہے کہ وہ دین کی تقویت اور مسلمانوں کی برتری و عظمت اور غلبہ کا باعث ہوتا ہے۔ جہاں تک نماز روزہ کا تعلق ہے وہ تو دوسری حیثیات اور دوسرے وجوہ کی بناء پر (ایک دوسرے) عمل سے برتر اور بہتر ہیں۔ لہٰذا یہاں جہاد کو نماز روزہ پر فوقیت دینا مراد نہیں ہے یا پھر یہ کہ اس موقع پر جہاد سے مراد مطلق مشقت برداشت کرنا ہے جس کا تعلق جہاد سے بھی ہے اور دوسری طاعات و عبادات سے بھی۔ چنانچہ مامورات پر عمل کرنے اور منہیات سے بچنے کی نفسانی مشقت اور ریاضت کو جہاد اکبر فرمایا گیا ہے اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ سب سے بہتر عمل ایمان لانا اور ایمان کے تقاضوں پر عمل کرنا ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے قل امنت باللہ ثم استقم کام کرنے والے کی مدد کرو میں کام سے مراد ہر وہ چیز ہے جو انسان کے معاش کا ذریعہ ہو خواہ صنعت و کاریگری ہو یا تجارت ہو۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اپنے کسی پیشہ و کسب میں لگا ہوا ہو اور اس کا وہ پیشہ و کسب اس کی اور اس کے اہل و عیال کی ضروریات کو پورا نہ کرتا ہو وہ شخص اپنے ضعف و مجبوری کی وجہ سے اس کسب و پیشہ کو پوری طرح انجام نہ دے سکتا ہو تو تم اس شخص کی مدد کرو۔ اسی طرح جو شخص کسی چیز کو بنانا نہ جانتا ہو اخرق کا مطلب بھی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے اپنے پیشے کے کام کو نہ کرسکتا ہو تو تم اس کا کام کردو تا کہ وہ تمہارے سہارے اپنی ضروریات زندگی کو پورا کرسکے۔ لوگوں کو برائی پہنچانے سے اجتناب کرو کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو برے کام میں مبتلا نہ کرو۔ کسی کو اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے ایذا نہ پہنچاؤ اور نہ کسی کو کسی بھی قسم کا نقصان پہنچاؤ کیونکہ لوگوں کو برائی پہنچانے سے اجتناب کرنا بھی خیر و بھلائی ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ برائی (یعنی کسی کو ایذا و نقصان) پہنچانے پر قدرت بھی حاصل ہو۔ مرا ز خیر تو امید نیست شر مرساں

اس موقع پر عبارت کے ظاہری اسلوب کا تقاضا یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرماتے کہ یہ ایک اچھی خصلت ہے جس کے ذریعہ تم لوگوں کے ساتھ بھلائی کرتے ہو۔ لیکن چونکہ لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنا درحقیقت اپنے نفس کے ساتھ بھلائی کرنا ہے۔ بایں طور کہ اس بھلائی کے مختلف فوائد اسے حاصل ہوتے ہیں۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جس کے ذریعہ تم اپنے نفس کے ساتھ بھلائی کرتے ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ... غلام کو آزاد کرنے یا اس کی آزادی میں مدد کرنے کی فضیلت

(۳) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَلِّمْنِیْ عَمَلًا یُدْخِلُنِی الْجَنَّةَ قَالَ لَئِنْ کُنْتَ

لَقَصُرَتُ الْخُطْبَةَ لَقَدْ اَعْرَضْتَ الْمَسْئَلَةَ اَعْتِقِ النَّسَمَةَ وَفُکَّ الرَّقَبَةَ قَالَ اَوَلَيْسَا وَاحِدًا قَالَ لَا عِتْقُ النَّسَمَةِ اَنْ تَفَرَّدَ بِعِتْقِهَا وَفَکُّ الرَّقَبَةِ اَنْ تُعِيْنَ فِيْ ثَمَنِهَا وَالْمِنْحَةَ الْوَکُوْفَ وَالْفَيْءَ عَلٰى ذِي الرَّحِمِ الظَّالِمِ فَاِنْ لَمْ تُطِقْ ذٰلِکَ فَاَطْعِمِ الْجَائِعَ وَاسْقِ الظَّمْاٰنَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْکَرِ فَاِنْ لَمْ تُطِقْ ذٰلِکَ فَکُفَّ لِسَانَکَ اِلَّا مِنْ خَيْرٍ. رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کہا مجھے کوئی عمل بتایئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے فرمایا تو نے بیان میں کوتاہی کی اور سوال لمبا کیا ہے جان کو آزاد کر اور غلام کو آزادی دے۔ اعرابی نے کہا یہ دونوں ایک نہیں۔ فرمایا جان کا آزاد کرنا یہ ہے اس کو آزاد کرنے میں تو اکیلا ہو اور غلام کا آزاد کرنا کہ تو قیمت میں اس کی مدد کرے۔ اور دودھ دینے والی بھینس یا بکری وغیرہ دے۔ رشتہ دار ظالم پر بھی احسان کر اگر تو یہ نہ کر سکے تو بھوکے کو کچھ کھلا اور پیاسے کو پلا اور اچھی بات کا حکم کر اور برے کام سے منع کر اگر تو یہ بھی نہ کر سکے تو اپنی زبان کو بھلائی کے غیر پر بند کر۔ (روایت کیا اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں)

تشریح: جان یعنی بردہ کو آزاد کرنا اور بردہ کو نجات دینا ان دونوں باتوں میں جو فرق واضح کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جان کو آزاد کرنا تو یہ ہے کہ تم خود اپنے بردہ کو آزاد کرو اور بردہ کو نجات دینا یہ ہے کہ تم کسی دوسرے شخص کے بردہ کی آزادی کیلئے سعی وکوشش کرو۔ بایں طور کہ اس کی قیمت کی ادائیگی میں اس بردہ کی مدد کرو۔ مثال کے طور پر زید نے اپنے غلام کو لکھ کر دے دیا کہ جب تم مجھے اتنے روپے ادا کر دو گے تو تم آزاد ہو جاؤ گے۔ اب اس غلام کی روپے پیسے سے امداد کرنا تا کہ وہ متعینہ رقم اپنے مالک زید کو ادا کر کے آزاد ہو جائے دوسرے شخص کے بردہ کی آزادی کیلئے سعی وکوشش کرنا ہے۔ یاد رہے کہ ایسے غلام کو مکاتب کہا جاتا ہے۔ منحہ سے مراد وہ بکری یا اونٹنی ہے جو کسی محتاج کو اس مقصد سے عارضی طور پر دے دی جائے کہ وہ اس بکری یا اونٹنی کے دودھ یا ان کے بالوں سے نفع حاصل کرے اور وکوف بہت دودھ دینے والے جانور کو کہتے ہیں۔

بھلی بات کے علاوہ اپنی زبان کو بند رکھو۔ اس مضمون کو ایک دوسری حدیث میں یوں فرمایا گیا ہے۔

من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیقل خیراً او لیصمت

جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ اپنی زبان سے بھلائی (کی بات) نکالے یا خاموشی اختیار کرے۔

ان دونوں فرمودات کا حاصل یہ ہے کہ اپنی زبان پر پوری طرح قابو رکھنا چاہیے۔ یا وہ گوئی بد کلامی اور بری باتوں کا زبان سے صدور نہ ہونا چاہیے۔ زبان جب بھی حرکت میں آئے اس سے بھلائی ہی کی بات نکلنی چاہیے کیونکہ یہ ایک ایسا نکتہ ہے جس پر عمل کر کے بہت سی خرابیوں اور دینی و دنیاوی نقصانات سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔ علماء لکھتے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں میں بھلائی سے مراد وہ چیز ہے جس میں ثواب ہو اس صورت میں وہ کلام جس پر مباح کا اطلاق ہوتا ہو۔ بھلائی کے زمرہ میں نہیں آئے گا۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ بھلائی سے مراد وہ چیز ہے جو برائی کے مقابل ہو۔ لہٰذا اس صورت میں مباح کلام بھلائی کے زمرہ میں آئے گا ورنہ حصر غیر موزوں رہے گا۔

(۴) وعن عمرو بن عبسة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من بنی مسجد الیذکر اللہ فیہ بنی لہ بیت فی الجنۃ و من اعتق نفسا مسلمة کانت فدیتہ من جہنم ومن شاب شیبة فی سبیل اللہ کانت لہ نورا یوم القیامة (رواہ فی شرح السنۃ)

ترجمہ: حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مسجد بنائے تا کہ اس میں اللہ کا ذکر کیا جائے اس کے لیے جنت میں ایک بڑا محل بنایا جائے گا جو شخص ایک مسلمان کی جان آزاد کرے اس نفس کے بدلے میں اسے آزاد کر دیا جائے گا اور جو شخص اللہ کی راہ میں بوڑھا ہو بوڑھا ہوتا ہو تو اس کا بڑھاپا قیامت کے دن نور ہوگا۔ روایت کیا اس کو صاحب مصابیح نے شرح السنۃ میں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۵) عَنِ الْغَرِيْفِ ابْنِ عَيَّاشٍ الدَّيْلَمِيِّ قَالَ اَتَيْنَا وَاثِلَةَ بْنَ الْاَسْقَعِ فَقُلْنَا حَدِّثْنَا حَدِيْثًا لَيْسَ فِيْهِ زِيَادَةٌ وَلَا نُقْصَانٌ فَغَضِبَ وَقَالَ اِنَّ اَحَدَکُمْ لَيَقْرَأُ وَمُصْحَفُهُ مُعَلَّقٌ فِيْ بَيْتِهِ فَيَزِيْدُ وَيَنْقُصُ فَقُلْنَا اِنَّمَا اَرَدْنَا حَدِيْثًا سَمِعْتَهُ مِنَ النَّبِيِّ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَتَيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ صَاحِبٍ لَنَا اَوْجَبَ يَعْنِي النَّارَ بِالْقَتْلِ فَقَالَ اَعْتِقُوْا عَنْهُ يُعْتِقِ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ. (رواه ابوداؤد و النسائی)

ترجمہ: حضرت غریف بن دیلمی سے روایت ہے کہا میں واصلہ بن اسقع کے پاس آیا اور میں نے کہا کہ مجھے حدیث بیان کر جس میں زیادتی اور کمی نہ ہو واصلہ غصے ہوئے اور کہا کہ ایک تمہارا قرآن پڑھتا ہے اور اس کے گھر میں قرآن لٹکا ہوا ہوتا ہے اس کے باوجود بھی کمی زیادتی ہو جاتی ہے ہم نے کہا کہ اس حدیث سے ہماری مراد یہ ہے کہ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو واصلہ نے کہا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے ساتھی کے ایک مقدمہ میں آئے جس نے قتل کرنے کی وجہ سے اپنے نفس پر دوزخ کی آگ کو واجب کر لیا تھا آپ نے فرمایا اس کی طرف سے غلام آزاد کرو اللہ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے اس قاتل کا عضو آگ سے آزاد کرے گا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے۔

تشریح: حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ سمجھے کہ غریف رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ حدیث بیان کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ بعینہ روایت کئے جائیں۔ چنانچہ ان کو اس بات پر غصہ آیا اور مذکورہ بالا جواب دیا۔ لیکن حضرت غریف رضی اللہ عنہ نے اپنی بات کو وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا مطلب یہ نہیں تھا جو آپ سمجھے ہیں بلکہ ہماری مراد تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اس طرح بیان فرمائیں کہ اس کے مضمون و مفہوم میں کوئی تغیر نہ ہو اگرچہ الفاظ میں کمی بیشی ہو جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کو اس طرح بیان کرنا کہ اس کا مضمون و مفہوم بعینہ نقل ہو جائے گو الفاظ میں کچھ تضاد ہو تو جائز ہے۔

کسی غلام کے حق میں سفارش کرنا بہترین صدقہ ہے

(۶) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ الشَّفَاعَةُ بِهَا تُفَكُّ الرَّقَبَةُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل صدقہ سفارش کرنا ہے جس کے سبب گردن کو آزاد کیا جائے۔ روایت کیا اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ سفارش کر کے کسی غلام کو آزاد کرا دینا یا کوئی شخص اپنے غلام کو قتل کر دینا چاہتا ہو یا اس کو مارتا دھاڑتا ہو تو سفارش کر کے اس غلام کو بچا دینا بہترین صدقہ ہے۔

بَابُ اِعْتَاقِ الْعَبْدِ الْمُشْتَرَكِ وَشِرَاءِ الْقَرِيْبِ وَالْعِتْقِ فِي الْمَرَضِ

مشترک غلام کو آزاد کرنے قرابت دار کو خریدنے اور بیماری کی حالت میں آزاد کرنے کا بیان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا (النور: ۳۳)

مندرجہ بالا باب اور عنوان کے تحت جن مسائل اور احکام کے متعلق احادیث آئیں گی وہ مسائل و احکام تین قسم پر ہیں ایک تو عبد مشترک کے احکام و مسائل ہیں باب میں ایک عنوان اس کیلئے قائم ہے اور اس کے متعلق احادیث مذکور ہیں باب کا دوسرا عنوان یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی غلام خریدا اور وہ غلام اس خریدنے والے کا قرابت دار ثابت ہوا تو صرف خریدنے سے وہ آزاد ہو جائیگا کچھ احادیث اس عنوان سے متعلق ہیں تیسرا عنوان یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مرض الموت میں اپنے غلام کو آزاد کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ یہ تمام مسائل اور اس میں فقہاء کے اختلافات اور احادیث سے استدلالات اس باب میں بیان ہونگے نیز اس باب میں مدبر ام ولد اور مکاتب سے متعلق احادیث بھی آئیں گی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ.... مشترک غلام کو آزاد کرنے کے بارے میں ایک ہدایت

(۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعْتَقَ شِرْکًا لَہٗ فِی عَبْدٍ کَانَ لَہٗ مَالٌ یَبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ قُوِّمَ الْعَبْدُ عَلَیْہِ قِیْمَۃَ عَدْلٍ فَاُعْطِیَ شُرَکَاءُہٗ حِصَصَھُمْ وَ عَتَقَ عَلَیْہِ الْعَبْدُ وَاِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْہُ مَاعَتَقَ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنا حصہ غلام کو آزاد کرے اور آزاد کرنے والا مال دار ہو کہ اس کا مال غلام کی قیمت کو پہنچتا ہے۔ انصاف کی قیمت ان کے حصہ کی اس کے شریکوں کو دی جائے اس پر غلام آزاد ہوا۔ اگر اس کے پاس مال نہیں تو جو اس سے آزاد ہوا ہو گیا۔ (متفق علیہ)

تشریح: من اعتق شرکالہ: ''شرکاء'' کسی غلام میں کئی شرکاء میں سے کسی ایک کے حصہ کو ''شرکا'' کہا گیا ہے۔

ایک ''قن'' مطلق ہے اور دوسرا ''حر'' مطلق ہے ان دونوں کے درمیان درجات ہیں مثلاً مکاتب مدبر ام ولد اور معتق البعض ان سب کے الگ الگ احکام ہیں حضرت ابن عمر کی مذکورہ حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جب دو آدمیوں کے درمیان ایک غلام مشترک ہو اور ایک شریک نے اپنا حصہ آزاد کیا تو اب کیا ہوگا اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف: ۔ جمہور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اگر آزاد کرنے والا مالدار ہے تو اس کو چاہیے کہ شریک کے حصہ کی قیمت بھی ادا کر دے اور پورا غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائیگا اور ولاء بھی آزاد کرنے والے کو ملے گی اور اگر آزاد کرنے والا غریب ہو تو صرف اسی کا حصہ آزاد ہو جائیگا اور اس کے شریک کا حصہ غلام رہے گا ان کے ہاں غلام کے اعتاق میں تجزی جائز ہے لہٰذا آدھا آزاد ہے آدھا غلام ہے ایک دن یہ اپنے مالک کی خدمت میں گزاریگا اور ایک دن آزاد اور فارغ عیش کریگا۔

صاحبین: ۔ امام ابو یوسف اور امام محمد یعنی صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر آزاد کرنیوالا مالدار ہو تو غلام کی بقیہ آدھی قیمت دوسرے شریک کو ادا کر دیگا اور غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائیگا اور ولاء کا حق بھی اس کو ملے گا اور اگر آزاد کرنے والا غریب ہو تو غلام خود سعی و محنت کر کے پیسہ کمائیگا اور اپنی نصف قیمت شریک مالک کو دیکر آزادی حاصل کریگا اس کو استسعاء کہا جاتا ہے بہر حال صاحبین کے نزدیک ہر صورت میں غلام آزاد ہو جائیگا کیونکہ ان کے نزدیک (اعتاق تجزی) کو قبول نہیں کرتا ہے اور اس آزاد کرنے والے نے اپنے شریک کے غلام کے حصہ کو برباد کر دیا لہٰذا بطور ضمان اپنے شریک کو اس کے حصہ کی قیمت ادا کریگا اگر اس کے پاس مال ہے ورنہ غلام سے استسعاء لازم ہے۔

امام ابوحنیفہ: ۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر مشترک غلام کو آزاد کرنے والا مالدار ہو تو اس کے شریک ساتھی کو تین باتوں کا اختیار حاصل رہے گا یا تو وہ بھی اپنا حصہ آزاد کر دے ولاء میں دونوں شریک رہیں گے یا وہ آزاد کرنے والے اپنے ساتھی سے بطور تاوان اپنے حصہ کا دام لے لے اور یا غلام سے سعی کرا کر اپنا حصہ وصول کرے اگر آزاد کرنے والا خود غریب ہے تو اس کے شریک ساتھی کو دو باتوں کا اختیار حاصل رہیگا یا تو وہ بھی للہ فی سبیل اللہ اپنا حصہ آزاد کر دے اور یا غلام سے سعی کرائے اور اپنا حق وصول کرے۔

اعتاق میں تجزی کی بحث: ۔ یہ ایک الگ پیچیدہ بحث ہے کہ آیا اعتاق تجزی کو قبول کرتا ہے یا نہیں؟ جمہور کے نزدیک اعتاق تجزی کو قبول کرتا ہے امام ابوحنیفہ کے ہاں بھی اعتاق تجزی کو قبول کرتا ہے البتہ فقہی اور اجتہادی اختلاف کی وجہ سے مسئلہ میں فرق آ گیا جو اوپر بیان کیا گیا صاحبین کا مسلک یہ ہے کہ اعتاق قطعاً تجزی کو قبول نہیں کرتا یہی وجہ ہے کہ مشترک غلام کا کوئی بھی حصہ اگر کسی ایک شریک نے آزاد کر دیا تو پورا غلام اسی وقت آزاد ہو جائے گا اسی بنیادی اختلاف کی وجہ سے مسئلہ کے ثمرات اور نتائج پر اثر پڑا ہے اور فقہاء میں اختلاف آ گیا ہے یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ امام ابوحنیفہ جس اعتاق کے تجزی اور عدم تجزی کی بات فرماتے ہیں وہ اعتاق بمعنی ازالۂ ملک ہے یعنی ایک شریک کی ملک زائل ہو گئی اور دوسرے کی ملک باقی ہے اور صاحبین جس اعتاق کو غیر متجزی کہتے ہیں وہاں اعتاق بمعنی اثبات الحریۃ ہے لہٰذا جب ایک شریک نے اپنا حصہ آزاد کیا

تو پورا غلام آزاد ہوگیا اور دوسرے شریک کو نقصان پہنچا تو اس میں تضمین یا استسعاء لازم ہے ائمہ احناف کے آپس میں جو اختلاف ہے یہ درحقیقت اعتاق کی تفسیر میں ہے صاحبین نے اعتاق کی تفسیر ازالہ حریت سے کی ہے اور ازالہ حریت میں تجزی کا کوئی بھی قائل نہیں اور امام ابوحنیفہ نے اعتاق کی تفسیر ازالہ ملک سے کی ہے اور ازالہ ملک میں تجزی کے سب فقہاء قائل ہیں لہٰذا یہ اختلاف گویا لفظی اختلاف ہے یا تعبیر وتفسیر کا اختلاف ہے' اس مسئلہ کی پوری بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ جمہور کے نزدیک مشترک غلام کے آزاد کرنے والا اگر حالت یسار میں ہے تو وہ اپنے شریک کو ضمان ادا کریگا اور اگر حالت اعسار وتنگدستی میں ہے تو شریک کیلئے نہ ضمان ہے اور نہ استسعاء ہے بس جتنا غلام آزاد ہوگیا وہ حصہ آزاد رہے گا اور جتنا حصہ باقی رہ گیا وہ غلام ہے ایک دن اپنے آدھے حصے کے مالک کی خدمت کریگا اور دوسرے دن آزاد پھرے گا ان حضرات کے ہاں اعتاق تجزی کو قبول کرتا ہے امام ابوحنیفہ اس صورت میں فرماتے ہیں کہ معتق کی حالت یسار میں ان کے شریک کو تین باتوں کا اختیار حاصل ہے (۱) تضمین (۲) استسعٰی (۳) تدفی اللہ آزاد کرنا۔ اور معتق کی حالت اعسار میں اس کے شریک کو دو باتوں کا اختیار حاصل ہے۔ (۱) یا مجاناً اپنا حصہ آزاد کرے یا غلام سے استسعٰی کرائے امام صاحب کے ہاں بھی اعتاق تجزی کو قبول کرتا ہے صاحبین کے نزدیک ایک حصہ کی آزادی کی صورت میں پورا غلام ہر صورت میں آزاد ہو جائیگا کیونکہ اعتاق میں صاحبین کے ہاں تجزی نہیں ہے لہٰذا معتق پر حالت یسار میں اپنے شریک کیلئے تضمین لازم ہے اور حالت اعسار میں غلام پر سعی لازم ہے۔

چند اصطلاحی الفاظ کی تشریح:۔ اس بحث میں چند ثقیل الفاظ کی تشریح ضروری ہے تا کہ قارئین کیلئے آسانی ہو۔

(۱) تضمین:۔ اس کا معنی ضمان ادا کرنا اور تاوان بھرنا ہے مطلب یہ کہ جب مالدار ساتھی نے دوسرے ساتھی کے ساتھ شریک غلام میں اپنا حصہ آزاد کر دیا تو وہ اپنے ساتھی کے حصہ کا تاوان بھرے گا۔ (۲) استسعی:۔ یہ طلب محنت وکسب اور کمائی طلب کرنے کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ غلام آزاد کرنے والا جب تنگدست اور فقیر ہو تو اس کا دوسرا شریک ساتھی غلام سے اپنے حصے کی قیمت کے برابر کمائی وصول کریگا۔ (۳) ولاء:۔ جو شخص غلام کو آزاد کرے تو غلام کے مرنے کے بعد اس کی میراث آزاد کرنے والے کو ملتی ہے اسی میراث کا نام ولاء ہے اگر دو آدمیوں نے غلام کو آزاد کیا تو ولاء دونوں کو ملے گی۔ (۴) معتق:۔ یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے یعنی آزاد کرنے والا کسی غلام کو آزاد کرنے والے کو معتق کہتے ہیں۔ (۵) تجزی:۔ یہ لفظ یہاں اعتاق کے ساتھ استعمال ہوا ہے یہ جزء جزء اور ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے معنی میں ہے اعتاق میں تجزی ہے کا مطلب یہ ہے کہ جزوی اعتاق اور جزوی آزادی معتبر ہے۔

(۶) حالت یسار:۔ یسار مالداری کو کہتے ہیں حالت یسار یعنی مالداری کی حالت اور حالت اعسار یعنی تنگدستی کی حالت۔ (۷) مجاناً:۔ یعنی مفت آزاد کرنا۔

فقہاء کے دلائل:۔ جمہور نے فصل اول کی پہلی حدیث یعنی زیر بحث حضرت ابن عمرؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جمہور فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بالکل واضح ہے کہ اگر آزاد کرنے والا مالدار ہے تو وہ دوسرے شریک کو صرف ضمان ادا کریگا اور اگر وہ غریب ہے تو پھر غلام ہی رہے گا کوئی اور صورت نہیں ہے صاحبین نے بخاری ومسلم کی ابوہریرہ والی روایت سے استدلال کیا ہے جو اس باب کی حدیث نمبر ۲ ہے نیز صاحبین نے فصل ثانی کی حدیث نمبر ۱۰ سے بھی استدلال کیا ہے دونوں حدیثوں میں واضح طور پر مذکور ہے کہ اعتاق تجزی کو قبول نہیں کرتا ہے بلکہ آزاد کرنیوالا اگر مالدار ہے تو وہ اپنے شریک ساتھی کو تاوان ادا کریگا اور اگر فقیر ہے تو غلام سے سعی کرایا جائیگا حدیث کے الفاظ یہ ہیں (قال ان كان غنيا ضمن وان كان فقيرا سعى العبد في حصة الآخر)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور اور صاحبین دونوں کے مستدلات سے اپنا مسلک ثابت فرمایا ہے اور امام طحاوی نے بھی حضرت عمر فاروق کا ایک اثر بطور دلیل پیش کیا ہے شاہ انور شاہ صاحب نے مسند احمد کی ایک روایت اور مصنف عبدالرزاق کی ایک روایت کو امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کی تائید میں نقل کیا ہے بہر حال صاحبین کا مسلک ظاہری احادیث کے پیش نظر بہت واضح ہے اور پھر جمہور کا مسلک واضح ہے۔

صاحبین رحمہما اللہ کی مستدل حدیث

(۲) وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَعْتَقَ شِقْصًا فِي عَبْدٍ اُعْتِقَ كُلُّهُ اِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ اُسْتُسْعِيَ الْعَبْدُ غَيْرَ مَشْقُوْقٍ عَلَيْهِ. (متفق عليه)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنا حصہ غلام کا آزاد کرے اگر اسکے پاس مال ہے تو اس کا کل آزاد ہو گیا اگر اس کے پاس مال نہیں تو کوشش کروایا جائے گا اور غلام پر مشقت نہ ڈالی جائیگی۔ (متفق علیہ)

مرض الموت میں اپنے تمام غلام آزاد کر کے اپنے ورثاء کی حق تلفی نہ ہو

(۳) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَجُلًا اَعْتَقَ سِتَّةَ مَمْلُوْكِيْنَ لَهٗ عِنْدَ مَوْتِهٖ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ مَالٌ غَيْرُهُمْ فَدَعَا بِهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَزَّأَهُمْ اَثْلَاثًا ثُمَّ اَقْرَعَ بَيْنَهُمْ فَاَعْتَقَ اثْنَيْنِ وَاَرَقَّ اَرْبَعَةً وَ قَالَ لَهٗ قَوْلًا شَدِيْدًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْهُ وَ ذَكَرَ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ لَا اُصَلِّيَ عَلَيْهِ بَدَلَ وَقَالَ لَهٗ قَوْلًا شَدِيْدًا۔ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوٗدَ قَالَ لَوْ شَهِدْتُهٗ قَبْلَ اَنْ يُدْفَنَ لَمْ يُدْفَنْ فِيْ مَقَابِرِ الْمُسْلِمِيْنَ۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ ایک شخص نے مرتے وقت چھ غلام آزاد کیے ان غلاموں کے علاوہ اس کا مال نہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غلاموں کو بلایا ان کے تین حصے کیے ان کے درمیان قرعہ ڈالا دو آزاد کر دیے اور چار کو غلام ہی رکھا۔ آزاد کرنے والے کے حق میں سخت کلامی فرمائی۔ روایت کیا اس کو مسلم نے اور روایت کیا اس کو نسائی نے عمران سے اور ذکر کیا اس عبارت کو کہ میں نے قصد کیا تھا کہ اس پر نماز جنازہ نہ پڑھوں اس قول کے بدلے (قال له قولا شديدا) ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے اگر میں اس کے جنازے پر حاضر ہوتا دفن سے پہلے تو یہ مسلمان کے قبرستان میں دفن نہ کیا جاتا۔

تشریح: اعتق ستة مملوكين: مملوکین مملوک کی جمع ہے یعنی چھ غلام اس شخص نے آزاد کر دیے اور یہی چھ غلام اس کا کل سرمایہ تھا مرض الوفات میں اس کے غلاموں سے اس کے ورثہ کا حق وابستہ ہو گیا تھا اس آزادی سے اس شخص نے ورثہ کا حق ضائع کر دیا اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور پھر غلاموں کے تین حصہ بنا کر قرعہ ڈالا تو ایک تہائی میں عتق نافذ فرمایا اور دو تہائی یعنی چار کو غلام رہنے دیا۔ اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہو گیا کہ اگر کوئی شخص اپنے مرض موت میں اپنے غلاموں کو آزاد کرے اور اس کے پاس ان غلاموں کے علاوہ کوئی مال نہ ہو تو یہ عتق ایک تہائی حصہ میں نافذ ہوگا اس میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے البتہ یہ مسئلہ کہ کون کون سے غلام آزاد ہونگے اور آزادی کی صورت وکیفیت کیا ہوگی اس میں اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:۔ جمہور فرماتے ہیں کہ مجموعہ غلاموں کو تین تہائی پر تقسیم کیا جائے گا اور پھر ایک تہائی کی آزادی کے تعیین کیلئے قرعہ ڈالا جائیگا مثلاً چھ غلاموں کی تین تہائی بنا کر قرعہ کے ذریعہ سے ایک تہائی یعنی دو آزاد ہو جائیں گے اور دو تہائی یعنی چار بدستور سابق غلام رہیں گے جو ورثاء کو ملیں گے جیسا کہ عمران بن حصین کی اس روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ صورت میں جتنے غلام ہونگے ہر ہر غلام کی ایک ایک تہائی آزاد ہو جائیگی اور باقی دو ثلث کی آزادی میں غلام خود سعی و محنت کر کے کمائیگا اور رقم ادا کر مالک کو ادا کریگا اور اپنے آپ کو چھڑائے گا گویا مرض الموت کا یہ اعتاق میت کے ثلث مال میں نافذ سمجھا جائیگا اور یہ ثلث کل مال میں شائع ہوگا۔

دلائل:۔ جمہور نے حضرت عمران بن حصین کی روایت سے استدلال کیا ہے جو ظاہری الفاظ کے لحاظ سے اپنے مدعا پر واضح دال ہے امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ قرعہ اندازی اثبات حق کیلئے نہیں ہوتی ہے بلکہ تطییب خاطر کیلئے ہوتی ہے ہاں ابتداء اسلام میں قرعہ اندازی اثبات حکم کیلئے ہوتی تھی مگر بعد میں جب جوا حرام قرار دیا گیا تو قرعہ اندازی کا یہ حکم بھی موقوف ہو گیا اب قرعہ اندازی صرف مقرر حصص کی تعیین کیلئے تطییب خاطر کی خاطر باقی ہے اثبات حق کے حق میں منسوخ ہے امام طحاوی نے قرعہ اندازی کی اس صورت کے منسوخ ہو جانے پر بہت دلائل پیش کئے ہیں مصنف عبدالرزاق کی ایک روایت بھی اس نسخ پر دال ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں (روى عبدالرزاق باسناد ورجاله ثقات ان رجلا من بنى عذرة اعتق مملوكاله عند موته وليس له مال غيره فاعتق رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلثه وامره ان يسعى فى الثلثين) اسی طرح مسند احمد کی ایک حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ہر غلام کا ایک ثلث آزاد ہوگا۔

جواب:۔اس حدیث کا تعلق حرمت قمار سے پہلے کے زمانہ سے ہے جب قمار کی حرمت کا حکم آیا تو اثبات حق کیلئے قرعہ اندازی کا حکم بھی حرام ٹھہرا قرآن وحدیث میں قمار کی حرمت کوئی پوشیدہ امر نہیں ہے لہذا اثبات حق کیلئے قرعہ اندازی کا حکم منسوخ ہوگیا ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا واقعہ ایک جزئی واقعہ ہے اس کو ضابطہ نہیں بنایا جاسکتا حدیث میں کئی احتمالات بھی ہوسکتے ہیں اور اس کے الفاظ میں اضطراب بھی ہے بعض میں آزاد کرنے کے اور بعض میں مدبر بنانے کے الفاظ ہیں بعض میں چھ غلاموں کا ذکر ہے اور بعض میں ایک غلام کا ذکر ہے۔

غلام باپ کو خریدنے کا مسئلہ

(۴) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَایَجْزِیْ وَلَدٌ وَالِدَهٗ اِلَّا اَنْ یَّجِدَهٗ مَمْلُوْکًا فَیَشْتَرِیَهٗ فَیُعْتِقَهٗ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے باپ کے احسان کا بدلہ کوئی لڑکا نہیں دے سکتا مگر اس صورت میں کہ اس کا باپ غلام ہو اس کو خرید کر آزاد کردے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: فیعتقه: اگر کوئی شخص اپنے کسی ذی رحم محرم یا خصوصا باپ کا مالک بن جائے اور وہ کسی طریقہ سے اس کی ملکیت میں آجائے تو وہ آزاد ہوکر رہے گا اس میں تو کسی کا اختلاف نہیں البتہ اس آزادی کی کیفیت اور تفصیل میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:۔ اہل ظواہر غیر مقلدین حضرات کے نزدیک ذی رحم محرم صرف خریدنے سے آزاد نہیں ہوگا بلکہ خریدنے کے بعد آزاد کرنا پڑے گا تب جا کر آزاد ہوجائے گا جمہور فقہاء کے نزدیک صرف مالک بننے سے آزاد ہوجائے گا آزاد کرنے کی ضرورت نہیں۔

دلائل:۔ اہل ظواہر حضرت ابو ہریرہؓ کی زیر نظر روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں (فیعتقه) کے الفاظ میں فا تعقیب مع الوصل کیلئے ہے یعنی پہلے خرید لیا اور خریدنے کے بعد بیٹے نے باپ کو آزاد کردیا معلوم ہوا کہ صرف مالک بننے سے آزاد نہیں ہوتا ہے بلکہ مالک بننے کے بعد آزاد کرنا ضروری ہے۔ جمہور فقہاء نے حضرت سمرہؓ کی آنے والی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں (من ملک ذا رحم محرم فهو حر) اسی طرح حضرت ابن عمر کی روایت ہے جس کو امام نسائی نے نقل کیا ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں (عن ابن عمر انه علیه السلام قال من ملک ذا رحم محرم عتق علیه) ان دونوں حدیثوں میں نفس ملک پر اعتاق کا حکم لگایا گیا ہے مستقل آزادی کا کوئی ذکر نہیں ہے معلوم ہوا صرف مالک بننا ہی آزادی کیلئے کافی ہے۔

جواب:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں (فیعتقه) میں فا سببیت کیلئے ہے اس صورت میں ترجمہ اس طرح ہوگا کہ وہ اپنے باپ کو غلام پائے اور اس کو اس لئے خرید لے تا کہ اس کو آزاد کرے۔

مدبر غلام کو بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ دَبَّرَ مَمْلُوْکًا وَلَمْ یَکُنْ لَهٗ مَالٌ غَیْرُهٗ فَبَلَغَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ یَشْتَرِیْهِ مِنِّیْ فَاشْتَرَاهُ نُعَیْمُ بْنُ النَّحَّامِ بِثَمَانِ مِائَةِ دِرْهَمٍ. مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَ فِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ فَاشْتَرَاهُ نُعَیْمُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ الْعَدَوِیُّ بِثَمَانِ مِائَةِ دِرْهَمٍ فَجَاءَ بِهَا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَدَفَعَهَا اِلَیْهِ ثُمَّ قَالَ ابْدَأْ بِنَفْسِکَ فَتَصَدَّقْ عَلَیْهَا فَاِنْ فَضَلَ شَیْءٌ فَلِاَهْلِکَ فَاِنْ فَضَلَ عَنْ اَهْلِکَ شَیْءٌ فَلِذِیْ قَرَابَتِکَ فَاِنْ فَضَلَ عَنْ ذِیْ قَرَابَتِکَ شَیْءٌ فَهٰکَذَا وَ هٰکَذَا یَقُوْلُ فَبَیْنَ یَدَیْکَ وَعَنْ یَمِیْنِکَ وَعَنْ شِمَالِکَ۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے انصار میں سے غلام کو مدبر (پیچھے چھوڑا) کیا اس کے پاس اس غلام کے سوا کوئی مال نہ تھا یہ خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون شخص ہے جو مجھ سے اس کو خرید لے۔ نعیم بن

نحام نے اس کو آٹھ سو درہموں میں خریدا۔ روایت کیا اس کو بخاری نے اور مسلم نے۔ مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ نعیم بن عبداللہ عدوی نے آٹھ سو درہم میں خریدا تو وہ آٹھ سو درہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ درہم اس شخص کو دیئے فرمایا اس کو اپنی جان پر خرچ کر تو ثواب حاصل کر اس کے سبب سے اگر بچ رہے تو اپنے اہل وعیال پر خرچ کر پھر بچ رہے تو تیرے رشتہ داروں کے لیے ہے پھر اگر بچ جائے تو اپنے دائیں اور بائیں والوں پر۔

تشریح: دبر مملوکا: غلام کو مدبر بنانا اس طرح ہوتا ہے کہ مالک اپنے غلام سے کہہ دے کہ تم میری موت کے بعد آزاد ہو (یعنی اثبات العتق عن دبر) مدبر دو قسم پر ہے ایک مدبر مطلق ہے دوسرا مدبر مقید ہے مدبر مطلق وہ ہوتا ہے کہ مالک اس کو یہ کہہ دے کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو اور مدبر مقید وہ ہوتا ہے کہ مالک اس کو یوں کہہ دے کہ میری اس موجودہ بیماری میں اگر میں مر گیا تو تم آزاد ہو اب مدبر مطلق کے بیچنے یا نہ بیچنے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:۔ امام شافعی اور امام احمد بن محمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ مدبر کا فروخت کرنا جائز ہے امام ابوحنیفہ اور امام مالک فرماتے ہیں کہ ایسا غلام جو مدبر ہو اس کا آزاد کرنا تو جائز ہے لیکن اس کا فروخت کرنا یا کسی کو ہبہ کرنا یا کسی طور پر اپنے ملک سے نکال کر دوسرے کی ملک میں دینا جائز نہیں ہاں اپنے پاس بطور خادم وغلام رکھ سکتا ہے اگر لونڈی ہے تو اس سے جماع بھی کر سکتا ہے اور دوسرے کے نکاح میں بھی دے سکتا ہے لیکن اپنی ملک سے نکالنا جائز نہیں مدبر مقید کا حکم اس سے مختلف ہے اس کا فروخت کرنا جائز ہے ہبہ کرنا جائز ہے اپنے پاس رکھنا بھی جائز ہے اور اپنی ملک سے نکالنا بھی جائز ہے اور مالک کی موت سے مدبر مقید بھی اسی طرح آزاد ہوگا جس طرح کہ مدبر مطلق آزاد ہوتا ہے۔

دلائل:۔ شوافع وحنابلہ نے زیر بحث حضرت جابر کی روایت سے استدلال کیا ہے جس کے الفاظ بالکل واضح ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (من يشتريه) حضرت نعیم کے بارے میں ہے کہ (فاشتراه) تو اس خرید وفروخت میں کوئی شبہ نہیں ہے لہٰذا مدبر کی بیع جائز ہے ائمہ احناف اور مالکیہ نے حضرت ابن مسعودؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمان وغیرہ اکثر صحابہ وتابعین کی روایات وآثار سے استدلال کیا ہے چنانچہ بدائع صنائع میں امام ابوحنیفہ کا یہ مقولہ منقول ہے آپ نے فرمایا (لولا قول هؤلاء الاجلة لقلت بجواز بيع المدبر) اگر علم کے ان پہاڑوں کا قول سامنے نہ ہوتا تو میں مدبر کی بیع کے جواز کا فتویٰ دیتا احناف ومالکیہ نے دار قطنی کی ایک روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں (المدبر لا يباع ولا يوهب وهو حر من ثلث المال) (بحوالہ نصب الرایہ جلد۳ صفحہ ۲۸۵) یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے لیکن غیر مدرک بالقیاس کی صورت میں موقوف حدیث مرفوع کے حکم میں ہو جاتی ہے۔

جواب:۔ مذکورہ حدیث سے ایک جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مدبر مقید پر محمول ہے اور مدبر مقید کی بیع میں ہمارا اختلاف نہیں ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مدبر کی مدبریت ختم فرمائی اور اس کے بعد اسے فروخت کیا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں بیع کا اطلاق اجارہ پر ہوا ہے اور اجارہ پر بیع کا اطلاق ہوتا رہتا ہے تو یہاں بیع سے بیع الخدمۃ یعنی اجارہ مراد ہے اور بعض روایات سے ثابت ہے کہ اس مدبر کو آٹھ درہم اجارہ پر دیا تھا (نصب الرایہ جلد۳ صفحہ ۲۸۶)

تنبیہ:۔ مشکوٰۃ شریف کے تمام نسخوں میں یہاں نعیم بن نحام لکھا ہوا ہے شارحین کہتے ہیں کہ یہ کاتب کی غلطی ہے کیونکہ نعیم اس صحابی کا نام ہے اور نحام ان کا لقب ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جنت میں جب داخل ہوا تو میں نے نعیم کا (نحمۃ) سنا نحمہ دبی ہوئی آواز یا کھانسنے کھنکھارنے کی آواز کو کہتے ہیں اسی سے ان کا لقب نحام پڑ گیا اور ان کے والد کا نام عبداللہ ہے حضرت نعیم مکہ مکرمہ میں مسلمان ہوئے تھے پھر صلح حدیبیہ کے زمانہ میں مدینہ ہجرت فرمائی آپ کے ساتھ خاندان کے چالیس افراد بھی تھے آپ سرزمین شام میں ایک غزوہ میں شہید ہو گئے تھے (مرقات ملا علی قاری)

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ ... ذی رحم محرم ملکیت میں آتے ہی آزاد ہو جاتا ہے

(۶) وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ فَهُوَ حُرٌّ (رواه الترمذي و ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ سمرہ سے روایت کرتے ہیں سمرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے فرمایا جو ذی رحم محرم کا مالک ہو وہ آزاد ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے۔

تشریح: من ملک ذا رحم محرم: ذی رحم محرم سے وہ لوگ مراد ہیں جن کا آپس میں کبھی بھی نکاح نہیں ہوسکتا مثلاً چچا، بھتیجی، پھوپھی، خالہ، نانا، نانی، دادا، دادی اصول وفروع اب فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ کونسی قرابت موجب حریت ہے اور کون سی نہیں ہے۔

فقہاء کا اختلاف:۔ امام شافعی کے ہاں قرابت ولادت یعنی اصول وفروع موجب حریت ہے لہٰذا یہ حریت آباء واجداد امہات اور جدات اوپر تک اور ابناء وبنات نیچے تک میں ثابت ہوگی اور قرابت اخوت وغیرہ میں حریت ثابت نہیں ہوگی احناف ومالکیہ اور حنابلہ جمہور فرماتے ہیں کہ ہر قسم کی قرابت والا جب اپنے ذی رحم محرم کا مالک بنے گا تو وہ غلام آزاد ہو جائے گا خواہ قرابت ولادت ہو یا قرابت اخوت ہو۔

دلائل:۔ شوافع حضرات فرماتے ہیں کہ مالک وآقا کی رضامندی کے بغیر صرف خریدنے سے غلام کا آزاد ہو جانا خلاف القیاس ہے لیکن قرابت ولادت یعنی اصول وفروع میں یہ حکم خلاف القیاس ثابت ہوگیا ہے لہٰذا یہ نص اپنے مورد میں بند ومنحصر ہوگی تو اصول وفروع کے سوا اخوت وغیرہ کو شامل نہیں ہوگی جمہور نے حضرت سمرہؓ کی زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے جو اپنے مفہوم ومضمون میں مطلق ہے جہاں ذی رحم محرم کے الفاظ آئے ہیں لہٰذا اس مطلق کو اپنے اطلاق پر جاری رکھنا ہوگا اس میں قرابت ولادت کی کوئی تخصیص نہیں ہے تو اصول وفروع اور اخوت وغیرہ سب کو شامل رہے گی شوافع کو جواب یہ ہے کہ جب صریح حدیث موجود ہے تو قیاس کی کیا ضرورت ہے۔

ام ولد، اپنے آقا کی وفات کے بعد آزاد ہو جاتی ہے

(۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا وَلَدَتْ أَمَةُ الرَّجُلِ مِنْهُ فَهِيَ مُعْتَقَةٌ عَنْ دُبُرٍ مِنْهُ أَوْ بَعْدَهُ (رواه الدارمی)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی لونڈی بچہ جنے اس مرد کا تو وہ اس کے مرنے کے پیچھے آزاد ہو جائے گی۔ (روایت کیا اس کو دارمی نے)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو لونڈی اپنے مالک کے بچہ کو جنم دے وہ اس مالک کے مرنے کے بعد آزاد ہو جاتی ہے وہ مالک کی زندگی میں آزاد نہیں ہوتی لیکن مالک اس لونڈی کو نہ تو فروخت کرسکتا ہے اور نہ ہبہ کرسکتا ہے۔ اس مسئلہ پر علماء کا اجماع واتفاق ہے اس کے برخلاف جو روایت منقول ہے وہ منسوخ ہے۔ اس کی تفصیل اگلی حدیث کے ضمن میں آرہی ہے۔

(۸) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ بِعْنَا أُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ أَبِيْ بَكْرٍ فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ نَهَانَا عَنْهُ فَانْتَهَيْنَا (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ہم نے وہ لونڈیاں جو بچوں والی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور ابوبکر صدیق کے زمانہ میں فروخت کیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے ہم کو منع کیا اور ہم کو روک دیا۔ (ابوداؤد)

تشریح: اذا ولدت امة الرجل: ام ولدہ اس باندی کو کہتے ہیں کہ مولیٰ کے جماع کرنے سے اس کا بچہ پیدا ہوگیا ہو ام ولدہ کے فروخت کرنے نہ کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:۔ اہل ظواہر غیر مقلدین حضرات فرماتے ہیں کہ ام ولدہ کا بیچنا جائز ہے لیکن جمہور فقہاء وتابعین کے نزدیک ام ولدہ کا بیچنا جائز نہیں ہے شیخ ابن قدامہ نے عدم جواز پر صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے۔

دلائل:۔ اہل ظواہر حضرت جابرؓ کی حدیث نمبر ۸ سے استدلال کرتے ہیں کہ (بعنا امهات الاولاد علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم) جمہور حضرت ابن عباس کی حدیث نمبر ۷ سے استدلال کرتے ہیں جس میں (فهی معتقة) کے الفاظ آئے ہیں تو جب بچہ جنم لینے سے ام ولدہ آزاد ہوگئی اور اس پر عتق کا حکم لگ گیا تو پھر اس کا فروخت کرنا کیسے جائز ہوگا جمہور کی دوسری دلیل حضرت ماریہ قبطیہ کا واقعہ ہے یہ حضور

اکرم کی باندی تھیں جو مقوقس بادشاہ نے بطور تحفہ مصر سے آپ کی خدمت کیلئے بھیجی تھی ان کے بطن سے جب ابراہیم پیدا ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اعتقها ولدها) (ابن ماجہ ودار قطنی)

جمہور کی تیسری دلیل زیر بحث حضرت جابرؓ کی حدیث نمبر ۸ ہے جس میں امہات اولاد کے بیچنے کی ممانعت حضرت عمر نے صحابہ کرام سے مشورہ کے بعد فرمائی تمام صحابہ کرام نے قبول فرمایا تو عدم جواز پر صحابہ کا اجماع ہو گیا اہل ظواہر اکثر و بیشتر ان مسائل کا انکار کرتے ہیں جو صحابہ کرام کے عہد مبارک میں منضبط ہو گئے ہوں تین طلاقوں کی بحث میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

جواب:۔ اہل ظواہر کو جواب یہ ہے کہ پہلے ام ولدہ کا فروخت کرنا جائز تھا پھر منسوخ ہو گیا صدیق اکبر کا عہد مختصر تھا داخلی اور بیرونی خطرات تھے اس لئے آپ مسائل کے منضبط کرنے کیلئے فارغ نہیں تھے پھر عمر فاروقؓ کے زمانہ میں ام ولدہ کے فروخت کرنے پر پابندی لگی اور عدم جواز کا عام اعلان ہو گیا عمر فاروق کے دور کا یا ایک واقعہ نہیں بلکہ اس طرح کے کئی واقعات پیش آئے ہیں یہ صحابہ کرام کے مشورہ اور اتفاق سے ہوتا تھا جو اجماع امت کی حیثیت رکھتا ہے۔

اگر آزادی کے وقت غلام کے پاس کچھ مال ہو تو آقا کی اجازت سے وہ اس مال کا مالک ہوگا

(۹) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعْتَقَ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ فَمَالُ الْعَبْدِلَهُ اِلَّا اَنْ يَشْتَرِطَ السَّيِّدُ. (رواه ابوداؤد و ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص غلام آزاد کرے اور اس کے پاس مال ہو وہ مال غلام کا ہے مگر یہ کہ شرط کرے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے)

تشریح: وله مال: یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ بات طے شدہ ہے کہ غلام کسی مال کا مالک نہیں ہوتا اس کی ملکیت میں جو کچھ ہوگا وہ مولی کا ہوگا پھر یہاں کیسے فرمایا (وله مال) اس کا جواب یہ ہے کہ یہ غلام مثلاً ماذون ہو کہ مولی نے ذاتی کمائی کی اجازت دے رکھی ہو اور اس نے محنت مزدوری کر کے مال اکٹھا کیا ہو تو آزادی کے وقت یہ مال آیا غلام کا ہوگا یا مولی کا ہوگا اس میں اختلاف ہے

فقہاء کا اختلاف:۔ امام مالکؒ حسن بصریؒ اہل ظواہر وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ مال غلام کا ہے اس کو ملے گا جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ غلام کے عتق کے وقت جو مال غلام کے پاس ہے وہ اسکے مولی کا ہے ہاں اگر اس وقت مولی یہ کہدے کہ یہ مال غلام کا ہوگا تو یہ اس مولی کی طرف سے غلام کیلئے صدقہ اور ہبہ ہے۔

دلائل:۔ امام مالک وغیرہ حضرات نے زیر بحث حضرت عمرؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے طرز استدلال اس طرح ہے کہ (فمال العبدله) کی ضمیر (عبد) کی طرف لوٹتی ہے اور چونکہ عبد قریب بھی ہے لہذا ضمیر کا حق بھی یہی ہے کہ (العبد) کی طرف راجع کیا جائے مطلب حدیث کا اس طرح ہو جائے گا بس غلام کا وہ مال غلام ہی کا ہے ہاں اگر مولی یہ شرط لگائے کہ غلام کا مال میرا رہے گا تو اس کی شرط مانی جائے گی ان حضرات نے مسند احمد کی ایک روایت سے بھی استدلال کیا ہے حضرت ابن عمرؓ ہی کی روایت ہے (عن ابن عمر عن النبی صلی الله علیه وسلم قال من اعتق عبدا وله مال فالمال للعبد) (رواہ احمد) اس روایت میں کوئی ضمیر نہیں بلکہ تصریح ہے کہ مال غلام کو ملے گا

جمہور فقہاء نے بھی زیر بحث حضرت ابن عمرؓ کی حدیث نمبر ۹ سے استدلال کیا ہے طرز استدلال اس طرح ہے کہ (فمال العبدله) میں لہ کی ضمیر مولی کی طرف راجع ہے مطلب یہ ہوا کہ غلام کا مال مولی ہی کو ملے گا ہاں اگر مولی یہ شرط لگائے کہ یہ مال غلام کو ملے گا تو پھر مال غلام کا ہوگا اور مولی کی طرف سے یہ ہبہ اور صدقہ ہو جائیگا جمہور نے بخاری و مسلم کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں (من باع عبدا وله مال فماله للبائع) اس روایت سے زیر بحث حدیث کی تشریح و تفسیر بھی ہو گئی کہ (فمال العبدله) میں لہ کی ضمیر مولی کی طرف راجع ہے جمہور نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ (وعن ابن مسعود قال سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول من اعتق عبد افماله للذی اعتق) (بیہقی) ملا علی قاری نے مرقات میں حضرت ابن مسعود سے دیگر روایات بھی جمہور کے حق میں نقل فرمائی ہیں۔

جواب:۔ مالکیہ اور اہل ظواہر نے مسند احمد کی جو روایت حضرت ابن عمرؓ کی نقل کی ہے ملا علی قاری فرماتے ہیں یہ روایت خطاء ہے (قیل الحدیث خطا) لہٰذا وہ قابل استدلال نہیں ہے باقی زیر بحث حدیث میں لہ کی ضمیر مولیٰ کی طرف راجع ہے تو یہ جمہور کا مستدل ہے بندہ عرض کرتا ہے کہ زیر بحث حدیث میں (ان یشترط السید) کے الفاظ اس توجیہ سے بظاہر موافقت نہیں کھاتے اسلوب کلام کا تقاضا ہے کہ ضمیر غلام کی طرف لوٹ جائے۔ واللہ اعلم۔

آزادی جزوی طور پر واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

(۱۰) وَعَنْ اَبِی الْمَلِیْحِ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ رَجُلاً اَعْتَقَ شِقْصًا مِنْ غُلاَمٍ فَذُکِرَ ذٰلِکَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَیْسَ لِلّٰهِ شَرِیْکٌ فَاَجَازَ عِتْقَهٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ملیح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ ایک شخص نے اپنے غلام کا حصہ آزاد کیا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا گیا فرمایا خدا کے لیے کوئی شریک نہیں آپ نے اس کے آزاد ہونے کی اجازت فرمائی۔ (ابوداؤد)

تشریح: لیس للّٰہ شریک: مطلب یہ ہے کہ کسی عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرنا چاہیے اور اعتاق عبادت ہے لہٰذا جب کوئی شخص آدھے غلام کو آزاد کرتا ہے اور آدھے کو غلام رکھتا ہے تو گویا یہ شخص اس غلام میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ہو گیا آدھا اللہ کا ہے اور آدھا اس کا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے تو یہ عمل مناسب نہیں ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتاق تجزی کو قبول نہیں کرتا ہے اور یہی صاحبین کا مسلک ہے مگر جمہور اور امام ابوحنیفہ سب کے نزدیک اعتاق تجزی کو قبول کرتا ہے ان کے ہاں اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے غلام کو آزاد کرنے کی ترغیب دی ہے کہ جب آزاد کرتا ہے تو پھر پورا ثواب کما لو۔

مشروط آزادی کا ایک واقعہ

(۱۱) وَعَنْ سَفِیْنَةَ قَالَ کُنْتُ مَمْلُوْکًا لِاُمِّ سَلَمَةَ فَقَالَتْ اُعْتِقُکَ وَاَشْتَرِطُ عَلَیْکَ اَنْ تَخْدُمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَاعِشْتَ فَقُلْتُ اِنْ لَّمْ تَشْتَرِطِیْ عَلَیَّ مَافَارَقْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَاعِشْتُ فَاَعْتَقَتْنِیْ وَاشْتَرَطَتْ عَلَیَّ۔ (رواہ ابوداؤد و ابن ماجۃ)

ترجمہ: حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں ام سلمہ کا غلام تھا۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں تجھ کو اس شرط پر آزاد کرتی ہوں کہ تو جب تک زندہ رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا رہے میں نے کہا اگر تو یہ شرط نہ بھی کرتی تب بھی میں زندگی تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا رہتا۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے مجھ کو آزاد کر دیا اور یہ شرط لگائی۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے)

تشریح: حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے لیکن بعض حضرات یہ فرماتے تھے کہ یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ تھیں پھر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو مذکورہ بالا شرط کے ساتھ آزاد کر دیا تھا۔ سفینہ کا اصل نام مہران یا رومان اور یا رباح تھا ان کی کنیت ابو عبدالرحمن یا ابوالبختری تھی۔ سفینہ ان کا لقب تھا اور اسی نام کے ساتھ زیادہ مشہور تھے۔ اس لقب کا پس منظر یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کی خدمت کرا کرتے تھے جب غزوات میں جاتے تو لوگوں کا سامان اپنی پیٹھ پر لاد کر ادھر ادھر پہنچاتے تھے۔ سفینہ کشتی کو کہتے ہیں جس طرح کشتی بار برداری کے کام آتی ہے اس طرح یہ بھی لوگوں کے بوجھ ڈھوتے تھے۔ اسی اعتبار سے ان کا لقب سفینہ ہو گیا۔ منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سفینہ اسلامی لشکر کے ہمراہ تھے کہ قافلہ سے بچھڑ گئے اور جنگل میں راستہ بھول گئے۔ وہ راستہ کی تلاش میں سرگرداں تھے کہ اتنے میں قریب کی جھاڑیوں سے ایک شیر نمودار ہوا اور ان کے سامنے آ گیا۔ انہوں نے شیر کو دیکھتے ہی کہا کہ ابوالحارث! میں سفینہ ہوں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام ہے؟ یہ سنتے ہی شیر دم ہلانے لگا اور پھر ان کے آگے ہو لیا اور ان کو منزل مقصود تک پہنچا دیا۔

مکاتب جب تک پورا بدل کتابت ادا نہ کر دے غلام ہی رہے گا

(۱۲) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُكَاتَبُ عَبْدٌ مَابَقِيَ عَلَيْهِ مِنْ مُكَاتَبَتِهٖ دِرْهَمٌ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اپنے باپ شعیب سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مکاتب اس وقت تک غلام ہے جب تک اس کی مکاتبت سے ایک درہم بھی باقی ہو۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جس کو اس کا مالک یہ لکھ کر دے دے کہ جب تم اتنے روپے ادا کرو گے آزاد ہو جاؤ گے۔ چنانچہ اس کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ مالک نے اس کی آزادی کیلئے جتنے روپے مقرر کئے ہیں جب تک وہ پورے مالک کو ادا نہ ہو جائیں گے۔ وہ مکاتب غلام ہی رہے گا۔ اگر اس مقدار میں سے مثلاً ایک روپیہ بھی باقی رہ گیا تھا تو وہ آزاد نہیں ہوگا۔ یہ نہیں ہوگا کہ اس نے جتنا روپیہ مالک کو ادا کر دیا ہے اس کے حساب سے اس کا کچھ حصہ آزاد ہو جائے اور جو روپیہ باقی رہ گیا اس کے مطابق کچھ حصہ غلام رہے۔

عورتوں کو اپنے مکاتب غلام سے پردہ کا حکم

(۱۳) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ عِنْدَ مُكَاتَبِ اِحْدَاكُنَّ وَفَاءٌ فَلْتَحْتَجِبْ مِنْهُ (رواه الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے مکاتب غلام کے پاس اتنے پیسے ہوں کہ وہ مکاتبت ادا کر سکے تو اس سے پردہ کرنا چاہیے۔ روایت کیا اس کو ترمذی ابوداؤد اور ابن ماجہ نے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مکاتب نے جب تک پورا بدل کتابت ادا نہیں کر دیا۔ غلام اور محرم ہے اس سے پردہ کرنا ضروری نہیں ہے اگر اس کے پاس اتنا مال و زر ہو گیا ہے جس سے وہ اپنا پورا بدل کتابت ادا کر سکتا ہے تو از راہ تقوی و احتیاط اس سے پردہ کرنا چاہئے کیونکہ جب وہ پورا بدل کتابت ادا کرنے کی قدرت و استطاعت رکھتا ہے تو گویا اس نے واقعی اپنا بدل کتابت ادا کر دیا ہے۔

اس حدیث کے سلسلہ میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم مخصوص طور پر اپنی ازواج مطہرات کیلئے فرمایا تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد لستن کا حد من النسآء کے مطابق ازواج مطہرات کا پردہ بھی دوسری عورتوں کی بہ نسبت زیادہ سخت تھا۔

مکاتب کی طرف سے بدل کتابت کی جزوی عدم ادائیگی کا مسئلہ

(۱۴) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَاتَبَ عَبْدَهٗ عَلٰى مِائَةِ اُوْقِيَّةٍ فَاَدَّاهَا اِلَّا عَشْرَةَ اَوَاقٍ اَوْقَالَ عَشْرَةَ دَنَانِيْرَ ثُمَّ عَجَزَ فَهُوَ رَقِيْقٌ. (رواه الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے غلام سے سو اوقیہ پر مکاتبت کی وہ سب ادا کر دیے مگر دس اوقیہ ادا نہ کیے یا فرمایا دس دینار پھر اس کی ادائیگی سے وہ عاجز آ گیا تو وہ غلام ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی ابوداؤد اور ابن ماجہ نے۔

تشریح: ابن ملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مکاتب کا اپنے بدل کتابت کے کچھ حصے کی ادائیگی سے قاصر رہنا پورے بدل کتابت کی ادائیگی سے قاصر رہنا ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں مالک کو اس کی کتابت فسخ کر دینے کا حق حاصل ہو جاتا ہے اور فسخ کتابت کے بعد وہ مکاتب بدستور غلام رہتا ہے۔ نیز حدیث کے الفاظ فهو رقيق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس

مکاتب نے اپنے بدل کتابت کا جو کچھ حصہ مالک کو ادا کر دیا ہے وہ اس مالک ہی کی ملکیت رہے گا۔

(۱۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَصَابَ الْمُكَاتَبُ حَدًّا أَوْمِيرَاثًا وَرِثَ بِحِسَابِ مَاعَتَقَ مِنْهُ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ قَالَ يُوْدِي الْمُكَاتَبُ بِحِصَّةِ مَا أَدَّى دِيَةَ حُرٍّ وَمَا بَقِيَ دِيَةَ عَبْدٍ وَضَعَّفَهُ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا جس وقت مکاتب دیت یا میراث کا مستحق ہو تو جتنا وہ آزاد ہے اتنا ہی وارث ہوگا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور ترمذی نے ترمذی کی ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مکاتب اپنی ادا کی ہوئی کتابت کے بدلے حصہ دیا جائے آزاد کی دیت سے باقی دیت غلام کی اس کو ترمذی نے ضعیف کہا۔

تشریح: اصاب حدا او میراثا: یعنی دیت یا میراث کا مستحق ہو جائے (اصاب) پانے اور مستحق بننے کے معنی میں ہے (ورث) حسب کے وزن پر معلوم کا صیغہ ہے بعض نسخوں میں مجہول بھی ہے (بحسب) یہ لفظ حساب اور مقدار کے معنی میں ہے (وفی روایۃ لہ) یہ ضمیر ترمذی کی طرف لوٹتی ہے (یودی) یہ مجہول کا صیغہ ہے ودی یدی دیۃ سے ہے یہاں بمعنی دینے کے معنی میں ہے (ادی) یہ دال مشدد کے ساتھ ادا کرنے کے معنی میں ہے (دیۃ حر) یہ منصوب ہے اور یُودی کیلئے مفعول بہ ہے اور (ما ادی) کا مفعول بہ محذوف ہے جو انجم ہے جس کا معنی حصہ اور قسط ہے اور (دیۃ عبد) بھی منصوب ہے اصل عبارت اس طرح ہے (ای یعطی المکاتب دیۃ حر بحساب ما اداہ من النجوم ویعطی دیۃ العبد بحساب ما بقی علیہ) یعنی مکاتب کو اپنی آزادی کے حساب میں اتنا مال دیا جائے گا جتنا کہ اس نے اپنی آزادی میں مال ادا کیا ہے اور جتنا غلامی کا حصہ رہ گیا ہے اسی حساب سے اس کو دیت سے دیا جائے گا اس حدیث کو ایک مثال کے ذریعہ سے سمجھنا چاہیے کہ مثلاً زید مکاتب تھا اس نے آدھا بدل کتابت ادا کر دیا تھا کہ اس کا باپ مر گیا اور یہ واحد تنہا وارث تھا تو باپ کی میراث میں سے آدھی میراث زید کو ملے گی یہ میراث کی مثال ہوئی دیت کی مثال اس طرح ہے کہ مثلاً اس مکاتب نے اپنے بدل کتابت کا آدھا مال ادا کر دیا تھا کہ اس کو کسی نے قتل کر دیا اب اس مکاتب کے ورثاء کو اس کی دیت سے آدھا مال ملے گا اور آدھا مال اس مکاتب کے مالک کو ملے گا گویا غلامی کا جو حصہ تھا اس کی دیت مالک کو ملے گی اور آزادی کا جو حصہ تھا اس کی دیت ورثاء کو ملے گی بہر حال اس حدیث پر صرف ابراہیم نخعی نے عمل کیا ہے باقی جمہور فقہاء کے نزدیک یہ حدیث معمول بہ نہیں ہے بلکہ وہ حدیث معمول بہ ہے جس میں آیا ہے کہ (المکاتب عبد مابقی علیہ من مکاتبتہ درھم)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ.... مالی عبادت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے

(۱۶) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّ أُمَّهُ أَرَادَتْ أَنْ تُعْتِقَ فَأَخَّرَتْ ذٰلِكَ إِلَى أَنْ تُصْبِحَ فَمَاتَتْ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ فَقُلْتُ لِلْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ أَيَنْفَعُهَا أَنْ أُعْتِقَ عَنْهَا فَقَالَ الْقَاسِمُ أَتَى سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ أُمِّي هَلَكَتْ فَهَلْ يَنْفَعُهَا أَنْ أُعْتِقَ عَنْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ (رواہ مالک)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن ابوعمرانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس کی ماں نے غلام آزاد کرنے کا ارادہ کیا پھر اس کے آزاد کرنے میں دیر لگائی صبح تک پھر وہ مرگئی۔ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ کو کہا اگر میں اپنی ماں کی طرف سے آزاد کر دوں تو کیا اس کو نفع دے گا قاسم نے کہا سعد بن عبادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے کہا کہ میری ماں مرگئی ہے اگر میں اس کی طرف سے غلام آزاد کر دوں کیا اس کو نفع دے گا فرمایا ہاں اس کو نفع دے گا۔ (روایت کیا اس کو مالک نے)

تشریح: حضرت قاسم ابن محمد رحمہ اللہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے۔ اس وقت مدینہ میں جو سات فقہاء مشہور تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھے۔ ہاں نفع پہنچے گا کا مطلب یہ ہے کہ تم ان کی طرف سے جو بردہ آزاد کرو گے اس کا ثواب تمہاری والدہ کو پہنچے گا۔ چنانچہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مالی عبادت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ البتہ بدنی عبادت کے ثواب پہنچنے کے بارہ میں اختلافی اقوال ہیں لیکن زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ بدنی عبادت کا ثواب بھی پہنچتا ہے۔

(۱۷) وَعَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ قَالَ تُوُفِّيَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ بَكْرٍ فِيْ نَوْمٍ نَامَهُ فَاَعْتَقَتْ عَنْهُ عَائِشَةُ اُخْتُهُ رِقَابًا كَثِيْرَةً (رواہ مالک)

ترجمہ: حضرت یحییٰ بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عبدالرحمن بن ابی بکر فوت ہوئے رات کو سوتے وقت ان کی بہن عائشہ نے ان کی طرف سے بہت غلام آزاد کیے۔ (روایت کیا اس کو مالک نے)

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو بہت سے بردے آزاد کئے ان کا سبب یا تو یہ تھا کہ حضرت عبدالرحمن پر کسی وجہ سے بردے آزاد کرنے واجب ہوں گے جس پر وہ اپنی زندگی میں عمل نہ کر سکے اور پھر ناگہانی موت کی وجہ سے اس کی وصیت بھی نہ کر سکے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے از خود ان کی طرف سے بردے آزاد کر دیئے یا پھر یہ کہ بعض حالات میں ناگہانی موت کو اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں عائشہ رضی اللہ عنہا بہت زیادہ غمگین ہوئی ہوں گی۔ اس لئے انہوں نے بہت سارے بردے آزاد کئے تاکہ اس صورت میں نقصان کا تدارک ہو سکے۔

غیر مشروط طور پر غلام خریدنے والا اس غلام کے مال کا حقدار نہیں ہوگا

(۱۸) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اشْتَرٰى عَبْدًا فَلَمْ يَشْتَرِطْ مَالَهُ فَلَا شَيْءَ لَهُ (رواہ الدارمی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے غلام خریدا اور اس کے مال کی شرط نہیں کی تو اس کے مال میں خریدنے والے کا کوئی حق نہیں۔ (روایت کیا اس کو دارمی نے)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے غلام کو خریدا اور خریداری کے معاملہ میں اس مال کو شامل نہیں کیا جو غلام کے ساتھ ہے تو وہ اس مال کا حقدار نہیں ہوگا کیونکہ وہ مال تو دراصل اس مالک کی ملکیت ہے جس سے اس نے غلام کو خریدا ہے۔

بَابُ الْاَيْمَانِ وَالنُّذُوْرِ..... قسموں اور نذروں کا بیان

قال الله تعالىٰ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ط فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ط ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ط وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ط كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (سورة مائده ۸۹)

ایمان: یمین کی جمع ہے اور یمین قسم کو کہتے ہیں، یمین یسار کی ضد ہے قسم کو یمین اس لئے کہتے ہیں کہ عرب لوگ عہد و پیمان کے دوران ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے تھے اور یہ معاہدہ دائیں ہاتھ سے ہوا کرتا تھا۔ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ یمین کا لفظ لغوی طور پر قسم دائیں ہاتھ اور قوت میں مشترک طور پر استعمال ہوتا ہے۔ علماء نے قسم کی اصطلاحی تعریف اس طرح کی ہے "الیمین فی الشرع توکید الشئی بذکر اسم الله او صفته" یہاں قسم اور نذر سے متعلق چار ابحاث ہیں جن کو ترتیب کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

بحث اول اقسام قسم: قسم کی تین قسمیں ہیں اول یمین غموس ہے دوم یمین لغو ہے سوم یمین منعقدہ ہے

(۱) یمین غموس اس کو کہتے ہیں کہ زمانہ ماضی پر کسی نے جھوٹی قسم کھائی کہ خدا کی قسم میں نے یہ کام کیا تھا حالانکہ اس کو معلوم ہے کہ اس نے یہ کام نہیں کیا تھا یمین غموس میں کوئی کفارہ نہیں ہے یہ گناہ کبیرہ ہے اس کی وجہ سے جہنم میں اس شخص کو غوطے دیئے جائیں گے "غمس وغموس" غوطہ کے معنی میں ہے۔

(۲) دوسری قسم یمین لغو ہے یہ وہ قسم ہے کہ باتوں باتوں میں قسم کے ارادہ کے بغیر آدمی کہدے واللہ باللہ یا کہدے خدا کی قسم یا قسم سے کہہ رہا ہوں یا آدمی نے اس طرح کی قسم کھائی کہ اس کا خیال و گمان یہ تھا کہ واقعی یہ کام ایسا تھا مگر اس کو غلطی ہوگئی وہ کام ایسا نہیں تھا یہ سب یمین لغو ہے اس میں نہ کفارہ ہے نہ گناہ کبیرہ ہے اگرچہ مسلمان کو اس سے بھی بچنا چاہیے امام شافعی نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت کے پیش نظر نہ جھوٹی قسم کھائی ہے اور نہ سچی کھائی ہے۔

(۳) تیسری قسم یمین منعقدہ ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص خوب غور و خوض سے آئندہ زمانہ کے کسی کام کے نہ کرنے کی قسم کھاتا ہے اور پھر قصداً اس کی خلاف ورزی کرتا ہے تو یہ شخص حانث ہو جاتا ہے اب اس کو کفارہ یمین ادا کرنا پڑے گا عربی میں قسم کے الفاظ واللہ باللہ تاللہ ہیں۔

بحث دوم کفارۂ قسم:۔ قسم توڑنے کا کفارہ اس طرح ہے کہ ایک غلام کو آزاد کیا جائے یا دس مسکینوں کو دو وقتہ متوسط کھانا کھلایا جائے یا دس مساکین کو کپڑے پہنائے جائیں اور اگر کوئی شخص ان تین قسم کے کفارات پر قادر نہیں تو وہ لگاتار تین روزے رکھے قسم توڑنے سے پہلے احناف کے ہاں کفارۂ قسم نہیں ہے اسی طرح کافر کی قسم میں کفارہ نہیں ہے۔ بچے یا سوئے شخص یا دیوانے پاگل کی قسم کا اعتبار نہیں اس لئے اس میں بھی کفارہ نہیں۔

بحث سوم قسم کے الفاظ:۔ قسم میں اللہ تعالیٰ کا اسم ذاتی یا اسم صفاتی استعمال ہوتا ہے لہٰذا اس کا احترام ضروری ہے کہ اس کو توڑا نہ جائے اور اللہ کے اسم مبارک کی بے ادبی نہ ہو جائے اور نہ اس مبارک نام کو چھوڑ کر کسی اور کو یہ عظمت دیکر اس کے نام کی قسم کھائی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ باپ دادا کے ناموں کی قسم کی ممانعت آئی ہے اسی طرح تمہاری جان یا سر کی قسم کھانا جائز نہیں جیسے کسی شاعر نے کہا

سر میرا تیرے سر کی قسم اٹھا نہیں سکتا — اتنا ہوں تیرے تیغ کا شرمندۂ احسان

قسم کا مدار عرف پر ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی ان صفات پر قسم نہیں کھائی جاسکتی جو عرف عام میں قسم کیلئے استعمال نہیں کی جاتی ہوں جیسے رحمت' مغفرت وغیرہ صفات ہیں اور جن صفات کی قسم عرف میں کھائی جاتی ہو جیسے عظمت و بزرگی شان وغیرہ تو اس سے قسم واقع ہوتی ہے عام طور پر شریعت نے قسم کے الفاظ واللہ' باللہ' تاللہ بتائے ہیں "لعمر اللہ" کے لفظ سے بھی قسم کھائی جاتی ہے یہ بھی قسم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تجھے عمر دینے والے کی قسم۔ قسم میں ان شاء اللہ استعمال کرنے سے قسم کا اثر ختم ہو جاتا ہے بشرطیکہ یہ لفظ متصلاً استعمال کیا جائے' اس کو قسم میں استثناء کہتے ہیں۔

بحث چہارم نذر کی قسمیں:۔ نذر کو یہاں قسموں کے ساتھ اس لئے جوڑ دیا گیا ہے کہ دونوں ایک ہی قسم کی چیزیں ہیں چنانچہ جب نذر توڑنے کا کفارہ ادا کیا جاتا ہے تو وہ قسم ہی کا کفارہ ہوتا ہے۔ "نذر منت کو کہتے ہیں' غیر واجب چیز کو اپنے اوپر واجب کرنے کا نام نذر ہے" نذر جب گناہ کا نہ ہو تو تمام فقہاء کے نزدیک یہ جائز ہے قرآن کا اعلان ہے' **ولیوفوا نذورھم** اللہ کے سوا کسی کے نام کی نذر ماننا جائز نہیں ہے۔ تفسیر کبیر میں نذر کی تعریف اس طرح کی ہے" **النذر ما الزمه الانسان علی نفسه** "نذر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک نذر مطلق ہے یہ وہ ہوتی ہے جس میں منذور عمل کو کسی دن یا وقت کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا ہو دوسری نذر مقید ہے یہ وہ ہوتی ہے کہ منذور عمل کو کسی دن مہینہ یا خاص وقت کے ساتھ مقید کیا جائے۔ پہلے کی مثال جیسے کوئی کہہ دے" **لله علی صوم شهر** "دوسری کی مثال ہے" **لله علی صوم شهر رجب هذه السنة** "نذر کے صحیح ہونے کیلئے تین شرائط ہیں۔

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ نذر ایسی چیز کی ہو جس کی جنس شریعت میں مشروع اور واجب ہو جیسے نماز روزہ حج وغیرہ۔ چنانچہ اگر کسی نے اس طرح نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں فلاں مریض کی عیادت کروں گا یہ نذر صحیح نہیں ہے کیونکہ عیادت شریعت میں ایسی جنس سے ہے جو واجب نہیں ہے۔

(۲) صحت نذر کیلئے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ منذور عمل گناہ کی قسم سے نہ ہو کیونکہ حدیث میں ہے" **لا نذر فی معصیة** "جیسے کوئی نذر مانے کہ میرا کام اگر ہو گیا تو میں فلاں بزرگ کے مزار پر چادر چڑھاؤں گا یا مولود پڑھواؤں گا یا گیارھویں دوں گا یا غوث اعظم کی نماز پڑھوں گا اس طرح نذروں کا پورا کرنا جائز نہیں لہٰذا اس سے نکلنے کیلئے کفارہ یمین ادا کر کے گناہ سے بچ جانا ضروری ہے۔ (۳) تیسری شرط یہ ہے کہ جس چیز کی نذر کوئی شخص مانتا ہے تو وہ فی الحال یا آئندہ اس کے ذمہ فرض یا واجب نہ ہو مثلاً یوں کہے کہ میرا کام اگر ہو گیا تو میں عشاء کی نماز پڑھوں گا یا رمضان کے روزے رکھوں گا۔ بہر حال ناجائز نذروں سے مسلمان کیلئے بچنا بہت ضروری ہے جیسے جائز نذروں کا پورا کرنا ضروری ہے۔ نذر کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ طاعت میں ہو اور طاعت مقصودہ میں ہو وسائل میں نہ ہو اور زبان سے ہو الفاظ کی ادائیگی کے ساتھ ہو صرف دل میں نیت کے ساتھ نہ ہو اور نذر کے پورا کرنے کا پکا ارادہ بھی ہو۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

(۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَكْثَرُ مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْلِفُ لَا وَمُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یوں قسم کھاتے نہیں قسم ہے دلوں کے پھیرنے والے کی۔ (بخاری)

تشریح: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کی قسم کھانا جائز ہے۔

غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت

(۲) وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ اَنْ تَحْلِفُوْا بِآبَائِكُمْ مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ اَوْ لِيَصْمُتْ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تم کو اپنے باپوں کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے جو شخص کہ قسم کھانے والا ہو وہ اللہ کی قسم کھائے یا چپ رہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: باپ کی قسم کھانے سے منع کرنا مثال کے طور پر ہے۔ اصل مقصد تو یہ ہدایت دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی قسم نہ کھایا کرو۔ بطور خاص باپ کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی عادت ہے کہ وہ باپ کی قسم بہت کھاتے ہیں۔ نیز غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کمال عظمت وجلالت کے سبب چونکہ قسم اسی کی ذات کے ساتھ مختص ہے۔ اس لئے کسی غیر اللہ کو اللہ کے مشابہ نہ قرار دیا جائے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھاؤں اور پھر اس کو توڑ ڈالوں۔ اس کو اس سے بہتر سمجھتا ہوں کہ کسی غیر اللہ کی قسم کھاؤں اور اس کو پورا کروں۔ ہاں جہاں تک حق تعالیٰ کی ذات پاک کا سوال ہے تو اس کو سزاوار ہے کہ وہ اپنی عظمت وجلالت کے اظہار کیلئے اپنی مخلوقات میں سے جس کی چاہے قسم کھائے۔ اس حدیث کے ضمن میں ایک اشکال پیدا ہوسکتا ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں منقول ہوا ہے۔ افلح وابیہ یعنی آپ نے باپ کی قسم کھائی جبکہ یہ حدیث اس کے سراسر خلاف ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا باپ کی قسم کھانا اس ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہوگا۔ اس صورت میں دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد باقی نہیں رہتا یا پھر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باپ کی قسم قصداً نہ کھائی ہوگی بلکہ قسم کے یہ الفاظ قدیم عادت کی بنا پر اضطراراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکل گئے ہوں گے۔

(۳) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحْلِفُوْا بِالطَّوَاغِيْ وَلَا بِآبَائِكُمْ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبد الرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ بتوں کی قسم کھاؤ اور نہ ہی اپنے باپوں کی۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: ایام جاہلیت میں عام طور پر لوگ بتوں اور باپوں کی قسم کھایا کرتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو قبولیت اسلام کے بعد اس سے منع فرمایا تاکہ وہ اس بارہ میں احتیاط رکھیں اور قدیم عادت کی بنا پر اس طرح کی قسمیں ان کی زبان پر نہ چڑھیں۔

(۴) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِيْ حَلْفِهِ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى فَلْيَقُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ تَعَالَ اُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا جو شخص قسم کھائے اور اپنی قسم میں کہے لات وعزیٰ کی قسم چاہیے کہ وہ کہے لا الہ الا اللہ اور جس شخص نے اپنے ساتھی کو کہا آؤ جوا کھیلیں تو وہ صدقہ کرے۔ (متفق علیہ)

تشریح: وہ لا الہ الا اللہ کہے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرے۔ اس حکم کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ اگر لات وعزیٰ کے نام کسی نومسلم کی زبان سے سہواً نکل جائیں تو اس کے کفارہ کے طور پر کلمہ پڑھے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (ہود:۱۱۴) بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو دور کردیتی ہیں۔

پس اس صورت میں غفلت وسہو سے توبہ ہوجائے گی۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ اگر ان کی زبان سے لات وعزیٰ کے نام ان بتوں کی تعظیم کے قصد سے نکلے ہوں گے تو یہ صراحۃً ارتداد اور کفر ہے۔ لہٰذا اس کیلئے ضروری ہوگا کہ وہ تجدید ایمان کیلئے کلمہ پڑھے۔ اس صورت میں معصیت سے توبہ ہوگی۔ صدقہ وخیرات کرے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے دوست کو جوا کھیلنے کی دعوت دے کر چونکہ ایک بڑی برائی کی ترغیب دی ہے۔ لہٰذا اس کے کفارہ کے طور پر وہ اپنے مال میں سے کچھ حصہ خدا کی راہ میں خرچ کرے۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس نے جس مال کے ذریعہ جوا کھیلنے کا ارادہ کیا تھا اسی مال کو صدقہ وخیرات کردے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب محض جوا کھیلنے کی دعوت دینے کا کفارہ یہ ہے کہ صدقہ خیرات کرنا چاہئے تو یہ شخص واقعۃً کھیلے گا تو اس کا کیا حشر ہوگا۔

اسلام کے خلاف کسی دوسرے مذہب کی قسم کھانے کا مسئلہ

(۵) وَعَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى مِلَّةٍ غَيْرِ الْاِسْلَامِ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ وَلَيْسَ عَلَى ابْنِ اٰدَمَ نَذْرٌ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهٗ بِشَيْءٍ فِي الدُّنْيَا عُذِّبَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَعَنَ مُؤْمِنًا فَهُوَ كَقَتْلِهٖ وَمَنِ ادَّعٰى دَعْوٰى كَاذِبَةً لِيَسْتَكْثِرَ بِهَا لَمْ يَزِدْهُ اللّٰهُ اِلَّا قِلَّةً. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اسلام کے سوا قسم کھائے وہ جھوٹی ہے۔ ابن آدم پر اس چیز کی نذر نہیں جس کا وہ مالک نہیں جو شخص دنیا میں کسی چیز سے خودکشی کرے گا قیامت کے دن اسی سے عذاب کیا جاوے گا۔ جو کسی مسلمان پر لعنت کرے اس کے قتل کرنے کی مانند ہے اور جو کسی مسلمان مرد پر تہمت کرے کفر کے ساتھ وہ اس کے قتل کی مانند ہے۔ جو شخص جھوٹا دعویٰ کرے تا کہ اس کی وجہ سے زیادہ مال حاصل ہو اللہ اس کو کمی میں زیادہ کرتا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: حدیث کے اس ظاہری مفہوم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی قسم کھانے والا محض قسم کھانے کی وجہ سے اس قسم کو توڑنے کے بعد کافر ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اس طرح قسم کھا کر ایک صریح حرام فعل کا ارتکاب کرتا ہے اور پھر اس قسم کو جھوٹی کر کے گویا کفر کو برضا و رغبت اختیار کرتا ہے لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ اس ارشاد گرامی کی مراد یہ بتانا نہ ہو کہ اس طرح کی قسم کھانے والا واقعۃً یہودی وغیرہ ہو جاتا ہے بلکہ اس کی مراد بطور تہدید و تنبیہ یہ ظاہر کرنا ہو کہ وہ شخص یہودیوں وغیرہ کی مانند عذاب کا مستوجب ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی نظیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ من ترک الصلوۃ فقد کفر (یعنی جس شخص نے نماز چھوڑ دی وہ کافر ہو گیا) اس ارشاد کا بھی یہی مطلب ہے کہ نماز چھوڑنے والا کافروں کے سے عذاب کا مستوجب ہوتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ اس طرح قسم کھانا اگرچہ حرام ہے لیکن اگر کوئی شخص اس طرح قسم کھا ہی لے تو کیا شرعی طور پر اس کو قسم کہیں گے اور کیا اس قسم کو توڑنے کا کفارہ واجب ہوگا یا نہیں؟ تو اس بارہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور بعض علماء کا قول تو یہ ہے کہ یہ قسم ہے اور اور اگر اس قسم کو توڑا جائے گا تو اس شخص پر کفارہ واجب ہوگا ان کی دلیل ہدایہ وغیرہ میں منقول ہے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ اس طرح کہنے پر قسم کا اطلاق نہیں ہوگا۔ یعنی شرعی طور پر اس کو قسم نہیں کہیں گے اور جب یہ قسم ہی نہیں ہے تو اس کو توڑنے پر کفارہ بھی واجب نہیں ہوگا۔ ہاں اس طرح کہنے والا سخت گناہ گار ہوگا خواہ وہ اپنی بات کو پورا کرے یا توڑ ڈالے۔

درمختار میں لکھا ہے کہ (مذکورہ بالا مسئلہ میں) زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس طرح کی قسم کھانے والا (اس قسم کے برخلاف عمل کرنے کی صورت میں کافر نہیں ہوجاتا خواہ وہ اس طرح کا تعلق گزرے ہوئے زمانہ سے ہو یا آنے والے زمانہ سے ہو بشرطیکہ وہ اس طرح کہنے کے بارہ میں قسم ہی کا اعتقاد رکھتا ہو لیکن اگر وہ اس قسم کے ہونے سے لاعلم ہو اور اس اعتقاد کے ساتھ یہ الفاظ ادا کرے کہ اس طرح کہنے والا اپنی بات کو جھوٹا ہونے کی صورت میں کافر ہو جاتا ہے تو خواہ اس بات کا تعلق گزرے ہوئے زمانہ سے ہو یا آنے والے زمانہ میں کسی شرط کے پورا ہونے کے ساتھ وہ دونوں ہی صورتوں میں کفر کو خود برضا و رغبت اختیار کرنے کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔

اور کسی انسان پر اس چیز کی نذر پوری کرنا واجب نہیں جس کا وہ مالک نہ ہو کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً اگر کوئی شخص یوں کہے اگر میرا فلاں عزیز صحت یاب ہو جائے تو میں فلاں غلام آزاد کر دوں گا جب کہ وہ فلاں غلام درحقیقت اس کی ملکیت میں نہ ہو تو اس صورت میں اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے اگرچہ اس کے بعد وہ غلام اس کی ملکیت ہی میں کیوں نہ آ جائے ہاں اگر اس نے آزادی کو ملکیت کے ساتھ مشروط کر دیا۔ یعنی یوں کہا کہ اگر میرا فلاں عزیز صحت یاب ہو گیا اور فلاں غلام میری ملکیت میں آ گیا یا فلاح غلام کو میں نے خرید لیا تو میں اس کو آزاد کر دوں گا۔ تو اس صورت میں وہ غلام ملکیت میں آنے کے بعد یا خریداری کے بعد اس نذر کے مطابق آزاد ہو جائے گا۔

تا کہ اس کے مال و دولت میں اضافہ ہو۔ یہ اکثر کے اعتبار سے دعویٰ کی علت و سبب کی طرف اشارہ ہے کہ اکثر لوگ محض اپنے مال و دولت میں

اضافہ کی خاطر جھوٹے وعدے کرتے ہیں۔ مذکورہ ثمرہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے مال میں کمی کر دیا جانا) مرتب ہوگا۔ جھوٹے دعوے کا مذکورہ ثمرہ محض مال و دولت ہی سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ یہی ثمرہ ان لوگوں کے حق میں بھی مرتب ہوتا ہے جو اپنے احوال و فضائل و کمالات کے بارہ میں محض اس مقصد سے جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں کہ عام انسانوں کی نظروں میں ان کا جاہ و مرتبہ زیادہ سے زیادہ بڑھے جیسا کہ نام نہاد اور بناوٹی صوفیوں اور پیروں کا شیوہ ہے۔

اگر قسم کو توڑ دینے ہی میں بھلائی ہو تو اس قسم کو توڑ دینا چاہیے

(۶) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ وَاللّٰهِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَا اَحْلِفُ عَلٰی یَمِیْنٍ فَاَرٰی غَیْرَ هَا خَیْرًا مِنْهَا اِلَّا کَفَّرْتُ عَنْ یَمِیْنِیْ وَاَتَیْتُ الَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ کی قسم اگر اللہ چاہے کسی بات پر قسم نہیں کھاتا۔ اور اس کے غیر کو بہتر سمجھوں تو پہلی قسم کا کفارہ دیتا ہوں جو بہتر ہے وہ کر لیتا ہوں۔ (متفق علیہ)

(۷) وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ سَمُرَةَ لَا تَسْئَالِ الْاِمَارَةَ فَاِنَّکَ اِنْ اُوْتِیْتَهَا عَنْ مَسْئَلَةٍ وُکِلْتَ اِلَیْهَا وَاِنْ اُوْتِیْتَهَا عَنْ غَیْرِ مَسْئَلَةٍ اُعِنْتَ عَلَیْهَا وَاِذَا حَلَفْتَ عَلٰی یَمِیْنٍ فَرَاَیْتَ غَیْرَهَا خَیْرًا مِنْهَا فَکَفِّرْ عَنْ یَمِیْنِکَ وَائْتِ الَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ وَفِیْ رِوَایَةٍ فَاْتِ الَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ وَکَفِّرْ عَنْ یَمِیْنِکَ (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبدالرحمٰن بن سمرہ سرداری نہ مانگ اگر مانگنے کی وجہ سے تو سرداری دیا گیا تو اس کی طرف سونپا جاوے گا اگر بغیر مانگے سرداری دیا جائے گا تو اس پر مدد دیا جائے گا۔ اگر تو کسی چیز پر قسم کھائے اور اس کا خلاف بہتر دیکھے اپنی قسم کا کفارہ دے بہتر چیز کو کر۔ ایک روایت میں یوں ہے تو وہ چیز کر جو بہتر ہے اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔ (متفق علیہ)

تشریح: سرداری کی خواہش نہ کرو کا مطلب یہ ہے کہ سرداری و سیادت کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ ایک بہت ہی دشوار اور سخت ذمہ داری کی چیز ہے اس کے فرائض اور حقوق کی ادائیگی ہر شخص کے بس کا کام نہیں ہے بلکہ صرف چند ہی لوگ اس کا بار اٹھانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا نفس کی حرص میں مبتلا ہو کر سرداری و سیادت کی خواہش نہ کرو کیونکہ اگر تم اپنی طلب پر سرداری و سیادت پاؤ گے تو پھر تمہیں اسی کے سپرد کر دیا جائے گا بایں معنی کہ اس کے فرائض کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مدد نہیں کی جائے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر چہار طرف شر و فساد برپا ہوں گے اور تم مخلوق خدا کی نظروں میں بڑی بے آبروئی کے ساتھ اس منصب کے نااہل قرار دے دیئے جاؤ گے۔ ہاں اگر بلا طلب تمہیں سرداری و سیادت کے مرتبہ سے نوازا جائے گا تو اس صورت میں حق تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مدد کی جائے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے معاملات انتظام و انصرام درست ہوں گے اور مخلوق خدا کی نظروں میں تمہاری بہت زیادہ عزت و وقعت ہوگی۔

اور وہی کام کرو گے جو بہتر ہے کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم کسی گناہ کی بات پر قسم کھاؤ۔ مثلاً یوں کہو کہ خدا کی قسم میں نماز نہیں پڑھوں گا یا خدا کی قسم میں فلاں شخص کو جان سے مار ڈالوں گا۔ یا خدا کی قسم میں اپنے باپ سے کلام نہیں کروں گا۔ تو اس صورت میں اس قسم کو توڑ ڈالنا ہی واجب ہوگا اور قسم کے توڑنے کا کفارہ دینا ہوگا اور اگر کسی ایسی بات پر قسم کھائی جائے جس کے خلاف کرنا اس سے بہتر ہو مثلاً یوں کہا جائے کہ خدا کی قسم! میں اپنی بیوی سے ایک مہینہ تک صحبت نہیں کروں گا یا اسی طرح کی کسی اور بات پر قسم کھائی جائے تو اس صورت میں اس قسم کو توڑ دینا محض اولیٰ ہوگا۔

(۸) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنٍ فَرَاٰی خَیْرًا مِنْهَا فَلْیُکَفِّرْ عَنْ یَمِیْنِهٖ وَلْیَفْعَلْ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قسم کھائے کسی چیز پر اور اس سے بہتر چیز دیکھے اپنی قسم کا کفارہ دے اور اس کا خلاف کرے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

(۹) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ لَاَنْ یَلَجَّ اَحَدُکُمْ بِیَمِیْنِهٖ فِیْ اَهْلِهٖ اٰثَمُ لَهٗ عِنْدَ

اللّٰہِ مِنْ اَنْ یُّعْطِیَ کَفَّارَتَهُ الَّتِی افْتَرَضَ اللّٰہُ عَلَیْهِ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم ہے ایک تمہارے کا اپنی قسم پر اصرار کرنا اپنے گھر والوں پر اس کو زیادہ گناہ میں ڈالنے والا ہے اللہ کے نزدیک قسم کے توڑنے سے اور اس کا کفارہ دینے سے جو اللہ نے اس پر فرض کیا۔ (متفق علیہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر قسم توڑنے میں بظاہر حق تعالیٰ کے نام کی عزت وحرمت کی ہتک ہے اور قسم کھانے والا بھی اس کو اپنے خیال کے مطابق گناہ ہی سمجھتا ہے لیکن اس قسم کو پوری کرنے ہی پر اصرار کرنا جو اہل وعیال کی کسی حق تلفی کا باعث ہوتی ہے زیادہ گناہ کی بات ہے۔ گویا اس حدیث کا مقصد بھی یہ واضح کرنا ہے کہ قسم کے برخلاف عمل کی بھلائی ظاہر ہونے کی صورت میں قسم کو توڑ دینا اور اس کا کفارہ ادا کرنا لازم ہے۔

کسی تنازعہ کی صورت میں قسم دینے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا

(۱۰) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَمِیْنُکَ عَلٰی مَایُصَدِّقُکَ عَلَیْهِ صَاحِبُکَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیری قسم اس چیز پر واقع ہوتی ہے کہ تیرا ساتھی تجھ کو سچا جانے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قسم کچی ثابت ہونے کے سلسلے میں اس شخص کی نیت وارادہ کا اعتبار ہوگا جس نے تمہیں قسم دی ہے اس میں قسم کھانے والے کی نہ تو نیت کا اعتبار ہوگا اور نہ اس کے توریہ وتاویل کا اعتبار کیا جائے گا لیکن اس حکم کا تعلق کسی تنازعہ کی اس صورت سے ہے جبکہ قسم دینے والے کا کوئی حق ومطالبہ قسم کھانے والے پر ہو اور قسم کھانے والے کے توریہ وتاویل سے اسکا حق ساقط ہوتا ہو یا ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ کسی مقدمہ کے سلسلہ میں اگر قاضی و حاکم مدعا علیہ کو قسم دلائے تو اس میں قاضی وحاکم کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے۔ ہاں اگر کسی کی حق تلفی کا کوئی معاملہ نہ ہو یا کوئی قسم دینے والا نہ ہو تو پھر توریہ میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بطور خاص جبکہ اس توریہ کی وجہ کسی کا فائدہ ہوتا ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ یہ میری دینی بہن ہیں۔

(۱۱) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْیَمِیْنُ عَلٰی نِیَّةِ الْمُسْتَحْلِفِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم واقع ہوتی ہے قسم دینے والے کی نیت پر۔ (مسلم)

لغو قسم پر مواخذہ نہیں ہوگا

(۱۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْاٰیَةُ لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْ اَیْمَانِکُمْ فِیْ قَوْلِ الرَّجُلِ لَا وَاللّٰہِ وَ بَلٰی وَ اللّٰہِ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ وَ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ لَفْظُ الْمَصَابِیْحِ وَ قَالَ رَفَعَهُ بَعْضُهُمْ عَنْ عَائِشَةَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا یہ آیت اتاری گئی اللہ تم کو لغو قسموں میں نہیں پکڑتا۔ آدمی کے کہنے میں لا واللہ وبلیٰ واللہ۔ روایت کیا اس کو بخاری نے شرح السنہ میں روایت کی گئی ہے مصابیح کے لفظ کے ساتھ شرح السنہ میں کہا کہ بعض راویوں نے اس حدیث کو عائشہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع روایت کیا ہے۔

تشریح: اہل عرب کی یہ عادت تھی کہ وہ آپس میں گفتگو کرتے وقت بات بات پر یہ کہا کرتے تھے کہ لا واللہ (خدا کی قسم ہم نے یہ کام نہیں کیا) یا اور بلیٰ واللہ (خدا کی قسم ہم نے یہ کام کیا ہے) ان الفاظ سے ان کا مقصود قسم کھانا نہیں ہوتا تھا بلکہ اپنی بات میں زور پیدا کرنے کیلئے یا بطور تکیہ کلام وہ ان الفاظ کو بیان کرتے تھے۔ چنانچہ اس صورت میں قسم واقع نہیں ہوتی اور اس کو لغو قسم کہتے ہیں۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے اس پر عمل کیا ہے ان کے نزدیک لغو قسم اس قسم کو کہتے ہیں جو بلا قصد زمانہ ماضی یا زمانہ مستقبل زبان سے صادر ہو جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک لغو قسم اس قسم کو کہتے ہیں جو کسی ایسی بات پر کھائی جائے جس کے بارہ میں قسم کھانے والے کا گمان تو یہ ہو کہ وہ صحیح ہے لیکن واقعۃً وہ صحیح نہ ہو۔

الفصل الثاني..... غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت

(۱۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحْلِفُوْا بِآبَائِكُمْ وَلَا بِاُمَّهَاتِكُمْ وَلَا بِالْاَنْدَادِ وَلَا تَحْلِفُوْا بِاللّٰهِ اِلَّا وَاَنْتُمْ صَادِقُوْنَ. (رواه ابو داؤد و النسائی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے باپوں اور ماؤں کی قسم نہ کھاؤ اور نہ بتوں کی اور اللہ کی قسم نہ کھاؤ مگر سچا ہونے کی صورت میں۔ (روایت کیا اس کو ابو داؤد اور نسائی نے)

(۱۴) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَکَ (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جس نے اللہ کے غیر کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے غیر اللہ کی قسم اس کی تعظیم کے اعتقاد کے ساتھ کھائی اس نے شرک جلی یا شرک خفی کا ارتکاب کیا۔ کیونکہ اس طرح اس نے اس تعظیم میں غیر اللہ کو شریک کیا جو صرف اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہے۔

عام طور پر لوگوں کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنے کسی عزیز یا تعلق والے کی انتہائی محبت میں اس کی قسم کھاتے ہیں جیسے یوں کہتے ہیں کہ بیٹے کی قسم یا اس کے سر کی یا اس کی جان کی قسم تو یہ بھی گناہ سے خالی نہیں۔ اگر چہ اس پر شرک کا حکم عائد نہ ہوتا ہو ہاں اگر قدیم عادت کی بنا پر کسی کی زبان سے بلا قصد مثلاً یوں نکل گیا کہ اپنے باپ کی قسم یا اپنے بیٹے کی قسم میں نے یہ کام نہیں کیا ہے تو اس پر گناہ اور شرک کا اطلاق نہیں ہوگا۔

(۱۵) وَعَنْ بُرَیْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ بِالْاَمَانَةِ فَلَیْسَ مِنَّا (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص امانت کی قسم کھائے وہ ہم میں سے نہیں۔ روایت کیا اس کو ابو داؤد اور نسائی نے۔

تشریح: "بالامانة" چونکہ امانت اسماء اللہ میں سے نہیں ہے بلکہ فرائض اللہ میں سے ہے اس لئے اس طرح قسم کھانے سے قسم منعقد نہیں ہوگی اور یہ جو فرمایا کہ یہ شخص ہم میں سے نہیں ہے یہ اس لئے کہ یہ طریقہ عیسائیوں کا ہے وہ عبادات پر قسم کھاتے ہیں گویا یہ غیر اللہ کے نام کی قسم ہوئی جو ناجائز ہے۔

ہاں اگر امانت کی بجائے کسی نے امانۃ اللہ کہہ دیا اور لفظ اللہ کی طرف اضافت کی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قسم منعقد ہو جائے گی کیونکہ یہ اس وقت اسم صفتی بن جائے گا جو امین سے مشتق ہوگا لیکن دیگر ائمہ کے نزدیک اضافت کے ساتھ استعمال کرنے سے بھی قسم منعقد نہیں ہوگی نہ حانث ہوگا اور نہ کفارہ آئے گا۔

"لیس منا" اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف اس قسم کے مسئلہ میں یہ شخص اہل اسلام کے طریقہ پر نہیں ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ شخص کافر ہو گیا یا مطلب یہ ہے کہ یہ کلام اسلوب حکیم کے طور پر ہے کہ اس شخص کا ہم سے تعلق نہیں، ظاہر ہے کہ جو شخص محبوب کی طرف سے اس طرح اعلان کو سنے گا تو وہ اس فعل کے ارتکاب سے اپنے آپ کو بچا کر رکھے گا یا یہ تشدید وتغلیظ ہے۔

اسلام سے بیزاری کی قسم کا مسئلہ

(۱۶) وَعَنْ بُرَیْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْءٌ مِنَ الْاِسْلَامِ فَاِنْ کَانَ کَاذِبًا فَهُوَ کَمَا قَالَ وَاِنْ کَانَ صَادِقًا فَلَنْ یَرْجِعَ اِلَی الْاِسْلَامِ سَالِمًا (رواه ابو داؤد والنسائی و ابن ماجة)

ترجمہ: انہی حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کہے کہ میں اسلام سے بیزار ہوں اگر وہ جھوٹا ہے تو ایسا ہی ہے جیسا اس نے کہا اگر سچا ہے تو اسلام کی طرف صحیح سالم نہیں پھرے گا۔ (روایت کیا اس کو ابو داؤد نسائی اور ابن ماجہ نے)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس طرح قسم کھائے کہ اگر میں نے فلاں کام کیا ہو تو میں اسلام سے بیزار ہوں تو اگر وہ اپنی بات میں جھوٹا ہے۔ یعنی واقعۃً اس نے وہ کام کیا ہے تو وہ اسلام سے بیزار ہو گیا۔ گویا یہ ارشاد تو اس طرح قسم کھانے کی شدید ممانعت کو ظاہر کرنے کیلئے بطور مبالغہ فرمایا گیا ہے اگر وہ شخص اپنی بات میں سچا ہے یعنی واقعۃً اس نے وہ کام نہیں کیا ہے تو اس صورت میں بھی اس کا اس طرح کہنا گناہ سے خالی نہیں ہے کیونکہ اس طرح کی قسم کھانے سے مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اس روایت میں مذکورہ قسم کو بھی منعقدہ قسم پر محمول کیا ہے۔ چنانچہ اس کی وضاحت حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت کی تشریح میں گزر چکی ہے لیکن ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس کو غموس قسم پر محمول کیا ہے۔ اس کتاب کے مؤلف کے نزدیک یہ دونوں قسمیں منعقدہ پر بھی محمول ہو سکتی ہیں اور غموس پر بھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض مواقع پر کس طرح قسم کھاتے تھے

(۱۷) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اجْتَهَدَ فِی الْیَمِیْنِ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسُ اَبِی الْقَاسِمِ بِیَدِهٖ (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم کھانے میں مبالغہ کرتے فرماتے نہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: ابو القاسم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت مبارک تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کے ان الفاظ میں زور بیان اور شدت وتاکید بایں معنی ہے کہ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبودیت کاملہ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس مبارک کے مسخر ومطیع ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

(۱۸) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَتْ یَمِیْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا حَلَفَ لَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ (رواه ابوداؤد وابن ماجه)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم کھاتے فرماتے لا و استغفر اللہ۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے۔

تشریح: ان الفاظ کو قسم کہنا بایں وجہ ہے کہ یہ الفاظ اپنے معنی ومفہوم کے اعتبار سے قسم ہی کے مشابہ ہیں۔ کیونکہ ان الفاظ کے معنی ہیں اگر یہ بات اس کے برخلاف ہو تو میں اللہ سے بخشش چاہتا ہوں اور ظاہر ہے کہ اس طرح کہنا اپنی بات اور اپنے مطلوب کو مضبوط ومؤکد کرتا ہے۔ لہٰذا یہ قسم ہی کے حکم میں ہوا۔

قسم کے ساتھ "ان شاء اللہ" کہنے کا مسئلہ

(۱۹) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنٍ فَقَالَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَلَاحِنْثَ عَلَیْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِیُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ وَ ذَکَرَ التِّرْمِذِیُّ جَمَاعَةً وَقَفُوْهُ عَلَی ابْنِ عُمَرَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی چیز کی قسم کھائے اور ان شاء اللہ کہے اس پر حانث ہونا نہیں ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور ابوداؤد نسائی ابن ماجہ اور دارمی نے اور ترمذی نے ذکر کیا ایک جماعت کا انہوں نے اس حدیث کو ابن عمر پر موقوف کہا۔

تشریح: حنث کے معنی ہیں گناہ اور قسم توڑنا۔ چنانچہ قسم توڑنے والے کو حانث کہا جاتا ہے۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس قسم کے الفاظ کے ساتھ لفظ ان شاء اللہ کہہ دیا جائے وہ قسم منعقد نہیں ہوتی اور جب وہ قسم منعقد ہی نہیں ہوگی تو اس کو توڑنے پر کفارہ بھی واجب نہیں ہوگا۔ اسی طرح تمام عقود ومعاملات کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر الفاظ عقد کے ساتھ لفظ ان شاء اللہ متصل ہو تو وہ عقد والا معاملہ منعقد نہیں ہوگا۔ چنانچہ اکثر علماء اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ

رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول یہ تھا کہ اگر لفظ ان شاء اللہ متصل ہو تو بھی یہی حکم ہے۔اس بارہ میں متصل اور منفصل کی حد یہ ہے کہ قسم کے الفاظ کے بعد کسی اور بات میں مشغول ہوئے بغیر فوراً ان شاء اللہ کہا گیا تو یہ متصل ہے اور اگر اس قسم کے الفاظ کے بعد کسی دوسری بات میں مشغول ہوا تو پھر ان شاء اللہ کہا تو منفصل ہے۔بعض علماء نے متصل کی حد کچھ اور بھی بیان کی ہے جس کی تفصیل مرقات میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ.... غیر مناسب قسم توڑ دو اور اس کا کفارہ ادا کرو

(۲۰) عَنْ اَبِی الْاَحْوَصِ عَوْفِ بْنِ مَالِکٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَیْتَ ابْنَ عَمٍّ لِیْ اٰتِیْهِ اَسْاَلُهٗ فَلَا یُعْطِیْنِیْ وَ لَا یَصِلُنِیْ ثُمَّ یَحْتَاجُ اِلَیَّ فَیَاْتِیْنِیْ فَیَسْاَلُنِیْ وَقَدْ حَلَفْتُ اَنْ لَّا اُعْطِیَهٗ وَلَا اَصِلَهٗ فَاَمَرَنِیْ اَنْ اٰتِیَ الَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ وَّاُکَفِّرَ عَنْ یَمِیْنِیْ رَوَاهُ النَّسَائِیُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ فِیْ رِوَایَةٍ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ یَاْتِیْنِی ابْنُ عَمِّیْ فَاَحْلِفُ اَنْ لَّا اُعْطِیَهٗ وَ لَا اَصِلَهٗ قَالَ کَفِّرْ عَنْ یَمِیْنِکَ

ترجمہ: حضرت ابو الاحوص عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہا میں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے چچا کے بیٹے کے متعلق خبر دیجئے۔میں اس کے پاس آتا ہوں اور اس سے مانگتا ہوں وہ مجھ کو نہیں دیتا اور میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتا۔پھر وہ میری طرف محتاج ہوتا ہے اور میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے مانگتا ہے میں نے قسم کھائی کہ میں اس کو نہیں دوں گا اور نہ اچھا سلوک کروں گا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم فرمایا بہتر کام کرنے کا اور اپنی قسم کا کفارہ دینے کا روایت کیا اس کو نسائی اور ابن ماجہ نے اور ابن ماجہ کی روایت میں یوں ہے کہ مالک نے کہا میں نے کہا اے اللہ کے رسول میرے پاس میرے چچا کا بیٹا آتا ہے میں نے قسم کھائی کہ نہ میں اس کو دوں گا نہ اس سے اچھا سلوک کروں گا۔فرمایا اپنی قسم کا کفارہ دے۔

بَابُ فِی النُّذُوْرِ..... نذروں کا بیان

قال اللہ تعالیٰ وَلْیُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ (سورۃ حج ۲۹)

وقال اللہ تعالیٰ یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِیْرًا (سورۃ الدھر)

نذر ینذر باب نصر اور ضرب دونوں سے نذر ماننے کے معنی میں ہے باب افعال سے ڈرانے کے معنی میں آتا ہے یہاں نذر منت ماننے کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور نذور جمع کا صیغہ لا کر یہ بتا دیا گیا کہ اس کی انواع کثیر ہیں تفسیر کبیر میں نذر کی تعریف اس طرح مذکور ہے" النذر ما الزمه الانسان علی نفسه "یعنی غیر واجب چیز کو اپنے اوپر لازم اور واجب کرنے کا نام نذر ہے۔مثلاً کوئی یہ کہہ دے کہ میرا فلاں کام اگر ہو جائے تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کیلئے دو روزے لازم ہیں۔نذر کی دو قسمیں ہیں نذر مطلق اور نذر مقید پہلی قسم میں وسعت ہوتی ہے اور دوسری قسم میں وسعت نہیں بلکہ جس وقت کی نذر مانی اسی وقت پر ادا کرنا ہوگا۔غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز حرام ہے خواہ نقد پیسہ کی صورت میں ہو یا ذبح حیوان کی صورت میں ہو یا کھانوں کی شکل میں ہو یا چڑھاوا چڑھانے کی صورت میں ہو یا کوئی دیگر صورت ہو سب حرام ہیں نذر کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسی طاعت میں ہو جس کی جنس کا حکم شریعت میں ہوا ہو مثلاً نماز روزہ وغیرہ لہٰذا یہ نذر لازم نہیں کہ کسی نے نذر مانی کہ میں مریض کی عیادت کروں گا کیونکہ عیادت کوئی واجب نہیں صرف مستحب ہے نذر کی تمام تفصیلات قسم کے ابتدائی مباحث میں گزر چکی ہیں۔ویسے جب صاحب مشکوٰۃ نے یہاں مستقل طور پر نذروں کا باب رکھا ہے تو اس کو قسم کے باب میں قسم کے عنوان کے تحت ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا شاید وہاں کاتبین سے سہو ہو گیا ہوگا شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے کہ وہاں نذر کا بیان ضمنی طور پر تھا اصل بیان قسم کا تھا اور یہاں نذر کو مستقل الگ ذکر کیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ..... نذر کی ممانعت

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَابْنِ عُمَرَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَنْذِرُوْا فَاِنَّ النَّذْرَ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْقَدَرِ شَیْئًا وَّاِنَّمَا یُسْتَخْرَجُ بِهٖ مِنَ الْبَخِیْلِ. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے دونوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نذر نہ مانو اس لیے کہ نذر تقدیر کو دور نہیں کر سکتی۔ اور اس نذر سے بخیل سے مال نکالا جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

جس نذر کو پورا کرنے میں گناہ ہوتا ہوا سے پورا نہ کرو

(۲) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَذَرَ اَنْ یُطِیْعَ اللّٰہَ فَلْیُطِعْہُ وَمَنْ نَذَرَ اَنْ یَّعْصِیَہٗ فَلَا یَعْصِہٖ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کی اطاعت کی نذر کرے تو وہ اللہ کی اطاعت کرے جو اللہ کی نافرمانی کی نذر مانے تو وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

(۳) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِیْ مَعْصِیَۃٍ وَلَا فِیْ مَالَا یَمْلِکُ الْعَبْدُ. رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَا نَذْرَ فِیْ مَعْصِیَۃِ اللّٰہِ.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گناہ کی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں اور نہ اس چیز میں جس کا وہ مالک نہیں ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔ مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نذر کو پورا کرنا جائز نہیں۔

تشریح: حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص گناہ کرنے کی نذر مانے مثلاً یوں کہے کہ اگر میری فلاں حاجت پوری ہوگئی تو میں ناچ گانے کی محفل منعقد کروں گا۔ یا یوں کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کرنے کیلئے قوالی کرنے کو اپنے اوپر واجب کرتا ہوں تو ایسی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس صورت میں نذر کو پوری نہ کرنے میں کفارہ واجب ہوگا۔ چنانچہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا قول یہی ہے جبکہ اس صورت میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قسم کا کفارہ واجب ہوگا۔ حدیث کے دوسرے جزو کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایسی چیز کی نذر ماننا جو اپنی ملکیت میں نہ ہو اس نذر کو پورا کرنے کو جائز نہیں رکھتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے غلام یا کسی دوسرے شخص کی کسی چیز کے بارہ میں یہ نذر مانے کہ میں خدا کی راہ میں اس غلام کو آزاد کرتا ہوں یا اللہ کے واسطے اس چیز کو دینا اپنے اوپر واجب کرتا ہوں تو اس صورت میں اس نذر کے صحیح نہ ہونے کی وجہ سے اس غلام کو آزاد کرنا یا اس چیز کو اللہ واسطے دینا اس کے ذمہ لازم نہیں ہوگا۔

نذر کا کفارہ

(۴) وَعَنْ عُقْبَۃَ بْنِ عَامِرٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کَفَّارَۃُ النَّذْرِ کَفَّارَۃُ الْیَمِیْنِ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ (مسلم)

تشریح: اگر کوئی شخص کسی چیز کا نام لئے بغیر محض نذر مانے مثلاً صرف یوں کہے کہ میں نذر مانتا ہوں تو اس پر کفارہ واجب ہوگا اور اگر وہ نذر میں بلا تعین عدد کے روزے کی نیت کرے تو اس پر تین روزے رکھنے واجب ہوں گے اور اگر نذر میں صدقہ کی نیت کرے تو صدقہ فطر کے مانند دس مسکینوں کو کھانا کھلانا واجب ہوگا۔

نذر کی جن باتوں کو پورا کرنا ممکن نہ ہو ان کو پورا نہ کرنے کی اجازت

(۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَیْنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَخْطُبُ اِذَا ھُوَ بِرَجُلٍ قَائِمٍ فَسَأَلَ عَنْہُ فَقَالُوْا اَبُوْ اِسْرَائِیْلَ نَذَرَ اَنْ یَّقُوْمَ وَلَا یَقْعُدَ وَلَا یَسْتَظِلَّ وَلَا یَتَکَلَّمَ وَیَصُوْمَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُرُوْہُ فَلْیَتَکَلَّمْ وَلْیَسْتَظِلَّ وَلْیَقْعُدْ وَلْیُتِمَّ صَوْمَہٗ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ فرمارہے تھے ایک آدمی کھڑا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نام اور احوال کے متعلق سوال کیا لوگوں نے کہا اس کا نام ابواسرائیل ہے اس نے نذر مانی ہے کہ وہ کھڑا رہے گا اور نہ بیٹھے گا اور نہ سایہ میں آئے گا نہ بولیگا اور روزہ رکھے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو کہو کہ کلام کرے اور سایہ میں آوے اور بیٹھے اور اپنے روزہ کو پورا کرے۔ (بخاری)

تشریح: اس شخص نے جن باتوں کی نذر مانی تھی ان میں سے جس بات پر عمل کرنا اس کیلئے ممکن تھا۔ اس کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا اور جن باتوں پر عمل کرنا کسی وجہ سے ممکن نہ تھا ان کو پورا نہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم دیا کہ وہ روزے کو پورا کرے یعنی اپنی نذر کے مطابق ہمیشہ روزے رکھا کرے۔ کیونکہ طاعت وعبادات کی نذر کو پورا کرنا لازم ہے اور ہمیشہ روزے رکھنا اس شخص کیلئے ایک بہتر عمل ہے جو اس پر قادر ہو لیکن واضح رہے کہ اس صورت میں وہ پانچ روزے مستثنیٰ ہوتے ہیں جو شرعاً وعرفاً ممنوع ہیں اور اگر وہ ان پانچ روزوں کی بھی نیت کرے گا تو ان روزوں کو توڑنا اس پر واجب ہوگا اور حنفیہ کے نزدیک روزہ توڑنے کا کفارہ اس پر واجب ہوگا۔

جن باتوں پر عمل کرنا ممکن نہ تھا ان میں سے ایک تو بولنا تھا کہ شرعی طور پر یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص بالکل ہی نہ بولے کیونکہ بعض مواقع پر بولنا واجب ہے۔ جیسے نماز میں قرأت۔ سلام کا جواب دینا اور اس کو ترک کرنا گناہ ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بولنے کا حکم دیا۔ اسی طرح بالکل نہ بیٹھنا اور سایہ میں نہ آنا انسان کے بس سے باہر ہے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیٹھنے اور سایہ میں آنے کا حکم دیا۔

(۶) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأٰى شَيْخًا يُهَادٰى بَيْنَ اِبْنَيْهِ فَقَالَ مَابَالُ هٰذَا قَالُوْا نَذَرَ اَنْ يَّمْشِيَ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى عَنْ تَعْذِيْبِ هٰذَا نَفْسَهُ لَغَنِيٌّ وَ اَمَرَهُ اَنْ يَّرْكَبَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَ فِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِرْكَبْ اَيُّهَا الشَّيْخُ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكَ وَعَنْ نَذْرِكَ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھے کو دیکھا جو اپنے دو بیٹوں کے درمیان چلتا ہے فرمایا اس کا کیا حال ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ اس نے پیادہ پا چلنے کی نذر مانی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ بے پرواہ ہے کہ یہ اپنی جان کو عذاب دے اور اس کو سوار ہونے کا حکم دیا۔ مسلم کی ایک روایت میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں آیا ہے کہ حضرت نے فرمایا اے بوڑھے سوار ہو جا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے اور تیری نذر سے بے پرواہ ہے۔

تشریح: "رأی شیخا" شیخ سے مراد بوڑھا اور کمزور شخص ہے "یهادی" یہ مجہول کا صیغہ ہے دو آدمیوں کے کندھوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر مشکل سے چلنے کو کہتے ہیں' بین ابنیہ" کا لفظ اس پر دلالت کر رہا ہے کہ ان کو کتنی تکلیف تھی "بال" بمعنی حال ہے اور "نفسہ" "تعذیب" مصدر کیلئے مفعول بہ ہے۔

اگر کسی نے زیارت بیت اللہ کیلئے پیدل چلنے کی نذر مانی اور یوں کہا کہ "میں پیادہ پا بیت اللہ جاؤں گا" تو اس بارے میں علماء کرام کے اقوال مختلف ہیں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر پیدل جانے کی قدرت وطاقت ہے تو جائے ورنہ عجز اور مجبوری کی صورت میں سوار ہو جائے اور نذر توڑ کر دم ادا کرے اور یہی اس کا کفارہ ہے امام شافعیؒ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ عجز کی صورت میں کچھ نہیں اور قدرت کی صورت میں اگر نذر توڑ کر سوار ہوا تو دم ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح نذر کے بعد پیدل چلنے کی قدرت ہو یا نہ ہو اس شخص پر پیدل چلنا لازم نہیں ہے بلکہ اس کو اختیار ہے کہ وہ سوار ہو کر سفر کرے اور ایک دم بطور کفارہ ادا کرے" ان دونوں مسلکوں کی اتفاقی بات تو آتی ہے کہ اس طرح نذر ماننے سے نذر منعقد ہو جاتی ہے اور پاپیادہ چلنا لازم ہے لیکن اگر کوئی اس پر عمل نہیں کرتا اور اس نذر کو توڑنا چاہتا ہے تو وہ کیا کرے تو شوافع فرماتے ہیں کہ مجبوری کی صورت میں دم ہے اور مجبوری نہ ہونے کی صورت میں پیدل چلنا متعین ہے مگر احناف فرماتے ہیں کہ پیدل چلنے پر قدرت کے باوجود اگر یہ شخص اس نذر کو توڑنا چاہتا ہے اور سوار ہو کر جانا چاہتا ہے تو ایسا کر سکتا ہے البتہ ایک دم ادا کرنا ہوگا ادنیٰ دم بکری ہے اور جہاں بدنہ کا ذکر ہے تو وہ مستحب ہے۔

سوال:۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نذر تو اس چیز کی مانی جاتی ہے جس کی جنس میں سے کوئی فعل شرعاً واجب ہو اور بیت اللہ کی طرف پیدل سفر کرنا کوئی واجب فعل نہیں ہے تو قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس شخص پر اس نذر میں کچھ بھی لازم نہ ہو حالانکہ عام علماء کے نزدیک اس نذر کے توڑنے میں اس شخص پر دم لازم ہے۔

جواب:۔ قیاس کا تقاضہ تو یہی ہے اور ایسا ہی ہونا چاہیے تھا لیکن استحسان یعنی قیاس خفی کی وجہ سے یہ نذر معتبر قرار دیدی گئی ہے کیونکہ لوگوں کے عرف میں اس طرح کے الفاظ ادا کرنے سے حج یا عمرہ لازم سمجھا جاتا ہے اور قسم اور نذر میں عرف کا بڑا دخل ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ سے ایک اثر منقول ہے کہ اس طرح نذر ماننے سے حج یا عمرہ لازم آتا ہے تو اس وجہ سے بھی قیاس کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

سوال:۔ جب نذر توڑنے کا کفارہ قسم توڑنے کے کفارہ کی طرح ہے تو پھر اس نذر کے توڑنے کی وجہ سے دم کیوں لازم آتا ہے کفارہ قسم کیوں نہیں آتا؟

جواب:۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ نذر کا یہ معاملہ حج وعمرہ سے وابستہ ہے اور حج وعمرہ میں جب نقصان آتا ہے تو اس کو دم سے ہی پورا کیا جاسکتا ہے۔ "قال ونقائص النسک تجبر بالدم" گویا یہ حج وعمرہ کی خصوصیت ہے "کذا فی زجاجة المصابیح مختصراً"

باقی جس نے پیدل حج کی نذر مانی تو اس پر لازم ہے کہ گھر سے طواف زیارت تک پیدل جائے یہی راجح ہے اور اگر یہی نذر عمرہ کی مانی تو سر منڈانے تک پیدل رہے۔ اگر کسی نے کہا کہ مجھ پر بیت اللہ تک پیدل چلنا اللہ کیلئے نذر ہے تو اس کی نیت کا اعتبار ہوگا کہ اس نے حج کی نیت سے کہا تھا یا عمرہ کی نیت سے کہہ دیا تھا یاد رہے یہ پیدل نذر اس وقت لازم آئے گی جب کسی نے مشی الی بیت اللہ کے الفاظ کہہ دیئے اگر کسی نے "ذھاب الی بیت اللہ" کے الفاظ ادا کر دیئے تو کچھ بھی لازم نہیں آئے گا ہاں عرف کا اعتبار ہے۔

نذر ماننے والے کے ورثاء پر نذر پوری کرنا واجب ہے یا نہیں؟

(۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ اِسْتَفْتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَذْرٍ كَانَ عَلٰى اُمِّهٖ فَتُوُفِّيَتْ قَبْلَ اَنْ تَقْضِيَهُ فَاَفْتَاهُ اَنْ يَقْضِيَهُ عَنْهَا (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نذر کے متعلق جوان کی ماں پر تھی فتویٰ پوچھا وہ اس کی ادائیگی سے پہلے فوت ہوگئی تھی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد کو فتویٰ دیا کہ اس کی طرف سے نذر ادا کرے۔ (متفق علیہ)

تشریح: "فافتاہ ان یقضیہ عنہا" حضرت سعد بن عبادہؓ کی والدہ نے کیا نذر مانی تھی اس بارہ میں کوئی یقینی وضاحت نہیں ملی بعض علماء نے فرمایا کہ آپ نے روزہ رکھنے کی نذر مانی تھی بعض علماء کہتے ہیں اعتاق عبد کی نذر تھی بعض نے کہا کہ صدقہ کی نذر مانی تھی۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ ان کی نذر مبہم تھی نذر معین اور نذر مطلق کا تذکرہ بھی نہیں تھا دارقطنی میں ایک روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ اپنی والدہ کی طرف سے کنواں کھود کر وقف کر دو چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا اور پھر فرمایا کہ "یہ سعد کی والدہ کیلئے ہے"۔

اب یہاں سے یہ مسئلہ بیان کیا جاتا ہے کہ اگر کسی شخص نے نذر پورا کرنے کی وصیت کی تو دیکھا جائے گا اگر نذر کا تعلق مال سے ہے تو میت کے ایک ثلث مال سے نذر پوری کی جائے گی۔ اور میت کے ورثاء پر تعمیل حکم لازم ہے اور اگر میت کا مال نہیں ہے تو ورثاء پر اس نذر کی ایفاء لازم نہیں ہے ہاں اگر ورثاء بطور احسان ایفاء کرنا چاہتے ہیں تو یہ تبرع اور احسان ہے اور اگر نذر کا تعلق مال کے بجائے عبادات بدنیہ سے ہو تو اس کی وصیت پورا کرنا جمہور علماء کے نزدیک جائز نہیں ہے کیونکہ "لا یصلی احد عن احد ولا یصوم احد عن احد" صریح حدیث وارد ہے۔ اہل ظواہر نے زیر بحث حدیث کے ظاہر پر عمل کیا ہے کہ وارث پر مورث کی نذر پورا کرنا ہر حال میں لازم ہے۔

ایصال ثواب کا مسئلہ:۔ اس حدیث کے اشاروں سے علماء نے ایصال ثواب کا مسئلہ نکالا ہے ایصال ثواب کا مطلب یہ ہے کہ زندوں کے اعمال کا ثواب مردوں تک پہنچتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں عرب وعجم کے علماء میں دو قسم کی آراء چلی آرہی ہیں مصر کے ایک عالم محمد احمد عبد السلام نے اس مسئلہ پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "القراءة للاموات هل يصل ثوابها اليهم؟" یہ کتاب آدھی سے کچھ زیادہ ایصال ثواب کی نفی میں ہے اور آدھی سے کچھ کم آخری حصہ ایصال ثواب کے اثبات میں ہے میں اس مسئلہ کی تفصیل بیان نہیں کرسکتا صرف اتنی بات ہے کہ اہل السنت والجماعت اور معتزلہ کے درمیان گذشتہ زمانوں میں یہ اختلافات زوروں پر تھے معتزلہ ایصال ثواب کا انکار کرتے تھے اور اہل سنت اثبات کرتے تھے اب تو علماء ان مسائل کیلئے فارغ بھی نہیں ہے۔

بہرحال عبادات مالیہ پر اجماع ہے کہ اس کا ثواب مردوں تک پہنچتا ہے اور عبادات بدنیہ میں فرائض وسنن اور واجبات کا ثواب کسی دوسرے کو نہیں بخشا جاسکتا کیونکہ یہ ہر آدمی کا ذاتی عمل ہے اور اس کی اپنی ذمہ داری ہے اب بات نوافل کی رہ گئی مثلاً نفلی نماز روزہ تلاوت قرآن پاک وغیرہ تو جمہور علماء اس کے ایصال ثواب کے قائل وعامل ہیں البتہ امام شافعیؒ کی طرف منسوب ہے کہ وہ تلاوت قرآن کے ایصال ثواب کے قائل نہیں ہیں لیکن ایصال ثواب سے متعلق بہت احادیث وارد ہیں جو ان پر حجت ہیں یہی وجہ ہے کہ اکثر شوافع نے اس مسئلہ میں اپنے امام کا ساتھ نہیں دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر تعیین تاریخ کو کوئی شخص ضروری نہیں سمجھتا ہو جیسے اہل بدعت کے ہاں تیجہ ساتواں چالیسواں اور گیارھواں تعیین کے ساتھ وہ ضروری سمجھتے ہیں تو پھر ایصال ثواب درست ہے مردے کو ثواب پہنچ جائے گا ہاں اگر مردے کے ایصال ثواب کیلئے ختم قرآن ہو تو اس پر قاری کیلئے کھانا یا عوض لینا جائز نہیں ہے اگر عوض لے لیا تو ثواب نہ قاری کو ملے گا اور نہ مردے کو ملے گا۔ ہاں اگر تبرک کے طور پر ختم قرآن ہو مثلاً نئے مکان ودکان میں تو تلاوت سے برکت آجاتی ہے اس کے عوض میں کھانا جائز ہے بشرطیکہ نابالغ یتیموں کا مال نہ ہو ایصال ثواب کے ختم قرآن کیلئے شرط ہے کہ ہر قسم کی نمود ونمائش اور اشتہار وتشہیر اور غرض واغراض سے پاک ہو ورنہ جائز نہیں ہوگا نہ ثواب ہوگا ایصال ثواب اگر کئی اموات کیلئے کیا جائے تو حضرت گنگوہیؒ کے فتویٰ کے مطابق یہ ثواب سب پر تقسیم ہوگا دیگر مفتیان حضرات کا خیال ہے کہ ہر ایک کو پورا پورا ملے گا مثلاً مردوں کو ایک قرآن کا ثواب بخشا تو ہر ایک کو پورے قرآن کا ثواب ملے گا ان مسائل کیلئے فتاویٰ رشیدیہ دیکھ لیا جائے خصوصاً ص ۲۳۰ وغیرہ۔

عقود رسم المفتی وغیرہ کتب سے ایک ضابطہ معلوم ہوتا ہے جو استیجار علی الطاعات سے متعلق ہے کہ ہر وہ طاعت وعبادت کہ اگر اس پر اجرت نہ لی جائے تو اس طاعت اور منصب شریعت کے ختم ہو جانے کا خطرہ ہے تو اس پر اجرت لینا بدرجہ مجبوری متاخرین کے نزدیک جائز ہے جیسے امامت اذان تعلیم وتعلم اور تدریس ہے اور اگر شریعت کا کوئی منصب ختم نہیں ہوتا ہے جیسے تراویح اور ایصال ثواب کے ختمات وغیرہ تو اس پر اجرت لینا جائز نہیں ہے کیونکہ تراویح تو چھوٹی سورتوں سے بھی پڑھائی جاسکتی ہے لہٰذا منصب شرعی کے ختم ہونے کا خطرہ نہیں۔ باقی عاملوں کا عمل اور تعویذات یہ طاعت نہیں بلکہ ایک علاج ہے اس پر اجرت لینا جائز ہے اگرچہ عوام الناس کے نزدیک باعث طعن ہے۔

اپنا سارا مال خیرات کردینے کی ممانعت

(۸) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اِنَّ مِنْ تَوْبَتِي اَنْ اَنْخَلِعَ مِنْ مَالِي صَدَقَةً اِلَى اللّٰهِ وَاِلَى رَسُولِهٖ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمْسِكْ بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قُلْتُ فَاِنِّي اُمْسِكُ سَهْمِيَ الَّذِي بِخَيْبَرَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَهٰذَا طَرَفٌ مِنْ حَدِيثٍ مُطَوَّلٍ.

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میری توبہ کا کامل ہونا یہ ہے کہ میں اپنے سارے مال سے الگ ہو جاؤں اور اللہ کی راہ میں صدقہ کردوں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آپ نے فرمایا کچھ مال رکھ لے وہ تیرے لیے بہتر ہے۔ میں نے کہا میں اپنا خیبر کا حصہ رکھتا ہوں۔ روایت کیا اس کو بخاری ومسلم نے اور یہ لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔

تشریح: جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک میں تشریف لے گئے تو تین صحابہ حضرت کعب ابن مالک حضرت مرارہ بن ربیع اور حضرت ہلال ابن امیہ رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ گئے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو ان تینوں صحابہ رضی اللہ عنہم پر بہت خفا ہوئے اور لوگوں کو ان تینوں سے بولنے اور بات چیت کرنے سے منع فرما دیا۔ یہ ایسی صورت حال سے سخت پریشان ہوئے اور اپنی اس کوتاہی اور ندامت وشرمساری کے ساتھ بارگاہ حق جل مجدہ میں دعاوزاری اور توبہ واستغفار کرنے لگے۔ چند دنوں کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی اور ان کے حق میں یہ آیت وعلی الثلاثة الذین خلفوا الآیۃ نازل ہوئی۔ چنانچہ اسی موقع پر حضرت مالک رضی اللہ عنہ نے جناب رسالت مآب علیہ الصلوۃ والسلام میں عرض کیا کہ میں اس معافی کے شکرانہ کے طور پر اور اپنی توبہ کو کامل کرنے کیلئے یہ چاہتا ہوں کہ میرے پاس جو

کچھ مال ہے سب صدقہ وخیرات کردوں جس پر انہیں یہ حکم دیا گیا کہ کچھ مال بچا کر رکھ لو۔ بظاہر اس حکم کا مقصد یہ تھا کہ دو تہائی مال روک کر ایک تہائی مال صدقہ کردو۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سارا مال صدقہ کرنے سے اس لئے منع کیا کہ مبادہ انہیں اپنی ضروریات زندگی کیلئے کچھ مال کی احتیاج ہو اور اس صورت میں صبر وتوکل کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے معاملات میں ہر شخص کے مرتبہ ومقام کو مدنظر رکھ کر ہی کوئی حکم دیتے تھے۔ چنانچہ ایک طرف تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا سارا مال صدقہ کرنے سے منع کردیا۔ دوسری طرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مثال ہے کہ جب انہوں نے اپنا سارا مال واسباب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لا کر ڈال دیا اور سب کچھ اللہ کی راہ میں صدقہ کردیا تو آپ نے ان کو ان سے منع نہیں کیا کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان بالکل جداگانہ تھی۔ وہ صبر وتوکل راضی برضاء مولی کے جس اونچے مرتبہ پر فائز تھے اس کی بنا پر اس کا ہلکا سا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ کسی بھی مرحلہ پر اپنی اور اپنی کسی بھی سخت سے سخت ضرورت کے موقع پر صبر وتوکل کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیں گے۔

الفصل الثاني..... گناہ کی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں

(۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ لَا نَذْرَ فِيْ مَعْصِيَةٍ وَكَفَّارَتُہٗ كَفَّارَةُ الْيَمِيْنِ (ابوداود)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گناہ کی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ (ابوداؤد)

غیر معین نذر کا کفارہ

(۱۰) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَذَرَ نَذْرًا لَمْ يُسَمِّہٖ فَكَفَّارَتُہٗ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا فِيْ مَعْصِيَةٍ فَكَفَّارَتُہٗ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا لَا يُطِيْقُہٗ وَكَفَّارَتُہٗ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا اَطَاقَہٗ فَلْيَفِ بِہٖ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَوَقَفَہٗ بَعْضُهُمْ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو غیر معین نذر مانے اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اور جو گناہ کی نذر مانے اس کا کفارہ بھی قسم کا ہے۔ اور جو شخص ایسی نذر مانے جس کو پورا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اس کا کفارہ قسم کا سا ہے اور جو نذر کو پورا کرنے کی طاقت رکھتا ہے تو وہ اس کو پورا کرے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے۔ بعض نے اس کو ابن عباس پر موقوف کیا ہے)

صرف اس نذر کو پورا کرو جو جائز ہے

(۱۱) وَعَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ قَالَ نَذَرَ رَجُلٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّنْحَرَ اِبِلًا بِبُوَانَةَ فَاَتَى رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَہٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ هَلْ كَانَ فِيْهَا وَثَنٌ مِنْ اَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ قَالُوْا لَا قَالَ فَهَلْ كَانَ فِيْهَا عِيْدٌ مِنْ اَعْيَادِهِمْ قَالُوْا لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ اَوْفِ بِنَذْرِكَ فَاِنَّہٗ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰہِ وَلَا فِيْمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ اٰدَمَ۔ (رواہ ابوداود)

ترجمہ: حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نذر مانی کہ وہ بوانہ مقام پر اونٹ ذبح کرے گا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اس میں جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا کہ اس کی عبادت کی جاتی تھی صحابہ نے کہا نہیں فرمایا کیا اس میں کافروں کی عید تھی کہا نہیں۔ فرمایا اپنی نذر کو پورا کر اس لیے کہ گناہ کی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں اور جس میں آدم کا بیٹا مالک نہیں۔ پورا کرنا جائز نہیں۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: اس جگہ کے بارہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ اگر وہاں زمانہ جاہلیت میں کوئی بت تھا جس کی پرستش کی جاتی تھی یا وہاں کفار کا کوئی میلا لگتا تھا جہاں وہ سیر تماشے اور ناچ گانے میں مشغول ہوتے تھے تو اس صورت میں اس شخص کو اپنی نذر پوری کرنے کی اجازت نہ دی جائے تاکہ اس طرح کفار کے ساتھ مشابہت نہ ہو لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ وہاں ان دونوں میں سے کوئی چیز بھی نہیں تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو نذر پوری کرنے کا حکم دیا۔

دف بجانے کی نذر کو پورا کرنے کا حکم

(۱۲) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ إِنَّ امْرَأَةً قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّي نَذَرْتُ أَنْ أَضْرِبَ عَلٰى رَأْسِكَ بِالدُّفِّ قَالَ أَوْفِي بِنَذْرِكِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَزَادَ رَزِيْنٌ قَالَتْ وَ نَذَرْتُ أَنْ أَذْبَحَ بِمَكَانِ كَذَا وَ كَذَا مَكَانٌ يَذْبَحُ فِيْهِ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ هَلْ كَانَ بِذٰلِكَ الْمَكَانِ وَ ثَنٌ مِنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ قَالَتْ لَا قَالَ هَلْ كَانَ فِيْهِ عِيْدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ قَالَتْ لَا قَالَ أَوْفِي بِنَذْرِكِ

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے کہا میں نے نذر مانی اے اللہ کے رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر دف بجاؤں فرمایا اپنی نذر پوری کر لے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اور رزین نے زیادہ کیا کہ اس عورت نے کہا کہ میں نے نذر مانی کہ میں ذبح کروں فلاں فلاں مقام پر وہ جگہ جس میں جاہلیت میں ذبح کرتے تھے فرمایا وہاں کوئی بت تھا جاہلیت کے بتوں سے کہ اس کی پوجا کی جاتی تھی اس عورت نے کہا نہیں فرمایا کافروں کے میلوں میں سے کوئی میلہ تھا اس نے کہا نہیں فرمایا اپنی نذر کو پورا کر۔

تشریح: "ان اضرب علی راسک بالدف"۔ "دف" دال پر ضمہ افصح ہے فتحہ بھی جائز ہے اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے سامنے دف بجاؤں گی عام شارحین نے یہی مطلب لیا ہے لیکن یہ حاصل معنی ہے اگر حقیقی معنی پر عمل کیا جائے کہ آپ کے سر پر دف بجاؤں گی تو بھی ممکن ہے کیونکہ دف بجانے والی لونڈی جب کھڑی ہو کر دف بجائے گی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تشریف فرما ہوں گے تو یہ سر پر دف بجانا ہوگا اور ترجمہ یہ ہوگا کہ میں آپ کے سر پر دف بجاؤں گی شیخ عبدالحق نے فارسی میں یہی ترجمہ کیا ہے اور پھر تعیلق سے حاصل معنی بیان کیا ہے۔

سوال:۔ یہاں ایک مشہور سوال ہے جس کو علامہ خطابی نے اس طرح بیان کیا ہے فرماتے ہیں کہ دف بجانا کوئی طاعت اور نیک عمل نہیں ہے زیادہ سے زیادہ ایک مباح عمل ہے حالانکہ نذر ماننے کے لئے طاعت کا ہونا ضروری ہے تو یہ نذر کس طرح صحیح ہو سکتی ہے۔

جواب:۔ علامہ خطابی جواب میں فرماتے ہیں کہ اگر چہ دف بجانا صرف ایک مباح امر ہے لیکن جب یہ دف بجانا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ محبت وعقیدت کے ساتھ متعلق ہوا اور جہادی معرکوں سے صحیح سالم فاتحانہ انداز سے واپس آنے سے متعلق ہوا جس میں کفار کا سرنگوں اور غمگین ہونا تھا اور منافقین کی توہین وتحقیر وتذلیل تھی تو اس وجہ سے اب یہ عمل بعض نیکیوں کی طرح ہوا لہٰذا اس کی نذر صحیح ہوگئی۔

تہائی مال سے زیادہ صدقہ کرنے کی ممانعت

(۱۳) وَعَنْ أَبِي لُبَابَةَ أَنَّهُ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ تَوْبَتِي أَنْ أَهْجُرَ دَارَ قَوْمِي الَّتِي أَصَبْتُ فِيْهَا الذَّنْبَ وَأَنْ أَنْخَلِعَ مِنْ مَالِي كُلِّهِ صَدَقَةً قَالَ يُجْزِئُ عَنْكَ الثُّلُثُ. (رواہ رزین)

ترجمہ: حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ میری توبہ کا پورا ہونا اور کامل ہونا اس صورت میں ہے کہ جس گھر میں میں گناہ کو پہنچا اس کو چھوڑ دوں اور اپنے سارے مال سے الگ ہو جاؤں اور اس کو صدقہ کر دوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تہائی مال تجھ سے کفایت کرتا ہے۔ روایت کیا اس کو رزین نے۔

تشریح: "ان اهجرو دار قومی" مدینہ منورہ میں جنگ خندق کے موقع پر چار ہجری کو یہود بنو قریظہ نے جب عہد شکنی کی تو جنگ خندق

سے فارغ ہوکر مسلمانوں نے حضور اکرم کی معیت میں ۲۵ دن تک یہود بنوقریظہ کا محاصرہ کیا کعب بن اسد جوان یہودیوں کا لیڈر تھا اس نے یوں تقریر کی۔ اے یہود! اے انبیاء کی اولاد! اس مشکل سے نکلنے کیلئے تین باتوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلو (۱) یا ایمان لاؤ اور تم جانتے ہو کہ یہ نبی وہی نبی آخر الزمان ہے جس کا تمہیں انتظار تھا (۲) اگر یہ نہیں تو اپنی بیویوں اور بچوں کو خود قتل کر کے پھر مسلمانوں پر یکبارگی حملہ کردو اور ان کو نیست و نابود کرلو یا خود مر جاؤ (۳) یا ایسا کرلو کہ اچانک ہفتہ کے دن مسلمانوں پر حملہ کردو یہ بے خبری میں ہوں گے ہم بعد میں ہفتہ کے روز نہ رکھنے کی وجہ سے استغفار و توبہ کرلیں گے۔ قوم نے اپنے سردار کی ایک بات بھی نہیں مانی۔

پھر طے یہ ہوا کہ ابولبابہ کو بلایا جائے شاید کوئی حل نکل آئے ابولبابہ چونکہ بنوقریظہ کے ہاں رہتے تھے ان کا وہیں پر مکان تھا اور ان کے ساتھ ان کے پرانے تجارتی اور معاشرتی تعلقات بھی تھے جب حضور اکرم کی اجازت سے یہ ان کے محلوں میں گئے اور عورتوں بچوں کا رونا چیخنا دیکھا تو نرم پڑ گئے یہودیوں نے آپ سے پوچھا کہ اگر ہم حضرت محمدؐ کے حکم پر قلعوں سے نیچے اتر گئے تو وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ حضرت ابولبابہ نے گلے کی طرف اشارہ کیا یعنی تم سب کو ذبح کریں گے۔ یہ کہنا تھا کہ آپ کو ہوش آیا ابھی دو قدم آگے پیچھے نہیں ہوئے تھے کہ پشیمان ہوئے کہ میں نے حضور اکرم کا راز فاش کیا چنانچہ آپ سیدھے مسجد نبوی میں آئے اور اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ لیا یہ ستون اب تک اسطوانہ ابولبابہ کے نام سے مسجد نبوی میں حضور اکرمؐ کے منبر اور روضہ کے بیچ میں ریاض الجنۃ میں کھڑا ہے۔ سات دن تک آپ بندھے رہے نہ کھانا کھاتے تھے نہ پانی پیتے تھے صرف قضائے حاجت کیلئے کھولے جاتے تھے سات دن کے بعد غشی طاری ہوکر گر پڑے آخرکار اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور توبہ کی یہ آیتیں اتریں۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ (سورۃ توبہ ۱۰۲)

لوگوں نے جلدی جلدی آپ کو کھولنا چاہا مگر آپ نے منع کر دیا اور فرمایا کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مبارک ہاتھوں سے مجھے کھولیں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آپ کو کھولا تو آپ نے فرمایا کہ میں بنوقریظہ کے پاس اپنے مکان کو چھوڑ دیتا ہوں کیونکہ یہ مکان بھی اس واقعہ کا سبب بنا ہے اور میں اپنے پورے مال کا صدقہ کرتا ہوں کیونکہ یہ مالی تجارت بھی اسی واقعہ کا سبب بنا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کے متعلق فرمایا کہ صرف ایک ثلث صدقہ کرلو ایک تہائی خیرات کافی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکان کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا شاید آپ نے مکان چھوڑنے کا اشارہ دیا کیونکہ جہاں شیطانی اثرات پڑتے ہوں وہاں سے منتقل ہونا ضروری ہے۔

کسی خاص جگہ نماز پڑھنے کی نذر مانی جائے اور پھر اس نماز کو دوسری جگہ پڑھ لیا جائے تو نذر پوری ہو جائے گی

(۱۳) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ رَجُلًا قَامَ يَوْمَ الْفَتْحِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي نَذَرْتُ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اِنْ فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكَ مَكَّةَ اَنْ اُصَلِّيَ فِيْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ رَكْعَتَيْنِ قَالَ صَلِّ هٰهُنَا ثُمَّ اَعَادَ عَلَيْهِ فَقَالَ صَلِّ هٰهُنَا ثُمَّ اَعَادَ عَلَيْهِ فَقَالَ شَانُكَ اِذًا (رواہ ابوداؤد و الدارمی)

توضیح: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص فتح مکہ کے دن کھڑا ہوا اور کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے نذر مانی ہے کہ اگر اللہ مکہ کو فتح کر دے گا تو میں بیت المقدس میں دو رکعت نماز پڑھوں گا۔ آنحضرت نے فرمایا اس جگہ نماز پڑھ۔ پھر اس نے دوبارہ ویسی بات پوچھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی جگہ نماز پڑھ۔ اس نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تیسری بار وہی بات پوچھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس وقت اختیار والا ہے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد اور دارمی نے)

تشریح: شرح السنہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی نذر مانے اور پھر اس نماز کو مسجد حرام میں پڑھ لے تو اس کی نذر پوری ہو جائے گی لیکن اگر اس نماز کو وہ مسجد اقصی یعنی بیت المقدس میں پڑھے گا تو نذر پوری نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص مسجد اقصی میں نماز پڑھنے کی نذر مانے اور پھر اس نماز کو مسجد حرام میں یا مسجد نبوی میں پڑھ لے تو اس کی نذر پوری ہو جائے گی گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی جگہ نماز پڑھنے کی نذر مانی جائے اور اس نماز کو کسی ایسی دوسری جگہ پڑھ لیا جائے جو اس جگہ سے زیادہ فضیلت کی حامل ہو تو نذر پوری ہو جائے گی۔ لیکن حنفی علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس بارہ میں ہمارا یہ مسلک ہے کہ اگر کوئی شخص کسی جگہ نماز پڑھنے کی نذر مانے اور پھر اس نماز کو کسی ایسی دوسری جگہ پڑھے جو اس جگہ سے کم فضیلت کی حامل ہو تو بھی نذر پوری ہو جائے گی۔

نذر کا کوئی جزو اگر ناممکن العمل ہو تو اس کا کفارہ

(۱۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ اُخْتَ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ مَاشِيَةً وَاَنَّهَا لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنْ مَشْيِ اُخْتِكَ فَلْتَرْكَبْ وَلْتُهْدِ بَدَنَةً رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَ الدَّارِمِيُّ وَ فِي رِوَايَةٍ لِاَبِيْ دَاوُدَ فَاَمَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَرْكَبَ وَ تُهْدِيَ هَدْيًا وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَصْنَعُ بِشِقَاءِ اُخْتِكَ شَيْئًا فَلْتَرْكَبْ وَلْتَحُجَّ وَتُكَفِّرْ يَمِيْنَهَا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عقبہ بن عامر کی بہن نے نذر مانی کہ وہ پیدل حج کرے گی اور وہ اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیری بہن کے پیدل چلنے سے اللہ بے نیاز ہے چاہیے کہ سوار ہو اور اونٹ ذبح کرے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور داری نے۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں یوں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا سوار ہو اور ہدی ذبح کر۔ ابوداؤد کی ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تیری بہن کو مشقت نہیں دیتا ہے۔ سوار ہو کر حج کرے اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔

تشریح: " والتهدبدنة " هدی اس جانور کو کہتے ہیں جو کعبہ مشرفہ کے لئے بھیجا جائے تا کہ حرم میں ذبح کیا جائے "هديا بالغ الكعبة" قرآن کی آیت ہے ادنی ھدی بکری ہے اور اعلیٰ ھدی " بدنہ " یعنی اونٹ اور گائے ہے۔ حج کیلئے پیدل چلنا استحسان اور قیاس خفی کی وجہ سے اور حضرت علیؓ کی ایک اثر کی وجہ سے طاعات کے زمرہ میں آتا ہے اس لئے اس کی نذر صحیح اور واجب تعمیل ہے ترک کی صورت میں کفارہ ادا کرنا ہوگا اب کفارہ کے اس جانور کے بارہ میں حضرت علی کے قول کے مطابق " بدنہ " یعنی اونٹ اور گائے ذبح کرنا ہوگا اور حدیث میں بھی بدنہ کا ذکر آیا ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بدنہ نہیں بلکہ بکری لازم ہے بدنہ کا ذکر استحباب کے طور پر باقی ہے اس حدیث میں کفارہ سے مراد کفارہ قسم نہیں بلکہ کفارہ جنایت ہے جو حج وعمرہ کے ساتھ خاص ہے "لا يصنع " صنع سے ہے لا يفعل کے معنی میں ہے صنع کاریگری کو کہتے ہیں یہاں عمل مراد ہے " شقا " شین کے فتحہ کے ساتھ محنت و مشقت اٹھانے کے معنی میں ہے ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تیری بہن کے اس مشقت کو اٹھانے سے کچھ بھی نہیں کرنا چاہتا کیونکہ وہ دفع مضرت اور جلب منفعت سے پاک ہے "كذا يفهم من المرقات واشعة اللمعات"

(۱۶) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اُخْتٍ لَهُ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ حَافِيَةً غَيْرَ مُخْتَمِرَةٍ فَقَالَ مُرُوْهَا فَلْتَخْتَمِرْ وَلْتَرْكَبْ وَلْتَصُمْ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ۔ (رواه ابوداؤد و الترمذی والنسائی و ابن ماجة والدارمی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عقبہ بن عامر نے اپنی بہن کا حال نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اس نے ننگے پاؤں اور ننگے سر پیدل حج کرنے کی نذر مانی ہے۔ آنحضرت نے فرمایا اس کو حکم کرو کہ وہ اپنا سر ڈھانپے اور سوار ہو جائے اور چاہیے کہ تین روزے رکھے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، داری نے)

تشریح: سر ڈھانکنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ عورت کا سر اور بال ستر ہیں۔ یعنی اس کے جسم کے پردہ حصے ہیں جس کو چھپانا اس پر واجب ہے اور

اس کا کھلا رکھنا گناہ ہے اور سواری پر بیٹھنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ وہ پیدل چلنے سے عاجز تھیں اور اس کی وجہ سے وہ سخت مشقت و تکلیف میں مبتلا تھیں۔

چونکہ اوپر کی حدیث میں ہدی کا ذکر ہے اس لئے یہاں وہ تین روزے رکھیں کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر وہ ہدی (یعنی جانور ذبح کرنے) سے عاجز ہوں تو تین روزے رکھ لیں۔ یا پھر روزے رکھنے کیلئے اس لئے فرمایا گیا کہ قسم کے کفارہ کی جو کئی قسمیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص کفارہ کی قسموں سے عاجز ہو تو وہ تین روزے رکھے اب ان تین روزوں کے بارہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر تین روزے قسم کے کفارہ کے طور پر رکھے جائیں تو تین دن پے در پے رکھنے واجب ہیں اس کے علاوہ کی صورت میں اختیار ہے کہ جس طرح چاہے رکھے گا۔

ناجائز نذر کا کفارہ دینا واجب ہے

(۱۷) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَخَوَيْنِ مِنَ الْأَنْصَارِ كَانَ بَيْنَهُمَا مِيرَاثٌ فَسَأَلَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ الْقِسْمَةَ فَقَالَ إِنْ عُدْتَ تَسْأَلُنِي الْقِسْمَةَ فَكُلُّ مَالِي فِي رِتَاجِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ إِنَّ الْكَعْبَةَ غَنِيَّةٌ عَنْ مَالِكَ كَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ وَكَلِّمْ أَخَاكَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَمِينَ عَلَيْكَ وَ لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةِ الرَّبِّ وَلَا فِي قَطِيعَةِ الرَّحِمِ وَلَا فِيمَا لَا يَمْلِكُ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو بھائی انصاری تھے ان کے درمیان میراث تھی ایک نے دوسرے سے میراث کے تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا۔ دوسرے نے کہا اگر تو نے دوبارہ مطالبہ کیا تو میں سارا مال کعبہ میں صرف کر دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کعبہ تیرے مال سے بے پرواہ اپنی قسم کا کفارہ دے اور اپنے بھائی سے بول میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے تجھ پر یہ قسم لازم نہیں اور پروردگار کی نافرمانی میں نذر نہیں اور نہ رشتہ داری کو توڑنے میں اور نہ اس چیز میں جس کا وہ مالک نہیں۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: تاج الکعبۃ کا لفظی ترجمہ ہے۔ کعبہ کا دروازہ کیونکہ رتاج بڑے دروازہ (پھاٹک) کو کہتے ہیں لیکن رتاج کعبہ سے کعبہ کا دروازہ مراد نہیں ہے بلکہ نفس کعبہ مراد ہے۔

الفصل الثالث.... جائز اور ناجائز نذر

(۱۸) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ النَّذْرُ نَذْرَانِ فَمَنْ كَانَ نَذَرَ فِي طَاعَةِ فَذَلِكَ لِلّٰهِ فِيهِ الْوَفَاءُ وَمَنْ كَانَ نَذَرَ فِي مَعْصِيَةٍ فَذَلِكَ لِلشَّيْطَانِ وَ لَا وَفَاءَ فِيهِ وَيُكَفِّرُهُ مَا يُكَفِّرُ الْيَمِينَ (النسائی)

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے نذر دو طرح کی ہے۔ جو شخص اللہ کی اطاعت میں نذر مانے یہ اللہ کے لیے ہے اس نذر کو پورا کرنا چاہیے اور جو شخص نذر کرے گناہ میں یہ نذر شیطان کے لیے ہے اس نذر کو پورا نہیں کرنا چاہیے اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ (نسائی)

جان قربان کرنے کی نذر کا مسئلہ

(۱۹) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ قَالَ إِنَّ رَجُلاً نَذَرَ أَنْ يَنْحَرَ نَفْسَهُ إِنْ نَجَّاهُ اللهُ مِنْ عَدُوِّهِ فَسَئَلَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَهُ سَلْ مَسْرُوقًا فَسَأَلَهُ فَقَالَ لَهُ لَا تَنْحَرْ نَفْسَكَ فَإِنَّكَ إِنْ كُنْتَ مُؤْمِنًا قَتَلْتَ نَفْسًا مُؤْمِنَةً وَ إِنْ كُنْتَ كَافِرًا تَعَجَّلْتَ إِلَى النَّارِ وَاشْتَرِ كَبْشًا فَاذْبَحْهُ لِلْمَسَاكِينِ فَإِنَّ إِسْحَاقَ خَيْرٌ مِنْكَ وَ فُدِيَ بِكَبْشٍ فَأَخْبَرَا ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ هٰكَذَا كُنْتُ أَرَدْتُ أَنْ أُفْتِيَكَ (رواہ رزین)

ترجمہ: حضرت محمد بن منتشر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ اپنے نفس کو ذبح کرے گا اگر اللہ نے اس کو اس کے دشمن سے نجات دی اس نے ابن عباس سے پوچھا انہوں نے اس کو کہا کہ مسروق سے پوچھ۔ اس سے پوچھا مسروق نے کہا تو اپنی جان کو ذبح نہ کر اس لیے کہ اگر تو مسلمان ہے تو تو نے مسلمان جان کو قتل کیا اگر تو کافر ہے تو تو نے دوزخ کی طرف جلدی کی تو دنبہ خرید اور اس کو مساکین کے لیے ذبح کر دے۔ کیونکہ حضرت اسحاق تجھ سے بہتر تھے وہ ایک دنبہ سے بدلہ دیئے گئے۔ اس شخص نے ابن عباس کو خبر دی۔ ابن عباس نے کہا میں بھی اسی طرح فتویٰ دینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ روایت کیا اس کو رزین نے۔

تشریح: حضرت مسروق ابن اجدع رحمہ اللہ کا شمار اونچے درجہ کے تابعین میں ہوتا ہے۔ ان کی علمی فضیلت اور فقہی حیثیت اپنے زمانہ میں ایک امتیازی شان رکھتی تھی۔ مرہ ابن شرحبیل کا قول ہے کہ کسی ہمدانی عورت نے مسروق رحمہ اللہ جیسا سپوت نہیں جنا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔ مگر دربار رسالت میں حاضری کی سعادت سے محروم رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے چاروں خلفاء راشدین اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے تحصیل علم کیا تھا اس لئے جب اس شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے اپنی جلالت علم کے باوجود اس شخص کو حضرت مسروق رحمہ اللہ سے مسئلہ پوچھنے کیلئے کہا۔ اس سے جہاں حضرت مسروق رحمہ اللہ کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے۔ وہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے جذبہ احتیاط اور ان کے کمال صبر و دیانت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

حدیث میں جس شخص کا ذکر کیا گیا ہے اس کو اپنے دشمن کے ہاتھوں مرنا نہایت شدید اور فضیحت ناک معلوم ہوتا تھا۔ چنانچہ اس نے التجا کی کہ پروردگار اصل موت مجھ پر سخت نہیں ہے اور نہ میں اپنی زندگی کے خاتمہ سے گھبراتا ہوں میں اپنی جان اپنے ہاتھوں تجھے سونپتا ہوں اور اپنے آپ کو تیرے نام پر قربان کرتا ہوں لیکن دشمن کے ہاتھوں مرنا مجھ پر سخت شاق ہے اس لئے اگر تو مجھے دشمن سے نجات دیدے گا تو میں اپنے آپ کو تیرے نام پر قربان کر دوں گا یہ تو گویا اس کا جذبہ اور اس کی ایک طبعی خواہش تھی لیکن اس نے یہ نہیں جانا کہ اپنے آپ کو ہلاک کر لینا اس سے کہیں زیادہ سخت اور حرام ہے۔ چنانچہ حضرت مسروق رحمہ اللہ نے اس کے سامنے اس مسئلہ کو بڑے لطیف انداز میں واضح کیا کہ اگر تم مسلمان ہو اور اپنے آپ کو قتل کر ڈالتے ہو تو اس طرح درحقیقت تم ایک مسلمان کو قتل کرنے کے مرتکب گردانے جاؤ گے اور یہ معلوم ہونا چاہئے کہ نفس مومن کو قتل کرنے والے کے بارہ میں اس آیت کریمہ **ولا تقتلوا انفسکم ومن یقتل مؤمنا متعمدا الخ** کے بموجب دوزخ کے دائمی عذاب کی وعید بیان کی گئی ہے اور اگر تم کافر ہو تو اس صورت میں تمہارا اپنے آپ کو قتل کر دینا اس بات کے مترادف ہوگا کہ تم دوزخ میں جانے میں جلدی کر رہے ہو کیونکہ اگر تم بقید حیات رہتے ہو تو عجب نہیں کہ حق تعالیٰ تمہیں راہ ہدایت سے نوازے اور تم اسلام قبول کر کے دائمی نجات پاؤ۔ بہر حال کسی بھی صورت میں تمہارا اپنے آپ کو قتل کر دینا نہ صرف یہ کہ نامشروع ہے بلکہ غیر معقول بھی ہے۔

حدیث کا یہ جملہ حضرت اسحٰق علیہ السلام تم سے بہتر تھے جن کا بدلہ ایک دنبہ کو قرار دیا گیا تھا۔ بعض علماء کے اس قول پر مبنی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو خواب دیکھا تھا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں تو وہ بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام تھے لیکن اس بارہ میں مشہور مختار اور صحیح قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے۔ چنانچہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے وضاحت کی ہے کہ اس واقعہ میں اہل کتاب نے سخت تحریف و تکذیب سے کام لیا ہے۔ سابقہ آسمانی کتابوں میں اصل نام اسمٰعیل تھا جس کو اہل کتاب نے حذف کر کے اسحٰق بنا دیا۔ درمختار میں لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر مانی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کی موافقت میں اس پر بکری ذبح کرنا واجب ہوگا لیکن حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایسی نذر لغو ہوگی۔ اسی طرح اپنے آپ کو یا اپنے غلام کو ذبح کرنے کی نذر بھی لغو ہوگی لیکن حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں ایک بکری ذبح کرنا واجب ہوگا اور اگر کسی نے اپنے باپ یا اپنے دادا کو اور اپنی ماں کو ذبح کرنے کی نذر مانی تو تمام علماء کے نزدیک اس کی نذر لغو ہوگی۔

کِتَابُ الْقِصَاصِ

قصاص کا بیان

قال الله تبارک وتعالیٰ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (مائدة ۴۵)

وقال الله تعالیٰ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنثَىٰ بِالْأُنثَىٰ (بقرة ۱۷۸)

وقال الله تعالیٰ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (بقرة ۱۷۹)

قصاص کی تعریف:۔ قص یقص باب نصر ینصر سے قصاً کاٹنے کے معنی میں ہے "قص الشعر" یعنی قینچی سے بال کاٹ دیئے اور اسی باب سے اگر مصدر "قصصا" آ جائے تو کسی کے نشانات قدم پر پیچھے پیچھے چلنے کو کہا جاتا ہے اور بیان دینے کے معنی میں بھی آتا ہے البتہ "صلہ" لانے سے فرق ہو جاتا ہے۔ "قص اثرہ" یہ پیچھے چلنے کے ساتھ خاص ہے جیسے "فارتدا علی آثارھما قصصا" اور "قص الخبر قصصا" یہ خبر دینے اور بیان کرنے کے ساتھ خاص ہے جیسے وقص علیہ القصص

نحن نقص علیک احسن القصص "۔ " اقص الامیر فلانا من فلان " یہ بدلہ اور انتقام لینے کے معنی میں ہے اور " والجروح قصاص " مساوات اور برابری کے معنی میں ہے شرعی قصاص میں کاٹنے اور پیچھے چلنے کا مفہوم پڑا ہے کیونکہ مقتول کا وارث بدلہ لینے کی غرض سے قاتل کے پیچھے پیچھے جاتا ہے تاکہ اس پر قابو پا کر اسے اسی طرح کاٹ کر رکھے جیسا کہ اس قاتل نے مقتول کو کاٹ کر رکھ دیا تھا نیز اس میں مساوات کا مفہوم بھی آ گیا لہذا لغوی طور پر بھی قصاص میں بدلہ لینے مساوات قاتل کی تلاش اور اسے کاٹنے کا مفہوم موجود ہے اور اصطلاح شرع میں قصاص کی تعریف اس طرح ہے۔

" القصاص ھو ان یفعل بالفاعل مثل مافعل " یعنی قاتل یا جارح کے ساتھ وہی کچھ کرنا جو اس نے کیا ہے۔ اسلامی عادلانہ نظام میں قصاص صرف قتل عمد میں ہوتا ہے اس لئے یہاں قتل کی اقسام بیان کرنا ضروری ہے۔

قتل کی اقسام:۔ شریعت مطہرہ نے جس قتل کو ناجائز قرار دیا ہے اس کی پانچ قسمیں ہیں

(۱) قتل عمد یہ وہ قتل ہے کہ جان بوجھ کر کسی کو دھار والی چیز یا بندوق سے مارا جائے۔ (۲) قتل شبہ عمد یہ وہ قتل ہے کہ جان بوجھ کر کسی کو غیر قاتل آلہ سے مارا جائے۔ (۳) قتل خطاء اس کی دو صورتیں ہیں اول قتل خطاء فی القصد ہے یہ وہ قتل ہے کہ دور سے کسی چیز کو دیکھا خیال کیا کہ یہ شکار ہے اس کی طرف تیر پھینکا یا اس پر گولی چلا دی وہ حقیقت میں آدمی تھا گولی لگنے سے مر گیا۔ دوم قتل خطاء فی الفعل ہے کہ گولی نشانہ پر ماری مگر ہاتھ اچک گیا گولی اچک کر آدمی کو جا کر لگی اور وہ مر گیا یہ دونوں صورتیں قتل خطاء کی ہیں۔ (۴) جاری مجرای خطاء یعنی قائم مقام خطاء یہ وہ قتل ہے کہ مثلاً کوئی آدمی چارپائی وغیرہ پر سویا ہوا ہو اور سوتے میں پلٹ کر کسی پر آ کر گر گیا اور وہ اس سے مر گیا۔ (۵) قتل بسبب اس کی صورت یہ ہے کہ کسی آدمی نے دوسرے کی زمین میں کنواں کھودا وہاں کوئی جا کر گرا اور مر گیا یاد رہے قتل کی اقسام کی یہ تعریفات امام ابو حنیفہؒ کے مسلک پر ہیں دیگر ائمہ کی تعریفات میں کچھ فرق ہے۔

موجبات قتل:۔ مندرجہ بالا قتل کی اقسام میں ہر قسم کے لئے الگ الگ احکامات اور موجبات ہیں چنانچہ

(۱) قتل عمد کا موجب ایک تو گناہ کبیرہ ہے دوسرا قصاص ہے اور تیسرا مقتول کی میراث سے قاتل کا محروم ہونا ہے۔ (۲) قتل شبہ عمد کی وجہ سے گناہ ہوتا ہے قاتل میراث سے محروم ہو جاتا ہے قاتل پر کفارہ لازم آتا ہے یعنی غلام آزاد کرنا یا دو ماہ کے روزے رکھنا اور دیت مغلظہ ادا کرنا ہے جو قاتل کے عاقلہ پر آئے گی۔ (۳) قتل خطاء اور جاری مجرای خطاء کی وجہ سے قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہو جاتا ہے قاتل پر کفارہ آتا ہے اور قاتل کے عاقلہ پر دیت آتی ہے اس میں گناہ نہیں ہے ہاں بے احتیاطی کا جرمانہ کفارہ ہے۔ (۴) قتل بسبب میں عاقلہ پر دیت آتی ہے۔

قصاص کا حق کس کو ملے گا؟:۔ یہ بات یاد رکھیں کہ قصاص صرف قتل عمد میں ہوتا ہے قتل شبہ عمد یا قتل خطاء یا جاری مجرای خطاء میں قصاص نہیں ہے نیز یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ قصاص کا حق اگرچہ مقتول کے ورثاء کا ہے لیکن قصاص کا نافذ کرنا اور اس کی تنفیذ کا حق ورثاء کو حاصل نہیں بلکہ نافذ کرنے کا حق حکومت وقت کو حاصل ہے کیونکہ اگر ہر شخص ذاتی طور پر قصاص لینا شروع کر دے تو امن کے بجائے بدامنی پھیل جائے گی کیونکہ مقتول کے ورثاء غصہ سے مغلوب ہو کر حدود قصاص سے تجاوز کر سکتے ہیں نیز قصاص کرنے کی تفصیلات اور اس کے واجب ہونے کے باریک نکات اتنے زیادہ ہیں کہ ہر شخص اس کے ادراک سے قاصر و عاجز ہے اس لئے اسلامی عدالت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے باقی دنیا کا موجودہ پھانسی کا نظام قصاص نہیں ہے۔

نیز یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ قصاص کرنا لوگوں کی زندگی کی بقاء اور حفاظت کا ذریعہ ہے کیونکہ ایک جان کے قصاص ہو جانے سے کئی کئی جانوں کو تحفظ فراہم ہو جاتا ہے سعودی حکومت میں صرف قصاص کا نظام نافذ ہے جس کی وجہ سے وہاں مکمل امن و امان ہے قصاص کے سوا وہاں شرعی حدود کا نفاذ نہیں ہے افغانستان میں طالبان کی اسلامی خلافت کے دور میں جب حدود و قصاص کا نفاذ تھا تو وہاں کس طرح مثالی امن قائم تھا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ.... خون مسلم کی حرمت

(۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ یَشْهَدُاَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَّا بِاِحْدٰی ثَلَاثٍ اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَ الثَّیِّبُ الزَّانِیْ وَالْمَارِقُ لِدِیْنِهِ التَّارِکُ لِلْجَمَاعَةِ (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان آدمی کا خون جائز نہیں جو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں۔ مگر تین باتوں میں سے ایک کے ساتھ نفس نفس کے بدلہ میں اور بوڑھا زانی اپنے دین سے نکل جانیوالا۔ جماعت کو چھوڑ دینے والا یعنی مرتد (متفق علیہ)

تشریح: "النفس بالنفس" اس میں اختلاف ہے کہ آیا صرف ذات انسان کا لحاظ ہو گا یا جنس اور انسانی صفات کا بھی اعتبار کیا جائے گا یعنی حریت وعبدیت ذکورت وانوثت اور اسلامیت وذمیت کا لحاظ بھی ہو گا یا نہیں۔

فقہاء کا اختلاف:۔ جمہور فرماتے ہیں کہ صفات کا لحاظ رکھا جائے گا لہٰذا اگر کسی حر آزاد آدمی نے کسی غلام کو قتل کر دیا تو حر کو غلام کے قصاص میں نہیں مارا جائے گا ہاں حر کو حر کے بدلہ میں اور عبد کو عبد کے بدلہ میں مارا جائے گا۔ ائمہ احناف کے ہاں قصاص میں ذات انسانی کا اعتبار ہے ان زائد صفات کا اعتبار نہیں ہے لہٰذا عبد کے بدلے میں حر سے قصاص لیا جائے گا نیز عورت کے بدلے میں مرد کو قتل کیا جائے گا۔

دلائل:۔ جمہور نے آیت الحر بالحر والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ سے استدلال کیا ہے طرز استدلال اس طرح ہے کہ آیت کا مفہوم مخالف لیا گیا ہے تو حر کے بدلہ حر ہے کوئی اور نہیں اور عبد کے بدلے صرف عبد ہے کوئی اور نہیں اس لئے عبد کے مارے جانے سے حر سے قصاص نہیں لیا جائے گا لہٰذا اگر کسی حر نے کسی غلام کو قتل کر دیا تو اس آزاد سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔

ائمہ احناف نے اس آیت سے استدلال کیا ہے وَکَتَبْنَا عَلَیْهِمْ فِیْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَیْنَ بِالْعَیْنِ (مائدہ ۴۵)

احناف کی دوسری دلیل یہ آیت ہے وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ (بقرہ ۱۷۹)

نیز احناف نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی (بقرہ ۱۷۸)

ان تمام آیتوں میں مطلق ذات انسانی کا ذکر ہے اس میں یہ فرق نہیں کہ کون کس صفت سے متصف ہے صرف جان کے بدلے جان کا ذکر ہے۔

احناف کی چوتھی دلیل زیر بحث حدیث بھی ہے جس میں مطلق نفس کے مقابلہ میں مطلق نفس کا ذکر آیا ہے کسی زائد وصف کا ذکر نہیں ہے۔

جواب:۔ احناف نے جمہور کے استدلال کا جواب دیا ہے کہ ہم مفہوم مخالف کے قائل نہیں ہیں ہم آیت سے آپ کے مفہوم مخالف لینے کو نہیں مانتے لہذا آپ کا استدلال ہم پر کوئی حجت نہیں ہے نیز آیت کا مطلب ومفہوم یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے ایک نظام کو توڑا ہے ایام جاہلیت میں ایسا ہوتا تھا صاحب شوکت اور شریف قوم کے آدمی کے بدلے میں وہ لوگ وضیع کمزور اور گھٹیا خاندان کے دو آدمیوں کو مارتے تھے شریف قوم کے غلام کے بدلے میں گھٹیا قوم کے آزاد مرد کو قتل کرتے تھے عورت کے بدلے میں مرد کو مارا کرتے تھے اس غلط رواج کو اس آیت میں توڑ دیا گیا ہے نیز مفہوم مخالف یہاں نہیں لیا جا سکتا کیونکہ منطوق کی موجودگی میں مفہوم کا اعتبار نہیں نیز احناف نے جمہور کو یہ الزامی جواب بھی دیا ہے کہ آپ نے جس آیت سے استدلال کیا ہے اس میں عورت کے بدلے عورت کا ذکر ہے حالانکہ آپ مانتے ہیں کہ اگر عورت نے مرد کو قتل کر دیا یا مرد نے عورت کو قتل کر دیا تو دونوں میں قصاص جاری ہوگا تو اپنے ضابطہ کے مطابق جمہور نے خود آیت والانثیٰ بالانثیٰ پر عمل نہیں کیا۔ "والثیب الزانی" یعنی شادی شدہ آدمی جو خلوت صحیحہ کرنے والا مسلمان ہو مکلف اور آزاد ہو وہ اگر زنا کا ارتکاب کرے تو اس کو سنگسار کیا جائے گا۔

"المارق لدینہ" "مارق" نکلنے کے معنی میں ہے یہاں اپنے دین کو چھوڑ کر نکلنے والے یعنی دین اسلام کو چھوڑنے والے کو مارق کہا گیا ہے اور اس کے بعد "التارک" کے الفاظ اس کے لئے بصورت صفت مؤکدہ لائے گئے ہیں یعنی جو شخص فعلاً قولاً یا اعتقاداً دین اسلام سے مرتد ہو جائے تو تین دن تک اس کو سمجھایا جائے گا اگر توبہ کی تو ٹھیک ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا اس میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے البتہ عورت اگر مرتدہ ہو جائے تو اس کو قتل کیا جائے گا یا نہیں اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

مرتد عورت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف:۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے عموم کے پیش نظر عورت کو بھی ارتداد کی سزا میں قتل کیا جائے گا ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ ارتداد کی سزا میں عورت کو قید کیا جائے گا قتل نہیں کیا جائے گا۔

دلائل:۔ جمہور نے بخاری کی حدیث سے استدلال کیا ہے "من بدل دینہ فاقتلوہ" اس حدیث میں عموم ہے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو فرمایا "ایما امراۃ ارتدت عن الاسلام فادعھا فان عادت والا فاضرب عنقھا" جمہور کی عقلی دلیل یہ ہے کہ جو جنایت مرد نے کی ہے ارتداد کی وہی جنایت عورت نے بھی کی ہے لہذا دونوں کی سزا ایک جیسی ہونی چاہیے۔

ائمہ احناف نے اپنے استدلال میں کتاب الجہاد کی وہ حدیث پیش فرمائی ہے جس میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل کرنے سے منع فرمایا ہے نھی عن قتل النساء والصبیان (ترمذی، ابوداود)

ائمہ احناف نے معجم طبرانی کی حضرت معاذ بن جبلؓ والی روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں "وایما امراۃ ارتدت عن الاسلام فادعھا فان تابت فاقبل منھا وان ابت فاستتبھا" (بحوالہ زجاجۃ المصابیح ج ۳ ص ۴) یعنی اگر مرتدہ عورت توبہ نہیں کرتی تو پھر بھی اس سے توبہ کرانے کی کوشش کرو۔ احناف نے ایک حکمت وعلت کو بھی ملحوظ رکھا ہے اور وہ یہ کہ عورت ناقصۃ العقل ہے لہذا ایک حد تک معذور ہے سمجھانے کی کوشش کرو نیز عورت لڑنے والوں میں سے نہیں ہے اگر مرتدہ ہوگئی تو دشمن کو مدد نہیں دے سکتی ہے۔ بخلاف مردوں کے کہ وہ مقاتلین میں سے ہیں تو ان کو تین دن تک سمجھایا جائے اگر باز آ گئے تو ٹھیک ہے ورنہ قتل کر دیا جائے۔

الجواب:۔ جمہور نے احادیث کے عموم سے استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس عموم سے عورت کا حکم مستثنیٰ ہے اور احناف کی مذکورہ روایات سے اس عموم میں تخصیص آ گئی ہے۔ جمہور کی عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ مردوں پر عورتوں کو یہاں قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ مرد لڑائی کے میدان میں جا کر کافروں کی مدد کر سکتے ہیں اور عورت یہ مدد نہیں کر سکتی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد کسی کے قتل کے اسباب یہی تین ہو سکتے ہیں جمہور نے تارک صلوٰۃ کے قتل کا حکم بھی دیا ہے لیکن احناف اس کے قتل کے قائل نہیں ہیں ہاں اس کو جیل میں بند کرنے کے قائل ہیں۔

خون ناحق کرنے والا رحمت خداوندی سے محروم رہتا ہے

(۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يَزَالَ الْمُؤْمِنُ فِي فُسْحَةٍ مِنْ دِيْنِهِ مَالَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن اپنے دین کی کشادگی میں رہتا ہے جب تک اس سے خون ناحق سرزد نہ ہو۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

تشریح: یوں تو ہر برائی انسان کی دینی واخلاقی زندگی کیلئے زوال کا باعث اور غضب خداوندی کا موجب ہوتی ہے لیکن یہاں بطور خاص خون ناحق کے مذموم ترین فعل کے بارہ میں واضح کیا گیا ہے کہ جب تک کوئی شخص کسی کے خون ناحق سے اپنا ہاتھ نہیں رنگتا۔ اس پر رحمت خداوندی کا ہاتھ رہتا ہے اور اس کو حق تعالیٰ کی امید رحمت اور اس کی بخشش ومغفرت کا سہارا اپنے وسیع دامن میں لئے رہتا ہے لیکن جب کوئی شخص خون ناحق سے اپنے ہاتھ رنگ لیتا ہے تو اس پر تنگی مسلط ہو جاتی ہے اور وہ ان لوگوں کے زمرہ میں شامل ہو جاتا ہے جو رحمت خداوندی سے ناامید ومحروم ہیں۔

قیامت میں سب سے پہلے خون کے بارہ میں پرسش ہوگی

(۳) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ مَايُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الدِّمَاءِ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں میں سب سے پہلے خون کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا۔ (متفق علیہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن بندوں کے حقوق میں سے جس مقدمہ کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ انسان کے خون کا مقدمہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے جس چیز کے بارہ میں سب سے پہلے سوال کیا جائے گا وہ نماز ہوگی۔ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ منہیات میں سے جس چیز کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ خون کا مقدمہ ہوگا اور مامورات میں سے جس چیز کے بارہ میں سب سے پہلے سوال کیا جائے گا وہ نماز ہوگی۔

جس شخص نے کلمہ پڑھ لیا وہ معصوم الدم ہو گیا

(۴) وَعَنِ الْمِقْدَادِبْنِ الْاَسْوَدِ اَنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ لَقِيْتُ رَجُلاً مِنَ الْكُفَّارِ فَاقْتَتَلْنَا فَضَرَبَ اِحْدٰى يَدَىَّ بِالسَّيْفِ فَقَطَعَهَا ثُمَّ لَاذَمِنِّىْ بِشَجَرَةٍ فَقَالَ اَسْلَمْتُ لِلّٰهِ وَ فِىْ رِوَايَةٍ فَلَمَّا اَهْوَيْتُ لِاَقْتُلَهٗ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَقْتُلُهٗ بَعْدَ اَنْ قَالَهَا قَالَ لَا تَقْتُلْهُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ قَطَعَ اِحْدٰى يَدَىَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلْهُ فَاِنْ قَتَلْتَهٗ فَاِنَّهٗ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ اَنْ تَقْتُلَهٗ وَاِنَّكَ بِمَنْزِلَتِهٖ قَبْلَ اَنْ يَقُوْلَ كَلِمَتَهُ الَّتِىْ قَالَ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اس نے کہا اے اللہ کے رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم خبر دیں اگر میں کسی کافر آدمی کو ملوں اور ہم دونوں کا مقابلہ ہو وہ میرے ایک ہاتھ پر تلوار مارے اور اسے کاٹ دے پھر ایک درخت کے ساتھ پناہ پکڑے اور کہے میں اللہ کے لیے اسلام لے آیا۔ ایک روایت میں ہے جب میں اس کے قتل کا ارادہ کروں کہے لا الہ الا اللہ کیا یہ کلمہ کہنے کے بعد میں اس کو قتل کر دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو قتل نہ کر اس نے کہا اے اللہ کے رسول اس نے میرا ایک ہاتھ کاٹ ڈالا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو قتل نہ کر اگر تو اس کو قتل کرے گا وہ تیرے مرتبہ میں ہوگا اس سے پہلے کہ تو اس کو قتل کرے اور تو اس کے درجہ میں ہوگا اس سے پہلے کہ اس نے وہ کلمہ پڑھ لیا ہے جو اس نے پڑھا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے اس کو کلمہ پڑھنے کے بعد قتل کر دیا تو جس طرح تم اس کو قتل کرنے سے پہلے معصوم الدم تھے اب وہ اسلام لانے کی وجہ سے معصوم الدم ہو گیا اور جس طرح وہ کلمہ اسلام پڑھنے سے پہلے غیر معصوم الدم تھا اب تم اس کو قتل کر دینے کی وجہ سے غیر معصوم

الدم ہو گئے۔ اس کو مزید وضاحت کے ساتھ یوں کہا جا سکتا ہے کہ کلمہ اسلام پڑھنے سے پہلے اس شخص کو اس کے کافر ہونے کی وجہ سے قتل کر دینا درست تھا اب اس کے مسلمان ہو جانے کے بعد اس کو قتل کر دینے کی وجہ سے تمہیں قتل کر دینا درست ہوگا۔

(۵) وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى أُنَاسٍ مِنْ جُهَيْنَةَ فَأَتَيْتُ عَلٰى رَجُلٍ مِنْهُمْ فَذَهَبْتُ أَطْعَنُهُ فَقَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَطَعَنْتُهُ فَقَتَلْتُهُ فَجِئْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ أَقَتَلْتَهُ وَقَدْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ؟ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّمَا فَعَلَ ذٰلِكَ تَعَوُّذًا قَالَ فَهَلَّا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةِ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْبَجَلِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ إِذَا جَاءَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَهُ مِرَارًا. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو جہینہ کے کچھ لوگوں کی طرف بھیجا میں ان میں سے ایک آدمی کے پاس آیا میں نے اسے نیزہ مارنے کا ارادہ کیا اس نے کہا لا الہ الا اللہ میں نے اس کو نیزہ مار دیا اور اس کو قتل کر ڈالا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر دی آپ نے فرمایا تو نے اس کو قتل کر ڈالا ہے جبکہ اس نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول اس نے بچنے کے لیے کلمہ پڑھا ہے۔ فرمایا تو نے اس کا دل کیوں نہ چیر کر دیکھ لیا۔ (متفق علیہ) جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تو کلمہ لا الہ الا اللہ کو کیا کرے گا جب وہ قیامت کے دن آئے گا یہ بات کئی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: "جھینہ" حضرت اسامہ کو اس سریہ اور فوجی دستے میں قبیلہ جھینہ کی طرف ان کے ساتھیوں کے ہمراہ حضور اکرمؐ نے روانہ فرمایا تھا۔ "فھلا شققت عن قلبہ" حضرت اسامہؓ نے سوچا کہ یہ شخص صرف ڈر کی وجہ سے کلمہ پڑھ رہا ہے زبان کی نوک پر جان بچانے کیلئے کلمہ پڑھ رہا ہے اور اس کے دل میں ایمان نہیں ہے لہٰذا اس کا قتل کرنا جائز ہے یا حضرت اسامہؓ نے یہ اجتہاد کیا کہ جب میری تلوار اس کی گردن تک پہنچ گئی ہے نیزہ اس کی طرف بڑھ چکا ہے تو اس "حالت غرغرہ" میں اس شخص کا ایمان معتبر نہیں ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہؓ کا خیال اور ان کا اجتہاد غیر صحیح قرار دیا اور فرمایا کہ جب وہ شخص کلمہ پڑھ چکا تھا تو تجھے اس کے اس ظاہری اسلام کو قبول کرنا تھا باطن کو اور اس کے دل کی کیفیت کو نہ تم جان سکتے تھے اور نہ اس کی ضرورت تھی تم کو چاہیے تھا کہ اس کی ظاہری حالت پر فیصلہ کر دیتے اور اس کے قتل سے باز آتے تم خود سوچ لو اگر وہ شخص یہی کلمہ قیامت کے دن اپنے ساتھ لے کر آ جائے تو تم کیا کرو گے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ سے قصاص یا دیت نہیں لی کیونکہ اسامہؓ نے جو اس شخص کو مارا تھا تو آپ نے اجتہاد کے تحت ایسا کیا تھا اور اجتہادی غلطی پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب سرزنش فرمائی اور مزید کچھ نہیں کیا۔ بعض حضرات اس روایت کو بہانہ بنا کر اہل نفاق وشقاق اور اہل فساد و زندقہ کے مقابلہ میں جہاد کرنے کو جہاد نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ بھی کلمہ پڑھتے ہیں تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ آج کل جو منافق کلمہ پڑھتے ہیں وہ مقابلہ سے دست بردار نہیں ہوتے وہ کہتے ہیں کہ ہم حق کے مقابلہ میں ہمیشہ کیلئے دیوار بنے رہیں گے کلمہ کے راستے میں رکاوٹیں ڈالیں گے اسلحہ بردار ہوں گے تم کو ماریں گے لیکن تم ہم کو نہ مارو کیونکہ ہم کلمہ پڑھتے ہیں حضرت اسامہؓ کا معاملہ جس شخص سے پیش آیا تھا اس پر ان لوگوں کا قیاس نہیں کیا جا سکتا وہاں وہ شخص ہتھیار ڈال چکا تھا تسلیم ہو چکا تھا مقابلہ حق سے کنارہ کش ہو چکا تھا تو اس کا ظاہری کلمہ اس کی معافی کیلئے معتبر مانا گیا اور ایسا ہی ہونا چاہیے تھا کیونکہ دلوں کی پوشیدہ کیفیات اللہ تعالیٰ کے سوا کون جانتا ہے لیکن یہاں معاملہ دوسرا ہے ان کی قلبی کیفیت کا پتہ ان کے اعمال و افعال سے ظاہر ہو رہا ہے مگر یاد رہے اعلان جہاد اور میدان جہاد کے قائم ہونے کے علاوہ ذاتی طور پر ایسے منافقین کا قتل کرنا جائز نہیں جہاد میں صدیق اکبر نے ایسے منافقین کو قتل کیا تھا۔

معاہد کو قتل کرنے کی ممانعت

(۶) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ

وَ اِنَّ رِيْحَهَا تُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ اَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی عہد والے کو قتل کرے گا جنت کی خوشبو نہ پائے گا۔ اوراس کی بو چالیس برس کے راستہ تک پہنچتی ہے۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

خودکشی کرنے والے کے بارہ میں وعید

(۷) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَدّٰى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهٗ فَهُوَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ يَتَرَدّٰى فِيْهَا خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيْهَا اَبَدًا وَمَنْ تَحَسّٰى سُمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهٗ فَسَمُّهٗ فِیْ يَدِهٖ يَتَحَسَّاهُ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيْهَا اَبَدًا وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهٗ بِحَدِيْدَةٍ فَحَدِيْدَتُهٗ فِیْ يَدِهٖ يَتَوَجَّأُ بِهَا فِیْ بَطْنِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيْهَا اَبَدًا (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص پہاڑ سے گرا اور اپنی جان کو قتل کر ڈالا وہ دوزخ کی آگ میں گرتا رہے گا اوراس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا جس نے زہر پیا اور اپنی جان کو قتل کر ڈالا اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور دوزخ کی آگ میں اس کو ہمیشہ ہمیشہ پیتا رہے گا۔ جس نے اپنی جان کو کسی تیز ہتھیار سے قتل کیا اس کا ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا وہ اس کو اپنے پیٹ میں گھونپے گا دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ (متفق علیہ)

تشریح: لفظ مخلدا اور ابدا خالدا کی تاکید ہیں۔ حاصل حدیث کا یہ ہے کہ اس دنیا میں جو شخص جس چیز کے ذریعہ خودکشی کرے گا۔ آخرت میں اس کو ہمیشہ کیلئے اس چیز کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ لیکن یہاں ہمیشہ سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ خودکشی کو حلال جان کر اس کا ارتکاب کریں گے وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔ یا پھر ہمیشہ سے مراد یہ ہے کہ خودکشی کرنے والے مدت دراز تک عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

(۸) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْنُقُ نَفْسَهٗ يَخْنُقُهَا فِی النَّارِ وَالَّذِیْ يَطْعَنُهَا يَطْعَنُهَا فِی النَّارِ (بخاری)

ترجمہ: اسی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص گلا گھونٹ کر اپنی جان کو مار ڈالتا ہے وہ دوزخ میں اس کو گھونٹے گا اور جو نیزہ مار کر اس کو قتل کرتا ہے دوزخ میں اس کو نیزہ مارتا رہے گا۔ (بخاری)

(۹) وَعَنْ جُنْدَبِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِيْ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ رَجُلٌ بِهٖ جُرْحٌ فَجَزِعَ فَاَخَذَ سِكِّيْنًا فَحَزَّ بِهَا يَدَهٗ فَمَا رَقَأَ الدَّمُ حَتّٰى مَاتَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى بَادَرَنِیْ عَبْدِیْ بِنَفْسِهٖ فَحَرَّمْتُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلے لوگوں میں ایک آدمی تھا اس کے ہاتھ پر زخم آ گیا اس نے چھری لی اور اپنے ہاتھ کو کاٹ دیا اس کا خون نہ رکا یہاں تک کہ وہ مر گیا اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا میرے بندے نے اپنے نفس کے ساتھ مجھ سے جلدی کی ہے میں نے اس پر جنت حرام کر دی ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: میں نے اس پر جنت کو حرام کر دیا۔ اس بات پر محمول ہے کہ اس نے خودکشی کو حلال جانا تھا اور چونکہ ایک حرام چیز کے بارے میں حلال کا عقیدہ رکھنا صریحاً کفر ہے اس لئے اس پر دخول جنت کو حرام کر دیا گیا یا اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک وہ دوزخ میں جا کر اپنے کئے کی سزا نہ چکھ لے اس کو اول مرحلہ میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ جنت میں جانے سے محروم کر دیا گیا۔

خودکشی کے بارہ میں ایک سبق آموز واقعہ

(۱۰) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ الطُّفَيْلَ بْنَ عَمْرٍو الدَّوْسِیَّ لَمَّا هَاجَرَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ هَاجَرَ اِلَيْهِ وَهَاجَرَ مَعَهٗ رَجُلٌ مِنْ قَوْمِهٖ فَمَرِضَ فَجَزِعَ فَاَخَذَ مَشَاقِصَ لَهٗ فَقَطَعَ بِهَا بَرَاجِمَهٗ فَشَخَبَتْ يَدَاهُ حَتّٰى مَاتَ فَرَاٰهُ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو وَ

فِي مَنَامِهِ وَهَيْئَتُهُ حَسَنَةٌ وَرَاٰهُ مُغَطِّيًا يَدَيْهِ فَقَالَ لَهُ مَاصَنَعَ بِكَ رَبُّكَ فَقَالَ غَفَرَلِي بِهِجْرَتِي اِلٰى نَبِيِّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَالِي اَرَاكَ مُغَطِّيًا يَدَيْكَ قَالَ قِيْلَ لِي لَنْ نُصْلِحَ مِنْكَ مَا اَفْسَدْتَ فَقَصَّهَا الطُّفَيْلُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ وَلِيَدَيْهِ فَاغْفِرْ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے۔طفیل بن عمرو دوسی نے بھی ہجرت کی اور اس کے ساتھ ایک اور شخص نے بھی مدینہ کی طرف ہجرت کی جو اس کی قوم میں سے تھا وہ بیمار ہو گیا اور اس نے بے صبری کی اس نے تیروں کے پیکان لیے اس سے انگلیوں کے جوڑ کاٹ ڈالے اس کے دونوں ہاتھوں سے خون جاری ہوا یہاں تک کہ وہ مر گیا طفیل بن عمر نے اس کو خواب میں دیکھا اس کی حالت اچھی تھی اور دیکھا کہ اس نے اپنے ہاتھ ڈھانپ رکھے ہیں اس نے کہا تیرے رب نے تیرے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے اس نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کی وجہ سے بخش دیا ہے کہا میں دیکھ رہا ہوں کہ تو نے ہاتھ ڈھانکے ہوئے ہیں اس نے کہا مجھے کہا گیا ہے کہ جس کو تو نے خراب کیا ہے ہم اس کو درست نہیں کریں گے طفیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس خواب کو بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ اور اس کے دونوں ہاتھوں کو بھی معاف کر دے روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: "بهجرتي الى نبيه" یعنی اللہ تعالیٰ کے رسول محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے میرا خودکشی کا جرم معاف کیا اس سے معلوم ہوا کہ ہجرت بہت بڑا عمل ہے اور خاص کر مدینہ منورہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحابہ کرام کی ہجرت بہت بڑا عمل تھا جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی بڑی بڑی لغزشوں کو معاف فرمایا لہٰذا کسی شخص کو مناسب نہیں کہ صحابہ پر انگلی اٹھانے اور اپنی فاتر عقل کی ترازو میں ان کے عالی شان مقام کو تولنا شروع کر دے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کبیرہ گناہ موجب کفر نہیں اور نہ دوزخ کے دائمی عذاب کا ذریعہ ہے چنانچہ اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے کہ سزا بھگتنے کے بعد مرتکب کبیرہ دوزخ سے نکل آئے گا۔ "اللهم وليديه فاغفر" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے پیارے انداز سے اس صحابی کیلئے مغفرت کی دعا مانگی ہے چونکہ معاملہ صرف ہاتھوں کا تھا تو حضور اکرمؐ نے اس کو مقدم کر کے فاغفر کو مؤخر کر دیا اور فرمایا مولائے کریم اس کے ہاتھوں کو بھی بخش دیجئے مشاقص مشقص کی جمع ہے بڑی چھری کو کہتے ہیں براجمؑ برجمۃ کی جمع ہے انگلیوں کے جوڑوں کو کہتے ہیں "شخبت" نصر اور فتح سے آتا ہے رگوں یا زخم سے فوارہ کی طرح خون جاری ہونے کو کہتے ہیں۔

مقتول کے ورثاء کو قصاص اور دیت دونوں میں سے کسی ایک کو لینے کا اختیار ہے

(۱۱) وَعَنْ اَبِي شُرَيْحٍ الْكَعْبِيِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثُمَّ اَنْتُمْ يَاخُزَاعَةُ قَدْ قَتَلْتُمْ هٰذَا الْقَتِيْلَ مِنْ هُذَيْلٍ وَاَنَا وَاللّٰهِ عَاقِلُهُ مَنْ قَتَلَ بَعْدَهُ قَتِيْلًا فَاَهْلُهُ بَيْنَ خِيَرَتَيْنِ اِنْ اَحَبُّوْا قَتَلُوْا وَاِنْ اَحَبُّوْا اَخَذُوا الْعَقْلَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالشَّافِعِيُّ وَفِي شَرْحِ السُّنَّةِ بِاِسْنَادِهِ وَصَرَّحَ بِاَنَّهُ لَيْسَ فِي الصَّحِيْحَيْنِ عَنْ اَبِي شُرَيْحٍ وَقَالَ وَاَخْرَجَاهُ مِنْ رِوَايَةِ اَبِي هُرَيْرَةَ يَعْنِي بِمَعْنَاهُ

ترجمہ: ابوشریح کعبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اے خزاعہ تم نے ہذیل کے اس آدمی کو قتل کر دیا ہے اور میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی قسم اس کا خون بہا دینے والا ہوں اس کے بعد جو شخص کسی مقتول کو قتل کرے اس کے ورثاء کو دو باتوں میں سے کسی ایک کا اختیار ہے اگر چاہیں وہ اس کو قتل کر دیں اگر چاہیں دیت لے لیں روایت کیا اس کو ترمذی اور شافعی نے شرح السنہ میں امام شافعی کی اسناد سے مذکور ہے اور اس نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ یہ حدیث صحیحین میں ابوشریح سے نہیں آئی اور اس نے کہا ان دونوں نے اس کو ابوہریرہ سے روایت کیا ہے۔ یعنی اس کا معنی۔

تشریح: "فاهله بين خيرتين" یعنی مقتول کے ورثاء کو دو چیزوں میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے کا حق حاصل ہے اس واقعہ کا تاریخی پس منظر یوں ہے کہ ایام جاہلیت میں ہذیل قبیلہ کے لوگوں نے قبیلہ خزاعہ کا ایک آدمی مارا تھا۔ فتح مکہ کے دن خزاعہ کو ہذیل پر برتری حاصل

ہوئی تھی تو خزاعہ نے ہذیل کا آدمی مار ڈالا اور اپنا پرانا بدلہ لے لیا حضور اکرمؐ نے فتنہ وفساد دفع کرنے کی غرض سے اس مقتول کی دیت اپنے ذمہ لے لی اور اس کے بعد فتح مکہ کے خطبوں کے دوران ایک خطبہ میں یہ شرعی قاعدہ بیان فرما دیا کہ اب اگر کسی نے ناحق کسی کو قتل کر دیا تو ورثاء مقتول کو دو باتوں میں اختیار ہے یا تو قصاص لیں اور یا دیت لے کر قاتل کو معاف کر دیں اب اس اختیار کے بارے میں فقہاء کے درمیان کچھ اختلاف ہے

فقہاء کا اختلاف:۔ شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ قتل عمد میں مقتول کے ورثاء کو قصاص لینے کا بھی اختیار ہے اور قاتل سے دیت لینے کا بھی اختیار ہے اگر وہ قاتل سے دیت کا مطالبہ کریں تو قاتل کو دیت ادا کرنی پڑے گی۔ ائمہ احناف اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ قتل عمد کا موجب صرف اور صرف قصاص ہے مقتول کے ورثاء قاتل سے صرف قصاص کا مطالبہ کر سکتے ہیں اور قاتل کی مرضی کے بغیر اس سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتے کہ ہم کو دیت دیدو ہم قصاص نہیں لیتے۔

دلائل:۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا مستدل یہی حدیث ہے اور اس میں مقتول کے ورثاء کو دو باتوں کا اختیار دیا گیا ہے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ قاتل اگر دیت دینے پر راضی نہ ہو اور قصاص دینے کیلئے تیار ہو پھر بھی ورثاء مقتول ان سے دیت کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔

احناف اور مالکیہ کے دلائل قرآن عظیم کی وہ آیات ہیں جن میں قتل عمد کی سزا کو قصاص متعین کر دیا گیا ہے جیسے

وکتب علیکم القصاص فی القتلی وکتبنا علیهم فیها ان النفس بالنفس ولکم فی القصاص حیاة یا اولی الالباب

اور حضرت انسؓ کی روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یا انس کتاب اللہ القصاص" اے انس کتاب اللہ میں تو قصاص ہی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں "العمد قود والخطاء دیة" یعنی قتل عمد میں قصاص ہی ہے اور قتل خطاء میں دیت ہے یہ روایت نصب الرایہ ج ۴ ص ۳۲۷ سند کے ساتھ موجود ہیں۔ جواب:۔ زیر بحث شوافع وحنابلہ کے مستدل کا جواب یہ ہے کہ یہاں دیت لینے میں قاتل کی رضا کا لحاظ رکھنا ہوگا تاکہ تمام نصوص میں تطبیق آجائے اور تعارض نہ رہے۔

عورت کے مرد قاتل کو قتل کیا جاسکتا ہے

(۱۲) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ يَهُوْدِيًّا رَضَّ رَاْسَ جَارِيَةٍ بَيْنَ حَجَرَيْنِ فَقِيْلَ لَهَا مَنْ فَعَلَ بِكِ هٰذَا اَفُلَانٌ؟ اَفُلَانٌ؟ حَتّٰى سُمِّيَ الْيَهُوْدِيُّ فَاَوْمَاَتْ بِرَاْسِهَا فَجِيْئَ بِالْيَهُوْدِيِّ فَاعْتَرَفَ فَاَمَرَبِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُضَّ رَاْسُهٗ بِالْحِجَارَةِ (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل دیا اس سے پوچھا گیا کہ تیرے ساتھ اس طرح کس نے کیا ہے کیا فلاں نے کیا ہے فلاں نے یہاں تک کہ اس یہودی کا نام لیا گیا اس نے سر کے ساتھ اشارہ کیا۔ اس یہودی کو لایا گیا اس نے اقرار کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اس کا سر بھی پتھروں سے کچل دیا گیا۔ (متفق علیہ)

تشریح: بظاہر یہ مفہوم معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اس یہودی نے لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچلا تھا اسی طرح اس یہودی کا بھی دو پتھروں کے درمیان کچلا گیا ہو۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جس طرح اگر کوئی عورت کسی مرد کو قتل کر دے تو مقتول مرد کے بدلے میں اس عورت کو قتل کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح مقتول عورت کے بدلے میں اس کے مرد قاتل کو بھی قتل کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اکثر علماء کا یہی قول ہے۔ نیز یہ حدیث اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ ایسے بھاری پتھر سے کسی کو ہلاک کر دینا جس کی ضرب سے عام طور پر ہلاکت واقع ہو جاتی ہو قصاص کا موجب ہے۔ چنانچہ اکثر علماء اور تینوں ائمہ کا یہی قول ہے لیکن امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر پتھر کی ضرب سے ہلاکت واقع ہو جائے تو اس کی وجہ سے قصاص لازم نہیں ہوتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جہاں تک اس یہودی سے قصاص لینے کا سوال ہے تو اس کا تعلق سیاسی اور وقتی مصالح سے تھا۔

جو جیسا کرے اس کو ویسی ہی سزا دو

(۱۳) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَسَرَتِ الرُّبَيِّعُ وَهِيَ عَمَّةُ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ثَنِيَّةَ جَارِيَةٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَاَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وسلم فامر بالقصاص فقال انس بن النضر عم انس بن مالک لا واللہ لاتکسر ثنیتھا یا رسول اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا انس کتاب اللہ القصاص فرضی القوم وقبلوا الارش فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من عباد اللہ من لو اقسم علی اللہ لابرہ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ربیع نے جو کہ انس بن مالک کی پھوپھی تھیں ایک انصاری لڑکی کا دانت توڑ ڈالا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدلہ لینے کا حکم دیا۔ انس بن نضر رضی اللہ عنہ جو کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا چچا ہے کہنے لگے نہیں اللہ کی قسم اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انس اللہ کا حکم قصاص ہے۔ قوم راضی ہوئی اور انہوں نے دیت قبول کرلی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے بندوں میں بعض ایسے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ پر قسم کھالیں اللہ ان کی قسم پوری کردیتا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: ربیع رضی اللہ عنہا انس رضی اللہ عنہ اور مالک رضی اللہ عنہ یہ تینوں بہن بھائی تھے ان کے والد کا نام نضر تھا۔ مالک کے لڑکے کا نام بھی انس تھا گویا چچا اور بھتیجے دونوں ایک ہی نام سے موسوم تھے۔ اس حدیث میں جن ربیع رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے وہ ایک انس یعنی حضرت انس ابن مالک کی پھوپھی تھیں اور دوسرے انس یعنی حضرت انس ابن نضر کی بہن تھیں۔

حضرت انس ابن نضر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ یا رسول اللہ ایسا نہیں ہوگا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت اور آپ کے فیصلہ کو ماننے کا انکار کرنے کے طور پر نہیں تھا بلکہ اس کی بنا پر حق تعالیٰ کے اس فضل و کرم کی توقع اور امید پر تھی کہ وہ مدعیوں کو راضی اور ان کے دل میں ڈال دے گا کہ وہ قصاص (یعنی بدلہ لینے) کو معاف کرادیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کی امید و توقع کو پورا کیا اور لڑکی کے خاندان والوں نے دیت قبول کر کے قصاص (یعنی بدلہ لینے) کو معاف کرادیا۔ جبھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس ابن نضر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں یہ مدحیہ کلمات ارشاد فرمائے کہ حضرت انس ابن نضر خدا کے ان بندگان خاص میں سے ہیں جو اگر کسی بات پر قسم کھا لیتے ہیں تو خدا ان کو حانث نہیں کرتا بلکہ ان کی اس بات کو پورا کرتا ہے اور قسم کو سچی کرتا ہے۔ اے انس اللہ کا حکم بدلہ لینے کا ہے اس ارشاد سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے فرمان و کتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس تا والسن بالسن کی طرف اشارہ فرمایا۔ اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ کسی ایسی بات پر قسم کھانا جائز ہے جس کے واقع ہونے کا قسم کھانے والے کو گمان ہو۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی شخص کے منہ پر اس کی تعریف و توصیف کا اظہار کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اس کی وجہ سے اس شخص کے کسی فتنہ و برائی میں مبتلا ہوجانے کا خوف نہ ہو اور تیسری بات یہ ثابت ہوئی کہ قصاص کو معاف کردینا مستحب ہے۔

مقتول کافر کے بدلے میں قاتل مسلمان کو قتل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۳۰) وعن ابی جحیفۃ قال سالت علیا ھل عندکم شیء لیس فی القرآن فقال والذی فلق الحبۃ وبرأ النسمۃ ما عندنا الا ما فی القرآن الا فھما یعطی رجل فی کتابہ وما فی الصحیفۃ قلت وما فی الصحیفۃ قال العقل وفکاک الاسیر وان لایقتل مسلم بکافر۔ (رواہ البخاری) وذکر حدیث بن مسعود لا تقتل نفس ظلما فی کتاب العلم

ترجمہ: حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے حضرت علی سے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے جو قرآن میں نہ ہو کہا اس ذات کی قسم جس نے اناج پیدا کیا اور ہر جان پیدا کی ہمارے پاس کوئی چیز نہیں مگر جو قرآن میں ہے مگر فہم ہے جو کوئی آدمی اللہ کی کتاب میں دیا جاتا ہے اور جو کاغذ میں (چند ایک مسائل) لکھے ہیں میں نے کہا صحیفہ میں کیا ہے کہا دیت کے مسائل ہیں اور قیدی کو چھوڑنے کا حکم دیا ہے اور یہ ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے گا۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔ ابن مسعود کی حدیث جس کے لفظ ہیں لا تقتل نفس ظلما کتاب العلم میں ذکر کی جاچکی ہے۔

تشریح: "ھل عندکم شئی" حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کے سوال کرنے اور پوچھنے کا منشاء شیعہ روافض کا وہ عقیدہ تھا جس کے تحت وہ کہا کرتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی طور پر "علم اسرار" عطاء کیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو خلیفہ اور وصی بنایا تھا یہ عقیدہ آج کل کے روافض میں بھی رائج ہے اسی لئے اذان میں خلیفہ اور وصی کا لفظ داخل کر دیا ہے نیز شیعہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ عام لوگوں کو ۳۰ پارے کا قرآن ملا مگر حضرت علیؓ کو ۴۰ پاروں پر مشتمل قرآن ملا جن میں دس پارے اہل بیت کے فضائل پر مشتمل تھے جو اس وقت موجودہ قرآن سے غائب ہیں ان تمام باتوں کے پیش نظر ابوجحیفہ کا سوال تھا جواب میں حضرت علیؓ کی طرف سے ان تمام باتوں کی تردید آ گئی بلکہ آپؓ نے نہایت تاکید کے ساتھ قسم کھا کر تردید فرمائی تا کہ امت کے ذہنوں میں کوئی خلفشار اور شکوک پیدا نہ ہوں "فلق الحبة" حبہ دانہ کو کہتے ہیں اور فلق پھاڑنے کے معنی میں ہے "برا" پیدا کرنے کے معنی میں ہے اور "النسمة" نون اور سین اور میم کے فتحات کے ساتھ نفس اور ہر جاندار کو کہتے ہیں "عقل" دیت کو کہتے ہیں "فکاک" چھڑانے کے معنی میں ہے "الافھما" یعنی اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کی سمجھ جس کو عطاء کرتا ہے وہ اللہ نے مجھے عطا کیا ہے جس کے ذریعہ سے میں قرآن کریم کے احکام اور معانی کا استنباط کرتا ہوں اس کے اجمالی اشارات کو پالیتا ہوں اور اس کے گہرے علوم تک رسائی حاصل کر لیتا ہوں حضرت ابن عباسؓ نے قرآن عظیم کی انہی گہرائیوں کے متعلق فرمایا۔

" جمیع العلم فی القرآن لکن ...... تقاصر عنه افھام الرجال "

فقہاء کا اختلاف:۔ "وان لا یقتل مسلم بکافر" اس حدیث کے اس جملہ سے فقہاء کرام کے درمیان ایک اختلافی مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا ہے فقہاء کرام کا اس میں تو اتفاق ہے کہ کسی کافر کو حربی کو قتل کرنے سے مسلمان سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔

ہاں اختلاف اس میں ہے کہ اگر کافر ذمی ہو یا معاہد ہو تو اس کے بدلے میں بطور قصاص مسلمان کو قتل کیا جائے گا یا نہیں جمہور ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ ذمی کے بدلے میں مسلمان سے قصاص نہیں لیا جائے گا ائمہ احناف کا مسلک یہ ہے کہ ذمی اور معاہد کے بدلے میں مسلمان کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

دلائل:۔ جمہور نے زیر بحث حدیث کے اس جملہ سے استدلال کیا ہے کہ "وان لا یقتل مسلم بکافر" وہ فرماتے ہیں کہ اس جملہ میں کافر کا لفظ ہے جو عام ہے خواہ وہ حربی ہو یا ذمی معاہد ہو مسلمان سے قصاص اور بدلہ نہیں لیا جائے گا جمہور کی عقلی دلیل یہ ہے کہ کافر اور مسلمان میں مساوات نہیں ہے ذمی کا قتل اگر چہ جائز نہیں ہے لیکن بوجہ کفر اس کے قتل میں اباحت کا شبہ آ گیا لہٰذا قصاص نہیں لیا جائے گا۔

ائمہ احناف کی پہلی دلیل دار قطنی کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں

" ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قتل مسلما بمعاهد (بحواله نصب الرایه ج ۴ ص ۳۳۵)

ائمہ احناف کی دوسری دلیل وہ عام ضابطہ ہے جس کا ذکر کئی روایات میں آیا ہے اور جس میں ذمیوں کے حقوق اور جان و مال کے تحفظ کی ذمہ داری قبول کی گئی ہے ان کے اموال کی چوری جرم ہے ان کی عورتوں سے زنا یا زنا کی تہمت جرم ہے لہٰذا ان کے خون کی حفاظت بھی "دمائهم کدمائنا و اموالهم کاموالنا" کی روشنی میں ضروری ہے۔ (کذافی زجاجة المصابیح ج ۳ ص ۱۵)

ائمہ احناف کی تیسری دلیل حضرت علیؓ کا ایک اثر اور قصہ ہے آپ نے ذمی کے بدلے میں مسلمان سے قصاص لیا اور فرمایا "من کان له ذمتنا فدمه کدمنا و دیته کدیتنا" (نصب الرایہ ج ۴ ص ۳۳۷)

ائمہ احناف کی چوتھی دلیل حضرت عمرؓ کا وہ فیصلہ ہے جس میں آپ نے ایک ذمی کے بدلے ایک مسلمان سے قصاص لیا (بحوالہ بالا) صحابہ کرام کے ان فیصلوں اور احناف کے مستدلات کی پوری تفصیل تعلیق الصبیح ج ۴ ص ۱۲۶ میں ملاحظہ کریں۔

جواب:۔ امام طحاوی نے جواب دیا ہے کہ یہاں اس حدیث میں کافر سے مراد حربی کافر ہے ذمی مراد نہیں اور کافر حربی میں کسی کا اختلاف نہیں ہے نیز مندرجہ بالا روایات اور صحابہ کرام کے فیصلوں نے زیر بحث حدیث کے عموم میں خصوص پیدا کیا ہے لہٰذا اس سے ذمی مراد نہیں ہے اگر چہ ظاہری احادیث سے عموم معلوم ہوتا ہے جب ان کی نقلی دلیل کا جواب ہو گیا تو عقلی دلیل کا وجود ختم ہو گیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ.... خون مسلم کی اہمیت

(۱۵) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَزَوَالُ الدُّنْیَا اَهْوَنُ عَلَی اللّٰهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَوَقَفَهُ بَعْضُهُمْ وَهُوَ الْاَصَحُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام دنیا کا جاتا رہنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمان آدمی کے قتل کر دینے سے آسان تر ہے روایت کیا اس کو ترمذی اور نسائی نے اور بعض نے اس کو موقوف بیان کیا ہے اور یہ بات زیادہ صحیح ہے اور روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے براء بن عازب سے۔

(۱۶) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْاَنَّ اَهْلَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اِشْتَرَکُوْا فِیْ دَمِ مُؤْمِنٍ لَاَکَبَّهُمُ اللّٰهُ فِی النَّارِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر آسمان والے اور زمین والے ایک مومن کے خون میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ سب کو دوزخ میں اوندھا کرے گا۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے اور اس نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: بعض شارحین نے لکھا ہے لفظ اکبھم فعل لازم ہے اور لفظ کبھم فعل متعدی ہے لہٰذا یہاں کسی راوی سے سہو ہو گیا ہے کہ اس نے لکبھم کی بجائے اکبھم نقل کر دیا ہے لیکن ملا علی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ لفظ اکب قاموس میں لازمی اور متعدی دونوں طرح نقل کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ ثقہ اور عادل راویوں کی طرف خطا اور سہو کی نسبت کرنے سے اولی اور احوط یہ ہے کہ بعض بلکہ تمام اہل لغت کی طرف خطا کی نسبت کر دی جائے۔ بہر کیف چونکہ یہاں لفظ اکبھم ہے اس لئے اس موقع پر یہ تحقیق پیش کی گئی۔ جامع صغیر میں اس روایت کے یہ الفاظ منقول ہیں۔ لکبھم الله عزوجل فی النار۔

قیامت کے دن مقتول کا استغاثہ

(۱۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَجِیْءُ الْمَقْتُوْلُ بِالْقَاتِلِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ نَاصِیَتُهٗ وَرَاْسُهٗ بِیَدِهٖ وَ اَوْدَاجُهٗ تَشْخَبُ دَمًا تَقُوْلُ یَا رَبِّ قَتَلَنِیْ حَتّٰی یُدْنِیَهٗ مِنَ الْعَرْشِ. (رواه الترمذی والنسائی و ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا مقتول قیامت کے دن اپنے قاتل کو لائے گا اس کا سر اس کے ہاتھ میں ہوگا۔ اس کی رگوں سے خون بہتا ہوگا کہے گا اے میرے رب اس نے مجھ کو قتل کیا یہاں تک کہ قاتل کو عرش کے قریب لے جائے گا۔ روایت کیا اس کو ترمذی نسائی اور ابن ماجہ نے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ مقتول قیامت کے دن اپنا پورا حق طلب کرے گا' نیز یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عدل و انصاف سے مقتول کو راضی و مطمئن کر دے گا۔

اپنی مظلومیت کے دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تقریر

(۱۸) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَیْفٍ اَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ اَشْرَفَ یَوْمَ الدَّارِ فَقَالَ اَنْشُدُکُمْ بِاللّٰهِ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَایَحِلُّ دَمُ امْرِیءٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِاِحْدٰی ثَلَاثٍ زِنًی بَعْدَ اِحْصَانٍ اَوْ کُفْرٍ بَعْدَ اِسْلَامٍ اَوْقَتْلِ نَفْسٍ بِغَیْرِ حَقٍّ فَقُتِلَ بِهٖ فَوَاللّٰهِ مَازَنَیْتُ فِیْ جَاهِلِیَّةٍ وَلَااِسْلَامٍ وَلَا ارْتَدَدْتُ مُنْذُ بَایَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

وَلَا قَتَلْتُ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ فَبِمَا تَقْتُلُوْنَنِي. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَلِلدَّارِمِيِّ لَفْظُ الْحَدِيْثِ

ترجمہ: حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف سے روایت ہے عثمان بن عفان نے گھر کے محاصرہ کے دنوں میں جھانکا کہا میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کسی مسلمان آدمی کا خون بہانا جائز نہیں مگر تین باتوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے۔ شادی کے بعد زنا کرنا یا اسلام لانے کے بعد کفر اختیار کر لینا یا بغیر حق کے کسی جان کو قتل کرنا۔ پس اللہ کی قسم میں نے کبھی زنا نہیں کیا نہ جاہلیت کے زمانہ میں نہ اسلام میں اور جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک پر بیعت کی ہے میں مرتد نہیں ہوا اور نہ میں نے کسی جان کو قتل کیا ہے جس کا قتل اللہ نے حرام کیا ہو پھر تم مجھ کو کیوں قتل کرتے ہو۔ روایت کیا اس کو ترمذی نسائی ابن ماجہ نے۔ حدیث کے لفظ دارمی کے ہیں۔

تشریح: "اشرف یوم الدار" یوم الدار یعنی گھر کا دن اس سے حضرت عثمان بن عفانؓ کے محاصرے کے دن مراد ہیں ابن سبا یہودی نے حضرت عثمان کے خلاف شام کوفہ مدینہ میں پروپیگنڈہ کیا مگر کامیاب نہیں ہوا مصر میں جا کر اس کا پروپیگنڈہ کامیاب ہوا یہ شخص بڑا منافق تھا حضرت عثمان کے گورنروں کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کر کے حضرت عثمان کو بدنام کرتا تھا مصر میں اس نے ایک لڑاکا گروپ تیار کیا اور پھر اس گروپ نے مدینہ آ کر بلوہ شروع کیا ایک دن حضرت عثمان نے محاصرہ کے دوران اپنے گھر کی چھت سے ان لوگوں سے گفتگو فرمائی۔ اور اپنے قتل کی حرمت کے دلائل دیئے آخر بلوائیوں نے آپ کو اسی محاصرہ کے دوران شہید کر دیا۔

قاتل، توفیق خیر سے محروم رہتا ہے

(۱۹) وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ مُعْنِقًا صَالِحًا مَا لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا فَاِذَا اَصَابَ دَمًا حَرَامًا بَلَّحَ. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ مومن ہمیشہ نیکی کی طرف جلدی کرنے والا ہوتا ہے جب تک خون حرام کا مرتکب نہ ہو۔ جب حرام خون کا ارتکاب کر لیتا ہے تھک جاتا ہے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مومن جب تک ناحق خون سے اپنا ہاتھ نہیں رنگتا اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کو برابر نیکی کرنے اور بھلائی کی طرف سبقت کرنے کی توفیق دی جاتی ہے لیکن جب وہ کسی کو ناحق قتل کر دیتا ہے تو وہ اس گناہ کی شامت سے نیکی و بھلائی حاصل کرنے سے باز رہتا ہے گویا یہ قتل ناحق کا وبال ہے کہ قاتل کا قلب سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ خیر کی توفیق سے محروم رہتا ہے اگرچہ سارے گناہوں کا یہی وبال ہوتا ہے لیکن یہ گناہ اور تمام گناہوں کی بہ نسبت زیادہ سخت ہے۔

قتل ناحق، ناقابل معافی جرم ہے

(۲۰) وَعَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ ذَنْبٍ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَغْفِرَهُ اِلَّا مَنْ مَاتَ مُشْرِكًا اَوْ مَنْ يَقْتُلُ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا. رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْ مُعَاوِيَةَ.

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا ہر گناہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا مگر جو شخص شرک کی حالت میں مرا یا جس نے جان بوجھ کر کسی مسلمان آدمی کو قتل کر ڈالا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اور روایت کیا ہے نسائی نے معاویہ سے۔

تشریح: بظاہر اس حدیث سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جس طرح شرک کا گناہ ناقابل معافی ہے اسی طرح قتل عمد کے گناہ کی بخشش نہیں ہوتی لیکن اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ قتل کا گناہ گار مدت دراز تک شدید ترین عذاب میں مبتلا ہونے کے بعد بخش دیا جائے گا ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

ان الله لا يغفر ان يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء.

"اللہ تعالیٰ شرک کے گناہ کو نہیں بخشا' شرک کے علاوہ اور گناہ ہوں تو جس کو وہ چاہے بخش دیتا ہے۔"

جہاں تک اس حدیث کے ظاہری مفہوم کا سوال ہے تو یہ قتل کی شدید ترین مذمت اور اس کی سخت ترین سزا کے اظہار پر محمول ہے یا اس سے یہ مراد ہے کہ جو شخص قتل مسلم کو حلال جان کر کسی مسلمان کو قتل کرے گا اس کو نہیں بخشا جائے گا علاوہ ازیں لفظ متعمدا کے (قتل عمد کی بجائے) یہ معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ جو شخص کسی مؤمن کے قتل کا اس لیے قصد کرے کہ وہ مومن ہے تو اس شخص کی بخشش نہ ہوگی۔

باپ سے اولاد کا قصاص نہ لیا جائے

(۲۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقَامُ الْحُدُوْدُ فِي الْمَسَاجِدِ وَلَا يُقَادُ بِالْوَلَدِ الْوَالِدُ (الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مساجد میں حدیں قائم نہ کی جائیں اور والد سے اس کی اولاد کا قصاص نہ لیا جائے۔ (ترمذی)

تشریح: حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ زنا' چوری یا اسی قسم کے دوسرے جرائم حدود (یعنی ان کی شرعی سزائیں) مساجد میں جاری نہ کی جائیں' اسی طرح قصاص بھی اسی حکم میں داخل ہے کہ کسی قاتل کو بطور قصاص مسجد میں قتل نہ کیا جائے کیونکہ مسجدیں فرض نماز پڑھنے کے لیے ہیں یا فرض نماز کے توابع کے لیے ہیں جیسے نفل نمازیں یا ذکر و شغل اور دینی علوم کا پڑھنا پڑھانا۔

حدیث کے دوسرے جزو کا مطلب یہ ہے کہ اگر باپ اپنی اولاد کو قتل کر دے تو اس کو مقتول اولاد کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے اس بارہ میں فقہی تفصیل یہ ہے کہ اگر بیٹا اپنے ماں باپ کو قتل کر دے تو اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ بیٹے کو بطور قصاص قتل کیا جا سکتا ہے لیکن اگر ماں باپ' بیٹے کو مار ڈالے تو اس میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ باپ کو بطور قصاص قتل نہ کیا جائے' امام مالکؒ کا قول یہ ہے کہ اگر باپ نے بیٹے کو ذبح کر کے مار ڈالا ہے تو اس صورت میں باپ کو بطور قصاص قتل کیا جا سکتا ہے اور اگر اس نے بیٹے کو تلوار سے ختم کیا ہے تو پھر اس سے قصاص نہ لیا جائے' یہ ملحوظ رہے کہ اس بارہ میں ماں کا حکم بھی وہی ہے جو باپ کا ہے' نیز دادا دادی اور نانی بھی ماں اور باپ کے حکم میں ہیں۔

باپ بیٹے ایک دوسرے کے جرم میں قابل مواخذہ نہیں

(۲۲) وَعَنْ اَبِیْ رِمْثَةَ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ اَبِیْ فَقَالَ مَنْ هٰذَا الَّذِیْ مَعَكَ قَالَ ابْنِیْ اَشْهَدُ بِهٖ قَالَ اَمَا اِنَّهٗ لَا يَجْنِیْ عَلَيْكَ وَ لَا تَجْنِیْ عَلَيْهِ. رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَ النَّسَائِیْ وَ زَادَ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ فِیْ اَوَّلِهٖ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ اَبِیْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَاٰی اَبِی الَّذِیْ بِظَهْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دَعْنِیْ اُعَالِجِ الَّذِیْ بِظَهْرِكَ فَاِنِّیْ طَبِيْبٌ فَقَالَ اَنْتَ رَفِيْقٌ وَاللّٰهُ الطَّبِيْبُ.

ترجمہ: حضرت ابورمثہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے باپ کے ساتھ آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے ساتھ کون ہے اس نے کہا میرا بیٹا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گواہ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار اس کے قصور کا تجھ سے مواخذہ نہ ہوگا اور تیرے گناہ کا اس سے مواخذہ نہ ہوگا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے۔ زیادہ کیا شرح السنہ میں اس حدیث کے بعد میں کہ میں اپنے باپ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر داخل ہوا۔ میرے باپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت میں مہر نبوت کو دیکھا اور کہا مجھے اجازت دیجئے میں اس کا علاج کروں کیونکہ میں طبیب ہوں فرمایا تو رفیق ہے اور طبیب تو اللہ ہے۔

تشریح: "ابنی اشهد به" یعنی یہ میرا بیٹا ہے آپ گواہ رہیے' اس کلام سے ابورمثہ کے والد کا مقصد زمانہ جاہلیت کے ایک دستور اور رواج کی طرف اشارہ کرنا تھا جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ باپ کے جرم میں بیٹا پکڑا جاتا تھا اور بیٹے کے جرم میں باپ سے مواخذہ ہوتا تھا گویا ہر

ایک دوسرے کے جرم میں قابل مواخذہ سمجھا جاتا تھا ابورمثہ کے والد کا مقصد بھی اس کلام سے یہی تھا کہ یہ میرا اصلی بیٹا ہے آپ اس پر گواہ رہیں اگر اس نے کوئی جرم کیا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں گا اور اگر میں نے کوئی جرم کیا تو میرا یہ بیٹا اس کا ذمہ دار ہوگا اس کے جواب میں حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ اب ایسا نہیں ہوگا اب بیٹا اپنے باپ کو اپنے گناہ کے جرم میں مبتلا نہیں کرے گا اور نہ باپ اپنے بیٹے کو اپنے گناہ میں مبتلا کرے گا اب جاہلیت کا یہ غیر منصفانہ دستور ختم ہوگیا ہے اب ہر آدمی اپنے گناہ اور اپنے جرم کا دنیا اور آخرت میں خود ذمہ دار ہوگا "فانی طبیب" ابورمثہؓ کے والد نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر مہر نبوت دیکھی تو خیال کیا کہ یہ کوئی "پھوڑا ہے" اس لئے انہوں نے فرمایا کہ آپ مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں اس کا علاج کروں یہ بات چونکہ انتہائی نادانی پر مبنی تھی اور اس میں بے ادبی کا پہلو بھی تھا اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت ناراض ہوئے اور فرمایا بس تم طبیب نہیں بلکہ رفیق ہو یعنی مرض اور بیماری کی ظاہری حالت کو دیکھ کر اس کے مطابق دوائی تجویز کر کے دے سکتے ہو مرض کی حقیقت تک پہنچنا اور شفاء دینا تمہارا کام نہیں تم صرف مریض کے ساتھ نرمی کر سکتے ہو بس نرمی کرو اور طبیب در حقیقت اللہ تعالیٰ ہے جو مرض کی حقیقت کو بھی جانتا ہے اور اس کی دواء اور علاج کو بھی جانتا ہے اور وہ شفاء بھی دیتا ہے دوسروں کے اختیار میں یہ چیزیں نہیں ہیں تو وہ صرف مہربان تو ہو سکتے ہیں شفاء دینے والے نہیں ہو سکتے۔

بیٹے سے باپ کا قصاص لیا جائے

(۲۳) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ حَضَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقِيْدُ الْاَبَ مِنِ ابْنِهٖ وَلَا يُقِيْدُ الْاِبْنَ مِنْ اَبِيْهِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ضَعَّفَهُ.

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اس نے سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹے سے باپ کا قصاص لیتے تھے اور باپ سے بیٹے کا قصاص نہیں لیتے تھے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور اس کو ضعیف کہا ہے۔

تشریح: یعنی اگر بیٹا اپنے باپ کو مار ڈالتا ہے تو باپ کے قصاص میں بیٹے کو قتل کر دیا جاتا ہے لیکن اگر باپ اپنے بیٹے کو مار ڈالتا ہے تو باپ کو بیٹے کے قصاص میں قتل نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اس سے خون بہا (خون کا مالی معاوضہ) لیا جاتا تھا۔

غلام کے قصاص میں آزاد کو قتل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

(۲۴) وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ عَبْدَهٗ قَتَلْنَاهُ وَ مَنْ جَدَعَ عَبْدَهٗ جَدَعْنَاهُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ وَ زَادَ النَّسَائِيُّ فِيْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى وَمَنْ خَصٰى عَبْدَهٗ خَصَيْنَاهُ.

ترجمہ: حضرت حسن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے غلام کو قتل کرے گا ہم اس کو قتل کریں گے اور جو اس کا عضو کاٹے گا ہم اس کا عضو کاٹیں گے۔ روایت کیا اس کو ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ اور دارمی نے۔ نسائی نے زیادہ کیا ہے کہ جو شخص اپنے غلام کو خصی کرے گا ہم اس کو خصی کریں گے۔

تشریح: جو شخص اپنے غلام کو قتل کردے گا ہم اس کو قتل کردیں گے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور زجر و تشدید اور تنبیہ فرمایا کہ لوگ اپنے غلاموں کو مار ڈالنے سے باز رہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک شخص نے سخت ترین ممانعت تنبیہ کے باوجود بھی جب چوتھی یا پانچویں بار شراب پی لی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو قتل کردو لیکن جب وہ آپ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے اس کو قتل نہیں کیا۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں غلام سے مراد وہ شخص ہے جو غلام بھی رہا ہو اور پھر آزاد کر دیا گیا ہو اگرچہ ایسے شخص کو غلام نہیں کہا جاتا لیکن اس کے سابق حال کے اعتبار سے اس کو یہاں غلام تعبیر کیا گیا۔ اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس آیت کریمہ الحر بالحر والعبد بالعبد الخ کے ذریعہ منسوخ ہے! اس بارہ میں جہاں تک فقہی

مسئلہ کا تعلق ہے تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے غلام کو قتل کر دے تو اس کو غلام کے بدلے میں قتل کیا جاسکتا ہے لیکن اگر اس نے اپنے غلام کو قتل کر دیا تو اس غلام کے بدلے میں اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ امام اعظمؒ کے سوا تینوں ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ آیت کریمہ الحر بالحر الخ کے بموجب کسی آزاد شخص کو نہ تو اپنے غلام کے بدلے میں قتل کیا جائے اور نہ کسی دوسرے کے بدلے میں۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ اور حضرت سفیان ثوریؒ کا قول یہ ہے کہ مقتول غلام کے بدلے میں قاتل آزاد کو قتل کیا جائے خواہ وہ مقتول اس کا اپنا غلام ہو یا کسی دوسرے کا۔

''اور جو شخص اعضاء کاٹے گا الخ'' ''شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ'' تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی آزاد کسی غلام کے اعضاء جسم کاٹ ڈالے تو اس کے بدلے میں اس آزاد کے اعضاء جسم نہ کاٹے جائیں'' علماء کے اس اتفاق سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی ''ہم اس کے اعضاء کاٹ دیں گے'' یا تو زجر و تنبیہ پر محمول ہے یا منسوخ ہے۔

قاتل کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا جائے

(۲۵) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَتَلَ مُتَعَمِّدًا دُفِعَ اِلٰى اَوْلِيَاءِ الْمَقْتُوْلِ فَاِنْ شَاءُ وْا قَتَلُوْا وَاِنْ شَاءُ وْا اَخَذُوا الدِّيَةَ وَهِيَ ثَلَاثُوْنَ حِقَّةً وَثَلَاثُوْنَ جَذَعَةً وَاَرْبَعُوْنَ خَلِفَةً وَمَا صَالَحُوْا عَلَيْهِ فَهُوَ لَهُمْ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کو جان بوجھ کر قتل کرے اسے مقتول کے وارثوں کے حوالے کر دیا جائے اگر چاہیں اس کو قتل کر دیں اگر چاہیں دیت قبول کر لیں اور دیت یہ ہے تیس حقے تیس جذعے اور چالیس حاملہ اونٹنیاں اور جس چیز پر وہ صلح کر لیں وہ ان کے لیے ہے۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے)

تشریح: دیت یعنی خون بہا کے بارہ میں حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مسلک بھی یہی ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ (دیت میں جو سو اونٹ مشروع ہیں وہ اس طرح کے ہونے چاہئیں پچیس بنت مخاض، پچیس بنت لبون پچیس حقہ اور پچیس جزعہ) ان کی دلیل حضرت سائبؓ ابن یزید کی یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (خون بہا میں) چار طرح کے اونٹ دینے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ حدیث ثابت ہوتی تو صحابہؓ اختلاف کرنے کی بجائے متفقہ طور پر اسی حدیث پر عمل کرتے۔

قصاص و دیت کے بارہ میں سب مسلمان برابر ہیں

(۲۶) وَعَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَاءُ هُمْ وَيَسْعٰى بِذِمَّتِهِمْ اَدْنَاهُمْ وَيَرُدُّ عَلَيْهِمْ اَقْصَاهُمْ وَهُمْ يَدٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ اَلَا لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ وَلَا ذُوْ عَهْدٍ فِيْ عَهْدِهٖ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا سب مسلمان اپنے خونوں میں برابر اور مساوی ہیں اور ان کا ذمہ پورا کرنے کی ان کا ادنیٰ بھی کوشش کرے اور لوٹائے ان پر جوان کا بہت دور ہے اور مسلمان اپنے غیر پر ایک ہاتھ ہیں۔ خبردار مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے گا اور نہ عہد والے کو اس کے عہد میں قتل کیا جائے گا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے اور روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے ابن عباس سے۔

تشریح: ''تتکافا'' یہ کفاءت سے ہے جو مساوات اور برابری کے معنی میں ہے۔ یعنی خون بہا لینے دینے میں اور قصاص میں سب مسلمان یکساں طور پر برابر ہیں کسی ادنیٰ اعلیٰ میں یا شریف اور رذیل میں یا چھوٹے بڑے میں یا نیک اور برے میں یا عالم اور جاہل میں یا امیر اور غریب میں یا مرد اور عورت میں دیت اور قصاص کا کوئی فرق نہیں ہے یہ نہیں کہ بڑی ذات والے کی دیت زیادہ ہے اور چھوٹی ذات والے کی دیت کی مقدار کم ہے اب یہ اسلام کا عادلانہ

نظام ہے یہ جاہلیت کا ظالمانہ فرق اب مٹ چکا ہے کہ بڑے طبقے اور خاندان کے آدمی کے قصاص میں ایک کے بجائے دو اور تین کو مار ڈالتے تھے۔

"ادناهم " یعنی ایک کمزور مسلمان خواہ کتنا گمنام کیوں نہ ہو یا عورت اور مسلمان غلام کیوں نہ ہو وہ اگر کسی کافر کو امن دیدے تو تمام مسلمانوں کو اس کا احترام کرنا چاہیے اور اس کافر کو امن دینا چاہیے۔"ویرد علیهم اقصاهم " یعنی لشکر اسلام سے مثلاً ایک چھوٹا دستہ الگ ہوا اور دور جا کر لڑنے لگا اور مال غنیمت حاصل کیا تو ان پر لازم ہے کہ وہ مال غنیمت لا کر مرکز اور بیت المال میں جمع کرادے اس دستہ کا اس مال پر اپنا کوئی حق نہیں ہے۔"وهم يد على من سواهم "یعنی دنیا کے سارے مسلمان کفار کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ایک ہاتھ ہیں جہاں بھی کسی مسلمان پر کفار کی طرف سے ظلم وتعدی ہوتی ہے تو سب مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کریں اس حدیث میں مسلمانوں کو یہ دستاویزی حکم دیا گیا ہے کہ جس طرح "الكفر ملة واحدة" ہے اسی طرح مسلمان بھی کفار کے مقابلے میں ایک ہاتھ ہیں وہ ایک دوسرے کی مدد کی ذمہ داریوں سے بری الذمہ نہیں ہوسکتے ہیں۔احناف کے نزدیک یہاں کافر سے حربی کافر مراد ہے کہ اس کے قصاص میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا ہاں ذمی کے بدلے قتل کیا جائے گا یہاں ذمی کا الگ ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ کافر سے مراد حربی ہے اور ذمی کا حکم الگ ہے۔

مقتول یا زخم خوردہ کے ورثاء کا حق

(۲۷) وَعَنْ اَبِي شُرَيْحٍ الْخُزَاعِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اُصِيْبَ بِدَمٍ اَوْخَبْلٍ وَالْخَبْلُ الْجُرْحُ فَهُوَ بِالْخِيَارِ بَيْنَ اِحْدٰى ثَلَاثٍ فَاِنْ اَرَادَ الرَّابِعَةَ فَخُذُوْا عَلٰى يَدَيْهِ بَيْنَ اَنْ يَقْتَصَّ اَوْيَعْفُوْا اَوْيَاخُذَ الْعَقْلَ فَاِنْ اَخَذَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا ثُمَّ عَدَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهُ النَّارُ خَالِدًا فِيْهَا مُخَلَّدًا اَبَدًا. (رواه الدارمي)

ترجمہ: حضرت ابوشریح خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا فرماتے تھے جو شخص کسی کے خون یا خبل میں مبتلا ہوا اور خبل کا معنی زخم ہے اس کو تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے اگر چوتھی بات کا ارادہ کرے اس کے ہاتھوں کو پکڑ لو یا تو وہ قصاص لے لے یا معاف کر دے یا دیت لے لے اگر ان میں سے کوئی بات اس نے قبول کر لی پھر اس کے بعد زیادتی کی اس کے لیے آگ ہے اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔(روایت کیا اس کو دارمی نے)

تشریح: خالدًا فیها مخلدا اس جملہ میں "تاکید کے بعد تاکید" کا اسلوب سخت زجر وتنبیہ اور شدید وعید کے اظہار کے لیے ہے۔

قتل خطاء کا حکم

(۲۸) وَعَنْ طَاؤُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قُتِلَ فِيْ عِمِّيَّةٍ فِيْ رَمْيٍ يَكُوْنُ بَيْنَهُمْ بِالْحِجَارَةِ اَوْجَلْدٍ بِالسِّيَاطِ اَوْ ضَرْبٍ بِعَصًا فَهُوَ خَطَاءٌ وَ عَقْلُهُ عَقْلُ الْخَطَاءِ وَ مَنْ قَتَلَ عَمْدًا فَهُوَ قَوَدٌ وَمَنْ حَالَ دُوْنَهُ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ غَضَبُهُ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَ لَا عَدْلٌ. (رواه ابوداود والنسائي)

ترجمہ: حضرت طاؤس ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا جو شخص اندھا دھند مارا جائے پتھروں کے ساتھ پتھراؤ میں یا کوڑوں کے ساتھ مارنے میں یا لاٹھیوں کی لڑائی میں اس کا حکم قتل خطا کا ہے اس کی دیت خطا کی دیت ہے اور جو شخص جان بوجھ کر مارا جائے وہ قصاص کا سبب ہے جو شخص اس کے ورے حائل ہو اس پر اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہے اور اس سے فرض اور نفل عبادت قبول نہ کی جائے گی۔(روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے)

تشریح: "لوگوں کے درمیان پتھراؤ الخ" کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً زید کسی ایسی جگہ گھر گیا جہاں دو مخالف گروہ آپس میں لڑ رہے تھے۔اور دونوں طرف سے ایک دوسرے پر پتھراؤ ہو رہا تھا کہ اچانک ایک پتھر اس (زید) کے آکر لگا۔اور وہ مر گیا۔گویا اگر کوئی شخص پتھر کی ضرب سے مر

جائے بلکہ یوں کہے کہ یہاں "پتھر" کا ذکر محض اتفاقی ہے مراد یہ ہے کہ کسی بھی مثقل (بھاری) چیز کی ضرب سے مرجائے تو یہ قتل قصاص کو واجب نہیں کرتا بلکہ اس میں دیت واجب ہوتی ہے اور دیت بھی وہ جو قتل خطاء میں واجب ہوتی ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں اس قتل کو "شبہ عمد" کہتے ہیں؛ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک شبہ عمد کی تعریف یہ ہے کہ "وہ قتل جو کسی غیر دھاردار چیز سے واقع ہوا ہو اگرچہ وہ کوئی ایسی چیز نہ ہو جس سے اکثر ہلاکت واقع ہو جاتی ہو" لیکن صاحبینؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک شبہ عمد کی تعریف یہ ہے کہ وہ قتل جو بارادہ قتل کسی ایسی چیز سے ہوا ہو جس سے اکثر ہلاکت واقع نہ ہوتی ہو اور جو قتل کسی ایسی چیز سے ہوا جس سے اکثر ہلاکت واقع ہو جاتی ہو قتل عمد میں داخل ہوگا' لہٰذا حدیث میں مذکورہ چیزیں یعنی پتھر اور لاٹھی' حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو اپنے مطلق معنی پر محمول ہیں خواہ وہ ہلکی ہوں یا بھاری' جب کہ صاحبین اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک یہ چیزیں "ہلکی (غیر مثقل) ہونے پر ہوگا اور صاحبینؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مذکورہ بالا تفصیل کا اعتبار کیا جائے گا"۔

"جو شخص قصاص لینے میں حائل ہوا الخ" کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مقتول کے وارثوں سے قصاص نہ لینے دے تو اس کے بارے میں بطور زجر تشدید اور تہدید وعید یہ فرمایا گیا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور اس کا غضب نازل ہوگا۔ یعنی وہ خدا کی ناراضگی کا موجب بنے گا۔

قتل کی قسمیں۔ فقہا کے نزدیک قتل کی پانچ قسمیں ہیں۔ 1۔ قتل عمد 2۔ قتل شبہ عمد 3۔ قتل خطا 4 قتل جاری مجری خطا 5۔ قتل بسبب۔

1۔ قتل عمد' قتل عمد یہ ہے کہ مقتول کو کسی چیز سے مارا جائے جو اعضاء کو جدا کر دے (یا اجزاء جسم کو پھاڑ ڈالے) خواہ وہ ہتھیار کی قسم سے ہو یا پتھر' لکڑی' کھپاچ کی قسم سے کوئی تیز (دھاردار) چیز ہو اور نیز وہ آگ کا شعلہ ہو۔ صاحبینؒ کے نزدیک قتل عمد کی تعریف یہ ہے کہ "مقتول کو بارادہ قتل کسی بھی ایسی چیز سے مارا جائے جس سے عام طور پر انسان کو ہلاک کیا جا سکتا ہے" قتل عمد کا مرتکب سخت گناہ گار ہوتا ہے اور اس قتل کی سزا قصاص (یعنی مقتول کے بدلے میں قاتل کو قتل کر دینا) ہے الا یہ کہ مقتول کے ورثاء اس کو معاف کر دیں یا دیت (مالی معاوضہ) لینے پر راضی ہو جائیں' اس میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

2۔ قتل شبہ عمد۔ یہ ہے کہ مقتول کو مذکورہ بالا چیزوں (ہتھیار اور دھاردار چیز وغیرہ) کے علاوہ کسی اور چیز سے قصداً ضرب پہنچائی گئی ہو' قتل کی یہ صورت بھی (باعتبار ترک عزیمت اور عدم احتیاط) گنہگار کرتی ہے' لیکن اس میں قصاص کی بجائے قاتل کے عاقلہ (برادری کے لوگوں) پر دیت مغلظہ واجب ہوتی ہے (دیت مغلظہ چار طرح کی سو اونٹوں کو کہتے ہیں' لیکن اگر ہلاکت واقع نہ ہو تو قصاص واجب ہوتا ہے یعنی اس کی وجہ سے مرنے کی بجائے مضروب کا کوئی عضو کٹ گیا ہو تو مارنے والے کا بھی وہی عضو کاٹا جائے گا۔ 3۔ قتل خطاء۔ قتل خطاء کی دو قسمیں ہیں' ایک تو یہ کہ "خطاء" کا تعلق "قصد" سے ہو' مثلاً ایک چیز کا شکار گمان کر کے تیر یا گولی کا نشانہ بنایا گیا مگر وہ آدمی نکلا' یا کسی شخص کو حربی کافر سمجھ کر تیر یا گولی کا نشانہ بنایا مگر وہ مسلمان نکلا۔ دوسرے یہ کہ "خطا" کا تعلق "فعل" سے ہو' مثلاً کسی خاص نشانہ پر تیر یا گولی چلائی گئی مگر وہ تیر یا گولی بھٹک کر کسی آدمی کے جا لگی"۔ 4۔ قتل جاری مجریٰ خطا کی یہ صورت یہ ہے مثلاً ایک شخص سوتے میں کسی دوسرے شخص پر جا پڑا اور اس کو ہلاک کر ڈالا قتل خطاء اور جاری مجریٰ خطاء میں کفارہ لازم آتا ہے اور عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے' نیز ان صورتوں میں (بہ اعتبار ترک عزیمت) گناہ بھی ہوتا ہے۔ 5۔ قتل بسبب یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے دوسرے شخص کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کنواں کھدایا کوئی پتھر رکھ دیا اور کوئی تیسرا شخص اس کنویں میں گر کر یا اس پتھر سے ٹھوکر کھا کر مر گیا۔ اس صورت میں عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے کفارہ لازم نہیں آتا۔ یہ بات ملحوظ ہونی چاہیے کہ قتل کی پہلی چار قسمیں یعنی عمد' شبہ عمد اور جاری مجریٰ خطاء میں قاتل' مقتول کی میراث سے محروم ہو جاتا ہے (اور وہ صورت کہ مقتول' قاتل کا مورث ہو) اور پانچویں قسم یعنی "قتل بسبب" میں قاتل' مقتول کی میراث سے محروم نہیں ہوتا۔

قتل سے دیت لینے کے بعد پھر اس کو قتل کر دینا ناقابل معافی جرم ہے

(۳۹) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أُعْفِيْ مَنْ قَتَلَ بَعْدَ أَخْذِ الدِّيَةِ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس شخص کو معاف نہیں کروں گا جس نے دیت لینے کے بعد قتل کر دیا۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

زخمی کردینے والے کو معاف کرنے کا اجر

(۳۰) وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَامِنْ رَجُلٍ يُصَابُ بِشَيْءٍ فِیْ جَسَدِهٖ فَتَصَدَّقَ بِهٖ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهٖ دَرَجَةً وَّ حَطَّ عَنْهُ خَطِيْئَةً. (رواه الترمذی وابن ماجة)

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے کہ کوئی شخص نہیں جس کو زخمی کیا گیا کسی چیز کے ساتھ اس کے بدن میں اس نے معاف کردیا مگر اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند کرتا ہے اور اس کا گناہ دور کرتا ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ.... ایک آدمی کو کئی آدمی مل کر قتل کریں تو سب ہی قصاص کے سزاوار ہونگے

(۳۱) عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَتَلَ نَفَرًا خَمْسَةً اَوْسَبْعَةً بِرَجُلٍ وَاحِدٍ قَتَلُوْهُ قَتْلَ غِيْلَةٍ وَّ قَالَ عُمَرُ لَوْ تَمَالَا عَلَيْهِ اَهْلُ صَنْعَاءَ لَقَتَلْتُهُمْ جَمِيْعًا. رَوَاهُ مَالِكٌ وَ رَوَى الْبُخَارِيُّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ نَحْوَهٗ.

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا عمر بن خطاب نے پانچ یا سات آدمیوں کو ایک شخص کے قتل کے بدلہ میں قتل کردیا کہ انہوں نے فریب سے اس کو قتل کردیا تھا اور عمر نے کہا اگر صنعا کے رہنے والے ایک شخص پر حملہ آور ہو کر اس کو قتل کردیں میں ان سب کو قتل کردوں۔ روایت کیا اس کو مالک نے اور روایت کیا بخاری نے ابن عمر سے اس کی مانند۔

تشریح: "صنعاء" یمن کا ایک مشہور شہر ہے جو آج کل اپنے ملک کا دارالحکومت بھی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے "صنعاء" کا ذکر کیا تو اس لیے کیا کہ جن قاتلوں کو انہوں نے قتل کیا تھا قصاص میں وہ سب صنعا کے ہی رہنے والے تھے یا یہ کہ اہل عرب کے ہاں کسی چیز کی زیادتی اور کثرت کو ظاہر کرنے کے لیے اپنے کلام میں "صنعا" مثل کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ اگر ایک شخص کو قتل کرنے میں کئی آدمی شریک ہوں تو قصاص میں ان سب کو قتل کردینا چاہیے۔

قیامت کے دن مقتول اپنے قاتل کو پکڑ کر خدا سے فریاد کرے گا

(۳۲) وَعَنْ جُنْدَبٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ فُلَانٌ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَجِیْءُ الْمَقْتُوْلُ بِقَاتِلِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُوْلُ سَلْ هٰذَا لِمَ قَتَلَنِیْ فَيَقُوْلُ قَتَلْتُهٗ عَلٰى مُلْكِ فُلَانٍ قَالَ جُنْدَبٌ فَاتَّقِهَا. (رواه النسائی)

حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا مجھ کو فلاں شخص نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن مقتول اپنے قاتل کو لائے گا اور کہے گا اس سے پوچھ اس نے مجھ کو کیوں قتل کیا وہ کہے گا میں نے اس کو فلاں شخص کی سلطنت میں قتل کیا ہے جندب نے کہا تو اس سے بچ۔ (روایت کیا اس کو نسائی نے)

تشریح: "علی ملک فلان" یعنی مقتول قیامت کے دن جب قاتل پر قتل کا دعویٰ کرے گا اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرے گا کہ اس قاتل سے پوچھ لے کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا تو قاتل جواب میں کہے گا کہ میں نے فلاں شخص کی سلطنت میں اس کو قتل کیا تھا۔

سوال: یہاں سوال یہ ہے کہ قاتل کا یہ جواب مقتول کے سوال اور دعویٰ فریاد کیلئے جواب نہیں بن سکتا تو اس سوال و جواب میں مطابقت کیا ہے؟

جواب: اس میں مطابقت واضح ہے کہ قاتل جواب میں کہتا ہے کہ بیشک میں نے اس کو قتل کیا تھا لیکن میں نے فلاں بادشاہ کی سلطنت میں اس کے اشارہ اور اس کی مدد سے اس کو قتل کیا تھا لہذا اس قتل کا اصل محرک اور ذمہ دار وہی بادشاہ ہے جندب وہی مشہور صحابی ہیں جو ابوذر غفاری کے نام سے مشہور ہیں۔

"فاتقها" علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ حضرت جندب کسی بادشاہ یا کسی فوجی کو نصیحت کر رہے تھے تو آخر میں فرمایا کہ کسی کے قتل میں نصرت اور ناجائز مدد کرنے سے بچتے رہنا۔

قاتل کی مدد کرنے والے کے بارہ میں وعید

(۳۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعَانَ عَلٰی قَتْلِ مُؤْمِنٍ شَطْرَ کَلِمَةٍ لَقِیَ اللّٰهَ مَکْتُوْبٌ بَیْنَ عَیْنَیْهِ اٰیِسٌ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص آدھے کلمہ کے ساتھ کسی مسلمان کے قتل میں امداد کرے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا یہ اللہ کی رحمت سے ناامید ہے۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

تشریح: مسلمان کو قتل کرنا گناہ کی شدت و سختی میں کفر کے مشابہ ہے اس اعتبار سے یہ جملہ "یہ اللہ کی رحمت سے ناامید ہے" گویا کفر کا کنایۃً پیرایہ اظہار ہے کیونکہ آیت کریمہ: لا ییئس من روح اللہ الا القوم الکافرون ترجمہ۔ اللہ کی رحمت سے کافروں کی قوم ہی ناامید ہوتی ہے کے بموجب اللہ کی رحمت سے ناامیدی صرف کافر کے لیے ہے۔ اس جملہ کا ماحصل یہ ہے کہ ایسا شخص قیامت کے دن مذکورہ علامت کے ذریعہ خلائق کے درمیان رسوا ہوگا۔ لیکن یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ حدیث کا مفہوم یا تو ایسے شخص کے بارے میں سخت وعید و تہدید پر محمول ہے یا پھر اس کا محمول وہ شخص ہے جو قتل مؤمن میں معاونت کو حلال جان کر اس کا مرتکب ہوا۔

قاتل کے مددگار کو تعزیراً قید کیا جائے

(۳۴) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَمْسَکَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ وَقَتَلَهُ الْاٰخَرُ یُقْتَلُ الَّذِیْ قَتَلَ وَیُحْبَسُ الَّذِیْ اَمْسَکَ۔ (رواہ الدارقطنی)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں فرمایا جس وقت کسی شخص کو ایک آدمی پکڑے رکھے اور دوسرا قتل کر دے جس نے قتل کیا ہے اس کو قتل کیا جائے اور جس نے پکڑا ہے اسے قید کیا جائے۔ (روایت کیا اس کو دار قطنی نے)

تشریح: جس طرح کسی عورت کو ایک شخص پکڑے اور دوسرا شخص اس سے زنا کرے تو پکڑنے والے پر حد جاری نہیں کی جاتی اسی طرح مقتول کو پکڑنے والے سے بھی قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ اس کو بطور تعزیر قید کیا جائے گا اور قید کی مدت کا انحصار حاکم و قاضی کی رائے پر ہوگا کہ وہ جتنی مدت کے لیے مناسب سمجھے سزائے قید دے۔ یہ بعض شارحین کی تصریح ہے لیکن یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ مقتول کو پکڑنا دراصل اس کے قتل میں معاونت کرنا ہے اور دوسری احادیث کی روشنی میں قتل کے مددگار کی سزا بھی قصاص ہی ہے اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

شمنی نے ملتقی میں مذکور یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو شیر یا کسی اور درندے کے سامنے ڈال دے اور وہ شیر یا درندہ اس شخص کو مار ڈالے تو اس صورت میں ڈالنے والے پر قصاص واجب ہوگا اور نہ دیت بلکہ اس کے لیے یہ سزا ہے کہ جب تک وہ توبہ نہ کرے اس کو قید میں ڈالا جائے اور اس طرح مار جائے کہ اس کا جسم درد کرنے لگے۔

بَابُ الدِّیَاتِ..... دیات کا بیان

قال اللہ تعالیٰ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓی اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّصَّدَّقُوْا (نساء ۹۲)

قال اللہ تعالیٰ وَاِنْ کَانَ مِنْ قَوْمٍ م بَیْنَکُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ فَدِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓی اَهْلِهٖ وَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ (نساء ۹۲)

ودی یدی دیۃ باب ضرب سے قاتل کی طرف سے مقتول کے ورثہ کو مالی معاوضہ دینے کو دیت کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں دیت اس مالی معاوضہ کا نام ہے جو کسی عضو یا کسی جان کو ختم کرنے کے بدلہ میں دیا جاتا ہے چونکہ دیت کبھی جان کے بدلے میں آتی ہے کبھی کسی عضو کے بدلے میں آتی ہے کبھی دیت مغلظہ ہوتی ہے اور کبھی دیت مخففہ ہوتی ہے اس لیے کتاب میں "دیات" کو جمع لایا گیا ہے جس کا مفرد "دیۃ" ہے۔

دیت کی اقسام:۔ دیت کی بڑی قسمیں دو ہیں اول دیت مغلظہ ہے امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دیت مغلظہ وہ ہے کہ سو اونٹنیاں ادا کی جائیں لیکن چار قسم کی اونٹنیاں ہوں مثلاً ۲۵ بنت مخاض ۲۵ بنت لبون ۲۵ حقہ اور ۲۵ جذعہ ہوں۔ امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک بھی دیت مغلظہ سو اونٹنیاں ہیں لیکن تین قسم کی اونٹنیاں ہوں گی مثلاً ۳۰ حقہ ۳۰ جذعہ اور چالیس خلفات یعنی حاملہ ہوں گی اس تقسیم کو "اثلاثا" کہتے ہیں اور پہلے تقسیم کو "ارباعا" کہتے ہیں دیت مغلظہ اس شخص پر آتی ہے جو قتل شبہ عمد کا مرتکب ہوا ہو یا قتل عمد میں دیت پر صلح ہوگئی ہو دیت مغلظہ صرف اونٹوں کی صورت میں ادا کی جاتی ہے دیت کی دوسری قسم "دیت مخففہ" ہے اور دیت مخففہ اونٹوں اور دراہم و دنانیر دونوں سے ادا کی جاسکتی ہے۔ اگر اونٹوں سے ادا کرنا ہو تو پانچ قسم کے سو اونٹ ادا کرنے ہوں گے۔ ۲۰ بنت مخاض ۲۰ بنت لبون ۲۰ ابن مخاض ۲۰ حقہ اور ۲۰ جذعہ دینے پڑیں گے۔

دیت مخففہ کی ادائیگی اگر سونے اور چاندی سے ہو تو سونے سے ایک ہزار دینار ہے اور چاندی سے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دس ہزار دراہم ہیں اور شوافع حضرات کے نزدیک بارہ ہزار دراہم ہیں۔ شوافع نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے جو مشکوٰۃ میں مذکور ہے جس میں بارہ ہزار دراہم کی تصریح موجود ہے احناف نے حضرت عمرؓ کی ایک روایت سے استدلال کیا ہے جس کو زجاجۃ المصابیح میں امام محمدؒ کے حوالہ سے ذکر کیا گیا ہے الفاظ اس طرح ہیں روی البیهقی من طریق الشافعیؒ قال قال محمد بن الحسنؒ بالغناعن عمر انه فرض علی اهل الذهب فی الدیة الف دینار ومن الورق عشرة آلاف درهم (زجاجۃ المصابیح ج ۳ ص ۴۳)

احناف دس ہزار دراہم کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں کہ یہ متیقن ہے کیونکہ دس ہزار بارہ ہزار کے ضمن میں ہے اور زائد کیلئے مزید ثبوت درکار ہے نیز بارہ ہزار کا جو ذکر روایت میں آیا ہے وہ وزن ستہ کے اعتبار سے ہے اور دس ہزار وزن سبعہ کے اعتبار سے ہے تو مقدار ایک ہی ہے کوئی فرق نہیں صرف الفاظ کا فرق ہے دیت مخففہ اس شخص پر آتی ہے جو قتل خطا یا جاری مجرای خطا یا قتل تسبب کا مرتکب ہوگیا ہو خلاصہ یہ کہ قتل عمد میں قصاص ہے قتل شبہ عمد میں دیت مغلظہ ہے جو عاقلہ پر ہے اور آدمی پر کفارہ ہے قتل خطا اور جاری مجرای خطا میں آدمی پر کفارہ ہے اور عاقلہ پر دیت ہے قتل تسبب میں عاقلہ پر دیت ہے آدمی پر کفارہ نہیں ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھیں کہ ایک کامل خون بہا ہے اس کو دیت کہتے ہیں اور ایک نصف دیت ہے اور ایک عشر دیت ہے یعنی دیت کا دسواں حصہ تو سو کا دسواں دس ہے اعضاء کے معاوضہ کو "ارش" کہتے ہیں پھر دیت کی ادائیگی کی ترتیب اس طرح ہے کہ قتل خطاء کے مجرم کے عاقلہ پر دیت آئے گی لیکن وہ تین سالوں میں قسط وار ادا کریں گے ہر سال ایک ثلث دیت ادا کی جائے گی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ.... انگلی کاٹنے کی دیت

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هٰذِهِ وَهٰذِهِ سَوَاءٌ يَعْنِي الْخِنْصَرَ وَالْإِبْهَامَ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا اس کی اور اس کی دیت برابر ہے یعنی چھنگلیا اور انگوٹھا کی۔ (بخاری)

تشریح: اگر کوئی شخص کسی کے دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں کی تمام انگلیاں کاٹ دے تو چونکہ اس نے ایک انسان کو اس کی منفعت کے ایک بہت بڑے ذریعہ سے محروم کر دیا اس لیے اس پر (بطور سزا) پوری دیت واجب ہوگی اس اعتبار سے ہر انگلی کاٹنے پر پوری دیت (یعنی سو اونٹ) کا دسواں حصہ دینا واجب ہوگا اسی کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ انگوٹھے اور چھنگلیا کی دیت برابر ہے اگرچہ انگوٹھے میں دو گانٹھ اور چھنگلیا میں تین گانٹھ ہوتی ہیں لیکن اصل منفعت میں دونوں انگلیوں کے مساوی ہونے کے اعتبار سے گانٹھ کی کمی زیادتی کا اعتبار نہیں ہوگا جس طرح کہ دائیں اور بائیں میں فرق نہیں ہوتا اور جب ہر انگلی میں پوری دیت کا دسواں حصہ واجب ہوگا تو انگلی کی ہر گانٹھ کی دیت میں اسی حساب کا اعتبار ہوگا کہ انگلی کی دیت میں دسویں حصہ کی تہائی دینا ہوگا اور انگوٹھے کی ہر ایک گانٹھ کی دیت میں دسویں حصہ کا آدھا دینا ہوگا کیونکہ انگوٹھے میں دو گانٹھ ہوتی ہیں اور انگلیوں میں تین تین گانٹھیں ہوتی ہیں۔

حمل کے بچہ کی دیت

(۲) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَنِيْنِ امْرَاَةٍ مِنْ بَنِيْ لِحْيَانَ سَقَطَ مَيِّتًا

بِغُرَّةٍ عَبْدٍ اَوْاَمَةٍ ثُمَّ اَنَّ الْمَرْاَةَ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا بِالْغُرَّةِ تُوُفِّیَتْ فَقَضٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاَنَّ مِیْرَاثَھَا لِبَنِیْھَا وَزَوْجِھَا وَالْعَقْلَ عَلٰی عَصَبَتِھَا۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنولحیان کی ایک عورت کے پیٹ کے بچہ میں جو مردہ ہو کر گر پڑا تھا ایک غرہ کا حکم دیا یعنی غلام یا لونڈی کا پھر وہ عورت جس پر غرہ کا حکم لگایا گیا تھا مر گئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی میراث اس کے بیٹوں اور خاوند کے لیے ہے۔ اور دیت اس کی عصبوں پر ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ دوعورتیں آپس میں لڑ پڑیں اور ان میں سے ایک نے دوسری عورت کے پتھر کھینچ مارا اتفاق سے وہ عورت حاملہ تھی اور پتھر اس کے پیٹ پر لگا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو بچہ اس کے پیٹ میں تھا اس پتھر کی چوٹ سے مر کر پیٹ سے باہر آ گیا چنانچہ اس کی دیت میں پتھر مارنے والے کے عاقلہ (یعنی اہل خاندان) پر ایک غرہ یعنی ایک لونڈی یا ایک غلام واجب کیا گیا اور اگر وہ بچہ زندہ پیدا ہوتا اور اس کے بعد وہ پتھر مارتی اور اس پتھر کی چوٹ سے وہ بچہ مر جاتا تو اس صورت میں پوری دیت واجب کی جاتی۔ غرہ اصل میں تو اس سفیدی کو کہتے ہیں جو گھوڑے کی پیشانی پر ہوتی ہے پھر سفید رنگ کے غلام یا لونڈی کو بھی غرہ کہا جانے لگا لیکن یہاں مراد مطلق غلام یا لونڈی ہے ویسے فقہا کے نزدیک "غرہ" سے دیت کا بیسواں حصہ یعنی پانچ سو درہم مراد ہے۔ "اور اس کی دیت اس کے عصبہ پر ہے" میں عصبہ سے مراد عاقلہ ہیں اس جملہ سے یہ واضح کرنا مراد ہے کہ اگرچہ اس کی دیت اس کے عاقلہ یعنی خاندان اور برادری والوں پر واجب ہوئی مگر وہ خاندان اور برادری والے اس کی میراث کے وارث نہیں قرار پائیں گے کیونکہ کسی کی دیت کا ذمہ دار ہونے سے اس کی میراث کا حقدار ہونا لازم نہیں آتا بلکہ اس کی میراث تو انہی لوگوں کو ملے گی جو اس کے شرعی وارث ہیں اب رہی یہ بات کہ یہاں وارثوں میں صرف بیٹوں اور خاوند کی تخصیص کیوں کی گئی تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں جس عورت کا ذکر ہے اس کے ورثا میں صرف یہی لوگ موجود ہوں گے اس لیے انہی کا ذکر کیا گیا ورنہ مقصود یہ ہے کہ میراث ہر اس وارث کو ملے گی جو موجود ہو جیسا کہ اگلی حدیث کے الفاظ ورثھا ولدھا ومن معھم سے واضح ہے۔

پتھر کے ذریعہ ہونے والے قتل میں دیت واجب ہوگی

(۳) وَعَنْہُ قَالَ اقْتَتَلَتْ اِمْرَاَتَانِ مِنْ ھُذَیْلٍ فَرَمَتْ اِحْدٰھُمَا الْاُخْرٰی بِحَجَرٍ فَقَتَلَتْھَا وَمَا فِیْ بَطْنِھَا فَقَضٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ دِیَةَ جَنِیْنِھَا غُرَّةٌ عَبْدٌ اَوْ وَلِیْدَةٌ وَقَضٰی بِدِیَةِ الْمَرْاَةِ عَلٰی عَاقِلَتِھَا وَوَرَّثَھَا وَلَدَھَا وَمَنْ مَعَھُمْ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ہذیل کی دو عورتیں آپس میں لڑ پڑیں ایک نے دوسری کو پتھر مارا اس کو قتل کر ڈالا اور اس کے پیٹ کے بچہ کو مار ڈالا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے بچہ کی دیت غرہ ہے ایک غلام یا لونڈی اور عورت کی دیت کا حکم قتل کرنے والی عورت کی قوم پر کیا اور اس کا وارث اس کی اولاد کو اور جو ان کے ساتھ تھے بنایا۔ (متفق علیہ)

تشریح: بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلی حدیث میں جو واقعہ گزرا ہے وہ کسی اور عورت کا ہے اور اس حدیث میں جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے وہ کسی اور عورت کا ہے۔ پہلی حدیث میں تو یہ ذکر تھا کہ پتھر مارنے سے عورت مر گئی تھی چنانچہ اس حدیث میں اس عورت کی وفات اور اس کی وفات کے بعد جو احکام نافذ ہونے تھے ان کا ذکر کرنا مقصود تھا اور اس حدیث میں اس عورت کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو پتھر کی چوٹ کھانے کی وجہ سے مر گئی تھی اور اس کے ساتھ ہی اس کے پیٹ کا بچہ بھی مر گیا تھا چنانچہ یہاں اس کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ پتھر کے ذریعہ کسی کو ہلاک کر دینا دیت کا موجب ہے نہ کہ قصاص کا نیز یہ قتل عمد کی قسم سے نہیں ہے بلکہ شبہ عمد کی قسم سے ہے جیسا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے لیکن اس بارہ میں یہ حدیث چونکہ دوسرے ائمہ کے مسلک کے خلاف ہے اس لیے وہ حدیث میں مذکورہ "پتھر" کو چھوٹے پتھر پر محمول کرتے ہیں۔

(۴) وَعَنِ الْمُغِیْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ امْرَاَتَیْنِ کَانَتَا ضَرَّتَیْنِ فَرَمَتْ اِحْدٰھُمَا الْاُخْرٰی بِحَجَرٍ اَوْ عَمُوْدِ فُسْطَاطٍ فَاَلْقَتْ جَنِیْنَھَا فَقَضٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْجَنِیْنِ غُرَّةً عَبْدًا اَوْ اَمَةً وَجَعَلَہٗ عَلٰی عَصَبَةِ الْمَرْاَةِ۔ ھٰذِہٖ رِوَایَةُ

الترمذی وفی روایۃ مسلم قال ضربت امرأۃ ضرتہا بعمود فسطاط وہی حبلی فقتلتہا قال واحداہما لحیانیۃ قال فجعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیۃ المقتولۃ علی عصبۃ القاتلۃ وغرۃ لما فی بطنہا۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہا دو عورتیں آپس میں سوکنیں تھیں۔ ایک نے دوسری کو پتھر یا خیمہ کی چوب سے مارا اس کے پیٹ کے بچہ کو گرا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ کے بچہ میں غرہ کا حکم دیا۔ یعنی غلام یا لونڈی کا اور اس کو عورت کے وارثوں پر ڈالا یہ ترمذی کی روایت ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے ایک عورت نے اپنی سوت کو خیمہ کی چوب کے ساتھ مارا وہ حاملہ تھی اس کو قتل کر دیا۔ اس نے کہا اور ان دونوں میں سے ایک لحیان قبیلہ سے تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولہ کی دیت قاتلہ کے وارثوں پر ڈالی اور غرہ واسطے اس چیز کے جو اس کے پیٹ میں تھی۔

تشریح: یہ حدیث بھی حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کی دلیل ہے کیونکہ خیمے چوب سے عام طور انسان کو ہلاک کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے باوجود اس عورت کو قتل عمد کی مرتکب قرار نہیں دیا گیا بلکہ شبہ عمد کی مرتکب گردانا گیا۔ حضرت امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ یہاں پتھر اور چوب سے مراد چھوٹا پتھر اور چوب ہے جس سے عام طور پر کسی انسان کو قتل کرنے کا ارادہ نہیں کیا جاتا۔

الفصل الثانی ..... قتل خطاء اور شبہ عمد کی دیت

(۵) عن عبداللہ ابن عمرو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الا ان دیۃ الخطاء شبہ العمد ما کان بالسوط والعصا مائۃ من الابل منہا اربعون فی بطونہا اولادہا۔ رواہ النسائی وابن ماجۃ والدارمی وروہ ابوداؤد عنہ وعن ابن عمر وفی شرح السنۃ لفظ المصابیح عن ابن عمر۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خطا کی دیت شبہ عمد کی دیت ہے جو قتل کوڑے اور لاٹھی کے ساتھ ہو سو اونٹ ہیں ان میں چالیس حاملہ اونٹنیاں ہوں گی۔ روایت کیا اس کو نسائی ابن ماجہ اور دارمی نے اور روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اس سے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اور شرح السنہ میں مصابیح کے لفظ ہیں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے۔

تشریح: یہ روایت بالفاظ مصابیح یوں ہے **الا ان فی قتل العمد الخطاء بالسوط و العصاء مائۃ من الابل مغلظۃ منہا اربعون خلفۃ فی بطونہا اولادہا** یعنی جاننا چاہئے کہ قتل عمد خطاء جو کوڑے اور لاٹھی کے ذریعہ واقع ہوا ہو اس کی دیت سو اونٹ دیت مغلظہ ہے جن میں چالیس اونٹنیاں ایسی بھی ہونی چاہئیں جن کے پیٹ میں بچے ہوں۔ گویا اس روایت میں قتل عمد خطا سے مراد قتل خطا شبہ عمد ہے جو اوپر کی روایت میں مذکورہ ہوا۔

اس بارہ میں یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ ارتکاب میں یا عمد کا دخل ہوتا ہے یا شبہ عمد کا اور یا خطاء محض کا۔ قتل عمد سے تو یہ مراد ہوتا ہے کہ کسی شخص کو جان بوجھ کر کسی ایسی چیز (مثلاً ہتھیار یا دھار دار آلہ) سے ہلاک کیا جائے جو اعضاء جسم کو جدا کر دے یا پھاڑ ڈالے اور شبہ عمد کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ کسی شخص کو جان بوجھ کر کسی ایسی چیز سے ہلاک کیا جائے جو دھار دار اور ہتھیار کی قسم سے نہ ہو خواہ عام طور پر اس چیز سے انسان کو ہلاک کیا جا سکتا ہو یا ہلاک نہ کیا جا سکتا ہو اور قتل خطاء یہ ہے کہ کسی کو خطاء (یعنی بلا قصد قتل یا نشانہ کی خطاء سے) ہلاک کر دیا جائے اور یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق ہے۔ چنانچہ وہ اس حدیث میں مذکورہ "لاٹھی" کو مطلق معنی پر محمول کرتے ہیں کہ خواہ وہ ہلکی ہو یا بھاری جب کہ دوسرے ائمہ چونکہ یہ کہتے ہیں کہ کسی ایسی بھاری چیز سے قتل کرنا جس سے عام طور پر انسان کو قتل کیا جا سکتا ہو قتل عمد کے حکم میں ہے اس لیے وہ "لاٹھی" کو ہلکی لاٹھی پر محمول کرتے ہیں یعنی ان کے نزدیک یہاں وہ ہلکی لاٹھی (چھڑی) مراد ہے جس سے عام طور پر انسان کو ہلاک نہ کیا جا سکتا ہو۔

بعض روایتوں میں "دیت" کے ساتھ مغلظہ کا لفظ بھی منقول ہے جیسا کہ مذکورہ بالا مصابیح کی روایت میں بھی یہ لفظ موجود ہے چنانچہ قتل شبہ عمد میں دیت کی تغلیظ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت امام ابوحنیفہؒ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک تو یہ ہے کہ چار طرح کے سو اونٹ واجب ہوں جن کی تفصیل ابتداء باب میں گزر چکی ہے اور حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک تغلیظ یہ ہے کہ تین طرح

کے سو اونٹ واجب ہوں ان کی تفصیل بھی ابتداء باب میں گزر چکی ہے لیکن قتل خطاء میں بالاتفاق دیت مغلظہ واجب نہیں ہوتی بلکہ اس میں پانچ طرح کے سو اونٹ واجب ہوتے ہیں یعنی بیس ابن مخاض بیس بنت مخاض بیس بنت لبون بیس حقہ اور بیس جذعہ۔

دیت مغلظ کی تفصیل کے سلسلہ میں یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام محمدؒ کے مسلک کی دلیل ہے لیکن حنفیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث اس حدیث کے معارض ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لہٰذا ہم نے متعین پر عمل کیا ہے۔

مختلف اعضاء جسم کی دیت

(۶) وَعَنْ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَتَبَ اِلٰی اَهْلِ الْیَمَنِ وَ کَانَ فِیْ کِتَابِهٖ اَنَّ مَنِ اعْتَبَطَ مُؤْمِنًا قَتْلًا فَاِنَّهٗ قَوَدُیَدِهٖ اِلَّا اَنْ یَّرْضٰی اَوْلِیَاءُ الْمَقْتُوْلِ وَ فِیْهِ اَنَّ الرَّجُلَ یُقْتَلُ بِالْمَرْاَةِ وَفِیْهِ فِی النَّفْسِ الدِّیَةُ مِائَةٌ مِّنَ الْاِبِلِ وَعَلٰی اَهْلِ الذَّهَبِ اَلْفُ دِیْنَارٍ وَ فِی الْاَنْفِ اِذَا اُوْعِبَ جَدْعُهُ الدِّیَةُ مِائَةٌ مِّنَ الْاِبِلِ وَ فِی الْاَسْنَانِ الدِّیَةُ وَ فِی الشَّفَتَیْنِ الدِّیَةُ وَفِی الْبَیْضَتَیْنِ الدِّیَةُ وَ فِی الذَّکَرِ الدِّیَةُ وَ فِی الصُّلْبِ الدِّیَةُ وَ فِی الْعَیْنَیْنِ الدِّیَةُ وَ فِی الرِّجْلِ وَاحِدَةٍ نِصْفُ الدِّیَةِ وَ فِی الْمَاْمُوْمَةِ ثُلُثُ الدِّیَةِ وَ فِی الْجَائِفَةِ ثُلُثُ الدِّیَةِ وَ فِی الْمُنَقِّلَةِ خَمْسَ عَشْرَ مِنَ الْاِبِلِ وَ فِیْ کل اصبع من اصابع الید و الرجل عشر من الابل و فی السن خمس من الابل رَوَاهُ النَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَ فِیْ رِوَایَةِ مَالِکٍ وَ فِی الْعَیْنِ خَمْسُوْنَ وَ فِی الْیَدِ خَمْسُوْنَ وَفِی الرِّجْلِ خَمْسُوْنَ وَ فِی الْمُوْضِحَةِ خَمْسٌ

ترجمہ: حضرت ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے وہ اس کے دادا سے روایت کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کی طرف نامہ لکھا اور آپ کے نامہ میں تھا کہ جو شخص بلا تقصیر کسی مسلمان شخص کو مار ڈالے وہ اپنے ہاتھ کا قصاص ہے مگر یہ کہ مقتول کے وارث راضی ہو جائیں اور اس میں یہ بھی تھا کہ آدمی کو عورت کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور اس میں تھا کہ جان کے مار ڈالنے میں دیت ہے سو اونٹ اور سونا رکھنے والوں پر ہزار دینار۔ اور ناک جس وقت پوری طرح پر کاٹی جائے دیت ہے سو اونٹ اور دانتوں میں جبکہ سب توڑے جائیں دیت ہے اور ہونٹوں کے کاٹنے میں دیت ہے۔ خصیوں کے کاٹنے میں دیت ہے آلت کاٹنے میں دیت ہے پیٹھ کی ہڈی توڑنے میں دیت ہے۔ دونوں آنکھوں میں دیت ہے۔ ایک پاؤں کاٹنے میں نصف دیت ہے جو زخم مغز سر کے پوست تک پہنچے ایک تہائی دیت ہے۔ پیٹ کے زخم میں ایک تہائی دیت ہے اور جس زخم سے ہڈی سرک گئی ہو پندرہ اونٹ ہیں۔ ہاتھ اور پاؤں کی ہر انگلی میں دس (10) اونٹ ہیں ہر دانت میں پانچ اونٹ ہیں۔ روایت کیا اس کو نسائی اور دارمی نے اور مالک کی روایت میں ہے آنکھ میں پچاس اونٹ ہیں اور ایک ہاتھ میں پچاس اونٹ ہیں اور ایک پاؤں کے پچاس اونٹ ہیں۔ جس زخم سے ہڈی کھل جائے پانچ اونٹ ہیں۔

تشریح: "جان کا خون بہا سو اونٹ ہیں" کا مطلب یہ ہے کہ اگر قتل عمد کے مرتکب کو مقتول کے وارث قصاص میں قتل نہ کرنا چاہیں بلکہ اس سے دیت یعنی خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں تب دیت واجب ہوگی لیکن قتل شبہ عمد اور قتل خطاء کا مرتکب سرے سے قصاص کا سزاوار ہوتا ہی نہیں بلکہ اس پر صرف دیت واجب ہوتی ہے۔ دیت اونٹ کے ذریعہ بھی ادا کی جا سکتی ہے اور جس کے پاس سونا ہو وہ ایک ہزار دینار اور جن کے پاس چاندی ہو وہ دس ہزار درہم کے ذریعہ بھی دیت کی ادائیگی کر سکتے ہیں۔ لیکن یہاں قیاس پر اکتفا کرتے ہوئے چاندی کا ذکر نہیں کیا گیا ہے جس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ اگر اونٹ اور سونے کے علاوہ وہ چاندی کے ذریعہ دیت دی جائے تو وہ مقبول و محسوب نہیں ہوگی بلکہ مراد یہ ہے کہ مقتول کے ورثاء اور قاتل کے درمیان جس چیز پر اتفاق ہو جائے اسی کو بطور دیت لیا دیا جائے جس کے پاس اونٹ ہوں اور وہ اونٹ دینا چاہے اس سے اونٹ لے لیے جائیں اور جو زر نقد دینا چاہے اس سے زر نقد لے لیا جائے۔

اس سلسلہ میں جہاں تک فقہی مسئلہ کا تعلق ہے تو درہم اور دینار کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ آیا دیت میں درہم و دینار قبول کیے

جاسکتے ہیں یا نہیں؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام احمدؒ کا قول یہ ہے کہ اگر دینے والے کے پاس اونٹ موجود ہوں لیکن وہ زرنقد کی صورت میں دیت ادا کرنا چاہتا ہو تو اس سے زرنقدی لینا جائز ہے لیکن حضرت شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ اونٹوں کی موجودگی میں زرنقد دے کر اونٹوں سے عدول نہ کیا جائے ہاں اگر طرفین راضی ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

''اور دونوں آنکھوں کو پھوڑنے کی بھی پوری دیت ہے'' ملحوظ رہے کہ قطع اعضاء (اعضاء جس کو کاٹنے یا نقصان پہنچانے) کی دیت کے سلسلہ میں اصل ضابطہ یہ ہے کہ اگر اعضاء جسم کی جنس منفعت بالکل ختم کردی جائے یا اس کی موزونیت اور خوبصورتی کو بالکل زائل کردیا جائے جو جسم انسان میں مقصود ہے تو ایسی صورت میں پوری دیت واجب ہوتی ہے کیونکہ یہ ایک طرح کا جانی نقصان ہے جسے انسانی عظمت کی وجہ سے مکمل جانی نقصان کا درجہ دیا جاتا ہے اس سے بڑھ کر اصل یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مخصوص اعضاء کی کہ جن کے نقصان سے انسان کے جمال و کمال میں فرق آجاتا ہے اور آدمی کی عظمت تخلیق مجروح ہوتی ہے جیسے ناک زبان اور آنکھیں وغیرہ ان کی پوری دیت دینے کا حکم فرمایا ہے پھر اس اصل سے اور بہت سے فروعی مسائل کا استنباط کیا جاتا ہے۔ منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے شخص پر چار دیتیں واجب کی تھیں جس نے ایک شخص کو اگرچہ ایک ہی زخم پہنچایا تھا مگر اس ایک زخم کی وجہ سے اس کی عقل اس کی سماعت اس کی بصارت اور اس کی بول چال یعنی چاروں چیزیں زائل ہوگئی تھیں نیز یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی داڑھی مونڈ ڈالے اور پھر وہ نکلے تو اس کی وجہ سے مونڈنے والے پر دیت لازم ہوگی کیونکہ اس نے اپنی اس حرکت سے چہرۂ انسانی کی جمال و موزونیت کو ختم کردیا اسی طرح سر کے بالوں کا بھی یہی مسئلہ ہے۔

(۷) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَوَاضِعِ خَمْسًا خَمْسًا مِنَ الْإِبِلِ وَفِي الْأَسْنَانِ خَمْسًا خَمْسًا مِنَ الْإِبِلِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ الْفَصْلَ الْأَوَّلَ

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان زخموں میں جن سے ہڈی کھل جائے پانچ اونٹ کا حکم لگایا ہے اور ایک دانت کی دیت پانچ اونٹ ہیں۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نسائی اور دارمی نے اور روایت کیا ترمذی اور ابن ماجہ نے پہلا جملہ۔

تشریح: اگر یہ سوال پیدا ہو کہ جب سب دانتوں کی پوری دیت سو اونٹ ہیں تو ایک دانت کی دیت پانچ اونٹ کیسے ہوئے کیونکہ سب دانتوں کی تعداد بتیس یا اٹھائیس ہوتی ہے اور اس کے اعتبار سے ایک دانت کی دیت تو کچھ زیادہ تین اونٹ ہونی چاہئے؟ اس کا سیدھا سادا جواب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ شارع نے جتنے احکام نافذ کیے ہیں عقل ان سب کا ادراک و احاطہ کرلے بہت سے احکام ایسے ہیں ان میں عقل کے دخل کا کام نہیں چنانچہ یہ مسئلہ بھی ایسا ہی ہے کہ شارع کا بس یہ حکم دے دینا ہی کافی اور واجب العمل ہونے کی معقول ترین وجہ ہے ہاں دیت ہی کے بارہ میں بعض صورتیں ایسی ہیں جو حکم شارع کے بھی مطابق ہیں اور عقلی بھی ہیں جیسے آنکھوں کی دیت کا معاملہ ہے کہ دونوں آنکھوں کی دیت پوری ہے اور ایک آنکھ کی دیت آدھی ہے حاصل یہ ہے کہ ہر حکم اور ہر مسئلہ کی بنیاد بس شارع کا حکم ہے جو بھی حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرنا ہی عقل کا سب سے بڑا تقاضا ہونا چاہئے۔

دیت کے اعتبار سے انگلیاں برابر ہیں

(۸) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَابِعَ الْيَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ سَوَاءً (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کو برابر کیا ہے (ابوداؤد و نسائی)

(۹) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَصَابِعُ سَوَاءٌ وَالْأَسْنَانُ سَوَاءٌ الثَّنِيَّةُ وَالضِّرْسُ سَوَاءٌ هٰذِهٖ وَهٰذِهٖ سَوَاءٌ (ابوداود)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انگلیاں برابر ہیں دانت برابر ہیں اگلے دانت اور داڑھیں برابر ہیں۔ یہ اور یہ برابر ہے یعنی چھنگلی اور انگوٹھا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

ذمی کافر کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے

(۱۰) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ ثُمَّ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّهٗ لَا حِلْفَ فِي الْاِسْلَامِ وَ مَا كَانَ مِنْ حِلْفٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَاِنَّ الْاِسْلَامَ لَا يَزِيْدُهُ اِلَّا شِدَّةً اَلْمُؤْمِنُوْنَ يَدٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ يُجِيْرُ عَلَيْهِمْ اَدْنَاهُمْ وَ يَرُدُّ عَلَيْهِمْ اَقْصَاهُمْ يَرُدُّ سَرَايَاهُمْ عَلٰى قَعِيْدَتِهِمْ لَا يُقْتَلُ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ، دِيَةُ الْكَافِرِ نِصْفُ دِيَةِ الْمُسْلِمِ لَا جَلَبَ وَ لَا جَنَبَ وَلَا تُؤْخَذُ صَدَقَاتُهُمْ اِلَّا فِي دُوْرِهِمْ وَ فِي رِوَايَةٍ قَالَ دِيَةُ الْمُعَاهِدِ نِصْفُ دِيَةِ الْحُرِّ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کے سال خطبہ دیا پھر فرمایا اے لوگو اسلام میں حلف نہیں ہے اور جو جاہلیت میں حلف تھا اسلام اس کو مضبوط کرتا ہے تمام مسلمان اپنے سوا پر ایک ہاتھ کا حکم رکھتے ہیں۔ان کا ادنیٰ ان پر پناہ دیتا ہے اور ان پر پھرتا ہے جو ان سے بہت دور ہے ان کے لشکر بیٹھ رہنے والوں پر پھرتے ہیں کسی مومن کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے گا۔ کافر کی دیت مسلمان کی دیت سے آدھی ہے۔نہیں ہے جلب اور نہ جنب زکوٰۃ کے مویشیوں میں۔ان کے صدقات......نہیں لیے جائیں گے مگر ان کے گھروں میں۔ایک روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذمی اور معاہد کی آدھی دیت آزاد کی ہے۔روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: لا حلف في الاسلام: حلف حا کے کسرہ اور لام کے سکون کے ساتھ عہد و پیمان اور معاہدہ و معاقدہ کو کہتے ہیں۔اس میں قسم کا مفہوم موجود ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں یہ عہد و پیمان اس طرح ہوتا تھا کہ دو آدمی یا دو فریق آپس میں قسم کھا کر یہ معاہدہ کرتے تھے کہ اگر تم پر مصیبت آئی یا ہم میں سے کسی ایک پر مصیبت آئی تو ہم ایک دوسرے کی نصرت و مدد کریں گے اس مصیبت میں دونوں برابر کے شریک ہوں گے جھگڑے میں ایک دوسرے کے ساتھ برابر کے شریک ہوں گے میراث میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور تاوان ونقصان میں شریک ہوں گے خواہ ظالم ہوں یا مظلوم ہوں اس معاہدہ میں ظالم کی نصرت تھی اور ہر جائز و ناجائز میں بے جا معاونت تھی اس لئے حضور اکرمؐ نے اس کو منع فرمادیا اور چونکہ آیت میراث نے اس معاہدہ کی حیثیت کو باطل کردیا اس لئے اس کی ممانعت کردی گئی۔

لا یزیدہ الاشدۃ: جاہلیت میں جہاں ناجائز معاہدے ہوتے تھے وہاں کچھ معاہدے ایسے بھی تھے جو انصاف پر مبنی تھے مثلاً ایک حلف نامہ ایسا ہوتا تھا کہ مظلوم کی مدد کریں گے صلہ کو جوڑیں گے اور انسانی جائز حقوق کی حفاظت کریں گے اسلام نے اس معاہدہ کو باقی چھوڑا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا کہ اسلام اس کو مزید مضبوط کرتا ہے خلاصہ یہ کہ اچھا معاہدہ اچھا ہے اس کی پاسداری ہوگی اور برا معاہدہ برا ہے اس سے بیزاری ہوگی۔

قعید تھم: قعیدہ اور القاعدہ مرکز کے معنی میں ہے یہ اسلامی افواج کے مرکز اور بڑی چھاؤنی اور کیمپ کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ مرکز نے جن چھاپہ مار دستوں کو دور دراز علاقوں میں فوجی کارروائی کیلئے بھیجا یا وہ دستے خود گئے اور ان کو مال غنیمت حاصل ہوگیا تو ان پر لازم ہے کہ پورا مال غنیمت لاکر مرکز میں جمع کروادیں "یرد" کا مفہوم یہ دونوں جگہ میں محذوف ہے جو "الغنیمۃ" ہے یہ جملہ ماقبل "یرد" کے لئے بمنزلہ بیان ہے "بکافر" میں کافر سے حربی مراد ہے یہ احناف کا مسلک ہے۔

کافر کی دیت کی مقدار: "دیۃ الکافر نصف دیۃ المسلم"۔یعنی ذمی کافر کی دیت مسلمان کی دیت کے مقابلہ میں آدھی ہے حربی کافر کے قتل میں کوئی دیت نہیں اور ذمی کی دیت میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف: امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ذمی کافر کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ غیر مسلم ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے مقابلہ میں ثلث یعنی ایک تہائی ہے۔امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان اور ذمی کی دیت برابر ہے یاد رہے کہ جمہور کے نزدیک پوری دیت بارہ ہزار درہم ہے اس کا نصف چھ ہزار درہم ہے اور اس کا ثلث چار ہزار درہم ہے۔احناف کے نزدیک پوری دیت دس ہزار درہم ہے اس کا نصف پانچ ہزار درہم ہے۔

دلائل:۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی دلیل یہی زیر بحث حدیث ہے جس میں نصف دیت کی تصریح موجود ہے امام شافعیؒ کی دلیل مصنف عبدالرزاق کی ایک حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں

''انه علیه السلام فرض علی کل مسلم قتل رجلا من اهل الکتاب اربعة آلاف درهم'' (مصنف عبدالرزاق)

ائمہ احناف کی دلیل مراسیل ابوداؤد میں ایک مرفوع حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ''عن سعید بن المسیب قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم دیة کل ذی عهد فی عهده الف دینار'' (زجاجة المصابیح ج ۳ ص ۳۰) ائمہ احناف کی دوسری دلیل دارقطنی کی ایک روایت ہے ''ان النبی صلی الله علیه وسلم و دی ذمیاً دیة مسلم'' دارقطنی کی دوسری روایت میں ہے'' ان النبی صلی الله علیه وسلم جعل دیة المعاهد کدیة المسلم'' ائمہ احناف کی تیسری دلیل ترمذی باب الدیات میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث ہے الفاظ یہ ہیں ''وعن ابن عباسؓ ان النبی صلی الله علیه وسلم و دی العامریین بدیة المسلمین و کان لهما عهد من رسول الله صلی الله علیه وسلم ''یعنی قبیلہ عامر کے دو معاہد کے قتل پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مسلمانوں کی دیت کے برابر دیت ادا فرمائی۔

ان احادیث کے علاوہ احناف نے خلفاء راشدین کے قضایا اور فیصلوں سے بھی استدلال کیا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد مبارک میں اور حضرت عمر و عثمانؓ کے مبارک دور میں اسی طرح فیصلے ہوئے ہیں کہ غیر مسلم کی دیت مسلمان کی دیت کے مساوی اور برابر قرار دی گئی ہے۔

جواب:۔ احناف فرماتے ہیں کہ ہم نے جن احادیث اور خلفاء راشدین کے فیصلوں سے استدلال کیا ہے وہ دیگر روایات سے راجح ہیں۔

لا جلب و لا جنب: یہ لفظ کتاب الذکوۃ میں بھی آیا ہے اور کتاب الجھاد میں بھی آیا ہے اور یہاں بھی آیا ہے اس کا تعلق کبھی زکوۃ سے ہوتا ہے اور کبھی گھوڑوں کے مقابلوں سے ہوتا ہے دونوں جگہ الگ الگ مفہوم ہے یہاں یہ جملہ زکوۃ کے متعلق ہے۔ اس میں زکوۃ وصول کرنے والے کارکن سے کہا گیا ہے کہ وہ شہر کے مرکز میں بیٹھ کر زکوۃ دینے والوں کو یہ نہ کہے کہ تم اپنے مال مویشی یہاں شہر میں لاؤ تاکہ میں معاینہ کروں اور پھر زکوۃ وصول کروں اس میں مالکوں کیلئے بہت مشقت ہے۔ و لا جنب: اس جملہ کا تعلق مالکوں سے ہے کہ وہ اپنے مال مویشی اس مقام سے دور لے گئے جہاں زکوۃ وصول کرنے والا کارکن پہنچا تھا مالکوں نے ان سے کہا کہ ادھر آؤ اور ہمارے مویشی دیکھ کر زکوۃ کا مال وصول کرو اس میں زکوۃ وصول کرنے والے کیلئے بہت مشقت ہے اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں صورتوں کو منع فرما دیا کہ ''لا جلب و لا جنب'' اسی جملہ کی تاکید و توضیح کیلئے حدیث کا اگلا جملہ ارشاد فرمایا گیا کہ ''و لا توخذ صدقتهم الا فی دورهم'' دور دار کی جمع ہے گھر مراد ہیں۔

قتل خطاء کی دیت

(۱۱) وَعَنْ خِشْفِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ دِيَةِ الْخَطَاءِ عِشْرِيْنَ بِنْتَ مَخَاضٍ وَ عِشْرِيْنَ ابْنَ مَخَاضٍ ذُكُوْرٍ وَعِشْرِيْنَ بِنْتَ لَبُوْنٍ وَ عِشْرِيْنَ جَذَعَةً وَعِشْرِيْنَ حِقَّةً. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَالصَّحِيْحُ اَنَّهٗ مَوْقُوْفٌ عَلَى ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَ خِشْفٌ مَجْهُوْلٌ لَا يُعْرَفُ اِلَّا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ وَ رَوٰى فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدٰى قَتِيْلَ خَيْبَرَ بِمِائَةٍ مِنْ اِبِلِ الصَّدَقَةِ وَ لَيْسَ فِيْ اَسْنَانِ اِبِلِ الصَّدَقَةِ ابْنُ مَخَاضٍ اِنَّمَا فِيْهَا ابْنُ لَبُوْنٍ

ترجمہ: حضرت خشف بن مالک ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل خطا کی دیت میں فیصلہ فرمایا کہ بیس اونٹنیاں جو دوسرے سال میں لگی ہوں۔ بیس اونٹ جو دوسرے برس میں لگے ہوں اور بیس اونٹنیاں جو تیسرے برس میں لگی ہوں اور بیس اونٹنیاں جو پانچویں برس میں لگی ہوں اور بیس اونٹنیاں جو چوتھے برس میں لگی ہوں۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد ترمذی اور نسائی نے صحیح یہ ہے کہ ابن مسعود پر روایت موقوف ہے اور خشف مجہول ہے جس کو نہیں پہچانا جاتا مگر اس روایت سے اور روایت کیا بغوی نے شرح السنہ میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی دیت سو اونٹ دی جو خیبر میں مارا گیا تھا۔ حالانکہ زکوۃ کے اونٹوں میں برس روز کا اونٹ نہیں تھا بلکہ اس میں دو برس کے اونٹ تھے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قتل خطاء کی دیت میں جو سو اونٹ دیئے جائیں وہ پانچ طرح کے ہونے چاہئیں؛ چنانچہ اس بارہ میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن ان کی تقسیم میں البتہ اختلاف ہے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک میں تو سو اونٹ اس طرح کے دیئے جاتے ہیں جس طرح اس حدیث میں مذکور ہیں' لیکن امام شافعیؒ کے مسلک میں اتنا سا فرق ہے کہ بیس ابن مخاض (پورے ایک سال کے بیس اونٹ) کی بجائے بیس ابن لبون (پورے دو سال کے بیس اونٹ) ہیں۔ اس اعتبار سے یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ کے خلاف حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے چنانچہ شوافع کی طرف سے اس حدیث میں جو کچھ کہا جاتا ہے اس کا جواب ملا علی قاری نے بڑی عمدگی سے دیا ہے اہل علم ان کی کتاب ''مرقات'' میں دیکھ سکتے ہیں' ان کے جوابات کے خلاصہ کے طور پر یہ بات ملحوظ ہونی چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ شخص کو جو دیت دی تھی وہ بطریق وجوب یا بطور حکم نہیں تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض از راہ احسان دی تھی۔

آخر میں بغویؒ کی جو روایت نقل کی گئی ہے اس کا مقصود پہلی روایت کی تردید ہے' جس میں ابن مخاض کا اثبات ہے اور بغوی کی روایت میں ابن لبون کا اثبات ہے اور گویا یہ حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کی دلیل ہے' ملا علی قاری نے اس کا جواب بھی بڑی عمدگی کے ساتھ لکھا ہے۔

دیت کی بنیاد اونٹ پر ہے

(۲۲) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ كَانَتْ قِيْمَةُ الدِّيَةِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانَ مِائَةِ دِيْنَارٍ اَوْ ثَمَانِيَةَ اٰلَافِ دِرْهَمٍ وَ دِيَةُ اَهْلِ الْكِتَابِ يَوْمَئِذٍ نِصْفٌ مِنْ دِيَةِ الْمُسْلِمِيْنَ قَالَ فَكَانَ كَذٰلِكَ حَتّٰى اُسْتُخْلِفَ عُمَرُ فَقَامَ خَطِيْبًا فَقَالَ اِنَّ الْاِبِلَ قَدْ غَلَتْ قَالَ فَفَرَضَهَا عُمَرُ عَلٰى اَهْلِ الذَّهَبِ اَلْفَ دِيْنَارٍ وَ عَلٰى اَهْلِ الْوَرِقِ اِثْنَيْ عَشَرَ اَلْفًا وَ عَلٰى اَهْلِ الْبَقَرِ مِائَتَيْ بَقَرَةٍ وَ عَلٰى اَهْلِ الشَّاءِ اَلْفَيْ شَاةٍ وَ عَلٰى اَهْلِ الْحُلَلِ مِائَتَيْ حُلَّةٍ قَالَ وَ تَرَكَ دِيَةَ اَهْلِ الذِّمَّةِ لَمْ يَرْفَعْهَا فِيْمَا رَفَعَ مِنَ الدِّيَةِ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت بیان کرتا ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیت کی قیمت آٹھ سو دینار یا آٹھ ہزار درہم تھی اور اہل کتاب کی دیت مسلمان کی دیت سے آدھی تھی کہا بس اسی طرح رہا یہاں تک کہ حضرت عمر خلیفہ بنے آپ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا اونٹ مہنگے ہو گئے ہیں۔ راوی نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سونا رکھنے والوں پر ہزار دینار اور چاندی رکھنے والوں کے لیے بارہ ہزار درہم۔ گائیں رکھنے والوں کیلئے دو سو گائیں اور بکری والوں پر دو ہزار بکریاں اور کپڑے کے جوڑے رکھنے والوں پر دو سو جوڑے مقرر کیے اور کہا کہ حضرت عمر نے ذمیوں کی دیت رہنے دی ان کی قیمت زیادہ نہیں کی جبکہ دیت کی قیمت بڑھائی۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ دیت کی بنیاد اونٹ پر ہے' چنانچہ دیت میں سونا اور چاندی کی جو مقدار بیان کی گئی ہے وہ اس زمانہ میں سو اونٹ کی قیمت کا حساب لگا کر بیان کی گئی تھی' اس لیے قول جدید کے مطابق شافعی مسلک یہ ہے کہ اختلاف قیمت کے اعتبار سے ان دونوں کی مقدار میں فرق ہو سکتا ہے۔ ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ کپڑے کے جوڑے سے مراد ایک تہبند اور ایک چادر ہے۔

''اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا الخ'' کے بارہ میں طیبیؒ کہتے ہیں کہ جب مسلمان کی دیت بارہ ہزار درہم مقرر ہوئی اور ذمی کی دیت وہی رہی جو پہلے تھی یعنی چار ہزار درہم تو اس اعتبار سے ایک ذمی کی دیت' ایک مسلمان کی دیت کا ثلث (تہائی) ہوئی۔ چنانچہ اس سے شوافع اور ان کے ہمنوا یہ استدلال کرتے ہیں کہ ذمی کی دیت' مسلمان کی دیت کا ثلث ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک میں ذمی کی وہی دیت ہے جو مسلمان کی ہے۔

شمنیؒ نے کہا ہے کہ (اس بارہ میں جو فقہی مسئلہ ہے اور جس پر عمل ہے وہ یہ ہے کہ) سونے کی دیت ایک ہزار دینار' چاندی کی دیت دس ہزار درہم اور اونٹ کی دیت سو اونٹ ہیں لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک چاندی کی دیت بارہ ہزار درہم ہیں۔

امام شافعی کی مستدل حدیث

(۱۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ جَعَلَ الدِّيَةَ اِثْنَىْ عَشَرَ اَلْفًا (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت بارہ ہزار درہم مقرر کی۔ روایت کیا اس کو ترمذی، ابوداؤد نے)

دیت مقتول کے ورثاء کا حق ہے

(۱۴) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَوِّمُ دِيَةَ الْخَطَاءِ عَلٰى اَهْلِ الْقُرٰى اَرْبَعَ مِائَةِ دِيْنَارٍ اَوْعِدْلَهَا مِنَ الْوَرِقِ وَ يُقَوِّمُهَا عَلٰى اَثْمَانِ الْاِبِلِ فَاِذَا غَلَتْ رَفَعَ فِيْ قِيْمَتِهَا وَ اِذَا هَاجَتْ رُخْصٌ نَقَصَ مِنْ قِيْمَتِهَا وَ بَلَغَتْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ اَرْبَعِ مِائَةِ دِيْنَارٍ اِلٰى ثَمَانِ مِائَةِ دِيْنَارٍ وَعِدْلُهَا مِنَ الْوَرِقِ ثَمَانِيَةُ الْاٰفِ دِرْهَمٍ قَالَ وَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَهْلِ الْبَقَرِ مِائَتَىْ بَقَرَةٍ وَ عَلٰى اَهْلِ الشَّاءِ اَلْفَىْ شَاةٍ وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَقْلَ مِيْرَاثٌ بَيْنَ وَرَثَةِ الْقَتِيْلِ وَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ عَقْلَ الْمَرْاَةِ بَيْنَ عَصَبَتِهَا وَلَا يَرِثُ الْقَاتِلُ شَيْئًا. (رواہ ابوداؤد و النسائی)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت خطاء کی قیمت بستی والوں کے لیے چار سو دینار یا اس کے برابر چاندی مقرر کی تھی۔ اونٹوں کی قیمت کے مطابق دیت کی قیمت مقرر فرماتے تھے۔ جب اونٹ مہنگے ہوتے قیمت بڑھادیتے اور جب ارزانی ظاہر ہوتی قیمت کم کردیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چار سو دینار سے لے کر آٹھ سو دینار تک یا اس کے برابر چاندی سے آٹھ ہزار درہموں تک قیمت رہی کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گائیں والوں پر دو سو گائیں اور بکری والوں پر دو ہزار بکریاں دیت میں دینے کا حکم فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیت مقتول کے ورثاء کے درمیان میراث ہوتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ عورت کی دیت اس کے عصبوں کے ذمہ ہوگی اور قاتل دیت میں سے کسی چیز کا بھی وارث نہیں ہوگا۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے)

تشریح: طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دیت کی بنیاد اونٹ پر ہے یعنی دیت اصل میں تو اونٹ ہی کی صورت میں اور اس کی مذکورہ تعداد میں واجب ہوگی جیسا کہ قول جدید کے مطابق امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔

''عورت کی دیت اس کے عصبات پر ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی عورت جنایت کی مرتکب ہوئی اور اس نے کسی کو مارا تو اس کی دیت اس کے عصبات یعنی اس کے مددگار اور خاندان والوں پر ہوگی جیسا کہ مرد کے بارے میں حکم ہے گویا یہاں یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ اس بارہ میں عورت غلام کے مانند نہیں ہوگی کہ جس طرح غلام کی دیت خود اس پر واجب ہوتی ہے اس کے عصبات پر واجب نہیں ہوتی۔ اس طرح عورت کی دیت خود اس پر واجب نہیں ہوگی بلکہ اس کے عصبات پر واجب ہوگی۔

قتل شبہ عمد کے مرتکب کو سزائے موت نہیں دی جاسکتی

(۱۵) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَقْلُ شِبْهِ الْعَمَدِ مُغَلَّظٌ مِثْلُ عَقْلِ الْعَمَدِ وَ لَا يُقْتَلُ صَاحِبُهُ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا شبہ عمد کی دیت مغلظہ ہے جیسا کہ عمد کی دیت ہے لیکن اس کے صاحب کو قتل نہ کیا جائے گا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی کو بطریق شبہ عمد قتل کیا تو اس کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا! یہ بات اس شبہ کو دور کرنے کے لیے فرمائی گئی ہے کہ حدیث کے پہلے جملہ کے مطابق قتل شبہ عمد کا مرتکب قتل عمد کے مرتکب کے مشابہ ہو تو چاہئے کہ جس طرح قتل عمد کے مرتکب کو سزائے موت دی جاتی ہے اسی طرح شبہ عمد کا مرتکب بھی سزائے موت کا مستوجب ہو لہٰذا اس شبہ کو دور کر دیا گیا کہ اس مشابہت کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ اس کو قصاص میں قتل بھی کیا جائے۔

زخم خوردہ آنکھ کی دیت

(۱۶) وَعَنْهُ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْعَیْنِ الْقَائِمَةِ السَّادَةِ لِمَكَانِهَا بِثُلُثِ الدِّیَةِ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت بیان کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی آنکھ کے متعلق جو اپنی جگہ پر ٹھہری ہوئی ہو لیکن اس کی بینائی ختم ہو جائے فیصلہ فرمایا کہ ثلث دیت دی جائے (ابوداؤد)

تشریح: "القائمة السادة: قائمہ کا مطلب یہ ہے کہ آنکھ موجود اور قائم ہے اور "السادة" کا مطلب یہ ہے کہ آنکھ اپنی جگہ پر برقرار ہے یعنی آنکھ کو ایسا زخم لگا کہ اس کی بینائی تو ختم ہو گئی لیکن وہ اپنی جگہ پر برقرار ہے اور چہرہ کی رونق بھی برقرار ہے۔ جمال اور خوبصورتی میں کوئی فرق نہیں آیا ہے دیکھنے والے کو ایسا لگتا ہے کہ صحیح سالم آنکھ ہے تو حدیث کے ظاہری الفاظ بھی ہیں کہ اس صورت میں ایک تہائی دیت ہے اور یہی اسحاق بن راھویہ کا مسلک بھی ہے لیکن عام فقہاء اس صورت میں "حکومۃ عدل" کو واجب قرار دیتے ہیں یعنی ماہر عادل تجربہ کار آدمی فیصلہ کرے کہ اس آنکھ کی کتنی دیت ہونی چاہیے۔ یہ فیصلہ اس طرح ہوگا کہ اس مضروب شخص کو غلام فرض کر لیا جائے اور صحیح آنکھ کے ساتھ اس کی قیمت لگائی جائے اور پھر ناقص آنکھ کے ساتھ اس کی قیمت کا اندازہ لگایا جائے کہ قیمت کتنی کم ہو جاتی ہے جس قدر قیمت کم ہو گئی ہے اسی قدر دیت اور تاوان زخمی کرنے والے پر آئے گا۔

ابن الملکؒ فرماتے ہیں کہ اسحاق بن راھویہ نے اس حدیث کے ظاہری مضمون پر عمل کیا ہے لیکن عام علماء حکومت عدل کو واجب کرتے ہیں اس لئے کہ اس صورت میں مکمل طور پر منفعت ختم نہیں ہوئی ہے جمہور علماء اس حدیث کو حکومۃ عدل پر حمل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایک تہائی کا فیصلہ فرمایا یہ بھی حکومۃ عدل کے تحت تھا علامہ تورپشتی کے حوالہ سے ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو پھر یہ حکومۃ عدل پر محمول ہوگی۔

پیٹ کے بچہ کی دیت

(۱۷) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْجَنِیْنِ بِغُرَّةٍ عَبْدٍ اَوْ اَمَةٍ اَوْ فَرَسٍ اَوْ بَغْلٍ. رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَ قَالَ رَوٰی هٰذَا الْحَدِیْثَ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ وَ خَالِدُ الْوَاسِطِیُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو وَلَمْ یَذْكُرْ اَوْ فَرَسٍ اَوْ بَغْلٍ

ترجمہ: حضرت محمد بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ کے بچے میں ایک غرہ کہ غلام لونڈی یا گھوڑا یا خچر کا فیصلہ دیا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اور کہا روایت کیا اس حدیث کو حماد بن سلمہ اور خالد واسطی نے محمد بن عمر سے اور اس میں گھوڑے اور خچر کا ذکر نہیں کیا۔

تشریح: علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یوں تو "غرہ" نہایت نفیس چیز کو کہتے ہیں لیکن اس باب میں اس لفظ کا اطلاق "انسان" پر بایں طور اعتبار کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا ہے۔

بعض علماء کا قول ہے کہ اس حدیث میں ''غرہ'' کے مفہوم میں ''فرس اور بغل'' کو بھی شامل کرنا راوی کا اپنا وھم ہے۔ کیونکہ غرہ کا اطلاق صرف اس انسان پر ہوتا ہے جو کسی کا مملوک ہو یعنی غلام یا لونڈی۔

جعلی طبیب اگر کسی کی موت کا باعث بنے تو وہ ضامن ہوگا

(۱۸) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَطَبَّبَ وَ لَمْ يُعْلَمْ مِنْهُ طِبٌّ فَهُوَ ضَامِنٌ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تکلف سے اپنے آپ کو طبیب ٹھہرائے اور اس سے طبابت جانی نہیں گئی وہ ضامن ہے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے۔

تشریح: تطبب: باب تفعل سے ہے یعنی طبیب اور ڈاکٹر نہیں ہے بلکہ دھوکہ اور فراڈ سے اپنے آپ کو طبیب ظاہر کیا اور مریض کا علاج کیا۔

مسئلہ:۔ اگر کسی عطائی اور نقلی ڈاکٹر نے کسی مریض کا علاج کیا اور وہ علاج سے کورا جاہل تھا اور مریض کو نقصان پہنچا تو یہ عطائی ڈاکٹر ذمہ دار ہوگا اور اس پر ضمان آئے گا اس مسئلہ کی تفصیل بذل المجہود میں ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی عطائی ڈاکٹر نے کسی مریض کے سامنے کسی دوائی کی بڑی تعریف کی اور استعمال کرنے کی ترغیب دی اور کہا کہ اس کو کھاؤ بہت اچھی دوا ہے اس مریض نے وہ دوائی کھائی اور مرگیا تو چونکہ اس مریض کا اپنا عمل دخل دوائی کھانے میں آگیا اس لئے عطائی ڈاکٹر پر اس صورت میں نہ قصاص ہے اور نہ دیت ہے البتہ اس نقلی نا اہل طبیب کو بطور تعزیر سزا دی جائے گی کہ فن طب سے ناواقف اس جاہل نے مریض کو غلط مشورہ کیوں دیا۔ اور اگر اس عطائی ڈاکٹر نے اپنے ہاتھ سے مریض کو دوائی کھلا دی اور مریض مرگیا تو اس صورت میں یہ نقلی ڈاکٹر ضامن ہوگا یعنی یہ فعل قتل خطاء کے حکم میں ہے جس میں دیت عاقلہ پر آتی ہے اور قصاص نہیں ہے۔ یہاں چونکہ مریض نے اس نقلی ڈاکٹر کو علاج کی اجازت دیدی تھی اس لئے قصاص ساقط ہوگیا اور دیت لازم آگئی۔

آج کل عطائی ڈاکٹروں کے علاوہ اپنے فن کے ماہرین ڈاکٹر بھی اکثر مریضوں کے قتل میں برابر کے شریک ہوتے ہیں ایک تو یہ ڈاکٹر لاپرواہی کرتے ہیں خواہ مخواہ آپریشن کر کے زخمی مریض کو ٹھکانے لگا دیتے ہیں اور دوسری وجہ یہ کہ ان کو جو فن یہود و نصاریٰ کی مہربانی سے ملا ہے وہ خود ایک بیمار ذہن کی ایجاد ہے جس کا مکمل بھروسہ اسباب و آلات پر ہے انسانی طبیعت اور حالات و تجربات کو نہیں دیکھتے یہ وہ بنیادی نقص ہے جو زیادہ مہارت حاصل کرنے سے بڑھتا ہے گھٹتا نہیں۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

دیت کی معافی کا ایک واقعہ

(۱۹) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ غُلَامًا لِاُنَاسٍ فُقَرَاءَ قَطَعَ اُذُنَ غُلَامٍ لِاُنَاسٍ اَغْنِيَاءَ فَاَتٰى اَهْلُهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اِنَّا اُنَاسٌ فُقَرَاءُ فَلَمْ يَجْعَلْ عَلَيْهِمْ شَيْئًا۔ (رواہ ابوداؤد و النسائی)

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فقیر لوگوں کے ایک غلام نے امیر لوگوں کے ایک غلام کا کان کاٹ دیا کان کاٹنے والے کے مالک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ ہم محتاج ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کوئی چیز نہ ڈالی۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے)

تشریح: اگر کسی لڑکے سے کوئی جنایت (یعنی کسی کو کوئی نقصان یا تکلیف پہنچانے کا کوئی قصور) سرزد ہو جائے تو ''اختیار صحیح'' کے فقدان کی وجہ سے وہ جنایت خطائی کے حکم میں ہوتی ہے اور اس کا تاوان لڑکے کے عاقلہ (یعنی اس کے خاندان و برادری والوں پر) واجب ہوتا ہے اس لیے اگر کوئی لڑکا کسی شخص کو قتل کر دے تو اس کو قصاص میں قتل نہیں کیا جاتا۔ حدیث میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اس میں قاعدہ کے اعتبار سے لڑکے کے

عاقلہ پر تاوان واجب ہونا چاہئے تھا لیکن لڑکے کے عاقلہ چونکہ غریب ومفلس تھے اور غریب ومفلس کسی تاوان کے متحمل نہیں ہو سکتے اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کان کاٹنے والے لڑکے کے خاندان والوں پر کوئی دیت واجب نہیں فرمائی۔

حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جس لڑکے نے کان کاٹا تھا وہ "آزاد" تھا کیونکہ وہ غلام ہوتا تو اس کی جنایت و دیت خود اس کی ذات کے ساتھ متعلق کی جاتی اور اس کے مالکوں کا فقیر ومفلس ہونا اس کے وجوب کو اس کی ذات سے ختم نہ کرتا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ.... قتل شبہ عمد اور قتل خطاء کی دیت

(۲۰) عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهُ قَالَ دِيَةُ شِبْهِ الْعَمَدِ اَثْلَاثًا ثَلَاثٌ وَ ثَلَاثُوْنَ حِقَّةً وَ ثَلَاثٌ وَّثَلَاثُوْنَ جَذْعَةً وَاَرْبَعٌ وَّثَلَاثُوْنَ ثَنِيَّةً اِلٰى بَازِلِ عَامِهَا كُلُّهَا خَلِفَاتٌ وَ فِيْ رِوَايَةٍ قَالَ فِي الْخَطَاءِ اَرْبَاعًا خَمْسٌ وَّ عِشْرُوْنَ حِقَّةً وَ خَمْسٌ وَ عِشْرُوْنَ جَذْعَةً وَ خَمْسٌ وَ عِشْرُوْنَ بَنَاتُ لَبُوْنٍ وَ خَمْسٌ وَ عِشْرُوْنَ بَنَاتُ مَخَاضٍ۔ (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا شبہ عمد کی دیت تین حصوں پر ہوگی تینتیس چار سالہ اونٹنیاں، تینتیس پانچ سالہ اونٹنیاں اور چونتیس چھ سالہ سے لے کر آٹھ سال تک کی اونٹنیاں۔ ایک روایت میں ہے فرمایا قتل خطا میں چار قسم کے اونٹ ہوں گے پچیس تین سالہ پچیس پانچ سالہ پچیس دو سالہ اور پچیس یکسالہ اونٹنیاں۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

(۲۱) وَعَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ قَضٰى عُمَرُ فِيْ شِبْهِ الْعَمَدِ ثَلَاثِيْنَ حِقَّةً وَ ثَلَاثِيْنَ جَذْعَةً وَ اَرْبَعِيْنَ خَلِفَةً مَابَيْنَ ثَنِيَّةٍ اِلٰى بَازِلِ عَامِهَا (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شبہ عمد میں فیصلہ کیا کہ تیس تین سالہ اونٹنیاں، تیس چار سالہ اور چالیس حاملہ اونٹنیاں جن کی عمر پانچ سال سے آٹھ سال کے درمیان ہو۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

پیٹ کے بچہ کی دیت

(۲۲) وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى فِي الْجَنِيْنِ يُقْتَلُ فِيْ بَطْنِ اُمِّهِ بِغُرَّةٍ عَبْدٍ اَوْ وَلِيْدَةٍ فَقَالَ الَّذِيْ قَضٰى عَلَيْهِ كَيْفَ اَغْرَمُ مَنْ لَا شَرِبَ وَ لَا اَكَلَ وَ لَا نَطَقَ وَ لَا اسْتَهَلَّ وَ مِثْلُ ذٰلِكَ يُطَلُّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا هٰذَا مِنْ اِخْوَانِ الْكُهَّانِ رَوَاهُ مَالِكٌ وَ النَّسَائِيُّ مُرْسَلًا وَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ عَنْهُ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ مُتَّصِلًا

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ کے بچے کے متعلق جو اپنی ماں کے پیٹ میں قتل کر دیا جائے غرہ غلام یا لونڈی کا حکم دیا جس شخص پر تحکم لگایا گیا تھا اس نے کہا میں کس طرح تاوان بھروں جس نے نہ پیا اور نہ کھایا نہ بولا نہ چلایا اس کی مانند ساقط کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوائے اس کے نہیں یہ کاہنوں کا بھائی ہے روایت کیا اس کو مالک اور نسائی نے مرسل اور روایت کیا اس کو ابوداؤد نے سعید سے ابو ہریرہ سے متصلا۔

تشریح: "کاہن" اس شخص کو کہتے ہیں جو غیب دانی کا دعویٰ کرتا ہے اور لوگوں کو غیب کی باتیں بتاتا ہے اور وہ لوگوں کو فریفتہ کرنے کے لیے اپنی جھوٹی اور غلط سلط باتوں کو مسجع اور مقفی عبارتوں کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ حدیث میں مذکورہ شخص نے بھی چونکہ اپنے ایک غلط خیال کو بڑے مسجع اور مقفی الفاظ کے ذریعہ پیش کیا تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مناسبت سے اس کو کاہنوں کا بھائی فرمایا ورنہ تو جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے مطلق مسجع و مقفی عبارتیں بذات خود مذموم نہیں ہیں بلکہ انسان کے کلام کے فصاحت و بلاغت اور قابلیت کا پرتو ہوتی ہیں چنانچہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز بیان اور آپ کا کلام بڑی مسجع و مقفی عبارتوں سے مزین ہوتا تھا۔ بطور خاص آپ سے جو دعائیں منقول ہیں ان کے الفاظ کی جامعیت مسجع و مقفی عبارتوں کی بہترین مثال ہیں جیسے یہ دعا ہے اللهم انی اعوذبک من علم لاینفع ومن قلب لایخشع الخ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے اور اس قلب سے جو

تر سان نہ ہوا لخ حاصل یہ کہ وہ مسجع عبارت مذموم ہے جو بہ تکلف زبان وقلم سے ادا ہو اور جس کا مقصد باطل کو رواج دینا ہو جیسا کہ مذکورہ شخص نے کہا۔
شمنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں مذکورہ مسئلہ کے بارے میں فقہی مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی حاملہ کے پیٹ پر مارے اور اس کی وجہ سے اس کے پیٹ کا بچہ مردہ ہو کر باہر آ جائے تو اس کی دیت میں غرہ یعنی پانچ سو درہم مارنے والے کے عاقلہ پر واجب ہوں گے وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء نے غرہ سے مراد پانچ سو درہم لئے ہیں اور وہ اس لئے کہ اکثر روایتوں میں غرہ کی توضیح یہی کی گئی ہے اور اگر حاملہ کے پیٹ مارنے کی وجہ سے زندہ بچہ باہر آ جائے اور پھر مر جائے تو اس صورت میں پوری دیت واجب ہوگی۔

بَابُ مَالَا يُضْمَنُ مِنَ الْجِنَايَاتِ

جنایات کی جن صورتوں میں تاوان واجب نہیں ہوتا ان کا بیان

''جنایات'' جمع ہے جنایت کی۔ جنایت کا معنی ہے ''قصور کرنا جرم کرنا'' اس سے قبل وہ ابواب گزرے ہیں جن میں جنایات کی سزائیں تاوان اور قصاص وغیرہ کے سلسلہ میں احادیث گزری ہیں' اس باب کا مقصد جنایات کی ان صورتوں کو بیان کرنا ہے جن میں معاوضہ اور تاوان واجب نہیں ہوتا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ... جانور کے مارنے، جان میں دب جانے اور کنویں میں گر پڑنے کا کوئی تاوان نہیں

(۱) عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَجْمَاءُ جَرْحُهَا جُبَارٌ وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَالْبِئْرُ جُبَارٌ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار پائے کا زخم کر دینا معاف ہے کان بھی معاف ہے اور کنوئیں میں گر کر مرے معاف ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: اگر کسی کا جانور کسی آدمی کو اپنے پاؤں سے روندے یا کسی کو سینگ یا دم مار کر یا منہ سے کاٹ کر زخمی کر دے اور وہ آدمی مر جائے یا جو جانور کسی چیز کو نقصان وضائع کر دے تو اس کا کوئی تاوان نہیں ہے بشرطیکہ اس جانور کے ساتھ کوئی آدمی نہ ہو ہاں اگر جانور کے ساتھ کوئی ہانکنے والا یا کھینچنے والا یا اس جانور پر کوئی سوار ہو اور اس جانور سے کوئی چیز ضائع ہوگئی ہو تو اس صورت میں اس جانور کے ساتھ جو بھی آدمی ہوگا اس پر تاوان واجب ہوگا۔ یہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے۔ اس بارہ میں حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر جانور نے دن میں کسی چیز کو ضائع کیا ہے تو اس کے مالک پر کوئی تاوان وغیرہ واجب نہیں ہوگا لیکن اگر جانور نے رات میں کسی چیز کو ضائع کیا ہے مثلاً کسی کا کھیت چر گیا یا کسی کے باغ کو نقصان پہنچایا تو اس صورت میں جانور کے مالک پر تاوان واجب ہوگا کیونکہ رات میں جانوروں کی نگہبانی ان کے مالکوں پر لازم ہے اور دن میں اپنے کھیت و باغات اور دوسری چیزوں کی حفاظت کرنا ان کے مالکوں پر لازم ہے۔ ہدایہ میں لکھا ہے کہ (جانور سے کسی چیز کا نقصان ہو جانے کی صورت میں) جانور کو ہانکنے والے پر اسی چیز کا تاوان واجب ہوگا۔ جو جانور کے ہاتھوں اور پیروں کے ذریعہ تلف ہوئی ہے اور جو شخص جانور کو پکڑ کر کھینچتا ہوا لے جا رہا ہو وہ اس چیز کے تاوان کا ذمہ دار ہوگا جو جانور کے پیروں کے ذریعہ نہیں بلکہ صرف ہاتھوں کے ذریعہ نقصان ہوئی ہے اور اگر کسی ایسے جانور نے کسی چیز کو ضائع کیا ہے جس پر کوئی شخص سوار ہو تو اس سوار پر اس چیز کا تاوان واجب ہوگا جو اس جانور کے ہاتھ یا پیر یا سر کے ذریعہ تلف ہوئی ہے۔ نیز اگر نقصان کرنے والا کوئی جانور ہو جس کے ساتھ اس کو ہانکنے والا بھی ہو اور اس پر کوئی سوار بھی ہو۔ تو اس نقصان کا تاوان دونوں پر واجب ہوگا۔
''کان میں دب جانا معاف ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کھدی ہوئی کان میں جائے یا اس کے اوپر کھڑا ہو اور پھر کان میں بیٹھ جائے جس کی وجہ سے وہ شخص ہلاک ہو جائے تو اس شخص پر کوئی تاوان واجب نہیں ہوگا جس نے کان کھودی ہے یا کسی مزدور کو کان کھودنے کے لیے

اجرت پر لگایا اور اتفاق سے وہ مزدور کان میں دب کر مر گیا تو کان کے مالک پر کوئی تاوان واجب نہیں ہوگا یہ دوسری نوعیت صرف کان ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ حکم اجارہ (مزدوری) کی دیگر صورتوں میں بھی نافذ ہوگا جب کہ پہلی نوعیت صرف اس صورت سے متعلق ہے جو حدیث کے آخری جزو البئر جبار (کنویں میں گر پڑنا معاف ہے) کے مطابق ہو چنانچہ "کنویں میں گر پڑنا معاف ہے" کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے اپنی زمین یا کسی اور مباح زمین میں کنواں کھودا اور پھر اس میں کوئی شخص گر کر مر گیا تو کنواں کھودنے والے پر کوئی تاوان واجب نہیں ہوگا۔

مدافعت میں کوئی تاوان واجب نہیں ہوتا

(۲) وَعَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ وَكَانَ لِي أَجِيْرٌ فَقَاتَلَ إِنْسَانًا فَعَضَّ أَحَدُهُمَا يَدَ الْآخَرِ فَانْتَزَعَ الْمَعْضُوْضُ يَدَهُ مِنْ فِي الْعَاضِّ فَأَنْدَرَ ثَنِيَّتَهُ فَسَقَطَتْ فَانْطَلَقَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَهْدَرَ ثَنِيَّتَهُ وَقَالَ أَيَدَعُ يَدَهُ فِي فِيْكَ تَقْضِمُهَا كَالْفَحْلِ. (متفق عليه)

ترجمہ: حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے جیش العسرۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا میرا ایک نوکر تھا وہ ایک آدمی سے لڑا ایک نے دوسرے کے ہاتھ کو کاٹ کھایا جس کے ہاتھ کو کاٹا گیا تھا اس نے اپنا ہاتھ کاٹنے والے کے منہ سے کھینچا اس کے دانت گرا دیئے وہ گر پڑے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دانتوں کا بدلہ معاف کر دیا۔ فرمایا کیا وہ اپنا ہاتھ تیرے منہ میں چھوڑ دیتا تو اس کو اونٹ کی طرح چبا تا رہتا۔ (متفق علیہ)

تشریح: "کیا وہ شخص اپنا ہاتھ تمہارے منہ میں چھوڑ دیتا الخ" اس ارشاد کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دانتوں کا تاوان واجب نہ کرنے کے سبب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جس شخص کی وجہ سے تمہارے دانت ٹوٹ کر گرے ہیں وہ اس مدافعتی کارروائی پر مجبور تھا کہ اس نے دراصل اپنا ہاتھ بچانے کے لیے تمہارے منہ سے کھینچا۔ شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اسی طرح اگر کوئی مرد کسی عورت سے بدکاری کرنا چاہے اور وہ عورت اپنی آبرو بچانے کے لیے اس پر حملہ کرے جس کے نتیجہ میں وہ مرد ہلاک ہو جائے تو اس کی وجہ سے عورت پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی۔ چنانچہ منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یہ مقدمہ آیا کہ ایک لڑکی (کہیں جنگل میں لکڑیاں کاٹ رہی تھی کہ ایک شخص نے اس کا پیچھا کیا اور اس سے منہ کالا کرنا چاہا' لڑکی نے اپنی آبرو خطرہ میں دیکھ کر ایک پتھر اٹھایا اور اس شخص کے کھینچ مارا جس سے وہ مر گیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں یہ فیصلہ دیا کہ "یہ قتل (حقیقت میں) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے (کہ اس نے اس شخص کو سزا دے کر ایک پاک دامن لڑکی کی عصمت کو محفوظ رکھا) لہٰذا خدا کی قسم اس کی کوئی دیت نہیں دلوائی جائے گی' حضرت امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔

اس طرح اگر کوئی شخص کسی کا مال لوٹنے' خون ریزی کرنے اور اس کے گھر والوں کو تباہ و برباد کرنے کا ارادہ کرے تو اس قسم کا ارادہ کرنے والے اور قتل کرنے والے کی مدافعت کرنا جائز ہے۔ لہٰذا پہلے تو یہ چاہئے کہ ایسے شخص کو انسانیت کے ساتھ اس کے ارادہ و فعل سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے لیکن اگر وہ اپنے ارادہ قتل و قتال سے باز نہ آئے اور اس کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے اس کو مار ڈالا جائے تو اس کا خون معاف ہوگا۔

اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جانے والا شہید ہے

(۳) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ (متفق عليه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے جو اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے۔ (متفق علیہ)

(۴) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ إِنْ جَاءَ رَجُلٌ يُرِيْدُ أَخْذَ مَالِي قَالَ فَلَا تُعْطِهِ مَالَكَ قَالَ

اَرَأَیْتَ اِنْ قَاتَلَنِیْ قَالَ قَاتِلْهُ قَالَ اَرَأَیْتَ اِنْ قَتَلَنِیْ قَالَ فَاَنْتَ شَهِیْدٌ قَالَ اَرَأَیْتَ اِنْ قَتَلْتُهٗ قَالَ هُوَ فِی النَّارِ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ایک آدمی آیا اس نے کہا اے اللہ کے رسول آپ خبر دیں اگر کوئی آدمی آ کر میرا مال لینا چاہے فرمایا تو اس کو اپنا مال نہ دے اس نے کہا خبر دیجئے اگر وہ مجھ سے لڑے فرمایا تو اس سے لڑ اس نے کہا خبر دیجئے اگر وہ مجھ کو قتل کر دے فرمایا تو شہید ہے اس نے کہا خبر دیجئے اگر میں اس کو قتل کر دوں فرمایا وہ دوزخ میں ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: یہ حدیث مسلمانوں کو اپنی جان و مال اور عزت و آبرو بچانے کے لیے حملہ آور کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی تلقین کرتی ہے اور اللہ کے نام لیواؤں کے شعور یہ احساس جاگزیں کرنا چاہتی ہے کہ مسلمان کا یہ شیوہ نہیں ہے کہ وہ کسی بھی ایسے شخص کے مقابلہ میں کم ہمتی اور بزدلی کا ثبوت دے جو اس کے مال کو لوٹنا چاہتا ہے اور اس کی زندگی کو تباہ و برباد کرنے پر تلا ہوا ہے بلکہ ایک مسلمان کو ایمان و یقین اور اعتماد علی اللہ کی جو طاقت حاصل ہوتی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ حملہ آور اور فسادی کا پوری مردانگی سے مقابلہ کرے اور ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دے کر شہادت کا مرتبہ حاصل کرے یا اس حملہ آور فسادی کو ختم کر کے اس کو جہنم رسید کر دے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر قاتل و فسادی مسلمان بھی ہو تو اس کی مدافعت کرنا اور اس مدافعت میں اس کو ہلاک کر دینا مباح ہے۔

گھر میں جھانکنے والے کو زخمی کر دینا معاف ہے

(۵) وَعَنْهُ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَوِ اطَّلَعَ فِیْ بَیْتِکَ اَحَدٌ وَ لَمْ تَاْذَنْ لَهٗ فَخَذَفْتَهٗ بِحَصَاةٍ فَفَقَأْتَ عَیْنَهٗ مَا کَانَ عَلَیْکَ مِنْ جُنَاحٍ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے اگر تیرے گھر میں کوئی شخص جھانکے اور تو نے اس کو اجازت نہیں دی تو اس کو کنکری مارے اور اس کی آنکھ پھوڑ ڈالے تجھ پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔

(۶) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَجُلًا اطَّلَعَ فِیْ جُحْرٍ فِیْ بَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِدْرًی یَحُکُّ بِهٖ رَأْسَهٗ فَقَالَ لَوْ اَعْلَمُ اَنَّکَ تَنْظُرُنِیْ لَطَعَنْتُ بِهٖ فِیْ عَیْنَیْکَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِسْتِئْذَانُ مِنْ اَجْلِ الْبَصَرِ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کے سوراخ سے جھانکا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں پشت خار تھی جس سے اپنا سر کھجلاتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مجھے پتہ چل جاتا کہ تو دیکھ رہا ہے میں اس کو تیری آنکھ میں چبھو دیتا سوائے اس کے نہیں اجازت دیکھنے کی وجہ سے مقرر کی گئی ہے۔ (متفق علیہ)

خواہ مخواہ کنکریاں نہ پھینکو

(۷) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ اَنَّهٗ رَاٰی رَجُلًا یَخْذِفُ فَقَالَ لَا تَخْذِفْ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنِ الْخَذْفِ وَ قَالَ اِنَّهٗ لَا یُصَادُ بِهٖ صَیْدٌ وَ لَا یُنْکَاُ بِهٖ عَدُوٌّ وَلٰکِنَّهَا قَدْ تَکْسِرُ السِّنَّ وَ تَفْقَأُ الْعَیْنَ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے اس نے ایک آدمی کو دیکھا جو کنکر پھینک رہا ہے اس نے کہا کنکر نہ پھینک کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکر پھینکنے سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے نہ تو اس کے ساتھ شکار کیا جاتا ہے اور نہ کسی دشمن کو زخمی کیا جاتا ہے لیکن یہ دانت توڑتا ہے یا آنکھ پھوڑتا ہے (متفق علیہ)

مجمع اور بازار میں ہتھیاروں کو احتیاط کے ساتھ رکھو

(۸) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَرَّ اَحَدُکُمْ فِیْ مَسْجِدِنَا وَ فِیْ سُوْقِنَا وَ مَعَهٗ نَبْلٌ فَلْیُمْسِکْ عَلٰی نِصَالِهَا اَنْ یُّصِیْبَ اَحَدًا مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْهَا بِشَیْءٍ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی ایک ہماری مسجد یا ہمارے بازار سے گذرے اور اس کے ساتھ تیر ہوں وہ اس کے پیکان ہاتھ میں رکھے تا کہ کسی مسلمان کو نہ لگ جائیں۔ (متفق علیہ)

کسی مسلمان کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرو

(۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُشِيْرُ اَحَدُكُمْ عَلٰى اَخِيْهِ بِالسِّلَاحِ فَاِنَّهٗ لَا يَدْرِیْ لَعَلَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ فِیْ يَدِهٖ فَيَقَعُ فِیْ حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اپنے بھائی کی طرف کسی ہتھیار کے ساتھ اشارہ نہ کرے کیونکہ وہ نہیں جانتا شاید کہ شیطان اس کے ہاتھ سے کھینچ لے وہ دوزخ کے گڑھے میں جا پڑے گا۔ (متفق علیہ)

(۱۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَشَارَ اِلٰى اَخِيْهِ بِحَدِيْدَةٍ فَاِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ تَلْعَنُهٗ حَتّٰى يَضَعَهَا وَ اِنْ كَانَ اَخَاهُ لِاَبِيْهِ وَ اُمِّهٖ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی کی طرف لوہے کے ساتھ اشارہ کرے فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں یہاں تک کہ اس کو ہاتھ سے رکھ دے اگر چہ وہ اس کا حقیقی بھائی ہو۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

(۱۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ وَ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا. رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَ زَادَ مُسْلِمٌ وَ مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا جو شخص ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں۔ روایت کیا اس کو بخاری نے اور زیادہ کیا مسلم نے کہ جو ہم کو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں۔

(۱۲) وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَلَّ عَلَيْنَا السَّيْفَ فَلَيْسَ مِنَّا (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہم پر تلوار کھینچے وہ ہم میں سے نہیں۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

دنیا میں کسی کو سخت اذیت میں مبتلا کرنے والا خود آخرت میں عذاب الٰہی میں گرفتار ہوگا

(۱۳) وَعَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ هِشَامَ بْنَ حَكِيْمٍ مَرَّ بِالشَّامِ عَلٰى اُنَاسٍ مِّنَ الْاَنْبَاطِ وَ قَدْ اُقِيْمُوْا فِی الشَّمْسِ وَ صُبَّ عَلٰى رُءُوْسِهِمُ الزَّيْتُ فَقَالَ مَا هٰذَا قِيْلَ يُعَذَّبُوْنَ فِی الْخَرَاجِ فَقَالَ هِشَامٌ اَشْهَدُ لَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ يُعَذِّبُ الَّذِيْنَ يُعَذِّبُوْنَ النَّاسَ فِی الدُّنْيَا. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ہشام رضی اللہ عنہ بن عروہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ ہشام بن حکیم شام میں چند ایک نبطیوں کے پاس سے گذرا ان کو دھوپ میں کھڑا کیا گیا تھا اور ان کے سروں پر تیل گرم کر کے ڈالا جا رہا تھا اس نے کہا یہ کیا ہے کہا گیا خراج نہ دینے کی وجہ سے ان کو سزا دی جا رہی ہے۔ ہشام نے کہا میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

ظلم کے حاشیہ برداروں پر غضب خداوندی

(۱۴) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ اِنْ طَالَتْ بِكَ مُدَّةٌ اَنْ تَرٰى قَوْمًا فِیْ اَيْدِيْهِمْ

مِثْلُ اَذْنَابِ الْبَقَرِ يَغْدُوْنَ فِي غَضَبِ اللّٰهِ وَ يَرُوْحُوْنَ فِي سَخَطِ اللّٰهِ وَ فِي رِوَايَةٍ يَرُوْحُوْنَ فِي لَعْنَةِ اللّٰهِ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریب ہے کہ اگر تیری عمر دراز ہوئی تو ایک قوم کو دیکھے گا ان کے ہاتھوں میں گایوں کے دموں کی مانند کوڑے ہوں گے وہ اللہ کے غضب میں صبح کریں گے اور اللہ کی لعنت میں شام کریں گے۔ (مسلم)

ناروا فیشن کرنے والی عورتوں کے بارے میں وعید

(۱۵) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِنْفَانِ مِنْ اَهْلِ النَّارِ لَمْ اَرَهُمَا قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَاَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُوْنَ بِهَا النَّاسَ وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيْلَاتٌ مَائِلَاتٌ رُءُوْسُهُنَّ كَاَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا يَجِدْنَ رِيْحَهَا وَ اِنَّ رِيْحَهَا لَتُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ كَذَا وَ كَذَا۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل نار کے دو گروہ ہیں میں نے ان کو نہیں دیکھا ایک گروہ ایسا ہے ان کے ہاتھوں میں گایوں کے دموں کی مانند کوڑے ہوں گے ان کے ساتھ لوگوں کو ماریں گے اور دوسرا گروہ عورتیں ہیں جو ظاہر میں کپڑے پہنے ہوئے ہیں حقیقت میں ننگی ہیں مائل کرنے والیاں ہیں اور مائل ہونے والیاں ہیں ان کے سر بختی اونٹوں کی کوہانوں کی طرح ہوں گے وہ جنت میں داخل نہ ہوں گی نہ اس کی بو پائیں گی اور اس کی بو اتنی اتنی مسافت سے پائی جاتی ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: ”مگر حقیقت میں ننگی ہوں“ اس میں ان عورتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو اتنے باریک اور مہین کپڑے پہنتی ہیں کہ ان کا بدن جھلکتا ہے یا اس طرح کپڑے پہنتی ہیں کہ جسم کا کچھ حصہ چھپا رہتا ہے اور کچھ حصہ کھلا رہتا ہے (جیسا کہ آج کل ساڑھی اور بلاوز کا رواج ہے) یا دوپٹہ سے اپنے پیٹ اور سینہ وغیرہ کو ڈھانکنے کی بجائے اس کو گلے میں یا پیٹھ پر ڈال لیتی ہیں ان تمام صورتوں میں عورت بظاہر تو کپڑے پہنے ہوئے نظر آتی ہے مگر حقیقت میں وہ ننگی ہوتی ہے۔ اس جملہ سے ایسی عورتوں کی طرف بھی اشارہ مقصود ہو سکتا ہے جو دنیا میں تو انواع واقسام کے لباس زیب تن کرتی ہیں مگر تقویٰ وعمل صالح کے لباس سے محروم رہتی ہیں کہ وہ تقویٰ اور عمل صالح ہی کی وجہ سے آخرت میں جنت کے لباس کی مستحق ہوں گی۔

”ممیلات“ اور ”مائلات“ سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اپنے بناؤ سنگار اور اپنی سج دھج کے ذریعہ مردوں کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں۔ اور خود بھی مردوں کی طرف مائل ہوتی ہیں۔ یا ”ممیلات“ سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اپنے دوپٹے اپنے سروں سے اتار پھینکتی ہیں۔ تاکہ مرد ان کے چہرے دیکھیں اور ”مائلات“ سے مراد وہ عورتیں ہیں جو مٹک مٹک کر چلتی ہیں تاکہ لوگوں کے دل فریفتہ کریں۔ ”ان کے سر بختی اونٹ کے کوہان کی طرح ہلتے ہوں گے“ سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اپنی چوٹیوں کو جوڑے کی صورت میں سر پر باندھ لیتی ہیں اور جس طرح بختی اونٹ کے کوہان فربہی کی وجہ سے ادھر ادھر ہلتے رہتے ہیں اسی طرح ان کے سر کے جوڑے بھی ادھر ادھر ہلتے رہتے ہیں۔ اس حدیث میں عورتوں کے جس خاص طبقہ کی نشان دہی کی گئی ہے اس کا وجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں نہیں تھا بلکہ یہ آپ کا معجزہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے زمانہ میں اس قسم کی عورتوں کے پیدا ہونے کی خبر دی۔

”نہ تو جنت میں داخل ہوں گی الخ“ یہ عورتوں کے گروہ کے بارے میں فرمایا گیا ہے مردوں کے گروہ کے بارے میں اس طرح کی بات محض اختصار کے پیش نظر نہیں فرمائی گئی ہے قاضی عیاضؒ کے کہنے کے مطابق اس جملہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایسی عورتیں کبھی بھی جنت میں داخل نہیں ہوں گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس وقت نیک و پارسا اور پرہیزگار عورتیں جنت میں داخل ہوں گی اور جنت کی بو پائیں گی اس وقت ایسی عورتیں نہ تو جنت میں داخل ہوں گی اور نہ جنت کی بو پائیں گی ہاں اپنی اپنی سزا بھگتنے کے بعد ان کو بھی جنت کی سعادت سے نواز دیا جائے گا۔ یا پھر یہ کہ یہ بات ان عورتوں کے بارہ میں فرمائی گئی ہے جو ان چیزوں کو حلال جان کر ان کا ارتکاب کریں گی یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس جملہ سے سخت زجر وتنبیہ مراد ہے۔

کسی کے منہ پر نہ مارو

(۱۶) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَاتَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ فَاِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت تم میں سے کوئی کسی کو مارے چہرے سے بچے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: ''آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صفات پر پیدا کیا اور اس کو اپنی صفات جلالیہ و جمالیہ کا مظہر بنایا۔ یا یہ مراد ہے کہ آدم کو اس صورت خاصہ پر پیدا کیا گیا جس کو حق تعالیٰ نے صرف انسانوں کے لیے اختراع کیا اور پیدا کیا۔ اس وعتبار سے ''اپنی'' کی طرف ''صورت'' کی اضافت' انسانی شرف وکرامت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے جیسا کہ نفخت فیه من روحی میں اللہ تعالیٰ نے روح کی اضافت اپنی طرف فرما کر روح انسانی کی عظمت وفضیلت کو ظاہر کیا ہے۔ اور بعضوں نے یہ کہا کہ صورتہ کی ضمیر دراصل آدم کی طرف راجع ہے یعنی آدم کو اس صورت پر پیدا کیا جو آدم کے ساتھ مخصوص ہے اور جو تمام مخلوقات سے ممتاز ہے اور خصائص وکرامات پر مشتمل ہے۔

اس طرح حدیث کا حاصل یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوقات میں اشرف پیدا کیا ہے اور اس کے تمام اعضاء میں اس کا چہرہ اشرف و مکرم اور انسانی صورت وکمال کے ظہور کا محل ہے لہٰذا انسان کے چہرہ پر مارنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ حکم استحباب کے طور پر ہے۔

الفصل الثانی... غیر کے گھر میں بلا اجازت جھانکنے اور داخل ہونے والا قابل تعزیر ہے

(۱۷) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَشَفَ سِتْرًا فَاَدْخَلَ بَصَرَهٗ فِي الْبَيْتِ قَبْلَ اَنْ يُؤْذَنَ لَهٗ فَرَاٰى عَوْرَةَ اَهْلِهٖ فَقَدْ اَتٰى حَدًّا لَا يَحِلُّ لَهٗ اَنْ يَّاْتِيَهٗ وَ لَوْ اَنَّهٗ حِيْنَ اَدْخَلَ بَصَرَهٗ فَاسْتَقْبَلَهٗ رَجُلٌ فَفَقَاَ عَيْنَهٗ مَا غَيَّرْتُ عَلَيْهِ وَ اِنْ مَرَّ الرَّجُلُ عَلٰى بَابٍ لَا سِتْرَ لَهٗ غَيْرُ مُغْلَقٍ فَنَظَرَ خَطِيْئَةَ عَلَيْهِ اِنَّمَا الْخَطِيْئَةُ عَلٰى اَهْلِ الْبَيْتِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص پردہ کھولے اور اپنی نگاہ گھر میں داخل کرے اس سے پہلے کہ اس کو اجازت دی جائے پس دیکھ لے اس کے اہل کو اس نے ایک حد کا ارتکاب کیا ہے جو اس کے لیے جائز نہیں تھی کہ اس کو آئے اور جب اس نے اپنی نگاہ ڈالی تھی کوئی شخص اس کے سامنے آکر اس کی آنکھ پھوڑ دیتا۔ میں اس کو کوئی سرزنش نہیں کروں گا۔ اگر کوئی آدمی ایسے دروازے پر سے گذرتا ہے جس پر پردہ نہیں ہے اور وہ بند نہیں کیا گیا اس نے دیکھ لیا اس پر کوئی گناہ نہیں سوائے اس کے نہیں گناہ گھر والوں پر ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور اس نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

ہاتھ میں ننگی تلوار رکھنے کی ممانعت

(۱۸) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّتَعَاطَى السَّيْفُ مَسْلُوْلًا (رواه الترمذی و ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ننگی تلوار ایک دوسرے کو پکڑانے سے منع فرمایا ہے روایت کیا اس کو ترمذی اور ابوداؤد نے۔

انگلیوں کے درمیان تسمہ چیرنے کی ممانعت

(۱۹) وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى اَنْ يُّقَدَّ السَّيْرُ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت حسن سمرہ سے روایت کرتے ہیں کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ تسمہ دو انگلیوں کے درمیان رکھ کر چیرا جائے۔ (ابوداؤد)

اپنے دین، اپنی جان، اپنے مال اور اپنے اہل وعیال کی محافظت میں مارا جانیوالا شہید ہے

(۲۰) وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ دِيْنِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ دَمِهٖ

فَهُوَ شَهِيْدٌ وَ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ اَهْلِهٖ شَهِيْدٌ. (رواه الترمذی و ابوداؤد والنسائی)

ترجمہ: حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے دین کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے جو اپنی جان کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے جو اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے جو اپنے اہل کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے۔ (روایت کیا اس کو ترمذی' ابوداؤد اور نسائی نے)

تشریح: دین کی محافظت میں مارے جانے کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کسی مسلمان کے سامنے کسی کافر یا کسی مبتدع نے اس کے دین کی توہین وحقارت کی اور وہ مسلمان اس سے لڑ پڑا اور مارا گیا۔ تو اس کو شہادت کا درجہ ملے گا۔

اکثر علماء کا مسلک یہ ہے کہ اگر مثلاً زید کا مال کوئی شخص لوٹنے کا ارادہ کرے یا اس کو قتل کرنے پر اتر آئے اور یا اس کے اہل وعیال کو کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچانے کا قصد کرے تو زید کو چاہئے کہ وہ اس طرح کا برا ارادہ رکھنے والوں کی مدافعت کرے یعنی پہلے تو اس کو اچھے اور نرم انداز میں اس کے برے ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کرے لیکن اگر وہ بغیر لڑائی جھگڑے کے اپنے ارادہ سے باز نہ آئے اور زید اس کو مار ڈالے تو زید پر (بطور تاوان) کوئی چیز نہیں ہوگی۔ اور اگر زید مارا گیا تو وہ شہید کا درجہ پائے گا۔

مسلمان پر تلوار اٹھانے والے کے بارہ میں وعید

(۲۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِجَهَنَّمَ سَبْعَةُ اَبْوَابٍ بَابٌ مِنْهَا لِمَنْ سَلَّ السَّيْفَ عَلٰى اُمَّتِيْ اَوْ قَالَ عَلٰى اُمَّةِ مُحَمَّدٍ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا دوزخ کے سات دروازے ہیں ایک دروازہ اس شخص کے لیے ہے جو میری امت پر تلوار کھینچتا ہے یا فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔ ابوہریرہ کی حدیث جس کے الفاظ ہیں الرجل جبار باب الغضب میں بیان ہو چکی ہے۔

وَ حَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَلرِّجْلُ جُبَارٌ ذُكِرَ فِيْ بَابِ الْغَصَبِ.

''اور حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث الرجل جبار الخ باب الغصب میں نقل کی جا چکی ہے۔''

بَابُ الْقَسَامَةِ ... قسامت کا بیان

''قسامت'' ق کے زبر کے ساتھ قسم کے معنی میں ہے یعنی سوگند کھانا۔ شرعی اصطلاح میں ''قسامت'' کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی آبادی ومحلہ میں یا اس کی آبادی ومحلہ کے قریب میں کسی شخص کا قتل ہو جائے اور قاتل کا پتہ نہ چلے تو حکومت واقعات کی تحقیق کرے اگر قاتل کا پتہ چل جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس آبادی یا محلہ کے باشندوں میں سے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے اس طرح کہ ان میں سے ہر آدمی یہ قسم کھائے کہ ''خدا کی قسم! نہ میں نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ اس کے قاتل کا مجھے علم ہے'' یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک ہے جس کی بنیاد مشہور حدیث ہے کہ البينة على المدعى واليمين على من انكر چنانچہ اس باب کی تیسری فصل میں حضرت رافع ابن خدیج سے منقول روایت بھی اسی پر دلالت کرتی

حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک ''قسامت'' کا مفہوم یہ ہے کہ جس آبادی ومحلہ میں یا جس آبادی ومحلہ کے قریب میں لاش پائی گئی ہے اگر اس کے باشندوں اور مقتول کے درمیان کوئی عداوت ودشمنی رہی ہو یا کوئی ایسی علامت پائی گئی ہو۔ جس سے یہ ظن غالب ہو کہ اس آبادی و محلہ کے لوگوں نے اس کو قتل کیا ہے جیسے اس آبادی یا محلہ میں لاش کا پایا جانا' تو مقتول کے وارثوں سے قسم لی جائے یعنی ان سے کہا جائے کہ وہ یہ قسم کھائیں کہ ''خدا کی قسم! تم نے (یعنی اس آبادی یا محلہ کے لوگوں نے) اس کو قتل کیا ہے'' اگر مقتول کے وارث یہ قسم کھانے سے انکار کر دیں تو پھر ان

لوگوں سے قسم لی جائے جن پر قتل کا شبہ کیا گیا ہے" چنانچہ اس باب کی پہلی حدیث جو حضرت رافع رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اسی پر دلالت کرتی ہے۔

قسامت میں قصاص واجب نہیں ہوتا اگر چہ قتل عمد کا دعویٰ ہو بلکہ اس میں دیت واجب ہوتی ہے خواہ قتل عمد کا دعویٰ ہو یا قتل خطاء کا۔ لیکن حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر قتل عمد کا دعویٰ ہو تو پھر قصاص کا حکم نافذ کرنا چاہئے اور حضرت امام شافعی کا قدیم قول بھی یہی ہے۔

قسامت کے بارے میں یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ قسامت کا یہ طریقہ زمانہ جاہلیت میں بھی رائج تھا' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ کو باقی رکھا اور اسی کے مطابق انصاریوں میں اس مقتول کا فیصلہ کیا جس کے قتل کا انہوں نے خیبر کے یہودیوں پر دعویٰ کیا تھا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ... قسامت میں مدعی سے قسم لی جائے یا مدعا علیہ سے

(۱) وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ وَ سَهْلِ بْنِ اَبِيْ حَثْمَةَ اَنَّهُمَا حَدَّثَا اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ سَهْلٍ وَ مُحَيِّصَةَ بْنَ مَسْعُوْدٍ اَتَيَا خَيْبَرَ فَتَفَرَّقَا فِي النَّخْلِ فَقُتِلَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَهْلٍ فَجَاءَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ سَهْلٍ وَ حُوَيِّصَةُ وَ مُحَيِّصَةُ اِبْنَا مَسْعُوْدٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَكَلَّمُوْا فِيْ اَمْرِ صَاحِبِهِمْ فَبَدَأَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ وَكَانَ اَصْغَرَ الْقَوْمِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبِّرِ الْكُبْرَ قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ يَعْنِيْ لِيَلِيَ الْكَلَامَ الْاَكْبَرُ فَتَكَلَّمُوْا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَحِقُّوْا قَتِيْلَكُمْ اَوْ قَالَ صَاحِبَكُمْ بِاَيْمَانِ خَمْسِيْنَ مِنْكُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَمْرٌ لَمْ نَرَهُ قَالَ فَتُبْرِئُكُمْ يَهُوْدُ فِيْ اَيْمَانِ خَمْسِيْنَ مِنْهُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَوْمٌ كُفَّارٌ فَفَدَاهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قِبَلِهِ وَ فِيْ رِوَايَةٍ تَحْلِفُوْنَ خَمْسِيْنَ يَمِيْنًا وَ تَسْتَحِقُّوْنَ قَاتِلَكُمْ اَوْ صَاحِبَكُمْ فَوَدَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِهِ بِمِائَةِ نَاقَةٍ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج اور سہل بن ابی حثمہ سے روایت ہے دونوں حدیث بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سہل اور محیصہ بن مسعود دونوں خیبر آئے اور کھجور کے درختوں میں متفرق ہو گئے عبداللہ بن سہل قتل کر دیا گیا۔ عبدالرحمٰن بن سہل اور حویصہ اور محیصہ مسعود کے دونوں بیٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اپنے ساتھی کے معاملہ میں بات چیت کی عبدالرحمٰن نے گفتگو شروع کی اور وہ سب سے چھوٹا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے فرمایا بڑے کی بڑائی رکھو۔ یحییٰ بن سعید نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد تھی کہ بڑا کلام کرنے کا متولی ہو انہوں نے کلام کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے مقتول یا فرمایا اپنے صاحب کے امر کے اپنے مردوں میں سے پچاس کی قسموں کے ساتھ مستحق ہو سکو گے۔ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول ایک ایسی چیز ہے جس کو ہم نے نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر یہود تم کو پچاس قسموں کے ساتھ بری کر دیں گے انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول وہ کافر لوگ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت اپنی طرف سے ادا کر دی ایک روایت میں ہے تم پچاس قسمیں اٹھاؤ تم اپنے قاتل یا فرمایا اپنے صاحب کی دیت کے مستحق ہو جاؤ گے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے پاس سے دیت میں سو اونٹ ادا کر دیے۔ (متفق علیہ)

تشریح: "جو شخص سب سے بڑا ہو وہ گفتگو کا ذمہ دار ہو" سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جو شخص عمر میں سب سے بڑا ہو اس کا اکرام و احترام ضروری ہے اور گفتگو کی ابتداء اسی کی طرف سے ہونی چاہئے۔ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حدود میں وکالت جائز ہے نیز اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ حاضر کی وکالت بھی جائز ہے۔ کیونکہ مقتول کے خون کے ولی ان کے حقیقی بھائی یعنی عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہ تھے اور حویصہ رضی اللہ عنہ اور محیصہ رضی اللہ عنہ ان کے چچازاد بھائی تھے۔ اس حدیث سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ قسامت میں پہلے مدعی سے قسم لی جائے جب کہ حنفی مسلک یہ ہے کہ پہلے مدعا علیہ سے قسم لی جائے۔ وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِيْ "اور اس باب میں دوسری فصل نہیں ہے۔"

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ... قسم کی ابتداء مدعا علیہ سے ہونی چاہئے

(۲) عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ اَصْبَحَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ مَقْتُوْلًا بِخَيْبَرَ فَانْطَلَقَ اَوْلِيَاءُهُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ لَكُمْ شَاهِدَانِ يَشْهَدَانِ عَلٰى قَاتِلِ صَاحِبِكُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَمْ يَكُنْ ثَمَّ اَحَدٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَ اِنَّمَا هُمْ يَهُوْدُ وَ قَدْ يَجْتَرِءُوْنَ عَلٰى اَعْظَمَ مِنْ هٰذَا قَالَ فَاخْتَارُوْا مِنْهُمْ خَمْسِيْنَ فَاسْتَحْلِفُوْا هُمْ فَاَبَوْا فَوَدَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِهٖ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ایک انصاری خیبر میں مقتول پایا گیا اس کے ورثا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اس بات کا آپ سے ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہارے پاس دو گواہ ہیں جو تمہارے صاحب کے قاتل پر گواہی دیں۔ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول وہاں کوئی مسلمان موجود نہیں تھا اور وہ یہودی ہیں اور وہ اس سے بڑے بڑے کاموں پر دلیری رکھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں سے پچاس آدمی چن لو اور ان سے قسم لو انہوں نے اس بات سے انکار کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے ان کو دیت ادا کر دی۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

بَابُ قَتْلِ اَهْلِ الرِّدَّةِ وَالسُّعَاةِ بِالْفَسَادِ

مرتدوں اور فساد برپا کرنے والوں کو قتل کر دینے کا بیان

ارتد یرتد ارتداد۔ پھر جانے اور لوٹنے کے معنی میں ہے جو آدمی اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام سے پھر جاتا ہے اسے مرتد کہتے ہیں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ردۃ وارتداد کی تعریف اس طرح فرمائی ہے وجود ایمان کے بعد زبان پر کلمہ کفر لانے کا نام ردۃ وارتداد ہے یعنی زبان پر ایسا کلمہ آ جائے جو ضروریات دین کے انکار پر مبنی ہو یا تکذیب پر مبنی ہو یا دین کے کسی حکم کے استہزاء پر مبنی ہو یا قصداً ایسا فعل سرزد ہو جائے جو استہزاء اور استخفاف دین پر دلالت کرتا ہو ارتداد کیلئے آدمی کا عاقل ہونا شرط ہے اور بالغ ہونا بھی شرط ہے لہٰذا مجنون یا نابالغ بچے پر ارتداد کا حکم نافذ نہیں ہوتا۔ جو آدمی مرتد ہو جائے تو اس پر دوبارہ اسلام پیش کیا جائے گا اگر اس کو کوئی شک اور شبہ ہو تو اس کو دور کیا جائے گا اسی مقصد کیلئے مرتد کو تین دن کی مہلت دی جائے گی اگر ان دنوں میں وہ پھر اسلام میں داخل ہوا تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو قتل کیا جائے گا مرتد کو اسلام کی دوبارہ دعوت دینا مستحب حکم ہے واجب نہیں ہے کیونکہ ایک دفعہ واجب دعوت اس کو پہنچ چکی ہے اگر مرتد مہلت مانگتا ہے تو امام شافعیؒ کے نزدیک تین دن تک کی مہلت دینا واجب ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ مہلت دینا واجب اور ضروری نہیں ہے کیونکہ "من بدل دینه فاقتلوه" کی جو حدیث ہے اس میں مہلت دینے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ بہرحال تین دن تک اس مرتد کی بات سنی جائے گی اور اس کو خوب سمجھنے سمجھانے کا موقع دیا جانا چاہیے اور بہتر یہ ہے کہ اس کو جیل میں رکھا جائے اگر وہ باز نہیں آیا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

عورت اگر اسلام سے پھر جائے تو احناف کے ہاں اس کی سزا جیل ہے قتل کرنا نہیں ہے کیونکہ کئی احادیث میں عورتوں کے قتل کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا ہے نیز عورت ناقص العقل ہے اور دشمن کی صفوں میں مل کر لڑنے کے قابل بھی نہیں ہے ہاں اگر کوئی کافر عورت سرداری کرتی ہو یا مالدار ہو تو اس کو قتل کیا جائے گا۔ ائمہ شوافع وغیرہ عورت کے قتل کے قائل ہیں ان کی دلیل حدیث کا عموم ہے جس میں ہے کہ "من بدل دینه فاقتلوه" ان کے ہاں یہ حدیث مرتدہ عورت کے قتل کو بھی شامل ہے بہرحال اسلام ایک ہمہ گیر آفاقی دین ہے جو دین فطرت ہے اس سے آج تک ایک شخص بھی اس لئے مرتد نہیں ہوا کہ اس کو اسلام ناپسند آیا یا اسلام میں اس کو کوئی نقص نظر آیا جتنے لوگ اسلام سے ہوئے ہیں وہ دنیوی اغراض و مفادات اور خواہشات کا شکار ہو کر مرتد ہوئے ہیں۔ پھر اگر کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی مرتد ہو کر اسلام سے ہے تو تاریخ گواہ ہے کہ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے اس مرتد سے کئی گنا بہتر آدمی کو اسلام میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

"سعاۃ" یہ ساعی کی جمع ہے جو محنت اور کوشش کرنے کے معنی میں ہے یہاں اس سے ایسا آدمی مراد ہے جو دین اسلام اور مسلمانوں میں فساد برپا کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ "سعاۃ" کا مصداق راہزن ڈاکو اور قطاع الطریق قسم کے لوگ ہیں چنانچہ انما جزا الذین یحاربون ... کی طرف اشارہ موجود ہے۔

ارتداد کی صورتیں

مرتد اور ارتداد کی کئی صورتیں ہوتی ہیں سب کا ذکر کرنا مشکل ہے البتہ چند اصولی صورتوں کا تذکرہ کرنا ضروری ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں سے کسی کا انکار یا توہین کرنا انبیاء کرام میں سے کسی کا انکار یا توہین کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی نامناسب بات کو منسوب کرنا' کلمات کفر بکنا اور موجب کفر افعال کا ارتکاب کرنا قرآن مجید کا انکار کرنا یا اسے ناقص و محرف سمجھنا یا قولاً و فعلاً اس کی توہین کرنا' نمازوں اور دیگر عبادات کا انکار کرنا اور اس کی توہین کرنا' علم دین اور علماء اسلام کے متعلق موجب کفر قول و فعل کا ارتکاب کرنا' حرام کو حلال اور حلال کو حرام کہنا قیامت کا انکار کرنا یا اس کے متعلق شریعت کے منافی عقیدہ رکھنا' عالم بالا اور فرشتوں کا انکار یا اس کی توہین و تحقیر کرنا جنت و دوزخ کا انکار یا ان کا مذاق اڑانا یہ سب باعث ارتداد اقوال وافعال ہیں۔ مرتدین کے خلاف جہاد کرنا ضروری ہوتا ہے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مرتدین کے خلاف ایک سال تک جہاد کیا تھا طرفین کے ساٹھ ہزار آدمی مارے گئے تھے تب جا کر جزیرہ عرب میں اسلام اس نہج پر آ گیا جو عہد نبوی میں تھا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ.... مرتد کی سزا قتل ہے

(۱) عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ اُتِيَ عَلِيٌّ بِزَنَادِقَةٍ فَاَحْرَقَهُمْ فَبَلَغَ ذٰلِكَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَوْ كُنْتُ اَنَا لَمْ اُحْرِقْهُمْ لِنَهْيِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُعَذِّبُوْا بِعَذَابِ اللّٰهِ وَ لَقَتَلْتُهُمْ لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس زندیق لائے گئے اس نے ان کو جلا دیا۔ یہ بات ابن عباس رضی اللہ عنہ کو پہنچی انہوں نے کہا اگر میں ہوتا تو ان کو نہ جلاتا اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے اللہ کے عذاب کے ساتھ عذاب نہ کرو اور میں ان کو قتل کرتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص اپنے دین کو بدل ڈالے اس کو قتل کر دو۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

تشریح: اصل میں "زندیق" مجوسیوں کی ایک قوم کا نام ہے جو زردشت مجوس کی اختراع کی ہوئی کتاب زند کے پیروکار ہیں لیکن اصطلاح عام میں ہر ملحد فی الدین کو زندیق کہا جاتا ہے چنانچہ یہاں بھی زندیق سے وہ لوگ مراد ہیں جو دین اسلام چھوڑ کر مرتد ہو گئے تھے۔ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں جن لوگوں کو زندیق کہا گیا ہے وہ دراصل عبداللہ ابن سبا کی قوم میں سے کچھ لوگ تھے جو حدود اسلام میں فتنہ و فساد برپا کرنے اور امت کو گمراہ کرنے کے لیے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارہ میں خدائی کا دعویٰ کرتے تھے' چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کے اس عظیم فتنہ کا سر کچلنے کے لیے ان سب کو پکڑ وا بلایا اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ سب توبہ کریں اور یہ فتنہ پھیلانے سے باز رہیں لیکن جب انہوں نے اس سے انکار کر دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک گڑھا کھدوا کر اس میں آگ جلوائی اور ان سب کو آگ کے اس گڑھے میں ڈلوا دیا۔

منقول ہے کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذکورہ قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچا تو انہوں نے فرمایا کہ بیشک ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سچ کہا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور اس مصلحت کے پیش نظر ان سب کو جلوا دیا کہ یہی لوگ نہیں بلکہ ان کا عبرتناک انجام دیکھ کر دوسرے لوگ بھی اس قسم کی مفسدہ پردازی سے باز رہیں۔

کسی کو آگ میں جلانے کی سزا نہ دو

(۲) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ النَّارَ لَا يُعَذِّبُ بِهَا اِلَّا اللّٰهُ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحقیق آگ نہیں عذاب کرتا ساتھ مگر اللہ تعالیٰ۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

فرقہ خوارج کی نشاندہی

(۳) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ سَيَخْرُجُ قَوْمٌ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ حُدَثَاءُ الْاَسْنَانِ سُفَهَاءُ الْاَحْلَامِ يَقُوْلُوْنَ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ الْبَرِيَّةِ لَا يُجَاوِزُ اِيْمَانُهُمْ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ فَاَيْنَمَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ فَاِنَّ فِيْ قَتْلِهِمْ اَجْرًا لِمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے آخر زمانہ میں ایک قوم نکلے گی نوجوان ہوں گے ہلکی عقلوں والے۔ بہترین خلق کی بات کہیں گے ایمان ان کی گردنوں کے زخرہ سے تجاوز نہ کرے گا۔ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ تم ان کو جہاں بھی ملو قتل کردو۔ ان کے قتل کرنے سے قیامت کے دن اجر ملے گا۔ (متفق علیہ)

تشریح: لوگوں کی اچھی باتیں بیان کریں گے اس سے مراد یہ ہے کہ مذکورہ لوگ وہ بہترین اقوال اور اچھی باتیں بیان کریں گے جو عام طور پر خدا کے نیک بندوں کی زبانوں پر رہتی ہیں یعنی قرآن کریم کی آیات لیکن ملحوظ رہے کہ مشکوۃ کے نسخوں میں تو من خیر قول البریہ ہے یعنی خیر کا تعلق قول سے ہے چنانچہ یہاں اسی کے مطابق ترجمہ و مطلب بیان کیا گیا ہے جب کہ مصابیح میں من قول خیر البریہ ہے یعنی اس میں خیر کا تعلق البریہ سے ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ لوگ بہترین انسان کے اقوال بیان کریں گے اس صورت میں قرآن کریم کی آیات کی بجائے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مراد ہوں گی۔ لیکن علماء کہتے ہیں کہ جملہ کی زیادہ مناسبت اور موزوں ترکیب وہی ہے جو یہاں مشکوۃ میں نقل کی گئی ہے کیونکہ احادیث میں خوارج کے بارے میں منقول ہے کہ وہ قرآن کریم کی آیات پڑھیں گے اور ان سے اپنے غلط عقائد و نظریات پر استدلال کریں گے اور ان آیات کی غلط سلط تاویل کریں گے۔

جس طرح تیر شکار کے درمیان سے نکل جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی تیر شکار کے درمیان سے نکل جاتا ہے اور اس شکار میں جلدی پیوست ہو کر فوراً نکل جانے کی وجہ سے وہ تیر شکار کے خون وغیرہ سے آلودہ نہیں ہوتا اسی طرح وہ لوگ بھی امام وقت اور علماء حق کی اطاعت سے نکل جائیں گے! طیبیؒ کہتے ہیں کہ اس تمثیل کی مراد ان لوگوں کا دین کے دائرہ میں داخل ہونے پھر دین کے دائرہ سے نکل جاتے اور اس تیر کی مانند کی جو شکار میں پیوست ہو کر نکل جائے اور آلودہ نہ ہوا ان لوگوں پر دین کی کسی بات کے اثر نہ ہونے کو ظاہر کرتا ہے نیز اس کا منشاء ان خوارج کی نشان دہی کرتا ہے جو امام وقت اور اسلامی حکومت کے اطاعت گذار نہیں ہوتے اور لوگوں پر ہتھیار اٹھاتے ہیں چنانچہ ابتداء میں خوارج کا ظہور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں ہوا جن میں سے اکثر کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

خوارج کے بارہ میں علماء کا فیصلہ:۔ خطابیؒ کہتے ہیں کہ علمائے امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خوارج کی جماعت باوجود گمراہی کے مسلمانوں ہی کے فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے ان کے ہاں نکاح کرنا بھی جائز ہے اور ان کا ذبیحہ کھانا بھی درست ہے نیز ان کی گواہی بھی معتبر ہے چنانچہ منقول ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان لوگوں کے بارہ میں پوچھا گیا کہ کیا وہ لوگ کافر ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ وہ تو کفر سے بھاگ کر آئے ہیں پھر ہم ان کو کافر کس طرح کہہ سکتے ہیں اس کے بعد پوچھا گیا کہ کیا وہ منافق ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ منافق تو اللہ تعالیٰ کو بہت تھوڑا یاد کرتے ہیں اس لیے انہیں منافق بھی نہیں کہا جا سکتا پھر پوچھا گیا کہ تو آخر وہ کیا ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں میں سے ایک فرقہ کے لوگ ہیں فتنہ و گمراہی نے ان کو گھیر لیا ہے چنانچہ وہ اندھے اور بہرے ہو گئے ہیں۔ جیسا کہ بتایا گیا خوارج مسلمان کے ایک فرقہ کا نام ہے جو گمراہی میں مبتلا ہے اس فرقہ کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ بندہ نہ صرف گناہ کبیرہ بلکہ صغیر گناہوں کے ارتکاب سے بھی کافر ہو جاتا ہے۔

خوارج کے بارہ میں آنحضرت کی پیش گوئی

(۴) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ اُمَّتِيْ فِرْقَتَيْنِ فَيَخْرُجُ مِنْ

بَيْنَهُمَا مَارِقَةٌ يَلِيْ قَتْلَهُمْ أَوْلَاهُمْ بِالْحَقِّ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت دو گروہوں میں بٹ جائے گی ان سے ایک جماعت نکل جائے گی۔ ان کے قتل کا والی وہ شخص ہوگا جو حق کے بہت نزدیک ہوگا۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: دو فرقوں سے مراد ایک تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حامیوں کی جماعت ہے اور دوسری حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حامیوں کی جماعت ہے ان دونوں کے درمیان سے جو ایک تیسری جماعت پیدا ہوئی اسی کو خوارج کہا گیا ہے خوارج کو فنا کے گھاٹ اتارنے اور ان کے فتنہ و فساد کا دفعیہ کرنے کی طرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ متوجہ ہوئے کیونکہ اس وقت انہی کی شخصیت حق سے زیادہ قریب کا سب سے بڑا مصداق تھی۔

مسلمان کا مسلمان کو قتل کرنا کفر کے قریب پہنچ جانا ہے

(۵) وَعَنْ جَرِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ لَا تَرْجِعُنَّ بَعْدِيْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا میرے بعد کافر ہو کر نہ پھر جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگ جاؤ۔ (متفق علیہ)

(۶) وَعَنْ أَبِيْ بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ حَمَلَ أَحَدُهُمَا عَلٰى أَخِيْهِ السِّلَاحَ فَهُمَا فِيْ جُرُفِ جَهَنَّمَ فَإِذَا قَتَلَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ دَخَلَاهَا جَمِيْعًا وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْهُ قَالَ إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِي النَّارِ قُلْتُ هٰذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُوْلِ قَالَ إِنَّهُ كَانَ حَرِيْصًا عَلٰى قَتْلِ صَاحِبِهِ. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا جس وقت دو مسلمان ایک دوسرے کو ملیں ایک اپنے دوسرے بھائی پر ہتھیار سے حملہ کر دے وہ دونوں دوزخ کے کنارے پر ہیں۔ جب ایک دوسرے کو قتل کر دیتا۔ وہ دونوں اس میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ایک روایت میں اسی سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دو مسلمان تلوار لے کر ایک دوسرے کو ملتے ہیں پس قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہیں میں نے کہا یہ قاتل ہے پس مقتول کیوں دوزخ میں جائے گا فرمایا وہ اپنے ساتھی کے قتل پر حریص تھا۔ (متفق علیہ)

تشریح: دونوں ایک ساتھ دوزخ میں ڈالے جائیں گے کے بارہ میں علماء لکھتے ہیں کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ ان دونوں میں سے ایک بھی حق پر نہ ہو ہاں اگر ان میں سے ایک حق پر ہوگا تو دوزخ کی آگ میں اسی کو ڈالا جائے گا جو ناحق پر ہوگا' لیکن یہ بھی اسی صورت میں ہے جب کہ اشتباہ التباس اور تاویل سے قتل سرزد نہ ہو۔ وہ بھی تو اپنے ساتھی کو قتل کرنے پر آمادہ تھا اور ابن ملک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ ارشاد اس بات کی دلیل ہے کہ کسی حرام چیز کے ارتکاب کی محض آمادگی پر بھی مواخذہ ہوتا ہے چنانچہ صورت مذکورہ میں یہی نوعیت ہے کہ وہ دونوں ہی ایک دوسرے کی جان کے طلب گار ہوتے ہیں ہاں اگر مقتول محض اپنے دفاع کا ارادہ رکھتا ہو اور اس کی نیت میں دوسرے کے قتل کی خواہش و ارادہ کا دخل نہ ہوتا تو اس سے مواخذہ نہ ہوتا کیونکہ شریعت نے "دفاعی کاروائی" کی اجازت دی ہے۔

مرتد اور قزاقوں کی سزا

(۷) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَرٌ مِنْ عُكْلٍ فَأَسْلَمُوْا فَاجْتَوَوُا الْمَدِيْنَةَ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَأْتُوْا إِبِلَ الصَّدَقَةِ فَيَشْرَبُوْا مِنْ أَبْوَالِهَا وَأَلْبَانِهَا فَفَعَلُوْا فَصَحُّوْا فَارْتَدُّوْا وَقَتَلُوْا رُعَاتَهَا وَاسْتَاقُوا الْإِبِلَ فَبَعَثَ فِيْ آثَارِهِمْ فَأُتِيَ بِهِمْ فَقَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ وَسَمَلَ أَعْيُنَهُمْ ثُمَّ لَمْ يَحْسِمْهُمْ حَتّٰى مَاتُوْا وَفِيْ رِوَايَةٍ فَسَمَرُوْا أَعْيُنَهُمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ

اَمَرَ بِمَسَامِيْرَ فَاُحْمِيَتْ فَكَحَلَهُمْ بِهَا وَطَرَحَهُمْ بِالْحَرَّةِ يَسْتَسْقُوْنَ فَمَا يُسْقَوْنَ حَتّٰى مَاتُوْا. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا عکل قبیلہ کے چند آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے وہ مسلمان ہو گئے ان کو مدینہ کی آب و ہوا نا موافق آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ زکوٰۃ کے اونٹوں میں جا رہیں ان کا پیشاب اور دودھ پئیں انہوں نے ایسا کیا وہ تندرست ہو گئے پھر مرتد ہو گئے انہوں نے اونٹوں کے چرانے والوں کو قتل کر دیا اور اونٹ ہانک کر لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے بھیجا ان کو لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے ان کی آنکھیں پھوڑ ڈالیں پھر ان کو داغ نہیں دیا یہاں تک کہ وہ مر گئے ایک روایت میں ہے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر دیں۔ ایک روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلائیاں گرم کرنے کا حکم دیا وہ ان کی آنکھوں میں پھیر دیں اور ان کو حرہ میں ڈال دیا وہ پانی مانگتے تھے ان کو پانی نہ دیا جاتا تھا یہاں تک کہ وہ مر گئے۔ (متفق علیہ)

تشریح: ان اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پیا کریں اس ارشاد گرامی سے حضرت امام محمدؒ نے یہ استدلال کیا ہے کہ جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کا پیشاب بھی پاک ہے یہی قول امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کا ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان جانوروں کا پیشاب نجس (ناپاک) ہے ان کی طرف سے اس ارشاد گرامی کی یہ تاویل کی جاتی ہے کہ ان لوگوں کے مرض کی نوعیت کے اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ معلوم ہوا ہوگا کہ ان کے مرض کا علاج صرف اونٹ کا پیشاب ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخصوص طور پر ان لوگوں کو اس کا حکم دیا۔ پھر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ جس طرح اونٹ کا پیشاب پینا دوا کے علاوہ حلال نہیں ہے اسی طرح دوا کے طور پر پینا بھی حلال نہیں ہے کیونکہ اس بات پر کوئی بھی متفق نہیں ہے کہ پیشاب میں کسی مرض کی شفا ہے لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کسی مرض کے علاج کے لیے پینا حلال ہے۔

ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ باوجود یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مثلہ سے منع فرمایا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو اس طرح کی سزا دی اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ ان لوگوں نے اونٹوں کے چرواہوں کے ساتھ یہی برتاؤ کیا تھا اس لیے آنحضرت نے بطور قصاص ان لوگوں کے ساتھ بھی ویسا ہی معاملہ کیا یا یہ وجہ تھی کہ چونکہ ان مفسدوں نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا تھا یعنی مرتد بھی ہوئے چرواہوں کو قتل بھی کیا ہے اور قزاقی بھی کی کہ لوٹ مار کر کے سارے اونٹ لے گئے اور امام وقت کو حق پہنچتا ہے کہ اس قسم کے جرم کی صورت میں بطور زجر و تنبیہ اور بمصلحت امن و انتظام مجرم کو مختلف طرح کی سزائیں دے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے پیش نظر ان لوگوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کیا۔

نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے معنی و منشاء کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں بعض حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جو واقعہ نقل کیا گیا ہے وہ ان آیات کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے جن میں حدود کی شرعی سزاؤں اور قزاقوں کی سزا کے بارہ میں صریح احکام بیان کیے گئے ہیں اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مثلہ کی جو ممانعت فرمائی ہے وہ بھی اس واقعہ کے بعد کا حکم ہے اس اعتبار سے یہ حدیث منسوخ ہے لیکن دوسرے بعض حضرات کا قول یہی ہے کہ یہ حدیث منسوخ نہیں ہے بلکہ اسی موقعہ پر وہ آیت نازل ہوئی تھی جس میں قزاقوں کی یہ سزا بیان کی گئی ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے یا سولی دے دی جائے اور یا ان کا ایک ہاتھ اور پیر کاٹ دیا جائے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جو سزا دی وہ بطور قصاص تھی کہ انہوں نے اونٹوں کے چرواہوں کے ساتھ جو معاملہ کیا تھا ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا گیا۔

اب رہی یہ بات کہ آخری وقت میں ان مفسدوں کو پانی کیوں نہیں دیا گیا تو اس کے بارہ میں بعض علماء کا کہنا یہ ہے کہ یہ بھی قصاص کے طور پر تھا کہ ان مفسدوں نے بھی اونٹوں کے چرواہوں کو اسی طرح بغیر پانی کے تڑپا تڑپا کر مار ڈالا تھا چنانچہ ان کے ساتھ بھی یہی کیا گیا کہ جب انہوں نے پانی مانگا تو انہیں پانی نہیں دیا گیا لیکن بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ان کو پانی نہ دینے کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیا تھا بلکہ لوگوں نے ان مفسدوں کے تئیں انتہائی نفرت اور غصہ کے اظہار کے طور پر از خود ان کو پانی نہیں دیا۔ اس بارہ میں جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے تو علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص سزائے موت کا مستوجب ہو چکا ہو اور اس کو قتل کرنا واجب ہو وہ اگر پانی مانگے تو پانی دینے سے انکار نہ کرنا چاہیے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ.... مثلہ کی ممانعت

(۸) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَحُثُّنَا عَلَی الصَّدَقَۃِ وَیَنْھَانَا عَنِ الْمُثْلَۃِ. رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَ رَوَاہُ النِّسَائِیُّ عَنْ اَنَسٍ.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو صدقہ دینے پر رغبت دلاتے تھے اور ہم کو مثلہ کرنے سے منع کرتے تھے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اور روایت کیا اس کو نسائی نے انس سے۔

تشریح: جسم کے کسی عضو جیسے ناک کان ستر یا کسی اور حصہ جسم کے کاٹ ڈالنے کو مثلہ سے منع فرمایا بعض حضرات کے نزدیک تو بطور تحریم ہے یعنی یہ مکروہ تحریمی ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ بطور تنزیہی ہے یعنی یہ مکروہ تنزیہی ہے لیکن زیادہ صحیح قول تحریم ہی کا ہے جہاں تک اس سے پہلی حدیث میں مذکورہ واقعہ کا تعلق ہے تو یہ بات وہاں بھی بتائی جا چکی ہے کہ آپ کی طرف سے ان مفسدوں کے اعضاء جسم کا کاٹا جانا قصاص کے طور پر تھا۔

جانوروں کے ساتھ آنحضرت کا جذبہ رحمت

(۹) وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ فَانْطَلَقَ لِحَاجَتِہٖ فَرَاَیْنَا حُمَّرَۃً مَعَھَا فَرْخَانِ فَاَخَذْنَا فَرْخَیْھَا فَجَاءَتِ الْحُمَّرَۃُ فَجَعَلَتْ تُفَرِّشُ فَجَاءَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ فَجَعَ ھٰذِہٖ بِوَلَدِھَا رُدُّوْا وَلَدَھَا اِلَیْھَا وَرَاٰی قَرْیَۃَ نَمْلٍ قَدْ حَرَّقْنَاھَا قَالَ مَنْ حَرَّقَ ھٰذِہٖ فَقُلْنَا نَحْنُ قَالَ اِنَّہٗ لَا یَنْبَغِیْ اَنْ یُّعَذِّبَ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّارِ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہا ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ قضاء حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ ہم نے ایک حمرہ (چڑیا کی مانند ایک سرخ جانور) دیکھی اس کے دو بچے تھے ہم نے اس کے بچے پکڑ لیے حمرہ آئی اور اپنے پر بچھانے لگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو کس نے اس کے بچوں کی وجہ سے غم میں ڈالا ہے۔ اس کے بچے اس کو لوٹا دو۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چیونٹیوں کا گھر دیکھا کہ ہم نے اس کو جلا دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو کس نے جلایا ہے ہم نے کہا ہم نے فرمایا لائق نہیں کہ آگ کے ساتھ عذاب کرے مگر آگ کا رب۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: "حمرہ" ح پر پیش اور میم پر تشدید و زبر ایک پرندے کا نام ہے جو سرخ رنگ کا اور چڑیا کی مانند چھوٹا ہوتا ہے حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ آگ کے ذریعہ کسی کو عذاب دینا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے شایاں ہے اور چونکہ یہ سب سے بڑا عذاب ہے اس لیے کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی کو آگ میں جلائے۔ چیونٹیوں کے بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر چیونٹیاں تکلیف پہنچانے میں ابتدا کریں یعنی از خود کسی کو کاٹنے لگیں تو ان کو مار ڈالنا چاہیے ورنہ ان کو مارنا مناسب نہیں ہے اسی طرح چیونٹیوں کے بلوں کو آگ سے جلانا بھی ممنوع ہے نیز چیونٹیوں کو پانی میں ڈالنا مکروہ ہے اگر ایک چیونٹی کاٹے تو صرف اسی کو مارا جائے اس کے ساتھ اور چیونٹیوں کو مار ڈالنے کی ممانعت ہے۔

ایک باطل فرقہ کے بارہ میں پیش گوئی

(۱۰) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ وَاَنَسِ بْنِ مَالِکٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ اِخْتِلَافٌ وَفُرْقَۃٌ قَوْمٌ یُحْسِنُوْنَ الْقِیْلَ وَ یُسِیْئُوْنَ الْفِعْلَ یَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَا یُجَاوِزُ تَرَاقِیَھُمْ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ کَمَا یَمْرُقُ السَّھْمُ مِنَ الرَّمِیَّۃِ لَا یَرْجِعُوْنَ حَتّٰی یَرْتَدَّ السَّھْمُ عَلٰی فُوْقِہٖ ھُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِیْقَۃِ طُوْبٰی لِمَنْ قَتَلَھُمْ وَ قَتَلُوْہُ یَدْعُوْنَ اِلٰی کِتَابِ اللّٰہِ وَ

لَيْسُوْا مِنِّي فِي شَيْءٍ مَنْ قَاتَلَهُمْ كَانَ اَوْلٰى بِاللّٰهِ مِنْهُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا سِيْمَاهُمْ قَالَ التَّحْلِيْقُ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا میری امت میں اختلاف اور تفرقہ ہوگا۔ ایک گروہ ہوگا جو اچھا کہیں گے برا کریں گے۔ قرآن پڑھیں گے وہ ان کی گردنوں کے نرخرہ سے آگے نہیں بڑھے گا۔ دین سے نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے دین کی طرف نہیں لوٹیں گے یہاں تک کہ تیر اپنے سوفار کی طرف لوٹ آئے وہ بدترین مخلوق میں سے ہیں۔ خوشحالی ہے اس شخص کے لیے جو ان کو قتل کرے اور وہ اس کو قتل کریں وہ اللہ کی کتاب کی طرف بلائیں گے حالانکہ ان کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے ان سے جو لڑائی کرے گا وہ ان سے اللہ کے زیادہ نزدیک ہوگا انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول ان کی علامت کیا ہے فرمایا سر منڈانا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: "اختلاف و فرقة" یعنی میری امت میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اپنی خواہشات کے بندے ہوں گے جن کی خودغرضی کے اعمال و افعال کی وجہ سے امت میں اختلاف پیدا ہوگا اور اتحاد پارہ پارہ ہو جائے گا لیکن ان کی زبانوں کا حال یہ ہوگا کہ اسلام کے بڑے شیدائی معلوم ہوں گے یہ لوگ قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا یہ لوگ اسلام سے ایسے خارج ہو جائیں گے جیسے کوئی تیر شکار سے آر پار نکل کر جاتا ہے اسلام کی طرف ان کا واپس آنا ایسا ہی محال ہوگا جس طرح کمان سے نکلا ہوا تیر واپس سوفار پر نہیں آ سکتا۔ "تراقیهم" یہ ترقوت کی جمع ہے گلے اور حلق کو کہتے ہیں "فوقه" کمان کا وہ حصہ جس پر تیر چڑھا کر چلایا جاتا ہے اس کو فوق کہتے ہیں اس کا ترجمہ سوفار ہے اور یہ کلام تعلیق بالمحال کے قبیلہ سے ہے۔" التحليق "یعنی سر کے بال منڈاتے ہی ہوں گے کبھی بال رکھتے ہی نہیں ہوں گے یہ خاص علامت صرف خوارج کی تھی اب اگر کوئی شخص بال رکھنا جائز سمجھتا ہے اور منڈاتا بھی ہے تو یہ نشانی ایسے شخص کی نہیں ہے بعض علماء نے تحلیق سے مراد حلقوں میں بیٹھنا مراد لیا ہے یعنی ان لوگوں کی یہ نشانی ہوگی کہ مسجد میں حلقے بنا کر بیٹھیں گے اور دکھاوے کیلئے نمائش کریں گے۔ مسنون طریقہ یہ ہے کہ نماز کے اوقات میں آدمی قبلہ رخ ہو کر بیٹھ جائے اس حدیث میں خوارج کی طرف اشارہ ہے "شر الخلق و الخليقة" نہایہ میں لکھا ہے کہ خلق سے مراد انسان ہیں اور خلیقہ سے مراد جانور ہیں بعض نے کہا ہے کہ یہ دونوں لفظ ایک ہی معنی میں ہے اور بطور تاکید دوسرے لفظوں کو اس لئے لایا گیا ہے تاکہ تمام مخلوقات کو مفہوم عام ہو جائے بعض نے کہا کہ یہ بھی ممکن ہے کہ خليقة سے مراد موجود کائنات ہوں اور جو آئندہ پیدا ہونے والی مخلوق ہے خلق کے لفظ سے اس کا ارادہ کیا گیا ہو یہ لوگ بدترین مخلوق اس لئے ہیں کہ ایمان و اسلام کے لبادہ میں کفر کا کام کر رہے ہیں (کذافی المرقات)

وہ تین صورتیں جن میں ایک مسلمان کو سزائے موت دی جا سکتی ہے

(۱۱) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِیءٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَّا بِاِحْدٰى ثَلَاثٍ زِنًى بَعْدَ اِحْصَانٍ فَاِنَّهُ يُرْجَمُ وَ رَجُلٌ خَرَجَ مُحَارِبًا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّهُ يُقْتَلُ اَوْيُصْلَبُ اَوْيُنْفٰى مِنَ الْاَرْضِ اَوْيَقْتُلُ نَفْسًا فَيُقْتَلُ بِهَا. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان آدمی کا خون حلال نہیں جو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ مگر تین باتوں میں سے کسی ایک بات کے سبب سے شادی کے بعد زنا کرتا اس کو رجم کیا جائے گا ایک وہ آدمی جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لڑائی کرنے کے لیے نکلا ہے اس کو قتل کیا جائے گا یا سولی پر چڑھایا جائے گا یا جلاوطن کر دیا جائے گا یا کسی نفس کو قتل کرے اس کے بدلہ میں اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: "محصن" ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ مسلمان جو آزاد ہو مکلف ہو اور نکاح صحیح کے ساتھ صحبت کر چکا ہو یعنی شادی شدہ ہو اور پھر اس کے بعد زنا کا مرتکب ہو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو سنگسار کر کے ختم کر دیا جائے۔

قزاقی کرنے والے کے بارہ میں تین سزائیں بیان کی گئی ہیں۔1۔قتل کر دیا جائے۔2۔سولی دیا جائے۔3۔قید میں ڈالا جائے ان تینوں میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ قزاق مال تو نہ لوٹ سکا ہو مگر اس نے کسی کو جان سے مار ڈالا ہو تو اس صورت میں اس کو قتل کیا جائے گا اور اگر اس نے مال بھی لوٹا اور کسی کو قتل بھی کیا ہو تو اس صورت میں اس کو سولی دی جائے گی۔اب اس کے متعلق حضرت امام مالکؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ اس کو زندہ سولی پر لٹکا دیا جائے تاکہ وہ مر جائے لیکن حضرت امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس کو قتل کر کے اس کی لاش سولی پر لٹکا دی جائے تاکہ دوسرے لوگوں کو اس کے انجام سے عبرت ہو۔

تیسری سزا قید کی ہے اس کے لیے حدیث میں ینفی فی الارض کے الفاظ ہیں اس کے معنی حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تو یہ ہیں کہ اس کو مسلسل شہر بدر کیا جاتا رہے یعنی اسے کسی ایک شہر میں ٹھہرنے اور رہنے نہ دیا جائے بلکہ ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف نکالا جاتا رہے تاکہ اسے قرار و آرام نہ مل سکے۔لیکن حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ اس کو قید میں ڈال دیا جائے اور یہ قید کی سزا اس صورت میں ہے جس کہ اس نے نہ تو مال لوٹا ہو اور نہ کسی کو قتل کیا ہو بلکہ راہگیروں کو ڈرایا دھمکایا ہو اور اس طرح اس نے راستے کے امن و عافیت کی طرف سے لوگوں کو خوف و تشویش میں مبتلا کیا ہو حدیث کا یہ جز جس میں قزاقوں اور راہزنوں کی مذکورہ بالا سزاؤں کا حکم ہے؟ دراصل قرآن کریم کی اس آیت سے مستنبط ہے کہ:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ (المائدہ5'33) "جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد یعنی بدامنی پھیلاتے پھرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ وہ قتل کیے جائیں یا سولی دیے جائیں یا ان میں سے ہر ایک کا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ دیا جائے یا زمین سے نکال کر جیل خانہ بھیج دیے جائیں اس اعتبار سے بظاہر حدیث میں اَوْ یُنْفٰی فِی الْاَرْضِ سے پہلے یہ عبارت اَوْ تُقَطَّعَ یَدُهٗ وَرِجْلُهٗ مِنْ خِلَافٍ بھی ہونی چاہیے تھی تاکہ یہ حدیث مذکورہ آیت کے پوری مطابق ہو جاتی لیکن یہ قوی احتمال ہے کہ اصل حدیث میں تو یہ عبارت رہی ہو البتہ یہاں حدیث کے راوی کی بھول سے نقل ہونے سے رہ گئی ہو یا راوی نے اختصار کے پیش نظر اس کو قصداً حذف کر دیا ہے۔" حرف او حدیث میں بھی قرآن کی آیت میں بھی اظہار تفصیل کے لیے ہے لیکن بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ تخییر کے لیے ہے یعنی یہ ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ امام وقت اور حاکم کو یہ اختیار ہے کہ وہ مذکورہ تفصیل کا لحاظ کیے بغیر ان سزاؤں میں سے جو سزا مناسب جانے قزاق کو دے۔

کسی مسلمان کو خوف و دہشت میں مبتلا کرنے کی ممانعت

(۱۲) وَعَنِ ابْنِ اَبِیْ لَیْلٰی قَالَ حَدَّثَنَا اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُمْ كَانُوْا یَسِیْرُوْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَنَامَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ فَانْطَلَقَ بَعْضُهُمْ اِلٰی حَبْلٍ مَّعَهٗ فَاَخَذَهٗ فَفَزِعَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یُّرَوِّعَ مُسْلِمًا. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ :حضرت ابن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حدیث بیان کی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات کو چلتے تھے ان میں سے ایک شخص سو گیا ایک آدمی گیا رسی کی طرف جو اس کے پاس تھی اس کو پکڑا پس وہ ڈر گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو ڈرائے۔(روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

اسلام کی عزت کا کفر کی ذلت سے سودا نہ کرو

(۱۳) وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَخَذَ اَرْضًا بِجِزْیَتِهَا فَقَدِ اسْتَقَالَ هِجْرَتَهٗ وَ مَنْ نَزَعَ صَغَارَ كَافِرٍ مِّنْ عُنُقِهٖ فَجَعَلَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ فَقَدْ وَلَّى الْاِسْلَامَ ظَهْرَهٗ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ :حضرت ابو الدرداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا جو شخص جزیہ کی زمین لے اس نے اپنی ہجرت توڑ دی۔

جس نے کافر کی ذلت اس کی گردن سے اتار کر اپنی گردن میں ڈال لی اس نے اسلام کو اپنی پیٹھ کے پیچھے کر ڈالا۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کسی ذمی سے کوئی خراجی جزیہ والی زمین خریدی تو اس مسلمان پر اس زمین کا وہ جزیہ عائد ہوگا جو اس زمین کے پہلے مالک ذمی پر عائد تھا اس طرح گویا وہ مسلمان دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنے کی وجہ سے جن حقوق اور جس شرف و عزت کے دائرہ میں تھا اس سے نکل جائے گا اور ایک کافر کی ذلت یعنی جزیہ کی سختی کو اپنے ہاتھوں اپنے گلے میں ڈالنے والا ہوگا۔ اور جس نے کافر کی ذلت کو اس کی گردن سے نکال کر......الخ حدیث کا یہ جزء دراصل پہلے جزء کا بیان اور اس کی وضاحت ہے کہ جس مسلمان نے ایک کافر کے جزیہ کو اپنے ذمہ لے لیا اس نے گویا اسلام کی عطا کی ہوئی عزت دے کر کفر کی ذلت اور رسوائی مول لے لی اور اس طرح اس نے کفر کو اسلام کا بدل قرار دیا۔ خطابی کہتے ہیں کہ یہاں "جزیہ" سے مراد "خراج" ہے یعنی اگر کوئی مسلمان کسی کافر سے کوئی خراجی زمین خریدے گا تو اس زمین کا خراج ساقط نہیں ہوگا بلکہ اب وہ اس مسلمان پر عائد ہو جائے گا۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا یہی مسلک ہے۔

مسلمان، کافروں میں مخلوط نہ رہیں

(۱۴) وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً اِلٰى خَثْعَمَ فَاعْتَصَمَ نَاسٌ مِنْهُمْ بِالسُّجُوْدِ فَاَسْرَعَ فِيْهِمُ الْقَتْلُ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَلَهُمْ بِنِصْفِ الْعَقْلِ وَ قَالَ اَنَا بَرِيْئٌ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ مُقِيْمٍ بَيْنَ اَظْهُرِ الْمُشْرِكِيْنَ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ؟ قَالَ لَا تَتَرَاآى نَارَاهُمَا. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر خثعم قبیلہ کی طرف بھیجا کچھ لوگوں نے سجدہ کرنے سے پناہ ڈھونڈی ان میں جلدی قتل کیا گیا۔ یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف دیت کا حکم دیا اور فرمایا میں ہر ایسے مسلمان سے بیزار ہوں جو مشرکوں میں رہتا ہے۔ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کس واسطے۔ فرمایا آپس میں دونوں آگ نہ دیکھیں۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مقتولین کے مسلمان ہونے کا علم ہو جانے کے باوجود ان کے ورثاء کی پوری دیت کا حقدار قرار نہیں دیا بلکہ آدھی دیت دیئے جانے کا حکم فرمایا اس کا سبب یہ تھا کہ ان لوگوں نے مشرکین کے درمیان اقامت اختیار کر کے گویا خود اپنے قتل میں معاونت کی جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اظہار بھی فرمایا کہ میں ہر اس مسلمان سے اپنی بیزاری اور براءت کا اظہار کرتا ہوں جو مشرکین اور کفار کے درمیان اقامت پذیر ہو۔ "وہ آپس میں ایک دوسرے کی آگ نہ دیکھ سکیں۔" کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اور کافر ایک دوسرے سے اتنی دور اقامت اختیار کریں کہ اگر دونوں طرف آگ جلائی جائے تو مسلمانوں کی آگ کافر نہ دیکھ سکیں اور کافروں کی آگ مسلمان نہ دیکھ سکیں۔ اس جملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بیزاری کی علت مذکور ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کے درمیان رہنے والے مسلمانوں کے متعلق ظاہر فرمائی ہے۔

بلا تحقیق حال کسی کو قتل نہ کرو

(۱۵) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاِيْمَانُ قَيْدُ الْفَتْكِ لَايَفْتِكُ مُؤْمِنٌ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا ایمان ناگہاں قتل کرنے کو منع کرتا ہے۔ مومن ناگہاں قتل نہیں کرتا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کسی مسلمان کو یہ نہ چاہئے کہ وہ غفلت میں کسی کی جان لے لے اور کسی کو اس کے حال کی تحقیق کے بغیر کہ وہ مسلمان ہے یا کافر قتل کر دے۔ چونکہ ذمی کافر اسلامی حکومت کی طرف سے جان و مال کی حفاظت کے عہد و یقین دہانی کے زیر سایہ ہوتا ہے اس لیے اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اس کو بھی قتل نہ کیا جائے ہاں اگر کوئی مفسد و غدار ہو کہ وہ مسلمانوں کے درپے آزار ہو اور فتنہ و فساد اور بدامنی پھیلاتا ہو تو

اس کی بات دوسری ہے جیسا کہ کعب بن اشرف یہودی یا ابورافع کو ناگہاں قتل کیا گیا' علاوہ ازیں ان دونوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قتل کیا وہ خاص بحکم الٰہی تھا۔ نیز بعض حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان دونوں کا قتل اس ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہے۔

دارالحرب بھاگ جانے والے غلام کو قتل کردینے والا مستوجب مواخذہ نہیں

(۱۶) وَعَنْ جَرِيْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَبَقَ الْعَبْدُ إِلَى الشِّرْكِ فَقَدْ حَلَّ دَمُهُ. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت جریر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا جس وقت غلام مشرکوں کی طرف بھاگ جائے اس کا خون حلال ہوا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: ''اس کا خون حلال ہوگا'' کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایسے غلام کو کوئی قتل کردے تو قاتل سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا اور نہ اس پر کچھ واجب ہوگا بایں سبب کہ اس غلام نے مشرکوں کی محافظت اختیار کی اور دارالاسلام کو ترک کیا۔ اور اگر کوئی غلام نہ صرف یہ کہ دارالحرب بھاگ جائے بلکہ مرتد بھی ہو جائے تو اس کا خون بطریق اولیٰ حلال ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنیوالا ذمی مباح الدم ہے یا نہیں؟

(۱۷) وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّ يَهُوْدِيَّةً كَانَتْ تَشْتِمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ تَقَعُ فِيْهِ فَخَنَقَهَا رَجُلٌ حَتّٰى مَاتَتْ فَأَبْطَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَمَهَا. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا کہ ایک یہودی عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیا کرتی تھی اور عیب و طعن کرتی تھی ایک آدمی نے اس کا گلا گھونٹ دیا۔ یہاں تک کہ وہ مرگئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون باطل کردیا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی ذمی کافر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے لگے وہ اس عہد و ذمہ کو توڑ دیتا ہے جس کی وجہ سے اسلامی حکومت میں اس کو اپنی جان و مال کی حفاظت حاصل تھی' اور وہ مباح الدم حربی وہ کافر جس کا خون مباح ہو اس کی مانند ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک ہے' لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ سے اس ذمی کا عہد و ذمہ نہیں ٹوٹتا چنانچہ یہ مسلک فقہ کی کتابوں میں ''کتاب الجزیہ'' کے آخر میں مذکور ہے اور ہدایہ میں اس کے دلائل بھی لکھے ہوئے ہیں۔

ساحر کو قتل کردیا جائے

(۱۸) وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدُّ السَّاحِرِ ضَرْبَةٌ بِالسَّيْفِ. (رواه الترمذی)

حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جادوگر کی حد تلوار کے ساتھ قتل کرنا ہے۔ (ترمذی)

تشریح: علماء کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ جادو کرنا حرام ہے۔ ویسے جادو کے مسئلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں' حضرت امام شافعیؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ جادوگر کو قتل کردیا جائے بشرطیکہ اس کا جادو موجب کفر ہو اور وہ توبہ نہ کرے۔ حضرت امام مالکؒ اور بعض دوسرے علماء کا قول یہ ہے کہ ساحر کافر ہے' سحر کفر ہے' سحر سیکھنا سکھانا بھی کفر ہے ساحر کو قتل کردیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے خواہ اس نے کسی مسلمان پر سحر کیا ہو یا کسی ذمی پر۔

اور حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اگر ساحر کا یہ عقیدہ ہو کہ کارساز شیطان کی ذات ہے کہ وہ میرے لیے جو چاہتا ہے کرتا ہے تو وہ کافر ہے اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ سحر مجرد خیال ہے تو وہ کافر نہیں ہے بلکہ فاسق ہے اور سحر کا سیکھنا حرام ہے۔ درمختار کے حاشیہ طحطاوی میں یہ لکھا ہے کہ سحر کی تین قسمیں ہیں 1۔فرض 2۔حرام 3۔جائز اگر کوئی شخص اہل حرب کے ساحر کے توڑ کے لیے سحر سیکھے تو وہ فرض ہے' اگر کوئی شخص اس مقصد کے لیے سیکھے کہ اس کے ذریعہ میاں بیوی کے درمیان تفریق کرادے گا تو حرام ہے' اور اگر اس مقصد کے لیے سیکھے کہ اس کے ذریعہ میاں بیوی کے درمیان پیار و محبت پیدا کرے گا تو جائز ہے۔ سحر کے کفر ہونے میں اگرچہ حنبلی علماء کے

اختلافی اقوال ہیں لیکن تنقیح میں ان کی کتابوں کے حوالہ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ ساحر کی توبہ کا اعتبار نہ کیا جائے ساحرا پنے سحر کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان پر سحر کرے اس کو قتل کر دیا جائے۔ سحر کی طرح کہانت نجوم رمل اور علم شعبدہ کا سیکھنا اور سکھانا بھی حرام ہے اور اس کے ذریعہ کمایا ہوا مال بھی حرام ہے۔

الفصل الثالث

(۱۹) عَنْ اُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا رَجُلٍ خَرَجَ يُفَرِّقُ بَيْنَ اُمَّتِيْ فَاضْرِبُوْا عُنُقَهٗ (رواه النسائی)

ترجمہ: حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی میری امت میں تفریق ڈالنے کے لیے نکلے اس کی گردن اڑا دو۔ (روایت کیا اس کو نسائی نے)

تشریح: امام وقت امت کے اتحاد و اجتماعیت کا بنیادی محور ہوتا ہے اس کی اطاعت و فرمانبرداری ہر مسلمان پر اسی لیے لازم ہے کہ اس کی وجہ سے نہ صرف اسلام کی تعلیم اجتماعیت کا تقاضہ پورا ہوتا ہے بلکہ مسلمان ایک جھنڈے کے نیچے متفق و متحد رہ کر اسلام دشمن و مسلم مخالف طاقتوں کے مقابلہ پر ایک مضبوط چٹان بن جاتے ہیں اور اس طرح وہ اسلام کی شان و شوکت کو باقی رکھنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص اس اجتماعی دائرہ سے نکلتا ہے تو وہ صرف ایک برائی کا مرتکب نہیں ہوتا بلکہ پوری امت کے اتفاق و اتحاد کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے اس لیے فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی اعتراض ہو تو اس کے اس شک و شبہ اور اعتراض کو دور کیا جائے لیکن اس کے باوجود وہ اپنی حرکت سے باز نہ آئے اور اصلاح کی کوئی کوشش اس کو سرکشی و بغاوت کی راہ سے واپس نہ لا سکے تو پھر اس کو مار ڈالا جائے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کے ساتھ کیا۔

خوارج کے متعلق پیشین گوئی

(۲۰) وَعَنْ شَرِيْكِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ كُنْتُ اَتَمَنّٰى اَنْ اَلْقٰى رَجُلًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْأَلُهٗ عَنِ الْخَوَارِجِ فَلَقِيْتُ اَبَابَرْزَةَ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ فِيْ نَفَرٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ فَقُلْتُ لَهٗ هَلْ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ الْخَوَارِجَ قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاُذُنِيْ وَرَاَيْتُهٗ بِعَيْنِيْ اُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَالٍ فَقَسَمَهٗ فَاَعْطٰى مَنْ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَ مَنْ عَنْ شِمَالِهٖ وَلَمْ يُعْطِ مَنْ وَرَاءَهٗ شَيْئًا فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ وَّرَائِهٖ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ مَا عَدَلْتَ فِي الْقِسْمَةِ رَجُلٌ اَسْوَدُ مَطْمُوْمُ الشَّعْرِ عَلَيْهِ ثَوْبَانِ اَبْيَضَانِ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَضَبًا شَدِيْدًا وَ قَالَ وَاللّٰهِ لَا تَجِدُوْنَ بَعْدِيْ رَجُلًا هُوَ اَعْدَلُ مِنِّيْ ثُمَّ قَالَ يَخْرُجُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ كَاَنَّ هٰذَا مِنْهُمْ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الْاِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ سِيْمَاهُمُ التَّحْلِيْقُ لَا يَزَالُوْنَ يَخْرُجُوْنَ حَتّٰى يَخْرُجَ اٰخِرُهُمْ مَعَ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ فَاِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيْقَةِ (رواه النسائی)

ترجمہ: حضرت شریک بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں اس بات کی آرزو رکھتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کو ملوں اور اس سے خوارج کے متعلق دریافت کروں۔ عید کے دن میں ابو برزہ کو اس کے چند ساتھیوں کے ساتھ ملا میں نے کہا تو نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خوارج کا ذکر سنا ہے اس نے کہا ہاں میرے دونوں کانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور دونوں آنکھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ مال لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تقسیم کیا اور دائیں جانب کے لوگوں کو دیا اور بائیں جانب والوں کو بھی دیا پیچھے بیٹھنے والوں کو نہ دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سے ایک شخص کھڑا ہوا اس نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو نے تقسیم کرنے میں انصاف سے کام نہیں لیا۔ وہ سیاہ رنگ کا آدمی تھا اس کے بال منڈے ہوئے تھے اس پر دو سفید کپڑے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہو گئے اور فرمایا میرے بعد مجھ سے زیادہ انصاف والا آدمی تم نہ دیکھو گے۔ پھر فرمایا آخر زمانہ میں ایک قوم ظاہر ہوگی گویا یہ شخص انہیں میں سے ہے۔ وہ قرآن پڑھیں گے لیکن ان کی گردنوں کے نرخرہ سے نیچے نہیں جائے گا اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے ان کی علامت سر کا منڈانا ہے وہ ہمیشہ خروج کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ ان کا آخری

دجال کے ساتھ نکلے گا۔ جب تم ان کو طوان کو قتل کردو وہ بدترین آدمیوں اور جانوروں کے ہیں۔ (روایت کیا اس کو نسائی نے)

تشریح: بماذنی: کسی روایت کو یقینی بنانے کیلئے اس طرح الفاظ صحابہ کرام استعمال فرماتے تھے تاکہ سننے والے کو یقین آجائے کہ اس صحابی نے اپنی دیدہ وشنیدہ کو بیان کیا ہے درمیان میں کوئی واسطہ اور حوالہ نہیں ہے۔" رجل اسود " علامہ طیبیؒ اور ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی "هو رجل اسود " راوی نے اس جملہ کا اضافہ کر کے اسی طرف اشارہ کیا کہ جس طرح اس شخص کی ظاہری شکل خبیث تھی اس کا باطن بھی اسی طرح خبیث تھا۔" مطموم الشعر " طم یطم نصر ینصر سے ہے بال کاٹنے کے معنی میں ہے جس طرح یہ شخص بالوں سے صاف آیا تھا اسی طرح عقل وشعور اور ادب سے بھی خالی آیا تھا۔" ثوبان ابیضان " یعنی نفاق کا حامل تھا اوپر سفید لباس تھا اندر سے سیاہ تر تھا گویا یوں تھا" نظافة ظاهرة و كثافة باطنة " یا یوں کہیں بیاض کسوتہ وسواد جثتہ۔" اعدل منی " اعدل اسم تفضیل کے معنی میں نہیں ہے بلکہ نفس فعل عادل کے معنی میں ہے جیسے اھون ھین کے معنی میں ہے۔ الصیف احر من الشتاء میں احر نفس فعل کے معنی میں ہے اسی طرح اعم واخص کے الفاظ عام وخاص کے معنی میں آئے ہیں" سیماھم " علامت کو سیما کہتے ہیں یعنی بیان کی ایسی علامت ہے جو ان کے ساتھ لازم ہے اور بطور التزام انہوں نے اپنا رکھی ہے اگر کوئی شخص اس عقیدہ والتزام کے بغیر سر کے بال منڈاتا ہے تو وہ منع نہیں ہے۔" الخليقة " یا انسان اور جنات کے مقابلے میں جانوروں کو خلیقہ کہا گیا ہے اور یا خلق گذشتہ مخلوق اور خلیقہ آنے والی مخلوق کو کہا گیا ہے تفصیل گزر چکی ہے ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے بزرگوں اور بڑوں کا ادب کرے کیونکہ" الدين كله ادب " ثابت شدہ حقیقت ہے۔ بے ادب کبھی کامیاب نہیں ہوتا بلکہ اکثر و بیشتر ایک بڑے فتنے کا سبب بنتا ہے اور دنیا و آخرت میں محروم ہو جاتا ہے۔

از خدا خواہیم توفیق ادب بے ادب محروم گشت از فضل رب

آج کل نئی نسل جو ہر خیر سے برگشتہ پھر رہی ہے اس کی وجہ بھی یہی بے ادبی ہے اسکولوں اور کالجوں نے ان کو آزاد اور بے حیا و بے ادب بنادیا۔ حضرت احمد علی لاہوری رحمہ اللہ نے اپنے ملفوظات میں فرمایا ہے کہ "انگریز نے ہمارا تخت چھینا ہمارا تاج چھینا ہمارا دین چھینا اور ہمیں اپنے دین پر معترض بنا کر چھوڑا۔"

قیامت کے دن اہل حق کے چہرے منور اور اہل باطل کے چہرے سیاہ ہوں گے

(۲۱) وَعَنْ اَبِیْ غَالِبٍ رَأٰی اَبُوْاُمَامَةَ رُءُ وْسًا مَنْصُوْبَةً عَلٰی دَرَجِ دِمَشْقَ فَقَالَ اَبُوْاُمَامَةَ كِلَابُ النَّارِ شَرُّقَتْلٰی تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَاءِ خَيْرُ قَتْلٰی مَنْ قَتَلُوْهُ ثُمَّ قَرَأَ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ الْاٰيَةَ قِيْلَ لِاَبِيْ اُمَامَةَ اَنْتَ سَمِعْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْلَمْ اَسْمَعْهُ اِلَّا مَرَّةً اَوْمَرَّتَيْنِ اَوْثَلَاثًا حَتّٰی عَدَّسَبْعًا مَا حَدَّثْتُكُمُوْهُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ.

ترجمہ: حضرت ابو غالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اس نے دمشق کے راستہ پر چند سر دیکھے جن کو سولی چڑھایا گیا ہے ابو امامہ نے کہا یہ لوگ دوزخ کے کتے ہیں آسمان کی سطح کے نیچے بدترین مقتول ہیں۔ جس کو یہ لوگ قتل کریں وہ بہترین مقتول ہیں پھر یہ آیت پڑھی اس دن کہ سفید ہوں گے کچھ چہرے اور سیاہ ہوں گے کچھ چہرے۔ ابو غالب رضی اللہ عنہ نے ابو امامہ سے کہا تو نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اس نے کہا اگر میں نے ایک بار یا دو بار یا تین بار یہاں تک کہ سات بار تک شمار کیا سنا ہوتا کبھی تم سے بیان نہ کرتا۔ روایت کیا اس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے جو آیت پڑھی وہ پوری یوں ہے:

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ (ال عمران: 106)

" اس دن کو بہت سے منہ سفید (منور) ہوں گے اور بہت سے منہ کالے ہوں گے پس جن کے منہ کالے ہوں گے ان سے کہا جائے گا کہ تم ایمان لانے کے بعد پھر کافر ہو گئے تھے؟ تو تم نے جو کچھ کفر کیا ہے اس کے بدلے میں عذاب چکھو۔" حدیث میں جن لوگوں کے سروں کا ذکر ہے ان کے بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ وہ مرتد تھے بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ بدعتی تھے جب کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ خوارج تھے۔

کِتَابُ الْحُدُوْدِ

حدود کا بیان

حد کے معنی: حدود حد کی جمع ہے اور حد کے اصل معنی ہیں ممنوع نیز اس چیز کو بھی حد کہا جاتا ہے جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو اصطلاح شریعت میں "حدود" ان سزاؤں کو کہتے ہیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت ہیں اور ساتھ ہی متعین ہیں جیسے چوری زنا شراب نوشی کی سزائیں۔ لفظ حد کے اصل معنی ممنوع یا حائل اگر پیش نظر ہوں تو واضح ہوگا کہ شرعی سزاؤں کو "حدود" اسی لیے کہتے ہیں کہ یہ سزائیں بندوں کو گناہوں میں مبتلا ہونے سے روکتی ہیں اور ان کا خوف انسان اور جرم کے درمیان حائل رہتا ہے۔

"حدود اللہ" محارم کے معنی میں بھی منقول ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تلک حدود الله فلا تقربوها اسی طرح مقادیر شرعی یعنی تین طلاقوں کا مقرر ہونا وغیرہ کے معنی میں بھی منقول ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تلک حدود الله فلا تعتدوها لیکن واضح رہے کہ ان دونوں میں بھی "حدود" کا اطلاق اصل معنی "ممنوع" ہی کے اعتبار سے ہے کہ محارم کی قربت (یعنی ان سے نکاح وخلوت) بھی ممنوع ہے اور مقادیر شرعی سے تجاوز کرنا بھی ممنوع ہے۔

سزا کی تفصیل: شرعی قانون نے "جرم وسزا" کا جو ضابطہ مقرر کیا ہے اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں سزائیں تین طرح کی ہیں۔

1۔ وہ سزائیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے متعین کر دیا ہے مگران کے اجراء کو خود بندوں پر چھوڑ دیا ہے ان میں کسی خارجی طاقت جیسے حاکم یا حکومت کو دخل انداز ہونے کا حکم نہیں ہے شریعت نے اس طرح کی سزا کا نام کفارہ رکھا ہے جیسے قسم کی خلاف ورزی یا رمضان میں بلاعذر شرعی روزہ توڑ دینے کا کفارہ۔

2۔ وہ سزائیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور ساتھ ہی متعین ہیں ان سزاؤں کو جاری کرنے کا اختیار تو حاکم یا حکومت کو ہے مگران میں قانون سازی کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے اس طرح کی سزا کو شریعت میں حد کہتے ہیں جیسے چوری زنا اور شراب نوشی کی سزائیں۔

3۔ وہ سزائیں جنہیں کتاب وسنت نے متعین تو نہیں کیا ہے مگر جن برے کاموں کی یہ سزائیں ہیں ان کو جرائم کی فہرست میں داخل کیا ہے اور سزا کے تعین کا مسئلہ حاکم یا حکومت کے سپرد کر دیا ہے کہ وہ موقع ومحل اور ضرورت کے مطابق سزا خود متعین کریں گویا اس قسم کی سزاؤں میں حکومت کو قانون سازی کا حق بھی حاصل ہے مگر اس دائرہ کے اندر رہ کر جو شریعت نے متعین کر رکھا ہے اس طرح کی سزا شریعت میں "تعزیر" کہلاتی ہے۔

حد اور تعزیر میں فرق:۔ حد اور تعزیر میں بنیادی فرق یہ ہے کہ حد تو شریعت میں "عقوبت" ہے جو اللہ کا حق قرار دی گئی ہے اسی لیے اس کو حق اللہ کہا جاتا ہے۔ بایں وجہ کہ اس میں کوئی بندہ تصرف نہیں کر سکتا' اور تعزیر کو حق اللہ کہا جاتا ہے بایں وجہ کہ بندہ اس میں تصرف کر سکتا ہے یعنی اگر وہ کوئی مصلحت دیکھے تو قابل تعزیر مجرم کو معاف بھی کر سکتا ہے اور موقع ومحل اور جرم کی نوعیت کے اعتبار سے سزا میں کمی زیادتی اور تغیر وتبدل بھی کر سکتا ہے حاصل یہ کہ حد تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین ہے جس میں کوئی تصرف ممکن نہیں اور تعزیر قاضی یا حکومت کے سپرد ہے اسی عدم تقدیر وتحقیق کی بنا پر تعزیر کو حد نہیں کہا جاتا۔ چونکہ "قصاص" بھی بندہ کا حق ہے کہ وہ اپنے اختیار سے مجرم کو معاف کر سکتا ہے اس لیے اس کو بھی "حد" نہیں کہا جاتا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ... بارگاہ نبوت سے زنا کے ایک مقدمہ کا فیصلہ

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَ زَیْدِ بْنِ خَالِدٍ اَنَّ رَجُلَیْنِ اِخْتَصَمَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحَدُهُمَا اقْضِ بَیْنَنَا

بِكِتَابِ اللّٰهِ وَ قَالَ الْاٰخَرُ اَجَلْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَائْذَنْ لِيْ اَنْ اَتَكَلَّمَ قَالَ تَكَلَّمْ قَالَ اِنَّ ابْنِيْ كَانَ عَسِيْفًا عَلٰى هٰذَا فَزَنٰى بِامْرَاَتِهٖ فَاَخْبَرُوْنِيْ اَنَّ عَلٰى ابْنِي الرَّجْمَ فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَبِجَارِيَةٍ لِّيْ ثُمَّ اِنِّيْ سَاَلْتُ اَهْلَ الْعِلْمِ فَاَخْبَرُوْنِيْ اَنَّ عَلٰى ابْنِيْ جَلْدُ مِائَةٍ وَ تَغْرِيْبُ عَامٍ وَ اِنَّمَا الرَّجْمُ عَلٰى امْرَاَتِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا وَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَاَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللّٰهِ اَمَّا غَنَمُكَ وَجَارِيَتُكَ فَرَدٌّ عَلَيْكَ وَ اَمَّا ابْنُكَ فَعَلَيْهِ جَلْدُ مِائَةٍ وَ تَغْرِيْبُ عَامٍ وَ اَمَّا اَنْتَ يَا اُنَيْسُ فَاغْدُ عَلَى امْرَاَةِ هٰذَا فَاِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا (متفق علیه)

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا دو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جھگڑا لائے ایک نے کہا۔ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ فرما دیں۔ دوسرے نے کہا ہاں اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ فرمائیں اور مجھے اجازت دیں کہ میں گفتگو کروں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلام کر اس نے کہا میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدور تھا اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا لوگوں نے مجھ کو بتلایا کہ میرے بیٹے پر رجم ہے میں نے اس کے بدلہ میں سو بکریاں اور ایک لونڈی بطور فدیہ دی۔ پھر میں نے اہل علم سے پوچھا انہوں نے کہا میرے بیٹے کو سو دُرے لگائے جائیں گے اور ایک سال جلاوطن کیا جائے گا اور رجم اس کی عورت پر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خبردار اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان اللہ کی کتاب کے موافق فیصلہ کروں گا۔ تیری بکریاں اور تیری لونڈی تجھ پر لوٹا دی جائے گی اور تیرے بیٹے کو سو دُرے لگائے جائیں گے اور ایک سال جلاوطن کیا جائے گا اے انیس تو اس کی عورت کے پاس جا اگر وہ اعتراف کرے اس کو رجم کر دے۔ اس نے اقرار کر لیا انیس نے اسے سنگسار کر دیا۔ (متفق علیہ)

تشریح: ''کتاب اللہ'' سے مراد قرآن کریم نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم مراد ہے کیونکہ قرآن کریم میں رجم وسنگساری کا حکم مذکور نہیں ہے' لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ کتاب اللہ سے قرآن کریم ہی مراد ہو اس صورت میں کہا جائے گا کہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ آیت رجم کے الفاظ قرآن کریم سے منسوخ التلاوت نہیں ہوئے تھے۔

ایک سال کے لیے جلاوطن کر دیا جائے گا کے بارہ میں حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ ایک سال کی جلاوطنی بھی حد میں داخل ہے یعنی ان کے نزدیک غیر شادی شدہ زنا کار کی حد شرعی سزا یہ ہے کہ اس کو سو کوڑے بھی مارے جائیں اور ایک سال کے لیے جلاوطن بھی کر دیا جائے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ ایک سال کی جلاوطنی کے حکم کو مصلحت پر محمول فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ایک سال کی جلاوطنی حد کے طور پر نہیں ہے بلکہ بطور مصلحت ہے کہ اگر امام وقت اور حکومت کسی سیاسی اور حکومتی مصلحت کے پیش نظر ضروری سمجھے تو ایک سال کیلئے جلاوطن بھی کیا جا سکتا ہے۔ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں یہی حکم نافذ جاری تھا مگر جب یہ آیت کریمہ الزانية والزانی فاجلدو اکل واحد منهما مائة جلدة (یعنی زانی اور زانیہ کو کوڑے مار جائیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارے جائیں) نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

فاعترفت فرجمها چنانچہ اس عورت نے اقرار کیا اور حضرت انیس رضی اللہ عنہ نے اس کو سنگسار کر دیا اس سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حد زنا کے جاری ہونے کے لیے ایک مرتبہ اقرار کرنا کافی ہے جیسا کہ امام ابو شافعیؒ کا مسلک ہے' لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ چار مجلسوں میں چار بار اقرار کرنا ضروری ہے' یہاں حدیث میں جس ''اقرار'' کا ذکر کیا گیا ہے اس سے امام اعظمؒ وہی اقرار یعنی چار مرتبہ مراد لیتے ہیں جو اس سلسلہ میں معتبر و مقرر ہے چنانچہ دوسری احادیث سے یہ صراحتہً ثابت ہے کہ چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے۔

غیر محصن زانی کی سزا

(۲) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُ فِيْمَنْ زَنٰى وَلَمْ يُحْصِنْ جَلْدَ مِائَةٍ وَتَغْرِيْبَ عَامٍ (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم فرما

رہے تھے کہ جو زنا کرے اور شادی شدہ نہ ہو اس کو سو کوڑے لگائے جائیں اور ایک سال جلاوطن کیا جائے۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

تشریح: "محصن" اس عاقل اور بالغ مسلمان کو کہتے ہیں جس کی شادی ہو چکی ہو اور اپنی بیوی سے ہمبستری کر چکا ہو۔ غیر محصن اگر زنا کا مرتکب ہو تو اس کی سزا اس حدیث کے مطابق سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے جلاوطنی کے بارہ میں جو تفصیل ہے وہ پہلے بیان ہو چکی۔ کوڑے مارنے کے سلسلہ میں یہ حکم ہے کہ سر منہ اور ستر پر کوڑے نہ مارے جائیں۔

محصن زانی کی سزا

(۳) وَعَنْ عُمَرَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) بِالْحَقِّ وَ اَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ فَكَانَ مِمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى اٰيَةُ الرَّجْمِ رَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَمْنَا بَعْدَهٗ وَالرَّجْمُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ حَقٌّ عَلٰى مَنْ زَنٰى اِذَا اَحْصَنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ اِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ اَوْ كَانَ الْحَبَلُ اَوِ الْاِعْتِرَافُ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ان پر کتاب نازل کی پس جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب نازل کی اس میں رجم کی آیت بھی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم نے رجم کیا اور رجم اللہ کی کتاب میں ہے اور یہ اس مرد اور عورت پر ثابت ہے جو شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کرے جب یہ بات گواہوں سے ثابت ہو جائے یا حمل ہو جائے یا وہ اقرار کر لے۔ (متفق علیہ)

تشریح: اوپر کی حدیث میں اس زانی کی سزا بیان کی گئی تھی جو غیر محصن ہو۔ اس حدیث میں اس زانی کی سزا بیان کی گئی ہے جو محصن ہو۔ محصن کی وضاحت اوپر کی حدیث کے ضمن میں کی جا چکی ہے چنانچہ جو شخص محصن ہونے کے باوجود زنا کا مرتکب ہو اور اس کا جرم ثابت ہو جائے اس کی سزا رجم یعنی سنگساری ہے کہ اس شخص کو پتھروں سے مار مار کر ہلاک کر دیا جائے۔ جس آیت سے رجم کا حکم ثابت ہے وہ پہلے قرآن کریم میں موجود تھی لیکن بعد میں اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی یعنی اس کے الفاظ قرآن کریم میں موجود تھے لیکن بعد میں اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی یعنی اسکے الفاظ قرآن میں باقی نہیں رکھے گئے لیکن اس کا حکم بحالہ باقی رہا وہ آیت یہ ہے: الشیخ و الشیخة اذا زنیا فار جموهما البتة نکالا من الله و الله عزیز حکیم.

حدیث کے آخر میں زنا کے ثبوت جرم کے لیے تین چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو ضروری قرار دیا گیا ہے یعنی 1۔ گواہ 2۔ حمل 3۔ اقرار ان تینوں میں سے حمل کا تعلق اس عورت سے ہے جو بغیر خاوند والی ہو لیکن اس کا حکم بھی منسوخ ہو گیا ہے گواہوں اور اقرار کا حکم جوں کا توں ہے کہ محصن زانی کو اسی وقت رجم (سنگسار) کیا جائے گا جب کہ اس کا جرم یا تو گواہوں کے ذریعہ ثابت ہو یا وہ خود اپنے جرم کا اعتراف و اقرار کرے۔

شادی شدہ زانی اور زانیہ کو سنگسار کیا جائے

(۴) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذُوْا عَنِّيْ خُذُوْا عَنِّيْ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا اَلْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَ تَغْرِيْبُ عَامٍ وَ الثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ وَ الرَّجْمُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لو مجھ سے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لیے راہ مقرر کر دی ہے اگر کنوارا مرد کنواری عورت سے زنا کرے سو کوڑے لگائے جائیں اور ایک سال جلاوطن کیا جائے اور شادی شدہ مرد شادی شدہ عورت کے ساتھ زنا کرے سو کوڑے مارے جائیں اور سنگسار کیا جائے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: خذوا عنی:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد اس لئے فرمایا کہ اس سے پہلے قرآن کی آیت میں زانی اور زانیہ کی حد مشروع نہیں ہوئی تھی وہ آیت یہ ہے۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْہِدُوْا عَلَیْہِنَّ اَرْبَعَۃً مِّنْکُمْ فَاِنْ شَہِدُوْا فَاَمْسِکُوْہُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰہُنَّ الْمَوْتُ اَوْیَجْعَلَ اللّٰہُ لَہُنَّ سَبِیْلًا (سورۃ نساء ۱۵)

اس آیت کے بعد جب سورۃ نور کی آیتیں اتریں اور اس میں حد زنا کا حکم آ گیا تو آپ نے اعلان فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے سبیل نکالنے کا جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا فرمادیا اب اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے راستہ مقرر فرمادیا کہ غیر شادی شدہ مرد و عورت کیلئے سو کوڑے اور سال بھر کیلئے جلاوطن کرنا ہے اور شادی شدہ کیلئے سو کوڑے اور رجم ہے۔

(۵) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ الْیَہُوْدَ جَاءُ وْا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرُوْا لَہٗ اَنَّ رَجُلًا مِنْہُمْ وَامْرَاَۃً زَنَیَا فَقَالَ لَہُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَاتَجِدُوْنَ فِی التَّوْرَاۃِ فِیْ شَانِ الرَّجْمِ قَالُوْا نَفْضَحُہُمْ وَیُجْلَدُوْنَ قَالَ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ سَلَامٍ کَذَبْتُمْ اِنَّ فِیْہَا الرَّجْمَ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰۃِ فَنَشَرُوْہَا فَوَضَعَ اَحَدُہُمْ یَدَہٗ عَلٰی اٰیَۃِ الرَّجْمِ فَقَرَاَ مَا قَبْلَہَا وَمَابَعْدَہَا فَقَالَ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ سَلَامٍ اِرْفَعْ یَدَکَ فَرَفَعَ فَاِذَا فِیْہَا اٰیَۃُ الرَّجْمِ فَقَالُوْا صَدَقَ یَا مُحَمَّدُ فِیْہَا اٰیَۃُ الرَّجْمِ فَاَمَرَبِہِمَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَرُجِمَا وَ فِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ اِرْفَعْ یَدَکَ فَرَفَعَ فَاِذَا اٰیَۃُ الرَّجْمِ تَلُوْحُ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ اِنَّ فِیْہَا اٰیَۃَ الرَّجْمِ وَ لٰکِنَّا نَتَکَاتَمُہٗ بَیْنَنَا فَاَمَرَبِہِمَا فَرُجِمَا. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ذکر کیا کہ ان میں سے ایک مرد اور عورت نے زنا کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم تورات میں رجم کے متعلق کیا پاتے ہو۔ انہوں نے کہا ہم ان کو ذلیل ورسوا کرتے ہیں اور ان کو کوڑے مارے جائیں گے۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہنے لگے تم جھوٹ بولتے ہو اس میں رجم کا حکم موجود ہے وہ تورات لائے اس کو کھولا ان میں سے ایک شخص نے رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا وہ اس کے ماقبل اور مابعد سے پڑھنے لگا۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا اپنا ہاتھ اٹھا۔ ناگہاں اس میں رجم کی آیت تھی وہ کہنے لگے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس نے سچ کہا اس میں رجم کی آیت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو رجم کرنے کا حکم دیا ان کو رجم کر دیا گیا۔ ایک روایت میں ہے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا اپنا ہاتھ اٹھا اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا ناگہاں رجم کی آیت ظاہر چمک رہی تھی اس نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں رجم کی آیت موجود ہے لیکن ہم اس کو تم سے چھپاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے متعلق رجم کا حکم فرمایا ان کو رجم کیا گیا۔ (متفق علیہ)

تشریح: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ پہلے یہودی تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو راہ ہدایت پر گامزن کیا اور وہ مسلمان ہو گئے۔ ان کا شمار بڑے اونچے درجہ کے علماء یہود میں ہوتا تھا تورات پر عبور رکھتے تھے چنانچہ مجلس نبوی میں جب یہودیوں نے اپنی روایتی تلبیس و تحریف سے کام لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ تورات میں زنا کے مرتکب کو سنگسار کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ ہم نے تورات میں یہ پڑھا ہے کہ جو شخص زنا کا ارتکاب کرے اس کو تعزیر کے ذریعہ ذلیل ورسوا کیا جائے اور کوڑے مارے جائیں تو حضرت عبداللہ ابن اسلام نے اس کی تکذیب کی اور یہ بتایا کہ تم جو بات کہہ رہے ہو وہ سراسر تحریف ہے تورات میں رجم کا حکم موجود ہے اور پھر جب انہوں نے تورات منگائی اس میں مذکور رجم کی آیت دکھانی چاہی تو اس موقع پر بھی یہودیوں نے اپنی عیاری و مکاری دکھانی چاہی اور ان میں سے ایک شخص نے ایک روایت کے مطابق جس کا نام عبداللہ بن صوریا تھا اس جگہ اپنا ہاتھ رکھ دیا جہاں رجم کی آیت مذکور تھی۔ اور اس کے آگے پیچھے کی آیتیں پڑھنے لگا! مگر عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے ان کی اس عیاری کا راز بھی طشت از بام کر دیا۔

اگر یہاں یہ اشکال پیدا ہو کہ رجم (سنگساری) کا سزاوار ہونے کے لیے محصن شادی شدہ ہونا شرط ہے اور محصن ہونے کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے یعنی سنگساری کی سزا اسی زانی کو دی جاسکتی ہے جو محصن ہو اور محصن کا اطلاق اسی شخص پر ہو سکتا ہے جو مسلمان ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودیوں کو جو مسلمان نہیں تھے رجم کا حکم کیوں دیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہود کو رجم کا جو حکم دیا وہ تورات کے حکم کے تحت تھا اور یہودیوں کے مذہب میں رجم

کے سزاوار کے لیے محصن ہونا شرط نہیں تھا' پھر یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بارہ میں پہلے تورات کے حکم پر عمل کرتے تھے مگر جب قرآن میں اس کا حکم نازل ہو گیا تو تورات کا حکم منسوخ ہو گیا۔

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک محصن ہونے کے لیے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے یعنی ان کے مسلک کے مطابق "محصن" کا اطلاق اس شادی شدہ آدمی پر بھی ہو سکتا ہو جو مسلمان نہ ہو نیز حنفیہ میں سے حضرت امام ابو یوسف کا بھی ایک قول یہی ہے۔

ایک اشکال یہ بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محصن یہودیوں کے کہنے پر ان دونوں کو کیسے سنگسار کرا دیا کیونکہ یہودیوں کی گواہی سرے سے معتبر ہی نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کیا ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان یہودیوں کے کہنے پر ہی حکم نافذ کیا ہو بلکہ بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ یا تو خود ان دونوں نے زنا کا اقرار کیا ہوگا یا ان کے زنا کی چار مسلمان نے گواہی دی ہوگی اور اسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو سنگسار کرایا ہوگا۔

زنا کے اقراری مجرم کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ رجم

(٦) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ وَهُوَ فِی الْمَسْجِدِ فَنَادَاهُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ زَنَیْتُ فَاَعْرَضَ عَنْهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَتَنَحّٰی لِشِقِّ وَجْهِهِ الَّذِیْ اَعْرَضَ قِبَلَهٗ فَقَالَ اِنِّیْ زَنَیْتُ فَاَعْرَضَ عَنْهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا شَهِدَ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ دَعَاهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَبِکَ جُنُوْنٌ قَالَ لَا فَقَالَ اَحْصَنْتَ؟ قَالَ نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اذْهَبُوْا بِهٖ فَارْجُمُوْهُ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَاَخْبَرَنِیْ مَنْ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ یَقُوْلُ فَرَجَمْنَاهُ بِالْمَدِیْنَةِ فَلَمَّا اَذْلَقَتْهُ الْحِجَارَةُ هَرَبَ حَتّٰی اَدْرَکْنَاهُ بِالْحَرَّةِ فَرَجَمْنَاهُ حَتّٰی مَاتَ. مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَ فِیْ رِوَایَةٍ لِلْبُخَارِیِّ عَنْ جَابِرٍ بَعْدَ قَوْلِهٖ قَالَ نَعَمْ فَاَمَرَ بِهٖ فَرُجِمَ بِالْمُصَلّٰی فَلَمَّا اَذْلَقَتْهُ الْحِجَارَةُ فَرَّ فَاُدْرِکَ فَرُجِمَ حَتّٰی مَاتَ فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیْرًا وَصَلّٰی عَلَیْهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاس آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تھے اس نے کہا اے اللہ کے رسول میں نے زنا کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کیا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ کی اس جانب کی طرف سے آیا جس سے آپ نے منہ پھیرا تھا اور کہا میں نے زنا کیا ہے جب اس نے چار مرتبہ گواہی دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلایا اور فرمایا کیا تو دیوانہ ہے اس نے کہا نہیں فرمایا تو شادی شدہ ہے اس نے کہا ہاں اے اللہ کے رسول فرمایا اس کو لے جاؤ اور رجم کر دو۔ ابن شہاب نے کہا مجھ کو اس شخص نے خبر دی جس نے جابر بن عبداللہ سے سنا وہ کہتے تھے ہم نے اس کو مدینہ میں رجم کیا جب اس کو پتھر لگے بھاگ نکلا یہاں تک کہ ہم نے حرہ میں اس کو جا کر لیا۔ وہاں ہم نے اس کو رجم کر دیا۔ متفق علیہ بخاری کی ایک روایت میں جابر کی روایت سے اس کے قول ہاں کے بعد مذکور ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق حکم دیا اس کو عیدگاہ میں سنگسار کیا گیا۔ جب اس کو پتھر لگے بھاگ پھر گیا اور اس کو سنگسار کیا گیا۔ یہاں تک کہ مر گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے بھلائی کی بات فرمائی اور اس پر نماز جنازہ پڑھی گئی

تشریح: اربع شهادات: اس جملہ سے احناف اور حنابلہ کا مسلک واضح طور پر ثابت ہوتا ہے جو چار مرتبہ اقرار کو ثبوت زنا کیلئے سمجھتے ہیں شوافع اور مالکیہ ایک مرتبہ اقرار کو کافی سمجھتے ہیں۔

ابک جنون؟ اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی اور حاکم کو پوری تحقیق کرنی چاہیے اور یہ کوشش کرنی چاہیے کہ اعتراف کر بیان بدل دے تا کہ حد ساقط ہو جائے بشرطیکہ اس معاملہ میں شرعی قواعد کا پورا خیال رکھا جائے یہ تحقیق اعتراف کی صورت میں ہے گواہ عدم تہمہ ،وہاں گواہوں پر جرح کا مسئلہ ہے۔

"فلما اذلقته الحجارة" "ازلاق" تیز چیز سے کسی کو زخمی کر کے کمزور کرنے کو کہتے ہیں مطلب یہ کہ جب پتھروں کے پڑنے نے اس کو زخمی کر کے کمزور اور عاجز بنا دیا تو "هرب" وہ بھاگ کھڑا ہوا یہاں مسئلہ یہ ہے کہ اگر مجرم اقراری بھاگ رہا ہے تو اس کا پیچھا نہیں کرنا چاہیے ہوسکتا ہے وہ اپنے اقرار سے رجوع کر رہا ہو اور یہ رجوع آخر وقت تک کارآمد ہے یہی وجہ ہے کہ شریعت نے قصاص میں تلوار مقرر فرمادی کیونکہ وہاں سزا شروع ہوتے ہی حکم کو پایہ تکمیل تک پہنچانا ضروری ہے تو کسی مہلت دینے کا فائدہ نہیں ہے لیکن یہاں چونکہ اقرار زنا ہے تو کسی وقت بھی یہ آدمی انکار زنا کر سکتا ہے اور اس انکار سے حد ساقط ہو جائے گی۔ اسی حکمت کے تحت اسلام نے یہاں سنگساری کا حکم دیا ہے تا کہ آخر وقت تک بچنے کی مہلت موجود ہو یہاں اگر گواہوں کی وجہ سے جرم ثابت ہوا ہو تو پھر انکار کا کوئی فائدہ نہیں وہاں گواہوں کے رجوع سے حد ساقط ہو سکتی ہے اس حدیث میں مرجوم کے بھاگنے سے معلوم ہوا کہ رجم کے دوران مرجوم کا باندھ کر رجم کرنا ضروری نہیں اور نہ کسی گڑھے میں رکھنا ضروری ہے ہاں عورت کو پردہ کی حفاظت کی وجہ سے گڑھے میں کھڑا کر کے رجم کیا جائے گا۔

"فرجم بالمصلی" "مصلی" سے مراد جنازہ گاہ ہے اور یہ بقیع غرقد کے پاس تھا تو اب یہ اعتراض نہیں آئے گا کہ بعض روایات میں بقیع غرقد کے پاس سنگسار کرنے کا ذکر ملتا ہے بعض میں مصلی کا ذکر آیا ہے اور بعض میں "حرہ" کا تذکرہ ہے جو تعارض کی نشاندہی کرتا ہے تو جواب واضح ہے کہ بقیع غرقد کے پاس جنازہ گاہ تھی تو دونوں ایک ہی جگہ ہے اور "حرہ" کا ذکر اس لئے آیا ہے کہ یہ شخص وہاں تک بھاگ کر نکلا تھا تو وہاں بھی رجم کا عمل ہوا تھا۔

اب یہ مسئلہ ہے کہ اگر مصلی سے عیدگاہ مراد ہو تو جب کسی جگہ کو ایک بار مسجد اور عیدگاہ کا حکم دیکر اس میں نمازیں شروع ہو جائیں تو پھر اس کے تقدس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے لہٰذا وہاں رجم کرنا جائز نہیں تا کہ خون سے آلودہ نہ ہو جائے ایک حدیث میں آیا ہے "جنبوا مساجد کم صبیانکم ومجانینکم ورفع اصواتکم وشراکم اقامة حدود کم"

اس لئے علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہاں مصلی سے مراد وہ جگہ ہے جہاں جنازہ کی نماز ہوتی تھی یہ عیدگاہ نہیں تھی اور صرف نماز کی جگہ کو مسجد یا عیدگاہ قرار نہیں دیا جا سکتا نہ اس کی حیثیت مسجد یا عیدگاہ کی ہوتی ہے۔ "وصلی علیه" اس صیغہ میں بہت اختلاف ہے کہ آیا یہ مجہول کا صیغہ ہے یا معروف کا صیغہ ہے آئندہ آنے والی حدیث میں بھی یہ صیغہ اسی طرح آیا ہے اگر یہ صیغہ مجہول کا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگسار شدہ آدمی کی جنازہ میں خود شرکت نہیں فرمائی البتہ صحابہ نے جنازہ کی نماز پڑھی تھی اور اگر یہ صیغہ معروف و معلوم کا ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنگسار شدہ آدمی کے جنازہ میں شریک ہو گئے تھے۔

راجح یہ ہے کہ یہ صیغہ معلوم کا ہے اور جمہور کی رائے بھی یہی ہے مسلم شریف کی کئی روایات میں یہ صیغہ معروف اور معلوم منقول ہے اب اس فقہاء کا اختلاف ہے کہ سنگسار شدہ آدمی کا جنازہ پڑھا جائے یا نہیں تو امام مالکؒ کے ہاں مرجوم کی نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے امام احمد بن حنبل ماتے ہیں کہ عام مسلمان پڑھ لیں مگر وقت کا بادشاہ یا قاضی یا مشہور اہل فضل و کمال علماء اس میں شرکت نہ کریں۔ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے یک ہر مسلمان کلمہ گو کا جنازہ پڑھا جائے گا خواہ وہ مرجوم ہو یا فاسق ہو یا قاتل نفس وغیرہ ہو امام احمد کا ایک قول اسی طرح ہے۔ احادیث کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ بعض روایات میں آنحضرت سے جنازہ پڑھنے کی نفی معلوم ہوتی ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جنازہ پڑھا میں تطبیق اس طرح ہے کہ آپ نے جنازہ تو پڑھا ہے لیکن بطور زجر تاخیر بھی فرمائی ہے جس سے نہ پڑھنا معلوم ہو گیا تھا۔

جب تک زانی کے بارہ میں پوری تحقیق نہ کرلو اس کی سزا کا فیصلہ نہ کرو

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا اَتَى مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ لَعَلَّكَ قَبَّلْتَ اَوْغَمَزْتَ اَوْ نَظَرْتَ قَالَ لَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَنِكْتَهَا لَا يَكْنِيْ قَالَ نَعَمْ فَعِنْدَ ذٰلِكَ اَمَرَ بِرَجْمِهٖ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا جب ماعز بن مالک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے اس کے بعد فرمایا شاید کہ تو نے بوسہ لیا ہو یا ہاتھ لگایا ہو یا دیکھا ہو اس نے کہا نہیں اے اللہ کے رسول فرمایا کیا تو نے جماع کیا ہے اس سے کنایہ نہیں کرتے تھے اس نے کہا ہاں اس وقت آپ نے اس کو رجم کرنے کا حکم فرمایا۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

اقامت حد گناہ کو ساقط کر دیتی ہے

(٨) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ جَاءَ مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ طَهِّرْنِيْ فَقَالَ وَيْحَكَ اِرْجِعْ فَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ وَ تُبْ اِلَيْهِ قَالَ فَرَجَعَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ طَهِّرْنِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذٰلِكَ حَتّٰى اِذَا كَانَتِ الرَّابِعَةُ قَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَ اُطَهِّرُكَ قَالَ مِنَ الزِّنَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبِهٖ جُنُوْنٌ فَاُخْبِرَ اَنَّهٗ لَيْسَ بِمَجْنُوْنٍ فَقَالَ اَشَرِبَ خَمْرًا فَقَامَ رَجُلٌ فَاسْتَنْكَهَهٗ فَلَمْ يَجِدْ مِنْهُ رِيْحَ خَمْرٍ فَقَالَ اَزَنَيْتَ قَالَ نَعَمْ فَاَمَرَ بِهٖ فَرُجِمَ فَلَبِثُوْا يَوْمَيْنِ اَوْ ثَلَاثَةً ثُمَّ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اسْتَغْفِرُوْا لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ اُمَّةٍ لَوَسِعَتْهُمْ ثُمَّ جَاءَتْهُ امْرَاَةٌ مِنْ غَامِدٍ مِنَ الْاَزْدِ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ طَهِّرْنِيْ فَقَالَ وَيْحَكِ ارْجِعِيْ فَاسْتَغْفِرِي اللّٰهَ وَ تُوْبِيْ اِلَيْهِ فَقَالَتْ تُرِيْدُ اَنْ تُرَدِّدَنِيْ كَمَا رَدَّدْتَ مَاعِزَ بْنَ مَالِكٍ اِنَّهَا حُبْلٰى مِنَ الزِّنٰى فَقَالَ اَنْتِ؟ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ لَهَا حَتّٰى تَضَعِيْ مَا فِيْ بَطْنِكِ قَالَ فَكَفَلَهَا رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ حَتّٰى وَضَعَتْ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ قَدْ وَضَعَتِ الْغَامِدِيَّةُ فَقَالَ اِذًا لَا نَرْجُمُهَا وَنَدَعُ وَلَدَهَا صَغِيْرًا لَيْسَ لَهٗ مَنْ يُرْضِعُهٗ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ اِلَيَّ رَضَاعُهٗ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ قَالَ فَرَجَمَهَا وَ فِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ قَالَ لَهَا اذْهَبِيْ حَتّٰى تَلِدِيْ فَلَمَّا وَلَدَتْ قَالَ اذْهَبِيْ فَاَرْضِعِيْهِ حَتّٰى تَفْطِمِيْهِ فَلَمَّا فَطَمَتْهُ اَتَتْهُ بِالصَّبِيِّ وَ فِيْ يَدِهٖ كِسْرَةُ خُبْزٍ فَقَالَتْ هٰذَا يَا نَبِيَّ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) قَدْ فَطَمْتُهٗ وَ قَدْ اَكَلَ الطَّعَامَ فَدَفَعَ الصَّبِيَّ اِلٰى رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ثُمَّ اَمَرَ بِهَا فَحُفِرَ لَهَا اِلٰى صَدْرِهَا وَاَمَرَ النَّاسَ فَرَجَمُوْهَا فَيُقْبِلُ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ بِحَجَرٍ فَرَمٰى رَاْسَهَا فَتَنَضَّحَ الدَّمُ عَلٰى وَجْهِ خَالِدٍ فَسَبَّهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْلًا يَا خَالِدُ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَغُفِرَ لَهٗ ثُمَّ اَمَرَ بِهَا فَصَلّٰى عَلَيْهَا وَ دُفِنَتْ۔ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ماعز بن مالک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس نے کہا اے اللہ کے رسول مجھے پاک کریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے لیے افسوس ہو واپس لوٹ جا اللہ سے استغفار کر اور اس کی طرف توبہ کر راوی نے کہا وہ لوٹا تھوڑی دور جا کر پھر واپس آیا پس کہا اے اللہ کے رسول مجھ کو پاک کر دیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھ کو کس چیز سے پاک کروں اس نے کہا زنا سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا یہ دیوانہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا گیا کہ دیوانہ نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اس نے شراب پی ہے ایک آدمی کھڑا ہوا اس کے منہ سے بو سونگھی اس سے شراب کی بو نہ پائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو نے زنا کیا ہے اس نے کہا ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اس کو رجم کیا گیا۔ دو یا تین دن صحابہ ٹھہرے رہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور فرمایا ماعز بن مالک کے لیے استغفار کرو اس نے ایسی توبہ کی ہے اگر وہ ایک امت پر تقسیم کر دی جائے ان کو کفایت کرے۔ پھر ایک عورت آئی جو غامد قبیلہ کے ازد قبیلہ سے تعلق رکھتی اس نے کہا اے اللہ کے رسول مجھ کو پاک کریں آپ نے فرمایا تیرے لیے افسوس ہو واپس لوٹ جا اور اللہ سے استغفار کر اور اس کی طرف توبہ کر۔ وہ کہنے لگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہیں کہ مجھ کو پھیر دیں جس طرح ماعز بن مالک کو پھیرا تھا وہ زنا سے حاملہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس نے کہا ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا یہاں تک کہ تو اپنے پیٹ کے بچے کو جن لے۔ ایک انصاری آدمی نے اس کی خبر گیری کا ذمہ لے لیا۔ یہاں تک کہ اس

نے جنا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا غامدیہ نے بچہ جنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت ہم اس کو رجم نہیں کریں گے اور اس کے بچے کو چھوٹا چھوڑ دیں اس کو کوئی دودھ پلانے والا نہیں ہوگا ایک انصاری شخص کہنے لگا اس کے دودھ پلانے کا میں ذمہ دار ہوں اے اللہ کے نبی راوی نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنگسار کیا۔ ایک روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا جا۔ جب بچہ پیدا ہوگا پھر آنا۔ جب اس نے بچہ جنا فرمایا جا۔ اس کو دودھ پلا۔ یہاں تک کہ تو دودھ چھڑائے۔ جب اس نے دودھ چھوڑایا بچے کو لائی اس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا۔ کہنے لگی اے اللہ کے رسول میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا ہے اور یہ کھانا کھا لیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ ایک مسلمان شخص کے سپرد کر دیا پھر اس کے متعلق حکم دیا۔ اس کے سینہ تک گڑھا کھودا گیا لوگوں کو حکم دیا انہوں نے اس کو رجم کیا۔ خالد بن ولید ایک پتھر لائے اور اس کے سر پر دے مارا۔ خون خالد کے منہ پر پڑا۔ اس نے اس کو برا کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے خالد ٹھہر اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس نے ایسی توبہ کی ہے اگر محصول والا بھی ایسی توبہ کرے اس کو بخش دیا جائے پھر آپ نے اس کے متعلق حکم دیا اس پر نماز جنازہ پڑھی گئی اور اس کو دفن کیا گیا۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: طهرنی: یعنی مجھ پر شرعی حد قائم کر کے مجھے گناہ سے پاک کیجئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا مقام کتنا بلند تھا کہ ایک گناہ کے ارتکاب کے بعد اس قدر بے چینی ہے کہ ایک گھڑی چین نہیں آرہا ہے اور از خود حد لگوانے کی درخواست کر رہے ہیں یہی فرق ہے عام امت اور صحابہ کرام کے افراد میں وہاں ہزاروں منتوں سے اپنے اوپر سزا کے جاری کرنے کی کوشش ہو رہی ہے اور یہاں ہزاروں منتوں سے گناہ چھپانے اور سزا دبانے کی کوشش ہوتی ہے وہاں تکمیل شریعت کیلئے بطور نمونہ اپنے آپ کو پیش کیا جا رہا ہے اور یہاں تعطیل شریعت کیلئے راہ فرار اختیار کی جا رہی ہے۔

طهرنی کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ حدود مطہرات ہیں اور یہی مسلک جمہور فقہاء کا ہے احناف کے نزدیک حدود زواجرات ہیں ہاں جب توبہ ساتھ ہو تو پھر مطہرات ہیں تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ فاستنکهه: یعنی اس کے منہ کی بدبو سونگھ لی کہ شراب کی بدبو تو نہیں آرہی کہ مستی میں یہ بات کر رہا ہو" امرأة من غامد " غامد یمن میں ایک قبیلہ کا نام ہے اسی وجہ سے اس عورت کو غامدیہ بھی کہتے ہیں اس کا بڑا قبیلہ ازد ہے تو اس عورت کی نسبت اس قبیلہ کی وجہ ازدیہ بھی صحیح ہے اور امرأة من جهينه کے الفاظ جہاں آئے ہیں وہ بھی صحیح ہیں۔

" يارسول الله طهرني " یہاں بھی اسی بے چینی کا اظہار ہے جو حضرت ماعزؓ کے واقعہ میں ہے بلکہ یہاں تو حد لگوانے اور ایثار وقربانی اور انقیاد و اطاعت اور آخرت کے عذاب سے بچاؤ کے عجیب واقعات اور عجیب عبرتیں ہیں سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ٹال دیا کہ اب تم حاملہ ہو اور حمل کی حالت میں بے گناہ بچہ مارا جائے گا لہٰذا اب تم جاؤ اور بچہ کی ولادت کے بعد آجاؤ یہ خاتون ولادت کے بعد فوراً آئی اور حد لگوانے کا مطالبہ کیا نہ انکار ہے نہ فرار ہے بلکہ اطاعت اور اقرار ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ٹال دیا کہ بچہ کو دودھ کون پلائے گا جاؤ اس کو دودھ پلاؤ اور جب روٹی کھائے پھر آؤ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال تھا کہ ہوسکتا ہے اس طویل عرصہ میں یہ عورت اپنے اقرار سے باز آجائے لیکن اس نے سزا ٹالنے کی کوشش نہیں کی بلکہ دودھ پلانے کے ساتھ ساتھ روٹی بھی کھلاتی رہی اور چھ ماہ میں دودھ چھڑا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس حال میں بچے کو لے کر آئی کہ اس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا جو کھا رہا تھا (سبحان اللہ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنے خیمے جنت میں گاڑ لئے تھے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس بچے کی پرورش کون کرے گا ایک صحابی نے فرمایا میں کروں گا تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کرنے کا حکم فرما دیا۔

" فتنضح الدم " یعنی پتھر مارنے سے سر سے فوارہ کی طرح خون چھلک اٹھا اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر لگا آپ نے گالی دی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خالد گالی نہ دو "صاحب مكس " اس سے مراد ناجائز ٹیکس وصول کرنے والا آدمی ہے نیز پٹواری بھی اس میں داخل ہے۔ علامہ نووی نے لکھا ہے کہ اس جملہ سے معلوم ہوا کہ ٹیکس وصول کرنے والا سب سے بڑا گناہ گار ہے اور اس کا گناہ سب سے بڑا گناہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شخص بہت زیادہ ظلم کرتا ہے ظالما لوگوں سے زبردستی مال چھینتا ہے اور بار بار یہ کام کرتا ہے اور پھر اس کو بے جا مصرفوں میں صرف کرتا ہے جس کا نہ شریعت اجازت دیتی ہے اور نہ عرف اجازت دیتا ہے بس اس کی آنکھوں سے آخرت غائب ہے اور دنیا پر نظر ہے اور اسی میں خطر ہے۔

بدکار لونڈی کی سزا

(۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا زَنَتْ اَمَةُ اَحَدِکُمْ فَتَبَیَّنَ زِنَاهَا فَلْیَجْلِدْهَا الْحَدَّ وَلَا یُثَرِّبْ عَلَیْهَا ثُمَّ اِنْ زَنَتْ فَلْیَجْلِدْهَا الْحَدَّ وَلَا یُثَرِّبْ ثُمَّ اِنْ زَنَتِ الثَّالِثَةَ فَتَبَیَّنَ زِنَاهَا فَلْیَبِعْهَا وَلَوْ بِحَبْلٍ مِّنْ شَعَرٍ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے جس وقت تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کرے اس کا زنا ظاہر ہو اس کو حد مارے اور اس کو عار نہ دلائے پھر اگر زنا کرے اس کو حد لگائے اور عار نہ دلائے۔ پھر اگر تیسری بار زنا کرے اس کا زنا ظاہر ہو جائے بس چاہیے کہ اس کو بیچ ڈالے اگرچہ بالوں کی رسی کے بدلہ میں بیچے۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ فلیجلدھا: تجلید کوڑے مارنے کے معنی میں ہے یہ بات پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ غلام اور باندی کیلئے رجم نہیں ہے کیونکہ یہ محصن نہیں ہیں کیونکہ احصان کی ایک شرط یہ ہے کہ آدمی آزاد ہو اور غلام آزاد نہیں اس لئے غلام اور لونڈی کی حد زنا ہر حال میں کوڑے ہیں سنگسار کرنا نہیں ہے نیز کوڑوں کی حد بھی احرار کی نسبت نصف ہے یعنی سو کوڑوں کی بجائے پچاس کوڑے ہیں جمہور فقہاء اور سلف صالحین کا یہی مسلک ہے خواہ غلام شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو غلام میں بکر اور ثیب کا فرق نہیں ہے۔

مریض پر حد جاری کرنے کا مسئلہ

(۱۰) وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اَقِیْمُوْا عَلٰی اَرِقَّائِکُمُ الْحَدَّ مَنْ اُحْصِنَ مِنْهُمْ وَمَنْ لَّمْ یُحْصَنْ فَاِنَّ اَمَةً لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ زَنَتْ فَاَمَرَنِیْ اَنْ اَجْلِدَهَا فَاِذَا هِیَ حَدِیْثُ عَهْدٍ بِنِفَاسٍ فَخَشِیْتُ اِنْ اَنَا جَلَدْتُّهَا اَنْ اَقْتُلَهَا فَذَکَرْتُ ذٰلِکَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحْسَنْتَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَایَةِ اَبِیْ دَاوٗدَ قَالَ دَعْهَا حَتّٰی یَنْقَطِعَ دَمُهَا ثُمَّ اَقِمْ عَلَیْهَا الْحَدَّ وَاَقِیْمُوا الْحُدُوْدَ عَلٰی مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اے لوگو اپنے غلاموں پر حد جاری کرو ان میں جو شادی شدہ ہو اور جو شادی شدہ نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک لونڈی نے زنا کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اس پر حد لگانے کا حکم دیا نا گہاں اس کا بچہ جننے کا وقت قریب تھا۔ میں ڈرا اگر میں نے اس کو کوڑے مارے تو وہ مر جائے گی۔ میں نے یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے اچھا کیا ہے روایت کیا اس کو مسلم نے ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو چھوڑ یہاں تک کہ اس کا خون بند ہو جائے۔ پھر اس پر حد قائم کر اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں پر حد قائم کرو۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حد کی سزا اور عورت اگر نفاس کی حالت میں ہو تو اس پر اس وقت تک حد جاری نہ کی جائے جب تک کہ وہ نفاس سے فارغ نہ ہو جائے کیونکہ نفاس ایک طرح کا مرض ہے اور مریض کو اس کا اچھا ہونے تک مہلت دینی چاہیے۔

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مریض زنا کا مرتکب ہو اور اس کے محصن شادی شدہ ہونے کی وجہ سے اس کو رجم سنگساری کی سزا اور گردانا جا چکا ہو تو اس کو اسی مرض کی حالت میں رجم کیا جائے اور اگر اس کے غیر محصن غیر شادی شدہ ہونے کی وجہ سے اس کو کوڑے مارے جانے کا سزاوار گردانا گیا ہو تو پھر اس کو اس وقت تک کوڑے نہ مارے جائیں جب تک کہ وہ اچھا نہ ہو جائے ہاں اگر وہ کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جس سے بچنے کی امید نہ کی جاتی ہو جیسے دق وسل وغیرہ یا وہ ناقص وضعیف الخلقت ہو تو اس صورت میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ سزا پوری کرنے کے لیے اس کو کھجور کی کسی ایسی بڑی شاخ سے مارا جائے جس میں چھوٹی چھوٹی سوٹھیاں ہوں اور وہ شاخ اس کو ایک دفعہ اس طرح ماری جائے کہ اس کی ایک ایک ٹہنی اس کے بدن پر لگ جائے اسی لیے کہا گیا ہے کہ اس مقصد کے لئے پھیلی ہوئی شاخ استعمال کرنا ضروری ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ تلف کے خوف سے کوڑے مارنے کی حد نہ تو شدید گرمی میں جاری کی جائے اور نہ سخت جاڑے میں بلکہ اس کے لیے معتدل موسم کا انتظار کیا جائے۔

الفصل الثاني... اگر زنا کا اقراری مجرم اپنے اقرار سے رجوع کرلے تو حد ساقط ہو جائے گی یا نہیں؟

(۱۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ جَاءَ مَاعِزٌ الْاَسْلَمِیُّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّهٗ قَدْزَنٰی فَاَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَ مِنْ شِقِّهِ الْاٰخَرِ فَقَالَ اِنَّهٗ قَدْزَنٰی فَاَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَ مِنْ شِقِّهِ الْاٰخَرِ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ قَدْزَنٰی فَاَمَرَبِهٖ فِی الرَّابِعَةِ فَاُخْرِجَ اِلَی الْحَرَّةِ فَرُجِمَ بِالْحِجَارَةِ فَلَمَّا وَجَدَ مَسَّ الْحِجَارَةِ فَرَّیَشْتَدُّ حَتّٰی مَرَّبِرَجُلٍ مَعَهٗ لَحْیُ جَمَلٍ فَضَرَبَهٗ وَ ضَرَبَهُ النَّاسُ حَتّٰی مَاتَ فَذَکَرُوْا ذٰلِکَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ فَرَّحِیْنَ وَ جَدَ مَسَّ الْحِجَارَةِ وَمَسَّ الْمَوْتِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هَلَّا تَرَکْتُمُوْهُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ فِیْ رِوَایَةٍ هَلَّا تَرَکْتُمُوْهُ لَعَلَّهٗ اَنْ یَّتُوْبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ماعز اسلمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا اس نے زنا کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض کرلیا پھر دوسری جانب سے آیا اور کہا اس نے زنا کیا ہے آپ نے اس سے اعراض کرلیا۔ پھر اور طرف سے آیا اور کہا اے اللہ کے رسول اس نے زنا کیا ہے۔ چوتھی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا اس کو حرہ کی طرف نکالا گیا اور پتھروں کے ساتھ مارا گیا۔ جب اس نے پتھر لگنے کی ایذا پائی تیز دوڑا یہاں تک کہ ایک آدمی کے پاس سے گذرا اس کے پاس اونٹ کا کلا تھا اس نے کلے کے ساتھ مارا اور لوگوں نے بھی اس کو مارا یہاں تک کہ وہ مر گیا انہوں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کی کہ جب اس نے پتھروں اور موت کی ایذا محسوس کی وہ بھاگ نکلا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اسے کیوں نہ چھوڑ دیا۔ روایت کیا اس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے ایک روایت میں ہے تم نے اس کو کیوں نہ چھوڑ دیا شاید کہ وہ توبہ کرتا اور اللہ اس کی توبہ قبول کرتا۔

تشریح: یتوب اللہ علیہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ تو اپنے اس برے فعل سے رجوع کرتا (یعنی ندامت وشرمساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنے اس گناہ کی معافی چاہتا اور اللہ تعالیٰ قبولیت توبہ کے ساتھ اس پر رجوع کرتا یعنی بنظر رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتا اور اس کے گناہ کو معاف کردیتا)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص پہلے اپنے ارتکاب زنا کا خود اقرار کرے۔ اور پھر بعد میں یہ کہے کہ میں نے زنا کا ارتکاب نہیں کیا ہے یا میں نے جھوٹ بولا ہے یا میں اب اپنے اقرار سے رجوع کرتا ہوں تو اس صورت میں اس سے حد ساقط ہو جائے گی اسی طرح اگر وہ حد قائم ہونے کے درمیان اپنے اقرار سے رجوع کرے تو حد کا جو حصہ باقی رہ گیا ہے وہ ساقط ہو جائے گا جب کہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس سے حد ساقط نہیں ہوگی۔

ماعز رضی اللہ عنہ کا اعتراف جرم

(۱۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِمَاعِزِ بْنِ مَالِکٍ اَحَقٌّ مَابَلَغَنِیْ عَنْکَ قَالَ وَ مَابَلَغَکَ عَنِّیْ قَالَ بَلَغَنِیْ اَنَّکَ قَدْوَقَعْتَ عَلٰی جَارِیَةِ اٰلِ فُلَانٍ قَالَ نَعَمْ فَشَهِدَ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ فَاَمَرَبِهٖ فَرُجِمَ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز بن مالک سے فرمایا مجھے تمہارے متعلق جو بات پہنچی ہے کیا وہ سچی ہے اس نے کہا آپ کو کیا بات پہنچی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تو نے فلاں کی لونڈی سے زنا کیا ہے اس نے کہا ہاں چار مرتبہ اس نے اقرار کیا آپ نے اس کے رجم کا حکم دیا اس کو سنگسار کیا گیا۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: اس حدیث کے بارے میں صاحب مصابیح پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو پہلی فصل کی بجائے یہاں دوسری فصل میں کیوں نقل کیا؟

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ماعز رضی اللہ عنہ کے ارتکاب زنا کا علم تھا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعتراف جرم کرایا جب کہ دوسری احادیث سے اس کے برخلاف ثابت ہوتا ہے؟ گویا اس اعتبار سے ان احادیث میں باہم تضاد نظر آتا ہے لہٰذا ان کے درمیان وجہ تطبیق یہ ہوگی کہ دراصل اس حدیث میں اختصار کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور پورا واقعہ نقل کیے بغیر صرف رجم کا ذکر کیا گیا ہے جب کہ دوسری احادیث میں واقعہ کو پوری تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا چنانچہ یہ اغلب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ماعز رضی اللہ عنہ کے ارتکاب زنا کا علم پہلے سے ہوگا پھر بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ماعز رضی اللہ عنہ سے اس کا اقرار کرایا اور صورت وہ اختیار کی جو دوسری احادیث میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے کہ جب ماعز رضی اللہ عنہ کا اپنے ارتکاب زنا کا اقرار کرنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیتے تھے اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب گویا چار مجلسوں میں چار مرتبہ اقرار کرالیا تب سنگساری کا حکم صادر فرمایا' اس اعتبار سے ان احادیث میں باہم کوئی تضاد نہیں رہا۔

دوسروں کے عیوب کی پردہ پوشی کرو

(۱۳) وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ نُعَيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ مَاعِزًا اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَقَرَّ عِنْدَهٗ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ فَاَمَرَ بِرَجْمِهٖ وَ قَالَ لِهَزَّالٍ لَوْ سَتَرْتَهٗ بِثَوْبِكَ كَانَ خَيْرًا لَّكَ قَالَ ابْنُ الْمُنْكَدِرِ اَنَّ هَزَّالًا اَمَرَ مَاعِزًا اَنْ يَّاْتِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُخْبِرَهٗ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت یزید بن نعیم رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ماعز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور چار مرتبہ اقرار کیا آپ نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزال سے فرمایا اگر تو ماعز پر پردہ ڈالتا تیرے لیے بہتر تھا۔ ابن منکدر کہتے ہیں کہ ہزال نے ماعز سے کہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر دے۔ (ابوداؤد)

تشریح: ہزال رضی اللہ عنہ کی ایک لونڈی تھی جس کا نام فاطمہ تھا اس کو انہوں نے آزاد کر دیا تھا اسی فاطمہ سے ماعز رضی اللہ عنہ نے زنا کا ارتکاب کیا اور جب ہزال رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہو گیا تو انہوں نے ماعز رضی اللہ عنہ کو آمادہ کیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر واقعہ کی اطلاع دے اور اپنے جرم کا اعتراف کر لے اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ نے ہزال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر تم اس کے گناہ کا افشاء نہ کرتے بلکہ اس پر پردہ ڈال دیتے تو یہ تمہارے لیے بہتر ہوتا کہ اس کے سبب اللہ تعالیٰ تمہیں خیر و بھلائی سے نوازتا اور تمہارے گناہوں کی پردہ پوشی کرتا۔

کسی حاکم کو حد معاف کرنے کا اختیار حاصل نہیں

(۱۴) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَعَافَوُا الْحُدُوْدَ فِيْمَا بَيْنَكُمْ فَمَا بَلَغَنِيْ مِنْ حَدٍّ فَقَدْ وَجَبَ. (رواہ ابوداؤد والنسائی)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم آپس میں حدود معاف کر دو۔ مجھ تک جس حد کی اطلاع پہنچ جائے وہ واجب ہوگی۔ (ابوداؤد' نسائی)

تشریح: تعافوا الحدود: یہ خطاب حقیقت میں عوام کو ہے کہ جب تم آپس میں کسی کو کسی جرم کا مرتکب پاؤ تو آپس میں رفع دفع کر کے فیصلہ کیا کرو ہم تک بات نہ پہنچاؤ کیونکہ حد جب محکمہ عدالت میں پہنچ جاتی ہے تو اس کے رفع دفع کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے اس حدیث میں معاف کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے یہ بطور وجوب نہیں بلکہ بطور استحباب ہے۔

عزت داروں کی لغزشوں سے درگذر کرنا چاہیے

(۱۵) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَقِيْلُوْا ذَوِي الْهَيْئَاتِ عَثَرَاتِهِمْ اِلَّا الْحُدُوْدَ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عزت والوں کی خطائیں معاف کر دو (مگر حدیں معاف نہیں کی جاسکتیں۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر ان سے بھول چوک میں کوئی گناہ سرزد ہو جائے اور ناگہانی طور پر کسی لغزش میں مبتلا ہو جائیں تو ان کو معاف کر دیا جائے سزا و عقوبت میں مبتلا کر کے ظاہری طور پر ان کو ذلیل و رسوا مت کرو خواہ ان کی اس لغزش و گناہ کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے ہاں اگر ان سے کوئی ایسا جرم صادر ہو جس کی وجہ سے ان پر حد جاری کرنا واجب ہوتا ہو تو اس جرم کو معاف کرنے کی اجازت نہیں ہے خواہ اس جرم کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے۔ گویا اس حکم کے مخاطب دوسرے لوگ بھی ہیں نیز یہ حکم بھی استحباب کے طور پر ہے۔

شبہ کا فائدہ ملزم کو ملنا چاہیے

(۱۶) وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِدْرَءُوا الْحُدُوْدَ عَنِ الْمُسْلِمِيْنَ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَاِنْ كَانَ لَهٗ مَخْرَجٌ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهٗ فَاِنَّ الْاِمَامَ اَنْ يُّخْطِئَ فِي الْعَفْوِ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ يُّخْطِئَ فِي الْعُقُوْبَةِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ قَدْ رُوِيَ عَنْهَا وَ لَمْ يَرْفَعْ وَهُوَ اَصَحُّ

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس قدر ہو سکے مسلمانوں سے حدوں کو دفع کرو اگر اس کی خلاصی ہو سکتی ہو اس کی راہ چھوڑ دو اس لیے کہ امام معاف کر دینے میں غلطی کرے اس سے بہتر ہے کہ سزا دینے میں غلطی کرے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور اس نے کہا یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے لیکن مرفوع نہیں ہے یہی بات زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: ادرء وا الحدود: اس خطاب کا تعلق بھی قاضیوں اور حکام کے ساتھ ہے اگر اس حدیث کو اس سے قبل حدیث کی تفصیل قرار دیا جائے تو بے جانہ ہوگا یہاں اس حدیث میں حکام کو فیصلہ سنانے میں ایک ہدایت کی گئی ہے اور ان کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اپنے جذبات واحساسات کا رخ ایسا رکھو کہ کسی ملزم کے ساتھ تمہارا ذاتی عناد پیدا نہ ہو اور ذاتی عناد کی وجہ بنیاد پر تم کوئی فیصلہ نہ سنا دو گویا اصلاح کو مدنظر رکھتے ہوئے قاضی اور حاکم کو طبیب اور معالج کی طرح شفیق اور مہربان بنانے کی تعلیم دی گئی ہے۔ لہٰذا جب تک ممکن ہو سکے قاضی کو حد نافذ کرنے سے اس ملزم کو بچانا چاہیے اور کسی بھی شبہ کی اگر گنجائش نکل آتی ہو وہ نکال کر ملزم کو اس سے فائدہ پہنچانا چاہیے۔ کھود کرید کے ساتھ ملزم سے سوالات کئے جائیں۔ تاکہ اس کے بیان میں فرق آجائے اور حد سے بچ جائے کیونکہ حد لگنے سے ایک شریف آدمی کی ایسی رسوائی ہو جائے گی کہ وہ زندگی گزارنے کے قابل نہیں رہے گا۔

اسی پس منظر کو حدیث کے آخری جملوں میں پیش کیا گیا ہے کہ اگر قاضی کھود کرید کر غلطی کر کے حد کی سزا سنا دے اس سے بہتر یہ ہے کہ تحقیق کر کے حد کو ساقط کرنے میں غلطی کرے کیونکہ پہلی صورت میں ایک مسلمان کی عزت بچ جانے کا موقع فراہم ہو جائے گا اور دوسری صورت میں اس کی عزت پامال ہو کر معاشرہ میں ذلیل و رسوا ہو جائے گا۔

زنا بالجبر میں صرف مرد پر حد جاری ہوگی

(۱۷) وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ اسْتُكْرِهَتِ امْرَاَةٌ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَرَاَعَنْهَا الْحَدَّ وَ اَقَامَهٗ عَلَى الَّذِيْ اَصَابَهَا وَلَمْ يَذْكُرْ اَنَّهٗ جَعَلَ لَهَا مَهْرًا. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک عورت کے ساتھ جبراً زنا کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے حد کو دفع کر دیا اور اس مرد پر حد لگائی جس نے اس کے ساتھ زنا کیا تھا اور راوی نے اس بات کو ذکر نہیں کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے مہر ٹھہرایا۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے)

تشریح: راوی کے ذکر نہ کرنے سے لازم نہیں آتا کہ ایسی صورت میں مہر واجب نہیں ہوتا کیونکہ دوسری احادیث سے یہ ثابت ہے کہ جس عورت سے زنا بالجبر کیا گیا ہو اس کے لیے مہر واجب ہوتا ہے اور یہاں "مہر" سے مراد "عقر" ہے اور "عقر" صحبت حرام اور صحبت شبہ کے مابین (عوض اور بدلہ) کو کہتے ہیں اور اس کا اطلاق ایک ایسی مقدار پر ہوتا ہے کہ اگر حرام صحبت کی اجرت یعنی حلال ہوتی تو وہ مقدار واجب ہوتی۔ برجندی فتاوی عالمگیری میں یہ لکھا ہے کہ "عقر" مہر مثل کو کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ زنا بالجبر کی صورت میں زنا کرنے والے مرد سے عورت کو جو رقم دلوائی جائے گی اس کی مقدار اس عورت کے مہر مثل کے برابر ہونی چاہئے۔

(۱۸) وَعَنْهُ اَنَّ امْرَاَةً خَرَجَتْ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُرِيْدُ الصَّلٰوةَ فَتَلَقَّهَا رَجُلٌ فَتَجَلَّلَهَا فَقَضٰى حَاجَتَهُ مِنْهَا فَصَاحَتْ وَ انْطَلَقَ وَ مَرَّتْ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ فَقَالَتْ اِنَّ ذٰلِكَ الرَّجُلَ فَعَلَ بِيْ كَذَا وَ كَذَا فَاَخَذُوْا الرَّجُلَ فَاَتَوْا بِهِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهَا اذْهَبِيْ فَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكِ وَ قَالَ لِلرَّجُلِ الَّذِيْ وَقَعَ عَلَيْهَا اُرْجُمُوْهُ وَ قَالَ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ لَقُبِلَ مِنْهُمْ. (رواہ ابوداؤد و الترمذی)

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نماز پڑھنے کے لیے نکلی اس کو ایک آدمی ملا اس کو ڈھانکا اور اس سے حاجت پوری کی وہ چلائی وہ آدمی چلا گیا۔ مہاجرین کی ایک جماعت اس کے پاس سے گذری اس نے کہا فلاں آدمی نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا ہے انہوں نے اس آدمی کو پکڑا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے لیے فرمایا جا اللہ نے تجھ کو معاف کر دیا ہے اور جس آدمی نے اس سے برائی کی تھی اس کے متعلق فرمایا اس کو رجم کر دو اور فرمایا اس نے ایسی توبہ کی ہے اگر مدینہ والے ایسی توبہ کرتے ان کی توبہ قبول کی جاتی۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد اور ترمذی نے)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے اپنے جرم کی سزا بھگت کر ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس توبہ کو اہل مدینہ کے درمیان تقسیم کیا جاتا تو نہ صرف یہ کہ ان سب کی توبہ قبول کی جاتی بلکہ اس کا ثواب سارے مدینے والے کے لیے کافی ہو جاتا۔ گویا اس ارشاد کے ذریعہ آپ نے یہ واضح کیا کہ اس شخص نے اگرچہ شروع میں ایک بڑی بے حیائی کا ارتکاب کیا اور سخت برا کام کیا مگر جب اس پر حد جاری کر دی گئی تو وہ اپنے جرم سے پاک ہو گیا اور بخش دیا گیا۔

ایک زنا کی دو سزائیں

(۱۹) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَجُلاً زَنٰى بِامْرَاَةٍ فَاَمَرَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجُلِدَ الْحَدَّ ثُمَّ اُخْبِرَ اَنَّهُ مُحْصَنٌ فَاَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ایک آدمی نے ایک عورت سے زنا کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حد لگانے کا حکم دیا اس کو حد ماری گئی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ وہ شادی شدہ ہے اس کو سنگسار کیا گیا۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

بیمار مجرم پر حد جاری کرنے کا طریقہ

(۲۰) وَعَنْ سَعِيْدِ ابْنِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ كَانَ فِي الْحَيِّ مُخْدَجٍ سَقِيْمٍ فَوُجِدَ عَلٰى اَمَةٍ مِنْ اِمَائِهِمْ يَخْبُثُ بِهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذُوْا لَهُ عِثْكَالاً فِيْهِ مِائَةُ شِمْرَاخٍ فَاضْرِبُوْهُ ضَرْبَةً. رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَ فِيْ رِوَايَةِ ابْنِ مَاجَةَ نَحْوَهُ.

ترجمہ: حضرت سعید بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ ایک ناقص الخلقت بیمار شخص کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کہ وہ محلہ کی لونڈیوں میں سے ایک کے ساتھ زنا کر رہا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھجور کی ایک بڑی ٹہنی پکڑو

جس میں سو چھوٹی ٹہنیاں ہوں اور ایک مرتبہ اس کو مارو۔ روایت کیا اس کو شرح السنۃ میں۔ ابن ماجہ کی ایک روایت میں اس کی مانند ہے۔

تشریح: مخدج: ناقص الخلقت کو مخدج کہتے ہیں یعنی چھوٹے چھوٹے اعضاء اور چھوٹے بدن والا شخص تھا مزید یہ کہ بیمار بھی تھا اور کمزور بھی تھا "یخبث" خباثت سے ہے زنا کرنا مراد ہے "عشکالا" عین کا کسرہ ہے کھجور کی اس بڑی شاخ کو کہتے ہیں جس میں کئی چھوٹی ٹہنیاں ہوں "شمراخ" شین کا کسرہ ہے چھوٹی ٹہنیاں مراد ہیں۔ "ضربۃ واحدۃ" یعنی اس بڑی شاخ سے اس کو مارو جس میں چھوٹی ٹہنیاں تھیں اس طرح اس شخص کو سو کوڑوں کی سزا ہو جائے گی اور زیادہ چوٹ نہیں آئے گی تو موت نہیں آئے گی اس سے معلوم ہوا کہ اگر حد زنا رجم ہو تو ہر حالت میں حد لگانا چاہیے اور اگر حد زنا کوڑے ہوں تو پھر بیمار کے تندرست ہونے کا انتظار کرنا چاہیے اور اگر صحت کی امید نہیں تو پھر اس طرح حیلہ کرنا چاہیے جو اس حدیث میں مذکور ہے یہ اس لئے کہ کوڑوں کی حد میں کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

اغلام کی سزا

(۲۱) وَعَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَجَدْتُّمُوْهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَ الْمَفْعُوْلَ بِهٖ. (رواه الترمذی و ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت عکرمہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو تم پاؤ کہ قوم لوط جیسا عمل کرتا ہے پس فاعل اور مفعول بہ کو قتل کر دو۔ (روایت کیا اس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے)

تشریح: شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اغلام کی حد کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے زیادہ صحیح قول اور صاحبینؒ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ فاعل اغلام کرنے والے کی حد وہی ہے جو زانی کی حد ہے یعنی اگر وہ محصن ہو تو اس کو سنگسار کیا جائے اور اگر غیر محصن ہو تو سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لیے جلا وطن کر دیا جائے خواہ وہ مرد ہو یا عورت جب کہ ایک جماعت کا رجحان اس طرف ہے کہ اغلام کرنے والے کو بہر صورت سنگسار کیا جائے خواہ وہ محصن ہو یا غیر محصن ہو حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کا قول بھی یہی ہے حضرت امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ فاعل و مفعول اغلام کرنے والے اور اغلام کرانے والے دونوں ہی کو قتل کر دیا جائے جیسا کہ اس حدیث کے ظاہر مفہوم سے معلوم ہوتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ ان کے قتل کا طریقہ کیا ہو تو بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں پر مکان گرا دیا جائے تاکہ وہ اس کے نیچے دب کر مر جائیں اور بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ان کو پہاڑ کے اوپر لے جا کر وہاں سے نیچے پھینک دیا جائے۔ اس بارہ میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اغلام کی سزا کے تعین کا اختیار حاکم وقت کے سپرد ہے کہ اگر وہ چاہے تو اغلام کرنے والے کو قتل کر دے جب کہ یہ برائی اس کی عادت بن چکی ہو نیز چاہے اس کو مارے اور چاہے قید خانہ میں ڈال دے۔

جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے والے کی سزا

(۲۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰى بَهِيْمَةً فَاقْتُلُوْهُ وَاقْتُلُوْهَا مَعَهٗ قِيْلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَاشَأْنُ الْبَهِيْمَةِ قَالَ مَاسَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ شَيْئًا وَلٰكِنْ اَرَاهُ كَرِهَ اَنْ يُّؤْكَلَ لَحْمُهَا اَوْيُنْتَفَعَ بِهَا وَقَدْ فُعِلَ بِهَا ذٰلِكَ. (رواه الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جانور سے فعل بد کرے اس کو قتل کر دو اور اس جانور کو بھی اس کے ساتھ قتل کر دو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا گیا جانور کا کیا حال ہے اس نے کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق کچھ نہیں سنا لیکن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو مکروہ سمجھا ہے کہ اس کا

گوشت کھایا جائے یا اس سے نفع حاصل کیا جائے جبکہ اس کے ساتھ ایسا فعل بد کیا گیا ہے۔ (روایت کیا اس کو ترمذی ابوداؤد اور ابن ماجہ نے)

تشریح: اس کو قتل کر دو سے مراد یہ ہے کہ اس کی بہت سخت پٹائی کرو۔ گویا اس کو قتل کر دینے کا حکم سخت زجر و تہدید کے طور پر ہے اس کو واقعۃً قتل کر دینا مراد نہیں ہے۔"اس کے جانور کو بھی قتل کر دو" اس حکم کی حکمت وعلت بعض حضرات نے یہ بیان کی ہے کہ اگر وہ جانور زندہ رکھا گیا تو ہو سکتا ہے کہ جس شخص نے اس کے ساتھ بدفعلی کی ہے اس کا نطفہ اس کے رحم میں قرار پا جائے اور اس کے نتیجہ میں ایک حیوان بصورت انسان پیدا ہو جائے اس لیے اس صورت حال سے بچنے کے لیے اس کو مار ڈالنا ہی ضروری ہے یا یہ کہ اس جانور کی موجودگی اس کے مالک کو دنیاوی ذلت و رسوائی سے دوچار کر سکتی ہے لہٰذا اس کو مار ڈالا جائے۔ شرح مظہر میں لکھا ہے کہ چاروں امام اس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص کسی جانور کیساتھ بدفعلی کرے اس کو قتل نہ کیا جائے بلکہ تعزیراً کوئی دوسری سزا دی جائے اور یہ حدیث زجر و توبیخ پر محمول ہے رہی جانور کی بات تو بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ جانور ایسا ہے جس کا گوشت کھایا جاتا ہے تو اس کو قتل کر دیا جائے اور اگر اس کا گوشت نہیں کھایا جاتا تو اس کے بارہ میں دونوں صورتیں ہیں کہ اگر اس حدیث کا ظاہری مفہوم پیش نظر ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے اور اگر اس کو ملحوظ رکھا جائے کہ جانور کا گوشت کھانا مقصود یا حلال نہ ہو اس کو ذبح کرنے کی ممانعت منقول ہے تو اس جانور کو قتل نہ کیا جائے۔

اغلام، بدترین برائی ہے

(۲۳) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِيْ عَمَلُ قَوْمِ لُوْطٍ (ترمذی وابن ماجه)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بڑھ کر اپنی امت پر مجھ کو جس چیز کا خوف ہے وہ قوم لوط کا عمل کرنا ہے۔ (روایت کیا اس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے)

تشریح: یعنی مجھے اس بات کا خوف ہے کہ کہیں میری امت کے لوگ خواہشات نفسانی کا شکار ہو کر بے صبری نہ کر بیٹھیں اور اس برائی میں مبتلا ہو جائیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ یہ کام نہایت برا اور سخت قبیح ہے اور اس کی حرمت بڑی شدید ہے میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میری امت کے لوگ اس میں مبتلا نہ ہو جائیں اور اس کی وجہ سے انہیں عذاب الٰہی میں گرفتار ہونا پڑے۔

ایک ہی شخص کو پہلے زنا کی سزا اور پھر تہمت زنا کی سزا

(۲۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ بَنِيْ بَكْرِ بْنِ لَيْثٍ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَقَرَّ اَنَّهٗ زَنٰى بِامْرَاَةٍ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ فَجَلَدَهٗ مِائَةً وَكَانَ بِكْرًا ثُمَّ سَاَلَهُ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمَرْاَةِ فَقَالَتْ كَذَبَ وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَجُلِدَ حَدَّ الْفِرْيَةِ. (رواه ابوداود)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنو بکر بن لیث کا ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس نے چار مرتبہ اس بات کا اعتراف کیا کہ اس نے زنا کیا ہے اور وہ کنوارا تھا پھر عورت پر اس سے گواہ طلب کیے گئے وہ کہنے لگی۔ اللہ کی قسم یہ جھوٹا ہے اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کو تہمت کی حد ماری گئی۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: "گواہ طلب کیے" کا مطلب یہ ہے کہ جب اس شخص نے ایک عورت کے ساتھ زنا کا اقرار کیا تو اس کے اس اقرار پر اس کو زنا کی سزا دی گئی یعنی اس کے سو کوڑے مارے گئے اور چونکہ یہ بات اس عورت کو بھی زنا کا مرتکب گردانتی تھی اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے کہا کہ اب تم ایسے گواہوں کو پیش کرو جو اس عورت کے ساتھ تمہارے زنا کو ثابت کریں مگر جب وہ شخص گواہ پیش کرنے سے عاجز رہا تو اس عورت نے کہا کہ خدا کی قسم یہ شخص جھوٹا ہے یہ میری طرف زنا کی نسبت کر رہا ہے حالانکہ میں اس برائی سے پاک ہوں اس طرح اس عورت نے یہ ثابت کیا کہ اس مرد نے اس پر تہمت لگائی ہے لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو دوسری سزا تہمت لگانے کی دی یعنی (80) کوڑے مارے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کو سزا

(۲۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا نَزَلَ عُذْرِيْ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَذَكَرَ ذٰلِكَ فَلَمَّا نَزَلَ

مِنَ الْمِنْبَرِ اَمَرَ بِالرَّجُلَيْنِ وَ الْمَرْاَةِ فَضُرِبُوْا حَدَّهُمْ. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر میرا عذر نازل ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اس بات کا ذکر کیا۔ جب منبر سے اترے دو آدمیوں اور ایک عورت کو تہمت کی حد ماری گئی۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: بعض لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر نعوذ باللہ زنا کا بہتان لگایا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں بھی ان کی طرف سے کچھ شک پڑ گیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت نازل کی جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ ان کے دامن عفت و عصمت پر تہمت کے جو چھینٹے ڈالے گئے ان کا تعلق محض ایک سازش اور چند لوگوں کی مفسدہ پردازی سے تھا۔ چنانچہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عفت و پاکدامنی کے ثبوت میں آیتیں نازل ہوئیں جو سورہ نور میں ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور یہ اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقدیس و حرمت کی لاج رکھ لی ہے اور عائشہ کو عفت مآب و پاک دامن قرار دیا ہے اور اس کے ثبوت میں آپ نے نازل ہونے والی آیتوں کا ذکر کیا پھر منبر سے اترتے ہی آپ نے ان لوگوں پر حد قذف تہمت لگانے کی شرعی سزا کہ وہ 80 کوڑے ہیں جاری کرنے کا حکم دیا جنہوں نے اس ناپاک سازش میں حصہ لیا تھا ان میں دو مرد تھے جن کا نام مسطح اور حسان بن ثابت تھا اور ایک عورت تھی جس کا نام حمنہ بنت جحش تھا اور جو اس واقعہ میں سب سے بڑی فتنہ پرداز تھی ان سب کو اسی اسی کوڑے مارے گئے۔

الفصل الثالث.... زنا بالجبر میں صرف زانی حد کا سزاوار ہوگا

(۲۶) عَنْ نَافِعٍ اَنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ اَبِيْ عُبَيْدٍ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ عَبْدًا مِنْ رَقِيْقِ الْاِمَارَةِ وَقَعَ عَلٰى وَلِيْدَةٍ مِنَ الْخُمُسِ فَاسْتَكْرَهَهَا حَتّٰى اقْتَضَّهَا فَجَلَدَهُ عُمَرُ وَلَمْ يَجْلِدْهَا مِنْ اَجْلِ اَنَّهُ اسْتَكْرَهَهَا. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صفیہ بنت ابو عبید نے اس کو خبر دی کہ امارت کے ایک غلام نے خمس کی ایک لونڈی کے ساتھ زنا کیا یہاں تک کہ اس کی بکارت کا ازالہ کر دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غلام کو حد لگائی اور لونڈی کو حد نہیں لگائی کیونکہ اس پر جبر کیا گیا تھا۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

ماعز کے واقعہ زنا کی ایک اور تفصیل

(۲۷) وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ نُعَيْمِ بْنِ هَزَّالٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ يَتِيْمًا فِيْ حِجْرِ اَبِيْ فَاَصَابَ جَارِيَةً مِنَ الْحَيِّ فَقَالَ لَهُ اَبِي ائْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبِرْهُ بِمَا صَنَعْتَ لَعَلَّهُ يَسْتَغْفِرُ لَكَ وَ اِنَّمَا يُرِيْدُ بِذٰلِكَ رَجَاءَ اَنْ يَكُوْنَ لَهُ مَخْرَجًا فَاَتَاهُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ زَنَيْتُ فَاَقِمْ عَلَيَّ كِتَابَ اللّٰهِ فَاَعْرَضَ عَنْهُ فَعَادَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ زَنَيْتُ فَاَقِمْ عَلَيَّ كِتَابَ اللّٰهِ حَتّٰى قَالَ اَرْبَعَ مِرَارٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكَ قَدْ قُلْتَهَا اَرْبَعَ مَرَّاتٍ فَبِمَنْ قَالَ بِفُلَانَةَ قَالَ هَلْ ضَاجَعْتَهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ بَاشَرْتَهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ جَامَعْتَهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاَمَرَ بِهِ اَنْ يُرْجَمَ فَاُخْرِجَ بِهِ اِلَى الْحَرَّةِ فَلَمَّا رُجِمَ فَوَجَدَ مَسَّ الْحِجَارَةِ فَجَزِعَ فَخَرَجَ يَشْتَدُّ فَلَقِيَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُنَيْسٍ وَ قَدْ عَجَزَ اَصْحَابُهُ فَنَزَعَ لَهُ بِوَظِيْفِ بَعِيْرٍ فَرَمَاهُ بِهِ فَقَتَلَهُ ثُمَّ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ هَلَّا تَرَكْتُمُوْهُ لَعَلَّهُ اَنْ يَتُوْبَ فَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت یزید بن نعیم بن ہزال رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ ماعز بن مالک میرے والد کی پرورش میں تھا اور وہ ایک یتیم لڑکا تھا اس نے قبیلہ کی ایک لونڈی کے ساتھ زنا کیا میرے باپ نے اس سے کہا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا اور جو کچھ تو نے کیا اس کی آپ کو خبر دے۔ شاید کہ آپ تیرے لیے استغفار کریں سوائے اس کے نہیں وہ اس بات کا ارادہ کرتا تھا کہ اس

کے لیے خلاصی کا سبب بن جائے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے زنا کیا ہے مجھ پر اللہ کی کتاب قائم کریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کیا وہ پھر آیا اور کہا اے اللہ کے رسول میں نے زنا کیا ہے مجھ پر اللہ کی کتاب کا حکم جاری کریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کیا وہ پھر آیا اور کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے زنا کیا ہے مجھ پر اللہ کی کتاب کا حکم جاری کریں یہاں تک کہ اس نے چار مرتبہ اس طرح کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے زنا کیا ہے مجھ پر اللہ کی کتاب قائم کریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کیا وہ پھر آیا اور کہا اے اللہ کے رسول میں نے زنا کیا ہے مجھ پر اللہ کی کتاب کا حکم جاری کریں یہاں تک کہ اس نے چار مرتبہ اس طرح کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے چار مرتبہ اقرار کر لیا ہے تو نے کس کے ساتھ زنا کیا ہے اس نے کہا فلاں عورت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو اس کے ساتھ ہمخواب ہوا ہے اس نے کہا ہاں فرمایا کیا تو نے اس کے ساتھ مباشرت کی ہے اس نے کہا ہاں فرمایا کیا تو نے اس سے جماع کیا ہے اس نے کہا ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو رجم کیا جائے۔ اس کو حرہ (سنگستان) کی طرف نکالا گیا۔ جب اس کو سنگسار کیا گیا اور پتھروں کے لگنے کی ایذا پائی گھبرایا نکلا دوڑتا ہوا۔ عبداللہ بن انیس اس کو ملا اور اس کے ساتھی عاجز آ چکے تھے اس نے اس کے لیے اونٹ کی ہڈی اٹھائی اس کے ساتھ مارا اس کو قتل کر دیا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس بات کا آپ سے ذکر کیا آپ نے فرمایا تم نے اس کو کیوں نہ چھوڑ دیا شاید کہ وہ رجوع کرتا پس اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: اس کو حرہ لے جایا گیا۔ ابن ہمام رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صحیح بخاری کی روایت میں تو یہ ہے کہ ماعز رضی اللہ عنہ کو مصلیٰ میں سنگسار کیا گیا اور مسلم اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ ہے کہ اس کو بقیع غرقد لے جایا گیا ان دونوں روایتوں میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے لیکن اگر یہ بات ملحوظ رہے کہ مصلیٰ سے نماز جنازہ پڑھنے کی جگہ مراد ہے اور نماز جنازہ پڑھنے کی جگہ وہیں بقیع غرقد میں تھی تو پھر کوئی تضاد نہیں رہے گا رہی یہ بات کہ ترمذی کی روایت میں جو یہ منقول ہے کہ ماعز رضی اللہ عنہ کے چوتھی بار اقرار کرنے کے بعد اس کی سنگساری کا حکم جاری کیا گیا چنانچہ اس کو حرہ لے جایا گیا اور وہاں سنگسار کیا گیا جیسا کہ یہاں ابوداؤد کی روایت میں بھی یہی ہے کہ اس کو حرہ لے جایا گیا تو اس کی تاویل یہ کی جائے گی کہ جب وہ پتھروں کی چوٹ کھا کر بھاگا تو اس کا پیچھا کیا گیا تا آنکہ اس کو حرہ لے جایا گیا یہ تاویل اس لیے ضروری ہے کہ پھر یہ بات صحیح ثابت نہیں ہوگی کہ ماعز رضی اللہ عنہ کو سنگسار کرنے کے لیے حرہ لے جایا گیا تھا کیونکہ صحاح اور حسان کی روایتیں اس بات کی مؤید ہیں کہ شروع میں ماعز کو سنگسار کرنے کے لیے حرہ کی طرف نہیں لے جایا گیا تھا بلکہ جب اس کو سنگسار کیا جانے لگا تو وہ خود بھاگ کر حرہ چلا گیا تھا یہ توجیہ کی جائے کہ مصلیٰ جہاں ماعز کو سنگسار کیا گیا حرہ ہی کے آس پاس ہوگا لہٰذا کسی راوی نے تو مصلیٰ کا ذکر کیا اور کسی راوی نے حرہ کا اس صورت میں دونوں احادیث کے مفہوم میں یکسانیت پیدا ہو جائے گی۔

زنا کی کثرت کا وبال

(۲۸) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَامِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيْهِمُ الزِّنَا اِلَّا اُخِذُوْا بِالسَّنَةِ وَمَامِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيْهِمُ الرُّشَا اِلَّا اُخِذُوْا بِالرُّعْبِ. (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت عمرو بن عاص سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے کسی قوم میں زنا ظاہر نہیں ہوتا مگر اس میں قحط پھیل جاتا ہے اور کسی قوم میں رشوت ظاہر نہیں ہوتی مگر وہ رعب کے ساتھ پکڑی جاتی ہے۔ (روایت کیا اس کو احمد نے)

تشریح: "رشوت" اس مال کو کہتے ہیں جو کسی شخص کو اس شرط کے ساتھ دیا جائے کہ وہ اس کے کام میں مدد کرے۔ بعض حضرات نے اس تعریف میں اس قید کا بھی اضافہ کیا ہے کہ اس کام میں اتنی مشقت و محنت نہ ہو جس کی اجرت عام طور پر دیئے گئے مال کے بقدر دی جاتی ہو جیسے کسی بادشاہ یا حاکم کے سامنے کوئی بات سفارش کے طور پر کہہ دینی یا اس میں سعی و کوشش کرنی اس سے معلوم ہوا کہ محنت و مشقت کے بقدر مال دینا رشوت

نہیں کہلائے گا اسی طرح اگر بلا شرط مال دیا جائے تو بھی رشوت کے حکم میں نہیں ہوگا۔

بہرکیف اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رشوت محض ایک سماجی برائی اور ایک شرعی گناہ ہی نہیں ہے بلکہ ایک اخلاقی ظلم بھی ہے کہ جس کی سزا آخرت میں تو ملے ہی گی اس کا وبال مختلف صورتوں میں اس دنیا میں بھی ظاہر ہوتا ہے چنانچہ یہاں حدیث میں اسی کا ذکر کیا گیا ہے کہ رشوت کی نحوست ساری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور اسے بزدل بنا کر غیروں کی ہیبت میں اور اپنوں کے خوف میں مبتلا کر دیتی ہے۔

غیروں کی ہیبت تو یوں مسلط ہو جاتی ہے کہ راشی رشوت لینے والا اپنا ضمیر و ایمان بیچ ڈالتا ہے اور جب وہ ضمیر و ایمانداری کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے تو اس کے اندر سے وہ ساری توانائی اور قوت ختم ہو جاتی ہے جو اس کو غیروں کے مقابلہ پر عظمت و برتری کا احساس دلاتی ہے۔ اپنوں کا خوف اس طرح مسلط ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی حاکم و کارکن رشوت نہیں لیتا تو وہ اپنا حکم اپنے ہر ادنیٰ و اعلیٰ پر جاری کرتا ہے اور اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا لیکن جب وہ رشوت سے آلودہ ہو جاتا ہے تو پھر اس پر ایک خوف مسلط ہو جاتا ہے جو اسے قدم قدم پر اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی اور اجرائے احکام سے جھجکاتا رہتا ہے کہ اس کے کسی حکم یا کسی کارروائی سے کوئی ایسا شخص ناراض نہ ہو جائے جس سے کہ اس کو رشوت کی صورت میں ناجائز مالی فائدے حاصل ہیں یا جو اس کو رشوت ستانی کے جرم کا رازدار ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب رشوت کی وبا عام ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ سے ہر حاکم و کارکن ہیبت و خوف میں مبتلا ہو جاتا ہے تو پورا نظام حکومت بہت خوفناک قسم کی بدحالی و بے اعتمادی اور لاقانونیت کا شکار ہو جاتا ہے اور ساری قوم بے اطمینانی اور مصائب و پریشانیوں میں گھر کر رہ جاتی ہے۔

اغلام لعنت کا باعث ہے

(۲۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَلْعُوْنٌ مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ. رَوَاهُ رَزِیْنٌ وَ فِیْ رِوَایَةٍ لَهٗ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ عَلِیًّا اَحْرَقَهُمَا وَ اَبَابَکْرٍ هَدَمَ عَلَیْهِمَا حَائِطًا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابوہریرہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قوم لوط ایسا عمل کرے وہ ملعون ہے روایت کیا اس کو رزین نے ایک روایت میں اس نے ابن عباس سے ذکر کیا ہے کہ حضرت علی نے ان دونوں کو جلا دیا اور ابوبکر نے ان پر دیوار گرا دی۔

تشریح: احرقهما: یعنی حضرت علی نے فاعل اور مفعول دونوں کو آگ میں ڈال کر جلا دیا تھا اور حضرت ابوبکرؓ نے دونوں پر دیوار گرا دی تھی چونکہ یہ سزا احناف کے ہاں تعزیر کے زمرہ میں آتی ہے اس لئے صحابہ کرام کے دور میں اور اس کے بعد کے ادوار میں اس سزا کی نوعیت میں فرق آتا رہا ہے لیکن یہ اس کے عدم جرم ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ حد کے عدم تعین کی وجہ سے ہے اور تعزیر کا باب تو حد سے زیادہ وسیع ہے چنانچہ بعض علماء نے کہا ہے کہ لوطی کو بلند پہاڑ سے گرا کر پیچھے سے پتھراؤ کیا جائے تاکہ قوم لوط کی سزا کی مشابہت آجائے بعض نے کہا ہے کہ اس پر مکان گرا کر نیچے دبا دیا جائے بعض نے کہا کہ اس کو سمندر میں غرق کیا جائے بعض نے کہا کہ اس کو تنگ و تاریک بدبودار مقام میں بند رکھا جائے بعض نے کہا کہ اس وقت تک جیل میں رکھا جائے جب تک وہ توبہ نہیں کرتا بعض نے کہا کہ اگر لوطی کی عادت ہوگئی ہے اور یہ قبیح فعل وہ بار بار کرتا ہے تو مصلحت کے تحت اس کو قتل کیا جائے اسی طرح عادی مفعول بہ کو بھی قتل کیا جائے یہ تمام باتیں مختلف حوالجات کے ساتھ زجاجۃ المصابیح ج ۳ ص ۸۷ پر مذکور ہیں۔

ان تمام اقوال کے پیش نظر آج کل کے غیر مقلد حضرات کا یہ پروپیگنڈہ دیانت و صداقت پر مبنی نہیں ہے جو کہتے ہیں کہ احناف کے نزدیک لواطت پر کوئی سزا نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اگر یہ کہتے ہیں کہ اس کیلئے دور صحابہ میں کوئی متعین سزا بطور حد نہیں تھی لہٰذا یہ تعزیر کے زمرہ میں آتی ہے تو اس پر اعتراض کی گنجائش کہاں سے ہے کیا اتنے اقوال کے بعد کوئی کہہ سکتا ہے کہ بطور حد اس عمل کے لئے فلاں خاص حد ہی متعین ہے؟ اگر نہیں کہہ سکتا تو یہی بات تو امام ابوحنیفہؒ نے کہی ہے۔

جامع صغیر میں امام محمدؒ نے حسن بصری کی سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے۔ (۱) جو شخص اپنی ماں کو برا کہے وہ ملعون ہے۔ (۲) جو شخص غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرے وہ ملعون ہے (۳) جو شخص اسلام کی زمین کی سرحدوں میں ردوبدل کرے وہ ملعون ہے (۴) جو شخص کسی اندھے کو غلط

راستہ بتائے وہ ملعون ہے(۵) جو شخص جانور سے بدفعلی کرے وہ ملعون ہے(۶) اور جو شخص قوم لوط کی طرح اغلام بازی کا عمل کرے وہ ملعون ہے۔

(۳۰) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَايَنْظُرُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰى رَجُلٍ اِلٰى رَجُلٍ اَتٰى رَجُلاً اَوِامْرَأَةً فِيْ دُبُرِهَا. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا جو کسی آدمی یا عورت کے ساتھ اس کے مقعد میں بدفعلی کرے گا۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور اس نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: الی امرأة فی دبرها: کئی احادیث میں سخت ممانعت اور لعنت آئی ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ بدفعلی کرے چونکہ اس میں اشتباہ کا خطرہ تھا کہ شوہر کا خیال یہ ہو کہ چونکہ یہ میری بیوی ہے تو اس سے ہر قسم کا استفادہ جائز ہوگا اس لئے احادیث میں اس پر سخت نکیر اور شدید وعید آئی ہے اور چونکہ بعض بدبخت سیاہ کار دانستہ طور پر بیوی کے ساتھ بدفعلی کا عمل کرتے ہیں اور ممکن ہے کہ ایک بڑی مخلوق اس جرم میں مبتلا ہو اس لئے اسلام نے کھلے الفاظ میں اس کی ممانعت فرمائی اور اس پر وعید سنادی اور لواطت کی ممانعت کی عام آیات اور عام احادیث میں اس کو شامل کر دیا نیز سزائے لوطی میں اس کو شمار کر دیا۔

جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے والا حد کا سزاوار نہیں ہوتا

(۳۱) وَعَنْهُ اَنَّهُ قَالَ مَنْ اَتٰى بَهِيْمَةً فَلاَ حَدَّ عَلَيْهِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ اَنَّهُ قَالَ وَهٰذَا اَصَحُّ مِنَ الْحَدِيْثِ الْاَوَّلِ وَهُوَ مَنْ اَتٰى بَهِيْمَةً فَاقْتُلُوْهُ وَ الْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا جو شخص چار پائے کے ساتھ بدفعلی کرے اس پر حد نہیں ہے روایت کیا اس کو ابوداؤد اور ترمذی نے۔ ترمذی نے سفیان ثوری سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا یہ پہلی حدیث سے زیادہ صحیح ہے اور وہ یہ حدیث تھی کہ جو چار پائے کے ساتھ بدفعلی کرے اس کو قتل کردو۔ اہل علم کے نزدیک عمل اس حدیث پر ہے۔

تشریح: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہے لیکن اس صورت میں سفیان ثوریؒ کے اس قول کہ یہ حدیث پہلی حدیث سے زیادہ صحیح ہے کے کوئی معنی نہیں رہیں گے لہٰذا صحیح بات یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اپنا قول نہیں ہے بلکہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

حد جاری کرنے میں کوئی فرق و امتیاز نہ کرو

(۳۲) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقِيْمُوْا حُدُوْدَ اللّٰهِ فِي الْقَرِيْبِ وَ الْبَعِيْدِ وَ لاَ تَاْخُذُكُمْ فِي اللّٰهِ لَوْمَةُ لاَئِمٍ. (رواه ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریب اور بعید پر اللہ کی حدیں قائم کرو اور تم کو اللہ کا حکم جاری کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت نہ پکڑے۔ (روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے)

تشریح: قریب و بعید سے نزدیک کے اور دور کے رشتے دار مراد ہیں کہ اگر مجرم تمہارا دور کا جاننے والا ہے تو اس پر بھی حد جاری کرو اور اگر نزدیکی رشتہ دار ہے تو اس پر بھی حد جاری کرو ایسا نہ ہو کہ دور کے جاننے والے پر تو حد جاری کر دو اور نزدیکی رشتہ دار پر حد جاری کرنے سے باز رہو یا یہ کہ قریب سے مراد کمزور ہے کہ اس تک پہنچنا نزدیک اور اس پر حد جاری کرنا آسان ہوتا ہے اور بعید سے مراد قوی ہے کہ اس تک پہنچنا بعید اور اس پر حد جاری کرنا دشوار ہوتا ہے اور یہی مراد حدیث کی منشاء کے زیادہ قریب ہے کیونکہ یہاں بھی ہدایت دینا مقصد ہے کہ حد ہر مجرم پر جاری کرو خواہ وہ امیر ہو یا غریب، شاہ ہو یا گدا کمزور ہو یا قوی اور اپنا عزیز ہو یا غیر عزیز ہو۔

حد جاری کرنے کے دوررس فوائد

(۳۳) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِقَامَةُ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنْ مَّطَرِ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً فِيْ بِلَادِ اللّٰهِ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی حدوں میں سے ایک حد کا قائم کرنا اللہ کے شہروں میں چالیس راتوں کی بارش سے بہتر ہے۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے اور روایت کیا نسائی نے ابو ہریرہ سے۔

تشریح: اس کی وجہ یہ ہے کہ حد جاری کرنا گویا مخلوق کو گناہ اور معاصی کے ارتکاب سے روکنا ہے اور یہ آسمان کے دروازوں کے کھلنے یعنی نزول برکات کا سبب ہے۔ اس کے برخلاف حدود کو معاف کرنا یا ان کو جاری کرنے میں سستی کرنا گویا مخلوق کو گناہ میں مبتلا ہونے کا موقع دینا ہے اور یہ چیز یعنی گناہ و معاصی کا پھیل جانا قحط سالی میں گرفتار ہونے کا سبب اور انسان ہی نہیں بلکہ غیر انسان مخلوق کو بھی ہلاکت و بربادی کے دروازے پر پہنچانے کا ذریعہ ہے جیسا کہ منقول ہے کہ حباری بنی آدم کے گناہوں کے سبب مارے دبلاپے کے مرجاتا ہے یعنی انسان عمومی طور پر برائیوں کی راہ پر لگ جاتا ہے اور گناہ و معاصی کے ارتکاب کی کثرت ہو جاتی ہے تو اس کی نحوست سے اللہ تعالیٰ بارش نہیں برساتا اور جب بارش نہیں ہوتی تو صرف انسانوں ہی کے بے قحط نہیں پھیلتا بلکہ اس کی وجہ سے چرند و پرند بھی اپنے رزق سے محروم ہو جاتے ہیں اور وہ مرنے لگتے ہیں۔

''حباری'' ایک جانور کا نام ہے یہاں خاص طور پر اس کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ دور دور سے اپنے چارہ تلاش کر کے آتا ہے۔

بَابُ قَطْعِ السَّرِقَةِ..... چور کے ہاتھ کاٹنے کا بیان

طیبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ قطع السرقۃ میں اضافت بحذف مفعول کی طرف ہے یعنی معنی کے اعتبار سے یہ عنوان یوں ہے باب **قطع اهل السرقة**

سرقہ کے معنی۔ سرقہ سین کے زبر اور راء کے زیر کے ساتھ چوری کے معنی میں ہے اور اصطلاح شریعت میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی مکلف کسی کے ایسے محرز مال میں سے کچھ یا سب خفیہ طور پر لے لے جس میں نہ تو اس کی ملکیت ہو اور نہ شبہ ملکیت۔

چوری کی سزا اور اس کا نصاب: یہ بات تو عنوان ہی سے معلوم ہو گئی کہ اسلامی قانون میں چور کی سزا قطع ید ہاتھ کاٹ دینا ہے لیکن اس بارہ میں فقہا کا باہم اختلاف ہے کہ کتنی مالیت کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ نصاب سرقہ مال کی وہ مقدار جس پر قطع ید کی سزا دی جائے گی کم از کم دس درہم تقریباً ساڑھے سات ماشہ چاندی ہے اس سے کم مالیت کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی اور حضرت امام شافعیؒ چوتھائی دینار سونا یا تین درہم چاندی اور یا اس قیمت کی کسی بھی چیز کو نصاب سرقہ قرار دیتے ہیں ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں چوتھائی دینار چرانے والے کو قطع ید کی سزا دینا مذکور ہے اور اس وقت چوتھائی دینار تین درہم کے برابر تھا اور ایک دینار کی مالیت بارہ درہم کے برابر تھی۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ:

لا قطع الا فی دینار او عشرة دراهم ''ایک دینار یا دس درہم سے کم کی چوری پر قطع ید نہیں ہے۔''

نیز ہدایہ کے قول کے مطابق اس بارہ میں ''اکثر'' پر عمل کرنا ''اقل'' پر عمل کرنے سے بہتر ہے کیونکہ معاملہ ایک انسانی عضو کاٹنے کا ہے اور ''اقل'' میں عدم جنایت کا شبہ ہو سکتا ہے۔ واضح رہے کہ فقہاء کے اس اختلاف کی بنیاد اس پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہاتھ کاٹنے کی سزا ایک ڈھال کی چوری پر دی گئی تھی۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کی طرف سے تو یہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت ایک ڈھال کی قیمت تین درہم تھی جب کہ حنفیہ کی طرف سے محشیؒ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں اس کی قیمت دس درہم تھی حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص سے ابن ابی شیبہؒ نے یہی نقل کیا ہے نیز کافی میں بھی یہ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جس ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا دی گئی تھی تو اس کی قیمت دس درہم تھی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ..... نصاب سرقہ کے بارہ میں امام شافعیؒ کی مستدل حدیث

(۱) عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ اِلَّا بِرُبُعِ دِيْنَارٍ فَصَاعِدًا. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں فرمایا چور کے ہاتھ ایک چوتھائی دینار یا زیادہ مالیت کی چیز چوری کرنے سے کاٹا جائے۔ (متفق علیہ)

تشریح: یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ کے اس مسلک کی دلیل ہے کہ چوتھائی دینار سے کم مالیت کی چوری پر ہاتھ نہ کاٹا جائے گویا ان کے نزدیک نصاب سرقہ کی کم سے کم مقدار چوتھائی دینار ہے ملا علی قاریؒ نے اپنی کتاب میں اس حدیث کے تحت بڑی تفصیلی بحث کی ہے اور اس مسئلہ میں علماء کے جو اختلافی اقوال ہیں ان کو نقل کر کے حنفیہ کے مسلک کو بڑی مضبوط دلیلوں سے ثابت کیا ہے۔

ڈھال کی قیمت کے تعین میں اختلافی اقوال

(۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَطَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَ سَارِقٍ فِيْ مِجَنٍّ ثَمَنُهُ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈھال جس کی قیمت تین درہم تھی چوری کر لینے پر چور کا ہاتھ کاٹا۔ (متفق علیہ)

تشریح: شمنی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس روایت کے معارض ہے جو ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہؓ ابن عمرو ابن العاص سے نقل کی ہے جس میں انہوں نے کہا کہ اس ڈھال کی قیمت دس درہم تھی حضرت ابن عباسؓ اور عمرو ابن شعیب سے بھی اسی طرح منقول ہے نیز شیخ ابن ہمامؒ نے بھی ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے یہی بات نقل کی ہے کہ اس ڈھال کی قیمت دس درہم تھی اور عینیؒ نے ہدایہ کے حاشیہ میں بھی یہی لکھا ہے چنانچہ اسی بنیاد پر حنفیہ کا یہ مسلک ہے کہ قطع ید ہاتھ کاٹنے کی سزا اسی چور پر نافذ ہوگی جس نے کم سے کم دس درہم کے بقدر مال کی چوری کی ہو اس سے کم مالیت کی چوری پر یہ سزا نہیں دی جائے گی جہاں تک ابن عمر کی اس روایت کا تعلق ہے جس سے اس ڈھال کی قیمت تین درہم متعین کی حالانکہ حقیقت میں وہ ڈھال دس درہم کی مالیت کی تھی جیسا کہ اکثر روایتوں سے ثابت ہوا اس موقع پر شیخ عبدالحق اور ملا علی قاریؒ نے اپنی اپنی شرح میں بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اہل علم ان کی کتابوں سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

تمام ائمہ کے مسلک کے خلاف ایک حدیث اور اس کی وضاحت

(۳) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ السَّارِقَ يَسْرِقُ الْبَيْضَةَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ وَ يَسْرِقُ الْحَبْلَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا اللہ تعالیٰ چور پر لعنت کرے خود چرا لیتا ہے اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ رسی چرا لیتا ہے اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بلا تعیین گنہگاروں پر لعنت بھیجنا جائز ہے اور یہی بات اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد الا لعنت اللہ علی الظالمین سے بھی ثابت ہوتی ہے ہاں کسی شخص کو متعین کر کے یعنی اس کا نام لے کر اس پر لعنت بھیجنا جائز نہیں ہے۔

نصاب سرقہ کے سلسلے میں یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ چوتھائی دینار یا تین درہم سے بھی کم مالیت کی چوری پر قطع ید کی سزا جاری ہو سکتی ہے جب کہ چاروں ائمہ میں سے کسی کے بھی مسلک میں چوتھائی دینار یا تین درہم سے کم میں قطع ید کی سزا نہیں ہے اس اعتبار سے یہ حدیث تمام ائمہ کے مسلک کے خلاف ہے لہٰذا ان سب کی طرف سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہاں بیضہ سے بیضہ آہن مراد ہے کہ جسے خود کہا جاتا ہے اور جس کو

مجاہدین اور فوجی اپنے سروں پر پہنتے ہیں اسی طرح رسی سے کشتی کی رسی مراد ہے جو بڑی قیمتی ہوتی ہے علاوہ ازیں بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں انڈے اور رسی کی چرانے پر قطع ید کی سزا دی جاتی تھی مگر بعد میں اس کو منسوخ قرار دے دیا گیا۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد کی مراد یہ ہے کہ اس کو چوری کی عادت اسی طرح پڑتی ہے کہ چھوٹی چھوٹی اور کمتر چیزیں چراتے چراتے بڑی بڑی اور قیمتی چیزیں چرانے لگتا ہے جس کے نتیجے میں اس کو قطع ید کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ.... پھل وغیرہ کی چوری میں قطع ید کی سزا ہے یا نہیں؟

(۴) عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِیْجٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا قَطْعَ فِیْ ثَمَرٍ وَلَا كَثَرٍ (رواه مالک و الترمذی)

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا پھل چرانے اور کھجور کے سفید گابھے میں ہاتھ کا کاٹنا نہیں ہے۔ (روایت کیا اس کو مالک' ترمذی)

تشریح: **لا قطع فی ثمر و لا کثر**: کثر کاف اور ثا دونوں پر زبر ہے کھجور کا گابھا مراد ہے جب بالکل ابتداء میں نمودار ہو جائے لوگ اس کو کھاتے ہیں یا گابھے کے اندر چربی نما سفید گودا ہوتا ہے اس کو بھی لوگ کھاتے ہیں اس کو جمار بضم الجیم بھی کہتے ہیں ثمر ہر اس تازہ پھل کو کہتے ہیں جو درختوں پر لگا ہوا ہو مگر عام اطلاق کھجور کے پھل پر ہوتا ہے جب کھجور کو درختوں سے کاٹا جائے تو اب ثمر کے بجائے اس کو رطب کہتے ہیں اور جب ذخیرہ ہو کر خشک ہو جائے تو اس کو تمر کہتے ہیں (کذا فی النہایہ) بعض نے پھولوں کی کلیوں کو کثر قرار دیا ہے بہر حال ان اشیاء میں قطع ید اس لئے نہیں ہے کہ سرقہ کے لئے مال محرز اور محفوظ ہونا ضروری ہے یہاں محفوظ نہیں۔

فقہاء کا اختلاف:۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ درختوں پر لگے ہوئے پھلوں میں قطع ید نہیں ہے اختلاف اس میں ہے کہ جب یہ پھل کھلیانوں اور گھروں میں آجائے محرز و محفوظ ہو جائے تو آیا اس میں قطع ید ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔

جمہور فرماتے ہیں کہ اس قسم کے پھلوں کی چوری میں قطع ید ہے خواہ اب تک پھل تر ہو یا خشک ہو امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو جلد خراب ہونے والی ہو خواہ پھل ہو یا دودھ ہو یا مچھلی ہو یا گوشت ہو اور یا کسی قسم کی سبزی ہو یا تیار شدہ کھانا ہو ان تمام اشیاء میں قطع ید نہیں ہے ہاں جب کھلیان یا گھر میں آکر خشک ہو جائے تو پھر قطع ید ہے۔

دلائل:۔ جمہور نے آنے والی عمرو بن شعیب کی روایت سے استدلال کیا ہے اور وہ یہ قیاس بھی کرتے ہیں کہ ان اشیاء کی چوری پر سرقہ کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے لہٰذا یہ چوری ہے اور چوری کی سزا قطع ید ہے تو جمہور کے پاس ایک نقلی اور ایک عقلی دلیل ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے مذکورہ حدیث سے استدلال کیا ہے کہ "فی ثمرہ" یہ نکرہ تحت النفی ہے اور اس میں عموم ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ کسی تازہ پھل یا سریع الفساد اشیاء میں قطع ید نہیں ہے لہٰذا کسی تازہ پھل میں قطع ید نہیں ہے خواہ محرز فی البیت ہو یا کھلیان میں محفوظ ہو نفی عام ہے۔

جواب:۔ باقی عمرو بن شعیب کی روایت کا تعلق خشک پھل سے ہے یا وہ روایت اس رافع والی روایت کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور جب حدیث سے ان کا استدلال ثابت نہیں ہوا تو حدیث رافع کے مقابلہ میں قیاس پیش کرنا مناسب نہیں ہے۔

(۵) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنِ الثَّمَرِ الْمُعَلَّقِ قَالَ مَنْ سَرَقَ مِنْهُ شَیْئًا بَعْدَ اَنْ یُّؤْوِیَهُ الْجَرِیْنُ فَبَلَغَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ فَعَلَیْهِ الْقَطْعُ (رواه ابوداود والنسائی)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت بیان کرتے ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لٹکے ہوئے پھل کے متعلق سوال کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص پھل چوری کرے جبکہ اس کو خرمن جگہ دے اور اس کی قیمت ڈھال کی قیمت تک پہنچ جائے اس پر ہاتھ کا کاٹنا ہے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے۔

غیر مملوکہ پہاڑی جانوروں پر چوری کا اطلاق نہیں ہوگا

(۶) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ حُسَیْنٍ الْمَکِّیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا قَطْعَ فِیْ ثَمَرٍ مُعَلَّقٍ وَ لَا فِیْ حَرِیْسَۃِ جَبَلٍ فَاِذَا اٰوَاہُ الْمُرَاحُ وَ الْجَرِیْنُ فَالْقَطْعُ فِیْمَا بَلَغَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ. (رواہ مالک)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی حسین مکی سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لٹکے ہوئے میوے اور پہاڑ میں چرنے والے جانور کی چوری کر لینے پر ہاتھ کاٹا نہیں ہے۔ جب جانور کو تھان یا میوے کو خرمن جگہ دے پھر چوری کرے اور اس کی قیمت ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے ہاتھ کاٹا جائے گا۔ روایت کیا اس کو مالک نے۔

تشریح: طیبیؒ کہتے ہیں کہ لفظ حریسۃ دراصل مفعول کے معنی ہے گویا حریسۃ جبل معنی کے اعتبار سے محروسۃ جبل ہے اور محروسۃ جبل اس جانور کو کہتے ہیں جو پہاڑوں پر چرتا پھرتا ہو اور کوئی شخص اس کی حفاظت نہ کرتا ہو یعنی وہ کسی کی ملکیت میں نہ ہو ایسے ہی جانور کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کو پکڑ لائے تو اس پر چوری کا اطلاق نہیں ہوگا کیونکہ نہ تو وہ جانور محرز ہے اور نہ کسی کی ملکیت میں ہے ہاں اگر پہلے سے کسی شخص نے اس جانور کو پکڑ کر اپنے یہاں باندھ رکھا ہے تو چونکہ اب وہ جانور ایک شخص کی ملکیت میں آ گیا ہے اس لیے اگر کوئی دوسرا شخص اس کو وہاں سے چرائے گا اور اس کی قیمت ایک ڈھال کی قیمت کے بقدر یا اس سے زائد ہوگی تو چرانے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

لٹیرے کی سزا قطع ید نہیں ہے

(۷) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ عَلَی الْمُنْتَہِبِ قَطْعٌ وَ مَنِ انْتَہَبَ نُہْبَۃً مَشْہُوْرَۃً فَلَیْسَ مِنَّا (ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوٹ ڈالنے والے پر ہاتھ کاٹنا نہیں ہے اور جو کوئی مشہور لوٹ ڈالے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

خائن قطع ید کا سزاوار نہیں

(۸) وَعَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیْسَ عَلٰی خَائِنٍ وَ لَا مُنْتَہِبٍ وَ لَا مُخْتَلِسٍ قَطْعٌ. رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ النَّسَائِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ وَ الدَّارِمِیُّ وَ رَوٰی فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ اَنَّ صَفْوَانَ بْنَ اُمَیَّۃَ قَدِمَ الْمَدِیْنَۃَ فَنَامَ فِی الْمَسْجِدِ وَتَوَسَّدَ رِدَاءَہٗ فَجَاءَ سَارِقٌ وَاَخَذَ رِدَاءَہٗ فَاَخَذَہٗ صَفْوَانُ فَجَاءَ بِہٖ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَ اَنْ تُقْطَعَ یَدُہٗ فَقَالَ صَفْوَانُ اِنِّیْ لَمْ اُرِدْ ھٰذَا ھُوَ عَلَیْہِ صَدَقَۃٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَھَلَّا قَبْلَ اَنْ تَاْتِیَنِیْ بِہٖ وَرَوٰی نَحْوَہٗ ابْنُ مَاجَۃَ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ صَفْوَانَ عَنْ اَبِیْہِ وَ الدَّارِمِیُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا خائن لوٹنے والے اور اچکے پر ہاتھ کاٹنا نہیں ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نسائی ابن ماجہ اور دارمی نے اور شرح السنہ میں روایت ہے کہ صفوان بن امیہ مدینہ آیا اور مسجد میں سویا اپنی چادر سر کے نیچے تھی ایک چور آیا اس نے چادر پکڑ لی صفوان نے اس کو پکڑ لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔ صفوان نے کہا میرا اس بات کا ارادہ نہ تھا وہ چادر اس پر صدقہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس لانے سے پہلے تو نے ایسا کیوں نہ کر دیا۔ ابن ماجہ نے بھی اسی طرح عبداللہ بن صفوان عن ابیہ سے روایت کیا ہے اور دارمی نے ابن عباس سے۔

تشریح: علی خائن: خائن اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی کی امانت میں خیانت کرتا ہے یا بالکل اس کا انکار کرتا ہے یہ اگرچہ بہت بڑا گناہ ہے لیکن "سرقہ" کے اپنے قواعد ہیں وہ ضابطے یہاں پورے نہیں ہور ہے ہیں کیونکہ یہ مال ایک لحاظ سے محرز نہیں ہے کیونکہ یہ اس کے اپنے ہاتھ میں ہے۔

"ولا مختلس" اختلاس اچکنے کے معنی میں ہے یہ اگرچہ بڑا گناہ ہے لیکن سرقہ کی تعریف اس پر صادق نہیں ہے لہذا قطع ید نہیں ہے۔" فقال صفوان انی لم ارد ھذا" مسجد میں جو شخص سویا تھا اور چادر اس کے نیچے تھی یہ مال محرز محفوظ تھا اس کی چوری سے ہاتھ کاٹنا ضروری تھا مگر صفوان کو جب اندازہ ہو گیا کہ یہ تو اس بیچارے کا بڑا نقصان ہو گیا تو صفوان نے کہا کہ چادر صدقہ ہے ہاتھ نہ کاٹا جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بات تم اس وقت کر سکتے تھے جب میرے پاس چور کو نہ لاتے۔ لانے اور جرم ثابت ہونے کے بعد اب یہ حکم حقوق العباد سے نکل کر حقوق اللہ میں داخل ہو گیا لہذا اب تم اس کو معاف نہیں کر سکتے ہو چنانچہ پوری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی حد کے ثابت ہو جانے اور حکم سنانے کے بعد کوئی اس کو معاف نہیں کر سکتا ہے۔

سفر جہاد میں چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے

(۹) وَعَنْ بُسْرِ بْنِ اَرْطَاةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تُقْطَعُ الْاَيْدِیْ فِی الْغَزْوِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ الدَّارِمِیُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَ النَّسَائِیُّ اِلَّا اَنَّهُمَا قَالَا فِی السَّفَرِ بَدَلَ الْغَزْوِ.

ترجمہ: حضرت بسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے غزو میں ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔ روایت کیا اس کو ترمذی' دارمی' ابوداؤد اور نسائی نے مگر ابوداؤد اور نسائی نے فی الغزو کی جگہ فی السفر روایت کیا ہے۔

تشریح: ابن ملک کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب اسلامی لشکر دار الحرب میں کفار سے برسر جہاد ہو اور امام وقت ان میں موجود نہ ہو بلکہ امیر لشکر ان کا کارپرداز ہو اور اس وقت (جہاد میں) کوئی شخص چوری کا مرتکب ہو جائے تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے اس طرح دوسری حدود بھی جاری نہ کی جائیں۔ چنانچہ بعض فقہا نے اس پر عمل کیا ہے اور اس کی بنیاد یہ احتمال ہے۔ کہ مبادا وہ شخص (اس سزا کے خوف سے) دار الحرب ہی کو اپنا مستقل مسکن بنالے اور اس طرح وہ فتنہ و گمراہی میں مبتلا ہو جائے یا یہ خوف بھی ہو سکتا ہے کہ اس وجہ سے مجاہدین میں بددلی اور تفرقہ نہ پیدا ہو جائے۔ طیبیؒ نے وضاحت کی ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا یہ مسلک ہے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ "غزوہ میں قطع ید کی سزا نافذ نہ ہوتے" کا مطلب یہ ہے کہ اگر اسلامی لشکر کا کوئی فرد مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے کچھ چرائے تو اس کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں کیونکہ اس مال غنیمت میں اس کا بھی حق ہے۔

طیبیؒ کہتے ہیں ابوداؤد و نسائی کی روایت میں "سفر" کا جو لفظ مطلق نقل کیا گیا ہے اس کو مقید پر محمول کیا جائے یعنی "سفر" سے "سفر جہاد" مراد لیا جائے۔

دوبارہ اور سہ بارہ چوری کرنے کی سزا

(۱۰) وَعَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِی السَّارِقِ اِنْ سَرَقَ فَاقْطَعُوْا يَدَهٗ ثُمَّ اِنْ سَرَقَ فَاقْطَعُوْا رِجْلَهٗ ثُمَّ اِنْ سَرَقَ فَاقْطَعُوْا يَدَهٗ ثُمَّ اِنْ سَرَقَ فَاقْطَعُوْا رِجْلَهٗ. (رواه فی شرح السنة)

ترجمہ: حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کے متعلق فرمایا اگر چوری کرے اس کا ہاتھ کاٹ دو پھر اگر چوری کرے اس کے پاؤں کاٹ ڈالو پھر اگر چوری کرے اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ پھر اگر چوری کرے اس کے پاؤں کاٹ دو۔ (روایت کیا اس کو شرح السنہ میں)

تشریح: ثم ان سرق: اس پر سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ اولاً چوری کرنے پر دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا اور ثانیاً چوری کرنے پر بایاں پیر کاٹا جائے گا لیکن اس کے بعد تیسری بار کیا کرنا پڑے گا اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:۔ جمہور فرماتے ہیں کہ اگر چور نے تیسری بار چوری کا ارتکاب کیا تو اس کا بایاں ہاتھ کاٹا جائے گا اور چوتھی بار دایاں پیر کاٹ دیا جائے گا تا کہ وہ سنڈ منڈ رہ جائے۔ امام ابو حنیفہؒ کے ہاں تیسری اور چوتھی بار چوری پر قطع ید نہیں ہے اس لئے کہ اس سے وہ شخص بالکل معطل ہو کر تا کارہ

ہو جائے گا بلکہ ایسے شخص کو دائمی جیل میں ڈال دیا جائے گا ہاں اگر تعزیر اور مصلحت و سیاست کی بنیاد پر سارے اعضاء کاٹنے پڑ جائیں تو ایسا ہو سکتا ہے۔

دلائل:۔ جمہور نے مذکورہ حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں تمام اعضاء کے کاٹنے کا ذکر ہے۔ احناف نے حضرت عمرؓ کے فیصلے اور حضرت علی کے فتویٰ سے استدلال کیا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا! "انی لأستحیی من اللہ ان لا ادع لہ " ید ایبطش بھاور جلا یمشی بھا "

یعنی مجھے اللہ تعالیٰ سے حیاء آتی ہے کہ میں اسے ایسی حالت میں چھوڑ دوں کہ وہ نہ کھا سکتا ہو نہ پی سکتا ہو اور نہ استنجا کر سکتا ہو۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ وہ سابق حدیث منسوخ الحکم ہے کیونکہ تمام اعضاء کا ختم ہونا در اصل انسان کو ختم کرنا ہے حالانکہ اس کے لئے قصاص کا نظام قائم ہے۔

(۱۱) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جِيْءَ بِسَارِقٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اقْطَعُوْهُ فَقُطِعَ ثُمَّ جِيْءَ بِهِ الثَّانِيَةَ فَقَالَ اقْطَعُوْهُ ثُمَّ جِيْءَ بِهِ الثَّالِثَةَ فَقَالَ اقْطَعُوْهُ فَقُطِعَ ثُمَّ جِيْءَ بِهِ الرَّابِعَةَ فَقَالَ اقْطَعُوْهُ فَقُطِعَ فَأُتِيَ بِهِ الْخَامِسَةَ فَقَالَ اقْتُلُوْهُ فَانْطَلَقْنَا بِهِ فَقَتَلْنَاهُ ثُمَّ اجْتَرَرْنَاهُ فَأَلْقَيْنَاهُ فِيْ بِئْرٍ وَرَمَيْنَا عَلَيْهِ الْحِجَارَةَ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَى فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ فِيْ قَطْعِ السَّارِقِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْطَعُوْهُ ثُمَّ احْسِمُوْهُ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ایک چور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا فرمایا اس کا ہاتھ کاٹ دو وہ کاٹا گیا پھر اس کو لایا گیا فرمایا کاٹو۔ پس کاٹا گیا۔ تیسری مرتبہ لایا گیا فرمایا کاٹو پس کاٹا گیا چوتھی مرتبہ پھر لایا گیا فرمایا کاٹو پس کاٹا گیا۔ پانچویں مرتبہ لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو قتل کر دو ہم اس کو لے گئے اور اس کو قتل کر دیا پھر کھینچ کر کنوئیں میں ڈال دیا اور اس پر پتھر وغیرہ پھینک دیئے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے۔ بغوی نے شرح السنہ میں چور کے ہاتھ کاٹنے کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کاٹو پھر اس کو گرم تیل میں داغ دے دو۔

تشریح: "اور پھر اس کو داغ دو" کا مطلب یہ ہے کہ جس ہاتھ کو کاٹا گیا ہے اس کو گرم تیل یا گرم لوہے سے داغ دو تا کہ خون بند ہو جائے اگر داغا نہ جائے گا تو جسم کا تمام خون بہہ جائے گا اور چور ہلاک ہو جائے گا۔

خطابیؒ فرماتے ہیں کہ میرے علم میں ایسا کوئی فقیہ و عالم نہیں ہے جس نے چور کو مار ڈالنا مباح رکھا ہو خواہ وہ کتنی ہی بار چوری کیوں نہ کرے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی لایحل دم امرء الا باحدی ثلث کے ذریعہ منسوخ ہے۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چور کو مار ڈالنے کا جو حکم دیا وہ سیاسی و انتظامی مصالح کی بناء پر تھا چنانچہ امام وقت (حاکم) کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مفسدہ پردازوں، چوراچکوں اور ملکی امن و قانون کے مجرموں کی تعزیر میں اپنی رائے و اجتہاد پر عمل کرے اور جس طرح چاہے ان کو سزا دے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا ہو گا کہ یہ شخص مرتد ہو گیا ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون مباح کر دیا اور اس کو مار ڈالنے کا حکم دیا۔ اسی طرح بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو اس بات پر محمول کرنا اولیٰ ہے کہ وہ شخص چوری کو حلال جانتا تھا اس لیے بار بار اس کا ارتکاب کرتا تھا اسی وجہ سے اس کو اتنی سخت سزا دی گئی بہرکیف ان تاویلات میں سے کسی بھی ایک تاویل کو اختیار کرنا ضروری ہے کیونکہ اگر وہ مسلمان ہوتا تو اس کو مار ڈالنے کے بعد اس کی لاش کو اس طرح کھینچ کر کنوئیں میں ڈال دینا ہرگز مباح نہ ہوتا۔

چور کا کٹا ہوا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکا دینے کا مسئلہ

(۱۲) وَعَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ أُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَارِقٍ فَقُطِعَتْ يَدُهُ ثُمَّ أَمَرَ بِهَا فَعُلِّقَتْ فِيْ عُنُقِهِ. (رواہ الترمذی و ابوداؤد والنسائی و ابن ماجۃ)

ترجمہ: حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چور لایا گیا اس کا ہاتھ کاٹا گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا وہ اس کی گردن میں لٹکا دیا گیا۔ روایت کیا اس کو ترمذی ابوداؤد نسائی اور ابن ماجہ نے۔

تشریح: فعلقت فی عنقه: یعنی چور کا کٹا ہوا ہاتھ اس کے گردن میں ڈالنے اور لٹکانے کا حکم دیدیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس لئے کیا تا کہ یہ سزا لوگوں کیلئے باعث عبرت بن جائے اور دوسرے لوگ اس جرم کے ارتکاب سے باز رہیں چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ ایک آدھ مرتبہ ایسا کرنے سے اسلامی معاشرہ چوری کے گناہوں سے پاک ہوگیا ہاتھ کاٹنا تو چوری کے ساتھ لازم ہے لیکن ہاتھ چور کے گلے میں باندھنا باعث عبرت ہے اور قرآن کریم میں "نکالا من اللہ" میں اس کی طرف اشارہ بھی موجود ہے لہٰذا سزا کو باعث عبرت بنانا جائز ہے۔

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ گلے میں ہاتھ لٹکانا قطع ید میں مسنون ہے ایسا کرنا چاہیے اور اسی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ یہ عمل قطع ید کے ساتھ سیاسۃً اور مصلحۃً اور عبرۃً ہے یہ کوئی مستقل سنت نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوام کے ساتھ اس کا التزام نہیں کیا ہے قاضی کی رائے کا اعتبار ہوگا بہر حال جن لوگوں نے طالبان کے شرعی حدود کے نفاذ کو وحشیانہ کہا یا کہیں بھی شرعی حدود کے نفاذ کو وحشیانہ کہتے ہیں یہ لوگ یا پرلے درجے کے جاہل ہیں یا یہ منافق ہیں اور یا کافر ہیں ذرا دیکھو شریعت میں تو اس قدر سختی بھی جائز ہے اس میں ان لوگوں پر بھی رد ہے جو کہتے ہیں نرمی سے سمجھاؤ سزا نہ دو۔

جو غلام چوری کرنے لگے اس کو بیچ ڈالو

(۱۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَرَقَ الْمَمْلُوْکُ فَبِعْهُ وَلَوْ بِنَشٍّ (ابوداؤد والنسائی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غلام جس وقت چوری کرے اس کو بیچ ڈال خواہ ایک نش (نصف) اوقیہ یعنی بیس درہم کا فروخت کرو۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نسائی)

تشریح: نش نون پر زبر اور شین مشدد ہے یہ نصف اوقیہ یعنی بیس دراہم کو کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ جب غلام چوری کرے اور چوری کا عادی ہو جائے تو اس کو قلیل وحقیر رقم پر بھی فروخت کر ڈالو اب یہاں مسئلہ یہ ہے کہ اگر غلام اپنے آقا سے چوری کرے تو کیا اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں تو اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر غلام اپنے مولی سے چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا خواہ وہ غلام بھگوڑا ہو یا بھگوڑا نہ ہو۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر غلام اپنے آقا سے یا بیوی اپنے شوہر سے یا شوہر اپنی بیوی سے یا غلام اپنے آقا کی بیوی سے چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور یہی مسلک امام احمد حنبلؒ کا

دلائل:۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل وہ روایت ہے جس میں آیا ہے کہ ابن عمرؓ نے اپنے چور غلام کو سعید کے حوالہ کیا کہ ہاتھ کاٹے۔ حنابلہ اور احناف فرماتے ہیں کہ غلام اپنے مولی کے ساتھ شریک طعام ہے لہٰذا مولی کا مال غلام کیلئے مال محرز نہیں ہے۔ اس میں شبہ آ گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ایسے تاوان اور قطع ید وغیرہ کو مسترد کر دیا ہے آپ نے فرمایا! "هو خادمکم اخذ متاعکم"

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ... مجرم کو معاف کر دینے کا حق حاکم کو حاصل نہیں ہے

(۱۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِسَارِقٍ فَقَطَعَهٗ فَقَالُوْا مَا کُنَّا نَرَاکَ تَبْلُغُ بِهٖ هٰذَا قَالَ لَوْ کَانَتْ فَاطِمَةُ لَقَطَعْتُهَا. (رواہ النسائی)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور پکڑ کر لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ صحابہ نے عرض کیا ہمارا خیال نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمائیں گے فرمایا اگر فاطمہ چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دوں۔ روایت کیا اس کو نسائی نے۔

تشریح: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ چور کوئی ایسا شخص تھا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی قرابت تھی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقین میں سے کوئی فرد تھا اور اسی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے گمان کے مطابق اس کے ساتھ نرمی اور رعایت کیے جانے کا امکان تھا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کر دیا کہ قطع ید کی سزا اللہ تعالیٰ کا حق ہے جس کو نافذ کرنا مجھ پر واجب ہے اس میں چشم پوشی کرنا نہ صرف یہ کہ عدل و انصاف کے منافی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی اور اس کے حق میں بے جا مداخلت کے مترادف بھی ہے اگر بالفرض میرے جگر کا ٹکڑا فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہ فعل صادر ہوتا تو میں اس پر بھی یہ سزا نافذ کرتا اور اس کے ہاتھ کٹوا دیتا۔

اگر غلام اپنے مالک کی چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

(۱۵) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى عُمَرَ بِغُلَامٍ لَهُ فَقَالَ اقْطَعْ يَدَهُ فَاِنَّهُ سَرَقَ مِرْآةً لِامْرَأَتِي فَقَالَ عُمَرُ لَا قَطْعَ عَلَيْهِ وَهُوَ خَادِمُكُمْ اَخَذَ مَتَاعَكُمْ. (رواہ مالک)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ایک آدمی اپنا غلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا اور کہا اس کا ہاتھ کاٹو اس نے میری بیوی کا آئینہ چوری کیا ہے۔ حضرت عمر نے کہا اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا یہ تمہارا خدمت گار ہے تمہاری چیز اس نے پکڑ لی ہے۔ روایت کیا اس کو مالک نے۔

تشریح: گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے فیصلہ کا ذریعہ اس پر قطع ید کی سزا نافذ نہ کرنے کی علت و وجہ کی طرف اشارہ کیا اور وہ اذن (یعنی اجازت کا پایا جانا ہے کہ تمہارے خادم ہونے کی حیثیت سے جب اس کو تمہارے ساتھ رہنے سہنے اور تمہارے مال و اسباب کی دیکھ بھال کرنے کی اجازت حاصل ہے اور اس اعتبار سے تمہارے اور تمہارے گھر کا مال خود تمہاری مرضی سے اس کی دسترس میں ہے تو اس صورت میں "احراز یعنی مال کا غیر کی دسترس سے محفوظ ہونا"۔ نہ رہا اور جب "احراز" نہ رہا تو پھر یہ قطع ید کا سزاوار بھی نہیں ہوگا چنانچہ حنفیہ اور حضرت امام احمد کا یہی مسلک ہے جب کہ دوسرے علماء کا مسلک اس کے برخلاف ہے۔

کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے یا نہیں؟

(۱۶) وَعَنْ اَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَاذَرٍّ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ كَيْفَ اَنْتَ اِذَا اَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ يَكُونُ الْبَيْتُ فِيهِ بِالْوَصِيفِ يَعْنِي الْقَبْرَ قُلْتُ اللّٰهُ وَ رَسُولُهُ اَعْلَمُ قَالَ عَلَيْكَ بِالصَّبْرِ قَالَ حَمَّادُ بْنُ اَبِي سُلَيْمَانَ تُقْطَعُ يَدُ النَّبَّاشِ لِاَنَّهُ دَخَلَ عَلَى الْمَيِّتِ بَيْتَهُ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر۔ میں نے کہا حاضر ہوں میں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور فرمانبردار ہوں فرمایا اس وقت تیری کیا حالت ہوگی جب لوگوں کو موت پہنچے گی۔ اس وقت قبر ایک خادم کے عوض کی ہوگی میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے فرمایا تجھ پر صبر لازم ہے حماد بن ابی سلمہ نے کہا کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ وہ میت کے گھر میں داخل ہوتا ہے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: الوصیف اس کی جمع وصائف ہے جو لڑکا یا غلام خدمت کے قابل ہو جائے اس نو عمر خوبصورت غلام کو وصیف کہتے ہیں اسی سے المستوصف ہے جو ڈسپنسری کو کہتے ہیں۔ نباش: کفن چور کو کہتے ہیں یہ شخص قبر میں جا کر اترتا ہے اور میت سے نیا کفن کھینچ کر چوری کرتا ہے اب اس چوری کی سزا کیا ہے آیا اس نے مال محرز کی چوری کی ہے یا اس کا کیا حکم ہے اس میں فقہاء کا معمولی سا اختلاف ہے۔ فقہاء کا اختلاف:۔ جمہور فقہاء کے نزدیک کفن چوری کے عمل پر کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا البتہ بطور تعزیر سزا دی جائے گی۔

دلائل:۔ جمہور نے زیر نظر حدیث سے استدلال کیا ہے طرز استدلال عجیب ہے وہ اس طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر

سے ایک زمانہ کی تنگی اور وبائی امراض کی وجہ سے کثرت اموات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اس وقت ایک جسم کے برابر قبر کی جگہ یعنی میت کیلئے گھر ایک غلام کے عوض ملے گا۔ حماد بن ابی سلیمان نے اس لفظ میں ایک دقیق نکتہ پیدا کیا کہ میت کی قبر اس کا گھر ہے اور گھر میں جو مال ہوتا ہے وہ محفوظ ومحرز ہوتا ہے لہٰذا اگر کسی نے قبر یعنی میت کے گھر میں گھس کر کفن کو چوری کیا تو اس میں قطع ید ہونا چاہیے کیونکہ اس نے مال محرز کو چھپا کر چرا لیا ہے۔ جمہور نے اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس میں ہے "من نبش قطعنا" (رواہ البیہقی)

جمہور کی عقلی دلیل یہ ہے کہ کفن چور چور ہے اور چوری سرقہ ہے جس میں قطع ید ہے امام ابوحنیفہؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے "لیس علی النباش قطع" (مصنف ابن ابی شیبہ) نیز حضرت معاویہؓ کے دور میں اس مسئلہ پر بحث ہوئی تو عام صحابہ نے قطع ید کو منع کر دیا اور تعزیر کو جاری کر دیا ان کی عقلی دلیل یہ ہے کہ کفن مال محرز نہیں کیونکہ قبر مکان محرز نہیں ہے۔

جواب:۔ احناف نے جمہور کے مستدلات کے متعلق کہا ہے کہ محدثین کے نزدیک یہ روایات منکرات ہیں اور اگر صحیح بھی ہیں تو یہ حکم سیاسۃ او مصلحۃ وزجراً وارد ہے۔ نوٹ: جمہور کے ہاں اگر چور ایک بار چوری کا اقرار کرتا ہے تو قطع ید کیلئے یہ اقرار کافی ہو جائے گا جمہور کے مقابلہ میں امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ چور جب بار بار اقرار کرے گا تب چوری ثابت ہوگی اور قطع ید ہوگا۔

بَابُ الشَّفَاعَةِ فِي الْحُدُوْدِ.... حدود کے مقدمہ میں سفارش کا بیان

اس باب میں ان احادیث کا بیان ہے جن سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ آیا کسی کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ حاکم کے سامنے یہ سفارش کرے کہ فلاں مجرم کو معاف کر دے اور ان پر حد جاری نہ کرے اور یہ بات بھی معلوم ہو جائے گی کہ حاکم اس سفارش کو قبول کرنے کا اختیار رکھتا ہے یا نہیں یاد رہے دنیا کا کوئی بھی قانون اس وقت معطل ہو کر رہ جاتا ہے جس میں تین رعایتیں پیدا ہو جائیں۔ اول سفارش کی رعایت' دوم رشوت کی رعایت اور سوم رشتہ داری کی رعایت۔ اسلام چونکہ ایک زندہ مذہب اور زندہ قانون ہے اس لئے اس میں ان سفارشوں اور ان رعایتوں کی گنجائش نہیں جس سے اس کا یہ قانون معطل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری نے اس مقام میں لکھا ہے کہ حدود کا مقدمہ جب حاکم کی عدالت میں پہنچ جائے تو اس میں سفارش کرنا حرام ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے اور اگر مقدمہ ابھی تک حاکم کے سامنے نہیں پہنچا ہے تو پہنچنے سے پہلے سفارش کرنا اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ اس شخص میں شر اور فساد نہ ہو جس کیلئے سفارش کی جاتی ہے۔ حدود کے علاوہ تعزیرات میں سفارش مطلقاً جائز ہے کیونکہ تعزیر کا تعلق نسبتاً ہلکے جرائم سے ہے بے جا اور بجا سفارش کا مفہوم ہر جگہ ملحوظ رہنا چاہیے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ.... حدود میں سفارش نہیں قبول کی جاسکتی

(۱) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ قُرَيْشًا اَهَمَّهُمْ شَانُ الْمَرْاَةِ الْمَخْزُوْمِيَّةِ الَّتِيْ سَرَقَتْ فَقَالُوْا وَمَنْ تُكَلِّمُ فِيْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا وَمَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ اِلَّا اُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ حِبُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَهُ اُسَامَةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَشْفَعُ فِيْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ ثُمَّ قَالَ اِنَّمَا اَهْلَكَ الَّذِيْنَ قَبْلَكُمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ وَ اِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ اَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ اَيْمُ اللّٰهِ لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَ فِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَتْ كَانَتْ امْرَاَةٌ مَخْزُوْمِيَّةٌ تَسْتَعِيْرُ الْمَتَاعَ وَتَجْحَدُهُ فَاَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَطْعِ يَدِهَا فَاَتٰى اَهْلُهَا اُسَامَةَ فَكَلَّمُوْهُ فَكَلَّمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهَا ثُمَّ ذَكَرَ الْحَدِيْثَ بِنَحْوِ مَا تَقَدَّمَ

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا قریش کو مخزومی عورت کے واقعہ نے سخت فکر میں ڈالا جس نے چوری کی تھی کہنے لگے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کون گفتگو کرے پھر کہنے لگے اسامہ بن زید جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

پیارے ہیں۔ وہی جرأت کر سکتا ہے۔ اسامہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کلام کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اللہ کی حدوں میں سفارش کرتا ہے۔ پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا پہلے لوگوں کو اس بات نے ہلاک کر دیا کہ جب کوئی معزز آدمی چوری کرتا اس کو چھوڑ دیتے اور جب کوئی غریب چوری کرتا اس پر حد قائم کرتے اور اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم چوری کرے میں اس کا ہاتھ کاٹ دوں (متفق علیہ) مسلم کی ایک روایت میں ہے ایک مخزومی عورت عاریۃً سامان لیتی اور پھر اس کا انکار کر دیتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کے متعلق حکم دیا اس عورت کے لوگ اسامہ کے پاس آئے اور اس سے کلام کیا۔ اسامہ نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی۔ پھر پوری حدیث بیان کی جس طرح پہلے گذر چکی ہے۔

تشریح: حدیث میں جس عورت کا ذکر کیا گیا ہے اس کا نام فاطمہ بنت اسود ابن عبدالاسد تھا اور وہ حضرت ابوسلمہؓ کے بھائی کی بیٹی تھی' چونکہ وہ بنی مخزوم سے تھی جو قریش کا ایک بڑا قبیلہ تھا۔ اس لیے قبیلہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس کو "مخزومیہ" کہا گیا ہے۔

اس حدیث کے بموجب تمام علماء کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ جب حد کا کوئی قضیہ امام (حاکم) کے پاس پہنچ جائے تو اس کے بعد مجرم کے حق میں امام سے سفارش کرنا بھی حرام ہے اور کسی دوسرے سے سفارش کرانا بھی حرام ہے۔ ہاں امام کے پاس قضیہ پہنچنے سے پہلے سفارش کرنے کرانے کی اکثر علماء نے اجازت دی ہے بشرطیکہ جس شخص کے حق میں سفارش کی جائے وہ شریف اور لوگوں کو ایذا پہنچانے والا نہ ہو۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی ایسے جرم و گناہ کا ارتکاب کیا ہو جس میں حد جاری نہ ہوتی ہو بلکہ "تعزیر" نافذ ہوتی ہو تو اس کے حق میں سفارش کرنا اور سفارش کرانا بہر صورت جائز ہے خواہ اس کا قضیہ امام کے پاس پہنچ چکا ہو یا نہ پہنچا ہو کیونکہ ایسی صورت میں سفارش کرنا نہ صرف یہ کہ آسان ہے بلکہ مستحب بھی ہے بشرطیکہ جس شخص کے حق میں سفارش کی جائے وہ کوئی شریف اور لوگوں کو ایذا پہنچانے والا نہ ہو۔ مسلم کی جو دوسری روایت نقل کی گئی ہے اس کے الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو اس جرم میں ہاتھ کاٹنے کی سزا دی تھی کہ وہ لوگوں سے عاریۃً چیزیں لے کر مکر جاتی تھی حالانکہ یہ واقعہ کے بھی خلاف ہے اور شرعی مسئلہ کے بھی منافی ہے' چنانچہ اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری روایت میں انکار کا ذکر محض اس عورت کا حال بتانے کے لیے ہے کہ وہ عورت اس قسم کی تھی اور اس کو قطع ید کی جو سزا دی گئی اس کا تعلق اس کے چوری کے جرم سے تھا جیسا کہ پہلی روایت (جس کو بخاری و مسلم دونوں نے نقل کیا ہے) میں بیان ہوا۔ گویا حاصل یہ نکلا کہ دوسری روایت لفظ و تجحد کے بعد لفظ فسرقت مقدر ہے' یعنی یہ لفظ "فسرقت" اگرچہ عبارت میں نہیں ہے مگر اس کے معنی مراد لیے جائیں گے۔ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ جو شخص کسی سے عاریۃً کوئی چیز لے کر اس سے مکر جائے اس کو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی جب کہ حضرت امام احمدؒ اور اسحٰق کا قول یہ ہے کہ ایسے شخص کا بھی ہاتھ کاٹنا واجب ہے۔

هذا الباب خال عن الفصل الثاني۔ اس باب میں دوسری فصل نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ... حد میں سفارش کرنیوالا گویا خدا کے حکم کی مخالفت کرنیوالا ہے

(۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهُ دُوْنَ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ فَقَدْ ضَادَّ اللّٰهَ وَ مَنْ خَاصَمَ فِي بَاطِلٍ وَ هُوَ يَعْلَمُهُ لَمْ يَزَلْ فِي سَخَطِ اللّٰهِ تَعَالٰى حَتّٰى يَنْزِعَ وَ مَنْ قَالَ فِي مُؤْمِنٍ مَالَيْسَ فِيْهِ اَسْكَنَهُ اللّٰهُ رَدْغَةَ الْخَبَالِ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَ فِي رِوَايَةٍ لِلْبَيْهَقِيِّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ مَنْ اَعَانَ عَلٰى خُصُوْمَةٍ لَا يَدْرِيْ اَحَقٌّ اَمْ بَاطِلٌ فَهُوَ فِي سَخَطِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْزِعَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے جس کی سفارش اللہ کی حدوں میں سے کسی حد کے درمیان حائل ہو گئی اس نے اللہ کی مخالفت کی اور جو باطل میں جھگڑا جبکہ اس کو علم ہے کہ وہ باطل پر ہے وہ ہمیشہ اللہ کی ناراضگی میں رہتا ہے یہاں تک کہ باز آجائے اور جس نے مومن کے متعلق ایسی بات کہی جو اس میں ہے

نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو دوزخیوں کے لہو اور پیپ میں رکھے گا یہاں تک کہ اس چیز سے نکل جائے جو اس نے کہا ہے روایت کیا اسکو احمد اور ابوداؤد نے بیہقی نے شعب الایمان میں ذکر کیا ہے جو کوئی جھگڑے پر کسی کی مدد کرے وہ جانتا نہیں کہ وہ حق پر ہے یا باطل پر وہ اللہ کے غضب میں رہتا ہے یہاں تک کہ باز آ جائے۔

تشریح: حالت: حیلولت سے حائل اور رکاوٹ کے معنی میں ہے "دون حد" دون ورے درے کے معنی میں ہے یہ لفظ کبھی "سوا" کے معنی میں آتا ہے اور کبھی ادون کم تر کے معنی میں آتا ہے یہاں ورے درے کے معنی میں ہے یعنی حد ادھر رہ گئی اور اس شخص کی سفارش پہلے پہلے آکر حائل ہوگئی "ینزع" نکلنے اور پیچھے ہٹنے کے معنی میں ہے۔ "ردغة" راپر زبر ہے اور دال پر سکون بھی جائز ہے اور زبر بھی صحیح ہے کیچڑ اور مٹی کو کہتے ہیں۔ "الخبال" خا پر زبر ہے فساد کے معنی میں ہے یہاں دوزخیوں کے جسم کا خون اور پیپ مراد ہے۔ جس کو دوسری حدیثوں میں "عصارة اهل النار" کہا گیا ہے بعض شارحین نے کہا کہ خبال دوزخ میں ایک گڑھے کا نام ہے جہاں یہ آلائشیں جمع ہو جاتی ہیں بہرحال اس مجموعہ کلمہ کا ترجمہ تلچھٹ سے کیا جاسکتا ہے کہ دوزخیوں کی پیپ اور خون اور دیگر آلائشوں کی تلچھٹ ہے گا۔ (اعاذنا الله منه)

اقرار جرم پر چوری کی سزا

(۳) وَعَنْ اَبِی اُمَیَّةَ الْمَخْزُوْمِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُتِیَ بِلِصٍّ قَدِ اعْتَرَفَ اعْتِرَافًا وَلَمْ یُوْجَدْ مَعَهٗ مَتَاعٌ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا اِخَالُکَ سَرَقْتَ قَالَ بَلٰی فَاَعَادَ عَلَیْهِ مَرَّتَیْنِ اَوْ ثَلَاثًا کُلَّ ذٰلِکَ یَعْتَرِفُ فَاَمَرَ بِهٖ فَقُطِعَ فَجِیْئَ بِهٖ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَغْفِرِ اللّٰهَ وَ تُبْ اِلَیْهِ فَقَالَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ تُبْ عَلَیْهِ ثَلَاثًا. رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَ النَّسَائِیُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِیُّ هٰکَذَا وَ جَدْتُّ فِی الْاُصُوْلِ الْاَرْبَعَةِ وَ جَامِعِ الْاُصُوْلِ وَ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَ مَعَالِمِ السُّنَنِ عَنْ اَبِیْ اُمَیَّةَ وَ فِیْ نُسَخِ الْمَصَابِیْحِ عَنْ اَبِیْ رِمْثَةَ بِالرَّاءِ وَالثَّاءِ الْمُثَلَّثَةِ بَدَلَ الْهَمْزَةِ وَ الْیَاءِ.

ترجمہ: حضرت ابوامامہ مخزومی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور لایا گیا جس نے چوری کا اعتراف کر لیا تھا اور اس کے پاس سامان نہیں پایا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا خیال ہے کہ تم نے چوری نہیں کی اس نے کہا کیوں نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین مرتبہ اس بات کو دہرایا ہر بار اعتراف کرتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق حکم دیا اس کا ہاتھ کاٹا گیا پھر اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے بخشش طلب کر اور اس کی طرف توبہ کر اس نے کہا میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہوں اور اس سے بخشش مانگتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا اے اللہ اس کی توبہ قبول فرما۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد، نسائی ابن ماجہ اور دارمی نے۔ اصول اربعہ اور جامع الاصول شعب الایمان اور معالم السنن میں ابوامیہ سے میں نے اسی طرح پایا ہے مصابیح کے نسخہ میں ابوامیہ کی جگہ راء اور ثاء مثلثہ کے ساتھ ابورمثہ ہے۔

تشریح: اس ارشاد میں "میں خیال نہیں کرتا الخ" سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہ تھا کہ وہ شخص اپنے اعتراف سے رجوع کرے تا کہ اس پر سے حد ساقط ہو جائے اور اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زنا کا اقرار کرنے والوں کے سامنے اس طرح کے جملے ارشاد فرماتے تھے جن کا مقصد "تلقین عذر" ہوتا تھا۔ یہ حضرت امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور دوسرے ائمہ کے نزدیک اس طرح کی "تلقین عذر" اور "تلقین رجوع" صرف زنا کی حد کے ساتھ مخصوص ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جو استغفار کا حکم دیا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس شخص پر حد جاری ہوئی ہے اس کو وہ حد بالکل (یعنی تمام گناہوں سے) پاک نہیں کرتی بلکہ اس کے اسی اصل گناہ کو ختم کرتی ہے جس کی وجہ سے اس پر حد جاری ہوئی ہے کہ حد جاری ہو جانے کے بعد وہ پروردگار کی جانب سے اس کے سبب دوبارہ عذاب میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔

بَابُ حَدِّ الْخَمْرِ..... شراب کی حد کا بیان

شراب کی حرمت

شراب جب کو "ام الخبائث" کہا گیا ہے بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی جزو زندگی کا درجہ رکھتی تھی اس لیے بعثت نبوی کے بعد ابتداء اسلام میں بھی اس کا رواج برقرار رہا اور عام طور پر لوگ اس کو پینے پلانے میں مبتلا رہے لیکن اس کی برائی اور اس کے نقصان کی وجہ سے مسلمانوں کے دل میں کھٹک بھی پیدا ہوتی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول انها تذهب المال و تذهب العقل (یہ شراب مال کو بھی برباد کرتی ہے اور عقل کو بھی ختم کرتی ہے) کے پیش نظر لوگوں میں یہ احساس تمنا بھی روز بروز بڑھتا جاتا تھا کہ اس کی اباحت جتنی جلد ختم ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے ادھر چونکہ پوری سوسائٹی اس لعنت میں گرفتار تھی اور یہ ایک ایسی عادت تھی جس کی جڑیں پورے معاشرہ میں بہت دور تک پھیلی ہوئی تھیں اس لیے مصلحت شریعت یہ تھی کہ اس کی حرمت کا نفاذ دفعتاً کرنے کی بجائے بتدریج روبہ عمل لایا جائے اور عام لوگوں کے دلوں میں اس کی نفرت اس طرح جاگزیں کی جائے کہ شریعت کا مقصد بھی پورا ہو جائے اور لوگ اس لعنت سے بھی نجات پا جائیں چنانچہ جب کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے بارے میں دریافت کیا تو اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ط قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا

"(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور (بظاہر) ان میں لوگوں کے لیے کچھ فائدے ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے فائدوں سے بہت بڑا ہوا ہے۔"

جو سعید روحیں پہلے ہی سے شراب کے مضر اثرات کا احساس رکھتی تھیں اور جو لوگ اس کی برائی سے طبعاً بیزار تھے ان کے لیے تو بس اتنا ہی کافی تھا کہ قرآن کریم نے "شراب" کو گناہ کہہ دیا لہٰذا انہوں نے شراب نوشی قطعاً ترک کر دی لیکن چونکہ اس آیت میں شراب کی حرمت کا کوئی واضح اور قطعی حکم نہیں ہے اس لیے لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے مے نوشی کا مشغلہ بدستور جاری رکھا۔ اور پھر اس سلسلہ میں یہ دوسری آیت نازل ہوئی۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ

"اے ایمان والو! تم ایسی حالت میں نماز کے پاس مت جاؤ کہ تم نشہ کی حالت میں مست ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا کہتے ہو۔"

اس آیت نے شراب نوشی کے جاری مشغلہ پر ایک اور ضرب لگائی اور نماز کے اوقات میں شراب نوشی بالکل ترک کر دی گئی البتہ نماز کے علاوہ اوقات میں بعض لوگوں کے یہاں اب بھی شراب نوشی کا مشغلہ بند نہیں ہوا اور آخر کار ۳ھ میں یہ تیسری آیت نازل ہوئی جس میں حرمت شراب کو واضح کر دیا گیا:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

"اے ایمان والو! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شراب اور جوا اور بت اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی چیزیں شیطانی کام ہیں سو ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔" اس آیت کے نازل ہونے کے بعد شراب نوشی بالکل بند ہو گئی شراب کے مٹکے توڑ ڈالے گئے اور شراب مدینہ کی گلیوں میں پانی کی طرح بہنے لگی اور اس شراب کی حرمت کا حکم نافذ ہو گیا۔

شراب نوشی کی سزا:۔ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن وسنت کے حکم و اجماع امت کے مطابق شراب حرام ہے اور جو شخص شراب پئے وہ "حد" (شرعی سزا) کا مستوجب ہے جو جمہور علماء کے قول کے مطابق "اسی 80 کوڑے مارنا" ہے حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے اور حضرت امام شافعی اور کچھ دوسرے علماء کے قول کے مطابق "چالیس کوڑے مارنا" ہے۔

سزا کا نفاذ:۔ اگر کوئی شخص شراب پئے اگرچہ اس نے ایک ہی قطرہ پی ہو اور پھر اس کو حاکم و قاضی کے سامنے پیش کیا جائے اور اس وقت

شراب کی بو موجود ہو یا اس کو نشے کی حالت میں پیش کیا گیا ہو اگر چہ وہ نشہ نبیذ پینے کی وجہ سے ہو اور دو شخص اس کی شراب نوشی کی گواہی دیں یا وہ خود اپنی شراب نوشی کا ایک مرتبہ اور امام یوسفؒ کے قول کے مطابق دو مرتبہ اقرار کرلے نیز یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے اپنی خوشی سے شراب پی ہے کسی کی زبردستی سے نہیں پی ہے تو اس پر حد جاری کی جائے یعنی اگر وہ شخص آزاد ہو تو اس کو اسی 80 کوڑے مارے جائیں اور اگر غلام ہو تو چالیس کوڑے مارے جائیں اور یہ کوڑے اس وقت مارے جائیں جبکہ اس کا نشہ ختم ہو جائے۔ نیز زنا کی حد اور اس حد میں بھی اس طرح کوڑے مارے جائیں کہ بدن کے مختلف حصوں پر چوٹ آئے یعنی پورے کوڑے بدن کے کسی ایک ہی حصہ پر نہ مارے جائیں بلکہ مختلف حصوں پر مارے جائیں۔

اگر کسی شخص نے اپنی شراب نوشی کا اقرار اس وقت کیا جب کہ شراب کی بو ختم ہوگئی ہو یا دو آدمیوں نے کسی کی شراب نوشی کی گواہی اس وقت دی جب کہ بو ختم ہوگئی ہو تو اس پر حد جاری نہ کی جائے اس طرح اگر کسی شخص میں صرف شراب کی بو پائی گئی یا اس نے صرف شراب کی قے کی یا اس نے پہلے تو اپنی شراب نوشی کا اقرار کیا مگر بعد میں مکر گیا۔ اور یا اس نے نشے کی حالت میں اقرار کیا تو ان صورتوں میں بھی اس پر حد جاری نہ کی جائے۔

واضح رہے کہ جو نشہ حد کو واجب کرتا وہ یہ ہے کہ وہ شخص مرد و عورت اور زمین و آسمان کے درمیان امتیاز نہ کر سکے۔ لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ "نشہ" سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص ہزیان اور واہی تباہی باتیں بکنے لگے حنفی مسلک میں فتویٰ اسی قول پر ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ .... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شراب نوشی کی سزا

(۱) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَرَبَ فِي الْخَمْرِ بِالْجَرِيْدِ وَ النِّعَالِ وَجَلَدَ اَبُوْبَكْرٍ اَرْبَعِيْنَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَ فِيْ رِوَايَةٍ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَضْرِبُ فِي الْخَمْرِ بِالنِّعَالِ وَ الْجَرِيْدِ اَرْبَعِيْنَ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب پینے میں کھجور کی ڈالیوں اور جوتیوں کے ساتھ مارا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چالیس کوڑے مارے متفق علیہ۔ انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی حد میں جوتیوں اور کھجور کی ڈالیوں کے ساتھ چالیس مرتبہ مارا۔

تشریح: پہلی روایت میں تو حد کا ذکر عدد کے تعین کے بغیر ہے اس اعتبار سے وہ مجمل ہے جس کی وضاحت دوسری روایت نے کی ہے جس میں عدد کا تعین کیا گیا ہے اور وہ چالیس ہے چنانچہ یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کی دلیل ہے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں مے نوشی کی شرعی سزا اسی 80 کوڑے مارنا بیان کیا گیا ہے ملا علی قاریؒ نے ان احادیث کو اپنی کتاب مرقات میں نقل کیا ہے۔

اسی کوڑے کی سزا عہد صحابہ میں متعین ہوئی ہے

(۲) وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ يُؤْتٰى بِالشَّارِبِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اِمْرَةِ اَبِيْ بَكْرٍ وَ صَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ فَنَقُوْمُ عَلَيْهِ بِاَيْدِيْنَا وَ نِعَالِنَا وَاَرْ دِيَتِنَا حَتّٰى كَانَ اٰخِرُ اِمْرَةِ عُمَرَ فَجَلَدَ اَرْبَعِيْنَ حَتّٰى اِذَا عَتَوْا وَفَسَقُوْا جَلَدَ ثَمَانِيْنَ. (رواه البخاري)

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا شراب پینے والے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اور حضرت عمر کی خلافت کے ابتدائی سالوں میں لایا جاتا تھا ہم اپنے ہاتھوں اپنی چادروں اور جوتیوں کے ساتھ اس پر کھڑے ہوتے یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری سال ہوئے انہوں نے چالیس کوڑے مارے یہاں تک کہ جب وہ حد سے گذر گئے اور حد اعتدال سے گذر گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کوڑے مارے روایت کیا اس کو بخاری نے۔

تشریح: حضرت سائب ابن یزید کی مراد یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس وقت شراب نوشی کی حد کا نفاذ عدد کے تعین کیے بغیر ہوتا تھا لیکن زیادہ صحیح یہ

ہے کہ ان کی مراد یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس زمانہ میں شراب پینے کی سزا چالیس کوڑوں سے بھی کم تھی جیسا کہ ان کے قول پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے دور میں چالیس کوڑے مارنے کی سزا دینے لگے سے ثابت ہوتا ہے۔

بہرکیف اس حدیث سے واضح ہوا کہ شراب کی حد کے طور اسی 80 کوڑے کی سزا عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نافذ نہیں تھی بلکہ عہد صحابہ میں طے پائی ہے چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شراب کے معاملہ میں بڑھتی ہوئی سرکشی کو دیکھتے ہوئے اور قانونی وانتظامی مصالح کے پیش نظر شراب پینے والے کو اسی 80 کوڑے مارنے کی سزا متعین کی اور اسی پر تمام صحابہ کا اجماع واتفاق ہو گیا لہٰذا اب کسی کے لیے جائز نہیں چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ ارشاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شراب پینے والے کو چالیس کوڑے کی سزا دی اور اس سزا کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کامل کیا بایں طور کہ انہوں نے اسی کوڑے کی سزا متعین کی اور اگرچہ سب سنت ہے لیکن اسی کوڑے ہی پر اجماع واتفاق ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ.... شرابی کو قتل کردینے کا حکم منسوخ ہے

(۳) عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْہُ فَاِنْ عَادَ فِی الرَّابِعَۃِ فَاقْتُلُوْہُ قَالَ ثُمَّ اُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذٰلِکَ قَدْ شَرِبَ فِی الرَّابِعَۃِ فَضَرَبَہٗ وَلَمْ یَقْتُلْہُ. رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ عَنْ قَبِیْصَۃَ بْنِ ذُؤَیْبٍ وَ فِیْ اُخْرٰی لَھُمَا وَلِلنَّسَائِیِّ وَ ابْنِ مَاجَۃَ وَ الدَّارِمِیِّ عَنْ نَفَرٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْھُمْ ابْنُ عُمَرَ وَ مُعَاوِیَۃُ وَ اَبُوْ ھُرَیْرَۃَ وَ الشَّرِیْدُ اِلٰی قَوْلِہٖ فَاقْتُلُوْہُ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہا جو شخص شراب پیے اس کو کوڑے لگاؤ اگر چوتھی مرتبہ شراب پیے اس کو قتل کر دو۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی پکڑ کر لایا گیا جس نے چوتھی مرتبہ شراب پی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مارا اور قتل نہیں کیا روایت کیا اس کو ترمذی نے اور روایت کیا ہے ابوداؤد نے قبیصہ بن ذویب سے۔ ان دونوں کی ایک دوسری روایت اور نسائی ابن ماجہ اور دارمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے ذکر کیا ہے ان میں ابن عمر معاویہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اور شرید ہیں ان کے قول فاقتلوہ تک۔

تشریح: تو اس کو قتل کر ڈالو اس حکم سے یا تو یہ مراد ہے کہ اس شخص کی بہت پٹائی کرو اور خوب مار دو یا پھر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم زجر وتہدید کے طور پر اور قانونی وانتظامی مصالح کے پیش نظر دیا تھا اس کا تعلق کسی مستقل قانون اور وجوب سے نہیں تھا نیز بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں یہی حکم تھا مگر بعد میں منسوخ ہو گیا۔ اس کو قتل نہیں کیا اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قتل کر دینے کا حکم یا تو زجر وتہدید اور قانونی وانتظامی مصلحتوں کی بناء پر تھا یا پہلے تو یہی حکم تھا مگر بعد میں آپ نے خود اپنے اس عمل سے کہ اس کو قتل نہیں کیا یہ حکم منسوخ قرار دے دیا۔

نووی نے امام ترمذی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میری کتاب میں دو حدیثوں کے علاوہ اور کوئی ایسی حدیث نہیں ہے جس کو متروک العمل قرار دے۔ پوری امت کا اجماع واتفاق ہو ان دونوں میں سے ایک حدیث تو وہ ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی خوف ودہشت یا بارش نہ ہو تب بھی جمع بین الصلوتین کی اجازت ہے اور دوسری حدیث یہ ہے جس میں چوتھی بار شراب پینے والے کو قتل کر دینے کا حکم ہے گویا امام ترمذی کے اس قول کو نقل کر مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ یہ حدیث جس میں چوتھی بار شراب پینے والے کو قتل کر دینے کا حکم ہے منسوخ ہے اور اس کی منسوخی پر سب کا اتفاق واجماع

شرابی کی تحقیر

(۴) وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَزْھَرَ قَالَ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذْ اُتِیَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ ا... فَمِنْھُمْ مَنْ ضَرَبَہٗ بِالنِّعَالِ وَ مِنْھُمْ مَنْ ضَرَبَہٗ بِالْعَصَاءِ وَ مِنْھُمْ مَنْ ضَرَبَہٗ بِالْمِیْتَخَۃِ قَالَ ابْنُ

یعنی الجریدۃ الرطبۃ ثم اخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترابا من الارض فرمی بہ فی وجھہ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمان بن ازہر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا گویا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں۔ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شرابی کو لایا جاتا آپ لوگوں سے فرماتے اس کو مارو۔ ان میں سے کوئی شخص جوتیوں کے ساتھ مارتا کوئی لکڑی سے مارتا اور کوئی کھجور کی ڈالیوں سے۔ ابن وہب نے کہا مجیخہ سے مراد جریدہ یعنی کھجور کی ڈالی رکھتے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین سے مٹی پکڑی اور اس کو اس کے چہرہ کی طرف پھینکا۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: نعال: جوتوں کو نعال کہتے ہیں، عصا لاٹھی کو کہتے ہیں "المیتخۃ" میم پر زبر ہے اور یا پر سکون ہے تا پر زبر ہے پھر خاء معجمہ ہے۔ ملعقۃ کے وزن پر ہے چھوٹی لاٹھی کو کہتے ہیں جو تر ہو خشک بہت ہو جیسا کہ راوی نے خود وضاحت فرمائی ہے۔ "احثو ترابا" مٹی کو اس کے منہ پر مارنا مزید تحقیر وتذلیل کیلئے تھا حد کا حصہ نہیں تھا (لیکن محبوب کے ہاتھ کی یہ مٹی اگر چہرہ کے بجائے دل پر جا لگتی تب بھی اس میں کیا ہی مزہ آتا ہوگا۔

شرابی کو سزا دو اس کو عار دلاؤ لیکن اس کے حق میں بددعا نہ کرو

(۵) وعن ابی ھریرۃ قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی برجل قد شرب الخمر فقال اضربوہ فمنا الضارب بیدہ والضارب بثوبہ والضارب بنعلہ ثم قال بکتوہ فاقبلوا علیہ یقولون ما اتقیت اللہ ما خشیت اللہ و ما استحییت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال بعض القوم اخزاک اللہ قال لا تقولوا ھکذا لا تعینوا علیہ الشیطان ولکن قولوا اللھم اغفر لہ اللھم ارحمہ۔ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی لایا گیا اس نے شراب پی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو مارو ہم میں سے کسی نے اس کو ہاتھوں سے مارا کسی نے اپنے کپڑے سے کسی نے اپنی جوتی سے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو تنبیہ کرو لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے اسے کہنے لگے تو اللہ سے نہ ڈرا اور تو نے اللہ کے عذاب سے خوف نہ کھایا تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حیا نہ کی ایک آدمی کہنے لگے اللہ تجھ کو رسوا کرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس طرح نہ کہو شیطان کو اس پر مدد نہ دو لیکن کہو اے اللہ اس کو بخش دے اے اللہ اس پر رحم فرما۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان سے تنبیہ کرنے کا جو حکم دیا وہ استحباب کے طور پر تھا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا حکم کہ ...کی پٹائی کرو وجوب کے طور پر تھا۔

اس پر شیطان کے عذاب ہو جانے میں مدد نہ کرو کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح کی بددعا کر کے شیطان کی اعانت نہ کرو کیونکہ جو اللہ تعالیٰ اس ...یل ورسوا کر دے گا تو اس پر شیطان کا تسلط ہو جائے گا یا جب وہ تم کو یہ بددعا کرتے ہوئے سنے گا۔ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید و مایوس ہو ...گا اور یہ مایوسی و ناامیدی اس کو گناہوں میں منہمک رکھے گی اس طرح اس پر اپنا غلبہ رکھنے کا شیطان کا مقصد بھی پورا ہوگا اس کا گناہوں پر ...کرار اللہ کی غضب کا سبب بھی ہوگا لہذا اس اعتبار سے تمہاری بددعا شیطان کے بہکانے میں مددگار ہوگی۔ بلکہ یوں کہو اس حکم کا مطلب یا تو یہ ...وع ہی میں اس کے لیے مغفرت ورحمت کی دعا کرنی چاہیے یا یہ کہ اب اس کے لیے دعاء مغفرت ورحمت کرو اور زیادہ صحیح یہی بات ہے ...وع میں تو اس کو عار دلانا مطلوب تھا اور ظاہر ہے کہ اس دعا اللھم اغفر لہ کے ساتھ عار دلانے یا اس کو تنبیہ کرنے کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔

ثبوت جرم کے بغیر سزا نہیں

...عن ابن عباس قال شرب رجل فسکر فلقی یمیل فی الفج فانطلق بہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وَسَلَّمَ فَلَمَّا حَاذٰی دَارَ الْعَبَّاسِ اِنْفَلَتَ فَدَخَلَ عَلَی الْعَبَّاسِ فَالْتَزَمَهٗ فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَحِكَ فَقَالَ اَفَعَلَهَا وَلَمْ يَاْمُرْ فِيْهِ بِشَيْءٍ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ایک آدمی نے شراب پی اس پر نشہ چڑھ گیا وہ ملاقات کیا گیا اس حال میں کہ راستہ میں جھومتا ہوا جا رہا تھا اس کو پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا جا رہا تھا جب وہ عباس رضی اللہ عنہ کے گھر کے برابر پہنچا لوگوں کے درمیان سے بھاگ نکلا اور عباس کے پاس جا کر اس کو چمٹ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس بات کا ذکر کیا گیا آپ ہنس پڑے اور فرمایا اس نے ایسا کیا ہے اور آپ نے اس کے متعلق کوئی حکم نہ دیا۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو اس شخص پر حد جاری کرنے کا حکم دیا اور نہ اس کو کوئی دوسری سزا دی اس کا سبب یہ تھا کہ اس کا شراب پینا نہ تو خود اس کے اقرار سے اور نہ عادل گواہوں کی گواہی کے ذریعہ ثابت ہوا۔ اگر وہ دربار رسالت میں حاضر ہو کر اپنی شراب نوشی کا اعتراف واقرار کرتا یا گواہوں کے ذریعہ اس کی شراب نوشی کا جرم ثابت ہوتا تو یقیناً اس پر حد جاری کرنے کا حکم دیا جاتا۔ اور جہاں تک اس شخص کا راستہ میں نشہ کی حالت میں پائے جانے کا تعلق ہے تو یہ مسئلہ ہے کہ شرعی قانون کی نظر میں کسی شخص کا محض راستہ میں لڑکھڑاتے اور جھومتے ہوئے چلنا اس نشہ کے ثبوت کے لیے کافی نہیں ہے جو اس پر حد کے جاری ہونے کو واجب کرے۔

الفصل الثالث... جو شخص سزاء کوڑے کھاتے ہوئے مرجائے اسکی دیت واجب نہیں ہوگی

(۷) عَنْ عُمَيْرِ بْنِ سَعِيْدٍ النَّخَعِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ يَقُوْلُ مَا كُنْتُ لِاُقِيْمَ عَلٰی اَحَدٍ حَدًّا فَيَمُوْتُ فَاَجِدُ فِيْ نَفْسِيْ مِنْهُ شَيْئًا اِلَّا صَاحِبَ الْخَمْرِ فَاِنَّهٗ لَوْمَاتَ وَدَيْتُهٗ وَذٰلِكَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسُنَّهٗ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عمیر بن سعید نخعی سے روایت ہے کہا میں نے علی بن ابی طالب سے سنا فرماتے تھے میں کسی پر حد قائم کروں اور وہ مر جائے اس کے مرنے کا افسوس مجھے نہیں ہوتا مگر شراب پینے والا اگر وہ مر جائے میں اس کی دیت بھروں گا اور یہ اس لئے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حد مقرر نہیں کی۔ (متفق علیہ)

تشریح: حد مقرر نہیں فرمائی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب پینے کی حد سزا کو متعین نہیں کیا ہے کہ اتنے کوڑے مارنے چاہئیں اگرچہ بعض احادیث میں چالیس یا چالیس کے مانند کے عدد کا ذکر ہے اس لیے اگر میں نے کسی شراب پینے والے کو اسی 80 کوڑے مارے اور وہ مر گیا تو میں ڈرتا ہوں کہ شاید یہ زیادتی میری طرف سے منسوب ہو جائے اس اعتبار سے میں اس مرنے والے کی دیت ادا کروں گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ بات محض احتیاط پسندی پر محمول ہے حالانکہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے شراب پینے والے کو سزا مارنے جانے والے کوڑوں کی تعداد متعین کرنی چاہی اور صحابہؓ نے اس بارہ میں مشورہ کیا تو خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا کہ شرابی کو اسی کوڑے مارنا میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے شراب نوشی کا سزا کا تعین

(۸) وَعَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدَّيْلَمِيِّ قَالَ اِنَّ عُمَرَ اسْتَشَارَ فِيْ حَدِّ الْخَمْرِ فَقَالَ لَهٗ عَلِيٌّ اَرٰی اَنْ تَجْلِدَهٗ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً فَاِنَّهٗ اِذَا شَرِبَ سَكِرَ وَاِذَا سَكِرَ هَذٰی وَاِذَا هَذٰی افْتَرٰی فَجَلَدَ عُمَرُ فِيْ حَدِّ الْخَمْرِ ثَمَانِيْنَ. (رواہ مالک)

ترجمہ: حضرت ثور بن زید دیلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شراب کی حد میں مشورہ کیا۔ علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے میرا خیال ہے کہ اسی کوڑے لگائے جائیں کیونکہ کوئی آدمی جب شراب پیتا ہے مست ہو جاتا ہے اور جب مست ہوتا ہے بیہودہ بکتا ہے اور جس وقت بکتا ہے بہتان لگاتا ہے حضرت عمر نے شراب کی حد اسی کوڑے مقرر کیے۔ روایت کیا اس کو مالک نے۔

تشریح: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے کی دلیل میں بڑی جاندار بات فرمائی کہ شراب پینے والے کی عقل ماؤف ہو جاتی ہے اور وہ نشہ کی حالت میں اول فول بکتا ہے اور خواہ مخواہ کسی پر الزام لگاتا پھرتا ہے یہاں تک کہ نیک پارسا اور پاکدامن عورتوں پر زنا کا بہتان لگانے سے بھی باز نہیں رہتا' اس اعتبار سے اس کا نشہ گویا قذف وافتراء پردازی یا کدامن پر زنا کی تہمت لگانے کا باعث ہوتا ہے اور چونکہ قذف بہتان تراشی کی سزا اسی کوڑے ہے لہذا قذف پر قیاس کرتے ہوئے شرابی کی سزا بھی زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتی ہے گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات اغلب کا اعتبار کرتے ہوئے فرمائی کہ زیادہ تر شرابی اپنے نشے کی حالت میں اول فول بکتے ہیں اور دوسروں پر الزام لگاتے ہیں اور چونکہ حکم کا انحصار اغلب پر ہوتا ہے اس لیے ہر شرابی کے لیے یہ ایک ہی سزا مقرر ہوگی خواہ نشہ کی حالت میں اول فول بکے یا نہ بکے اور کسی پر الزام لگائے یا نہ لگائے بہرحال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس رائے کو تسلیم کیا اور شراب پینے کی سزا اسی کوڑے متعین فرمائی۔ جس پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اجماع واتفاق کیا۔

بَابُ مَالَا يُدْعٰى عَلَى الْمَحْدُوْدِ

جس پر حد جاری کی جائے اس کے حق میں بددعا نہ کرنے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے گناہ کا ارتکاب کرے جس کی وجہ سے وہ حد (شرعی سزا) کا مستوجب ہوتا ہو اور پھر اس پر وہ حد جاری ہو جائے تو اس کے حق میں کسی طرح کی بددعا نہ کی جائے جیسا کہ جب ایک شخص نے ایک شراب پینے والے کے حق میں یہ بددعا کا اخزاک اللہ یعنی اللہ تعالیٰ تجھ کو ذلیل و رسوا کرے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ یوں نہ کہو بلکہ اس کے حق میں مغفرت ورحمت کی دعا کرو۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ..... کسی گناہگار پر لعنت بھیجنا ناجائز ہے

(۱) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ رَجُلًا اسْمُهٗ عَبْدُ اللّٰهِ يُلَقَّبُ حِمَارًا كَانَ يُضْحِكُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ جَلَدَهٗ فِي الشَّرَابِ فَاُتِيَ بِهٖ يَوْمًا فَاَمَرَ بِهٖ فَجُلِدَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ اَللّٰهُمَّ الْعَنْهُ مَا اَكْثَرَ مَا يُؤْتٰى بِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلْعَنُوْهُ فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ اَنَّهٗ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ایک آدمی جس کا نام عبداللہ اور لقب حمار تھا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنساتا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب پینے کے جرم میں اس پر حد لگائی تھی۔ ایک دن اس کو لایا گیا آپ نے حکم دیا اس پر حد لگائی گئی ایک آدمی کہنے لگا اللہ اس پر لعنت کرے بار بار اس کو لایا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر لعنت نہ کرو پس اللہ کی قسم مجھے علم ہے کہ یہ شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے۔ (روایت کیا اس کو ابو داؤد نے)

(۲) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ فَقَالَ اضْرِبُوْهُ فَمِنَّا الضَّارِبُ بِيَدِهٖ وَالضَّارِبُ بِنَعْلِهٖ وَالضَّارِبُ بِثَوْبِهٖ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ اَخْزَاكَ اللّٰهُ قَالَ لَا تَقُوْلُوْا هٰكَذَا لَا تُعِيْنُوْا عَلَيْهِ الشَّيْطَانَ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس نے شراب پی رکھی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو مارو ہم میں سے کسی نے اس کو ہاتھ سے مارا کسی نے جوتی سے کسی نے کپڑے سے جب وہ پھر الوگوں میں سے ایک آدمی کہنے لگا اللہ تجھ کو رسوا کرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس طرح نہ کہو اس پر شیطان کو مدد نہ دو۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ... جو مجرم سزا پا چکا ہے اسکی آبروریزی مردار کھانے کے مترادف ہے

(۳) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ الْاَسْلَمِيُّ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَهِدَ عَلٰى نَفْسِهٖ اَنَّهٗ اَصَابَ امْرَاَةً حَرَامًا اَرْبَعَ

مَرَّاتٍ كُلُّ ذٰلِكَ يُعْرِضُ عَنْهُ فَاَقْبَلَ فِي الْخَامِسَةِ فَقَالَ اَنِكْتَهَا؟ قَالَ نَعَمْ وَ قَالَ حَتّٰى غَابَ ذٰلِكَ مِنْكَ فِيْ ذٰلِكَ مِنْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ كَمَا يَغِيْبُ الْمِرْوَدُ فِي الْمُكْحَلَةِ وَ الرِّشَاءُ فِي الْبِئْرِ قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ تَدْرِيْ مَا الزِّنَا قَالَ نَعَمْ اَتَيْتُ مِنْهَا حَرَامًا مَا يَاْتِي الرَّجُلُ مِنْ اَهْلِهٖ حَلَالًا قَالَ فَمَا تُرِيْدُ بِهٰذَا الْقَوْلِ قَالَ اُرِيْدُ اَنْ تُطَهِّرَنِيْ فَاَمَرَ بِهٖ فَرُجِمَ فَسَمِعَ النَّبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلَيْنِ مِنْ اَصْحَابِهٖ يَقُوْلُ اَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهٖ اُنْظُرْ اِلٰى هٰذَا الَّذِيْ سَتَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَلَمْ تَدَعْهُ نَفْسُهٗ حَتّٰى رُجِمَ رَجْمَ الْكَلْبِ فَسَكَتَ عَنْهُمَا ثُمَّ سَارَ سَاعَةً حَتّٰى مَرَّ بِجِيْفَةِ حِمَارٍ شَائِلٍ بِرِجْلِهٖ فَقَالَ اَيْنَ فُلَانٌ وَ فُلَانٌ فَقَالَا نَحْنُ ذَانِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ انْزِلَا فَكُلَا مِنْ جِيْفَةِ هٰذَا الْحِمَارِ فَقَالَا يَانَبِيَّ اللّٰهِ مَنْ يَاْكُلُ مِنْ هٰذَا قَالَ فَمَا نِلْتُمَا مِنْ عِرْضِ اَخِيْكُمَا اٰنِفًا اَشَدُّ مِنْ اَكْلٍ مِنْهُ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنَّهُ الْاٰنَ لَفِيْ اَنْهَارِ الْجَنَّةِ يَنْغَمِسُ فِيْهَا (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ماعز اسلمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس نے چار مرتبہ اپنے نفس پر گواہی دی کہ اس نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا ہے۔ ہر مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اعراض کرتے تھے۔ پانچویں بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے فرمایا تو نے اس سے صحبت کی ہے اس نے کہا ہاں فرمایا یہاں تک کہ تیرا عضو اس کے عضو مخصوص میں داخل ہوا اس نے کہا ہاں فرمایا جس طرح سلائی سرمہ دانی میں اور رسی کنوئیں میں غائب ہو جاتی ہے اس نے کہا ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے علم ہے کہ زنا کیا ہے۔ اس نے کہا ہاں میں نے اس عورت کے ساتھ حرام فعل کیا ہے۔ جو آدمی حلال طریقہ سے اپنی بیوی سے کرتا ہے آپ نے فرمایا اب یہ کہنے کے ساتھ تیرا کیا ارادہ ہے اس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو گناہ سے پاک کر دیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق حکم دیا۔ پس اس کو رجم کیا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں سے دو آدمیوں سے سنا ایک دوسرے کو کہہ رہا ہے اس آدمی کی طرف دیکھو جس پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈالا تھا اس کے نفس نے اس کو نہ چھوڑا یہاں تک کہ کتے کی طرح سنگسار کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کی باتیں سن کر چپ رہے پھر کچھ عرصہ آپ چلتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مردہ گدھے کے پاس سے گذرے جس نے اپنی ٹانگیں اوپر اٹھائی ہوئی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فلاں فلاں کہاں ہے ان دونوں نے کہا ہم ہیں اے اللہ کے رسول فرمایا اترو اور اس مردار گدھے کا گوشت کھاؤ انہوں نے کہا اے اللہ کے نبی اس کا گوشت کون کھاتا ہے فرمایا تم نے جو اپنے بھائی کی ابرو ریزی کی ہے وہ اس گدھے کا گوشت کھانے سے زیادہ سخت ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس وقت وہ جنت کی نہروں میں غوطے مار رہا ہے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

(۴) وَعَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصَابَ ذَنْبًا اُقِيْمَ عَلَيْهِ حَدُّ ذٰلِكَ الذَّنْبِ فَهُوَ كَفَّارَتُهٗ. رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ.

ترجمہ: حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایک گناہ کا مرتکب ہو پھر اس پر حد قائم کر دی جائے وہ حد اس گناہ کا کفارہ ہے۔ (روایت کیا اس کو شرح السنہ میں)

جس گناہ پر سزا جاری ہو چکی ہے اس پر آخرت میں مواخذہ نہیں ہوگا

(۵) وَعَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَصَابَ حَدًّا فَعُجِّلَ عُقُوْبَتُهٗ فِي الدُّنْيَا فَاللّٰهُ اَعْدَلُ مِنْ اَنْ يُّثَنِّيَ عَلٰى عَبْدِهِ الْعُقُوْبَةَ فِي الْاٰخِرَةِ وَمَنْ اَصَابَ حَدًّا فَسَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَفَا عَنْهُ فَاللّٰهُ اَكْرَمُ مِنْ اَنْ يَّعُوْدَ فِيْ شَيْءٍ قَدْ عَفَا عَنْهُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہا جو شخص کسی حد کو پہنچے دنیا میں جلد اس کو اس کی سزا دی

جائے گی۔ اللہ تعالیٰ عادل تر ہے کہ آخرت میں اس کو دوبارہ سزا دے اور جو شخص کسی حد کو پہنچا اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈال دیا پس اللہ کریم تر ہے کہ دوبارہ ایسی چیز میں مؤاخذہ کرے جس کو معاف کر دیا ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: ''اور اللہ تعالیٰ نے اس کے اس گناہ کو چھپا لیا الخ کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے ندامت و شرم ساری کے ساتھ اپنے گناہ سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت و بخشش کا طلب گار رہا یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اس کے اس گناہ کی پردہ پوشی فرمائی اور اس طرح اس کو اسی دنیا میں معاف کر دیا تو اللہ اس کی شان کریمی سے یہ امید ہے کہ آخرت میں بھی اس کو معاف کر دے۔''

اپنے گناہ کی پردہ پوشی کرنا اس کو ظاہر کرنے سے بہتر ہے:۔ جمہور علماء کا یہ مسلک ہے کہ اگر کوئی بندہ کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے تو (اسی دنیا میں اس کی سزا بھگتنے کے لیے) اس کو ظاہر کرنا (یعنی حاکم کے سامنے خود اپنے گناہ کا اقرار کرنا) اگرچہ اس کے ایمان کی پختگی اس کے قلب و احساس کی سلامتی اور اس خدا ترسی کا مظہر ہوگا لیکن اس کے حق میں زیادہ بہتر اور اولیٰ بات یہی ہے کہ وہ اپنے گناہ کو چھپا کر اپنے نفس کی پردہ پوشی کرے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ و طلب مغفرت و بخشش کرے۔

بَابُ التَّعْزِيْرِ..... تعزیر کا بیان

تعزیر عزر سے ہے جس کا معنی روکنا ملامت کرنا اور دھمکی دینا ہے۔ تعزیر کے ذریعہ سے بھی آدمی کو گناہ سے روکا اور ٹوکا جا سکتا ہے اور فقہاء کی اصطلاح میں ''تعزیر اس سزا کا نام ہے جو برائے تادیب و تہذیب دی جاتی ہے اور جس کی مقدار ادنیٰ حد سے کم ہوتی ہے۔''

تعزیر کا ثبوت:۔ قرآن کریم میں تعزیر کا ثبوت اس آیت سے ہے

وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا (سورۃ النساء:۳۴) اور حدیث میں ہے ''ولا ترفع عصاک عنهم ادبا''

آیت اور حدیث دونوں سے بیوی کو مارنے کا اشارہ ملتا ہے اور یہی تعزیر ہے ایک اور حدیث میں ہے'' رحم الله امرأ علق سوطه حيث يراه اهله'' (مرقات ملا علی قاری) ''اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جو اپنی لاٹھی کو ایسی جگہ پر لٹکائے رکھے جہاں اس کی بیوی کو نظر آئے۔

حد اور تعزیر میں فرق:۔ حد اس خاص سزا کا نام ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت بھی ہو اور متعین بھی ہو وقت کے حاکم کو اس میں نہ ترمیم و اضافہ کا اختیار ہے اور نہ دیگر تصرفات کا اختیار ہے حاکم کو صرف اس کی تنفیذ کا حق حاصل ہے۔ اس کے برعکس تعزیر وہ سزا ہے جس کو کتاب و سنت نے متعین نہیں کیا ہے بلکہ اس کا تعین مفوض الی رائی الامام ہے۔ امام شافعیؒ کے ہاں حاکم و قاضی پر تعزیر کا جاری کرنا لازم نہیں ہے بلکہ اس کی رائے پر موقوف ہے کہ وہ تعزیر کی سزا کرے یا نہ کرے لیکن امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ امام پر لازم اور ضروری ہے بلکہ واجب ہے کہ وہ تعزیر نافذ کرے۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر تعزیر کا ذکر نص میں موجود ہو تو پھر اس کی تنفیذ واجب ہے اور اگر تعزیر کا ذکر نص قرآن میں موجود نہیں تو پھر وقت کے حاکم کی رائے پر موقوف ہے کہ وہ جس طرح چاہے نافذ کرے یا نہ کرے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ.... بطور تعزیر زیادہ سے زیادہ کتنی سزا دی جا سکتی ہے

(۱) عَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ بْنِ نِيَارٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُجْلَدُ فَوْقَ عَشْرِ جَلَدَاتٍ اِلَّا فِیْ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا دس کوڑوں سے زیادہ کسی کو نہ لگائے جائیں۔ مگر اللہ کی حدود میں سے کسی حد میں۔ (متفق علیہ)

تشریح: اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بطور تعزیر دس سے زیادہ کوڑے مارنے کی سزا دینا جائز نہیں ہے لیکن علماء نے لکھا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ اس بارے میں فقہاء کے اختلافی اقوال ہیں کہ بطور تعزیر زیادہ سے زیادہ کتنے کوڑے مارنے کی سزا دی جا سکتی ہے؟ حضرت

امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ انتالیس سے زیادہ نہ ہو جب کہ حضرت امام ابو یوسفؒ یہ فرماتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ پچھتر کوڑے ہو سکتے ہیں البتہ کم سے کم تعداد کے بارے میں تین کوڑے پر سب کا اتفاق ہے اسی طرح اس مسئلہ پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ تعزیر میں جو کوڑے مارے جائیں ان کی تعداد حد میں مارے جانے والی تعداد تک نہ پہنچے لیکن سختی و شدت میں اس سے بھی بڑھ جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ.... مجرم کے منہ پر نہ مارو

(۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا ضَرَبَ اَحَدُکُمْ فَلْیَتَّقِ الْوَجْهَ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا جس وقت تم میں سے کوئی کسی کو مارے چہرہ پر مارنے سے بچے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو بطور حد کوڑے مارے جائیں یا بطور تعزیر و تادیب اس کی پٹائی کی جائے تو بہر صورت یہ ضروری ہے کہ اس کے چہرے کو بچایا جائے یعنی اس کے چہرے پر نہ مارا جائے۔

بدزبانی کی سزا

(۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ یَایَهُوْدِیُّ فَاضْرِبُوْهُ عِشْرِیْنَ وَ اِذَا قَالَ یَامُخَنَّثُ فَاضْرِبُوْهُ عِشْرِیْنَ وَ مَنْ وَقَعَ عَلٰی ذَاتِ مَحْرَمٍ فَاقْتُلُوْهُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا جس وقت ایک شخص دوسرے کو کہے اے یہودی اس کو بیس کوڑے مارو اور جب کہے اے مخنث بیس کوڑے مارو اور جو شخص محرم کے ساتھ زنا کرے اس کو قتل کر دو۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور اس نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: "مخنث" اس کو کہتے ہیں جس کے اعضاء اور بات چیت کے انداز میں زنانہ پن ہو اور حرکات و سکنات میں عورتوں کے مشابہ ہوا جس کو ہیجڑا اور زنانہ بھی کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی غلام پر یا کسی کافر پر زنا کی تہمت لگائے تو اس کو تعزیر (کوئی سزا) دی جانی چاہئے۔ اسی طرح اس شخص کو بھی تعزیر دی جائے جو کسی مسلمان پر زنا کے علاوہ کسی اور برائی کی تہمت لگائے مثلاً ان الفاظ کے ذریعہ اس کو مخاطب کرے اے فاسق اے فاجر اے کافر اے خبیث اے چور اے منافق اے لوطی یعنی اغلام باز اے یہودی اے لڑکوں کے ساتھ کھیلنے والے اے سود خوار اے دیوث اے مخنث اے خائن اے رنڈی کی اولاد اے بدکار عورت کے بچے اے زندیق اے کتے اے زانیوں یا چوروں کے پشت پناہ اور اے حرامزادے۔

اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو ان الفاظ کے ذریعہ مخاطب کرے تو وہ قابل تعزیر نہیں ہوگا اے گدھے اے کتے اے بندر اے بکرے اے الو اے سانپ اے سور اے بیل اے بھیڑیئے اے حجام اے حجام کی اولاد (درانحالیکہ وہ کسی حجام کی اولاد نہ ہو) اے ولد الحرام اے ناکس اے منکوس اے مسخرے اے مخنثے باز عیار اے بیوقوف اور اے وہمی۔ لیکن اس سلسلہ میں یہ واضح رہے کہ علماء نے اس شخص کو تعزیر دینا پسند کیا ہے جو مذکورہ بالا الفاظ کے ذریعہ کسی ایسے شخص کو مخاطب کرے جو شرفاء میں سے ہو۔ خاوند کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی بیوی کو تعزیر (کوئی سزا) دے جب کہ وہ کہنے کے باوجود اس کے سامنے زینت و آرائش کرنے سے اجتناب کرتی ہو یا وہ اس کو اپنے بستر پر (ہمبستری کے لیے) بلائے اور وہ انکار کر دے یا وہ نماز نہ پڑھتی ہو یا غسل جنابت ترک کرتی ہو اور یا اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے باہر آتی جاتی ہو۔

"جو شخص محرم عورت سے زنا کا مرتکب ہو اس کو مار ڈالو" حضرت امام احمدؒ نے اس ارشاد کے ظاہری مفہوم پر عمل کیا ہے جبکہ جمہور علماء کے نزدیک اس کا ظاہری مفہوم مراد نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق صرف زجر و تہدید سے ہے۔ بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ یہ ارشاد اس بات پر محمول ہے

کہ جو شخص حلال اور ہلکا جان کر کسی محرم عورت سے زنا کرے اس کو مار ڈالا جائے ورنہ محرم عورت کے ساتھ زنا کا بھی وہی حکم ہے جو دوسری عورتوں کے ساتھ زنا کا ہے کہ اگر زانی محصن (شادی شدہ) ہو تو اس کو سنگسار کیا جائے اور اگر غیر محصن (کنوارا) ہو تو کوڑے مارے جائیں۔

مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کی سزا

(۴) وَعَنْ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا وَجَدْتُّمُ الرَّجُلَ قَدْ غَلَّ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاحْرِقُوْا مَتَاعَهُ وَاضْرِبُوْهُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت تم کسی شخص کو دیکھو کہ اس نے اللہ کی راہ میں خیانت کی ہے اس کا سامان جلا دو اور اس کو مار دو۔ روایت کیا اس کو ترمذی اور ابوداؤد نے۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: "اس کا مال واسباب جلا ڈالو" کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔ بعض حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ جو شخص مال غنیمت میں سے کچھ چرائے بطور سزا اس کا مال واسباب جلانا جائز نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ حکم کہ "اس کا مال واسباب جلا ڈالو" اسلام سے ابتدائی زمانہ میں نافذ تھا مگر بعد میں منسوخ قرار دے دیا گیا۔ یا یہ کہ یہ ارشاد دراصل تغلیظ اور تشدید پر محمول ہے حضرت امام احمدؒ نے اس حکم کو اس کے ظاہری معنی پر محمول کرتے ہوئے کہا کہ اس شخص کا تمام مال واسباب جلا دیا جائے۔ البتہ اگر اس کے سامان میں قرآن کریم ہتھیار اور جانور بھی ہوں تو ان کو نہ جلایا جائے۔ نیز بطریق تعزیر اس کی پٹائی کی جائے اور یہ بات پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ مال غنیمت کی چوری کرنے والا قطع ید کا سزاوار نہیں ہوتا۔

بَابُ بَيَانِ الْخَمْرِ وَوَعِيْدِ شَارِبِهَا

شراب کی حقیقت اور شراب پینے والے کے بارے میں وعید کا بیان

خمر کی تعریف اور پینے والے کیلئے وعید:۔ خمر یعنی شراب اس چیز کا نام ہے جس کے استعمال سے نشہ اور مستی پیدا ہو خواہ وہ انگور کے شیرے کی شکل میں ہو یا کسی بھی چیز کا شیرہ ہو۔ "خمر انگور یا دیگر کسی چیز کے اس شیرے کا نام ہے جس کے استعمال سے نشہ اور مستی پیدا ہوتی ہو" (کذا فی القاموس)

یہ تعریف زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ تمام انواع خمر کو شامل ہے صرف انگور کے شیرے کے ساتھ خمر کو خاص کرنا مناسب نہیں ہاں یہ ضروری ہے کہ جس پھل سے شراب بنائی جائے اس شیرے میں شکر اور نشہ موجود ہو خواہ کھجور سے بنایا جائے یا شہد سے بنایا جائے یا مکئی سے لیا جائے یا کسی اور مادہ سے لیا جائے۔ "والخمر ما خامر العقل" اس عموم کا فائدہ یہ ہوگا کہ عرب میں اور خاص کر مدینہ منورہ میں انگور کی شراب شاذ و نادر ہی ملتی تھی اس لئے شراب کا حکم تمام پھلوں کو عام کرنا چاہیے احناف کی کتابوں میں شراب کی تعریف اس طرح لکھی ہوئی ہے۔

"الخمر وهي التي من ماء العنب اذا غلا و اشتد و قذف بالزبد"

یعنی شراب انگور کے اس کچے شیرے کا نام ہے جو سخت اور گاڑھا ہو جائے اور اس میں جھاگ اٹھے۔

احناف خمر کی تعریف کو انگور کے ساتھ اس لئے خاص کرتے ہیں کہ اس قطعی حرام مادہ کی ایک متعین حقیقت ہونی چاہیے اہل لغت نے بھی اس کو خاص شراب اور خاص رس کا نام دیا ہے اس عارض کی وجہ سے شراب کو انگور کے ساتھ خاص کیا ورنہ تخصیص نہیں ہے۔

خمر اور حرام مشروبات کی اقسام:۔ جو چیزیں نشہ آور ہیں اس کی بڑی چار قسمیں ہیں

(۱) پہلی قسم تو شراب کی ہے یہ انگور وغیرہ سے اس طرح بنتی ہے کہ انگور کا کچا شیرہ نکال کر کسی برتن میں رکھ دیتے ہیں کچھ دنوں کے بعد وہ گاڑھا ہو جاتا ہے پھر اس میں ابال آتا ہے اور وہ نشہ آور بن جاتا ہے اس کو خمر کہتے ہیں۔ راجح قول یہ ہے کہ اس میں جھاگ اٹھنا شرط نہیں ہے یہ

شراب ہے اور نص قطعی کے ساتھ حرام ہے۔ اس کا قلیل بھی حرام ہے اور کثیر بھی حرام ہے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے یہ منشیات کی جڑ اور اصل ہے دیگر منشیات اس کے تابع ہیں اس میں نشہ چڑھنے نہ چڑھنے کی قید نہیں بلکہ مطلقاً حرام اور موجب حد ہے اور یہ نجس العین ہے۔

(۲) دوسری قسم وہ ہے کہ انگور کا شیرہ آگ پر رکھ کر معمولی سا پکایا جائے اور پھر محفوظ کر لیا جائے اس کو عربی میں "باذق" اور فارسی میں "بادہ" کہتے ہیں اور اگر اسی مادہ کو زیادہ پکایا جائے کہ ایک چوتھائی جل جائے اور تین چوتھائی رہ جائے تو اس کو "طلا" کہتے ہیں یہ بھی حرام ہے اس کا پینا بھی ناجائز ہے ہاں اس میں حد نافذ کرنے کیلئے نشہ چڑھنا شرط ہے۔ (۳) تیسری قسم نقیع التمر ہے جس کو عصیر الرطب بھی کہتے ہیں اور "سکر" بھی اس کا نام ہے۔ یہ تر کھجور کا وہ شیرہ ہے جو گاڑھا ہو جائے اور اس میں جھاگ پیدا ہو جائے اس کا پینا حرام ہے مگر حد لگنے کیلئے نشہ چڑھنا شرط ہے نشہ چڑھے بغیر حد نہیں لگے گی۔ (۴) چوتھی قسم نقیع الزبیب ہے اس کو عصیر الزبیب بھی کہتے ہیں یہ کشمش کا وہ شیرہ ہے جس میں زیادہ دیر تک رکھنے سے ابال بھی آ جائے اور جھاگ بھی اٹھے اس کا پینا حرام ہے مگر حد لگنے کیلئے نشہ چڑھنا شرط ہے نشہ چڑھے بغیر حد نہیں لگے گی۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس ان چار قسموں میں "اذا غلا و اشتد و قذف بالزبد" شرط ہے یعنی جھاگ اٹھنے کی شرط ہر قسم میں ضروری ہے لیکن صاحبین جھاگ اٹھنے کی شرط کو صرف خمر میں ضروری سمجھتے ہیں باقی تینوں قسموں میں جھاگ چڑھ آنا ضروری نہیں ہے صرف غلیان اور جوش کافی ہے۔

دیگر انبذہ اور مشروبات کا حکم: یہاں چار قسم کے دوسرے مشروبات بھی ہیں۔ (۱) اول نبیذ التمر ہے یہ خرما سے بنائے گئے اس مشروب کا نام ہے جس کو معمولی جوش دیا گیا ہو اور اس میں نشہ نہ آیا ہو (۲) دوم خلیط ہے یعنی کشمش اور خرما کو ملا کر ذرا جوش دیا اور شربت کشید کیا۔ (۳) سوم تبع ہے باء اور تاء پر زبر ہے یہ اس نبیذ کا نام ہے جو گندم، جو، شہد اور جوار وغیرہ کو پانی میں ڈال کر معمولی سا جوش دیکر عرق کشید کیا جاتا ہے۔ (۴) چہارم مثلث ہے یعنی عرق انگور کو اتنا پکایا جائے کہ اس کے دو حصے ختم ہو جائیں اور ایک حصہ مشروب کی صورت میں باقی رہ جائے۔

ان چار قسم مشروبات کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کی کثیر مقدار استعمال کرنے سے نشہ آتا ہو تو اس کی قلیل مقدار کا استعمال بھی حرام ہے اور اگر کثیر مقدار میں نشہ نہیں تو قلیل و کثیر دونوں حلال ہیں۔ یہ جمہور کا مسلک ہے اور چونکہ امام محمدؒ بھی جمہور کے ساتھ ہیں لہذا محققین احناف کی تحقیق کے مطابق فتویٰ اسی قول پر ہے اگر چہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر ان اشیاء کی قلیل مقدار کو عبادت پر قوی ہونے کیلئے استعمال کیا جائے تو یہ جائز ہے اگر چہ اس کی کثیر مقدار میں نشہ ہو مگر فتویٰ اس قول پر نہیں ہے (مظاہر حق) الغرض اصل چیز نشہ اور سکر ہے اگر نشہ کسی مشروب میں ہو یا کسی گھاس میں ہو یا کسی درخت کے شیرے میں ہو یا تمباکو میں ہو یا شراب اور بھنگ میں ہو سب حرام ہیں۔

نشہ آور چیزوں میں بھنگ، افیون اور بعض جڑی بوٹیاں ہیں اسی طرح تمباکو بھی ناجائز ہے جیسا کہ صاحب درمختار نے لکھا ہے اور شاہ عبدالعزیزؒ نے حقہ نوشی کو مکروہ تحریمی لکھا ہے کیونکہ ان چیزوں سے بدن میں فتور اور سستی پیدا ہوتی ہے اور حدیث میں ابھی اس کا حکم آنے والا ہے کہ وکل مفتر یعنی ہر سستی لانے والی چیز حرام ہے یہ تفصیل صاحب مظاہر حق نے لکھی ہے میں نے تو ڈر کی وجہ سے کچھ لکھ دیا باقی چھوڑ دیا وہاں دیکھ لیا جائے (مظاہر حق ج ۳ ص ۶۳۶) سعودی عرب کے علماء ان اشیاء کو حرام کہتے ہیں اور جب درمختار نے بھی حرام لکھا ہے اگر تفصیل میں جایا جائے تو نفی میں بہت کچھ مل جائے گا۔ مدینہ منورہ میں ایک علمی شخصیت حضرت مولانا عبدالوحید عبدالملک دامت برکاتھم نے حرمت سگریٹ پر ایک عمدہ رسالہ لکھا ہے جس میں تمباکو سے بنی اشیاء کی حرمت پر خوب تفصیل سے کلام فرمایا ہے اللہ تعالیٰ ان کی زندگی میں برکت عطاء فرمائے اگر چہ بعض علماء تمباکو نوشی کو حرام نہیں کہتے ہیں مگر اس کی کراہت پر تو سب کو اتفاق ہے اگر کراہت تنزیہی بھی مان لی جائے تو اس پر اصرار سے پھر بھی یہ مسئلہ خطرناک حد تک جا پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بچہ کے منہ کو ماں کے پیٹ میں تمام آلائشوں سے اس لئے محفوظ رکھا کہ اس منہ سے یہ بچہ میرا نام پکارے گا اب جب یہ بچہ بڑا ہو کر اپنے اختیار میں آ گیا تو اس نے خود اپنے منہ کو بدبودار بنا دیا یہ کتنی نامناسب بات ہے کسی نے خوب کہا

ہزار بار بشوئم دہن بمشک و گلاب	ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ..... شراب کن چیزوں سے بنتی ہے

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْخَمْرُ مِنْ هَاتَیْنِ الشَّجَرَتَیْنِ: النخلة وَالْعِنَبَةِ. متفق علیه.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا شراب ان دو درختوں سے بنائی جاتی ہے یعنی کھجور اور انگور سے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: مراد یہ ہے کہ اکثر انہی دو چیزوں سے شراب بنتی ہے گویا یہاں حصر یعنی یہ ظاہر کرنا مراد نہیں ہے کہ شراب بس انہی دو چیزوں سے بنتی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ "کل مسکر خمر" یعنی ہر نشہ آور چیز شراب ہے چنانچہ اس ارشاد میں جو عمومیت ہے اس سے بھی یہی واضح ہوتا ہے۔

(۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ خَطَبَ عُمَرُ عَلٰی مِنْبَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّهٗ قَدْ نَزَلَ تَحْرِیْمُ الْخَمْرِ وَهِیَ مِنْ خَمْسَةِ اَشْیَاءَ الْعِنَبِ وَالتَّمْرِ وَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِیْرِ وَالْعَسَلِ وَالْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا کہا شراب کی حرمت نازل ہوئی ہے اور وہ پانچ چیزوں سے بنتی ہے۔ انگور، کھجور، گندم، جو اور شہد سے اور شراب وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ دے۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

تشریح: علماء نے وضاحت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے "اور شراب وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ لے" کے ذریعہ اس طرف اشارہ کیا کہ شراب کا انحصار انہی پانچ چیزوں میں نہیں ہے بلکہ ان کے علاوہ کسی بھی چیز سے بنا ہوا ہر وہ مشروب شراب ہے جس میں نشہ ہو اور اس کے پینے سے عقل و شعور پر پردہ پڑ جاتا ہو۔

پہلے زیادہ تر کھجور سے شراب بنتی تھی

(۳) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ لَقَدْ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ حِیْنَ حُرِّمَتْ وَمَا نَجِدُ خَمْرَ الْاَعْنَابِ اِلَّا قَلِیْلًا وَعَامَّةُ خَمْرِنَا الْبُسْرُ وَالتَّمْرُ (بخاری)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا جس وقت شراب حرام ہوئی ہم انگوروں کی شراب بہت کم پاتے تھے اور اکثر ہماری شراب کچی اور خشک کھجوروں کی تھی۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

تشریح: کھجور کے درخت پر پہلے جو شگوفہ لگتا ہے اس کو عربی میں "طلع" کہتے ہیں اور وہ کھجور کی ابتدائی حالت ہوتی ہے پھر اس کے بعد "خلال" پھر "بسر" پھر (رطب) اور پھر خشک ہو جانے کے بعد اس کی آخری شکل "تمر" ہوتی ہے۔

ہر نشہ آور مشروب حرام ہے

(۴) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبِتْعِ وَهُوَ نَبِیْذُ الْعَسَلِ فَقَالَ کُلُّ شَرَابٍ اَسْکَرَ فَهُوَ حَرَامٌ (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بتع کے متعلق دریافت کیا گیا اور وہ شہد کی نبیذ ہے فرمایا ہر وہ پینے کی چیز جو نشہ لائے حرام ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: اس حدیث میں تو "بتع" کو با کے زیر اور تا کے جزم کے ساتھ یعنی "بتع" نقل کیا گیا ہے جب کہ یہ بعض جگہ تا کے زبر کے ساتھ منقول ہے "شہد کی نبیذ" اس شہد کو کہتے ہیں جس کو کسی برتن میں ڈال کر رکھ چھوڑا جائے تاکہ کھجور کی نبیذ کی طرح اس میں

ایک خاص قسم کی تیزی پیدا ہو جائے' چنانچہ اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر شہد کی نبیذ بھی نشہ لائے تو وہ بھی حرام ہے اور تمر کی نبیذ کا بھی یہی حکم ہے کہ جاتا ہے کہ اہل یمن کی شراب یہی بتع ہوتی ہے۔

جو شخص اس دنیا میں شراب پیئے گا وہ شراب طہور سے محروم رہے گا

(۵) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا فَمَاتَ وَهُوَ يُدْمِنُهَا لَمْ يَتُبْ لَمْ يَشْرَبْهَا فِي الْاٰخِرَةِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نشہ لانے والی چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے جس نے دنیا میں شراب پی اور وہ اس کو ہمیشہ پیتا رہا اس نے اس سے توبہ نہیں کی آخرت میں اس کو نہیں پیے گا۔

تشریح: ''اس کو آخرت میں شراب پینا نصیب نہ ہوگا'' سے مراد یا تو اس شخص کی حالت کو بیان کرنا ہے جو شراب کو حلال جانتے ہوئے ہمیشہ پیتا تھا۔ یا یہ ارشاد زجر وتوبیخ اور شراب پینے کی شدید ممانعت پر محمول ہے' اور یا یہ مراد ہے کہ اس شخص کو آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ شراب طہور پینا نصیب نہیں ہوگا جو نجات یافتہ اور جنت میں پہلے داخل ہونے والوں میں ہوں گے۔

شرابی کے بارے میں وعید

(۶) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَجُلًا قَدِمَ مِنَ الْيَمَنِ فَسَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَرَابٍ يَشْرَبُوْنَهُ بِاَرْضِهِمْ مِنَ الذُّرَةِ يُقَالُ لَهُ الْمِزْرُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَمُسْكِرٌ هُوَ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ اِنَّ عَلَى اللّٰهِ عَهْدًا لِمَنْ يَشْرَبُ الْمُسْكِرَ اَنْ يَسْقِيَهُ مِنْ طِيْنَةِ الْخَبَالِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا طِيْنَةُ الْخَبَالِ قَالَ عَرَقُ اَهْلِ النَّارِ اَوْ عُصَارَةُ اَهْلِ النَّارِ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ایک آدمی یمن سے آیا اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شراب کے متعلق دریافت کیا جو کہ یمن میں وہ پیتے تھے وہ جوار سے بنی تھی اس کو مزر کہتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا وہ نشہ آور ہے اس نے کہا ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ پر عہد ہے کہ جو شخص نشہ آور پیے گا اللہ تعالیٰ اس کو طینۃ الخبال سے پلائے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم طینۃ الخبال کیا ہے فرمایا دوزخیوں کا پسینہ ہے یا فرمایا دوزخیوں کے زخموں کا پیپ ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے ترجمہ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ دوزخیوں کا پسینہ۔ یا۔ ان کے زخموں سے بہنے والا لہو اور پیپ' خبال کے معنی ہیں۔ اور ''طینت'' کے معنی ہیں تلچھٹ۔

نبیذ کے بارے میں ایک حکم

(۷) وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ خَلِيْطِ التَّمْرِ وَالْبُسْرِ وَعَنْ خَلِيْطِ الزَّبِيْبِ وَالتَّمْرِ وَعَنْ خَلِيْطِ الزَّهْوِ وَالرُّطَبِ وَقَالَ انْتَبِذُوْا كُلَّ وَاحِدٍ عَلٰى حِدَةٍ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبیذ بنانے کے لیے خشک اور کچی کھجور ملانے اور خشک انگور اور خشک کھجور کو ملانے سے اور تر کھجور کے ملانے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے ہر ایک سے الگ الگ نبیذ بناؤ۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو پھلوں کو ملا کر بھگونے (یعنی ان کا نبیذ بنانے) سے منع فرمایا اور الگ الگ کر کے بھگونے (اور اس کی نبیذ بنانے) کو جائز رکھا اس میں حکمت یہ ہے کہ جب دو مختلف طرح کے پھل ایک ساتھ بھگوئے جائیں گے تو ایک پر پانی جلد اثر کرے گا۔ اور دوسرے

پر دیر سے" نتیجہ یہ ہوگا جو پانی سے جلد تغیر قبول کرے گا اس میں نشہ پیدا ہو جائے گا اور اس کا اثر دوسرے تک پہنچے گا اس طرح جو نبیذ تیار ہوگی اس میں ایک نشہ آور چیز کے مخلوط ہو جانے کا قوی امکان ہوگا جس کا امتیاز کرنا ممکن نہیں ہوگا لہٰذا جب اس نبیذ کو پیا جائے گا تو گویا ایک حرام چیز کو پینا لازم آئے گا۔

چنانچہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ نے اسی بنیاد پر اس حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کیا ہے اور کہا ہے کہ ایسی نبیذ پینا جو دو پھلوں کو باہم بھگو کر بنائی گئی ہو حرام ہے۔ خواہ اس میں نشہ ہو یا نشہ نہ ہو لیکن جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ ایسی نبیذ کا پینا اسی صورت میں حرام ہوگا جب کہ وہ نشہ آور ہو۔

شراب کا سرکہ بنا کر اس کو کھانے پینے کے کام میں لانا جائز ہے

(۸) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْخَمْرِ یُتَّخَذُ خَلًّا؟ فَقَالَ لَا. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے متعلق سوال کیا گیا جس کو سرکہ بنادیا جائے فرمایا نہ بناؤ۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: تتخذ خلا یعنی شراب میں نمک اور پیاز وغیرہ ملا کر سرکہ بنایا جائے تو کیا اس سرکہ کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی چیز کے ملانے سے سرکہ بنایا گیا تو اس کا استعمال ناجائز ہے یہ اب بھی سرکہ نہیں بلکہ نجس شراب کے حکم میں ہے ہاں اگر خود بخود دھوپ وغیرہ میں رکھنے سے سرکہ بن گیا تو اب یہ شراب نہیں رہا اب اس کا استعمال جائز ہے ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ کسی چیز کے ملانے سے شراب کو سرکہ بنانا ایک مکروہ فعل ہے لیکن سرکہ بن جانے کے بعد وہ شراب نہیں رہا اب تو یہ سرکہ ہے اور سرکہ حلال ہے اس کا استعمال جائز ہے۔

دلائل:۔ شوافع مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں احناف نے "نعم الادام الخل" والی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اب یہ شراب نہیں بلکہ سرکہ ہے اسی طرح بیہقی میں حدیث ہے کہ "خیر خلکم خل خمرکم"

جواب:۔ شافعیہ نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ شراب سے تبدیل شدہ سرکہ کی ممانعت اس وقت کی بات ہے جبکہ ابتداء میں شراب سے نفرت دلانے کیلئے برتنوں کو بھی منع کر دیا گیا تھا کہ مبادہ شیطان شراب کی لذت اور اس کے وسوسے دوبارہ دلوں میں نہ ڈال دے اس لئے شراب سے تبدیل شدہ سرکہ کی بھی ممانعت کر دی گئی ورنہ جب شراب کی ماہیت تبدیل ہوگئی اور سکر و نشہ ختم ہو گیا تو پھر ممانعت کی کوئی وجہ نہیں ہے بہر حال اگر اس ظاہری حدیث پر کوئی شخص عمل کرنا چاہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور نہ اس کے معارضہ کی ضرورت ہے۔

شراب کی دوا کے طور پر بھی استعمال کرنا جائز نہیں ہے

(۹) وَعَنْ وَائِلِ الْحَضْرَمِیِّ اَنَّ طَارِقَ بْنَ سُوَیْدٍ سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَمْرِ فَنَهَاهُ فَقَالَ اِنَّمَا اَصْنَعُهَا لِلدَّوَاءِ فَقَالَ اِنَّهٗ لَیْسَ بِدَوَاءٍ وَلٰکِنَّهٗ دَاءٌ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت وائل حضرمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا طارق بن سوید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے متعلق پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پینے سے منع فرمایا طارق نے کہا میں اس کو بطور دوا پینا چاہتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دوا نہیں ہے بلکہ بیماری ہے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: انہ لیس بدواء: اکثر علماء نے دوا کے طور پر شراب کو استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر طبیب حاذق و ماہر ہو اور نیک و صالح ہو اور وہ مشورہ دیدے کہ اس مرض کا علاج شراب کے علاوہ کسی چیز میں نہیں ہے تو اس صورت میں بدرجہ مجبوری و اضطرار اس کا استعمال مباح ہوگا۔ باقی آنحضرت نے جو فرمایا کہ شراب بیماری ہے تو یہ حقیقت ہے کہ شراب بیماری ہی ہے مگر ظاہری طور پر اس میں عارضی ہیجان اور چستی آتی ہے جو علاج نہیں صرف عارضی ہیجان ہے اور اسی عارضی فائدہ کو قرآن میں ومنافع للناس سے ذکر کیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ.... شراب نوشی کا وبال

(۱۰) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلَاةً أَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا فَإِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَإِنْ عَادَلَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلَاةً أَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا فَإِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَإِنْ عَادَلَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلَاةً أَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا فَإِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَإِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلَاةً أَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا فَإِنْ تَابَ لَمْ يَتُبِ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَقَاهُ مِنْ نَهْرِ الْخَبَالِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے شراب پی اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں کرتا۔ اگر توبہ کی اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرے گا اگر وہ دوبارہ لوٹے اور شراب پیے اللہ تعالیٰ چالیس روز کی نماز قبول نہیں کرتا اگر توبہ کی اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرے گا۔ اگر پھر لوٹے اور شراب پیے اللہ تعالیٰ چالیس روز کی نماز قبول نہیں کرتا۔ اگر توبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرے گا اگر لوٹا چوتھی مرتبہ اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہ کرے گا اگر توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہیں کرتا اور اس کو دوزخیوں کی پیپ کی نہر سے پلائے گا روایت کیا اس کو ترمذی نے اور روایت کیا اس کو نسائی ابن ماجہ اور دارمی نے عبداللہ بن عمرو سے۔

تشریح: ''اس کی نماز قبول نہیں کرتا'' کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کو اپنی نماز کا ثواب نہیں ملتا اگرچہ وقت پر نماز کی ادائیگی کا فرض اس پر سے ساقط ہو جاتا ہے۔ یہاں خاص طور پر نماز کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ظاہر کرتا ہے کہ جب نماز جیسی عبادت قبول نہیں ہوتی جو تمام بدنی عبادتوں میں سب سے افضل ہے تو دوسری عبادتیں بطریق اولیٰ قبول نہیں ہوں گی نیز ''چالیس دن'' کی تعداد شاید اس لیے لگائی گئی ہے کہ شراب پینے والے کے باطن میں شراب کا اثر مختلف نوعیتوں سے اتنی ہی مدت تک رہتا ہے۔ یہ بات محفوظ رہنی چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ چوتھی مرتبہ میں توبہ قبول نہیں کی جاتی دراصل زجر و تشدید اور سخت تنبیہ پر محمول ہے کیونکہ ایک جگہ یہ فرمایا گیا ہے کہ ''جس شخص نے گناہ سے توبہ کی اور نادم ہوا اور اللہ تعالیٰ سے بخشش کی امید رکھی تو اس نے اصرار نہیں کیا (یعنی ایسے شخص کو ''مصر'' نہیں کہہ سکتے اور اس کی توبہ قبول ہوگی) اگرچہ ایک ہی دن میں وہی گناہ ستر بار کرے'' یا یہ مراد ہے کہ جو شخص بار بار شراب پیتا ہے تو اس ام الخبیث کے ارتکاب کی نحوست کی وجہ سے اس کو حقیقی توبہ کی توفیق عطا نہیں ہوتی اور آخر کار وہ ''مصر'' مر جاتا ہے۔

نشہ آور چیز کی قلیل مقدار بھی حرام ہے

(۱۱) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَسْكَرَ كَثِيْرُهُ فَقَلِيْلُهُ حَرَامٌ. (رواه الترمذى و ابوداؤد و ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا زیادہ پینا نشہ لائے۔ اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی اور ابوداؤد نے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر مثلاً شراب کی کوئی ایسی قسم ہے جس کی زیادہ مقدار نشہ لاتی ہے کم مقدار نشہ نہیں لاتی تو یہ نہیں ہے کہ اس کو کم مقدار میں پینا جائز ہوگا بلکہ اس کی کم مقدار بھی حرام ہوگی کیونکہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ پہلے جس چیز کی کم مقدار کو اختیار کرتا وہی کم مقدار اس کو زیادہ مقدار تک پہنچا دیتی ہے لہٰذا اس کم مقدار سے بھی اجتناب کرنا ضروری ہوگا۔

مسکر چیز کا ایک چلو بھی حرام ہے

(۱۲) وَعَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَسْكَرَ مِنْهُ الْفَرَقُ فَمِلْءُ الْكَفِّ مِنْهُ حَرَامٌ. (احمد والترمذى)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں فرمایا جو چیز کہ بقدر فرق کے پینے کے نشہ لائے اس کا ایک چلو بھی حرام ہے۔ (روایت کیا اس کو احمد ترمذی)

شراب کن چیزوں سے بنتی ہے

(۱۳) وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنَ الْحِنْطَةِ خَمْرًا وَمِنَ الشَّعِيْرِ خَمْرًا وَمِنَ التَّمْرِ خَمْرًا وَمِنَ الزَّبِيْبِ خَمْرًا وَمِنَ الْعَسَلِ خَمْرًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گندم سے بھی شراب بنتی ہے اور جو سے بھی اور کھجور سے بھی اور انگور سے بھی اور شہد سے بھی شراب بنتی ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: علماء نے لکھا ہے کہ یہاں حصر مراد نہیں ہے کہ بس انہی چیزوں سے شراب بنتی ہے بلکہ ان چیزوں کو خاص طور پر اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ عام طور پر شراب انہی چیزوں سے بنتی ہے۔ اس ارشاد میں اس بات کی دلیل ہے کہ خمر صرف انگوری شراب کو نہیں کہتے جب کہ ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ یہاں انگوری شراب کے علاوہ دوسری چیزوں کی شراب کو بھی خمر مجازاً کہا گیا ہے اور اس میں مناسبت یہ ہے کہ ان چیزوں کی شراب (یا نشہ آور نبیذ) بھی انسان کی عقل کو زائل کر دیتی ہے۔

شراب مال متقوم نہیں ہے

(۱۴) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ عِنْدَنَا خَمْرٌ لِيَتِيْمٍ فَلَمَّا نَزَلَتِ الْمَائِدَةُ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ وَ قُلْتُ اِنَّهُ لِيَتِيْمٍ فَقَالَ اَهْرِيْقُوْهُ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ہمارے پاس ایک یتیم کی شراب تھی جب سورۂ مائدہ نازل ہوئی میں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اور میں نے کہا وہ یتیم کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو پھینک دو۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے)

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد کے ذریعہ واضح فرمایا کہ شراب متقوم مال نہیں ہے نہ صرف یہ کہ اس سے کوئی نفع حاصل کرنا کسی بھی مسلمان کے لیے حلال نہیں ہے بلکہ ہمیں اس کی اہانت کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں اس شراب کو پھینک دینا ہی ضروری ہے۔

(۱۵) وَعَنْ اَنَسٍ عَنْ اَبِيْ طَلْحَةَ اَنَّهُ قَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اِنِّيْ اشْتَرَيْتُ خَمْرًا لِاَيْتَامٍ فِيْ حِجْرِيْ فَقَالَ اَهْرِقِ الْخَمْرَ وَاكْسِرِ الدِّنَانَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ضَعَّفَهُ وَ فِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوُدَ اَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَيْتَامٍ وَرِثُوْا خَمْرًا قَالَ اَهْرِقْهَا قَالَ اَفَلَا اَجْعَلُهَا خَلًّا قَالَ لَا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اس نے کہا اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں نے یتیم بچوں کے لیے شراب خریدی ہے جو میری پرورش میں ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شراب پھینک دے اور مٹکے توڑ دے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور ضعیف کہا ہے اس کو۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یتیم بچوں کے متعلق دریافت کیا جو شراب کے وارث ہوئے ہیں آپ نے فرمایا اس کو پھینک دے اس نے کہا کیا میں اس کا سرکہ نہ بنالوں فرمایا نہیں۔

تشریح: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے اپنے زیر پرورش یتیموں کے لیے جو شراب خریدی تھی اس کے بارہ میں پوچھا کہ شراب حرام ہوگئی ہے میں اس شراب کا کیا کروں؟ آیا اس کو پھینک دوں یا رہنے دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ اس کو بہا ڈالو۔ اس کے ساتھ ہی اس کے برتن کو توڑ ڈالنے کا حکم اس لیے دیا کہ شراب کی نجاست اس میں سرایت کر گئی تھی اور اس کا پاک کرنا اب ممکن نہیں رہا تھا۔ یا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی ممانعت میں شدت کو ظاہر کرنے کے لیے یہ حکم دیا کہ جس برتن میں وہ شراب رکھی ہے اس کو بھی توڑ ڈالو اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شراب کو سرکہ بنا لینے سے جو منع فرمایا اس کا تعلق بھی یا تو زجر و تنبیہ سے ہے یا یہ ممانعت "نہی تنزیہی" کے طور پر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ..... ہر مسکر و مفتر چیز حرام ہے

(۱۶) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ مُسْكِرٍ وَّ مُفْتِرٍ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ آور اور ہر مفتر (قوی میں سستی پیدا کرنے والی شی) سے منع کیا ہے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: نہایہ میں لکھا ہے کہ "مفتر" اس چیز کو کہتے ہیں جس کو پینے سے قلب و دماغ میں گرمی سرایت کر جائے اور ان اعضاء رئیسہ میں فتور یعنی ضعف واضمحلال پیدا ہو جائے چنانچہ "الفتر الرجل" کسی شخص کے بارے میں اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ اس کی پلکیں کمزور ہو جاتی ہیں اور گوشہ چشم مضمحل ہو جاتا ہے جیسے جو شخص بہت بوڑھا ہو جاتا ہے اس کی پلکیں کمزور ہو جاتی ہیں یا ٹوٹ ٹوٹ کر گر تی ہیں جس کی وجہ سے آنکھیں چندھیائی سی رہتی ہیں۔

اس ارشاد گرامی سے بنج (خراسانی اجوائن یا بھنگ) اور دوسری مخیرات اور مفتر چیزوں کی حرمت پر استدلال کیا جاتا ہے۔

شراب نوشی کی کسی حال میں اجازت نہیں ہے

(۱۷) وَعَنْ دَيْلَمِ الْحِمْيَرِيِّ قَالَ قُلْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا بِاَرْضٍ بَارِدَةٍ وَّ نُعَالِجُ فِيْهَا عَمَلًا شَدِيْدًا وَ اِنَّا نَتَّخِذُ شَرَابًا مِنْ هٰذَا الْقَمْحِ نَتَقَوّٰى بِهٖ عَلٰى اَعْمَالِنَا وَ عَلٰى بَرْدِ بِلَادِنَا قَالَ هَلْ يُسْكِرُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاجْتَنِبُوْهُ قُلْتُ اِنَّ النَّاسَ غَيْرُ تَارِكِيْهِ قَالَ اِنْ لَّمْ يَتْرُكُوْهُ فَقَاتِلُوْهُمْ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت دیلم حمیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم سرد علاقہ کے رہنے والے ہیں ہم اس میں سخت کام کرتے ہیں۔ ہم گیہوں سے شراب بناتے ہیں اپنے کاموں پر ہم قوت حاصل کرتے ہیں اور اپنے علاقہ کی سردی سے بچتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا وہ نشہ آور ہے میں نے کہا ہاں فرمایا اس سے بچو میں نے کہا لوگ اس کو نہیں چھوڑیں گے۔ آپ نے فرمایا اگر لوگ نہ چھوڑیں ان سے لڑو۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

شراب اور جوے کی ممانعت

(۱۸) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَالْكُوْبَةِ وَ الْغُبَيْرَاءِ وَ قَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہا بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب جوا اور نرد کھیلنے اور غبیراء سے منع کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: قاموس میں لکھا ہے کہ "کوبہ" نرد (ایک کھیل) اور شطرنج کو کہتے ہیں اسی طرح طبل یعنی نقارے سے اور بربط کو بھی "کوبہ" کہتے ہیں چونکہ یہ ساری ہی چیزیں ممنوع ہیں اس لیے یہاں کوبہ سے جو بھی چیز مراد لی جائے صحیح ہے۔ "غبیرا" ایک قسم کی شراب کا نام ہے جو چنے سے بنتی تھی اور عام طور پر حبشی بنایا کرتے تھے۔

شرابی جنت میں داخل نہیں ہوگا

(۱۹) وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَاقٌّ وَ لَا قَمَّارٌ وَ لَا مَنَّانٌ وَ لَا مُدْمِنُ خَمْرٍ. رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَ فِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ وَ لَا وَلَدُ زِنْيَةٍ بَدَلَ قَمَّارٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا' جوا کھیلنے والا' احسان جتلانے والا اور ہمیشہ شراب پینے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ روایت کیا اس کو دارمی نے۔ دارمی کی ایک روایت میں قمار کی بجائے ولد زنا کا لفظ ہے۔

تشریح: ولا قمار: جوا کھیلنے والے کو قمار کہتے ہیں موجودہ زمانہ کے اعتبار سے ہر وہ کھیل جس میں طرفین سے جیتنے اور ہارنے پر شرط رکھی گئی ہو وہ تمام کھیل جوئے میں داخل ہیں۔ ''ولا ولد زنية'' ولد زنا چونکہ باپ کی تربیت سے محروم رہتا ہے منحوس نطفہ کا برا اثر اس میں ہوتا ہے عام طور پر آوارہ ہوتا ہے بدکردار ماں کی آغوش میں پلتا ہے لہٰذا وہ ظاہری اور باطنی تربیت نہ ملنے کی وجہ سے ہر قسم کی آوارہ گردی اور برائیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اس لئے جنت سے محروم ہو جاتا ہے۔ بعض علماء نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے کیونکہ یہ قواعد شریعت سے بظاہر متعارض ہے کیونکہ چھوٹے بچے کا کیا قصور ہے بعض نے کہا ہے کہ اس سے اس بچے کے زانی باپ پر تعریض مقصود ہے جو ایسے بچے کی پیدائش کا سبب بن گیا۔

شرابی کے بارے میں ایک وعید

(۲۰) وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَنِيْ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ وَهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ وَاَمَرَنِيْ رَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ بِمَحْقِ الْمَعَازِفِ وَالْمَزَامِيْرِ وَ الْاَوْثَانِ وَ الصُّلُبِ وَاَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ وَ حَلَفَ رَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ بِعِزَّتِيْ لَايَشْرَبُ عَبْدٌ مِنْ عَبِيْدِيْ جُرْعَةً مِنْ خَمْرٍ اِلَّا سَقَيْتُهُ مِنَ الصَّدِيْدِ مِثْلَهَا وَ لَايَتْرُكُهَا مِنْ مَخَافَتِي اِلَّا سَقَيْتُهُ مِنْ حِيَاضِ الْقُدُسِ (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ کو جہان والوں کے لیے رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے میرے رب عزوجل نے باجوں گاجوں' مزامیر بتوں اور صلیبوں اور امر جاہلیت کے مٹانے کا حکم دیا ہے اور میرے عزت اور بزرگی والے رب نے قسم کھائی ہے کہ مجھ کو میری عزت کی قسم میرے بندوں میں سے کوئی بندہ شراب کا ایک گھونٹ نہیں پئے گا مگر میں اس کو اس کی مانند پیپ سے پلاؤں گا اور میرے خوف کی وجہ سے اس کو نہ چھوڑے گا مگر میں اس کو پاکیزہ حوضوں سے پلاؤں گا۔ روایت کیا اس کو احمد نے۔

تشریح: ''باجوں'' سے ڈھول' ڈھولکی' نقارہ' تاشہ' طبلہ' طنبورہ' سارنگی' ستار اور اسی قسم کے دوسرے باجے مراد ہیں۔ اسی طرح ''مزامیر'' سے شہنائی' چنگ' بانسری اور اس قسم کی دوسری چیزیں مراد ہیں۔ یہ حدیث باجوں اور مزامیر کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ چیزیں زمانہ قدیم سے اہل فسق اور گمراہ لوگوں کے رسوم و عادات میں داخل رہی ہیں۔

فقہاء لکھتے ہیں کہ راگ' نغمہ باجوں اور مزامیر کے ساتھ تو حرام ہے اور محض آواز کے ساتھ مکروہ ہے' نیز اجنبی عورتوں سے سننا سخت حرام ہے۔

''سولی'' سے مراد وہ صلیبی نشان (کراس) ہے جو عیسائیوں کے ہاں ایک مقدس علامت اور قومی و مذہبی نشان ہے جو اس شکل میں ہوتا ہے یعنی ایک خط دوسرے خط کو کاٹتا ہے۔ یہ دراصل اس سولی کا نشان ہے جس پر عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چڑھایا گیا تھا' اسی مناسبت سے عیسائی اس نشان کو بہت ہی مقدس اور بابرکت سمجھتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ ان کے مرد و عورت اس نشان کو مختلف صورتوں میں اپنے جسم پر آویزاں رکھتے ہیں بلکہ اپنی اور تمام چیزوں پر بھی یہ نشان بناتے ہیں' اس سے ان کا مقصد حصول برکت بھی ہوتا ہے اور اس واقعہ کی حسرتناکی اور غمگینی کو یاد رکھنا بھی ہوتا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا تھا۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نشان کو نیست و نابود کرنے کا بھی حکم دیا گیا اور مسلمانوں کو سختی کے ساتھ منع کیا گیا کہ وہ کسی بھی ایسی چیز کو استعمال نہ کریں جس پر یہ نشان ہو اور نہ اپنی کسی چیز پر یہ نشان بنائیں کیونکہ اس سے ایک غیر قوم کی مشابہت ہوگی ہے جو اسلام میں سخت حرام ہے۔ زمانہ جاہلیت کی رسوم و عادات سے مراد وہ چیزیں ہیں جو سراسر باطل ہیں اور جو زمانہ اسلام سے قبل کثرت سے رائج تھیں جیسے نوحہ و بین کرنا' اپنی نسل یا اپنے خاندان پر بے جا فخر کرنا اور دوسروں کے نسب میں طعن و طنز کرنا وغیرہ وغیرہ۔

والدین کی نافرمانی کرنے والے، دیوث اور شرابی پر جنت کے دروازے بند ہیں

(۲۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَةٌ قَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَنَّةَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ وَ الْعَاقُّ وَالدَّيُّوْثُ الَّذِيْ يُقِرُّ فِيْ اَهْلِهِ الْخُبْثَ. (رواه احمد و النسائي)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخصوں پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کردی ہے۔ ہمیشہ شراب پینے والا ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا دیوث جو اپنے اہل وعیال میں ناپاکی اور خباثت برقرار رکھے۔ روایت کیا اس کو احمد اور نسائی نے۔

تشریح: جو اپنے اہل وعیال میں ناپاکی پیدا کرے۔'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اپنی بیوی اپنی لونڈی یا اپنی کسی اور رشتہ دار کو برائی اور بدچلنی کی راہ پر لگائے یعنی انہیں غیر مردوں کے ساتھ ہم بستر ہونے یا مقدمات زنا جیسے بوس وکنار اور غیر حجابانہ اختلاط وغیرہ پر مجبور کرے یا انہیں اس کا موقع دے۔ اسی حکم میں اور تمام گناہ جیسے شراب نوشی اور غسل جنابت کا ترک وغیرہ بھی شامل ہیں یعنی اگر وہ شخص اپنی بیوی کو شراب پیتے دیکھے یا اس کو غسل جنابت ترک کرتے دیکھے یا اسی طرح کے کسی اور گناہ میں مبتلا دیکھے اور اس کو اس سے منع نہ کرے تو یہ بھی دیوثی ہے۔

طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ''دیوث'' اس بے غیرت شخص کو کہتے ہیں جو اپنے اہل یعنی اپنی عورت کو کسی برائی میں مبتلا دیکھے لیکن نہ تو اس کو اس کی وجہ سے کوئی غیرت محسوس ہو اور نہ اس کی اس برائی سے منع کرے (یعنی اپنی عورت کے پاس غیر مردوں کا آنا گوارا کرے۔ مجمع البحرین میں لکھا ہے کہ ''دیوث'' کو ''کشخان'' اور ''قرنان'' بھی کہتے ہیں لیکن بعض حضرات نے دیوث' کشخان اور قرنان کے مفہوم میں تھوڑا سا فرق وامتیاز پیدا کیا ہے یعنی دیوث وہ ہے جو غیر مرد کو اپنی عورت کے پاس آنے دے کشخان وہ ہے جو اپنی بہنوں کے پاس غیر مردوں کو آنے دے اور قرنان وہ ہے جو اپنی بیٹیوں کے پاس غیر مردوں کو آنے دے۔

(۲۲) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَةٌ لَا تَدْخُلُ الْجَنَّةَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ وَقَاطِعُ الرَّحِمِ وَ مُصَدِّقٌ بِالسِّحْرِ. (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ ہمیشہ شراب پینے والا قطع رحمی کرنے والا اور سحر کا یقین کرنے والا۔ (روایت کیا اس کو احمد نے)

تشریح: ''سحر پر یقین کرنے والا'' سے وہ شخص مراد ہے جو سحر کو موثر بالذات جانے' ورنہ سحر پر بایں معنی یقین کرنا صحیح ہے کہ وہ حق تعالیٰ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے اور حق تعالیٰ کے حکم سے اس کا اثر انداز واقع ہونا ثابت ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ السحر حق یعنی سحر ایک حقیقت ہے۔

شراب نوشی بت پرستی کے مترادف ہے

(۲۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ اِنْ مَاتَ لَقِيَ اللّٰهَ تَعَالٰى كَعَابِدِ وَثَنٍ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ رَوَى ابْنُ مَاجَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ وَقَالَ ذَكَرَ الْبُخَارِيُّ فِي التَّارِيْخِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمیشہ شراب پینے والا اگر مرجائے اللہ تعالیٰ سے بت پوجنے والے کی مانند ملاقات کرے گا۔ روایت کیا اس کو احمد نے اور روایت کیا ہے ابن ماجہ نے ابوہریرہ سے اور بیہقی نے شعب الایمان میں محمد بن عبید اللہ سے کہ اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے۔ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں عن محمد بن عبداللہ عن ابیہ سے روایت کی ہے۔

(۲۴) وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ مَا اُبَالِيْ شَرِبْتُ الْخَمْرَ اَوْ عَبَدْتُ هٰذِهِ السَّارِيَةَ دُوْنَ اللّٰهِ. (رواه النسائی)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہا کرتے تھے میں اس بات کی پروانہیں کرتا کہ شراب پیوں یا اللہ کے سوا اس ستون کی عبادت کروں۔ (روایت کیا اس کو نسائی نے)

کِتَابُ الْاِمَارَۃِ وَالْقَضَاءِ

امارت وقضاء کا بیان

قال اللہ تعالیٰ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ (سورۃ حج)

امارۃ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے باب سمع یسمع سے امر اور امارۃ مضبوط ہونے اور امیر بننے کے معنی میں ہے اور امارۃ ہمزہ کے زبر کے ساتھ علامت کے معنی میں ہے یہاں یہ مراد نہیں ہے بلکہ امارۃ بکسرۃ الھمزہ مراد ہے۔

اسلام میں اسلامی ریاست کا تصور:۔ اسلام ایک کامل ومکمل دین ہے حکومت وامارت اور نصب امام اور اسلامی خلافت کا قیام اسلام کا حکم ہے کیونکہ اسلام کے زیادہ تر احکامات کا براہ راست تعلق حکومت وامارت سے وابستہ ہے۔ نیز اسلام کے تمام قواعد وقوانین اور نظم وضبط اسلام کے خاص مزاج کے مطابق ہونا ضروری ہے لہٰذا کوئی مسلمان اسلامی امارت کے قیام کی جدوجہد سے لاتعلق نہیں رہ سکتا ہے۔

کیونکہ دفع خصومات وحفاظت سرحدات' قیام عیدین وجمعات' قیام بیت المال وحصول صدقات' تیاری مجاہدین اور جہاد کی مہمات' امن طرق حجاج کرام اور امر بالمعروف والنھی عن المنکرات' مخلوق خدا کی ضروری خدمات اور تعلیم وتعلم کے شعبہ جات اور قانون الٰہی کی خدا کی زمین پر عملی طور پر نافذ کرنا سب کے سب حکومت سے وابستہ ہیں اس لیے کہا گیا ہے' الدین والامارہ توامان ''یعنی دین اور حکومت روجڑواں بھائی ہیں۔

نصب امام اور قیام خلافت اسلامیہ مسلمانوں اور اسلام کے اہم قواعد میں سے وہ اہم قاعدہ ہے جس کا تذکرہ بطور خاص ہمارے عقائد کی کتابوں میں کیا گیا ہے چنانچہ شرح عقائد میں اس کے متعلق ایسا لکھا گیا ہے۔

"ثم الاجماع علی ان نصب الامام واجب لقولہ علیہ السلام من مات ولم یعرف امام زمانہ فقدمات میتۃ جاھلیۃ' ولان الامۃ قد جعلوا اھم المھمات نصب الامام حتی قدموا علی الدفن' ولان کثیرا من الواجبات الشرعیۃ یتوقف علیہ"

ان تمام تصریحات کے باوجود نہیں کہا جاسکتا کہ دین اسلام کو خلیفہ کی ضرورت نہیں اور مسلمان کو اقامت احکام اور اشاعت اسلام کے لیے حاکم اور حکمرانی کی ضرورت نہیں ہے جب یہ ثابت ہوگیا کہ قیام خلافت ایک ضروری اور اہم مسئلہ ہے تو اب ہمیں تشکیل خلافت کے لیے اسلام کے قواعد کی روشنی میں اسلامی خاص طریقہ درکار ہے ہم جب سلف صالحین کی تشکیلات کو سامنے رکھتے ہیں تو ہمیں تشکیل خلافت کے لیے واضح تین طریقے فراہم ہوجاتے ہیں۔

تشکیل خلافت کے تین طریقے:۔ 1۔ تشکیل خلافت کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ دین اسلام کا سب سے زیادہ وفادار سب سے زیادہ اس کے قواعد وضوابط کا ماہر اور سب سے زیادہ قربانی دینے والا اور سب سے زیادہ ہمدردی رکھنے والے کو عام مسلمان آگے لائیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے منصب امامت پر فائز کریں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا طریقہ انتخاب ایسا ہی تھا سب کے اتفاق سے ان کے کمالات اور قربانی وخدمات کی بنیاد پر ان کا انتخاب ہوا اور اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہوا بعض علماء کے نزدیک اس اجماع کا منکر کافر ہے۔

2۔ تشکیل خلافت کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ موجودہ خلیفہ اپنی وفات کے وقت کسی کو خود مقرر کردے یا اپنا ولی عہد بنادے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی تشکیل اسی طرح ہوئی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی صوابدید پر اس طرح تقرر فرمایا کہ ایک سربند کاغذ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام

لکھا اور پھر سب مسلمانوں سے مطالبہ کیا کہ اس بند کاغذ میں جس کا نام ہے وہ تمہارا خلیفہ ہے کیا تم اس کو مانو گے سب نے اقرار کیا کہ مانیں گے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مانتا ہوں اگر چہ اس میں عمر رضی اللہ عنہ کا نام لکھا ہوا ہو جب نام ظاہر کیا گیا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام تھا اس طرح وہ خلیفہ بنے۔

3۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے اصحاب رائے اکابر کی ایک شوریٰ بنائی جائے اور وہ شوریٰ کسی کو خلافت کے لیے نامزد کر دیں اور پھر عوام الناس سے اس پر بیعت لی جائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسی طرز پر منتخب ہوئے اور آپ کی خلافت اسی طرز پر منعقد ہوئی کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زخمی ہو جانے کے بعد چھ آدمیوں کو تشکیل خلافت کے لیے بطور شوریٰ مقرر فرمایا تھا ان میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ شامل تھے آپ نے باہر سکیورٹی گارڈ کا پہرہ لگوایا تھا اور فرمایا تھا کہ جب تک ان میں سے کوئی منتخب نہیں ہو جاتا تم لوگ ان کو باہر آنے نہ دو' یہ تشکیل خلافت کے تین پاکیزہ نمونے ہیں جن کے ذریعے سے خلفائے راشدین کی خلافتوں کا قیام عمل میں آیا۔

اسلام میں تشکیل حکومت کا چوتھا طریقہ بھی ہے جو بادشاہت ہے اگر چہ یہ طریقہ منصوص نہیں ہے لیکن بہت سارے خلفاء بادشاہت کے طریقے پر منتخب ہو کر آئے ہیں اس لیے اس کو بالکل ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔ بنو امیہ کے دور میں اسی طرز کی بادشاہتیں تھیں بادشاہت وراثت کی بنیاد پر قائم شدہ حکومت ہوتی ہے۔ ان طریقوں کے علاوہ جمہوریت بھی تشکیل حکومت کا ایک طریقہ ہے جس میں ووٹنگ کے ذریعہ سے ایک شخص منتخب ہو جاتا ہے۔ یہ یہودیت اور نصرانیت کا طریقہ ہے جو باعث لعنت ہے اقبال مرحوم نے کہا ہے۔

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں ۔۔۔ بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

پھر فرمایا

جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشہ ہو ۔۔۔ جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

پھر فرمایا

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو ۔۔۔ کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

حکیم الامت حضرت شاہ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے "فاذا عزمت فتوکل علی اللہ" کی تفسیر میں فرمایا کہ اس آیت سے جمہوریت کی جڑ کٹ گئی پھر فرمایا کہ جمہوری سلطنت بھی کوئی سلطنت ہوتی ہے؟؟ یہ محض بچوں کا کھیل اور انگریزوں کی بدعت ہے حضرت مفتی اعظم مفتی محمود رحمہ اللہ نے اس کو لعنت قرار دیا تھا۔ شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ نے جمہوریت کو صنم اکبر سے یاد کیا' جب اسلام کے پاس تشکیل خلافت کے مستند طریقے موجود ہیں تو پھر بڑی ہی شرم کی بات ہے کہ ہم تشکیل حکومت میں یہود و نصاریٰ کے دست نگر بن جائیں۔

اسلام میں مذہب و سیاست اور حکومت ایک ہی چیز ہے حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد مبارک سے یہ چیزیں اکٹھی ہو گئیں اس سے پہلے نبوت اور حکومت اکٹھی نہیں ہو سکتی تھیں اس پچھلے دور میں عیسائی پادری اپنی اسٹیٹ کے سامنے پسپا ہو گئے ایک طویل عرصہ تک اسٹیٹ اور کلیسا کا جھگڑا رہا لیکن پادری ہار گئے اس لیے وہ گوشہ گمنامی میں چلے گئے ایسا اس لیے ہوا کہ عیسائیوں کے پاس کوئی زندہ دین نہیں تھا شریعت نہیں تھی اوہام اور خرافات پر قائم لوگ تھے اس لیے کلیسا پر اسٹیٹ غالب آ گیا اور دونوں الگ الگ ہو گئے اسلام میں ایسا ممکن نہیں اس لیے کہ یہ ایک زندہ و تابندہ دین ہے اور زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے اور اصلی حالت میں موجود ہے اور انسانوں کے تمام شعبوں کے تمام مسائل کا حل پیش کرتا ہے یہاں عیسائیت اور اسلام کا موازنہ کرنا ہی غلط ہے۔ لہٰذا امارت و قضاء حکومت و سیاست' امیر و خلیفہ' مالک و رعایا' فوج اور نظم و ترتیب سب اسلام خلافت کے شعبے ہیں۔

اسلام امن و آشتی اور باہمی محبت اور جوڑ پیدا کرنے والا مذہب ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کریمانہ اخلاق اور آپ کے معتدل تعلیمات کا بنیادی مزاج یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاکم و محکوم اور آمر و مامور اور دائن و مدیون کے درمیان توڑ کی جگہ جوڑ پیدا فرمایا ہے آپ نے حاکم کو عدل و انصاف کی تعلیم دی ہے اور رعایا کی ہر تکلیف برداشت کرنے کی ترغیب دی ہے اپنے حقوق دبانے اور دوسرے کے حقوق ادا

کرنے کی ترغیب دی ہے اسی طرح آپ نے محکوم اور رعایا کو صبر وتحمل اور محبت واطاعت کی تعلیم وترغیب دی ہے غرض فریقین کو ان کی ذمہ داریوں کا الگ الگ احساس دلایا ہے کتاب الزکوۃ اور کتاب الامارۃ کے ابواب میں شریعت کی ان تعلیمات کو ہر شخص نمایاں طور پر محسوس کر سکتا ہے اور معاشرہ کی اصلاح کا یہی بنیادی پتھر ہے کہ ہر شخص اور ہر طبقہ کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا جائے چنانچہ اسلام میں چند حدود اور چند سزائیں ہیں باقی پورا نظام تقویٰ خوف خدا دیانت وامانت اور ایک دوسرے کے حقوق کا لحاظ رکھنے پر مبنی ہے چنانچہ جہاں بھی اور جب بھی مسلمانوں نے ایک دوسرے کے ساتھ ایثار ومحبت اور حقوق کی ادائیگی کا معاملہ کیا ہے معاشرہ امن ومحبت کا گہوارہ بن گیا اور جہاں ان اصولوں کو توڑا گیا وہاں فساد بدامنی اور عداوت ودشمنی کا راج ہو گیا منصب امامت پر شاہ اسماعیل شہید نے کتاب لکھی ہے۔

قضاء اور قاضی:۔ قاضی وہی شخص ہوتا ہے "جس کو وقت کا حاکم عوام الناس کے قضایا اور معاملات نمٹانے کے لیے مقرر کرتا ہے" اسلام کی نظر میں "اقتدار اعلیٰ" اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور مسلمانوں کی جو حکومتیں یا خلافتیں ہیں یہ صرف اسی اقتدار اعلیٰ کے احکامات کی تنفیذ کے لیے مقرر کی جاتی ہیں اسلام کی نظر میں پوری دنیا میں مسلمانوں کا ایک ہی خلیفہ ہونا چاہئے امام وحاکم کے لیے ضروری ہے کہ ان میں احکامات کی تنفیذ کی قوت اور حوصلہ ہو اگر احکام کی تنفیذ کی قدرت نہ ہو تو وہ خلیفہ خود بخود معزول ہو جاتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر حاکم فسق وفجور میں مبتلا ہو جائے تو اس کو معزول کیا جا سکتا ہے اور یہی مسئلہ قاضی کا بھی ہے مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فسق وفجور کی وجہ سے حاکم اور قاضی کو معزول نہیں کیا جا سکتا ہاں اگر واضح کفر سامنے آ جائے یا امام وقاضی نماز ترک کرے تو پھر معزول کیا جائے گا۔ ہاں ابتداء سے اگر قاضی وامام فاسق ہیں تو احناف اس صورت میں شوافع کے ساتھ ہیں کہ ایسے فاسق وفاجر کو امام وقاضی مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ.... امیر کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَ مَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰهَ وَمَنْ یُطِعِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَ مَنْ یَعْصِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ عَصَانِیْ وَ اِنَّمَا الْاِمَامُ جُنَّةٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهٖ وَیُتَّقٰی بِهٖ فَاِنْ اَمَرَ بِتَقْوَی اللّٰهِ وَ عَدَلَ فَاِنَّ لَهٗ بِذٰلِکَ اَجْرًا وَاِنْ قَالَ بِغَیْرِهٖ فَاِنَّ عَلَیْهِ مِنْهُ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری فرمانبرداری کی اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ سوائے اس کے نہیں امام ڈھال ہے اس کے پیچھے سے قتال کیا جاتا ہے اور اس سے بچاؤ کیا جاتا ہے اگر اللہ کے تقویٰ کا حکم دے اور انصاف کرے اس کو اس بات کا اجر ہے اگر اس کے علاوہ کے ساتھ حکم کرے اس کو اس بات کا گناہ ہے۔

تشریح: امام (سربراہ مملکت) کو ڈھال کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح ڈھال جنگ میں (دشمن کے تیر وتلوار سے بچاتی ہے اسی طرح امام کا وجود مسلمانوں کو دشمنان دین کے حملوں اور ان کی آفات وبلاؤں سے بچانے کا باعث ہے۔

اگر کسی کمتر شخص کو امیر بنایا جائے تو اس کی اطاعت بھی ضروری ہے

(۲) وَعَنْ اُمِّ الْحُصَیْنِ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنْ اُمِّرَ عَلَیْکُمْ عَبْدٌ مُجَدَّعٌ یَقُوْدُکُمْ بِکِتَابِ اللّٰهِ فَاسْمَعُوْا لَهٗ وَاَطِیْعُوْا. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ام الحصین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم پر ایک کان کٹا اور ناک کٹا امیر مقرر کر دیا جائے جو تم میں اللہ کی کتاب کے ساتھ حکم کرے اس کا حکم سنو اور اس کی فرمانبرداری کرو۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: اس ارشاد گرامی کا مقصد اولوالامر کی اطاعت وفرمانبرداری کی اہمیت کو واضح کرنا ہے اور اس اہمیت کو زیادہ سے زیادہ واضح کرنے کے لیے "غلام" کا ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جو شخص مسجد بنائے اگر چہ وہ چڑیا کے گھونسلے کی مانند ہو الخ" سے ظاہر ہے کہ مسجد چڑیا کے گھونسلے کی مانند کبھی نہیں ہو سکتی بلکہ اس ارشاد کا مقصد مسجد بنانے کی اہمیت اور اس کی فضیلت کو زیادہ سے زیادہ بیان کرنا ہے اسی طرح یہاں بھی "غلام" کے ذکر سے مبالغہ مقصود ہے یا پھر یہ مراد ہے کہ وہ غلام جو بادشاہ یا خلیفہ اعظم (سربراہ مملکت) کا نائب ہو یا اسے کسی خاص علاقہ کا حاکم بنایا گیا ہو۔ اس ساری تاویل کی بنیاد یہ ہے کہ "غلام" کو امیر وامام (سربراہ مملکت) بنانا جائز نہیں ہے۔

واضح رہے کہ ان تمام احادیث میں بھی یہی تاویل کی جائے گی جن میں غلام کی امارت وسرداری کا ذکر ہے۔ "فکلا اور کن کنا" کے الفاظ بھی مقصد کو مؤکدہ کرنے کے لیے استعمال کیے گئے ہیں اور ان سے مراد "حقیر وکمتر" غلام ہے حاصل یہ کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے امیر وامام کی اطاعت وفرمانبرداری کریں اور اس کے منصب امارت وامامت کی پوری عزت وتوقیر کریں خواہ وہ امیر اپنی ذاتی حیثیت میں کتنا ہی کمتر کیوں نہ ہوں۔

(۳) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَاَنَّ رَاْسَهٗ زَبِيْبَةٌ (بخاری)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو اور اطاعت کرو اگر چہ ایک حبشی غلام تم پر عامل مقرر کیا جائے گویا کہ اس کی سر انگور کی مانند ہے۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

غیر شرعی حکم کی اطاعت واجب نہیں

(۴) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيْمَا اَحَبَّ وَكَرِهَ مَالَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَاِذَا اُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان آدمی کے لیے واجب ہے کہ امیر کا حکم سنے اور اطاعت کرے اس کو خوش لگے یا ناخوش جب تک وہ نافرمانی کا حکم نہ دے۔ جب اس کو نافرمانی کا حکم دیا جائے نہ سننا ہے نہ اطاعت کرنا۔ (متفق علیہ)

تشریح: امیر وحاکم کی بات کو سننا اور اس کے احکام وفرامین کی اطاعت کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ اس کا حکم وفرمان طبیعت وپسند کے موافق ہو یا غیر موافق ہو لیکن شرط یہ ہے کہ اس کا کوئی حکم شریعت کی حدود سے متجاوز نہ ہو لہٰذا اگر امیر وحاکم کوئی ایسا حکم وفرمان جاری کرے جس پر عمل کرنے سے گناہ لازم آتا ہو۔ اس کی اطاعت وفرمانبرداری واجب نہیں ہوگی لیکن اس صورت میں بھی امیر وحاکم کے خلاف بغاوت کرنا یا اس سے جنگ وجدال کرنا جائز نہیں ہوگا۔

(۵) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا طَاعَةَ فِيْ مَعْصِيَةٍ اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معصیت میں اطاعت نہیں ہے فرمانبرداری صرف نیک امر کی ہے۔ (متفق علیہ)

اطاعت وفرمانبرداری کا عہد

(۶) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَعَلٰى اَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَعَلٰى اَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ وَعَلٰى اَنْ نَّقُوْلَ بِالْحَقِّ اَيْنَمَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَعَلٰى اَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ اِلَّا اَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللّٰهِ فِيْهِ بُرْهَانٌ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک پر بیعت کی۔ تنگی اور آسانی خوشی اور ناخوشی کے وقت میں اور جب کہ ہم پر ترجیح دیں اس وقت بھی امیر کا حکم سننے اور اس کی فرمانبرداری کرنے کی اور یہ کہ ہم امر کو اس کے اہل

سے نہ نکالیں گے اور یہ کہ ہم حق بات کہیں جہاں بھی ہم ہوں۔ اللہ کے معاملہ میں ہم کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں۔ ایک روایت میں ہے ہم امر کو اس کے اہل سے نہ نکالیں گے مگر جبکہ تم خالص کفر دیکھو تمہارے پاس اللہ کی طرف سے دلیل ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: "ہم پر ترجیح دی جائے گی" کا مطلب یہ ہے کہ ہم انصار نے یہ بھی عہد کیا کہ اگر ہم پر کسی کو ترجیح دی جائے گی ہم صبر وتحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں گے۔ ایک روایت میں منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا تھا کہ (میرے بعد تم لوگوں سے ترجیحی سلوک ہوگا یعنی بخشش وانعام اور اعزاز منصب کی تقسیم کے وقت تم پر دوسرے لوگوں کو ترجیح وتفضیل دی جائے گی ایسے موقع پر تم لوگ صبر کرنا" چنانچہ آپ کی یہ پیش گوئی ثابت ہوئی کہ خلفائے راشدین کے زمانے کے بعد جب امراء کا عہد حکومت شروع ہوا تو انصار کے ساتھ ترجیحی سلوک کیا گیا اور انصار نے بھی آپ کے ارشاد کی تعمیل میں اور اپنا عہد نبھاتے ہوئے اس ترجیحی سلوک کے خلاف شکوہ شکایت کرنے کی بجائے صبر وتحمل کی راہ کو اختیار کیا۔"

"ہم امر کو اس کی جگہ سے نہیں نکالیں گے" کا مطلب یہ ہے کہ ہم امارت وحکومت کی طلب وخواہش نہیں کریں گے ہم پر جس شخص کو امیر وحاکم بنا دیا جائے گا ہم اس کو معزول نہیں کریں گے اور اپنے امیر وحاکم کے خلاف ہنگامہ آرائی کر کے کوئی شورش پیدا نہیں کریں گے۔ روایت کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اگر امیر وحاکم کے قول وفعل میں صریح کفر دیکھو تو اس کو معزول کر دینے کی اجازت ہے اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا واجب ہوگا۔

فسق وفجور عزل منصب کی بنیاد بن سکتا ہے یا نہیں؟: اس ارشاد گرامی سے یہ واضح ہوا کہ امام یعنی سربراہ مملکت کو معزول کرنے کی اسی صورت میں اجازت ہے جب کہ وہ صریح طور پر کفر کا مرتکب ہو اور اس کا کفر قرآن وحدیث کی روشنی میں اتنے واضح طور پر ثابت ہو کہ اس امام کے لیے اس کفر کی کوئی بھی تاویل کرنا ممکن نہ ہو۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر امام فسق وفجور میں مبتلا ہو جائے تو اس کو معزول کیا جا سکتا ہے یہی مسئلہ ہر قاضی وامیر کا ہے۔ واضح رہے کہ اس مسئلہ میں ان ائمہ کے اختلافی اقوال کی بنیاد یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تو فاسق شخص اس بات کا اہل نہیں ہوگا کہ اس کو ولایت (کسی کا ولی ہونے) کی ذمہ داری سونپی جائے جب کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ فاسق ولایت کا اہل ہو سکتا ہے چنانچہ ان کے نزدیک فاسق باپ کے لیے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کر دینا جائز ہے۔

فرمانبرداری بقدر طاقت

(۷) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا اِذَا بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ يَقُوْلُ لَنَا فِيْمَا اسْتَطَعْتُمْ (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا جب ہم سمع وطاعت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے فرماتے جس چیز کی تم طاقت رکھو۔ (متفق علیہ)

ملت کی اجتماعیت میں رخنہ ڈالنے والے کے بارے میں وعید

(۸) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰى مِنْ اَمِيْرِهٖ شَيْئًا يَكْرَهُهٗ فَلْيَصْبِرْ فَاِنَّهٗ لَيْسَ اَحَدٌ يُفَارِقُ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَيَمُوْتُ اِلَّا مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے امیر میں کوئی ایسی چیز دیکھے جس کو وہ مکروہ سمجھتا ہے پس چاہیے کہ وہ صبر کرے کیونکہ کوئی شخص جماعت سے ایک بالشت جدا نہیں ہوا پس وہ مر جائے مگر وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ (متفق علیہ)

تشریح: یفارق الجماعۃ: مطلب یہ ہے کہ جو شخص امام وامیر کی اطاعت سے روگردانی کرتا ہے اور مسلمانوں کی منظم جماعت سے علیحدگی اختیار کرتا ہے اور تمام مسلمانوں کے اتحاد کے خلاف کمربستہ ہو جاتا ہے اور پھر توبہ کے بغیر اسی حالت میں مر جاتا ہے تو گویا یہ شخص جاہلیت کے زمانہ کے لوگوں کی طرح مر گیا چونکہ جاہلیت کے لوگ کسی ہادی دین کے ماتحت نہیں تھے اس لئے وہ ہر امیر سے آزاد اور خودسر تھے اور ہر اتحادی

صورت سے مکمل کر بیزاری کا اعلان کرتے تھے اب اگر اسلامی امیر اور اسلامی احکامات کی موجودگی میں ایک آدمی اس طرح خودسر اور مجموعہ شر بنتا ہے اور پھر مرتا ہے تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا اس حدیث سے مسلمانوں کو اتفاق واتحاد کا درس دیا جارہا ہے۔ "میتۃ" میم پر زیر ہے یہ صیغہ حالت اور کیفیت بیان کرنے کے لئے آتا ہے" ای ھیئۃ وحالۃ جاھلیۃ" آئندہ قتلۃ کا لفظ بھی اسی طرح ہے۔

تعصب کے خلاف تنبیہ

(۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ وَ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ فَمَاتَ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً وَ مَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عِمِّيَّةٍ يَغْضَبُ لِعَصَبِيَّةٍ اَوْ يَنْصُرُ عَصَبِيَّةً فَقُتِلَ فَقِتْلَةٌ جَاهِلِيَّةٌ وَ مَنْ خَرَجَ عَلٰى اُمَّتِیْ بِسَيْفِهٖ يَضْرِبُ بَرَّهَا وَ فَاجِرَهَا وَلَا يَتَحَاشٰى مِنْ مُؤْمِنِهَا وَ لَا يَفِیْ لِذِیْ عَهْدٍ عَهْدَهٗ فَلَيْسَ مِنِّیْ وَلَسْتُ مِنْهُ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے جو شخص امام کی اطاعت سے نکل گیا اور جماعت سے جدا ہوا اسی حالت میں مرا وہ جاہلیت کا مرنا مرتا ہے اور جو اندھا دھند نشان کے نیچے لڑا تعصب کی وجہ سے ناراض ہوتا ہے تعصب کی طرف بلاتا ہے یا تعصب کی وجہ سے کسی کی مدد کرتا ہے پس مارا گیا اس کا قتل جاہلیت کا ہوگا اور جو شخص اپنی تلوار لے کر میری امت پر نکل آیا جو میری امت کے برے اور نیک کو مارتا ہے میری امت کے مسلمان کی پروا نہیں کرتا نہ کسی عہد والے کے عہد کی ایفاء کرتا ہے وہ مجھ سے نہیں ہے اور میں اس سے نہیں ہوں۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: رایۃ عمیۃ: رایہ جھنڈے کو کہتے ہیں اور عمیہ میں عین پر زبر ہے اور پیش بھی جائز ہے اور میم پر شد ہے اور یہ پر بھی شد ہے۔ یہ اس فتنہ و تعصب کا نام ہے جو اندھا ہوا اور اس کا سبب کسی پر واضح نہ ہو یعنی تعصب کیلئے ایسے جھنڈے کے نیچے جنگ لڑی جس کا حق اور باطل ہونا معلوم نہ ہو۔" فلیس منا "یعنی اس شعبہ میں وہ مسلمانوں کے طرز پر نہیں یہ مطلب نہیں کہ یہ شخص کافر ہو گیا۔" لا یتحاشی " تحاشی سے ہے یعنی کسی مومن کے قتل کی کوئی پرواہ نہیں" لا یفی" وفی یفی سے ہے وعدہ پورا کرنا۔

بہترین اور بدترین حاکم

(۱۰) وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِیِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خِيَارُ اَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُحِبُّوْنَهُمْ وَيُحِبُّوْنَكُمْ وَتُصَلُّوْنَ عَلَيْهِمْ وَيُصَلُّوْنَ عَلَيْكُمْ وَ شِرَارُ اَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُبْغِضُوْنَهُمْ وَيُبْغِضُوْنَكُمْ وَ تَلْعَنُوْنَهُمْ وَ يَلْعَنُوْنَكُمْ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا نُنَابِذُهُمْ عِنْدَ ذٰلِكَ قَالَ لَا مَا اَقَامُوْا فِيْكُمُ الصَّلٰوةَ لَا مَا اَقَامُوْا فِيْكُمُ الصَّلٰوةَ اِلَّا مَنْ وُلِّیَ عَلَيْهِ وَالٍ فَرَاٰهُ يَاْتِیْ شَيْئًا مِنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ فَلْيَكْرَهْ مَا يَاْتِیْ مِنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَ لَا يَنْزِعَنَّ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا تمہارے بہترین حاکم وہ ہیں جن سے تم محبت رکھتے ہو اور وہ تم سے محبت رکھتے ہیں تم ان کے لیے دعا کرتے ہو وہ تمہارے لیے دعا کرتے ہیں اور تمہارے بدترین حاکم وہ ہیں جن کو تم برا سمجھو وہ تم کو برا سمجھیں تم ان پر لعنت بھیجو وہ تم پر لعنت کریں۔ کہا ہم نے کہا اے اللہ کے رسول ہم اس وقت ان کا عہد نہ پھینک دیں فرمایا نہیں جب تک وہ تم میں نماز قائم کریں نہیں جب تک وہ تم میں نماز قائم کریں خبردار تم میں سے کسی پر اگر کوئی حاکم مقرر کیا جائے وہ اس کو دیکھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کررہا ہے وہ برا جانے جو وہ اللہ کی نافرمانی کررہا ہے اور اس کی فرمانبرداری سے ہاتھ نہ کھینچے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: "جب تک وہ تمہارے درمیان نماز قائم کریں" اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اسلامی مملکت کے سربراہ کا نماز کو ترک کر دینا مسلمانوں کے کیے ہوئے عہد و وفاداری کو توڑ ڈالنے کا موجب اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری سے دست بردار ہو جانے کا سبب ہے کہ جس

طرح اگر سربراہ مملکت صریح کفر کا مرتکب ہو جائے تو مسلمان اپنا عہد و وفاداری توڑ کر اس کو معزول کر سکتے ہیں اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے دست بردار ہو سکتے ہیں اسی طرح اگر وہ نماز پڑھنا چھوڑ دیں تو مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کی تئیں اپنا عہد وفاداری توڑ دیں اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے انکار کر دیں! کیونکہ نماز دین کا ستون ہے اور کفر و ایمان کے درمیان فرق و امتیاز کرنے والی ہے اس کے برخلاف دوسرے گناہ چونکہ ترک نماز کی طرح نہیں ہیں اس لیے ان کا ارتکاب عہد وفاداری کو توڑنے اور اطاعت فرمانبرداری سے دست بردار ہونے کا موجب نہیں ہو سکتا۔ اس ارشاد گرامی میں ترک نماز پر سخت ترین زجر و تنبیہ اور عظیم تہدید ہے۔

حاکم کی بے راہ روی پر اس کو ٹوکنا ہر مسلمان کی ایک ذمہ داری ہے

(۱۱) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ عَلَيْكُمْ اُمَرَاءُ تَعْرِفُوْنَ وَتُنْكِرُوْنَ فَمَنْ اَنْكَرَ فَقَدْ بَرِئَ وَ مَنْ كَرِهَ فَقَدْ سَلِمَ وَ لٰكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ قَالُوْا اَفَلَا نُقَاتِلُهُمْ قَالَ لَا مَا صَلَّوْا لَا مَا صَلَّوْا اَىْ مَنْ كَرِهَ بِقَلْبِهٖ وَاَنْكَرَ بِقَلْبِهٖ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پر امیر ہوں گے ان کے بعض کام تم اچھے سمجھو گے اور بعض کو برا سمجھو گے۔ جس نے انکار کیا وہ بری ہوا اور جس نے مکروہ جانا وہ سالم رہا لیکن جو راضی ہوا اور پیروی کی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کیا ہم ان سے لڑائی نہ کریں فرمایا نہیں جب تک کہ نماز پڑھیں نہیں جب تک کہ نماز پڑھیں۔ یعنی جس شخص نے دل سے برا جانا اور دل سے انکار کیا۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: روایت کے آخری الفاظ "یعنی جس شخص نے اپنے دل سے برا سمجھا اور اپنے دل سے انکار کیا" کے بارہ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تو یہ لکھا ہے کہ راوی کی عبارت ہے جس کے ذریعہ انہوں نے حدیث کے الفاظ ومن کرہ فقد سلم کی توضیح کی ہے جب کہ ملا علی قاری نے یہ لکھا ہے کہ راوی نے اس عبارت کے ذریعہ حدیث کے ان دونوں جملوں فمن انکر اور ومن کرہ الخ کی توضیح کی ہے۔"

اگر حاکم کی طرف سے کسی کی حق تلفی ہو تب بھی اس کی فرمانبرداری کی جائے

(۱۲) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِىْ اَثَرَةً وَ اُمُوْرًا تُنْكِرُوْنَهَا قَالُوْا فَمَا تَاْمُرُنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَدُّوْا اِلَيْهِمْ حَقَّهُمْ وَسَلُوا اللّٰهَ حَقَّكُمْ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے بعد ترجیح دیئے کو دیکھو گے اور کتنی ایسی چیزیں دیکھو گے جن کو تم برا سمجھو گے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو کس بات کا حکم دیتے ہیں فرمایا تم ان کا حق ادا کر دو اور اپنا حق اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ (متفق علیہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارے حاکم تمہارے ساتھ ترجیحی سلوک کریں بایں طور پر کہ تمہاری حق تلفی کریں تو ایسی صورت میں بھی ان کے تئیں تمہارا رویہ یہی ہونا چاہئے کہ تم ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرو یعنی ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرو اور ان کے مددگار و معین بنے رہو اور وہ تمہارے حق کی ادائیگی میں جو کوتاہی کریں ان پر صبر کرو اور بارگاہ کبریائی میں التجا کرو کہ وہ تمہیں تمہارے حق کا نعم البدل عطا کرے۔

(۱۳) وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ سَاَلَ سَلَمَةُ بْنُ يَزِيْدَ الْجُعْفِيُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَانَبِيَّ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ قَامَتْ عَلَيْنَا اُمَرَاءُ يَسْاَلُوْنَا حَقَّهُمْ وَ يَمْنَعُوْنَا حَقَّنَا فَمَا تَاْمُرُنَا قَالَ اسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حُمِّلُوْا وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے کہا سلمہ بن یزید جعفی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہا اے اللہ کے نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں اگر ہم پر ایسے امیر بن جائیں جو اپنا حق ہم سے مانگیں اور ہمارا حق ہم سے روک لیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو کیا حکم دیتے ہیں فرمایا ان کا حکم سنو اور فرمانبرداری کرو ان پر وہ ہے جو وہ اٹھائے گئے ہیں اور تم پر وہ ہے جو تم اٹھائے گئے ہو۔ (مسلم)

امام کی اطاعت سے دست بردار ہونے والے کے بارے میں وعید

(۱۴) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ خَلَعَ یَدًا مِنْ طَاعَۃٍ لَقِیَ اللّٰہَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَ لَا حُجَّۃَ لَہٗ وَ مَنْ مَاتَ وَلَیْسَ فِیْ عُنُقِہٖ بَیْعَۃٌ مَاتَ مِیْتَۃً جَاھِلِیَّۃً. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے جس شخص نے امیر کی اطاعت سے اپنا ہاتھ نکال لیا قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کو ملے گا اس کے لیے کوئی دلیل نہیں ہوگی اور جو شخص مرا کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہ ہوئی وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

خلیفہ وامیر کی موجودگی میں اگر کوئی دوسرا شخص خلافت وامارت کا دعویٰ کرے تو اسکو تسلیم نہ کرو

(۱۵) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ تَسُوْسُھُمُ الْاَنْبِیَاءُ کُلَّمَا ھَلَکَ نَبِیٌّ خَلَفَہٗ نَبِیٌّ وَاِنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَ سَیَکُوْنُ خُلَفَاءُ فَیَکْثُرُوْنَ قَالُوْا فَمَا تَاْمُرُنَا قَالَ فُوْا بِبَیْعَۃِ الْاَوَّلِ فَالْاَوَّلِ اَعْطُوْھُمْ حَقَّھُمْ فَاِنَّ اللّٰہَ سَائِلُھُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاھُمْ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرتے تھے جبکہ نبی فوت ہوتا ایک نبی اس کا جانشین بن جاتا اور میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میرے بعد خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو کیا حکم کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پوری کرو بیعت پہلے کی پس پہلے کی تم ان کو ان کا حق دو پس اللہ تعالیٰ ان سے پوچھنے والا ہے جو ان کو رعیت دی۔ (متفق علیہ)

تشریح: فوا ببیعۃ الاول فالاول کا مطلب یہ ہے کہ اس خلیفہ وامیر کی بیعت پوری کرو جو پہلے مقرر ہوا پھر اس خلیفہ وامیر کی اطاعت کرو جو اس کے بعد مقرر ہوا! اور اس دوسرے خلیفہ وامیر کو "اول" اس امیر وخلیفہ کی نسبت سے فرمایا گیا ہے جو اس کے بعد مقرر ہوگا۔ گویا حاصل یہ ہے کہ جس طرح علی الترتیب ایک کے بعد دوسرا خلیفہ مقرر ہو اسی طرح تم بھی ترتیب کے ساتھ ایک کے بعد دوسرے خلیفہ کی بیعت واطاعت کرنا۔ ہاں اگر ایک ہی وقت میں دو شخص امارت وخلافت کا دعویٰ کریں تو تم اس شخص کی بیعت واطاعت کرو جو پہلے مقرر ہوا ہے اور دوسرے کے بارہ میں یہ سمجھو کہ یہ شخص حکومت و سیاست کے لالچ میں غلط دعویٰ کر رہا ہے لہٰذا اس کو اپنا خلیفہ وامیر ماننے سے انکار کر دو چنانچہ آگے جو حدیث آرہی ہے اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے۔

اعطوھم حقھم (ان کے حقوق ادا کرو) گویا پہلے جملہ فوا ببیعۃ الاول (پہلے امیر کی اطاعت پوری کرو) کا بدل ہے اور حدیث کے آخری الفاظ یعنی فان اللہ سائلھم الخ دراصل پہلے جملہ کی علت کو بیان کرتے ہیں جس میں خلیفہ وامیر کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے' گویا اس جملہ میں اختصار کو اختیار کیا گیا ہے' پورا مفہوم یہ ہے کہ تم ان کے حقوق ادا کرو اگرچہ وہ تمہارے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کریں۔

حدیث کے آخر میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ خلیفہ وامیر (سربراہ مملکت) کو رعایا کے حقوق کی حفاظت وادائیگی کی جو (ذمہ داری سونپی گئی ہے وہ اس کے لیے قیامت کے دن احکم الحاکمین کی بارگاہ میں جواب دہ ہوگا' اس نے دنیا میں جن لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کی ہوگی اس سے ان لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کرائی جائے گی اور وہ اس پر قادر نہ ہو سکے گا تو سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

(۱۶) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا بُوْیِعَ لِخَلِیْفَتَیْنِ فَاقْتُلُوا الْاٰخِرَ مِنْھُمَا (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دو خلیفوں کے لیے بیعت کی جائے۔ ان دونوں میں سے آخری کو قتل کر دو۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: اگر ایسی صورت پیش آجائے کہ پہلے سے مقرر خلیفہ وامیر کی موجودگی میں کوئی دوسرا شخص اپنی خلافت وامارت کا اعلان کردے اور لوگوں سے بیعت لینے لگے تو اس سے جنگ کی جائے یہاں تک کہ وہ راہ راست پر آجائے اور خدا کے حکم کے مطابق پہلے سے مقرر خلیفہ وامیر کی اطاعت قبول کرلے یا اسی حالت میں مارا جائے کیونکہ وہ خدا کے حکم اور اسلامی مملکت کا باغی ہے اور باغی کی یہی سزا ہے کہ اگر وہ اپنی بغاوت سے باز نہ آئے تو اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ بعض حضرات نے "اس کو قتل کر ڈالو" کی مراد یہ بیان کی ہے کہ جن لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کرلیا ہے اور وہ اپنی بیعت اور اپنا عہد فسخ کر دیں اور اس شخص کو اس طرح کمزور کر دیں کہ وہ خلیفہ کے خلاف شورش نہ پھیلا سکے۔

جو شخص امت میں تفرقہ پیدا کرے اس کو موت کے گھاٹ اتار دو

(۱۷) وَعَنْ عَرْفَجَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّهُ سَيَكُوْنُ هَنَاتٌ وَهَنَاتٌ فَمَنْ اَرَادَ اَنْ يُفَرِّقَ اَمْرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَ هِيَ جَمِيْعٌ فَاضْرِبُوْهُ بِالسَّيْفِ كَائِنًا مَنْ كَانَ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے قریب ہے کہ شر و فساد ہوں گے جو شخص ارادہ کرے کہ اس امت کے امر میں تفرقہ ڈالے جبکہ وہ اکٹھی ہو اس کو تلوار سے قتل کر دو جونسا بھی وہ ہو۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: انہ ضمیر شان کیلئے ہے "هنات وهنات" ہا پر زبر ہے اور نون پر بھی زبر ہے پے در پے اور مسلسل شر و فساد کو کہتے ہیں یعنی عن قریب حصول حکومت کیلئے متواتر فتنے ظاہر ہوں گے "وهی جمیع" یعنی حال یہ کہ امت متحد و متفق ہے اور یہ شخص امر اتفاق میں انتشار پیدا کرتا ہے۔ "کائنا من کان" یعنی خواہ اشراف میں سے ہو یا صاحب تعلیم ہو یا کسی کا قریبی رشتہ دار ہو ان کو تلوار سے ایسے مار دو کہ اس کے پرخچے اڑ جائیں جیسے کہ وہ امت کو پارہ پارہ کرنا چاہتا تھا اس لئے کہ اتحاد امت فرد کی حیثیت اور شخصیت پر مقدم ہے کسی نے کہا

ہے زندہ فقط وحدت افکار سے ملت ۔۔۔ وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد

وحدت کی حفاظت نہیں بے قوت و بازو ۔۔۔ آتی نہیں کچھ کام یہاں عقل خداداد

علامہ اقبال نے کہا

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں ۔۔۔ موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

(۱۸) وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَتَاكُمْ وَاَمْرُكُمْ جَمِيْعٌ عَلٰى رَجُلٍ وَاحِدٍ يُرِيْدُ اَنْ يَّشُقَّ عَصَاكُمْ اَوْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوْهُ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے جو شخص تمہارے پاس آئے اور تمہارا امر کسی ایک آدمی پر اکٹھا ہو وہ تمہاری لاٹھی کو چیرنے کا ارادہ کرے یا تمہاری جماعت میں تفریق ڈالنا چاہتا ہے اس کو قتل کر دو۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: "لاٹھی چیرنے" کو کنایۃ "مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے" کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے گویا مسلمانوں کے اتفاق واتحاد اور کسی ایک رائے پر مجتمع ہو جانے کو "لاٹھی" سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس اتفاق واتحاد اور اجتماعیت میں رخنہ اندازی کو "چیرنے" کا مفہوم دیا گیا ہے۔

او یفرق جماعتکم (یا تمہاری اجتماعی تنظیم میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتا ہو) بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں راوی نے اپنے شک کو ظاہر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یا تو پہلا جملہ ان یشق عصاکم ارشاد فرمایا تھا یا یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا' لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں ہی جملے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے تھے اس صورت میں پہلے جملہ کو دنیاوی امور یعنی مسلمانوں کی سیاسی طاقت میں انتشار پیدا کرنے پر محمول کیا جائے اور دوسرے جملہ کو دینی احکام یعنی مسلمانوں کی دینی زندگی اور ان کے مذہبی معاملات میں فتنہ پردازی پر محمول کیا جائے۔

(۱۹) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَايَعَ اِمَامًا فَاَعْطَاهُ صَفْقَةَ يَدِهِ وَثَمَرَةَ

قلبه فليطعه ان استطاع فان جاء آخر ينازعه فاضربوا عنق الآخر. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی امام سے بیعت کی اس کو اپنے ہاتھ کا سودا دیا اور اپنے دل کا میوا پس اس کو چاہیے کہ اس کی اطاعت کرے اگر اس کی طاقت رکھے اگر کوئی دوسرا شخص آ کر اس پر خروج کرے۔ دوسرے کی گردن اڑا دو۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: "صفقة يده" صفقہ ہاتھ کو ہاتھ پر مارنے اور رکھنے کو کہتے ہیں اور قسم اور بیعت کے وقت ہاتھ کو ہاتھ میں دے کر معاہدہ و معاقدہ کیا جاتا ہے مراد ہاتھ میں ہاتھ رکھنا ہے۔ "وثمرة قلبه" دل کے ثمرہ سے مراد اخلاص ہے بعض نے لکھا ہے کہ صفقہ ید سے مراد مال اور ثمرہ قلب سے مراد اپنے اہل و عیال سے مل کر بیعت کرنا ہے۔

حکومت و امارت کے طلب گار نہ بنو

(۲۰) وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيْتَهَا عَنْ مَسْئَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا وَإِنْ أُعْطِيْتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْئَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا. (متفق عليه)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو فرمایا تو سرداری نہ مانگ اس لیے کہ اگر مانگنے کے سبب تجھ کو سرداری دی گئی تو اس کے سپرد کر دیا جائے گا۔ اگر بغیر سوال کے دیا گیا اللہ کی طرف سے تیری مدد کی جائے گی۔ (متفق علیہ)

تشریح: لا تسال الامارة: اسلامی خلافت اور جمہوریت کی مصیبت میں یہی بنیادی فرق ہے کہ اسلامی خلافت کے عہدوں کا حصول خدمت کا ذریعہ ہوتا ہے اور جمہوریت میں ان عہدوں کا حصول دنیا کی کمائی کے اسباب و ذرائع ہوتے ہیں اب جو کام دین کی ترویج و اشاعت کیلئے ہوگا اس میں اللہ تعالیٰ مدد کرے گا اور جب اپنے بل بوتے پر اپنے آپ پر اعتماد کر کے یہ عہدے دنیا کمانے کے ذرائع بن جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال نہیں ہوگی تو کامیابی کے بجائے ناکامی کا سامنا ہوگا۔

(۲۱) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّكُمْ سَتَحْرِصُوْنَ عَلَى الْإِمَارَةِ وَسَتَكُوْنُ نَدَامَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَنِعْمَ الْمُرْضِعَةُ وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ. (رواه البخاري)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا تم امارت پر حرص کرو گے اور قیامت کے دن وہ ندامت کا باعث ہوگی۔ دودھ پلانے والی اچھی ہے اور دودھ چھڑانے والی بری ہے۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

تشریح: حکومت و سیادت کی ابتداء دودھ پلانے والی عورت کے ساتھ اور اس کی انتہا کو دودھ چھڑانے والی عورت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جب کسی شخص کے پاس حکومت و سیادت آتی ہے تو وہ دودھ پلانے والی عورت کی طرح بہت اچھی لگتی ہے اور جب موت کا آہنی پنجہ اس کو حکومت و سیادت سے جدا کر دیتا ہے یا اس کی جگہ کوئی دوسرا شخص راج گدی سنبھال لیتا ہے تو وہی حکومت و سیادت اس وقت دودھ چھڑانے والی عورت کی طرح بری لگتی ہے لہٰذا یہ بات مرد دانا کے لائق نہیں ہے کہ وہ ایسی لذت کے حصول کی خواہش و کوشش کرے جس کا انجام حسرت و غم ہے۔

(۲۲) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَلَا تَسْتَعْمِلُنِي قَالَ فَضَرَبَ بِيَدِهٖ عَلَى مَنْكِبِي ثُمَّ قَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ إِنَّكَ ضَعِيْفٌ وَإِنَّهَا أَمَانَةٌ وَإِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَأَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ فِيْهَا، وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ لَهُ يَا أَبَا ذَرٍّ إِنِّي أَرَاكَ ضَعِيْفًا وَإِنِّي أُحِبُّ لَكَ مَا أُحِبُّ لِنَفْسِي لَا تَأَمَّرَنَّ عَلَى اثْنَيْنِ وَلَا تَوَلَّيَنَّ مَالَ يَتِيْمٍ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھ کو عامل نہیں بناتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر مارا فرمایا اے ابوذر تو ضعیف ہے اور امارت ایک امانت ہے اور یہ قیامت کے دن رسوائی ہوگی مگر جس نے اس کو

حق کے ساتھ لیا وہ حق جو اس سرداری میں اس پر ہے اس کو ادا کیا۔ ایک روایت میں ہے آپ نے اس سے فرمایا اے ابوذر میں تجھ کو کمزور دیکھ رہا ہوں اور میں تیرے لیے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں تو دو شخصوں پر بھی امیر نہ بن اور نہ ہی یتیم کے مال کا متولی بننا۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: ''جو میں اپنے نفس کے لیے پسند کرتا ہوں'' کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں تمہاری طرح ضعیف و ناتواں ہوتا تو میں اس سرداری و حاکمیت کے بوجھ کو نہ اٹھاتا' لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے قوت بھی دی ہے اور پھر تحمل بھی عطا کیا ہے' اگر حق تعالیٰ کی طرف سے مجھ کو تحمل عطا نہ ہوتا تو میں ہرگز اس بار کو برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حکومت وسیادت سے پرہیز کرنے کے بارے میں یہ حدیث اصل عظیم اور سب سے بڑی رہنما ہے بطور خاص اس شخص کے لیے جو اس منصب کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی قوت نہ رکھتا ہو۔

جو شخص خود کسی عہدہ ومنصب کا طلب گار ہو اس کو اس منصب پر فائز نہ کرو

(۲۳) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ دَخَلْتُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا وَرَجُلَانِ مِنْ بَنِیْ عَمِّیْ فَقَالَ اَحَدُھُمَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَمِّرْنَا عَلٰی بَعْضِ مَا وَلَّاکَ اللّٰہُ وَقَالَ الْاٰخَرُ مِثْلَ ذٰلِکَ فَقَالَ اِنَّا وَاللّٰہِ لَا نُوَلِّیْ عَلٰی ھٰذَا الْعَمَلِ اَحَدًا سَاَلَہٗ وَلَا اَحَدًا حَرَصَ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ لَا نَسْتَعْمِلُ عَلٰی عَمَلِنَا مَنْ اَرَادَہٗ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور میرے ساتھ میرے چچا کے دو بیٹے تھے ان میں ایک کہنے لگا اے اللہ کے رسول مجھ کو امیر مقرر کردو بعض ان کاموں پر جن کا آپ کو اللہ تعالیٰ نے والی بنایا ہے۔ دوسرے نے بھی ایسا ہی کہا آپ نے فرمایا ہم اللہ کی قسم اس کام پر کسی ایسے شخص کو والی نہیں بناتے جو اس کا سوال کرے اور نہ کسی ایسے شخص کو جو اس کی حرص رکھے۔ ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا ہم اس کام پر کسی ایسے شخص کو عامل مقرر نہیں کرتے جو اس کا ارادہ کرے۔ (متفق علیہ)

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جو شخص کسی خدمت وذمہ داری کا طالب ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی درخواست کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اس کام پر مقرر نہ فرماتے کیونکہ کسی منصب کا طالب ہونا حب جاہ پر دلالت کرتا ہے جو آخر کار طالب کے حق میں خرابی کا باعث ہوتا ہے۔

حکومت وامارت سے انکار کرنے والا بہترین شخص ہے

(۲۴) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَجِدُوْنَ مِنْ خَیْرِ النَّاسِ اَشَدَّھُمْ کَرَاھِیَۃً لِھٰذَا الْاَمْرِ حَتّٰی یَقَعَ فِیْہِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم بہترین اس شخص کو پاؤ گے جو اس امر امارت کو بہت برا سمجھتا ہوگا۔ یہاں تک کہ اس میں پڑے۔ (متفق علیہ)

قیامت کے دن ہر شخص کو اپنی ذمہ داری کی جواب دہی کرنی ہوگی

(۲۵) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ فَالْاِمَامُ الَّذِیْ عَلَی النَّاسِ رَاعٍ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ وَالْمَرْاَۃُ رَاعِیَۃٌ عَلٰی بَیْتِ زَوْجِھَا وَوَلَدِہٖ وَھِیَ مَسْئُوْلَۃٌ عَنْھُمْ وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلٰی مَالِ سَیِّدِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْہُ اَلَا فَکُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار تم میں سے ہر ایک ایک رعیت کا نگہبان

ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا وہ امام جو لوگوں پر حاکم ہے نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ آدمی اپنے گھر والوں پر نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ عورت اپنے خاوند کے گھر پر نگہبان ہے اور اس سے ان کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ مرد کا غلام اس کے مال پر نگہبان ہے اور اس سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا خبردار تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ (متفق علیہ)

تشریح: "رعیت" اس چیز کو کہتے ہیں جو نگہبان کی حفاظت و نگرانی میں ہو چنانچہ کسی ملک کے باشندوں کو اس ملک کے حکمران کی رعیت اور رعایا اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ سب حکمران کی حفاظت و نگرانی میں ہوتے ہیں اور اسی اعتبار سے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اپنی اپنی جگہ پر ہر شخص نگہبان ہے کہ مرد کے لیے گھر والے اس کی رعیت ہیں عورت کے لیے خاوند کا گھر بار اس کے بچے اس کی رعیت ہیں اور غلام کے لیے مالک کا مال اس کی رعیت ہے۔ یہاں تک کہ علماء نے لکھا ہے کہ ہر شخص اپنے جسم کے اعضاء حواس کا نگہبان ہے اور وہ اعضاء اس کی رعیت ہیں لہٰذا قیامت کے دن ہر شخص سے اس کے اعضاء حواس کے بارے میں بھی جواب طلب کیا جائے گا کہ تم نے ان اعضاء کو کہاں کہاں اور کس کس طرح استعمال کیا؟ اور اس کو حدیث میں اس لیے نقل نہیں کیا گیا کہ یہ بالکل ظاہر بات ہے۔

خائن وظالم حاکم کے بارے میں وعید

(۲۶) وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَامِنْ وَالٍ يَلِي رَعِيَّةً مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَيَمُوْتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَهُمْ إِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے مسلمانوں کا کوئی والی نہیں جو ان کے امور کا والی بنے پس وہ مرے اس حال میں کہ ان کے لیے خائن ہو مگر اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: جنت کے حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ ابتداء میں جنت میں داخل ہونے سے محروم کر دیا جائے گا۔ یا یہ ارشاد گرامی "مستحل" یعنی اس حاکم پر محمول ہے جو خیانت اور ظلم کو حلال جان کر ظالم و خائن بنا ہو اور یا یہ کہ آپ نے زجر و تنبیہ اور سخت وعید کے طور پر یہ فرمایا ہو۔

رعایا کے حق میں بھلائی و خیر خواہی نہ کرنیوالا حاکم جنت کی بو سے محروم رکھا جائے گا

(۲۷) وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَامِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيْهِ اللّٰهُ رَعِيَّةً فَلَمْ يَحُطْهَا بِنَصِيْحَةٍ إِلَّا لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے کوئی بندہ ایسا نہیں جس کو اللہ تعالیٰ رعیت پر نگہبان کر دے پھر وہ خیر خواہی کے ساتھ ان کی نگہبانی نہ کرے مگر جنت کی بو نہ پائے گا۔ (متفق علیہ)

تشریح: "تو وہ جنت کی بو نہ پائے گا" کا مطلب یا تو یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن بہشت کی بو پانے والوں کے ساتھ بو نہ پائے گا حالانکہ بہشت کی بو پانچ سو برس کی مسافت کے فاصلے سے بھی آئے گی یا یہ مطلب ہے کہ وہ نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ بہشت کی بو نہیں پائے گا اور یا یہ کہ اگر وہ کفر پر مرے گا یا رعایا پر ظلم کرنے کو حلال جانے اور اسی عقیدے پر مر جائے تو اس کو مطلق بہشت کی بو میسر نہیں ہوگی۔

بدترین حاکم وہ ہے جو اپنی رعایا پر ظلم کرے

(۲۸) وَعَنْ عَائِذِبْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ شَرَّ الرِّعَاءِ الْحُطَمَةُ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے سرداروں میں بدترین ظالم ہیں (مسلم)

نرم خو حاکم کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

وعن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم من ولي من امر امتي شيئا فشق عليهم فاشفق عليه ومن ولي من امر امتي شيئا فرفق بهم فارفق به (رواه مسلم)

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (بارگاہ قاضی الحاجات میں یہ عرض کی" اے میرے پروردگار! جس شخص کو میری امت کے (دینی ودنیاوی) امور میں کسی کا ولی ومتصرف بنایا گیا اور پھر اس نے (اپنے اختیارات ولایت وتصرف کے ذریعہ) میری امت کے لوگوں پر مشقت وسختی مسلط کر دی تو اس شخص پر تو بھی مشقت وسختی مسلط کر دے اور جس شخص کو میری امت کے امور میں کسی چیز کا ولی ومتصرف بنایا گیا اور اس نے میری امت کے ساتھ نرمی وبھلائی کا برتاؤ کیا تو اس کے ساتھ تو بھی نرمی وعنایت کا معاملہ فرما۔ (مسلم)

عادل حکمران کا مرتبہ عظیم

(۳۰) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَنْ يَمِيْنِ الرَّحْمٰنِ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ اَلَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِيْ حُكْمِهِمْ وَاَهْلِيْهِمْ وَمَا وَلُوْا. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عادل امراء اللہ کے نزدیک نور کے ممبروں پر ہوں گے رحمن کی دائیں جانب اور اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں جو اپنے احکام اور اپنے اہل میں انصاف سے کام لیتے ہیں اور جس چیز کے وہ والی ہیں اس میں بھی انصاف کرتے ہیں۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: "داہنے ہاتھ کی طرف الخ" یہ اللہ کے نزدیک عادل حکمران کے مرتبہ عظیم اور جلالت قدر کا کنایۃ پیرایہ بیان ہے کیونکہ جو شخص عظیم قدر ہوتا ہے۔ وہ دائیں طرف کھڑا ہوتا یا بیٹھتا ہے۔ "اور اللہ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں" یہ دفع توہم کے لیے فرمایا گیا ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ کے مقابل میں کہا گیا ہے کیونکہ بایاں ہاتھ یقیناً کمزور ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کی کمزوری اور نقصان سے پاک ومنزہ ہے واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ کی نسبت متشابہات میں سے ہے کہ اس کی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے تاہم ظاہری طور پر "ہاتھ" سے مراد قوت وغلبہ ہے۔ "حکام میں عدل وانصاف" کا مطلب یہ ہے کہ حکومت وامارت کے تعلق سے ان کے ذمے جو امور ہیں ان کی انجام دہی میں وہ انصاف ایمانداری اور دیانت کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ اہل میں عدل وانصاف کا مطلب یہ ہے کہ ان کے زیر تسلط جو لوگ ہیں خواہ وہ ان کے اہل وعیال ہوں یا رعیت کے عام لوگ ہوں سب کے حقوق کی ادائیگی میں جو ان پر واجب ہیں پورا پورا انصاف کرتے ہیں۔ اسی طرح "زیر تصرف معاملات میں عدل وانصاف" کا مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں ان کی ولایت ونگہبانی میں ہیں جیسے یتیم اور غربا کی پرورش اور وقف کے مال کی خبر گیری وغیرہ ان میں وہ پوری دیانت داری اور انصاف کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے ہیں۔ ایک مرد حق کا قول ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے نفس کے بارے میں بھی عدل وانصاف کرے بایں طور کہ اپنے اوقات ایسی چیزوں میں ضائع نہ کرے جن میں اپنا وقت صرف کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا ہے بلکہ اپنے تمام اوقات کو اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کی چیزوں اور مخلوق خدا کے حقوق کی ادائیگی میں مشغول رکھے اور حق تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری اور ممنوع چیزوں سے اجتناب پر مداومت اختیار کرے جیسا کہ اولیاء کرام اور اہل اللہ کا طریقہ ہے یا اپنے وقت کا اکثر حصہ ان چیزوں میں مشغول رکھے جیسا کہ مؤمنین وصالحین کا معمول ہے۔

ہر حاکم وامیر کے ہمراہ ہمیشہ دو متضاد طاقتیں رہتی ہیں

(۳۱) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَابَعَثَ اللّٰهُ مِنْ نَبِيٍّ وَلَا اسْتَخْلَفَ مِنْ خَلِيْفَةٍ اِلَّا كَانَتْ لَهٗ بِطَانَتَانِ بِطَانَةٌ تَاْمُرُهٗ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَحُضُّهٗ عَلَيْهِ وَبِطَانَةٌ تَاْمُرُهٗ بِالشَّرِّ وَتَحُضُّهٗ عَلَيْهِ وَالْمَعْصُوْمُ مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ (البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی نہیں بھیجا اور نہ کوئی خلیفہ مقرر کیا ہے مگر اس کے دو چھپے ہوئے رفیق ہوتے ہیں ایک رفیق اس کو نیکی کا حکم کرتا ہے اور اس پر رغبت دلاتا ہے اور ایک رفیق برائی کا حکم کرتا ہے اور اس پر رغبت دلاتا ہے اور معصوم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ بچالے۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

تشریح: دو چھپے ہوئے رفیقوں سے مراد فرشتہ اور شیطان ہیں یہ دونوں انسان کے باطن میں رہتے ہیں چنانچہ فرشتہ تو نیک کام کرنے کی ہدایت کرتا رہتا ہے اور نیکی کی ترغیب دیتا ہے جب کہ شیطان برے کام کرنے پر اکساتا رہتا ہے اور برائی کی طرف دھکیلتا رہتا ہے۔

''اور معصوم وہ ہے الخ'' کے ذریعہ انبیاء کرام صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین' خلفاء راشدین اور بعض دوسرے خلفاء وامراء کا حال بیان کیا گیا ہے جن کو اللہ نے شیطان کے شر وفتنہ سے محفوظ رکھا ہے۔ ''دو رفیقوں'' سے مراد وزیر و مشیر ہو سکتے ہیں جو خلیفہ کے ساتھ ہر دم رہنے کی وجہ سے بطانہ (استر) سے مشابہ ہو گئے ہیں' چنانچہ ہر نبی اور خلیفہ کے ساتھ جو مشیر کار اور مصاحب رہتے تھے ان میں دو مختلف خیالات کے حامل افراد بھی ہوتے تھے یا ان کے ساتھ دو جماعتیں ہوتی تھیں جو آپس میں مختلف الرائے ہوتی تھیں جیسا کہ عام طور پر امراء وسلاطین اور والیان ریاست کے یہاں دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ ان کے مصاحب' مشیران کار اور کارپرداز ہوتے ہیں ان کے خیالات اور آراء کا بعد بین المشرقین ہوتا ہے' چنانچہ ان میں سے جو لوگ اچھے خیالات کے اور صائب الرائے ہوتے ہیں وہ اپنے والی وامیر کو اچھے مشورے دیتے ہیں اور جن کے خیالات فاسد ہوتے ہیں یا جن کے طبائع میں برائی کا مادہ ہوتا ہے وہ اپنے والی وامیر کو غلط مشورے دیتے ہیں اور ان کو برائی کی راہ پر چلانا چاہتے ہیں آگے اللہ کی مصلحت کارفرما ہوتی ہے کہ وہ جس والی وامیر کو چاہتا ہے برے مصاحبین کے خیالات اور ان کے مشورے قبول کرنے سے بچاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حضرت قیس ابن سعدؓ کا منصب

(۳۲) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ قَيْسُ بْنُ سَعْدٍ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْزِلَةِ صَاحِبِ الشُّرَطِ مِنَ الْاَمِيْرِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا قیس بن سعد کا مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں وہی تھا جس طرح کو توال کا امیر کے ہاں ہوتا ہے۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

عورت کو اپنا حاکم بنانے والی قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی

(۳۳) وَعَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ قَالَ لَمَّا بَلَغَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ اَهْلَ فَارِسَ قَدْ مَلَّكُوْا عَلَيْهِمْ بِنْتَ كِسْرٰى قَالَ لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَهُمُ امْرَاَةً. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنالیا ہے فرمایا وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنے معاملات پر ایک عورت کو حاکم بنالیا۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ... ملت کی اجتماعی ہیئت سے علیحدگی اختیار کرنیوالے کے بارے میں وعید

(۳۴) عَنِ الْحَارِثِ الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰمُرُكُمْ بِخَمْسٍ بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاِنَّهٗ مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَةِ قِيْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ اِلَّا اَنْ يُّرَاجِعَ وَمَنْ دَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ فَهُوَ مِنْ جُثَىِّ جَهَنَّمَ وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ. (رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ: حضرت حارث اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں

مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنا اور سننا اور حکم بجا لانا' ہجرت کرنا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا جو شخص ایک بالشت کے برابر جماعت سے نکل گیا اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال دی مگر یہ کہ وہ پھر آئے اور جو کوئی جاہلیت کا پکارنا پکارتا ہے وہ دوزخیوں کی جماعت سے ہے اگر چہ روزہ رکھے نماز پڑھے اور خود کو مسلمان خیال کرے۔ (روایت کیا اس کو احمد اور ترمذی نے)

تشریح: "ہجرت کرو" اس حکم میں "ہجرت" سے مراد ہے کہ دارالکفر میں رہنے والا مسلمان ترک وطن کر کے دارالاسلام چلا جائے یا اگر کسی ایسے مسلم ملک یا شہر میں ہو جو بدعات و منہیات کا گڑھ ہونے کی وجہ سے "دارالبدعۃ" کے حکم میں ہو تو اس کو چھوڑ کر ملک یا ایسے شہر میں چلا جائے جو سنت و دین کا مرکز ہونے کی وجہ سے دارالسنۃ کے حکم میں ہو! اسی طرح گناہ و معصیت کی زندگی کو چھوڑ کر توبہ و انابت الی اللہ کی راہ کو اختیار کر لینا بھی "ہجرت" کے حکم میں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

المھا جر من ھجر ما نھی اللہ عنہ. "وہ شخص (بھی) مہاجر ہے جس نے ان چیزوں کو چھوڑ دیا جس سے اللہ نے روکا۔"

"اللہ کی راہ میں جہاد کرو" اس حکم میں "جہاد سے مراد یہ ہے کہ اسلام کی ترقی و شوکت' دین کی سربلندی اور روئے زمین پر قانون الٰہی کے غلبہ کے لیے اسلام دشمن طاقتوں اور کافروں سے جنگ کرو نیز اپنے نفس کو اس کی خواہشات سے باز رکھ کر اس کو مارنا بھی "جہاد" ہے کیونکہ انسان کے ساتھ اس کے نفس کی دشمنی سے زیادہ سخت اور نقصان دہ اور چیز نہیں ہے۔"

"جو شخص ملت کی اجتماعی ہیئت سے بالشت بھر بھی الگ ہوا الخ" یعنی جس مسلمان نے اس چیز کو ترک کیا جس پر پوری ملت عمل پیرا ہے جیسے سنت کو اختیار کرنا' بدعات سے اجتناب کرنا' امام و امیر کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا اور اگر چہ اس نے ان چیزوں کو بہت معمولی درجے میں ترک کیا ہو تو اس نے گویا اسلام کی فرمانبرداری کا پٹہ اپنی گردن سے نکال دیا یعنی اس نے اسلام کے تئیں اپنے کیے ہوئے عہد کو توڑ دیا اور اپنی اس ذمہ داری کو ختم کر دیا جو مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس پر واجب تھی۔ یا یہ کہ خود (اسلام اس سے بری الذمہ ہو گیا۔ ہاں اگر وہ اپنے اس (فعل) ملت کی اجتماعی ہیئت سے علیحدگی) سے باز آ گیا اور اس نے اپنی بدعملی سے رجوع کر لیا تو پھر وہ پہلے ہی کی طرح اسلام کا ایک فرمانبردار فرد ہو جائے گا۔

"اور جس شخص نے پکارا جاہلیت کا سا پکارنا الخ" سے مراد یہ ہے کہ جس شخص نے زمانہ جاہلیت کے رسم و رواج کی طرف بلایا اور اس طرح وہ مخلوق کو اسلام مخالف عقائد و نظریات اور باطل رسوم و عادات میں مبتلا کرنے کا باعث ہوا اور بعض حضرات یہ مراد بیان کرتے ہیں کہ اس نے کسی حادثہ و حملہ کے وقت اس طرح لوگوں کو اپنی مدد کے لیے بلایا جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ جب کسی شخص پر دشمن غالب آ جاتا تھا تو اپنی مدد کے لیے لوگوں سے باواز بلند یوں فریاد کرتا "اے فلاں شخص کے خاندان والو! اے فلاں شخص کے خاندان والو۔ چنانچہ وہ لوگ اس کی مدد کے لیے دوڑ پڑتے قطع نظر اس بات کے کہ وہ شخص ظالم ہے یا مظلوم ہے۔"

امیر و والی کی اہانت کرو

(۳۵) وَعَنْ زِيَادِ بْنِ كُسَيْبِ الْعَدَوِيِّ قَالَ كُنْتُ مَعَ اَبِي بَكْرَةَ تَحْتَ مِنْبَرِ ابْنِ عَامِرٍ وَهُوَ يَخْطُبُ وَ عَلَيْهِ ثِيَابٌ رِقَاقٌ فَقَالَ اَبُوْبِلَالٍ اُنْظُرُوْا اِلٰى اَمِيْرِنَا يَلْبَسُ ثِيَابَ الْفُسَّاقِ فَقَالَ اَبُوْبَكْرَةَ اسْكُتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَهَانَ سُلْطَانَ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ اَهَانَهُ اللّٰهُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ.

ترجمہ: حضرت زیاد بن کسیب عدوی سے روایت ہے کہا ابن عامر رضی اللہ عنہ کے منبر کے نیچے میں ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا ابن عامر خطبہ دے رہا تھا اور اس نے باریک کپڑے پہن رکھے تھے ابوبلال کہنے لگا دیکھو ہمارے امیر نے فاسقوں جیسے کپڑے پہن رکھے ہیں۔ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے چپ رہو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے جو شخص اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کی اہانت کرے اللہ تعالیٰ اس کی اہانت کرتا ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور اس نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: ثیاب الفساق: ممکن ہے اس والی کا لباس ریشم کا ہو جو ممنوع ہے اور عموماً ریشمی لباس نرم ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ ریشم کا نہ ہو لیکن زیادہ قیمتی ہو جو اصحاب تعیش کا لباس ہوتا ہے اہل اللہ نے کہا ہے "من رق ثوبه رق دينه"

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بلال کو اس لعن طعن سے منع کر دیا کہ ممکن ہے کہ اس سے فتنہ وفساد بھڑک اٹھے تیز ہر آنے والا حاکم پہلے سے بدتر ہی ہو سکتا ہے۔ "سلطان الله" اس میں اضافت تشریفیہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم معلوم ہوا جو حاکم اللہ تعالیٰ کا نہ ہو نہ اللہ کے دین کو نافذ کرتا ہو نہ اس پر خود عمل کرتا ہو تو وہ اللہ کا بادشاہ نہیں بلکہ شاید شیطان کا بادشاہ ہوگا۔

اگر امیر وحاکم کسی گناہ کا حکم دے تو اس کی اطاعت نہ کرو

(۳۶) وَعَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ.

ترجمہ: حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی فرمانبرداری نہیں ہے۔ روایت کیا ہے اس کو شرح السنہ میں۔

امیر وحاکم کا انجام

(۳۷) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ اَمِيْرِ عَشَرَةٍ اِلَّا يُؤْتٰى بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَغْلُوْلاً حَتّٰى يَفُكَّ عَنْهُ الْعَدْلُ اَوْيُوْبِقَهُ الْجَوْرُ. (رواه الدارمی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی دس اشخاص پر بھی حاکم ہوگا اس کو قیامت کے دن طوق پہنا کر لایا جائے گا یہاں تک کہ عدل اس سے طوق کو اتار دے گا یا ظلم اس کو ہلاک کر دے گا۔ (روایت کیا اس کو دارمی نے)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ایک بار تو ہر حاکم خواہ وہ عادل ہو یا ظالم بارگاہ رب العزت میں باندھ کر لایا جائے گا اور پھر تحقیق کے بعد اگر وہ عادل ثابت ہوگا اس کو نجات دے دی جائے گی اور اگر ظالم ثابت ہوگا تو ہلاکت یعنی عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

قیامت کے دن امراء وحکام کی حسرت ناکی

(۳۸) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِلْاُمَرَاءِ وَيْلٌ لِلْعُرَفَاءِ وَيْلٌ لِلْاُمَنَاءِ لَيَتَمَنَّيَنَّ اَقْوَامٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَنَّ نَوَاصِيَهُمْ مُعَلَّقَةٌ بِالثُّرَيَّا يَتَجَلْجَلُوْنَ بَيْنَ السَّمَاءِ وَ الْاَرْضِ وَاَنَّهُمْ لَمْ يَلُوْا عَمَلاً. رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ فِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ ذَوَائِبَهُمْ كَانَتْ مُعَلَّقَةً بِالثُّرَيَّا يَتَذَبْذَبُوْنَ بَيْنَ السَّمَاءِ وَ الْاَرْضِ وَ لَمْ يَكُوْنُوْا عُمِّلُوْا عَلٰى شَيْءٍ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امراء کے لیے افسوس ہے۔ افسوس ہے چودھریوں کے لیے مصیبت ہے امینوں کے لیے۔ قیامت کے دن کچھ لوگ اس بات کی آرزو کریں گے کہ ان کی پیشانیاں ثریا کے ساتھ لٹکائی جائیں اور وہ آسمان وزمین کے درمیان ہلتے رہیں اور کسی کام کے والی نہ بنتے روایت کیا اس کو شرح السنہ میں اور روایت کیا اس کو احمد نے اس کی ایک روایت میں ہے وہ آرزو کریں گے کہ ان کی پیشانیاں ثریا کے ساتھ لٹکی ہوں آسمان وزمین کے درمیان حرکت کرتے رہیں اور کسی چیز پر عامل نہ بنائے جاتے۔

تشریح: ویل: یہ لفظ غم وہلاکت اور عذاب کی مشقت کیلئے بولا جاتا ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ دوزخ میں ایک گڑھے کا نام ہے جس میں چالیس سال تک آدمی گرتا جائے گا اور تہہ تک نہیں پہنچے گا۔

"اُمناء" یہ امین کی جمع ہے اور امین اس شخص کو کہتے ہیں جس کو بادشاہ نے صدقات اور محصولات پر مقرر کیا ہو۔ یا عام لوگوں کی امانتوں کا امین

مراد ہے اس عہدہ میں خیانت کا بڑا خطرہ ہے آج کل اس کو وزیر مال یا خزانچی کہہ سکتے ہیں۔ ''العرفاء'' یہ عریف کی جمع ہے ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ عریف قبیلہ کے اس بڑے کو کہتے ہیں جو اپنے قبیلہ کے معاملات کو سنبھالتا ہے ان کے معاملات کی سرپرستی کرتا ہے اور وقت کے حکمران ان کے توسط سے عوام کے احوال معلوم کرتے رہتے ہیں دیہاتوں اور قبائل کے سردار اور صوبوں کے گورنر بھی اس میں شامل ہیں۔ (مرقات ج ۷ ص ۲۱۸)

عرفاء میں چودھری نواب خان ملک لیڈر اور وڈیرے سب داخل ہیں شاعر کہتا ہے

او کلما وردت عکاظ قبیلۃ بعثوا الی عریفھم یتوسم

''ثریا'' کہکشاں ستاروں کو کہتے ہیں جو ایک ساتھ ہوتے ہیں اور ان کی روشنی مدھم ہوتی ہے ''یتجلجلون'' جو آدمی کسی چیز کے ساتھ لٹک کر حرکت کرتا ہے اس کو تجلجل کہتے ہیں دوسری روایات میں یتذبذبون کا لفظ آیا ہے وہ بھی یہی ہے ''یلو'' یہ والی اور حاکم بننے کے معنی میں ہے۔ یعنی یہ لوگ قیامت میں حسرت وندامت کے ساتھ تمنا کریں گے کہ کاش ہم دنیا میں تمام مشقتیں اور ذلتیں برداشت کرتے مظلوم رعایا میں رہتے لیکن حکمرانی کے اس فانی عیش وعشرت میں نہ رہتے تاکہ آج عذاب کا یہ بھیانک منہ دیکھنا نہ پڑتا۔ ''الآن قد ندمت ولم ینفع الندم''

اکثر چودھری دوزخ میں جائیں گے

(۳۹) وَعَنْ غَالِبِ الْقَطَّانِ عَنْ رَجُلٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعِرَافَةَ حَقٌّ وَلَابُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ عُرَفَاءِ وَ لٰكِنَّ الْعُرَفَاءَ فِی النَّارِ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت غالب بن قطان رضی اللہ عنہ ایک شخص سے روایت کرتے ہیں اس نے اپنے باپ سے اس نے اپنے دادا سے بیان کیا کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چودھراہت حسن ہے اور ضروری ہے کہ لوگوں کے لیے چودھری ہوں لیکن چودھری دوزخ میں جائیں گے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: ''چودھراءت ایک حقیقت ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال اور نگرانی کے لیے چودھری ہونا ایک امر واقع ہے اور ان کی طرف لوگوں کی احتیاج مسلم ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ (اکثر) چودھری دوزخ میں جائیں گے کیونکہ وہ اپنی چودھراءت میں حق وانصاف سے کام نہیں لیں گے اور عدل وایمانداری کے تقاضوں کو ملحوظ نہیں رکھیں گے۔ اس اعتبار سے چودھراءت کو قبول کرنا ہلاکت و عذاب کا سخت خطرہ مول لینا ہے لہٰذا عاقل ودانا کو چاہئے کہ وہ اس بارے میں ہوشیار ہے اور اس منصب کو قبول کرنے سے حتی الامکان پرہیز کرے تاکہ وہ کسی ایسے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے جو اس کو دوزخ کے عذاب کا مستوجب بنادے۔''

احمق سردار وحاکم سے خدا کی پناہ چاہو

(۴۰) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُعِیْذُكَ بِاللّٰهِ مِنْ اِمَارَةِ السُّفَهَاءِ قَالَ وَمَاذَاكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اُمَرَاءُ سَیَكُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ مَنْ دَخَلَ عَلَیْهِمْ فَصَدَّقَهُمْ بِكِذْبِهِمْ وَ اَعَانَهُمْ عَلٰی ظُلْمِهِمْ فَلَیْسُوْا مِنِّیْ وَلَسْتُ مِنْهُمْ وَلَنْ یَرِدُوْا عَلَیَّ الْحَوْضَ وَ مَنْ لَمْ یَدْخُلْ عَلَیْهِمْ وَ لَمْ یُصَدِّقْهُمْ بِكِذْبِهِمْ وَ لَمْ یُعِنْهُمْ عَلٰی ظُلْمِهِمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْهُمْ وَاُولٰٓئِكَ یَرِدُوْنَ عَلَیَّ الْحَوْضَ. (رواہ الترمذی و النسائی)

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا میں تجھ کو احمقوں کی سرداری سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ اس نے کہا اے اللہ کے رسول وہ کیا ہے فرمایا میرے بعد امراء ہوں گے جو ان کے پاس داخل ہوا ان کے جھوٹ کی تصدیق کی اور ان کے ظلم پر ان کی اعانت کی نہ وہ مجھ سے ہیں اور نہ میرا کوئی تعلق ان سے ہے اور نہ وہ میرے پاس حوض پر

داخل ہوسکیں گے اور جو شخص ان کے پاس نہ جائے ان کے جھوٹ کی تصدیق نہ کرے ان کی ظلم پر اعانت نہ کرے یہ لوگ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں اور یہ لوگ میرے پاس حوض پر آئیں گے۔ (روایت کیا اس کو ترمذی اور نسائی نے)

تشریح: "اور نہ وہ لوگ میرے پاس حوض پر آئیں گے" میں "حوض" سے مراد یا تو "حوض کوثر" ہے کہ ان لوگوں کو حوض کوثر پر میرے پاس آنے کی اجازت نہیں ہوگی یا "جنت" مراد ہے کہ ان لوگوں کو جنت میں میرے پاس نہیں آنے دیا جائے گا۔ یہ ارشاد گرامی گویا اس بات کو سخت وعید کے طور پر واضح کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی حکومت اور نظام مملکت کی رکنیت اختیار کرتا ہے یا اس کی امداد و حمایت کو اپنا شیوہ بناتا ہے جس کی باگ ڈور کم ظرف اور احمق لوگوں کے ہاتھ میں ہے اور جس کا سایہ میں خدا کے بندوں پر ظلم و جور کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں۔ تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص میں ایمان کا فقدان اور وہ شخص مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

سربراہان حکومت کی حاشیہ نشینی دین و دنیا کی تباہی کا باعث ہے

(۴۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا وَمَنِ اتَّبَعَ الصَّيْدَ غَفَلَ وَ مَنْ اَتَى السُّلْطَانَ افْتُتِنَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَ فِي رِوَايَةِ اَبِي دَاوُدَ مَنْ لَزِمَ السُّلْطَانَ افْتُتِنَ وَمَا ازْدَادَ عَبْدٌ مِنَ السُّلْطَانِ دُنُوًّا اِلَّا ازْدَادَ مِنَ اللّٰهِ بُعْدًا

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا جو شخص جنگل میں رہتا ہے جاہل ہوتا ہے اور جو شکار کے پیچھے چلتا ہے غافل ہوتا ہے اور جو بادشاہ کے ہاں جاتا ہے فتنہ میں ڈالا جاتا ہے۔ روایت کیا اس کو احمد نسائی اور ترمذی نے۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے جو شخص بادشاہ کے ہاں ملازم رہتا ہے فتنہ میں ڈالا جاتا ہے اور کوئی شخص جس قدر بادشاہ کے قریب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ سے اسی قدر دور ہو جاتا ہے۔

تشریح: من سكن البادية جفا: "جنگل اور دیہات میں سکونت اختیار کرنے والا چونکہ علم اور علماء اور صلحاء کی مجالس سے دور رہتا ہے شہری ماحول کی تہذیب سے بھی واقف نہیں ہوتا اس لئے ان میں گنوار پن ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امر واقعی کا بیان کیا ہے دیہات کے رہنے والوں کی تنقیص مقصود نہیں ہے۔" ومن اتبع الصيد "یعنی ایک شخص شکار کے پیچھے ایسا پڑتا ہے کہ نہ کھانے کا خیال ہے نہ نماز کی فکر ہے نہ جان کی پرواہ ہے اور یہ سب کچھ کسی روزی اور حلال رزق کمانے کی نیت سے نہیں ہے بلکہ ازراہ عیش اور لہو ولعب کے طور پر ہے تو ظاہر ہے یہ خود غفلت اور گناہ ہے اس سے اس شکار کرنے کی ممانعت نہیں ہوتی ہے جس میں یہ مفاسد نہ ہوں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ خود شکار نہیں کیا ہے مگر شکار کا گوشت کھایا ہے اور صحابہ کو اس کے مسائل بتائے ہیں اور اس کو منع نہیں کیا ہے۔ "افتتن" یعنی جو شخص بغیر کسی سخت ضرورت کے بادشاہ کے دربار میں گیا تو وہ فتنہ میں پڑ گیا کیونکہ اگر وہاں بادشاہ کے ناجائز امور میں موافقت کرے گا تو اس کا دین تباہ ہو جائے گا اور اگر مخالفت کرے گا تو اس کی دنیا اور جان خطرہ میں پڑ جائے گی۔ ہاں اگر کسی شخص نے بادشاہ کے دربار میں کلمہ حق بلند کیا تو وہ تو بڑے اجر کا کام ہے۔

گمنامی راحت کا باعث ہے اور شہرت، آفت کا باعث

(۴۲) وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَرَبَ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَفْلَحْتَ يَا قُدَيْمُ اِنْ مُتَّ وَ لَمْ تَكُنْ اَمِيْرًا وَلَا كَاتِبًا وَ لَا عَرِيْفًا. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کندھوں پر مارا پھر فرمایا اے قدیم اگر تو مر گیا جبکہ نہ تو امیر بنا نہ منشی نہ چودھری تو فلاح پا گیا۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

لوگوں سے خلاف شرع محصول و ٹیکس وصول کرنے والا حاکم جنت سے محروم رہے گا

(۴۳) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ صَاحِبُ مَكْسٍ يَعْنِي الَّذِيْ يَعْشِرُ النَّاسَ. (رواه احمد و ابوداؤد و الدارمی)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں صاحب مکس داخل نہ ہوگا اس سے آپ کی مراد وہ شخص ہے جو غیر شرعی محصول لیتا ہو۔ (روایت کیا اس کو احمد ابوداؤد اور دارمی نے)

امام عادل کی فضیلت

(۴۴) وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ اَقْرَبَهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا اِمَامٌ عَادِلٌ وَ اِنَّ اَبْغَضَ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَشَدَّهُمْ عَذَابًا وَ فِیْ رِوَايَةٍ وَاَبْعَدَهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا اِمَامٌ جَائِرٌ. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں سے محبوب ترین اور از روئے مجلس کے قریب ترین امام عادل ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں سے بدترین اور سخت ترین از روئے عذاب کے ایک روایت میں ہے از روئے مجلس بعید ترین ظالم امام ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

ظالم حاکم کے سامنے حق گوئی سب سے بہتر جہاد ہے

(۴۵) وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ قَالَ كَلِمَةَ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ النَّسَائِیُّ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین جہاد ظالم حاکم کے سامنے حق بات کہنا ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی ابوداؤد اور ابن ماجہ نے۔ اور روایت کیا اس کو احمد اور نسائی نے طارق بن شہاب سے۔

تشریح: افضل الجهاد: یہاں "من" کے کلمہ سے پہلے لفظ جہاد مقدر ماننا ضروری ہے "ای جهاد من قال" یا افضل اهل الجهاد محذوف ماننا ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ ظالم حاکم کے سامنے صرف زبانی جہاد میدان کارزار کے رزم و بزم سے افضل کیوں ہوا؟ اس کا ایک جواب ملا علی قاریؒ نے مرقات میں دیا ہے جسے حضرت گنگوہی نے "کوکب الدری" میں نقل فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ میدان جنگ کا مجاہد امید و بیم کے درمیان میں ہوتا ہے ہو سکتا ہے وہ دشمن کے ہاتھوں میدان میں شہید ہو جائے اور ممکن ہے کہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو جائے لیکن ظالم حاکم کے سامنے حق کا کلمہ کہنا یقینی موت کو دعوت دینا ہے کیونکہ اگر صحیح معنوں میں اس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا ہے تو چونکہ یہ ظالم کے ہاتھ اور قابو میں ہے لہٰذا ان کا بچ نکلنا مشکل ہے اور جو شخص جانتا ہے کہ اس کلام کی پاداش میں مجھے موت ملے گی اور پھر بھی اس کی جرأت کرتا ہے تو یہ بہت بڑا اقدام ہے اس لئے یہ افضل جہاد قرار دیا گیا۔

دوسرا جواب بھی شیخ مظہر کے حوالہ سے ملا علی قاریؒ نے ہی نقل کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ظالم حاکم کے ظلم کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں انسانوں کو تکلیف پہنچ رہی ہے اور اس کو راہ راست پر لانے میں لاکھوں مسلمانوں کی بھلائی اور فائدہ ہے اس لئے عموم نفع کے پیش نظر یہ اس جہاد سے افضل ہے جس جہاد کا نفع اس شخص سے محدود ہے بہر حال کچھ لوگ صرف زبانی جمع خرچ کو افضل جہاد قرار دینے لگتے ہیں یہ اس حدیث کے مفہوم میں کوتاہ نظری ہے اور جہاد مقدس سے طبعی نفرت کا نتیجہ ہے۔ مجاہدین ہی تو حکمرانوں سے برسرپیکار رہتے ہیں یہ کلمہ حق اور دعوت حق کی مہم نہیں تو کیا کسی سرمایہ اور تجارت کی جنگ ہے؟

حکمران کے صالح مشیر کار اس کی فلاح کا باعث ہوتے ہیں

(۴۶) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِالْأَمِيْرِ خَيْرًا جَعَلَ لَهُ وَزِيْرَ صِدْقٍ إِنْ نَسِيَ ذَكَّرَهُ وَإِنْ ذَكَرَ أَعَانَهُ وَإِذَا أَرَادَ بِهِ غَيْرَ ذٰلِكَ جَعَلَ لَهُ وَزِيْرَ سُوْءٍ إِنْ نَسِيَ لَمْ يُذَكِّرْهُ وَإِنْ ذَكَرَ لَمْ يُعِنْهُ (ابوداود والنسائی)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی امیر کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس کے لیے ایک سچا وزیر مقرر کرتا ہے اگر بھول جائے اس کو یاد دلاتا ہے اگر وہ یاد رکھتا ہے اس کی مدد کرتا ہے اور جب کسی کے ساتھ اس کے علاوہ کا ارادہ کرتا ہے اس کا برا وزیر مقرر کرتا ہے اگر وہ بھول جائے اس کو یاد نہیں دلاتا اگر یاد رکھتا ہے اس کی اعانت نہیں کرتا۔ (ابوداؤد، ترمذی)

رعایا کے تئیں حکمران کا شک وشبہ عام انتشار و بددلی کا باعث ہے

(۴۷) وَعَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْأَمِيْرَ إِذَا ابْتَغَى الرِّيْبَةَ فِي النَّاسِ أَفْسَدَهُمْ. (رواہ ابوداود)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا جس وقت امیر اپنی رعیت میں شک کی بات تلاش کرتا ہے ان کو خراب کرتا ہے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: الریبۃ: اس ارشاد گرامی سے ایک بین الاقوامی قانون کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ملک وملت کی سالمیت اور قوموں کی فلاح و بہبود اور حاکم ومحکوم کے درمیان خوشگوار تعلقات کیلئے یہ ضروری ہے کہ حاکم اور رعایا کے درمیان مکمل اعتماد کی فضا قائم ہو ہر حاکم کو چاہیے کہ وہ غور سے اس بات کو سوچ لے کہ ان کو اپنی رعایا کی بھرپور تائید کی ضرورت ہے اگر ایک تنگ نظر اور کم ظرف حکمران اپنی رعایا کے بارے میں مسلسل شک اور شبہ میں مبتلا رہتا ہے اور رعایا کی وفاداری اور ان کی نقل وحرکت پر بدگمانی کرتا ہے اور جھوٹے الزامات پر بے دھڑک ان کو تنگ کرتا رہتا ہے تو وہ درحقیقت اپنے پیروں پر خود کلہاڑی مارتا ہے اور اپنی جڑیں کھودتا ہے اب جس طرح حاکم رعایا کے کسی طبقے کو بلا وجہ بدگمانی کا نشانہ بنا کر عقوبت خانوں میں ڈال دیتا ہے تو عوام کے مخالفانہ جذبات اور شک وشبہ کے رجحانات بڑھیں گے اور یہی حکومت کی تباہی ہے۔

(۴۸) وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّكَ إِذَا اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ أَفْسَدْتَهُمْ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جس وقت تو لوگوں کے عیب تلاش کرے گا ان کو خراب کرے گا روایت کیا اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں۔

حق تلفی کرنے والے حاکم کے خلاف تلوار اٹھانے سے صبر کرنا بہتر ہے

(۴۹) وَعَنْ أَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ أَنْتُمْ وَأَئِمَّةٌ مِنْ بَعْدِيْ يَسْتَأْثِرُوْنَ بِهٰذَا الْفَيْءِ قُلْتُ أَمَا وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ أَضَعُ سَيْفِيْ عَلٰى عَاتِقِيْ ثُمَّ أَضْرِبُ بِهِ حَتّٰى أَلْقَاكَ قَالَ أَوَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى خَيْرٍ مِنْ ذٰلِكَ تَصْبِرُ حَتّٰى تَلْقَانِيْ. (رواہ ابوداود)

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد تم ایسے سرداروں کے ساتھ کیا سلوک کرو گے جو اس فی کو اختیار کریں گے میں نے کہا خبردار اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں تلوار اپنے کندھے پر رکھوں گا پھر اس کو ماروں گا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آملوں فرمایا میں تجھ کو اس سے بہتر بات بتلاتا ہوں تو صبر کر یہاں تک کہ مجھ سے آملے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: اضع سیفی: یعنی گلے میں تلوار لٹکا کر ان کے مارنے کیلئے نکل آؤں گا اور جو کوئی ملے گا اس کی گردن اڑاؤں گا۔

مسلمانوں کی آپس کی جنگوں میں شریعت کا حکم:۔ جب مسلمان آپس میں لڑ رہے ہوں اور یہ معلوم نہ ہوتا ہو کہ وہ کیوں لڑ رہے ہیں تو ایسے مواقع کیلئے الگ الگ احادیث وارد ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خوب لڑو اور جماعت حقہ کو غالب کراؤ تا کہ اہل حق کا بول بالا رہے۔ صحابہ کے ایک بڑے طبقے کا یہی نظریہ تھا دوسری قسم وہ روایات ہیں جس میں آیا ہے کہ تم گھر میں چھپ جاؤ اور اندر گھس جاؤ تلواریں توڑ دو۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی یہی رائے ہے اور صحابہ کا ایک طبقہ اسی طرف گیا ہے۔ تیسری قسم کی روایات وہ ہیں کہ اگر فتنہ گھروں میں آجائے تو دفاع کرو صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہی رائے تھی۔ تو تین قسم کی روایات تین طبقوں نے اپنے اپنے مزاج کے مطابق قبول کرلیں لیکن حق کی سربلندی کیلئے میدان میں نکل آنا جمہور صحابہ کا معمول رہا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ.... امام عادل کی فضیلت

(۵۰) عَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَنِ السَّابِقُوْنَ اِلٰى ظِلِّ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ الَّذِيْنَ اِذَا اُعْطُوا الْحَقَّ قَبِلُوْهُ وَاِذَا سُئِلُوْهُ بَذَلُوْهُ وَ حَكَمُوْا لِلنَّاسِ كَحُكْمِهِمْ لِاَنْفُسِهِمْ

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں۔ فرمایا تم جانتے ہو کہ قیامت کے دن اللہ عزوجل کے سایہ کی طرف کون سبقت کریں گے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے فرمایا وہ لوگ جب ان کو حق دیا جائے قبول کرلیتے ہیں اور جب سوال کیا جائے اس کو خرچ کرتے ہیں اور لوگوں کے لیے حکم لگاتے ہیں جس طرح اپنی ذاتوں پر حکم لگاتے ہیں۔

تشریح: حدیث میں عادل حکمرانوں کے تین اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ ان کی وجہ سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عنایت وکرم اور اس کے سایہ کے سب سے پہلے مستحق ہوں گے عادل حکمرانوں کا پہلا وصف تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب ان کے سامنے رعایا کی بھلائی و بہتری اور عدل ومساوات کے تعلق سے کوئی صحیح اور حق بات پیش کی جاتی ہے تو وہ اس کو قبول کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ دوسرا وصف یہ ہے کہ جب رعایا ان سے اپنا حق مانگتی ہے تو وہ اس کا حق دیتے ہیں اور لوگوں کی بھلائی اور بہتری اور ان ضروریات زندگی پوری کرنے کے لیے خرچ کرنے سے دریغ نہیں کرتے اور تیسرا وصف یہ ہے کہ وہ جس چیز کو اپنے لیے پسند کرتے ہیں اسی کو رعایا کے لیے بھی پسند کرتے ہیں اگر وہ اپنی راحت اور اپنا چین چاہتے ہیں تو رعایا کے حق میں بھی وہ یہی چاہتے ہیں کہ عام لوگ راحت وچین اور امن وسکون کے ساتھ رہیں خود غرض اور عیش کوش حکمرانوں کی طرح کا شیوہ یہ نہیں ہوتا کہ خود تو عیش وعشرت اور شہوت رانیوں میں مبتلا رہیں اور رعایا کو سختی اور تنگی اور بدحالی میں رہنے دیں۔

حکمرانوں کے ظلم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف

(۵۱) وَعَنْ جَابِرِ ابْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ ثَلَاثٌ اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِيْ الْاِسْتِسْقَاءُ بِالْاَنْوَاءِ وَ حَيْفُ السُّلْطَانِ وَتَكْذِيْبٌ بِالْقَدْرِ۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے میں اپنی امت پر تین باتوں سے ڈرتا ہوں ستاروں کے ساتھ مینہ مانگنا' بادشاہ کا ظلم کرنا اور تقدیر کو جھٹلانا۔ روایت کیا اس کو احمد نے۔

تشریح: انواء۔ نوء۔ کی جمع ہے جس کے لغوی معنی تو "اٹھنا" اور (گرنا) ہیں لیکن عام طور پر اس کا استعمال چاند کی منازل کے مفہوم میں ہوتا ہے! قدیم علماء فلکیات کے مطابق چاند کی اٹھائیس منزلیں ہوتی ہیں کہ وہ ہر شب ایک منزل میں رہتا ہے غالباً اسی لیے "اٹھنے اور گرنے" سے "طلوع اور غروب" مراد لے کر "انواء" کو چاند کی منازل کے مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے۔ بہرحال عرب کے مشرکین بارش کو ان منازل کی طرف منسوب کرتے تھے اور جب بارش ہوتی تو وہ یہ کہتے کہ چاند کی فلاں منزل کی وجہ سے بارش ہوئی ہے۔ چونکہ یہ ایک باطل عقیدہ ہے اس لیے دوسری احادیث میں یہ عقیدہ رکھنے سے صریح ممانعت مذکور ہے۔ توحید کی اہمیت کو واضح کرنے اور شرک کے ایہام سے دور رکھنے کے لیے اس پر لفظ "کفر" کا اطلاق کیا گیا ہے۔

بلا وجہ نہ تو امین بنو اور نہ حاکم بنو

(۵۲) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سِتَّۃَ اَیَّامٍ اَعْقِلْ یَا اَبَاذَرٍّ مَا یُقَالُ لَکَ بَعْدُ فَلَمَّا کَانَ الْیَوْمُ السَّابِعُ قَالَ اُوْصِیْکَ بِتَقْوَی اللّٰہِ فِیْ سِرِّ اَمْرِکَ وَعَلَانِیَتِہٖ وَاِذَا اَسَاْتَ فَاَحْسِنْ وَلَا تَسْاَلَنَّ اَحَدًا شَیْئًا وَاِنْ سَقَطَ سَوْطُکَ وَلَا تَقْبِضْ اَمَانَۃً وَلَا تَقْضِ بَیْنَ اثْنَیْنِ۔

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ دن تک یہ فرمایا کہ اے ابوذر تجھے جو کہا جائے گا غور سے سمجھ جب ساتواں دن ہوا فرمایا میں تجھ کو ظاہر اور باطن میں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں جس وقت تجھ سے کوئی برا کام سرزد ہو جائے پھر نیکی کر کسی سے کسی چیز کا سوال نہ کر اگرچہ تیرا کوڑا گر پڑے کسی کی امانت نہ لے اور دو شخصوں کے درمیان فیصلہ نہ کر۔ روایت کیا اس کو احمد نے۔

تشریح: ''کسی کی امانت اپنے پاس نہ رکھنا'' کا مطلب یہ ہے کہ بلاضرورت کسی کی امانت اپنے پاس رکھنا احتیاط اور دوراندیشی کے خلاف ہے کیونکہ نفس کا کوئی بھروسہ نہیں کہ وسوسہ اور شیطان کے فریب میں مبتلا ہو جائے اور امانت میں خیانت کا ارتکاب ہو جائے یا اگر خیانت کا ارتکاب نہ بھی ہو تو یہ چیز تہمت کا محل تو ہے ہی کہ کسی وجہ سے خود امانت کا مالک یا کوئی دوسرا شخص تم پر خیانت کی تہمت لگا دے۔

حکمران کے حق میں حکومت کے تین تدریجی مرحلے

(۵۳) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ یَلِیْ اَمْرَ عَشَرَۃٍ فَمَا فَوْقَ ذٰلِکَ اِلَّا اَتَاہُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ مَغْلُوْلًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَدُہٗ اِلٰی عُنُقِہٖ فَکَّہٗ بِرُّہٗ اَوْ اَوْبَقَہٗ اِثْمُہٗ اَوَّلُہَا مَلَامَۃٌ وَاَوْسَطُہَا نَدَامَۃٌ وَاٰخِرُہَا خِزْیٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ

ترجمہ: حضرت ابوامامہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ایسا آدمی نہیں جو دس یا زیادہ آدمیوں کے کام کا حاکم بنتا ہے مگر قیامت کے دن اللہ عزوجل کے پاس آئے گا اس کے گلے میں طوق پڑا ہو گا اس کا ہاتھ گردن کے ساتھ چمٹا ہو گا اس کی نیکی اس کو چھڑائے گی یا اس کی برائی اس کو ہلاک کر ڈالے گی۔ اس کا اول ملامت ہے اس کا درمیان ندامت اور اس کا آخر قیامت کے دن ذلت کا باعث ہے۔ (احمد)

تشریح: مغلولا: یعنی ہر قسم کا بادشاہ اللہ تعالیٰ کے سامنے زنجیروں میں جکڑا ہوا ہاتھوں سے بندھا ہوا آئے گا پھر اگر عدل وانصاف کیا تو عدالت اس کو چھڑا دے گی ورنہ بندھے ہاتھوں دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ ''او لہا ملامۃ'' یعنی حکومت کا پہلا مرحلہ تو لوگوں کے الزامات سننے کا ہے ادھر سے اعتراض ادھر سے اعتراض کہ ناجائز طریقہ سے برسر اقتدار آ گیا ہے چور دروازہ سے آیا ہے دھونس دھاندلی سے آ گیا ہے رشوت دیکر آ گیا ہے نااہل ہے جب الزامات کا مرحلہ گزر جاتا ہے تو اب حکومت کی ذمہ داریوں کا زمانہ آ جاتا ہے کیونکہ!

خدائی اہتمام خشک و تر ہے — خداوندا خدائی درد سر ہے
مگر یہ بندگی استغفر اللہ — یہ درد سر نہیں درد جگر ہے

حاکم بیچارہ محنتیں اٹھاتا ہے لیکن رعایا کے مسائل حل نہیں کر پاتا تو دل برداشتہ ہو کر سوچنے لگ جاتا ہے کہ میں کیوں حکمران بنا۔ آخر میں اپنے ہاتھوں خود اس مصیبت میں کیوں ڈوب گیا یہ درمیانہ درجہ ندامت کا ہے جس کی طرف حدیث میں واوسطہا ندامۃ سے اشارہ کیا گیا ہے۔

''و آخرھا خزی'' یعنی تیسرا مرحلہ رسوائی کا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی رسوائی ہے۔ آخرت کی رسوائی کا منظر تو اسی حدیث میں مغلولا کے لفظ سے واضح ہو گیا ہے اور دنیا میں بھی کبھی معزول کیا جاتا ہے کبھی مارا جاتا ہے کبھی پھانسی پر لٹکا دیا جاتا ہے کبھی گرفتار کیا جاتا ہے کبھی ملک سے بھگا دیا جاتا ہے اور سمندر پار جزیروں میں مارے مارے پھرتا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی

(۵۴) وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَامُعَاوِيَةُ اِنْ وُلِّيْتَ اَمْرًا فَاتَّقِ اللّٰهَ وَاعْدِلْ قَالَ فَمَازِلْتُ اَظُنُّ اَنِّيْ مُبْتَلٰى بِعَمَلٍ لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى ابْتُلِيْتُ.

ترجمہ: حضرت معاویہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے معاویہ رضی اللہ عنہ اگر تو کسی کام کا سردار بنایا جائے پس اللہ سے ڈر اور انصاف کر کہا میں ہمیشہ یہ گمان کرتا رہا کہ میں کسی کام کے ساتھ گرفتار کیا جاؤں گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے یہاں تک کہ میں مبتلا کر دیا گیا۔ روایت کیا اس کو احمد نے۔

آنے والے زمانے کے بارے میں پیشین گوئی

(۵۵) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ رَأْسِ السَّبْعِيْنَ وَ اِمَارَةِ الصِّبْيَانِ. رَوَى الْاَحَادِيْثَ السِّتَّةَ اَحْمَدُ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ حَدِيْثَ مُعَاوِيَةَ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ستر برس کی ابتدا سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ پناہ مانگو اور بچوں کی امارت سے۔ ان چھ حدیثوں کو احمد نے روایت کیا ہے۔ بیہقی نے معاویہ کی حدیث دلائل النبوۃ میں ذکر کی ہے۔

تشریح: ''ستر سال کی ابتداء'' سے مراد سن ہجری کی ساتویں دہائی ہے جس کی ابتداء 61ھ سے ہو جاتی ہے 60ھ کے آخر میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور حکومت ان کی وفات پر پورا ہوا اور یزید ابن معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت قائم ہوئی اس کے ساتھ ہی حکومت پر سے ''صحابیت'' کا بابرکت سایہ اقتدار مکمل طور پر اٹھ گیا اور اس کے بعد سے امت کی تاریخ حکومت کا وہ دور شروع ہو گیا جو افتراق اور انتشار فتنہ و فساد ظلم و جور حصول اقتدار کی کشمکش اور ملوکیت کی فتنہ سامانیاں اپنے دامن میں لے کر آیا۔ یزید کل تین سال آٹھ ماہ تخت حکومت پر رہا اس دوران میں اس کی حکومت کا سب سے شرمناک واقعہ ''سانحہ کربلا'' ہے۔ یزید کے بعد اس کا بیٹا معاویہ ابن یزید ابن معاویہ برائے نام تخت نشین ہوا اور آخر میں حکومت کی باگ ڈور بنو امیہ کے سفیانی خاندان سے نکل کر بنی مروان کے ہاتھ آ گئی۔ حدیث میں انہی بنی مروان کی حکومت ''بچوں کی حکومت'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بنی مروان کے زمانہ حکومت میں اقتدار کی رسہ کشی' استبداد و جبر' مذہبی انتشار و تشتت' دین سے برگشتگی' خاندانی و قبائلی عصبیت' اسلامی شعائر سے لاپرواہی اور بزرگان حق کے ساتھ سختی و تشدد کا جو مظاہرہ ہوا اس نے پورے نظام حکومت و مملکت کو ''بازیچہ اطفال'' بنا کر رکھ دیا تھا۔ رسوائے تاریخ ظالم حجاج ابن یوسف ابی مروان ہی کے عہد حکومت کا سب سے بڑا معتمد والی تھا جو اپنے ظلم و ستم میں چنگیز و ہلاکو سے کم بدنام نہیں ہے۔

سن ہجری کی ساتویں دہائی کی ابتداء سے یزید ابن معاویہ کی امارت کی صورت میں رونما ہونے والی بوالعجبیوں اور اس کے بعد کے عرصہ میں بنی مروان کی حکومت کی ستم رانیاں وقوع پذیر ہونے سے سالہا سال پہلے نگاہ نبوت کے سامنے ایک کھلی کتاب کی مانند تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست محکم آنے والے اس زمانہ کا ادراک کر رہی تھی جس میں امت کی اجتماعی ہیئت اور اس کی ملی خصوصیات کو چند خود غرض' مفاد پرست اور دنیا دار حکمران اپنے اقتدار طلبی اور عیش رانیوں پر قربان کرنے والے تھے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا اس وقت پیش آنے والے سخت ترین حالات اور عاقبت نااندیش حکمرانوں کے عہد حکومت سے خدا کی پناہ مانگو کہ خدا تم میں سے کسی کو وہ زمانہ نہ دکھلائے۔

جیسے عمل کرو گے ویسے ہی حکمران مقرر ہوں گے

(۵۶) وَعَنْ يَحْيَى بْنِ هَاشِمٍ عَنْ يُوْنُسَ ابْنِ اَبِيْ اِسْحَاقَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا تَكُوْنُوْنَ كَذٰلِكَ يُؤَمَّرُ عَلَيْكُمْ.

ترجمہ: حضرت یحییٰ بن ہاشم یونس بن ابی اسحاق سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیسے تم ہو گے اسی طرح کے تم پر سردار مقرر کیے جائیں گے۔ روایت کیا اس کو بیہقی نے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ تمہارے طور طریقے اور تمہارے اعمال جیسے ہوں گے ویسے ہی تم پر حاکم وعامل مقرر ہوں گے اگر تمہارے اعمال اچھے ہوں گے تو تمہارے حاکم بھی اچھے ہوں گے اور اگر تم برے اعمال کرو گے تو تمہارے حاکم بھی برے ہوں گے۔

بادشاہ روئے زمین پر خدا کا سایہ ہوتا ہے

(۵۷) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ السُّلْطَانَ ظِلُّ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ یَاْوِیْ اِلَیْہِ کُلُّ مَظْلُوْمٍ مِنْ عِبَادِہٖ فَاِذَا عَدَلَ کَانَ لَہُ الْاَجْرُ وَ عَلَی الرَّعِیَّۃِ الشُّکْرُ وَ اِذَا جَارَ کَانَ عَلَیْہِ الْاِصْرُ وَ عَلَی الرَّعِیَّۃِ الصَّبْرُ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بادشاہ زمین میں اللہ کا سایہ ہے اس کے بندوں میں سے ہر مظلوم اس کی طرف ٹھکانا پکڑتا ہے جب وہ انصاف کرے اس کے لیے اجر وثواب ہے اور رعیت کے ذمہ شکر واجب ہے اور جب ظلم کرتا ہے اس پر گناہ ہے اور رعیت پر صبر ہے۔ (روایت کیا اس کو بیہقی نے)

تشریح: بادشاہ کے وجود کو "خدا کا سایہ" اس اعتبار سے فرمایا گیا ہے جس طرح کسی چیز کا سایہ سورج کی تپش وگرمی کی ایذا سے بچاتا ہے اسی طرح بادشاہ اپنی رعیت کے لوگوں کو مختلف قسم کی ایذاؤں اور سختیوں سے بچاتا ہے! نیز بسا اوقات "لفظ سایہ" سے کنایۃً "محافظت وحمایت" کا مفہوم بھی مراد لیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے بھی اگر دیکھا جائے تو بادشاہ کے وجود کا بجا طور پر اپنی رعایا کے لیے "محافظت وحمایت" کا سب سے بڑا ذریعہ ہونا بالکل ظاہر ہے۔ طیبیؒ نے یہ وضاحت کی ہے کہ لفظ "ظل اللہ" ایک تشبیہ ہے اور عبارت یاوی الیہ کل مظلوم الخ اس تشبیہ کی وضاحت اور مراد بیان کرتی ہے یعنی لوگ جس طرح سایہ کی ٹھنڈک میں سورج کی گرمی سے راحت پاتے ہیں اسی طرح بادشاہ کے عدل کی ٹھنڈک میں ظلم وجور کی گرمی سے راحت پاتے ہیں۔ "ظل اللہ" میں اللہ کی طرف ظل (سایہ) کی نسبت اس (سایہ) کی عظمت وبرتری کے اظہار کے لیے ہے جیسا کہ بیت اللہ میں اللہ کی طرف بیت کی نسبت اس (بیت) کی عظمت وبرتری کو ظاہر کرنے کے لیے ہے اور اس سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ وہ سایہ (یعنی بادشاہ) دوسرے سایوں کی طرح نہیں ہے بلکہ وہ اللہ کے تعلق سے اپنی الگ شان اور خصوصیت وبرتری رکھتا ہے کیونکہ اس کو روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ (نائب) قرار دیا گیا ہے کہ اس کا فریضہ اللہ تعالیٰ کے عدل واحسان کو اس کے بندوں پر پھیلانا ہے۔

قیامت کے دن سب سے بلند مرتبہ نرم خو اور عادل حکمران ہوگا

(۵۸) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَفْضَلَ عِبَادِ اللّٰہِ عِنْدَ اللّٰہِ مَنْزِلَۃً یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِمَامٌ عَادِلٌ رَفِیْقٌ وَ اِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰہِ مَنْزِلَۃً یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِمَامٌ جَائِرٌ خَرِقٌ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے بندوں میں سے قیامت کے دن درجات میں بہترین امام عادل نرمی کرنے والا ہے اور قیامت کے دن لوگوں میں سے بدترین سختی کرنے والا ظالم امام ہے۔ (روایت کیا اس کو بیہقی نے)

کسی مسلمان کو محض ڈرانا دھمکانا بھی عذاب کا سزاوار کرتا ہے

(۵۹) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ نَظَرَ اِلٰی اَخِیْہِ نَظْرَۃً یُخِیْفُہٗ اَخَافَہُ اللّٰہُ

يَوْمَ الْقِيَامَةِ. رَوَى الْاَحَادِيْثَ اَرْبَعَةَ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَ قَالَ فِي حَدِيْثِ يَحْيٰى هٰذَا مُنْقَطِعٌ وَ رِوَايَتُهُ ضَعِيْفٌ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی کی طرف اس طرح دیکھے کہ اس کو ڈرائے قیامت کے دن اللہ اس کو ڈرائے گا۔ ان چاروں احادیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے اور یحیٰی کی حدیث کے متعلق کہا ہے کہ یہ منقطع ہے اور اس کی حدیث ضعیف ہے۔

حکمران کے ظلم پر اس کو برا بھلا کہنے کی بجائے اپنے اعمال درست کرو

(۱۰) وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا مَالِكُ الْمُلُوْكِ وَ مَلِكُ الْمُلُوْكِ قُلُوْبُ الْمُلُوْكِ فِي يَدِي وَ اِنَّ الْعِبَادَ اِذَا اَطَاعُوْنِي حَوَّلْتُ قُلُوْبَ مُلُوْكِهِمْ عَلَيْهِمْ بِالرَّحْمَةِ وَ الرَّاْفَةِ وَ اِنَّ الْعِبَادَ اِذَا عَصَوْنِي حَوَّلْتُ قُلُوْبَهُمْ بِالسَّخْطَةِ وَالنِّقْمَةِ فَسَامُوْهُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ فَلَا تَشْغَلُوْا اَنْفُسَكُمْ بِالدُّعَاءِ عَلَى الْمُلُوْكِ وَ لٰكِنِ اشْغَلُوْا اَنْفُسَكُمْ بِالذِّكْرِ وَ التَّضَرُّعِ كَيْ اَكْفِيَكُمْ مُلُوْكَكُمْ، رَوَاهُ اَبُوْ نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں میں بادشاہوں کا مالک اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں۔ بادشاہوں کے دل میرے قبضہ میں ہیں جب بندے میری اطاعت کرتے ہیں میں ان پر بادشاہوں کے دل رحمت اور نرمی کے ساتھ پھیر دیتا ہوں اور بندے جس وقت میری نافرمانی کرتے ہیں۔ میں ان کے دل خفگی اور عذاب کے ساتھ پھیر دیتا ہوں وہ ان کو بُرا عذاب پہنچاتے ہیں۔ تم اپنے نفسوں کو بادشاہوں کے لیے بددعا کرنے میں مشغول نہ رکھو بلکہ ذکر اور عاجزی زاری میں اپنے نفسوں کو مشغول کرو تا کہ میں تم کو بادشاہوں کے شر سے کفایت کروں۔ روایت کیا ہے اس کو ابونعیم نے حلیہ میں۔

تشریح: یعنی بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں اگر تم صحیح رہے تو میں ان کو صحیح کر دوں گا اور اگر تم صحیح نہ ہوئے تو میں ان کے دلوں کو سخت کر دوں گا پھر وہ تمہیں سخت سزائیں دیں گے لہٰذا تم میری اطاعت کرو اور ذکر و فکر میں لگے رہو میں تمہاری طرف سے ان کیلئے کافی ہو جاؤں گا یعنی ان کی شرارت سے تمہیں محفوظ رکھوں گا۔

بَابُ مَا عَلَى الْوُلَاةِ مِنَ التَّيْسِيْرِ ... حاکموں پر آسانی و نرمی کے واجب ہونے کا بیان

دین اسلام کا یہ مزاج ہے کہ وہ انسانوں کے معاملات اور حقوق میں طرفین کو ایک دوسرے کے قریب کر دیتا ہے اسلام دونوں طرف کے لوگوں کو حقوق کی ادائیگی کا احساس دلاتا ہے اسلام اگر مامور کو نصیحت کرتا ہے تو وہیں پر امراء کو بھی نصیحت کرتا ہے چنانچہ اس سے پہلے احادیث میں زیادہ تر رعایا کو نصیحت تھی کہ اپنے حاکموں کی اطاعت کرو اب حاکموں کو نصیحت کی جا رہی ہے کہ تم نرمی کرو اور رعایا پر شفقت کرو اور ہر قسم کی آسانی مہیا کر لیا کرو۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ... حکمران کو اپنی رعایا کے تئیں نرم روی اختیار کرنی چاہئے

(۱) عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا بَعَثَ اَحَدًا مِنْ اَصْحَابِهِ فِيْ بَعْضِ اَمْرِهِ قَالَ بَشِّرُوْا وَ لَا تُنَفِّرُوْا وَيَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت اپنے صحابہ میں سے کسی کو کسی کام کے لیے بھیجتے فرماتے بشارت دو اور نہ ڈراؤ آسانی دو اور تنگی نہ کرو۔ (متفق علیہ)

(۲) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَسَكِّنُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آسانی کرو اور مشکل نہ کرو اور تسکین دو اور نفرت نہ دلاؤ۔ (متفق علیہ)

(۳) وَعَنْ اَبِیْ بُرْدَۃَ قَالَ بَعَثَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَدَّہٗ اَبَامُوْسٰی وَمُعَاذًا اِلَی الْیَمَنِ فَقَالَ یَسِّرَا وَلَاتُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَاتُنَفِّرَا وَتَطَاوَعَا وَلَاتَخْتَلِفَا۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابو بردہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دادا ابو موسی رضی اللہ عنہ اور معاذ کو یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا آسانی کرو اور مشکل نہ کرو نفرت نہ دلاؤ اور آپس میں اتفاق رکھو۔ اور اختلاف نہ کرو۔ (متفق علیہ)

تشریح: جدہ: ابو بردہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے بیٹے ہیں پوتے نہیں ہیں تو وہ کیسے کہتے ہیں کہ میرے دادا کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمایا ہونا یہ چاہیے تھا کہ ابو بردہ کے بجائے ابن ابی بردہ کا لفظ ہوتا تو ابو بردہ کے بیٹے کے جد اور دادا ابو موسیٰ اشعری تھے مشکوۃ کے تمام نسخوں میں ابو بردہ لکھا ہوا ہے ہوسکتا ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہو بہر حال پڑھنے والے کو ابن ابی بردہ پڑھنا چاہیے۔

قیامت کے دن عہد شکن کی رسوائی

(۴) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْغَادِرَ یُنْصَبُ لَہٗ لِوَاءٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فَیُقَالُ ھٰذِہٖ غَدْرَۃُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عہد توڑنے والے کے لئے قیامت کے دن ایک نشان کھڑا کیا جائے گا اور کہا جائے گا یہ فلاں بیٹے فلاں کی عہد شکنی ہے۔ (متفق علیہ)

(۵) وعن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لکل غادر لواء یوم القیامۃ یعرف بہ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتے ہیں فرمایا قیامت کے دن ہر عہد شکن کے لیے نشان ہوگا جس کے ساتھ پہچانا جائے گا۔ (متفق علیہ)

(۶) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ عِنْدَ اسْتِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یُرْفَعُ لَہٗ بِقَدْرِ غَدْرِہٖ اَلَا وَلَاغَادِرَ اَعْظَمُ غَدْرًا مِنْ اَمِیْرِ عَامَّۃٍ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ہر عہد شکن کے لیے اس کی سرین کے نزدیک ایک نشان ہوگا۔ ایک روایت میں ہے ہر عہد شکن کے لیے قیامت کے دن نشان ہوگا جو اس کے غدر کے مطابق بلند کیا جائے گا۔ امیر عوام سے بڑھ کر کوئی عہد شکن نہیں ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: ولا غادر اعظم: اس جملہ کے دو مطلب ہیں پہلا مطلب یہ ہے کہ ایک امیر بغاوت کر کے خلیفۃ المسلمین کے خلاف عوام کو بھڑکا دے اور بغاوت کر کے حکومت پر ناجائز قبضہ جمالے نہ اہل رائے سے مشورہ ہو نہ خیر اور بھلائی کی فکر ہو صرف زبردستی اور تغلب سے ملک پر قابض ہو گیا ہو اس صورت میں "من امیر عامۃ" خود یہی قابض بادشاہ ہوگا کہ اس سے بڑا غدار کوئی نہیں حدیث کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ رعایا میں سے ایک شخص مسلمانوں کے متفقہ امام وخلیفہ کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا ہے اور سابقہ عہد و پیمان اور بیعت خلیفہ کو توڑتا ہے یہ بڑا غدار ہے اس صورت میں "من امیر عامۃ" سے رعایا اور عوام میں سے کوئی باغی مراد لیا جائے گا علامہ نووی نے اس حدیث کو کچھ آسان انداز سے یوں سمجھا دیا ہے فرماتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ اس حدیث میں ہر قسم کی خیانت اور غداری کو غلط قرار دیا گیا ہے خاص کر اس بادشاہ اور خلیفہ وقت کی غداری کو انتہائی نقصان دہ قرار دیا گیا ہے جو مسلمانوں کی امانتوں اور ذمہ داریوں کا محافظ بنایا گیا ہو اور اس نے اس حفاظت کا عہد کر کے زمام اقتدار کو سنبھالا ہو اور پھر اپنے عوام کے ساتھ غداری کرتا ہے خیانت کرتا ہے اور ان پر ترس نہیں کھاتا ہے نہ شفقت کرتا ہے یہ بہت بڑا غدار امام ہے جنہوں نے اپنی تمام ذمہ داریوں کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں رعیت کو غداری اور خیانت اور بغاوت سے روکا گیا ہو کہ تم اپنے خلیفہ کے خلاف بغاوت نہ کرو کوئی فتنہ کھڑا نہ کرو علامہ نووی فرماتے ہیں کہ پہلا مطلب صحیح ہے یہ دوسرا مطلب صرف ایک احتمال ہے۔

الفصل الثانی... رعایا کی ضروریات پوری نہ کرنیوالے حکمران کے بارے میں وعید

(۷) عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ اَنَّهٗ قَالَ لِمُعَاوِيَةَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ وَلَّاهُ اللّٰهُ شَيْئًا مِنْ اَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَاحْتَجَبَ دُوْنَ حَاجَتِهِمْ وَ خَلَّتِهِمْ وَفَقْرِهِمْ اِحْتَجَبَ اللّٰهُ دُوْنَ حَاجَتِهٖ وَ خَلَّتِهٖ وَفَقْرِهٖ فَجَعَلَ مُعَاوِيَةُ رَجُلًا عَلٰى حَوَائِجِ النَّاسِ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَ فِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ وَلِاَحْمَدَ اَغْلَقَ اللّٰهُ لَهٗ اَبْوَابَ السَّمَاءِ دُوْنَ خَلَّتِهٖ وَ حَاجَتِهٖ وَمَسْكَنَتِهٖ

ترجمہ: حضرت عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اس نے معاویہ سے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے کسی امر کا والی بنادیا ان کی ضرورت حاجت اور محتاجی کے وقت وہ پردہ میں رہا۔ اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت حاجت اور محتاجی کے وقت پردے میں رہے گا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی ضروریات کے لیے ایک آدمی مقرر کر دیا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور ترمذی نے۔ ترمذی اور احمد کی ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت محتاجی اور ضرورت کے ورے آسمان کے دروازے بند کرے گا۔

تشریح: فاحتجب: یعنی غریبوں اور بے وسائل افراد پر دروازے بند کر کے کسی کی خبر گیری اور خیر خواہی نہیں کرتا ہے مظلوم کی بات نہیں سنتا ہے کوتوال اور سنتری حاجب کو دروازہ پر بٹھا کر کسی کو اندر جانے نہیں دیتا ہے ضرورت مندوں سے چھپا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس والی اور حاکم کی حاجت وضرورت اور عرضداشت سے پردہ وحجاب فرمائے گا" خلة " اس حاجت کو کہتے ہیں جس سے خلل پڑتا ہو" وحاجته " عام حاجت مراد لیا جا سکتا ہے" ومسكنته " فقر وفاقہ کو کہتے ہیں ملاعلی قاری فرماتے ہیں کہ ان تمام کلمات کا معنی ایک ہی ہے صرف تاکید کے طور پر خلہ اور فقر اور حاجت اور مسکنت کا الگ الگ ذکر کیا گیا ہے۔

الفصل الثالث.... کس حاکم پر رحمت خداوندی کے دروازے بند ہونگے

(۸) عَنْ اَبِي الشَّمَّاخِ الْاَزْدِيِّ عَنِ ابْنِ عَمٍّ لَهٗ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ اَتٰى مُعَاوِيَةَ فَدَخَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ وَلِيَ مِنْ اَمْرِ النَّاسِ شَيْئًا ثُمَّ اَغْلَقَ بَابَهٗ دُوْنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَوِ الْمَظْلُوْمِ اَوْذِي الْحَاجَةِ اَغْلَقَ اللّٰهُ دُوْنَهٗ اَبْوَابَ رَحْمَتِهٖ عِنْدَ حَاجَتِهٖ وَفَقْرِهٖ اَفْقَرَ مَا يَكُوْنُ اِلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت ابوشماخ ازدی اپنے چچا کے بیٹے سے روایت کرتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی تھا کہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اس پر داخل ہوا اور کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے جو شخص لوگوں کے امور میں سے کسی امر کا والی بنے پھر مسلمانوں پر اپنا دروازہ بند کرلے یا کسی مظلوم یا صاحب حاجت کے لیے دروازہ بند کرلے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے دروازے اس کی ضرورت اور حاجت کے لیے کرلے گا جبکہ وہ اس کا بہت محتاج ہوگا۔ (روایت کیا اس کو بیہقی نے)

تشریح: یعنی اگر وہ کسی وقت اپنی دنیا یا آخرت کے بارے میں کوئی حاجت اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھے گا اور اس کا اظہار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت وضرورت کو پورا نہیں فرمائے گا جبکہ یہ بندہ اس وقت سب سے زیادہ اس ضرورت کی طرف محتاج ہوگا یا اگر وہ دنیا میں کسی مخلوق سے اپنی کسی احتیاج کا اظہار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی اس حاجت وضرورت کو بھی پورا نہیں ہونے دے گا۔

اپنے حکام کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ہدایات

(۹) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا بَعَثَ عُمَّالَهٗ شَرَطَ عَلَيْهِمْ اَنْ لَا تَرْكَبُوْا بِرْذَوْنًا وَلَا تَاْكُلُوْا نَقِيًّا وَلَا تَلْبَسُوْا رَقِيْقًا وَ لَا تُغْلِقُوْا اَبْوَابَكُمْ دُوْنَ حَوَائِجِ النَّاسِ فَاِنْ فَعَلْتُمْ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَقَدْ حَلَّتْ بِكُمُ الْعُقُوْبَةُ ثُمَّ يُشَيِّعُهُمْ رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا جب وہ کسی کو عامل بنا کر بھیجتے اس پر شرط لگاتے کہ ترکی گھوڑوں پر سوار نہ ہوں۔ میدہ کی روٹی نہ کھائیں باریک کپڑے نہ پہنیں اور لوگوں کے حوائج پر دروازے بند نہ کریں اگر تم نے ان باتوں میں سے کسی ایک کا ارتکاب کیا تم کو سزا ملے گی پھر ان کو الوداع کہنے کے لیے ساتھ جاتے۔ روایت کیا ان دونوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں۔

تشریح: ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہونے کی ممانعت کی علت چونکہ تکبر اور اتراہٹ ہے اس لیے عربی گھوڑے پر سوار ہونے کی ممانعت بطریق اولی ہوگی۔ طیبی کہتے ہیں کہ ترکی گھوڑے پر سوار ہونے سے منع کرنا دراصل تکبر و اتراہٹ سے منع کرنا ہے میدہ کھانے اور باریک کپڑے پہننے سے منع کرنا اسراف اور عیش و عشرت کی زندگی اختیار کرنے سے منع کرنا ہے اور حاجتوں پر اپنے دروازے بند رکھنے سے منع کرنا مسلمانوں کی حاجت روائی نہ کرنے سے منع کرنا ہے۔

بَابُ الْعَمَلِ فِي الْقَضَاءِ وَالْخَوْفِ مِنْهُ

منصب قضاء کی انجام دہی اور اس سے ڈرنے کا بیان

اسلامی نظام حکومت کا اصل محور امام و امیر یعنی سربراہ مملکت اور قاضی ہوتے ہیں چنانچہ گزشتہ دونوں ابواب میں امام و امیر کے متعلقات کو بیان کیا گیا ہے۔ اب اس باب میں منصب قضا کا بیان ہوگا اور اس سلسلے میں بطور خاص دونوں کا ذکر کیا جائے گا ایک تو یہ کہ قاضی اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی میں صرف اسلامی قانون کے ماخذ یعنی کتاب و سنت اور اجتہاد کو رہنما بنائے اور اس کا کوئی فیصلہ ان چیزوں کے خلاف نہیں ہونا چاہیے۔ دوسری بات یہ کہ منصب قضا اپنی اہمیت و عظمت اور اپنی بھرپور ذمہ داریوں کے اعتبار سے اتنا اونچا ہے کہ نہ صرف یہ کہ ہر شخص کو اس تک پہنچنے کی کوشش نہ کرنی چاہیے بلکہ جہاں تک ہو سکے اس منصب کو قبول کرنے سے ڈرنا اور اجتناب کرنا چاہیے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ..... غصہ کی حالت میں کسی قضیہ کا فیصلہ نہ کیا جائے

(۱) عَنْ اَبِي بَكْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَقْضِيَنَّ حَكَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ (متفق عليه)

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غضبناک حالت میں کوئی شخص دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے۔ (متفق علیہ)

تشریح: غصہ کی حالت میں چونکہ غور و فکر کی قوت مغلوب ہو جاتی ہے اور ایسی صورت میں مبنی بر انصاف کے فیصلے کا صادر ہونا محل نظر ہو جاتا ہے اس لیے حکم دیا گیا ہے کہ کوئی حاکم و قاضی غیظ و غضب کی حالت میں کسی قضیہ کا فیصلہ نہ کرے تاکہ اس کا غیظ و غضب اس کے غور و فکر اور اجتہاد میں رکاوٹ نہ بنے اور وہ منصفانہ فیصلہ دے سکے اسی طرح سخت گرمی و سخت سردی، بھوک پیاس اور بیماری کی حالت میں بھی کوئی حکم و فیصلہ نہ دے کیونکہ ان اوقات میں بھی حواس پوری طرح قابو میں نہیں ہوتے اور دماغ حاضر نہیں رہتا۔ لہٰذا اگر کوئی حاکم و قاضی ان احوال میں حکم و فیصلہ دے گا تو وہ کراہت کے ساتھ جاری و نافذ ہوگا۔

قاضی کو اجتہاد کا اختیار

(۲) وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو وَاَبِي هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ وَاَصَابَ فَلَهُ اَجْرَانِ وَاِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ وَاَخْطَاَ فَلَهُ اَجْرٌ وَاحِدٌ (متفق عليه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی حاکم فیصلہ کرے پس اجتہاد کرے اور صواب کرے اس کے لیے دو اجر ہیں اور جب فیصلہ کیا پس اجتہاد کیا اور غلطی کی اس کے لیے ایک ثواب ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر حاکم و قاضی کسی ایسے قضیہ و معاملہ کا حکم و فیصلہ دینا چاہے جس کے بارے میں کتاب وسنت اور اسلامی فقہ میں کوئی صریح اور واضح ہدایت نہیں ہے اور پھر وہ اجتہاد کرے یعنی کتاب وسنت کے احکام و تعلیمات و فقہ اسلامی کے مسائل اور اسلامی عدالتوں کے نظائر میں پوری طرح غور و فکر کرنے کے بعد وہ کسی ایسے نتیجہ پر پہنچ جائے جس کے بارے میں اس کے ضمیر کی رہنمائی نہ ہو کہ یہ مبنی برحق اور پھر وہی نتیجہ اس کا حکم و فیصلہ بن جائے تو وہ حکم و فیصلہ ظاہری قانونی کے اعتبار سے تو بالکل صحیح تسلیم کیا جائے گا البتہ عقبیٰ کے لحاظ سے اس کی دو صورتیں ہوں گی ایک تو یہ کہ اگر حقیقت میں بھی وہ فیصلہ کتاب وسنت کی منشاء کے موافق رہا تو اس کو دو اجر ملیں گے اور اگر اس کا فیصلہ کتاب وسنت کے موافق نہیں ہوا ہے تو اس کو ایک ہی اجر ملے گا۔ بالکل یہی حکم مجتہد کا ہے کہ اگر وہ استنباط مسائل کے وقت اپنے اجتہاد کے نتیجے میں کتاب وسنت کی منشا تک پہنچ گیا تو اس کو دو اجر ملیں گے اور اگر کتاب وسنت کی منشاء تک پہنچنے میں خطا کر گیا تو اس کو ایک ثواب ملے گا لہٰذا یہ حدیث جہاں اس بات کی دلیل ہے کہ قاضی اسلام کو ایسی جزئیات میں اجتہاد کا اختیار حاصل ہے جو اسلامی قانون کے ماخذ میں صراحت کے ساتھ مذکور نہیں ہیں اور جن کا کوئی حکم واضح نہیں ہے وہیں اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد میں کبھی تو صحیح حکم تک پہنچ جاتا ہے اور کبھی خطا کر جاتا ہے یعنی صحیح حکم تک نہیں پہنچ پاتا لیکن اجر و ثواب اس کو بہرصورت ملتا ہے۔

ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی چیز کا حکم و مسئلہ نصوص یعنی کتاب اللہ احادیث رسول اللہ اور اجماع امت میں مذکور نہ ہونے کی وجہ سے قیاس پر عمل کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ ہو تو اس صورت میں قیاس پر عمل کرنا تحری قبلہ کی مانند ہوگا (جس طرح اگر کسی شخص کو کسی وجہ سے قبلہ کی سمت کا پتہ نہ چلے اور وہ نماز کے وقت غور و فکر اور تحری کر کے اپنے گمان غالب کے مطابق قبلہ کی کوئی سمت مقرر کر لے اور اس طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے تو اس کی نماز صحیح ہوگی اگرچہ حقیقت میں قبلہ اس سمت نہ ہو اس طرح) قیاس پر عمل کرنے والا مصیب یعنی درست عمل کرنے والا ہوگا اگرچہ اس قیاس میں اس سے خطا (غلطی) ہوگئی ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِی۔۔۔ منصب قضاء ایک ابتلاء ہے

(۳) عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جُعِلَ قَاضِیًا بَیْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَیْرِ سِکِّیْنٍ (احمد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کے درمیان جس کو قاضی مقرر کیا گیا۔ پس وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔ (احمد)

تشریح: "ذبح" سے اس کے متعارف معنی (یعنی ہلاکت بدن) مراد نہیں ہے بلکہ غیر متعارف معنی "ذہنی و روحانی ہلاکت" مراد ہے۔ چنانچہ جس شخص کو قاضی مقرر کیا جاتا ہے وہ نہ صرف یہ کہ ہمہ وقت کی الجھن و پریشانی اور روحانی (اذیت) یا یوں کہیے۔ کہ درد بے دوا اور مفت کی بیماری میں مبتلا رہتا ہے بلکہ اس کو اپنی عاقبت کی خرابی کا خوف بھی رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ چھری سے ذبح ہو جانا صرف لمحہ بھر کے لیے اذیت برداشت کرنا ہے جب کہ یہ اذیت عمر بھر کی ہے بلکہ اس کی حسرت و پشیمانی قیامت تک باقی رہنے والی ہے۔

قاضی بننے کی خواہش نہ کرو

(۴) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتَغَی الْقَضَاءَ وَسَاَلَ وُکِّلَ اِلٰی نَفْسِهٖ وَمَنْ اُکْرِهَ عَلَیْهِ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْهِ مَلَکًا یُسَدِّدُهٗ۔ (رواہ الترمذی ابوداؤد و ابن ماجۃ)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قضا کا منصب طلب کرے اور سوال کرے اپنے نفس کی طرف سونپا جاتا ہے اور جس شخص پر زبردستی کی گئی اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ اتارتا ہے جو اس کو راست رکھتا ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی ابوداؤد و ابن ماجہ نے۔

جنتی اور دوزخی قاضی!

(۵) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ وَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ وَاثْنَانِ فِي النَّارِ فَاَمَّا الَّذِيْ فِي الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضٰى بِهٖ وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ فِي الْحُكْمِ فَهُوَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ قَضٰى لِلنَّاسِ عَلٰى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ. (رواه ابوداؤد و ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قاضی تین طرح پر ہوتے ہیں ایک جنت میں ہے اور دو دوزخ میں وہ قاضی جو جنت میں ہے وہ ہے جس نے حق پہچانا اس کے ساتھ حکم کیا اور وہ شخص جس نے حق پہچانا اور فیصلہ میں ظلم کیا وہ دوزخ میں ہے اور وہ شخص جس نے جہالت پر لوگوں میں فیصلہ کیا وہ دوزخ میں ہے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے۔

(۶) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ قَضَاءَ الْمُسْلِمِيْنَ حَتّٰى يَنَالَهٗ ثُمَّ غَلَبَ عَدْلُهٗ جَوْرَهٗ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَ مَنْ غَلَبَ جَوْرُهٗ عَدْلَهٗ فَلَهُ النَّارُ. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مسلمانوں کی قضا طلب کرتا ہے یہاں تک کہ اس کو پالیتا ہے پھر اس کا عدل اس کے ظلم پر غالب آ جاتا ہے اس کے لیے جنت ہے اور جس کا ظلم اس کے عدل پر غالب آ جاتا ہے اس کے لیے دوزخ ہے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

قیاس واجتہاد برحق ہے

(۷) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَهٗ اِلَى الْيَمَنِ قَالَ كَيْفَ تَقْضِيْ اِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ؟ قَالَ اَقْضِيْ بِكِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فِيْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ قَالَ اَجْتَهِدُ رَاْيِيْ وَ لَا اٰلُوْ قَالَ فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى صَدْرِهٖ وَ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا يَرْضٰى بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ. (رواه الترمذی و ابوداؤد و الدارمی)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جس وقت یمن بھیجا فرمایا تم کس طرح فیصلہ کرو گے جب کوئی قضیہ تمہارے سامنے آ گیا میں نے کہا میں اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا فرمایا اگر تو اللہ کی کتاب میں نہ پائے میں نے کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ فرمایا اگر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں نہ پائے کہا میں اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک اس کے سینہ پر مارا اور فرمایا سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے اللہ کے رسول کے ایلچی کو اس بات کی توفیق بخشی جس سے اللہ کا رسول راضی ہوتا ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی ابوداؤد اور دارمی نے۔

تشریح: "میں اپنی عقل سے اجتہاد کروں گا" کا مطلب یہ ہے کہ میں اس قضیہ کا حکم ان مسائل پر قیاس کے ذریعہ حاصل کروں گا جو نصوص یعنی کتاب وسنت میں مذکور ہیں باایں طور کہ کتاب وسنت میں اس قضیہ کے مشابہ جو مسائل مذکور ہیں اس کے مطابق اس قضیہ کا حکم وفیصلہ کروں گا۔

مظہرؒ نے بھی اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے۔ کہ پہلے میں غور وفکر کروں گا کہ میرے سامنے جو قضیہ پیش ہوا ہے کہ جس کا کوئی حکم کتاب وسنت میں مذکور نہیں ہے وہ کونسے ایسے مسئلہ سے مشابہ ہے جو کتاب وسنت میں مذکور ہے جب میں ان دونوں کے درمیان مشابہت پاؤں گا تو اس کا وہی حکم وفیصلہ کروں گا جو کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ میں مذکور مسئلہ کا ہے چنانچہ ائمہ مجتہدینؒ کے یہاں اس قیاس پر بہت سے مسائل کا استنباط کیا گیا ہے یہ الگ بات ہے کہ ان ائمہ مجتہدین نے قیاس کی علت وبنیاد میں اختلاف کیا ہے مثلاً گیہوں کے ربوا (سود) کے حرام ہونے کے بارے میں نص (یعنی صریح حکم)

ہے جب کہ تربوز کے بارے میں ایسی نص نہیں ہے۔ لہٰذا حضرت امام شافعیؒ نے تربوز کو گیہوں پر قیاس کرتے ہوئے اس کے ربوا کو بھی حرام قرار دیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک گیہوں کے ربوا کے حرام ہونے کی علت اس کا ''کھائی جانے والی چیز'' ہونا ہے اور چونکہ تربوز بھی ''کھائی جانے والی چیز ہے'' اس لیے گیہوں کے حکم پر قیاس کرتے ہوئے اس کا ربوا بھی حرام ہوگا۔ جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک گیہوں کے ربو کے حرام ہونے کی علت چونکہ اس کا کیل (یا موزون) ہونا ہے اس لیے انہوں نے گیہوں پر چونے کو قیاس کیا اور یہ مسئلہ اخذ کیا کہ چونے کا ربوا بھی حرام ہے۔ بہر حال یہ حدیث قیاس واجتہاد کے مشروع ہونے کی بہت مضبوط دلیل ہے اور اصحاب ظواہر (غیر مقلدین) کے مسلک کے خلاف ہے جو قیاس واجتہاد کے منکر ہیں۔

مدعا علیہ کا بیان سے بغیر مدعی کے حق میں فیصلہ نہ کیا جائے

(۸) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ قَاضِيًا فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تُرْسِلُنِيْ وَأَنَا حَدِيْثُ السِّنِّ وَ لَا عِلْمَ لِيْ بِالْقَضَاءِ فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ سَيَهْدِيْ قَلْبَكَ وَ يُثَبِّتُ لِسَانَكَ إِذَا تَقَاضَى إِلَيْكَ رَجُلَانِ فَلَا تَقْضِ لِلْأَوَّلِ حَتّٰى تَسْمَعَ كَلَامَ الْآخَرِ فَإِنَّهُ أَحْرٰى أَنْ يَتَبَيَّنَ لَكَ الْقَضَاءُ قَالَ فَمَا شَكَكْتُ فِيْ قَضَاءٍ بَعْدُ وسنذكر حديث ام سلمة انما اقضي بينكم برايي في باب الاقضية و الشهادات ان شاء الله تعالى (رواه الترمذي و ابوداؤد و ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا میں نے کہا اے اللہ کے رسول آپ مجھ کو قاضی بنا کر بھیج رہے ہیں میں نوجوان ہوں مجھ کو قضاء کی کیفیت کا کچھ علم نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ تیرے دل کو ہدایت کرے گا اور تیری زبان کو ثابت رکھے گا جب دو آدمی تیرے پاس کوئی فیصلہ لائیں پہلے کے واسطے فیصلہ نہ کر یہاں تک کہ دوسرے کی بات نہ سن لے یہ زیادہ لائق ہے کہ فیصلہ تیرے لیے ظاہر ہو۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا اس کے بعد مجھے کبھی کسی فیصلہ کے متعلق شک نہیں رہا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ نے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ..... قیامت کے دن ظالم حاکم کا انجام

(۹) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ حَاكِمٍ يَحْكُمُ بَيْنَ النَّاسِ إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَلَكٌ آخِذٌ بِقَفَاهُ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ فَإِنْ قَالَ أَلْقِهِ أَلْقَاهُ فِيْ مَهْوَاةٍ أَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا (رواه احمد و ابن ماجة و البيهقي في شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ایسا حاکم نہیں جو لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہے مگر قیامت کے دن آئے گا ایک فرشتہ اس کی گدی پکڑے ہوگا پھر فرشتہ اپنا سر آسمان کی طرف اٹھائے گا اگر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس کو ڈال دے اس کو ایسے گڑھے میں ڈالے گا جس کی گہرائی چالیس برس کی ہوگی۔ روایت کیا اس کو احمد ابن ماجہ نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں۔

تشریح: پھر وہ فرشتہ اپنا سر آسمان کی طرف اٹھائے گا'' سے مراد فرشتہ کی اس حالت کو بیان کرنا ہے جس میں وہ حکم خداوندی کا منتظر ہوگا یعنی جس طرح بادشاہ کے ہاں یہ درباری آداب میں سے ہے کہ جب وہاں کوئی ملزم پیش کیا جاتا ہے کھڑا ہو جاتا ہے اور یہ انتظار کرتا ہے کہ بادشاہ کس کی طرف سے کیا حکم وفیصلہ صادر ہوتا ہے اسی طرح وہ فرشتہ بھی اس حاکم کو بارگاہ رب العزت میں پیش کر کے اس انتظار میں کھڑا رہے گا کہ اس کے بارے میں کیا حکم ہوتا ہے۔

'' چالیس برس کے بقدر سے مراد اس گڑھے کی گہرائی کو زیادہ سے زیادہ کر کے بیان کرنا ہے نہ کہ اس سے اس مدت کی تعیین وتحدید مراد ہے اس حدیث میں جس حاکم کا انجام بیان کیا گیا ظالم حاکم ہے عدل وانصاف پرور حاکم کے بارے میں یہ حکم دیا جائے گا کہ اس کو بہشت میں پہنچا یا جائے۔

قیامت کے دن قاضی کی حسرتناک آرزو؟

(۱۰) وَعَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى الْقَاضِي الْعَدْلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

يَتَمَنَّى اَنَّهُ لَمْ يَقْضِ بَيْنَ اثْنَيْنِ فِيْ تَمْرَةٍ قَطُّ. (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں فرمایا عادل قاضی قیامت کے دن آئے گا اور آرزو کرے گا کہ کاش وہ دو شخصوں کے درمیان ایک کھجور کا فیصلہ بھی نہ کرتا۔ (روایت کیا اس کو احمد نے)

عادل ومنصف کو حق تعالیٰ کی توفیق وتائید حاصل رہتی ہے

(۱۱) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ اَبِيْ اَوْفٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْقَاضِيْ مَالَمْ يَجُرْفَاِذَا جَارَ تَخَلَّى عَنْهُ وَلَزِمَهُ الشَّيْطَانُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ فِي رِوَايَةٍ فَاِذَا جَارَ وَكَلَهُ اِلٰى نَفْسِهٖ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قاضی کے ساتھ ہے جب تک وہ ظلم نہ کرے۔ جب وہ ظلم کرنے لگ جاتا ہے الگ ہو جاتا ہے اور شیطان لازم ہو جاتا ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے ایک روایت میں ہے جب ظلم کرتا ہے اس کو اس کے نفس کی طرف سونپ دیتا ہے۔

(۱۲) وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّ مُسْلِمًا وَيَهُوْدِيًّا اخْتَصَمَا اِلٰى عُمَرَ فَرَاَى الْحَقَّ لِلْيَهُوْدِيِّ فَقَضٰى لَهٗ عُمَرُ بِهٖ فَقَالَ لَهُ الْيَهُوْدِيُّ وَاللّٰهِ لَقَدْ قَضَيْتَ بِالْحَقِّ فَضَرَبَهٗ عُمَرُ بِالدِّرَّةِ وَقَالَ وَمَا يُدْرِيْكَ فَقَالَ الْيَهُوْدِيُّ وَاللّٰهِ اِنَّ نَجِدُ فِي التَّوْرَاةِ اَنَّهٗ لَيْسَ قَاضٍ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ اِلَّا كَانَ عَنْ يَمِيْنِهٖ مَلَكٌ وَعَنْ شِمَالِهٖ مَلَكٌ يُسَدِّدَانِهٖ وَيُوَفِّقَانِهٖ لِلْحَقِّ مَادَامَ مَعَ الْحَقِّ فَاِذَاتَرَكَ الْحَقَّ عَرَجَاوَتَرَكَاهُ. (رواه مالک)

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ایک مسلمان اور ایک یہودی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنا جھگڑا لائے انہوں نے حق یہودی کی طرف دیکھا اور اس کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ یہودی کہنے لگا اللہ کی قسم تو نے حق کے ساتھ فیصلہ کیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو کوڑا مارا اور فرمایا تجھے کیسے علم ہوا۔ یہودی کہنے لگا اللہ کی قسم ہم تورات میں پاتے ہیں کوئی قاضی حق کا فیصلہ نہیں کرتا مگر اس کی دائیں اور بائیں جانب فرشتے ہوتے ہیں جو اس کو مضبوط کرتے ہیں اور حق کی توفیق دیتے ہیں جب تک وہ حق کے ساتھ رہے جب وہ حق چھوڑ دیتا ہے وہ دونوں فرشتے اوپر چڑھ جاتے ہیں اور اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ روایت کیا اس کو مالک نے۔

تشریح: ایک خلجان تو یہ واقع ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس یہودی کو اپنے درے سے کیوں مارا اور آنجالیکہ اس نے ان کے فیصلہ کے منصفانہ اور برحق ہونے کا اقرار واعتراف کیا تھا؟ اور ایک اشکال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے سوال ”تجھ کو یہ کیسے معلوم ہوا الخ“ اور یہودی کے جواب ”ہم نے تورات میں پایا ہے الخ“ میں مطابقت کیا ہوئی۔ پہلے خلجان کا جواب تو یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہودی کو کسی سزا یا غصہ کے طور پر نہیں مارا تھا بلکہ نرمی اور خوش طبعی کے طور پر مارا تھا اور دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس بات کو یہودی سے زیادہ اور کون جان سکتا تھا کہ اس تنازعہ میں حق پر کون ہے لہٰذا جب اس یہودی نے دیکھا کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حق سے انحراف کرتے تو فریق مخالف یعنی مسلمان کے حق میں فیصلہ کرتے اس صورت میں ان کا فیصلہ مبنی بر انصاف ہوتا اور نہ ان کا حق پر قائم رہنا ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا جب انہوں نے مسلمان کے خلاف یہودی کے حق میں فیصلہ دیا تو معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حق پر قائم ہیں اور انہوں نے انصاف سے انحراف نہیں کیا ہے۔

منصب قضا قبول کرنے سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا انکار

(۱۳) وَعَنِ ابْنِ مَوْهَبٍ اَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ قَالَ لِابْنِ عُمَرَ اقْضِ بَيْنَ النَّاسِ قَالَ اَوَتُعَافِيْنِيْ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ مَاتَكْرَهُ مِنْ ذٰلِكَ وَ قَدْ كَانَ اَبُوْكَ يَقْضِيْ قَالَ لِاَنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ كَانَ

قَاضِیًا فَقَضٰی بِالْعَدْلِ فَبِالْحَرِیِّ اَنْ یَّنْقَلِبَ مِنْهُ كَفَافًا فَمَا رَاجَعَهُ بَعْدَ ذٰلِكَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ، وَ فِیْ رِوَایَةِ رَزِیْنٍ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ لِعُثْمَانَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَا اَقْضِیْ بَیْنَ رَجُلَیْنِ قَالَ فَاِنَّ اَبَاكَ كَانَ یَقْضِیْ فَقَالَ اِنَّ اَبِیْ لَوْ اَشْكَلَ عَلَیْهِ شَیْءٌ سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلَوْ اَشْكَلَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَیْءٌ سَاَلَ جِبْرِیْلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَاِنِّیْ لَا اَجِدُ مَنْ اَسْاَلُهٗ وَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ عَاذَ بِاللّٰهِ فَقَدْ عَاذَ بِعَظِیْمٍ وَسَمِعْتُهٗ یَقُوْلُ مَنْ عَاذَ بِاللّٰهِ فَاَعِیْذُوْهُ وَ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ تَجْعَلَنِیْ قَاضِیًا فَاَعْفَاهُ وَ قَالَ لَا تُخْبِرْ اَحَدًا

ترجمہ: حضرت ابن موہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا عثمان بن عفان نے ابن عمر سے کہا تو لوگوں کے درمیان قاضی بن جا اس نے کہا اے امیر المومنین مجھ کو معاف رکھیں عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا تو اس کو کیوں مکروہ سمجھتا ہے جبکہ تیرا باپ فیصلہ کیا کرتا تھا اس نے کہا اس لیے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے جو شخص قاضی ہو پس انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے لائق ہے کہ پھرے برابر سرابر اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کوئی گفتگو نہ کی۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔ رزین کی ایک روایت میں نافع سے ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا میں دو آدمیوں کے درمیان بھی فیصلہ کرنا پسند نہیں کرتا اس نے کہا تیرا باپ تو فیصلے کیا کرتا تھا اس نے کہا میرے باپ پر اگر کوئی مشکل ہوتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیتے تھے اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مسئلہ میں اشکال ہوتا جبرئیل سے پوچھ لیتے اور میں نہیں پاتا جس سے پوچھ لوں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے جو اللہ کے ساتھ پناہ مانگے اس نے بڑی ذات کے ساتھ پناہ مانگی اور میں نے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جو شخص اللہ کے ساتھ پناہ مانگے اس کو پناہ دو اور میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ کو قاضی مقرر کریں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو معاف کر دیا اور فرمایا اس بات کی کسی اور کو خبر نہ دینا۔

بَابُ رِزْقِ الْوُلَاةِ وَهَدَایَاهُمْ.... حکام کو تنخواہ اور ہدایا وتحائف دینے کا بیان

اس باب میں یہ بیان ہوگا کہ حکام وعمال کے لیے بیت المال سے بطور تنخواہ واجرت کچھ مقرر کیا جائے یا نہیں اور یہ کہ اگر کوئی شخص حاکم کے لیے بطور ہدیہ وتحفہ کوئی چیز لائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ.... بارگاہ رسالت سے مال کی تقسیم

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا اُعْطِیْكُمْ وَلَا اَمْنَعُكُمْ اَنَا قَاسِمٌ اَضَعُ حَیْثُ اُمِرْتُ (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ میں تم کو دیتا ہوں اور نہ تم سے منع کرتا ہوں میں تقسیم کرنے والا ہوں جہاں مجھے حکم ملتا ہے تقسیم کر دیتا ہوں۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے درمیان مال تقسیم کرتے ہوئے مذکورہ بالا جملے ارشاد فرمائے تاکہ وہ تقسیم وکمی بیشی کی وجہ سے اپنے دل میں کوئی خیال نہ لائیں چنانچہ "ما اعطیکم الخ" کا مطلب یہ ہے کہ نہ عطا کرنا میرے بس میں ہے اور نہ تمہیں محروم رکھنا میرے اختیار میں ہے کہ اگر میں کسی کو کچھ دیتا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں نے اپنی خواہش اور اپنی مرضی سے اس کو دیا ہے یا اگر کسی کو نہیں دیتا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میرا دل اس کی طرف متوجہ نہیں، سوا اس لیے میں نے اس کو نہیں دیا بلکہ میں صرف بانٹنے والا ہوں اس لیے جو کچھ بھی دیتا ہوں یا نہیں دیتا ہوں یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم کی بنا پر ہے جہاں اور جس کو دینے کا مجھے حکم دیا گیا ہے وہاں اور اس کو دیتا ہوں اور جہاں اور جس کو نہ دینے کی ہدایت کی گئی ہے میں وہاں اور اس کو نہیں دیتا۔

قومی خزانے اور بیت المال میں ناحق تصرف کرنے والوں کے بارے میں وعید

(۲) وَعَنْ خَوْلَةَ الْاَنْصَارِیَّةِ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رِجَالًا یَتَخَوَّضُوْنَ فِیْ مَالِ

اللّٰہِ بِغَیْرِ حَقٍّ فَلَھُمُ النَّارُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت خولہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کتنے لوگ ہیں جو اللہ کے مال میں بغیر حق کے تصرف کرتے ہیں قیامت کے دن ان کے لیے آگ ہے۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

امام وقت بیت المال سے اپنی تنخواہ لینے کا حقدار ہے

(۳) وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ لَمَّا اسْتُخْلِفَ اَبُوْبَکْرٍ قَالَ لَقَدْ عَلِمَ قَوْمِیْ اَنَّ حِرْفَتِیْ لَمْ تَکُنْ تَعْجِزُ عَنْ مُؤْنَۃِ اَھْلِیْ وَشُغِلْتُ بِاَمْرِ الْمُسْلِمِیْنَ فَسَیَاْکُلُ اٰلُ اَبِیْ بَکْرٍ مِنْ ھٰذَا الْمَالِ وَیَحْتَرِفُ لِلْمُسْلِمِیْنَ فِیْہِ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر کیے گئے فرمایا میری قوم اس بات کو جانتی ہے کہ میرا کسب میرے اہل کے اخراجات سے عاجز نہیں تھا میں مسلمانوں کے کام میں مشغول کر دیا گیا ہوں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عیال اس بیت المال سے کھائیں گے اور مسلمانوں کا اس میں کام کرے گا۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

تشریح: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بازار میں کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور اس کے ذریعہ اپنے اہل وعیال کے مصارف پورے کرتے تھے لیکن جب مسلمانوں نے ان کو منصب خلافت پر فائز کیا تو انہوں نے صحابہ کو اطلاع دے دی کہ اب میں امور خلافت کی انجام دہی اور مسلمانوں کی خدمت میں مشغول ہو گیا ہوں اس لیے اپنا کاروبار جاری نہیں رکھ سکتا لہٰذا اپنے اور اپنے اہل وعیال کے اخراجات کے بقدر بیت المال سے تنخواہ لیا کروں گا۔

جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تجارتیں:۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو معلوم ہوا کہ وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ غلہ کی تجارت کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاں کھجوروں اور کپڑے کا کاروبار ہوتا تھا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ عطاری کرتے تھے۔ علماء نے لکھا ہے کہ تجارت کی انواع میں سب سے بہتر تجارت کپڑے کی اور پھر عطر کی ہے نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر جنتی تجارت کرتے تو کپڑے کی تجارت کرتے اور دوزخی تجارت کرتے تو صرف یعنی سونے چاندی کی تجارت کرتے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ ... تنخواہ سے زیادہ لینا خیانت ہے

(۴) وَعَنْ بُرَیْدَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اسْتَعْمَلْنَاہُ عَلٰی عَمَلٍ فَرَزَقْنَاہُ رِزْقًا فَمَا اَخَذَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَھُوَ غُلُوْلٌ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا کسی کام پر ہم کسی شخص کو عامل مقرر کر دیں ہم اس کو رزق دے دیں اس کے بعد وہ جو کچھ لے گا خیانت ہے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

عامل کی اجرت

(۵) وَعَنْ عُمَرَ قَالَ عَمِلْتُ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَعَمَّلَنِیْ۔ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں میں عامل بنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو میرا محنتانہ دیا۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ہدایت

(۶) وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ بَعَثَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الْیَمَنِ فَلَمَّا سِرْتُ اَرْسَلَ فِیْ اَثَرِیْ فَرُدِدْتُ فَقَالَ اَتَدْرِیْ لِمَ بَعَثْتُ اِلَیْکَ تُصِیْبَنَّ شَیْئًا بِغَیْرِ اِذْنِیْ فَاِنَّہٗ غُلُوْلٌ وَمَنْ یَغْلُلْ یَاْتِ بِمَا غَلَّ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لِھٰذَا دَعَوْتُکَ فَامْضِ لِعَمَلِکَ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یمن کی طرف بھیجا جب میں چلا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پیچھے بلانے کے لیے ایک آدمی کو بھیجا میں پھر آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو جانتا ہے میں نے اس آدمی کو کیوں بھیجا ہے۔ میری اجازت کے بغیر کوئی چیز نہ لینا وہ خیانت ہے اور جو خیانت کرے گا قیامت کے دن لائے گا جو اس نے خیانت کی ہوگی اس بات کے لیے میں نے تجھ کو بلایا تھا پس اپنے کام پر جاؤ۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

بلا تنخواہ حاکم کے مصارف کا بیت المال کفیل ہوگا

(۷) وَعَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ كَانَ لَنَا عَامِلًا فَلْيَكْتَسِبْ زَوْجَةً فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهٗ خَادِمٌ فَلْيَكْتَسِبْ خَادِمًا فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهٗ مَسْكَنٌ فَلْيَكْتَسِبْ مَسْكَنًا. وَ فِيْ رِوَايَةٍ مَنِ اتَّخَذَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَهُوَ غَالٌّ (ابوداود)

ترجمہ: حضرت مستورد بن شداد سے روایت ہے کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے جو شخص ہمارا عامل ہے پس چاہیے کہ بیوی حاصل کرلے اگر اس کا نوکر نہیں ہے ایک نوکر حاصل کرلے اگر گھر نہیں ہے ایک گھر حاصل کرلے ایک روایت میں ہے اس کے بعد جو چیز لے گا وہ خیانت کرنے والا ہے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عامل کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے زیر تصرف بیت المال سے اپنی بیوی کے مہر اس کے نان نفقے اور اس کے لباس کے بقدر حاجت (بلا اسراف) روپیہ و مال لے سکتا ہے اسی طرح وہ اپنی رہائشی ضروریات کے مطابق ایک مکان اور خدمت کے لیے خادم (کی قیمت واجرت کے بقدر بھی اس بیت المال سے لے سکتا ہے البتہ اگر وہ ان ضرورت وحاجت سے زیادہ لے گا تو وہ اس کے حق میں حرام ہوگا۔

قومی محاصل و بیت المال میں خیانت نہ کرو

(۸) وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ عُمَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ مَنْ عُمِّلَ مِنْكُمْ لَنَا عَلٰى عَمَلٍ فَكَتَمَنَا مِنْهُ مِخْيَطًا فَمَا فَوْقَهٗ فَهُوَ غَالٌّ يَاْتِيْ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَامَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اقْبَلْ عَنِّيْ عَمَلَكَ قَالَ وَ مَا ذَاكَ قَالَ سَمِعْتُكَ تَقُوْلُ كَذَا وَكَذَا قَالَ وَ اَنَا اَقُوْلُ ذٰلِكَ مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلٰى عَمَلٍ فَلْيَاْتِ بِقَلِيْلِهٖ وَكَثِيْرِهٖ فَمَا اُوْتِيَ مِنْهُ اَخَذَهٗ وَ مَا نُهِيَ عَنْهُ انْتَهٰى. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ اللَّفْظُ لَهٗ.

ترجمہ: حضرت عدی بن عمیرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو تم میں سے اگر کوئی شخص ہمارے کسی کام پر عامل بنایا گیا پھر ہم سے سوئی یا اس سے زیادہ مقدار کو چھپالے وہ خیانت کرنے والا ہے اس کو قیامت کے دن لائے گا۔ ایک انصاری شخص کھڑا ہوا اس نے کہا مجھ سے اپنا عمل واپس لے لیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کس لیے اس نے کہا میں نے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اب بھی کہتا ہوں کہ ہم جس کو عامل مقرر کریں وہ تھوڑا بھی اور زیادہ بھی لائے اس سے جو کچھ دیا جائے لے لے اور جس سے روکا جائے رک جائے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے اور لفظ ابوداؤد کے ہیں۔

رشوت دینے، لینے والے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت

(۹) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْهُ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْ ثَوْبَانَ وَزَادَ وَالرَّائِشَ يَعْنِي الَّذِيْ يَمْشِيْ بَيْنَهُمَا

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت کی ہے روایت کیا اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے اور روایت کیا ہے ترمذی نے عبداللہ بن عمرو اور ابو ہریرہ سے اور روایت کیا ہے اس کو احمد اور بیہقی شعب الایمان میں

ثوبان سے اور بیہقی نے بیزیادہ روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رائش پر لعنت فرمائی ہے یعنی جو ان دونوں کے درمیان واسطہ بنتا ہے۔

تشریح: رشوت (یا راء کے پیش کے ساتھ یعنی رشوت) اس مال کو کہتے ہیں جو کسی (حاکم وعامل وغیرہ) کو اس مقصد کے لیے دیا جائے کہ وہ باطل (ناحق) کردے اور حق کو باطل کردے۔ ہاں اگر اپنا حق ثابت کرنے یا اپنے اوپر ہونے والے کے دفعیہ کے لیے کچھ دیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

حلال ذرائع سے کمایا ہوا مال ایک اچھی چیز ہے

(۱۰) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ اَرْسَلَ اِلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنِ اجْمَعْ عَلَيْكَ سِلَاحَكَ وَثِيَابَكَ ثُمَّ ائْتِنِي قَالَ فَاَتَيْتُهُ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ فَقَالَ يَاعَمْرُو اِنِّي اَرْسَلْتُ اِلَيْكَ لِاَبْعَثَكَ فِيْ وَجْهٍ يُسَلِّمُكَ اللّٰهُ وَيُغْنِمُكَ وَ اَرْغَبُ لَكَ رَغْبَةً مِنَ الْمَالِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَاكَانَتْ هِجْرَتِي لِلْمَالِ وَ مَا كَانَتْ اِلَّا لِلّٰهِ وَ لِرَسُوْلِهٖ قَالَ نِعِمَّا بِالْمَالِ الصَّالِحِ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوَى اَحْمَدُ نَحْوَهٗ وَ فِيْ رِوَايَةٍ قَالَ نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ

ترجمہ: حضرت عمرو بن عاص سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف پیغام بھیجا کہ ہتھیار اور کپڑے پہن کر میرے پاس آؤ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگیا آپ وضو کر رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمرو میں نے اس لیے تیری طرف پیغام بھیجا ہے کہ تجھ کو میں ایک طرف بھیجوں اللہ تعالیٰ تجھ کو سلامتی سے لائے گا اور غنیمت دے گا میں تجھ کو کچھ مال دوں گا میں نے کہا اے اللہ کے رسول میں نے ہجرت مال کے لیے نہیں کی اور وہ نہیں مگر اللہ اور اس کے رسول کے لیے آپ نے فرمایا نیک آدمی کے لیے اچھا مال عمدہ ہے روایت کیا اس کو شرح السنہ میں اور روایت کیا احمد نے اس کی مانند ایک روایت میں ہے نیک آدمی کے لیے نیک مال عمدہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ.... سفارش کرنے والا کوئی ہدیہ وتحفہ قبول نہ کرے

(۱۱) عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَفَعَ لِاَحَدٍ شَفَاعَةً فَاَهْدٰى لَهٗ هَدِيَّةً عَلَيْهَا فَقَبِلَهَا فَقَدْ اَتٰى بَابًا عَظِيْمًا مِنْ اَبْوَابِ الرِّبٰوا. (رواہ ابوداود)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کے لیے سفارش کرے وہ اس کے لیے تحفہ بھیجے وہ اس کو قبول کرلے وہ سود کے ایک بڑے دروازے کو آیا ہے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: من ابواب الربوا: اس حدیث میں سفارش کی جو صورت بیان کی گئی ہے اس کے معاوضہ میں جو کچھ لیا جائے گا وہ رشوت کے زمرہ میں آتا ہے مگر اس کو رشوت کے بجائے سود کے نام سے اس لئے موسوم کیا گیا ہے کہ یہ ایسا نفع ہے جو سفارش کرنے والے کو بلا معاوضہ حاصل ہو گیا ہے اور سود کی تعریف ملا علی قاری نے اس حدیث کے ضمن میں اس طرح کی ہے "وهو في الشرع فضل خال من عوض شرط لاحد العاقدين" سود اس اضافی نفع کا نام ہے جو مالی معاوضہ کے بغیر معاملہ کرنے والوں میں سے کسی ایک کو ملا ہو۔ اس حدیث سے یہ بات بھی روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے کہ مدارس دینیہ کے سفیر حضرات جب بعض نامور علماء سے سفارش لکھواتے ہیں یا ان کی تصدیق حاصل کرتے ہیں اور پھر ساتھ ساتھ ان حضرات کا کچھ اکرام کرتے ہیں یہ بھی رشوت اور سود کے زمرہ میں آتا ہے علماء کرام کو بیدار مغز اور چوکنا رہنے کی بہت ضرورت ہے۔ باطنی احوال کا جاننے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

بَابُ الْاَقْضِيَةِ وَالشَّهَادَاتِ.... فیصلوں اور شہادتوں کا بیان

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى قَالُوْا لَا تَخَفْ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ (سورة ص آيت ۲۲) وقال الله تعالىٰ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ط وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا (بقرہ ۲۸۲)

''اقضیۃ'' اور ''قضایا'' قضیۃ کی جمع ہے اور قضیہ اس نزاعی معاملہ کو کہتے ہیں جو حاکم وقاضی کے پاس اس غرض سے لے جایا جائے تاکہ وہ فریقین کے درمیان نزاع کو ختم کرنے کیلئے کوئی حکم اور فیصلہ صادر فرمادے۔ ''الشھادات'' شہادۃ کی جمع ہے گواہی دینے کو شہادت کہتے ہیں اور اصطلاح میں فریقین میں سے ایک فریق کے حق کو دوسرے فریق کے مقابلہ میں ثابت کرنے کا نام شہادت ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ...... مدعی کا دعوی گواہوں کے بغیر معتبر نہیں

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ يُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَادَّعٰى نَاسٌ دِمَاءَ رِجَالٍ وَ اَمْوَالَهُمْ وَلٰكِنَّ الْيَمِيْنَ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَ فِيْ شَرْحِهِ لِلنَّوَوِيِّ اَنَّهٗ قَالَ وَجَاءَ فِيْ رِوَايَةِ الْبَيْهَقِيِّ بِاِسْنَادٍ حَسَنٍ اَوْصَحِيْحٍ زِيَادَةٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعًا لٰكِنَّ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَ الْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ اَنْكَرَ

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا اگر لوگوں کو محض ان کے دعوی کی بنا پر ہی دیا جائے تو لوگ آدمیوں کے خونوں اور مالوں کا دعوی کریں لیکن مدعی علیہ پر قسم ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے اس کی شرح نووی میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیہقی کی روایت میں اسناد حسن سے یا صحیح ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوع کی زیادتی کے ساتھ۔ لیکن دلیل مدعی کے ذمہ ہے اور قسم اس شخص پر ہے جو انکار کرے۔

تشریح: ''لیکن قسم کھانا مدعا علیہ کا حق ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ اگر فریق دوم یعنی مدعا علیہ فریق اول یعنی مدعی کے دعوی سے انکار کرے اور مدعی اس سے قسم کا مطالبہ کرے تو اس (مدعا علیہ) پر قسم کھانا ضروری ہے اس (مسلم کی) روایت میں مدعی سے گواہ طلب کرنے کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ یہ یعنی مدعی کا گواہ پیش کرنے کا ذمہ دار ہونا شریعت کا ثابت شدہ اور بالکل ظاہری ضابطہ ہے اس اعتبار سے گویا یہ فرمایا گیا ہے کہ گواہ پیش کرنے کی ذمہ داری مدعی پر ہے اگر مدعی گواہ پیش نہ کرے تو پھر مدعا علیہ قسم اور جحد (انکار) کے ذریعہ اپنی صفائی پیش کرنے کا حق رکھتا ہے' یہ مفہوم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت سے ظاہر ہے۔

عدالت میں جھوٹی قسم کھانے والے کے بارے میں وعید

(۲) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنِ صَبْرٍ وَ هُوَ فِيْهَا فَاجِرٌ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِءٍ مُسْلِمٍ لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ هُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَصْدِيْقَ ذٰلِكَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اِيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اِلٰى اٰخِرِ الْاٰيَةِ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی چیز پر بند ہو کر قسم کھائے اور وہ اس میں جھوٹا ہے کہ قسم کھانے کے سبب مسلمان کا مال لے اللہ سے ملاقات کرے گا قیامت کے دن جبکہ وہ اس سے ناراض ہوگا اللہ تعالی نے اس کی تصدیق قرآن پاک میں اتاری تحقیق وہ لوگ جو خریدتے ہیں اللہ کے عہد اور قسموں کے ساتھ قیمت تھوڑی آخر آیت تک۔ (متفق علیہ)

تشریح: یمین صبر: یمین قسم کے معنی میں ہے اور صبر تو مشہور ہے کہ صبر کو کہتے ہیں لیکن یہاں وہ معروف معنی مراد نہیں ہے بلکہ یہاں صبر حبس اور قید کرنے کے معنی میں مستعمل ہوا ہے لہذا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ ایک شخص کو حاکم نے عدالت میں کسی مقدمہ میں پیش نظر قسم کھانے کیلئے روک رکھا ہے عدالت کی کارروائی اس کی قسم پر موقوف ہے ادھر حاکم نے ان کو قسم کھانے کا حکم دیا ہے جس کی وجہ سے اس پر قسم کھانا بوجہ اطاعت امیر لازم بھی ہے ایسی قسم میں جو شخص جھوٹ بولتا ہے تو وہ بہت ہی گناہگار ہو جائے گا۔

اس حدیث کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص سے قسم کا مطالبہ کیا گیا اور اس کی قسم سے دوسرا آدمی قید ہو سکتا ہے اس نے جھوٹی قسم کھائی جس

کے نتیجہ میں دوسرا آدمی محبوس ہوگیا۔ یہ قسم کھانا بہت ہی گناہ ہے۔ تیسرا مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ یمین صبر سے مراد یمین کاذب ہے کہ ایک شخص مثلاً کسی دوسرے شخص کے مال کو ضائع کرنے کی نیت سے جھوٹی قسم کھاتا ہے یہ یمین صبر ہے یہ مفہوم آسان بھی ہے اور حدیث کے آئندہ جملوں سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ ملا علی قاریؒ نے فرمایا کہ حدیث کا یہی مطلب یہاں مراد ہے حدیث میں آیت کی تکمیل اس طرح ہے۔

"اُولٰٓئِکَ لَاخَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَايُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

(۳) وَعَنْ اَبِي اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِءٍ مُسْلِمٍ بِيَمِيْنِهٖ فَقَدْ اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ النَّارَ وَ حَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ وَ اِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيْرًا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَ اِنْ كَانَ قَضِيْبًا مِنْ اَرَاكٍ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مسلمان آدمی کا حق اپنی قسم کے ساتھ لے اللہ اس کے لیے آگ کو واجب کر دیتا ہے اور جنت اس پر حرام کر دیتا ہے ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول اگرچہ معمولی چیز ہو فرمایا اگرچہ پیلو کے درخت کی ٹہنی ہو۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: "اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے آگ کو واجب کیا" اس جملہ کی دو تاویلیں ہیں ایک تو یہ کہ یہ حکم اس شخص پر محمول ہے جو جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی مسلمان کا حق غصب کرنا حلال جانے اور اسی عقیدہ پر اس کی موت ہو جائے دوسری تاویل یہ ہے کہ ایسا شخص اگرچہ دوزخ کی آگ کا یقیناً سزاوار ہوگا لیکن یہ بھی غیر بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کو معاف کر دے اسی طرح "بہشت کو اس پر حرام کر دیا" کی تاویل یہ ہے کہ ایسا شخص اول وہلہ میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل ہونے سے محروم قرار دیا جائے گا۔ واضح رہے کہ جس طرح جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی مسلمان کے حق کو ہڑپ کرنے والے کے بارے میں مذکورہ وعید ہے اسی طرح وہ شخص بھی اس وعید میں شامل ہے جو جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی ذمی کا حق مارے۔

مدعی کو ایک ہدایت

(۴) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَاِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَّكُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِهٖ مِنْ بَعْضٍ فَاَقْضِيْ لَهُ عَلٰى نَحْوِمَا اَسْمَعُ مِنْهُ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّ اَخِيْهِ فَلَا يَاْخُذَنَّهُ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے پاس اپنے جھگڑے لاتے ہو اور شاید کہ تمہارے بعض بعض سے اپنی دلیل کے ساتھ خوب تقریر کرنے والا ہو میں فیصلہ کر دوں جیسا کہ میں سنتا ہوں جس کیلئے میں فیصلہ کر دوں کسی چیز کا اس کے بھائی کے حق میں سے وہ اس کو نہ پکڑے میں اس کے لیے آگ کے ایک ٹکڑے کا حکم کر رہا ہوں۔ (متفق علیہ)

تشریح: انما انا بشر: یعنی میں ایک انسان ہوں عالم الغیب نہیں ہوں میں ظاہر کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہوں لہٰذا سہو اور نسیان بشری تقاضہ ہے ایک انسان عالم الغیب تو ہوتا نہیں کوئی شخص ظاہری الفاظ اور زور دار کلام سے اپنا مدعا ثابت کرے گا اور حقیقت میں وہ اس میں حق پر نہیں ہوگا لیکن وہ اپنی قوت بیان سے حق پر معلوم ہوگا تو میں اس کے حق میں فیصلہ کروں گا حالانکہ حق کسی اور شخص کا ہوگا تو یاد رکھو اس طرح چرب لسانی سے میں اس کو جو کچھ دوں گا وہ دوزخ کا ٹکڑا ہوگا اب یہاں فقہاء کا اختلاف ہے کہ قضاء قاضی صرف ظاہر میں نافذ ہے یا ظاہر و باطن دونوں میں نافذ ہے۔

فقہاء کا اختلاف: جمہور اور صاحبین کے نزدیک قضاء قاضی ظاہراً نافذ ہے باطناً نافذ نہیں ہے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قضاء قاضی ظاہراً اور باطناً دونوں طرح نافذ ہے ظاہر و باطن میں نافذ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر شریعت میں دنیا میں جس طرح وہ فیصلہ نافذ ہوتا ہے آخرت میں یعنی عند اللہ بھی وہ فیصلہ صحیح شمار ہوگا۔

محل اختلاف: اب محل اختلاف کی تعیین ضروری ہے کہ فقہاء کرام کا کونسی جگہ میں اختلاف ہے اور کونسی جگہ میں اتفاق ہے تو سمجھ لینا چاہیے

کہ اگر قضاء قاضی املاک مرسلہ میں ہو تو بالاتفاق ظاہراً قضاء نافذ ہوگی اور باطناً نافذ نہیں ہوگی۔ اور اگر قضاء قاضی املاک غیر مرسلہ یعنی املاک مقیدہ میں یا غیر اموال میں ہو مثلاً نکاح وطلاق وغیرہ عقود وفسوخ میں ہو تو اس صورت میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے کہ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک قضاء قاضی صرف ظاہراً نافذ ہوگی باطناً نافذ نہیں ہوگی۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قضاء قاضی ظاہراً بھی نافذ ہے اور باطناً بھی نافذ ہے مثال کے طور پر ایک عورت نے دعویٰ کیا کہ فلاں شخص نے میرے ساتھ شادی کر لی ہے اس پر اس عورت نے دو جھوٹے گواہ بھی پیش کر دیئے اور شادی کو ثابت بھی کر لیا حالانکہ حقیقت میں کوئی شادی بیاہ نہیں ہوئی اب ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ یہ عورت صرف ظاہر میں اس شخص کی بیوی ہوگی لیکن باطن میں یعنی فیما بینہ وبین اللہ یہ اس کی بیوی نہیں ہے لہٰذا یہ شخص اس سے جماع نہیں کر سکتا ہے اگر کرے گا تو گنہگار ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ کے ہاں عورت ظاہراً اور حقیقۃً اس شخص کی بیوی ہوگی اس سے جماع کرنا جائز ہے اب فریقین کے دلائل سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ املاک مرسلہ اور املاک مقیدہ کسے کہتے ہیں تو یاد رکھو املاک مرسلہ وہ اموال ہیں کہ ایک شخص نے کسی چیز میں ملکیت کا دعویٰ کیا مگر ملک کا سبب بیان نہیں کیا کہ کس وجہ سے یہ مال اس کی ملکیت میں ہے اس کو املاک مرسلہ کہتے ہیں۔ اور املاک غیر مرسلہ وہ ہیں کہ دعویٰ ملک کا کیا اور ساتھ ساتھ ملکیت کا سبب اور علت بھی بیان کیا کہ میراث میں یہ مال ملا ہے یا خرید لیا ہے یا کسی نے ہبہ کیا ہے گویا یہ املاک مقیدہ ہیں تو فقہاء کا اختلاف صرف املاک مقیدہ اور غیر اموال یعنی عقود اور فسوخ میں ہے اموال مرسلہ میں اختلاف نہیں ہے۔

دلائل:۔ ائمہ ثلاثہ ام سلمہؓ کی حدیث زیر بحث سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فیصلہ کے بعد صاف الفاظ میں فرمادیا کہ حقیقت میں اگر کوئی شخص اس چیز کا حقدار نہیں تو وہ اسے ہرگز نہ لے کیونکہ یہ اس کیلئے جہنم کا ٹکڑا ہے اس سے معلوم ہوا کہ فیصلہ صرف ظاہر میں نافذ ہوتا ہے اور باطن میں نافذ نہیں ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے پاس چند دلائل ہیں پہلی دلیل یہ ہے کہ قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہے تو اگر پہلے نکاح نہیں ہوا تو اب ہو گیا کیونکہ گواہوں کے پیش ہونے کے بعد قاضی نے فیصلہ سنا دیا ہے تو یہ درحقیقت انشاء عقد ہے نئے سرے سے نکاح ہو گیا اب باطناً بھی یہ عورت ان کی بیوی ہے۔ ۲۔ امام ابوحنیفہؒ کی دوسری دلیل ''لعان کا حکم'' ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح الفاظ میں فرمایا'' احدکما کاذب'' اس واضح اعلان کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نافذ ہو گیا اور فریقین یعنی میاں بیوی ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔

امام ابوحنیفہؒ کی تیسری دلیل حضرت علیؓ کا ایک اثر ہے جس کو طحاوی نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت علیؓ نے اسی طرح ایک مقدمہ کا فیصلہ سنا دیا تو اس عورت نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین اب اس شخص سے میرا نکاح کرا دیں تاکہ زنا نہ ہو اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا'' شاهداک زوجاک '' یعنی تیرے دو گواہوں نے تیرا نکاح کر دیا گویا یہ انشاء عقد ہو گیا نیا نکاح ہے۔

جواب:۔ جمہور نے جو مذکورہ حدیث سے استدلال کیا ہے احناف اس کو املاک مرسلہ پر حمل کرتے ہیں نیز اس حدیث میں شہادت کا تذکرہ بھی نہیں ہے یہاں صرف چرب لسانی اور زور دربیان کا ذکر ہے زیر نظر حدیث تو جھوٹی شہادت اور اس کے نتیجہ میں فیصلے سے متعلق ہے۔

ناحق مقدمہ بازی کرنے والے کے بارے میں وعید

(۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَبْغَضَ الرِّجَالِ اِلَى اللّٰهِ الْاَلَدُّ الْخَصِمُ (متفق عليه)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی طرف مبغوض ترین آدمی ناحق جھگڑا کرنے والا ہے۔ (متفق علیہ)

کیا مدعی ایک گواہ اور ایک قسم کے ذریعہ اپنا دعوی ثابت کر سکتا ہے

(۶) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بِيَمِيْنٍ وَشَاهِدٍ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم اور شاہد کے ساتھ فیصلہ فرمایا۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: قضی بیمین و شاهد: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مدعی نے دعویٰ کر دیا اور اس کے پاس دعویٰ کے ثبوت کیلئے دو گواہ نہ ہوں تو وہ ایک گواہ پیش کرے اور ایک قسم کھائے تو دعویٰ ثابت ہو جائے گا اور مال حاصل ہو جائے گا اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا مدعی سے ایک گواہ کے ساتھ دوسرے گواہ کی جگہ قسم لی جائے گی یا نہیں۔

فقہاء کا اختلاف:۔ تینوں ائمہ اور جمہور فرماتے ہیں کہ اگر معاملہ اور قضیہ حدود اور قصاص کے علاوہ اموال میں ہو اور مدعی کے پاس صرف ایک گواہ موجود ہو تو مدعی دوسرے گواہ کی تکمیل کیلئے خود ایک قسم کھا سکتا ہے تاکہ گواہی مکمل ہو جائے اور مدعی کا مدعا ثابت ہو جائے ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ ایک گواہ کی وجہ سے مدعا ثابت نہیں ہو سکتا ہے اور مدعی پر کسی بھی صورت میں قسم نہیں آئے گی فیصلہ کیلئے ضروری ہے کہ مدعی کے پاس دو گواہ ہوں ورنہ مدعا علیہ سے قسم لی جائے گی۔

دلائل:۔ مذکورہ زیر بحث حدیث جمہور کی دلیل ہے اگرچہ اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ قسم مدعی سے لی گئی ہے لیکن اس کے بعض طرق میں اس طرح لفظ موجود ہیں لہٰذا جمہور نے اسی پر فیصلہ فرما دیا ہے۔ ائمہ احناف کی پہلی دلیل تو قرآن عظیم کی آیت ہے:

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ دوسری آیت میں ہے واشهدوا ذوی عدل منکم

احناف کی دوسری دلیل وہ مشہور حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "البینة علی المدعی والیمین علی من انکر" اس حدیث میں بطور ضابطہ تقسیم کار بیان کیا گیا ہے تو مدعی کا کام گواہ پیش کرنا ہے اور مدعی علیہ کا کام قسم کھانا ہے اس میں اشتراک نہیں ہے۔

جواب:۔ احناف نے مذکورہ حدیث اور جمہور کی اس دلیل کے کئی جواب دیئے ہیں اول جواب یہ کہ مذکورہ حدیث خبر واحد ہے یہ قرآن کی آیت کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے دوسرا جواب یہ کہ اس حدیث میں احتمال ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ جب مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو مدعا علیہ سے قسم لی جائے گی اور احتمال آنے سے استدلال باقی نہیں رہتا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف فیصلوں کا ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی گواہوں کی بنیاد پر فیصلہ فرما دیا ہے اور کبھی قسم کی بنیاد پر فیصلہ صادر فرمایا ہے گویا حدیث میں ایک فیصلہ کی بات نہیں ہے بلکہ مختلف اوقات میں مختلف فیصلوں کی دو صورتیں بتائی گئی ہیں۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ زیر بحث حدیث کا تعلق حفظ دماء سے ہے یہ ضابطہ نہیں بلکہ ایک معروضی فیصلہ تھا جس کے پیش نظر یہ حکم آیا ہے واقعہ اس طرح ہوا کہ ہو عنبر کے کچھ کفار میدان جہاد میں پکڑے گئے تھے جب وہ مدینہ لائے گئے تو انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم جس وقت پکڑے گئے ہیں اس وقت ہم مسلمان تھے اس پر ان کے پاس ایک گواہ تھا اور دوسرے گواہ کے لئے ان سے قسم لے لی گئی تو شبہ آ گیا جس سے ان کے خون کی حفاظت ہو گئی یا یہ حدیث صلح کی کسی صورت پر محمول ہے ضابطہ وہی ہے جو مشہور احادیث میں ہے اور احناف نے لیا ہے۔

مدعا علیہ کی قسم کا اعتبار کیا جائے خواہ وہ حقیقت میں جھوٹی قسم کیوں نہ ہو

(۷) وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنْ حَضْرَمَوْتَ وَرَجُلٌ مِنْ كِنْدَةَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الْحَضْرَمِيُّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ هٰذَا غَلَبَنِيْ عَلٰى اَرْضٍ لِّيْ فَقَالَ الْكِنْدِيُّ هِيَ اَرْضِيْ وَ فِيْ يَدِيْ لَيْسَ لَهٗ فِيْهَا حَقٌّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْحَضْرَمِيِّ اَلَكَ بَيِّنَةٌ قَالَ لَا قَالَ فَلَكَ يَمِيْنُهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لَا يُبَالِيْ عَلٰى مَا حَلَفَ عَلَيْهِ وَ لَيْسَ يَتَوَرَّعُ مِنْ شَيْءٍ قَالَ لَيْسَ لَكَ مِنْهُ اِلَّا ذٰلِكَ فَانْطَلَقَ لِيَحْلِفَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَدْبَرَ لَئِنْ حَلَفَ عَلٰى مَالِهٖ لِيَاْكُلَهٗ ظُلْمًا لَيَلْقَيَنَّ اللّٰهَ وَهُوَ عَنْهُ مُعْرِضٌ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت علقمہ بن وائل اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرموت کا رہنے والا اور ایک شخص کندہ کا رہنے والا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنا جھگڑا لائے۔ حضرمی نے کہا اے اللہ کے رسول یہ شخص میری زمین پر قابض ہے اور اس نے غلبہ کیا ہے میری زمین پر۔ کندی کہنے لگا وہ میری زمین ہے اور میرے قبضہ میں ہے کسی کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرمی

سے کہا تیرے پاس گواہ ہیں اس نے کہا نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے لیے اس کی قسم ہے اس نے کہا اے اللہ کے رسول وہ فاجر آدمی ہے کسی چیز پر قسم کھانے سے وہ پرواہ نہیں کرتا اور نہ کسی چیز سے پرہیز کرتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے تیرے لیے یہی کچھ ہے۔ کندی قسم کھانے لگا جب اس نے پیٹھ پھیری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس نے ظلماً اس کا مال کھانے کے لیے قسم اٹھائی ہے اللہ تعالیٰ کو ملے گا جبکہ وہ اس سے بیزار ہوگا۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: "وہ شخص قسم کھانے کے لیے چلا" ممکن ہے کہ اس کا چلنا اس اعتبار سے ہے کہ جیسے شافعیہ کے یہاں یہ مسئلہ ہے کہ یہ قسم کھانے والا پہلے وضو کرتا ہے اور پھر ایک خاص وقت میں یعنی جمعہ کے روز عصر کے بعد قسم کھاتا ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ وہ مدعی کی طرف سے پیٹھ پھیر کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلا' تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر قسم کھائے۔"

نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے کئی مسئلے نکلتے ہیں کہ ایک تو یہ کہ اس طرح کے قضیے میں اس اجنبی سے قبضے والا اولیٰ ہے۔ جو اس کے زیر چیز پر دعویٰ کرے۔ دوسرا یہ کہ مدعا علیہ پر قسم کھانا لازم ہے جب کہ وہ مدعی کے دعوی کو تسلیم نہ کرے۔ اور تیسرا یہ کہ فاجر مدعا علیہ کی قسم کو بھی اس طرح تسلیم وقبول کیا جائے جس طرح عادل مدعا علیہ کی قسم تسلیم وقبول کی جاتی ہے نیز اس قسم کھا لینے کی وجہ سے اس پر سے مدعی کا مطالبہ ساقط ہو جاتا ہے (لیکن یہ واضح رہے کہ اگر عدالت میں سچی گواہی سے مدعا علیہ کی قسم کا جھوٹ معلوم ہو جائے تو پھر اس کی قسم کالعدم قرار پائے گی۔)

جھوٹا دعوی کرنے والے کا ٹھکانا دوزخ ہے

(۸) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنِ ادَّعٰی مَالَیْسَ لَهٗ فَلَیْسَ مِنَّا وَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوذر سے روایت ہے اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے جس شخص نے ایسی چیز کا دعوی کیا جو اس کی نہیں ہے پس چاہیے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔ (مسلم)

تشریح: مالیس لہ: شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے کہ یہ لفظ بظاہر املاک واموال پر بولا گیا ہے لیکن اس کے عموم میں حسب ونسب کے دعوے اور ظاہر وباطن کے سارے دعوے بھی آتے ہیں۔ یعنی ایک شخص بزرگی کا جھوٹا دعوی کرتا ہے علم کا جھوٹا دعوی کرتا ہے احوال واعمال عالیہ کا جھوٹا دعوی کرتا ہے فتوحات اور کرامتوں اور کشف والہامات کے دعوی کرتا ہے اور حقیقت میں وہ اس مقام پر نہیں ہے حدیث کی یہ وعید سب کو شامل ہے۔

بہترین گواہ کون ہے

(۹) وَعَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِخَیْرِ الشُّهَدَاءِ الَّذِیْ یَاْتِیْ بِشَهَادَتِهٖ قَبْلَ اَنْ یُّسْاَلَهَا. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو بہترین گواہوں کے متعلق خبر نہ دوں وہ ہیں جو گواہی کا سوال کیے جانے سے پہلے اپنی گواہی دے دیتے ہیں۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ گواہی دراصل "بیان حقیقت" کا دوسرا نام ہے اور حقیقت بیان کرنے کو طلب ودرخواست پر موقوف رکھنا غیر موزوں بات ہے۔ لہٰذا بہترین گواہ وہ ہے جو گواہی طلب کیے جانے سے پہلے اور قبل اس کے اس سے پوچھا جائے کہ کیا تم وہ ہو اور یہ کہ کیا تم گواہی دینا چاہتے ہو خود از خود گواہی دیدے اور اس طرح حق کو ظاہر کرنے کی ذمہ داری پوری کرے۔

بغیر طلب کے گواہی دینی چاہیے یا نہیں؟: لیکن اس کے برعکس ایک دوسری حدیث میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو بغیر طلب کے گواہی دیں۔ چنانچہ حنفی مسلک کی ہدایت یہی ہے کہ جب تک گواہی طلب نہ کی جائے اس وقت تک گواہی نہ دی جائے' گواہی طلب کیے جانے کے بعد گواہی دینا واجب ہے اور حدود میں گواہی کا چھپانا افضل ہے۔

جہاں تک مذکورہ بالا روایت کا تعلق ہے کہ جس سے بغیر طلب کے گواہی دینے والے کا بہترین گواہ ہونا ثابت ہوتا ہے تو اس کے بارے میں حنفیہ کی طرف سے دو تاویلیں کی جاتی ہیں ایک تو یہ کہ یہ ارشاد گرامی دراصل اس شخص پر محمول ہے جو کسی کے حق کا گواہ ہے لیکن مدعی کو اس کے گواہ ہونے کا علم نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو چاہئے کہ وہ مدعی کو بتا دے کہ میں اس قضیہ میں تمہارا گواہ۔

دوسری تاویل یہ ہے کہ اس حدیث کا تعلق حق تعالیٰ کے حقوق میں گواہی دینے سے ہے۔ جیسے زکوٰۃ' کفارہ رویت ہلال اور وصیت اور اسی طرح کی دوسری چیزیں لہٰذا جو شخص ان میں سے کسی چیز کا شاہد ہو. مثلاً اس نے چاند دیکھا ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ حاکم و قاضی کے ہاں حاضر ہو اور گواہی دے۔

ان دونوں تاویلوں کے علاوہ ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ ارشاد گرامی اس حکم کو بطور مبالغہ بیان کرنے پر محمول ہے کہ جو شخص کسی قضیہ میں گواہ کی حیثیت رکھتا ہو اور اس سے گواہی طلب کی گئی ہو تو اس طلب گواہی کے بعد اس کو چاہئے کہ وہ گواہی دینے کی اپنی ذمہ داری کو جلد سے جلد پورا کرے اور بغیر طلب کے گواہی دینے کی جو مذمت منقول ہے اور اس کے عکس پر محمول ہے۔

جھوٹی گواہی دینے والوں کے بارے میں پیشین گوئی

(۱۰) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ يَجِيْءُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ اَحَدِهِمْ يَمِيْنَهُ وَيَمِيْنُهُ شَهَادَتَهُ. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں سے بہترین میرا زمانہ ہے پھر وہ لوگ جو اس سے ملے ہوئے ہیں پھر وہ لوگ جو ان سے ملے ہوئے ہیں۔ پھر ایسی قوم آئے گی کہ ان میں سے ایک کی گواہی اس کی قسم سے سبقت لے جائے گی اور اصلی قسم اس کی گواہی سے سبقت لے جائے گی۔ (متفق علیہ)

تشریح: "گواہی قسم سے پہلے اور قسم گواہی سے پہلے ہوگی۔" سے گواہی و قسم میں عجالت پسندی و زیادتی کو بطور کنایہ بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ عجلت و زیادتی کی وجہ سے گواہی دینے اور قسم کھانے میں اس قدر لاپرواہ ہوگا کہ کبھی گواہی سے پہلے قسم کھائے گا اور کبھی پہلے گواہی دے گا اور پھر قسم کھائے گا۔

مظہرؒ نے کہا ہے کہ یہ جملہ گواہی و قسم میں تیز روی و عجلت پسندی کی تمثیل کے طور پر ہے یعنی وہ گواہی دینے اور قسم کھانے میں اتنی تیزی اور پھرتی دکھایا کرے گا کہ نہ تو اس کو دین کی کوئی پرواہ ہوگی اور نہ وہ ان چیزوں میں کوئی پرواہ کرے گا۔ یہاں تک کہ اس کو یہ بھی معلوم نہیں ہوگا کہ پہلے قسم کھائے یا پہلے گواہی دے۔ یا یہ کہ اس کو یہ بھی یاد نہیں رہے گا کہ اس نے پہلے قسم کھائی ہے یا پہلے گواہی دی ہے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد گرامی دراصل جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسم کے عام ہو جانے کی خبر دینے کے طور پر ہے کہ ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں لوگ گواہی دینے کو پیشہ بنا لیں گے اور جھوٹی قسم کھانا ان کا تکیہ کلام بن جائے گا۔ جیسا کہ آجکل عام طور پر رواج ہے کہ پیشہ ور گواہ عدالتوں میں جھوٹی گواہی دیتے پھرتے ہیں اور ان کو اس بات کا ذرہ بھر احساس نہیں ہوتا کہ وہ چند روپوں کی خاطر عدالت میں جھوٹی قسم کھا کر اور جھوٹی گواہی دے کر اپنی آخرت کو کس طرح برباد کر رہے ہیں۔ اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس جملہ کے یہ معنی ہیں کہ وہ شخص کبھی تو قسم کے ذریعہ اپنی گواہی کو ترویج دے گا یعنی یوں کہے گا کہ "خدا کی قسم! میں سچا گواہ ہوں۔" اور کبھی گواہی کے ذریعہ اپنی قسم کو ترویج دے گا یعنی یہ اعلان کرتا پھرے گا کہ "لوگ میری قسم کے سچے ہونے پر گواہ رہیں۔"

قسم کے لئے قرعہ ڈالنے کا ذکر

(۱۱) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَضَ عَلٰى قَوْمٍ الْيَمِيْنَ فَاَسْرَعُوْا فَاَمَرَ اَنْ يُسْهِمَ بَيْنَهُمْ فِي الْيَمِيْنِ اَيُّهُمْ يَحْلِفُ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم پر قسم کو پیش کیا اس قوم نے جلدی کی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ان کے درمیان قرعہ ڈالا جائے کہ ان میں سے کون قسم اٹھائے۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

تشریح: عرض علی قوم الیمین: اس حدیث کے دو مفہوم ہیں ایک مفہوم عام شارحین نے لیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے ایک جماعت یا قوم پر اپنے حق کا دعویٰ کیا اس شخص کے پاس دو گواہ نہیں تھے قوم کے تمام افراد نے اس کے دعویٰ کو مسترد کر کے انکار کر دیا اب ان لوگوں پر ضابطہ کے مطابق قسم پیش کی گئی تو سب نے قسم کھانے پر آمادگی ظاہر کی اور جلدی جلدی قسم کھانے کے لئے آگے بڑھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھانے کیلئے ان کے درمیان قرعہ اندازی کرادی کہ جس کا قرعہ نکل آیا وہی قسم کھائے سب نہ کھائیں حدیث کا ظاہری مفہوم یہی ہے۔

محققین شارحین اور علامہ طیبی نے اس حدیث کا مفہوم اس طرح بیان کیا ہے کہ مثلاً دو آدمیوں نے کسی چیز کا دعویٰ کر دیا اور وہ چیز تیسرے آدمی کے ہاتھ میں ہے دونوں مدعیان کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے یا دونوں کے پاس گواہ ہے مگر اس تیسرے آدمی جو صاحب الید ہے نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ چیز کس کی ہے ادھر ہر مدعی کہتا ہے کہ یہ چیز میری ہے اور دوسرے مدعی کی نہیں ہے اس صورت میں یہ دونوں آدمی ایک دوسرے کیلئے مدعی بھی ہیں اور منکر بھی ہیں اور منکر کیلئے قسم ہے تو اس انکار کی صورت میں قرعہ ڈالا گیا کہ جس کا قرعہ نکل آئے وہ قسم کھائے اور مال لے جائے۔

اب اس روایت میں فقہی نقطہ نظر سے کچھ اختلاف ہے امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ مال اس تیسرے آدمی کے ہاتھ میں چھوڑا جائے گا کیونکہ ان دونوں میں تعارض آگیا تو دونوں کی دلیل ساقط ہوگئی امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اس مال کو دونوں مدعیوں کے درمیان برابر تقسیم کیا جائے گا جیسا کہ آئندہ حضرت ام سلمہؓ کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ مال کو تقسیم کرو انصاف کا خیال رکھو اور پھر قرعہ اندازی کرو اور پھر ایک دوسرے کیلئے معافی تلافی کرلو۔ یاد رہے کہ یہ آدھا آدھا تقسیم کرنا ان چیزوں میں ہوگا جو چیزیں تقسیم کو قبول کرتی ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ.... گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ اور قسم کھانا مدعا علیہ کے ذمہ ہے

(۱۲) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَ الْيَمِيْنُ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گواہ مدعی کے ذمہ ہیں اور مدعی علیہ پر قسم ہے۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے)

اگر ایک ہی چیز کے دو مدعی ہوں تو وہ چیز ان دونوں کے درمیان تقسیم کردی جائے

(۱۳) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا اِلَيْهِ فِيْ مَوَارِيْثَ لَمْ تَكُنْ لَهُمَا بَيِّنَةٌ اِلَّا دَعْوَاهُمَا فَقَالَ مَنْ قَضَيْتُ لَهٗ بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّ اَخِيْهِ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهٗ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ فَقَالَ الرَّجُلَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَقِّيْ هٰذَا لِصَاحِبِيْ فَقَالَ لَا وَلٰكِنْ اِذْهَبَا فَاقْتَسِمَا وَتَوَخَّيَا الْحَقَّ ثُمَّ اسْتَهِمَا ثُمَّ لِيُحَلِّلْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْكُمَا صَاحِبَهٗ وَ فِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اِنَّمَا اَقْضِيْ بَيْنَكُمَا بِرَاْيِيْ فِيْمَا لَمْ يُنْزَلْ عَلَيَّ فِيْهِ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو آدمیوں کا مقدمہ روایت کرتی ہیں جو ایک میراث کا جھگڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تھے اور کسی کے پاس بھی گواہ نہ تھے مگر ان کا دعویٰ ہی تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے لیے میں اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کردوں سوائے اس کے نہیں میں آگ کا ایک ٹکڑا کاٹ کر اس کو دیتا ہوں۔ دونوں کہنے لگے اے اللہ کے رسول میرا حق میرے اس صاحب کے لیے ہے آپ نے فرمایا نہیں بلکہ جاؤ تم باہم تقسیم کرلو اور حق کو تلاش کرو پھر قرعہ ڈالو اور ہر ایک دوسرے کو معاف کر دے۔ ایک روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس فیصلہ میں مجھ پر وحی نازل نہ ہو میں اپنی رائے سے فیصلہ کرتا ہوں۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

قابض کے حق میں فیصلہ

(۱۴) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ رَجُلَيْنِ تَدَاعَيَادَ ابَّةً فَاَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْبَيِّنَةَ اِنَّهَا دَابَّتُهُ نَتَجَهَا فَقَضٰى بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلَّذِيْ فِيْ يَدِهٖ. (رواہ فی شرح السنۃ)

ترجمہ: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے ایک جانور کے متعلق دعویٰ کیا اور ہر ایک نے گواہ پیش کر دیے کہ جانور اس کا ہے اور اس کے ہاں پیدا ہوا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے حق میں فیصلہ دیا جس کے قبضہ میں تھا۔ (روایت کیا اس کو شرح السنۃ میں)

تشریح: بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر کوئی ایسا قضیہ ہو جس میں کسی چیز کی ملکیت کو ثابت کرنے لیے دونوں فریق اپنے اپنے گواہ پیش کریں تو دونوں میں سے اس فریق کے گواہوں کو ترجیح دی جائے گی۔ جس کے قبضے میں وہ چیز ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حکم اس صورت کے لیے ہے جب کہ وہ قضیہ کسی جانور کے متعلق ہو اور ہر فریق یہ دعویٰ کرے کہ اس جانور کو اسی نے جنوایا ہے۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ علماء نے کہا ہے کہ اگر کوئی ایسا قضیہ پیش ہو جس میں دو آدمیوں نے ایک جانور یا کسی چیز کی ملکیت کا دعویٰ کیا اور وہ جانور کسی ایک کے قبضے میں ہو تو اس جانور یا اس چیز پر قابض کا حق تسلیم کیا جائے گا اور اس سے قسم کھلوائی جائے گی۔ ہاں اگر فریق مخالف نے اپنے گواہ پیش کر دیے جنہوں نے یہ گواہی دی کہ یہ جانور یا یہ چیز قابض کی نہیں ہے بلکہ اس فریق کی ہے تو وہ جانور یا وہ چیز قابض سے لے کر دوسرے فریق کے حوالے کرا دی جائے گی اور اگر یہ صورت ہو کہ دونوں ہی فریق اپنے اپنے گواہ پیش کر دیں تو پھر قابض کے گواہوں کو ترجیح دی جائے گی۔

حنفی مسلک میں یہ مسئلہ اس طرح ہے کہ مذکورہ صورت میں (یعنی جب کہ دونوں فریق اپنے اپنے گواہ پیش کریں) قابض کے گواہوں کا اعتبار نہ کیا جائے بلکہ دوسرے فریق کے گواہوں کا اعتبار کیا جائے اور وہ چیز قابض کے قبضے سے نکلوا کر دوسرے فریق کے سپرد کر دی جائے لیکن اگر دعویٰ کا تعلق جانور کے جنوانے سے ہو یعنی ہر فریق یہ دعویٰ کرے کہ یہ جانور میری ملکیت ہے اور میں نے اس کو جنوایا ہے اور پھر ہر ایک اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کرے تو پھر قابض کے لیے فیصلہ کیا جائے گا اور اگر قضیہ کا تعلق کسی ایسی چیز سے ہو جو دونوں فریق کے قبضے میں ہو اور دونوں فریق اس کے پورے حصے پر اپنی اپنی ملکیت کا دعویٰ کریں تو دونوں سے قسم کھلوائی جائے اور اس چیز کو دونوں کے درمیان ہر ایک کے قبضے کے مطابق تقسیم کر دی جائے اسی طرح اگر وہ چیز ان میں سے کسی ایک کے بھی قبضے میں نہ ہو مگر دونوں ہی اپنے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ پیش کریں تو اس چیز کو دونوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے۔

دو مدعیوں کے درمیان متنازعہ مال کی تقسیم

(۱۵) وَعَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ اَنَّ رَجُلَيْنِ اِدَّعَيَا بَعِيْرًا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا شَاهِدَيْنِ فَقَسَمَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ. وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ وَلِلنَّسَائِيِّ وَ ابْنِ مَاجَةَ اَنَّ رَجُلَيْنِ اِدَّعَيَا بَعِيْرًا لَيْسَتْ لِوَاحِدٍ مِنْهُمَا بَيِّنَةٌ فَجَعَلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو شخصوں نے ایک اونٹ کے متعلق دعویٰ کر دیا ان میں سے ہر ایک نے دو گواہ پیش کر دیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دیا۔ روایت کیا اس کو ابو داؤد نے۔ ابو داؤد نسائی اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے دو آدمیوں نے ایک اونٹ کا دعویٰ کیا جبکہ کسی کے پاس بھی گواہ نہ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔

تشریح: "اس اونٹ کو ان دونوں میں آدھوں آدھ تقسیم کر دیا" کے بارے میں خطابی کہتے ہیں کہ شاید وہ اونٹ دونوں کے قبضے میں ہوگا۔ اور ملا علی قاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یا وہ اونٹ کسی ایسے تیسرے آدمی کے قبضہ میں ہوگا جو اس اونٹ کے بارے میں ان دونوں سے کوئی تنازعہ نہ رکھتا تھا۔

پہلی روایت میں تو یہ بتایا گیا ہے کہ دونوں مدعی اپنے اپنے گواہ رکھتے تھے جب کہ دوسری روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں میں کسی کے پاس بھی گواہ نہیں تھے؟ لہٰذا یہ ممکن ہے کہ دونوں روایتوں میں مذکور قضیے الگ الگ ہوں اور یہ بھی کوئی بعید نہیں ہے کہ روایتوں کا تعلق ایک ہی قضیے سے ہو۔ اس صورت میں کہا جائے گا کہ پہلی روایت میں تو نفس واقعہ کا بیان ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ رکھتا ہے اور دوسری روایت میں حقیقت حکم کا بیان ہے کہ جب دونوں نے گواہ پیش کیے تو دونوں کی گواہیاں باہم متعارض ہونے کی بنا پر ساقط قرار پائیں۔ لہٰذا وہ دونوں ہی ایسے دو مدعیوں کی مانند ہوئے جو گواہ نہ رکھتے ہوں۔ ''اس اعتبار سے ان دونوں میں سے کسی کے پاس گواہ نہیں تھے'' کے معنی یہ ہوں گے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے پاس بھی اس طرح کے گواہ نہیں تھے جن کو دوسرے کے گواہوں پر ترجیح دی جاسکتی ہو۔

''اس اونٹ کو ان دونوں کا مشترکہ حق قرار دیا'' کے بارے میں ابن ملک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ ارشاد گرامی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر دو آدمی کسی ایک چیز کی ملکیت کا دعویٰ کریں اور ان میں سے کسی کے پاس گواہ نہ ہوں یا ان میں سے ہر ایک کے پاس گواہ ہوں اور وہ چیز دونوں کے قبضے میں ہو یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے بھی قبضے میں نہ ہوں تو اس چیز کو ان دونوں کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کیا جائے۔

(۱۶) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا فِي دَابَّةٍ وَ لَيْسَ لَهُمَا بَيِّنَةٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَهِمَا عَلَى الْيَمِينِ. (رواه ابوداؤد و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے دو آدمی ایک جانور کے متعلق جھگڑا کرنے دونوں کے پاس گواہ نہ تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم کھانے پر قرعہ ڈالو۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے)

تشریح: استھما علی الیمین: یعنی تم دونوں قسم کھانے کیلئے قرعہ اندازی کرلو جس کا قرعہ نکل آیا وہ قسم کھالے گا اور مال کو اٹھالے گا اس روایت کی طرح ایک روایت اس سے پہلے گزرچکی ہے جو ابوہریرہؓ سے مروی ہے اور گیارہ نمبر حدیث میں گزری ہے وہاں اس مسئلہ کی تفصیل ہے نیز حدیث نمبر ۱۵ میں بھی اس کی وضاحت موجود ہے۔

مدعا علیہ کی قسم

(۱۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ حَلَّفَهُ احْلِفْ بِاللَّهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ مَا لَهُ عِنْدَكَ شَيْءٌ يَعْنِي لِلْمُدَّعِي. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے حلف لیا کہ تو اللہ کے نام کی جس کے ساتھ کوئی معبود نہیں قسم اٹھا کہ تیرے پاس اس مدعی کی کوئی چیز نہیں ہے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: جیسا کہ پہلے بتایا گیا اگر مدعی اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ پیش نہ کرسکے اور مدعا علیہ اس کے دعویٰ سے انکار کرے تو اس کے مطالبہ پر مدعا علیہ کو قسم کھانا ضروری ہوگا اور وہ اس طرح قسم کھائے گا کہ ''میں اس خدائے واحد کی قسم کھاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ اس شخص (یعنی مدعی) نے مجھ پر اپنے جس حق کا دعویٰ کیا ہے وہ مبنی برصداقت نہیں ہے اور اس کا مجھ پر کوئی حق نہیں ہے۔ قسم وحلف کے سلسلے میں یہ ضابطہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ حلف' قاضی یعنی حاکم عدالت دے گا مسلمان سے خدائے واحد کا حلف لیا جائے گا' عیسائی کو خدائے انجیل کا' یہودی کو خدائے تورات اور مجوسی وغیرہ کو صرف خدا کا حلف دیا جائے گا۔ یہ بات بھی پہلے بتائی جاچکی ہے کہ مدعا علیہ کی قسم کا بہرصورت اعتبار ہوگا خواہ وہ عادل (سچا) ہو یا فاجر (جھوٹا) ہو ہاں اگر قاضی یعنی حاکم عدالت کو سچی گواہی کے ذریعہ اس کے حلف کا جھوٹ معلوم ہوجائے گا تو اس صورت میں اس کا حلف کالعدم ہوجائے گا۔

مدعا علیہ کو حلف کا حق دیا جائے گا خواہ وہ جھوٹا ہی کیوں نہ ہو

(۱۸) وَعَنِ الْأَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ كَانَ بَيْنِي وَ بَيْنَ رَجُلٍ مِنَ الْيَهُوْدِ أَرْضٌ فَجَحَدَنِي فَقَدَّمْتُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلَکَ بَیِّنَةٌ قُلْتُ لَا قَالَ لِلْیَهُوْدِیِّ اِحْلِفْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذَنْ یَحْلِفُ وَ یَذْهَبُ بِمَالِیْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا الْاٰیَةَ. (رواه ابوداؤد و ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میرے اور ایک یہودی شخص کے درمیان ایک مشترکہ زمین تھی اس نے انکار کر دیا میں اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا کوئی گواہ ہے اس نے کہا نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے لیے فرمایا قسم کھا۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول وہ تو قسم کھا لے گا اور میرا مال لے جائے گا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ بیشک وہ لوگ جو اللہ کے وعدے اور قسموں کے ساتھ تھوڑی قیمت خرید تے ہیں۔ (الآیۃ) (روایت کیا اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے)

تشریح: فانزل الله تعالیٰ: اس روایت پر یہ سوال ہے کہ جب یہودی پر اس صحابی نے اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آیت اتری اب سوال یہ ہے کہ اس آیت میں اس صحابی کے اعتراض کا جواب کیسے آ گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب صحابی نے یہ کہا کہ یہ یہودی ہے قسم کھا لے گا تو قرآن کریم کی آیت بطور وعید اتر آئی جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جھوٹی قسموں اور بدعہدی کے وعدوں پر شدید نکیر فرمائی۔ جس سے یہودی کو گویا تنبیہ ہوگئی کہ تم اگر غلط قسم کھاؤ گے تو اس کی سزا بہت ہی خطرناک ہوگی نیز اس آیت کا مضمون، اور تورات میں جھوٹی قسم پر شدید وعید ایک ہی قسم کے احکام ہیں تو اس آیت سے یہودی کو یاد دلایا گیا کہ دیکھو جھوٹی قسم کھاؤ گے تو تم اپنی کتاب تورات کے حکم کے مطابق سزا پاؤ گے یہ جو کچھ اس سوال کے جواب میں لکھا گیا ہے ایک حد تک علامہ طیبی نے بھی لکھا ہے اور اس سوال کا حل صرف یہی ہے۔

جھوٹی قسم کے ذریعہ دوسرے کا مال ہڑپ کرنے والے کے بارے میں وعید

(۴۹) وَعَنْهُ اَنَّ رَجُلًا مِنْ کِنْدَةَ وَ رَجُلًا مِنْ حَضْرَ مَوْتَ اخْتَصَمَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ اَرْضٍ مِنَ الْیَمَنِ فَقَالَ الْحَضْرَمِیُّ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَرْضِیْ اِغْتَصَبَنِیْهَا اَبُوْ هٰذَا وَهِیَ فِیْ یَدِهٖ قَالَ هَلْ لَکَ بَیِّنَةٌ قَالَ لَا وَلٰکِنْ اُحْلِفُهٗ وَاللّٰهِ مَا یَعْلَمُ اَنَّهَا اَرْضِیْ اِغْتَصَبَنِیْهَا اَبُوْهُ فَتَهَیَّأَ الْکِنْدِیُّ لِلْیَمِیْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَقْطَعُ اَحَدٌ مَالًا بِیَمِیْنٍ اِلَّا لَقِیَ اللّٰهَ وَهُوَ اَجْذَمُ فَقَالَ الْکِنْدِیُّ هِیَ اَرْضُهٗ. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کندہ کا ایک آدمی اور حضر موت کا ایک آدمی یمن کی ایک زمین کا جھگڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ حضرمی کہنے لگا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کے باپ نے میری زمین غصب کی تھی اب وہ اس کے قبضہ میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے پاس کوئی گواہ ہے اس نے کہا نہیں لیکن میں اس کو قسم کھلاؤں گا کہ وہ کہے اللہ کی قسم وہ نہیں جانتا کہ یہ میری زمین ہے اس کے باپ نے مجھ سے چھین لی تھی۔ کندی قسم اٹھانے کے لیے تیار ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم کے بدلہ میں کوئی شخص مال نہیں لیتا مگر وہ اللہ کو ملے گا جبکہ وہ ہاتھ کٹا ہوگا۔ کندی کہنے لگا یہ اس کی زمین ہے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: الالقی الله وهو اجذم جذام ایک مشہور بیماری کا نام ہے جس میں اعضائے جسمانی سڑ گل جاتے ہیں ویسے لغت میں "جذام" کی اصل "جذم" ہے جس کے معنی ہیں "کاٹنا۔ جلدی سے کاٹنا" نیز یہ لفظ قطع ید یعنی ہاتھ کاٹنے یا کٹے ہوئے ہاتھ" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں حدیث میں یہ لفظ "قطع ید" ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے جس سے مراد ہے "برکت ہونا اور بھلائی سے خالی ہونا۔ جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا۔ من تعلم القران ثم نسیه لقی الله وهو اجذم "یعنی جس شخص نے قرآن سیکھا (یاد کیا) پھر اس کو بھول گیا تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہوگا۔ یعنی بے برکت۔" "بعض حضرات یہ کہتے ہیں یہاں اجذم سے مراد "مقطوع الحجہ (بے دلیل) ہے یعنی وہ شخص اس حال میں بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوگا کہ اس کے پاس نہ تو اپنے دین و دیانت کی اور خدا ترسی وحقوق شناسی کی اظہار کوئی دلیل ہوگی جس سے وہ اپنی نجات کا راستہ تلاش کر سکے ورنہ اس کے پاس ایسی زبان ہوگی جس کے ذریعہ وہ عرض معروض کی جرأت کر سکے۔"

جھوٹی قسم کھانا ایک بڑا گناہ ہے

(۲۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اُنَيْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَكْبَرِ الْكَبَائِرِ الشِّرْكَ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقَ الْوَالِدَيْنِ وَالْيَمِيْنَ الْغَمُوْسَ وَ مَاحَلَفَ حَالِفٌ بِاللّٰهِ يَمِيْنَ صَبْرٍ فَاَدْخَلَ فِيْهَا مِثْلَ جَنَاحِ بَعُوْضَةٍ اِلَّا جُعِلَتْ نُكْتَةً فِيْ قَلْبِهٖ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی قسم کھانا ہے کسی قسم کھانے والے نے اللہ کے ساتھ صبر کی قسم نہیں کھائی پس اس نے مچھر کے برابر اس میں جھوٹ داخل کر دیا مگر قیامت کے دن تک اس کے دل میں ایک نکتہ لگا دیا جاتا ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور اس نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: ''غموس'' دراصل ''غمس'' سے ہے جس کے معنی ہیں ''غوطہ دینا'' اور ''یمین غموس'' کسی گذری بات پر دیدہ و دانستہ جھوٹی قسم کھانے کو کہتے ہیں۔ حنفی مسلک کے مطابق ایسی قسم کھانے والے پر کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ لیکن اس پر لازم ہوتا ہے کہ وہ توبہ استغفار کرے اور آئندہ اس طرح جھوٹی قسم نہ کھانے کا پختہ عہد کرے کیونکہ یمین غموس کے بارے میں دوزخ کی آگ سے ڈرایا گیا ہے چنانچہ ایسی قسم ''غموس'' اسی اعتبار سے کہتے ہیں کہ وہ ایسی قسم کھانے والے کو دوزخ کی آگ میں غوطہ دے گی۔ نیز غیر کا حق دوسرے کا مال ہڑپ کرنے کے لیے جو جھوٹی قسم کھائی جاتی ہے وہ اسی قبیل سے (یعنی یمین غموس کی قسم سے) ہے۔ نتیجہ کے اعتبار سے ''یمین صبر'' بھی ''یمین غموس'' کے مفہوم میں داخل ہے کہ جس طرح یمین غموس میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ بلکہ آخرت کی سزا (یعنی دوزخ کی آگ) ملتی ہے اسی طرح ''یمین صبر'' میں بھی کوئی کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی سزا بھی آخرت ہی میں ملے گی۔ **جعلت نكتة في قلبه الى يوم القيامة** (اس کے دل میں قیامت تک کے لیے ایک نکتہ پیدا ہو جائے گا) کا مطلب یہ ہے کہ اس نکتہ (داغ) کا اثر زنگ کی طرح ہے کہ وہ اپنی قسم میں تھوڑے سے بھی جھوٹ کی آمیزش کرنے والے شخص کے دل پر قیامت تک ہوگا پھر قیامت میں اس کا وبال اس طرح ظاہر ہوگا کہ اس کو عذاب خداوندی میں مبتلا کیا جائے گا۔ اس سے عبرت پکڑنی چاہئے جب کہ تھوڑے سے جھوٹ کی آمیزش کرنے کا انجام یہ ہے تو اس صورت میں کیا حشر ہوگا جب کہ جس بات پر قسم کھائی جائے وہ سرے سے جھوٹ ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں تین چیزوں کو ذکر کیا جو بڑے گناہوں میں سب سے بڑے گناہ ہیں اور پھر ان تینوں میں سے صرف آخر کے بارے میں وعید بیان فرمائی تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ یہ بھی سب سے بڑے گناہوں میں داخل ہے اور لوگ یہ گمان کر کے عدالت میں جھوٹی قسم کھانا گناہ کے اعتبار سے شرک اور ماں باپ کی نافرمانی کی طرح نہیں ہے اس کو کمتر نہ جانیں اس طرح آگے حضرت خریمؓ ابن فاتک کی جو روایت آئے گی اس کے یہ الفاظ **عدلت شهادة الزور بالا شراک بالله** سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ یہ بھی ''اکبر کبائر'' میں داخل ہے۔

(۲۱) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحْلِفُ اَحَدٌ عِنْدَ مِنْبَرِيْ هٰذَا عَلٰى يَمِيْنٍ اٰثِمَةٍ وَلَوْ عَلٰى سِوَاكٍ اَخْضَرَ اِلَّا تَبَوَّاَ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ اَوْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ. (رواه ملک و ابوداؤد و ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص میرے منبر کے نزدیک جھوٹی قسم نہیں اٹھاتا اگرچہ سبز مسواک پر ہو مگر اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بناتا ہے یا فرمایا دوزخ اس کے لیے واجب ہو جاتی ہے۔ روایت کیا اس کو مالک ابوداؤد اور ابن ماجہ نے۔

تشریح: منبر کے پاس قسم کھانے کی قید اس لیے لگائی کہ وہ ایک مقدس و باعظمت جگہ ہے وہاں جھوٹی قسم کھانا بہت بڑا گناہ ہے۔ ورنہ مطلق جھوٹی قسم کھانا خواہ جہاں بھی کھائی جائے۔ اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے عذاب کو واجب کرتا ہے۔ ''سبز مسواک'' کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ وہ ایک حقیر ترین چیز ہوتی ہے جب کہ خشک ہو جانے کے بعد اس میں قدر و قیمت پیدا ہو جاتی ہے۔ حاصل یہ کہ مسواک بذات خود بہت معمولی و حقیر چیز ہے۔ جب کہ خشک ہونے سے پہلے تو اس کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہوتی۔ جب اس کے لیے جھوٹی قسم کھانا اتنی بڑی وعید کا محمول ہے تو جو لوگ عدالتوں میں بڑی بے باکی کے ساتھ بڑی سے بڑی چیز کے لیے جھوٹی قسمیں کھاتے پھرتے ہیں ان کا حشر کیا ہوگا؟

جھوٹی گواہی، شرک کے برابر ہے

(۲۲) وَعَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الصُّبْحِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَامَ قَائِمًا فَقَالَ عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ بِالْإِشْرَاكِ بِاللّٰهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَرَأَ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ عَنْ اَيْمَنَ بْنِ خُرَيْمٍ اِلَّا اَنَّ ابْنَ مَاجَةَ لَمْ يَذْكُرِ الْقِرَاءَةَ

ترجمہ: حضرت خریم بن فاتک سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے پھرے کھڑے ہوئے اور فرمایا جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر کردی گئی ہے تین مرتبہ فرمایا پھر یہ آیت پڑھی پس بچو تم بتوں کی پلیدی سے اور بچو جھوٹی بات سے ایک طرف ہونے والے اللہ تعالیٰ کے لیے نہ شریک بنانے والے اس کے ساتھ کسی کو۔ روایت کیا اس کو ابو داؤد اور ابن ماجہ نے اور روایت کیا اس کو احمد اور ترمذی نے ایمن بن خریم رضی اللہ عنہ سے۔ مگر ابن ماجہ نے آیت کریمہ پڑھنے کا ذکر نہیں کیا۔

کن لوگوں کی گواہی کا اعتبار نہیں؟

(۲۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجُوْزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ وَلَا مَجْلُوْدٍ حَدًّا وَلَا ذِيْ غِمْرٍ عَلٰى اَخِيْهِ وَ لَا ظَنِيْنٍ فِيْ وَلَاءٍ وَلَا قَرَابَةٍ وَ لَا الْقَانِعِ مَعَ اَهْلِ الْبَيْتِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَ يَزِيْدُ بْنُ زِيَادِ الدِّمَشْقِيُّ الرَّاوِيْ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خائن مرد خائن عورت اور جس کو حد ماری گئی ہے اور کینہ رکھنے والے کی اس کے بھائی کے خلاف اور اس شخص کو جو ولاء میں متہم ہے اور قرابت والے کی اور ایک گھر میں قانع رہنے والے کی شہادت اس کے گھر والوں کے خلاف جائز نہیں ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور کہا یہ حدیث غریب ہے اور زید بن زیاد دمشقی راوی منکر الحدیث ہے۔

تشریح: خائن و لا خائنۃ: اس حدیث میں اور اس کے بعد آنے والی دو حدیثوں میں ایسے لوگوں کا بیان ہے جن کی شہادت قبول نہیں ہوتی ہے۔ اسلام کی نظر میں جتنا حاکم کا عادل ہونا ضروری ہے اتنا ہی گواہ کا عادل ہونا بھی ضروری ہے تاکہ صحیح فیصلہ تک پہنچنے کا واسطہ اور وسیلہ بھی صحیح ہو اس حدیث میں ایسے ہی لوگوں کی گواہی کو غیر معتبر قرار دیا گیا ہے جو عدل وانصاف کے معیار پر پورا نہیں اترتے ہیں جیسا خائن مرد اور خائنہ عورت ہے خیانت کا مفہوم عام بھی ہو سکتا ہے کہ جو دنیا اور دین دونوں میں خیانت کرنے والا ہو چونکہ خیانت کی وجہ سے یہ لوگ فاسق ہو گئے اور شہادت کیلئے عادل ہونا ضروری ہے اس لئے ان کی گواہی معتبر نہیں۔

عرف عام میں خائن وہی ہے جو لوگوں کے اموال اور امانت میں خیانت کرتا رہتا ہو اس حدیث کے پیش نظر یہی مفہوم زیادہ واضح ہے بعض نے مطلق فاسق مراد لیا ہے۔ "ولا مجلود حداً" مجلو دجلد سے ہے اور جلد کوڑے کو کہتے ہیں یعنی جن کو حد قذف میں کوڑے لگے ہوں اس قاذف پر جب حد نافذ ہو کر کوڑے لگ جائیں تو اس کے بعد اس کی شہادت معتبر نہیں رہتی ہے۔ شوافع کے ہاں اگر یہ محدود توبہ کرلے تو پھر اس کی گواہی معتبر ہے کیونکہ "الا الذین تابو امن بعد ذلک" کا استثناء "ولا تقبلوا لهم شهادة ابداً" سے ہے تو جب قاذف توبہ کرلے تو اس کی گواہی معتبر ہو جائے گی اگرچہ حد قذف لگی ہو بلکہ تمام حدود کا یہی حکم ہے احناف فرماتے ہیں کہ دیگر حدود کا حکم تو ایسا ہی ہے لیکن حد قذف لگنے کے بعد آدمی ہمیشہ کیلئے مردود الشہادۃ بن جاتا ہے اس لئے توبہ کرنے سے اس کی گواہی معتبر نہیں ہو سکتی اور آیت "الا الذین تابو" کا استثناء "اولئک هم الفاسقون" سے ہے کیونکہ یہ قریب بھی ہے اور شہادۃ نکرہ لا کر عموم کی طرف اشارہ بھی ہے کہ کسی قسم کی گواہی منظور نہیں اور ابدا کے لفظ سے مزید تاکید بھی پیدا کردی ہے اور زیر نظر واضح حدیث بھی ہے لہٰذا محدود فی القذف نے جب اپنی زبان کو کسی پاکدامن عورت پر بہتان میں آلودہ کردیا تو ان کی

سزا یہی ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ان کی زبان کا اعتبار نہ کیا جائے" **ولا ذی غمر** "غمر دشمنی اور بغض وحسد وعداوت کو کہتے ہیں تو اس طرح کینہ وحاسد اور دشمنی کا جذبہ رکھنے والے شخص کی گواہی اپنے کسی مسلمان بھائی پر جائز نہیں ہے خواہ وہ ان کا سگا بھائی ہو یا عام مسلمان ہو کیونکہ دشمنی اور عداوت کا یہ جذبہ اس کو عدالت پر قائم رہنے نہیں دے گا" **ولا ظنین** "ظنین متہم کو کہتے ہیں جیسے" **وما هو علي الغيب بظنين** "آیت بھی اسی معنی میں ہے" **ولاء** "میراث کہا جاتا ہے یعنی ایک غلام جب آزاد ہو جائے اور پھر مر جائے تو اس آزاد کردہ غلام کی میراث اس کے آزاد کرنے والے آقا کی ہے اب اگر کوئی غلام اپنی نسبت میں جھوٹ کہتا ہے کہ مجھے مثلاً حارث نے آزاد کیا ہے حالانکہ لوگ واضح طور پر جانتے ہیں کہ اس کو حارث نے نہیں بلکہ زید نے آزاد کیا ہے تو یہ غلام اس نسبت میں متہم فی الولاء ہے یہ اصل مالک کا حق مارنا چاہتا ہے اس سے یہ فاسق ہو گیا اور فاسق کی گواہی معتبر نہیں ہے لہٰذا ظنین فی الولاء کی گواہی مردود ہے اسی طرح معاملہ ظنین فی القرابۃ کا ہے کہ ایک شخص مثلاً کہتا ہے کہ میں عمر کا بیٹا ہوں حالانکہ لوگ واضح طور پر جانتے ہیں کہ یہ جھوٹ بولتا ہے یہ عمر کا بیٹا نہیں بلکہ بکر کا بیٹا ہے تو اس جھوٹی نسبت سے یہ شخص مردود الشہادۃ ہو گیا لہٰذا ان کی گواہی معتبر نہیں ہے۔

"**ولا القانع مع اهل البيت**" القانع سے مراد ہر ایسا شخص ہے جو کسی کے نان ونفقہ اور اس کے خرچہ پر گزارہ کرتا ہو جیسے خادم ہے نوکر چاکر ہے یا شاگرد ومرید ہے اس کی گواہی اس لئے معتبر نہیں ہے کہ ان دونوں کے مفادات میں اشتراک ہے تو شاید یہ شخص ان مفادات کے پیش نظر گواہی میں جانب داری سے کام لے اور غلط گواہی دیدے۔ احناف فرماتے ہیں کہ انہیں مفادات کے پیش نظر بیوی کی گواہی شوہر کے حق میں معتبر نہیں ہے نہ شوہر کی گواہی بیوی کے حق میں صحیح ہے شوافع حضرات اس کو درست مانتے ہیں۔

(۲۴) **وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَجُوْزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَّلَا خَائِنَةٍ وَّلَا زَانٍ وَّلَا زَانِيَةٍ وَّلَا ذِيْ غِمْرٍ عَلٰى اَخِيْهِ وَرَدَّ شَهَادَةَ الْقَانِعِ لِاَهْلِ الْبَيْتِ.** (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اس نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خائن مرد اور خائن عورت۔ زانی مرد زانیہ عورت اور کینہ ور کی اس کے بھائی کے خلاف گواہی منظور نہیں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گھر کے لوگوں کے ساتھ قناعت کرنے والے کی گواہی نامنظور کردی۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

(۲۵) **وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَجُوْزُ شَهَادَةُ بَدَوِيٍّ عَلٰى صَاحِبِ قَرْيَةٍ** (رواہ ابوداؤد و ابن ماجۃ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا جنگل میں رہنے والے کی گواہی بستی کے رہنے والے پر جائز نہیں ہے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد وابن ماجہ نے۔

تشریح: جنگل میں رہنے والے کی گواہی اس لیے درست نہیں کہ عام طور پر وہ نہ تو شریعت کے احکام کا علم رکھتا ہے اور نہ گواہی دینے کی شرائط وکیفیت کی واقفیت رکھتا ہے اسی طرح اس پر غفلت ونسیان کا غلبہ زیادہ رہتا ہے لہٰذا اگر جنگل میں رہنے والا گواہی کی ذمہ داریوں کا احساس رکھتا ہو اور دینے کی جو شرائط وکیفیات ہیں ان سے واقف ہو نیز عادل اہل شہادت کے زمرے میں آتا ہو تو اس کی گواہی درست ومعتبر ہوگی۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کیا ہے چنانچہ ان کے نزدیک کسی شہری کے حق میں یا اس کے خلاف جنگل میں رہنے والے کی گواہی جائز نہیں ہوگی جب کہ اکثر ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ جنگل میں رہنے والا اگر عادل ہو اور گواہی کے معیار پر پورا اترتا ہو تو شہری کے حق یا اس کے خلاف اس کی گواہی درست ومعتبر ہوگی۔ ان ائمہ کے نزدیک حدیث کے الفاظ لایجوز گویا **لایحسن** کے معنی میں ہیں اور "جنگلی کی گواہی کا جائز نہ ہونا" صفت مذکورہ کے نہ پائے جانے کے ساتھ مقید ہے۔

معاملات ومقدمات میں دانائی وہوشیاری کو ملحوظ رکھو

(۲۶) **وَعَنْ عَوْفِ ابْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بَيْنَ رَجُلَيْنِ فَقَالَ الْمَقْضِيُّ عَلَيْهِ لَمَّا اَدْبَرَ**

حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى يَلُومُ عَلَى الْعَجْزِ وَلٰكِنْ عَلَيْكَ بِالْكَيْسِ فَإِذَا غَلَبَكَ أَمْرٌ فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کے درمیان ایک فیصلہ کیا جس پر فیصلہ کیا گیا تھا جب اس نے پیٹھ پھیری کہنے لگا مجھ کو اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نادانی پر ملامت کرتا ہے تو دانائی کو لازم پکڑ جب تجھ پر کوئی معاملہ غلبہ کرے اس وقت کہہ مجھ کو اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: حسبی اللہ: ملا علی قاری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے غالباً کسی سے قرض لیا تھا اور رسید لکھوادی تھی پھر اس نے قرض واپس کیا مگر یہ غفلت ہوئی کہ واپسی پر کوئی رسید اور ثبوت نہیں بنایا قرض خواہ نے اس پر پھر دعویٰ کیا کہ میرا قرض ادا کرو تم پر اتنا قرض ہے اور یہ رسید ہے اس بیچارے نے جواب میں کہہ دیا کہ میں نے ادا کر دیا ہے اس نے کہا تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ تم نے واپس کیا ہے اس پر مدعی نے مقدمہ جیت لیا اور اس بیچارے نے غم و حسرت اور افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ "حسبی اللہ ونعم الوکیل"۔ "ان اللہ یلوم علی العجز" جب اس شخص نے حسبی اللہ ونعم الوکیل پڑھا تو گویا مخفی طور پر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے مطمئن نہیں ہوا اگر چہ انہوں نے الفاظ میں اس کا اظہار نہیں کیا لیکن معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ کر اشارہ سے اپنے جذبات کا اظہار کیا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضابطے کے طور پر کلام فرمایا: علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر واضح فرمادیا کہ تم پر لازم تو یہ تھا کہ تم اپنے مقدمہ اور اس کے دلائل میں ہوشیار رہتے تمہارا دعویٰ صاف ہوتا تمہارے گواہ ہوتے یا کوئی اور ثبوت ہوتا اب جبکہ تم نے نہ بیان صاف دیا نہ ثبوت فراہم کیا اور مدعی کے سامنے عاجز رہے تو اب حسبی اللہ ونعم الوکیل پڑھتے ہو؟ یہ آیت تو اس وقت پڑھنا چاہیے جب کہ انسان اپنی تمام تدابیر اور تمام احتیاط بروئے کار لے آئے اور پھر عاجز آجائے اور ان پر بچ نکلنے کے تمام راستے بند ہو جائیں تب وہ حسبی اللہ ونعم الوکیل پڑھے اللہ تعالیٰ انسان کو انسان کی نادانی اور عجز و لاپرواہی پر ملامت کرتا ہے لہٰذا ملامت کے ذمہ دار تم خود ہو "الکیس" ہوشیاری، بیداری اور تیزی و طراری کو کہتے ہیں۔

ملزم کو قید کرنا شرعی سزا ہے

(۲۷) وَعَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَبَسَ رَجُلاً فِي تُهْمَةٍ۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ ثُمَّ خَلَّى عَنْهُ۔ (ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت بہز بن حکیم رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ سے اس نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو تہمت میں قید کیا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔ ترمذی اور نسائی نے زیادہ کہا پھر اس کو چھوڑ دیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ.... مدعی اور مدعا علیہ دونوں حاکم کے سامنے موجود رہیں

(۲۸) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَضٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ الْخَصْمَيْنِ يُقْعَدُ انِ بين يَدَيِ الْحَاكِمِ (رواہ احمد و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن زبیر سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ مدعی اور مدعی علیہ کو حاکم کے روبرو بٹھایا جائے۔ (روایت کیا اس کو احمد اور ابوداؤد نے)

كِتَابُ الْجِهَادِ

جہاد کا بیان

جہاد کے معنی:۔ جہد اور جہاد کے لغوی معنی ہیں مشقت اٹھانا اور طاقت سے زیادہ بوجھ لادنا" امام راغب نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ:
الجهاد استفراغ الوسع في مدافعة العدو. "جہاد کا مطلب ہے انتہائی قوت سے حملہ آور دشمن کی مدافعت کرنا۔"
اصطلاح شریعت میں "جہاد" کا مفہوم ہے" کفار کے ساتھ لڑی جانے والی جنگ میں اپنی طاقت خرچ کرنا بایں طور کہ خواہ اپنی جان کو پیش کیا جائے یا اپنے مال کے ذریعہ مدد کی جائے اور خواہ اپنی عقل وتدبیر (یعنی اپنی رائے اور مشوروں کا) تعاون دیا جائے یا محض اسلامی لشکر میں شامل ہو کر اس کی نفری میں اضافہ کیا جائے اور یا ان کے علاوہ کسی بھی طریقے سے دشمنان اسلام کے مقابلے میں اسلامی لشکر کی معاونت وحمایت کی جائے۔

جہاد کا نصب العین:۔ جہاد کا نصب العین یہ ہے کہ دنیا میں ہمیشہ خدا کا بول بالا رہے خدا کی اس سرزمین پر اس کا جھنڈا سربلند اور اس کے باغی منکروں کا دعویٰ سرنگوں رہے۔

جہاد کا حکم:۔ جہاد فرض کفایہ ہے۔ اگر نفیر عام (اعلان جنگ) نہ ہو اور اگر نفیر عام ہو بایں طور پر کہ کفار مسلمانوں کے کسی شہر پر ٹوٹ پڑیں یا اسلامی مملکت کے خلاف جنگ شروع کردیں اور مسلمانوں کی طرف سے جنگ کا عام اعلان کردیا جائے تو اس صورت میں ہر مسلمان پر جہاد فرض عین ہوگا خواہ نفیر کرنے والا (یعنی اعلان جنگ کرنے والا) عادل ہو یا فاسق لہٰذا اس صورت میں دشمنوں کا مقابلہ کرنا اور جہاد میں شرکت کرنا اس شہر اور اس مملکت کے تمام باشندوں پر واجب ہوگا اور ایسے ہی ان لوگوں پر بھی واجب ہوگا جو اس شہر یا مملکت کے قریب رہتے ہوں بشرطیکہ اس شہر یا مملکت کے رہنے والے اپنے شہر اور اپنے ملک کے حفاظت اور دشمنوں کے مقابلہ کرنے کے لیے کافی نہ ہوں یا وہ اپنی جنگی ودفاعی ذمہ داریوں و انجام دینے میں تسلی وسستی کریں اور گنہگار ہوں چنانچہ جس طرح میت کا مسئلہ کہ اس کی تجہیز وتکفین اور نماز جنازہ پہلے اس کے اہل محلہ پر واجب ہے اگر وہ اس کی انجام دہی سے عاجز ہوں تو پھر یہ چیزیں اس کے شہر والوں پر واجب ہوں گی اس طرح جہاد کا بھی مسئلہ کہ جس شہر ملک کے مسلمانوں کو کفار اور دشمنان دین کی جارحیت اور جنگی حملوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو اگر وہ اپنے دفاع سے عاجز ہوں اور دشمنوں کا مقابلہ کرنے میں کوتاہ یا ناکام رہے ہوں تو اس وقت ان کے پڑوسی شہر وملک کے مسلمانوں بلکہ مابین المشرق والمغرب کے تمام مسلمانوں پر واجب ہوگا کہ وہ جہاد میں شریک ہو کر اسلام اور مسلمانوں کے وقار کا تحفظ اور دشمنان دین کا دعویٰ سرنگوں کریں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ.... کون سا جہاد افضل ہے؟

(۱) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ صَامَ رَمَضَانَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ جَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ جَلَسَ فِيْ اَرْضِهِ الَّتِيْ وُلِدَ فِيْهَا قَالُوْا اَفَلَا نُبَشِّرُ بِهِ النَّاسَ قَالَ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ اَعَدَّهَا اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا بَيْنَ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ فَاِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَسْئَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ فَاِنَّهٗ اَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَ اَعْلَى الْجَنَّةِ وَ فَوْقَهٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَ مِنْهُ تَفَجَّرُ اَنْهَارُ الْجَنَّةِ (رواه البخاري)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا نماز قائم کی۔ رمضان کے روزے رکھے اللہ پر لازم ہے کہ اس کو جنت میں داخل کرے خواہ اس نے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا ہو یا اپنے وطن میں بیٹھا رہا جس میں وہ پیدا کیا گیا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کیا ہم اس بات کی لوگوں کو خوشخبری نہ دیں فرمایا جنت میں سو درجے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کیا ہے۔ ہر دو درجوں کے درمیان اس قدر فاصلہ ہے جس قدر زمین و آسمان کا ہے۔ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو فردوس کا سوال کرو۔ کیونکہ وہ اوسط جنت ہے اور اعلیٰ جنت ہے اس کے اوپر رحمن کا عرش ہے اور فردوس سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

تشریح: اس حدیث میں نماز اور روزے کا تو ذکر کیا گیا ہے لیکن حج اور زکوٰۃ کا ذکر نہیں ہے اس کی وجہ اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ دو عبادتیں یعنی نماز اور روزہ دیگر عبادتوں کی نسبت اپنی امتیازی اور برتری شان رکھتی ہیں دوسری یہ کہ ان دونوں عبادات کا تعلق ہر مسلمان سے ہے کہ وہ سب ہی مسلمانوں پر واجب ہیں جب کہ حج اور زکوٰۃ ایسی عبادتیں ہیں جو ہر مسلمان پر واجب نہیں ہیں بلکہ اسی مسلمان پر واجب ہیں جو مالدار صاحب استطاعت ہو۔

''خواہ اپنے گھر وطن میں بیٹھا رہے۔'' اس عبارت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث فتح مکہ کے دن ارشاد فرمائی تھی کیونکہ فتح مکہ کے دن سے پہلے ہجرت ہر مومن پر فرض تھی۔

(۲) وَعَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْقَانِتِ بِآیَاتِ اللّٰهِ لَایَفْتُرُ مِنْ صِیَامٍ وَلَا صَلَاةٍ حَتّٰی یَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ. (متفق علیه)

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال روزے دار قیام کرنے والے اللہ کی آیات پڑھنے والے شخص کی مانند ہے۔ جو روزہ رکھنے نماز پڑھنے سے تھکتا نہیں۔ یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا واپس لوٹ آئے۔ (متفق علیہ)

(۳) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنْتَدَبَ اللّٰهُ لِمَنْ خَرَجَ فِیْ سَبِیْلِهٖ لَایُخْرِجُهٗ اِلَّا اِیْمَانٌ بِیْ وَتَصْدِیْقٌ بِرُسُلِیْ اَنْ اُرْجِعَهٗ بِمَانَالَ مِنْ اَجْرٍ اَوْغَنِیْمَةٍ اَوْاُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ. (متفق علیه)

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص کا ضامن ہے جو اس کی راہ میں جہاد کے لیے نکلا اس کو نہیں نکالا مگر میرے ساتھ ایمان لانے اور میرے پیغمبروں کی تصدیق نے کہ میں اس کو واپس لوٹاؤں گا جبکہ اس کو ثواب اور غنیمت حاصل ہوگی یا اس کو جنت میں داخل کر دوں گا۔ (متفق علیہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ جہاد اور شوق شہادت

(۴) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ لَا اَنَّ رِجَالًا مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَا تَطِیْبُ اَنْفُسُهُمْ اَنْ یَتَخَلَّفُوْا عَنِّیْ وَلَا اَجِدُمَا اَحْمِلُهُمْ عَلَیْهِ مَاتَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِیَّةٍ تَغْزُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوَدِدْتُ اَنْ اُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ ایمانداروں میں سے بہت سے ایسے آدمی ہیں ان کے نفس خوش نہیں ہوتے کہ وہ مجھ سے پیچھے رہیں اور میں سواری نہیں پاتا کہ ان کو سوار کروں میں کسی ایسے لشکر سے پیچھے نہ رہوں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں اس بات کو دوست رکھتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر

مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں۔ (متفق علیہ)

تشریح: اس ارشاد گرامی سے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بے پناہ جذبہ جہاد اور شوق شہادت کا اظہار ہوتا ہے وہیں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں کفار سے جتنی بھی جنگیں ہوئیں آپ چند کے علاوہ اور سب میں بنفس نفیس شریک کیوں نہ ہوئے۔ چنانچہ آپ نے اس کی علت بیان فرمائی کہ میں کفار سے جنگ کرنے کے لیے جانے والے ہر لشکر اور ہر فوج میں اس لیے شریک نہیں ہوتا کہ اگر میں جنگ میں شریک ہونے کے لیے ہر لشکر کے ہمراہ جاؤں تو یقیناً وہ بہت سے مسلمان جو نادار اور بے سروسامان ہونے کی وجہ سے اپنی سواریاں نہیں رکھتے جنگ میں شریک ہونے سے محروم بھی رہ جائیں گے اور میری جدائی کا غم بھی اٹھائیں گے۔ اور خود میں اتنی سواریوں کا انتظام کرنے پر قادر نہیں ہوں کہ ان پر سب مسلمانوں کو سوار کر کے اپنے ہمراہ لے جاؤں' اس لیے اگر مجھے یہ لحاظ نہ ہو کہ بہت سے مسلمان جنگ میں شریک ہونے سے محروم رہ جانے اور پھر مجھ سے جدا ہو جانے کی وجہ سے افسردہ دل اور شکستہ خاطر ہوں گے اور وہ اس کا بہت زیادہ غم محسوس کریں گے تو میرے اندر جہاد کا جذبہ اور اللہ کی راہ میں شہید ہو جانے کا شوق اتنا زیادہ ہے کہ میں کسی بھی لشکر کے ہمراہ جانے سے باز نہیں رہنا چاہتا اور اس بات کو بہت زیادہ پسند کرتا ہوں کہ میں بار بار زندہ کیا جاؤں اور ہر بار خدا کی راہ میں مارا جاؤں۔

جہاد میں معمولی درجہ کی شرکت بھی دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر

(۵) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِبَاطُ يَوْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَ مَاعَلَيْهَا (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں ایک دن چوکیداری کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: ''رباط یوم'' یہ ارتباط سے ہے جو باندھنے کے معنی میں آتا ہے کیونکہ سرحدات اسلامیہ پر پہرہ دینے والا شخص بھی اپنے گھوڑے اور اپنے آپ کو سرحد پر باندھ کر پہرہ دیتا ہے قرآن کی آیت وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ اور آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا سے رباط ماخوذ ہے۔ احادیث میں رباط کی بڑی فضیلتیں مذکور ہیں۔

اسلامی ملک کی سرحدات پر پہرہ دینے اور کفار کی سرحدات پر نظر رکھنے کا نام رباط ہے۔ یہاں احادیث میں ایک لفظ ''حراسة'' کا بھی آیا ہے جو چوکیداری کے معنی میں ہے حراسہ اور رباط میں اتنا فرق ہے کہ حراسہ اس چوکیداری کو کہتے ہیں جو اندرون ملک میں ہو اور رباط اس پہرہ کو کہتے ہیں کہ جو کافر ملک کی سرحدات پر نگاہ رکھنے اور اسلامی ملک کی سرحدات کی حفاظت کیلئے ہو لہٰذا دو مسلمان ملکوں کے درمیان سرحدات پر جو پہرہ دیا جاتا ہے رباط کی فضیلت اس کو حاصل نہیں ہے اسی طرح تبلیغی اجتماعات میں چوکیداری کرنے پر رباط کی احادیث کو چسپاں کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کیلئے حراسہ کی احادیث کی فضیلت حاصل ہو سکتی ہے لغوی طور پر رباط کا اطلاق کبھی کبھی دیگر اعمال پر بھی ہوا ہے مگر وہ اصطلاحی رباط نہیں ہے۔

''من الدنیا'' اس جملہ کے دو مفہوم ہیں۔ پہلا مفہوم یہ ہے کہ دنیا کی تمام نعمتوں اور اس کے سارے ساز و سامان سے رباط میں ایک دن کا پہرہ بہتر ہے کیونکہ آخرت کا ثواب باقی ہے دنیا کی نعمتیں فانی ہیں۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ دنیا کی ساری دولت کو اگر اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا جائے اور بڑا ثواب مل جائے رباط میں ایک دن کا ثواب اس سے بہتر اور بڑھ کر ہے۔ اس طرح کا جملہ جہاں بھی استعمال ہوا ہو اس کے بھی یہی دو مفہوم بیان کئے جا سکتے ہیں جس طرح آنے والی حدیث میں یہی جملہ آیا ہے۔

(۶) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَغَدْوَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَافِيْهَا (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام جانا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص محض ایک صبح کے لیے یا ایک شام کے لیے بھی جہاد میں شریک ہوا تو اس پر اس کو جو اجر ملے گا اور اس کی جو فضیلت حاصل ہوگی وہ دنیا کے تمام نعمتوں سے بہتر ہے کیونکہ دنیا کی تمام نعمتیں فنا ہو جانے والی ہیں اور آخرت کی نعمت باقی رہنے والی ہے۔

جہاد میں ایک دن اور ایک رات کی چوکیداری ایک مہینے کے روزے اور شب بیداری سے بہتر ہے

(۷) وَعَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ رِبَاطُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَ قِيَامِهِ وَ إِنْ مَاتَ جَرٰى عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِيْ كَانَ يَعْمَلُهُ وَاُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ وَ اَمِنَ الْفَتَّانَ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے ایک دن ایک رات اللہ کی راہ میں چوکیداری کرنا ایک مہینہ کے روزوں اور قیام سے بہتر ہے اگر مر جائے اس عمل کا ثواب جاری رہتا ہے جس کو وہ کرتا تھا۔ اس کا رزق اس پر جاری کیا جاتا ہے اور منکر نکیر کے خوف سے امن میں رہتا ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

جہاد میں شرکت، دوزخ سے محفوظ رکھنے کی ضامن ہے

(۸) وَعَنْ اَبِيْ عَبْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اغْبَرَّتْ قَدَمَا عَبْدٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَمَسَّهُ النَّارُ (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو عبس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بندے کے دو قدم اللہ کی راہ میں گرد آلود نہیں ہوتے پھر اس کو آگ پہنچے۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

کافر کو مارنے والے مجاہد کے بارے میں ایک خاص بشارت

(۹) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَجْتَمِعُ كَافِرٌ وَقَاتِلُهُ فِي النَّارِ اَبَدًا. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کافر اور اس کا قتل کرنے والا کبھی دوزخ میں جمع نہیں ہوں گے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: "لا یجتمع" جہاد کرنے اور کافروں سے لڑنے اور انہیں قتل کرنے کی ترغیب اس حدیث میں دی گئی ہے کیونکہ جو آدمی جہاد میں جاتا ہے تو کسی کافر کو قتل کرنے کی نوبت بھی آجاتی ہے اگر کسی نے اس طرح کافر کو مار دیا تو کافر دوزخ میں جائے گا اور مجاہد جنت میں جائے گا یہ نہیں ہو سکتا کہ اس قتل کی وجہ سے مجاہد دوزخ میں جائے اور دونوں دوزخ میں اکٹھے ہو جائیں۔ قرآن عظیم میں ۹ ے صیغے ایسے استعمال ہوئے ہیں جن میں کافروں سے قتال کرنے کو مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے قرآن عظیم کے حکم کو دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کافروں کو قتل کرنے کا ثواب کمایا ہے بعض میدانوں میں ایک ایک لاکھ کفار کو واصل جہنم کیا ہے۔ قرآن کریم کے حکم کے ساتھ ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر صحابہ کرام نے کفار کو قتل کیا ہے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے میدان میں ایک کافر کو قتل کیا ہے جس کا نام ابی بن خلف تھا۔ لہٰذا یہ فلسفہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ کفار کو قتل نہ کرو کیونکہ وہ دوزخ میں چلے جائیں گے یہ گویا قتل کرنے والے نے اس کو دوزخ میں پہنچا دیا۔ ان سے گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے زیادہ رحم کرنے والے نہ بنو خراب ہو جاؤ گے۔ بہر حال اس حدیث میں کافر کو میدان جنگ میں قتل کرنے والے مسلمان کیلئے جنت کی بشارت ہے۔

بہترین زندگی کون سی ہے؟

(۱۰) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خَيْرِ مَعَاشِ النَّاسِ لَهُمْ رَجُلٌ مُمْسِكٌ عِنَانَ فَرَسِهِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَطِيْرُ عَلٰى مَتْنِهِ كُلَّمَا سَمِعَ هَيْعَةً اَوْفَزْعَةً طَارَعَلَيْهِ يَبْتَغِي الْقَتْلَ وَالْمَوْتَ مَظَانَّهُ اَوْرَجُلٌ فِيْ غُنَيْمَةٍ فِيْ رَأْسِ شَعَفَةٍ مِنْ هٰذِهِ الشَّعَفِ اَوْبَطْنِ وَادٍ مِنْ هٰذِهِ الْاَوْدِيَةِ يُقِيْمُ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتِي الزَّكٰوةَ وَيَعْبُدُ رَبَّهُ حَتّٰى يَأْتِيَهُ الْيَقِيْنُ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ اِلَّا فِيْ خَيْرٍ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں سے بہترین زندگی اس شخص کی ہے جواللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے ہے۔ جب کوئی ڈراور خوف کی آواز سنتا ہے گھوڑے کی پشت پر بیٹھ کراس طرف اڑ پڑتا ہے قتل ہونے کو تلاش کرتا پھرتا ہےاور موت کے گمان کی جگہ میں مرنا ڈھونڈتا ہے یا وہ آدمی ہے جوان پہاڑ کی چوٹیوں میں سے کسی ایک چھوٹی میں اپنی چند بکریاں لیکر زندگی بسر کررہا ہےاوران وادیوں میں سے کسی ایک وادی میں نماز قائم کرتا ہے زکوٰۃ ادا کرتا ہے اپنے رب کی بندگی کرتا ہے اپنے رب کی بندگی کرتا ہے یہاں تک کہ اس کو موت آجائے نہیں ہے لوگوں میں مگر بھلائی کے ساتھ۔(روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص دنیا والوں سے الگ تھلگ رہ کران کی برائیوں اوران کے فتنہ وشر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتا ہے اوراپنے فتنہ وشر سے دنیا والوں کو بچاتا ہے۔اس حدیث کا حاصل دراصل دشمنان دین کے مقابلہ پر جہاد اپنے نفس وشیطان سے مجاہدہ اور دنیا کی فانی لذتوں اور نفس کی باطل خواہشات وشہوات سے اجتناب کی طرف راغب کرتا ہے نیز اس بات کی آگاہی دیتا ہے کہ اگر دین کی تائید اور شریعت کی تقویت کے لیے لوگوں کے درمیان رہن سہن اختیار کرے تو بہتر ہے ورنہ (اگر دنیا والوں کے درمیان رہنے سے دین و شریعت کو نقصان پہنچنے اور ایمان کے کمزور ہوجانے کا خوف ہو) تو گوشہ عافیت اختیار کرے۔

گوشہ گزینی افضل ہے یا مخالطت؟:۔امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ان لوگوں کے مسلک کی دلیل ہے جو مخالطت (یعنی دنیا والوں کے درمیان رہن سہن پر گوشہ گزینی کو فضیلت دیتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مشہور اختلافی اقوال یہ ہیں کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اور اکثر علماء کے نزدیک اختلاط (یعنی دنیا والوں کے درمیان رہنا سہنا) افضل ہے بشرطیکہ (دین میں) فتنہ فساد سے محفوظ و مامون رہنے کی امید ہو جب کہ زاہدان طریقت کی ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ دنیا والوں سے کنارہ کشی کر کے گوشہ گزینی اختیار کرنا افضل ہے۔انہوں نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے لیکن جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث یا تو فتنوں سے بھرپور زمانہ پر محمول ہے۔یا اس کے علاوہ اس کا تعلق اس شخص سے ہے جو لوگوں کی ایذاء پر صبر نہ کرسکتا ہو یا لوگ خود اس کی وجہ سے سلامت نہ رہتے ہوں' پھر ان کی سب سے بڑی دلیل یہ کہ انبیاء صلوات اللہ علیہم اکثر صحابہ کرام' تابعین عظام' علماء ومشائخ اور زاہدان طریقت کا معمول یہی رہا ہے کہ انہوں نے دنیا سے کنارہ کشی اور گوشہ نشینی سے احتراز کر کے اسی دنیا میں اوراسی دنیا والوں کے درمیان رہن سہن کو اختیار کیا اوراس کے ذریعہ وہ بہت سارے دینی فوائد حاصل کرتے رہے جو گوشہ گزینی کی صورت میں ناممکن الحصول تھے جیسے نماز جمعہ و جماعت نماز جنازہ اور عیادت مریض وغیرہ وغیرہ۔

مجاہد کا سامان تیار کرنیوالے اور مجاہد کے اہل وعیال کی نگہبانی کرنیوالے کی فضیلت

(۱۱) وَعَنْ زَيْدِ ابْنِ خَالِدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَدْ غَزَا وَمَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِيْ اَهْلِهِ فَقَدْ غَزَا. (متفق علیه)

ترجمہ: زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کا جس نے سامان درست کیا اس نے جہاد کیا۔جو غازی کے گھر میں اس کا خلیفہ رہا اس نے بھی جہاد کیا۔(متفق علیہ)

مجاہدین کی عورتوں کے احترام کا حکم

(۱۲) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُرْمَةُ نِسَاءِ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ كَحُرْمَةِ أُمَّهَاتِهِمْ وَ مَامِنْ رَجُلٍ مِنَ الْقَاعِدِيْنَ يَخْلُفُ رَجُلاً مِنَ الْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ اَهْلِهٖ فَيَخُوْنُهٗ فِيْهِمْ اِلاَّ وَقَفَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَاْخُذُ مِنْ عَمَلِهٖ مَاشَاءَ فَمَاظَنُّكُمْ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاد کرنے والوں کی عورتوں کی حرمت بیٹھ رہنے والوں پر ان کی ماؤں کی طرح ہے۔ بیٹھنے والوں میں کوئی آدمی نہیں جو جہاد کرنے والوں میں سے کسی شخص کا خلیفہ بنتا ہے اس کے اہل میں پس اس کی خیانت کرتا ہے مگر قیامت کے دن اس کے سامنے کھڑا کیا جائے گا پس وہ اس کے عملوں سے جو چاہے گا لے لے گا۔ پس تمہارا کیا خیال ہے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: "الا وقف له" یعنی اس خیانت کرنے والے کو مجاہد کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور وہ اس کی جتنی نیکیاں لینا چاہے گا لے سکے گا"

فما ظنکم "یعنی تمہارا کیا خیال ہے کہ قیامت کے دن اس ضرورت کے موقع پر مجاہد اس کی کسی نیکی کو چھوڑے گا؟ نہیں بلکہ سب کچھ لے لے گا یا اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ خائن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی تمام نیکیاں مجاہد کو دلوائے گا۔ کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں تمہیں کوئی شک ہے؟ ایسا خیال اور شک نہ کرو۔ بہر حال اس حدیث میں مجاہدین کی بہت بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے جس کا دائرہ اس کے خاندان اور کنبہ تک پھیلتا جا رہا ہے کہ مجاہدین کی بیویوں کا احترام عام مسلمانوں پر اس طرح لازم ہے جس طرح اپنی ماؤں کا احترام لازم ہے حدیث کی اس تعلیم کے بعد ہر مسلمان کو سوچنا چاہیے کہ ان کے قول و فعل سے اگر کسی مجاہد کی تحقیر و توہین ہوگئی تو وہ جرم کتنا سنگین ہوگا جب مجاہدین کی بیویوں کا یہ مقام ہے تو خود مجاہدین کا کیا مقام ہوگا؟

جہاد میں مالی مدد کرنے کی فضیلت

(۱۳) وَعَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ بِنَاقَةٍ مَخْطُوْمَةٍ فَقَالَ هٰذِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعُ مِائَةِ نَاقَةٍ كُلُّهَا مَخْطُوْمَةٌ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاری سے روایت ہے کہا ایک آدمی مہار کی ہوئی اونٹنی لایا اور کہا یہ اللہ کی راہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن تجھ کو اس کے بدلہ میں سات سو اونٹنیاں ملیں گی سب کو مہار ڈالی گئی ہوگی۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: "مخطومة" خطام سے ہے جو لگام اور مہار کے معنی میں ہے یعنی لگام پڑی اونٹنی۔

"سبعماۃ" یعنی اس ایک اونٹنی کے بدلے میں اللہ تعالیٰ سات سو اونٹنیاں عطاء فرمائیگا۔ یہ حدیث اسی حدیث کی طرح ہے جس میں آیا ہے کہ جو شخص گھر میں بیٹھا ہو مگر اس نے جہاد کے میدان کیلئے ایک روپیہ بھیج دیا تو اللہ تعالیٰ اس کو سات سو روپیہ کا ثواب عطا کرے گا۔

مجاہد کے گھربار کی نگہبانی کرنے کی فضیلت

(۱۴) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا اِلٰى بَنِيْ لِحْيَانَ مِنْ هُذَيْلٍ فَقَالَ لِيَنْبَعِثْ مِنْ كُلِّ رَجُلَيْنِ اَحَدُهُمَا وَالْاَجْرُ بَيْنَهُمَا. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو لحیان کی طرف ایک لشکر بھیجنے کا ارادہ کیا فرمایا دو آدمیوں میں ایک جائے اور ثواب مشترک ہوگا۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ جو لوگ جہاد میں جائیں گے ان کو تو جہاد کا ثواب ملے ہی گا لیکن جو لوگ اپنے گھروں پر رہ کر مجاہدین کے گھر بار کی نگرانی اور ان کے اہل وعیال کی پرورش و دیکھ بھال کریں گے۔ تو ان کو بھی مجاہدین جیسا ثواب ملے گا۔

ہمیشہ امت محمدی کی کوئی نہ کوئی جماعت برسر جہاد رہے گی

(۱۵) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يَبْرَحَ هٰذَا الدِّيْنُ قَائِمًا يُقَاتِلُ عَلَيْهِ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا مسلمانوں کی ایک جماعت ہمیشہ لڑتی رہے گی یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ عبارت یقاتل علیہ الخ جملہ مستانفہ ہے جس کا مقصد پہلی عبارت کی وضاحت کرنا ہے اس طرح حاصل یہ ہوگا کہ یہ دین اسی سبب سے قائم رہے گا کہ مسلمانوں میں سے کوئی نہ کوئی جماعت اور کوئی نہ کوئی قوم ہمیشہ دین کے دشمنوں سے لڑتی رہے گی اور خدا کے باغیوں کا دعویٰ سرنگوں کرتی رہے گی۔

خدا کی راہ میں زخمی ہونے والا مجاہد قیامت کے دن اسی حال میں اٹھے گا

(۱۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُكْلَمُ اَحَدٌ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَنْ يُكْلَمُ فِیْ سَبِيْلِهٖ اِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجُرْحُهٗ يَثْعَبُ دَمًا اللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ وَالرِّيْحُ الْمِسْكُ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں کوئی شخص زخمی نہیں کیا جاتا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو اس کی راہ میں زخمی ہوتا ہے مگر قیامت کے دن آئے گا اس حال میں کہ اس زخم سے خون بہتا ہوگا۔ رنگ خون کا ہوگا اور بو مشک کی ہوگی۔ (متفق علیہ)

تشریح: "لا یکلم" باب نصر و ضرب سے مجہول کا صیغہ ہے زخم لگنے کے معنی میں ہے "ای لا یجرح"۔ "یثعب" یہ فتح سے ہے زخم سے فوارہ کی طرح خون بہنے کو کہتے ہیں ایک روایت میں یتفجر کا لفظ ہے جو اس معنی کی تائید کرتا ہے۔ بہرحال مجاہد کے زخم سے قیامت کے روز خون بہنے کی حکمت یہ ہے کہ گویا یہ خون مجاہد کی قربانی پر بطور گواہ موجود ہوگا اور ان کی فضیلت پر علامت ہوگی گویا مجاہد بزبان حال کہہ رہا ہے۔

میرے رستے ہوئے زخموں کو دکھا کر کہنا ایسے تمغوں کے طلبگار یہاں اور بھی ہیں

اس حدیث میں اخلاص کی طرف اشارہ ہے کہ راہ جہاد میں بے ریا مخلص مجاہد کون ہوتا ہے اور ریا کار کون ہوتا ہے۔

شہادت کی فضیلت

(۱۷) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ اَنْ يَّرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا وَلَهٗ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا الشَّهِيْدُ يَتَمَنّٰی اَنْ يَّرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِمَا يَرٰی مِنَ الْكَرَامَةِ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ایسا شخص نہیں جو جنت میں داخل ہو اس بات کو پسند کرے کہ دنیا کی طرف لوٹے اور ان کے لیے وہ چیز ہو جو دنیا میں ہے۔ مگر شہید آرزو کرے گا کہ دنیا کی طرف لوٹے اور دس بار مارا جائے اس لیے کہ وہ شہادت کا ثواب دیکھتا ہے۔ (متفق علیہ)

شہداء کی حیات بعد الموت کے بارے میں آیت کریمہ کی تفسیر

(۱۸) وَعَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَأَلْنَا عَبْدَاللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ عَنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ الْاٰيَةَ قَالَ اَمَا اِنَّا قَدْ سَأَلْنَا عَنْ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَرْوَاحُهُمْ فِيْ اَجْوَافِ طَيْرٍ خُضْرٍ لَهَا قَنَادِيْلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ ثُمَّ تَأْوِيْ اِلٰى تِلْكَ الْقَنَادِيْلِ فَاطَّلَعَ اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ اِطِّلَاعَةً فَقَالَ هَلْ تَشْتَهُوْنَ شَيْئًا قَالُوْا اَيَّ شَيْءٍ نَشْتَهِيْ وَنَحْنُ نَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْنَا فَفَعَلَ ذٰلِكَ بِهِمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَلَمَّا رَاَوْا اَنَّهُمْ لَنْ يُتْرَكُوْا مِنْ اَنْ يَسْئَلُوْا قَالُوْا يَا رَبِّ نُرِيْدُ اَنْ تَرُدَّ اَرْوَاحَنَا فِيْ اَجْسَادِنَا حَتّٰى نُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِكَ مَرَّةً اُخْرٰى فَلَمَّا رَاٰى اَنْ لَيْسَ لَهُمْ حَاجَةٌ تُرِكُوْا. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ہم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا اور نہ خیال کر ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں مردہ بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے ہاں رزق دیئے جاتے ہیں آخر آیت تک۔ اس نے کہا ان کی روحیں سبز پرندوں کے شکموں میں ہیں عرش کے نیچے ان کے لیے قندیلیں لٹکائی گئی ہیں جہاں سے چاہتے ہیں جنت کے میوے کھاتے ہیں پھر ان قندیلوں کی طرف ٹھکانا پکڑتے ہیں۔ ان پروردگار ان کی طرف جھانکا فرمایا تم کسی بات کی خواہش رکھتے ہو انہوں نے کہا ہم کس چیز کی خواہش رکھیں جبکہ ہم جہاں سے چاہتے ہیں جنت کے میوے کھاتے ہیں تین مرتبہ اللہ تعالیٰ اس طرح فرمائے گا جب وہ دیکھیں گے کہ ان کو چھوڑا نہیں جار ہا پوچھنے سے کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم چاہتے ہیں کہ تو ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں واپس لوٹا دے یہاں تک کہ ہم ایک مرتبہ اور تیری راہ میں مارے جائیں۔ جب اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ ان کو کچھ حاجت نہیں ہے چھوڑے جاتے ہیں۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: "ارواحهم فی اجواف طیر" اجواف جوف کی جمع ہے پرندہ کے پوٹے کو کہتے ہیں جہاں ابتدائی طور پر غذا جمع ہو جاتی ہے جو پرندہ کے چونچ کے نیچے ابھرا ہوا حصہ ہوتا ہے جس کیلئے دوسری روایات میں حواصل کا لفظ آیا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے پوٹوں میں رکھنا شہداء کے اکرام واحترام کے طور پر ہے اس حدیث کی دلالۃ النص سے حیات شہداء ثابت ہوتی ہے اور اشارۃ النص سے حیات انبیاء ثابت ہوتی ہے کیونکہ شہداء سے انبیاء کا مقام بلند و بالا ہے لہٰذا ان کی حیات کا ثبوت بطریق اولیٰ ہے۔ یہاں اس مسئلہ کی تفصیل مقصود نہیں البتہ اس حدیث سے پیدا شدہ ایک سوال اور اس کا جواب لکھا جاتا ہے۔

سوال:۔ اس حدیث سے ہندو اور چین کے کچھ لوگ عقیدہ تناسخ (آواگان) ثابت کرتے ہیں۔ تناسخ کا مطلب ان کے ہاں یہ ہے کہ اس دنیا میں جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کی روح کسی اور حیوان میں منتقل ہو جاتی ہے اگر مرنے والا نیک اور اچھا آدمی تھا تو اس کی روح بادشاہ یا کسی حاکم کے جسم میں منتقل ہو جاتی ہے جس کے ذریعہ سے یہ روح مزے اڑاتی ہے اور یہی اس کی جنت ہے اور اگر مرنے والا آدمی برا تھا تو اس کی روح گدھے یا کتے یا کسی ذلیل حیوان میں جاتی ہے لوگ اس کو مارتے ہیں ستاتے ہیں جس سے یہ روح ذلیل ہو جاتی ہے یہی اس کی جہنم اور دوزخ ہے۔ سوال یہ ہے کہ آیا اس حدیث سے یہ عقیدہ ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ان سب لوگوں کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ اس حدیث کا تعلق آخرت سے ہے کہ آخرت میں یہ ارواح پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں اور جو لوگ تناسخ کے قائل ہیں وہ دنیا میں مرنے والے کی روح کو کسی اور کے اندر داخل ہونے کے قائل ہیں آخرت کو تو وہ لوگ مانتے نہیں ہیں پھر آخرت والی حدیث سے استدلال کیسے کرتے ہیں؟

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ طیر خضر شہداء کی ارواح کے لئے بطور ظرف وصندوق ہیں نہ یہ کہ ان ارواح نے طیور کے قالب وجسم میں حلول کیا ہے اس کی مثال اس طرح ہے کہ ایک شخص نے موتی کو صندوق میں رکھ دیا تو یہ صندوق موتی کے لئے ظرف ہے نہ یہ کہ موتی نے صندوق میں حلول کیا ہے۔

تفہیم وتسہیل کیلئے تیسرا جواب یوں سمجھ لیں کہ یہاں طیر خضر کی جو تعبیر ہے یہ جنت کی سواریوں میں سے کسی سواری کی طرف اشارہ ہے مثلاً بجلی کا پڑ ہے اس میں آدمی بیٹھ کر مختلف اطراف کی طرف اڑ کر جاتا ہے پھر واپس اپنے ٹھکانے پر آتا ہے بجلی کا پڑ کا سامنے والا حصہ بالکل پرندہ کے پونے کی طرح ہے شیشہ میں سب کچھ سیر وتفریح ہوتی ہے تو یہاں بھی طیر خضر سبز پرندوں سے جنت کے سبز بجلی کا پڑ مراد ہو سکتے ہیں۔

"فاطلع" نظر اور تجلی کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جھانک کر انہیں ایسا دیکھا جو اللہ کے شایان شان ہو۔ "رؤا" یعنی شہداء نے جب دیکھا "لن یترکوا" مجہول کا صیغہ ہے یعنی شہدا نے دیکھا کہ انہیں سوال کئے بغیر نہیں چھوڑا جاتا ہے۔ "ان یسالوا" یعنی کہ یہ شہداء اللہ تعالیٰ سے سوال کر کے کچھ مانگیں یہ معلوم کا صیغہ ہے۔ "ترکوا" مجہول کا صیغہ ہے یعنی جب یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ لوگ کچھ مانگنے والے نہیں ہیں تو ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

جہاد، حقوق العباد کے علاوہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے

(۱۹) وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِيْهِمْ فَذَكَرَ لَهُمْ اَنَّ الْجِهَادَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْاِيْمَانَ بِاللّٰهِ اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِيْ سَبِيْلِ يُكَفِّرُ عَنِّيْ خَطَايَايَ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ اِنْ قُتِلْتَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ قُلْتَ فَقَالَ اَرَاَيْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَيُكَفِّرُ عَنِّيْ خَطَايَايَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَاَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ اِلَّا الدَّيْنَ فَاِنَّ جِبْرِيْلَ قَالَ لِيْ ذٰلِكَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور اس کے ساتھ ایمان لانا سب اعمال سے افضل ہے ایک آدمی کھڑا ہوا اس نے کہا اے اللہ کے رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں اگر میں اللہ کی راہ میں جہاد کروں میرے سب گناہ مجھ سے دور کر دیئے جائیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اگر تو اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جائے جبکہ تو صبر کرنے والا اور طالب ثواب ہو آگے کی طرف توجہ کرنے والا ہو پیٹھ پھیرنے والا نہ ہو۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے کیا کہا ہے اس نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم خبر دیں اگر میں اللہ کی راہ میں جہاد کروں کیا میرے گناہ مجھ سے دور کر دیئے جائیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں جبکہ تو صبر کرنے والا ہو طالب ثواب ہو۔ متوجہ ہو۔ پیٹھ پھیرنے والا نہ ہو مگر قرض معاف نہیں ہوگا جبرئیل علیہ السلام نے مجھ کو یہ بات کہی ہے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: ایمان کا سب سے بہتر عمل ہونا تو ظاہر ہی ہے اس کے لیے کسی توضیح وتشریح کی ضرورت نہیں ہے۔ رہی جہاد کی بات تو اس عمل (یعنی جہاد) کو اس اعتبار سے سب سے بہتر عمل فرمایا گیا ہے کہ تمام نیک اعمال میں یہی ایک عمل ایسا ہے جس کے ذریعہ اعلاء کلمۃ اللہ (اللہ کے دین کو سربلند کرنے) کا فریضہ سرانجام پاتا ہے خدا کے باغیوں اور دین کے دشمنوں کی بیخ کنی ہوتی ہے جان ومال کی قربانی پیش کی جاتی ہے اور مختلف قسم کی تکلیفیں مشقتیں اور پریشانیاں برداشت کرنا پڑتی ہیں گویا یہ اعمال اللہ کے حضور میں اور اس کی راہ میں بندے کے جذبہ عبودیت اور بندگی اور کمال ایثار وقربانی کا سب سے بڑا مظہر ہوتا ہے اور جو دوسری احادیث میں نماز کو سب سے بہتر عمل فرمایا گیا ہے تو وہ اس اعتبار سے ہے کہ نماز ہی ایک ایسا عمل ہے جس میں مداومت وہمیشگی ہے اور جو ایک عمل ہونے کے باوجود عبادات کثیرہ پر مشتمل ہے۔

''مگر دین'' کے بارے میں علامہ تورپشتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہاں ''دین'' سے مراد ''مسلمانوں کے حقوق'' ہیں لہٰذا اس ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ جہاد سے حقوق العباد کے علاوہ تمام گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں۔

(۲۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْقَتْلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُكَفِّرُ كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا الدَّيْنَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اللہ کے راستے میں شہید ہونا ہر چیز کے لیے کفارہ بن جاتی ہے سوائے قرض کے روایت کیا اس کو مسلم نے۔

وہ قاتل و مقتول جو جنت میں جائیں گے

(۲۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَضْحَکُ اللّٰهُ تَعَالٰی رَجُلَیْنِ یَقْتُلُ اَحَدُهُمَا الْاٰخَرَ یُدْخَلَانِ الْجَنَّةَ یُقَاتِلُ هٰذَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیُقْتَلُ ثُمَّ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَی الْقَاتِلِ فَیُسْتَشْهَدُ. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ دو شخصوں سے ہنستا ہے جو ایک دوسرے کو قتل کرتا ہے اور دونوں جنت میں داخل ہو جاتے ہیں ایک شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے پس قتل کیا جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ قاتل پر رجوع کرتا ہے وہ شہید کر دیا جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

شہادت کی طلب صادق کی فضیلت

(۲۲) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ حُنَیْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَاَلَ اللّٰهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَ اِنْ مَاتَ عَلٰی فِرَاشِهٖ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے صدق دل سے شہادت مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو شہدا کے مراتب پر پہنچا دے گا اگرچہ وہ اپنے بستر پر مرے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

شہداء کا مسکن فردوس اعلیٰ ہے

(۲۳) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ الرُّبَیِّعَ بِنْتَ الْبَرَاءِ وَ هِیَ اُمُّ حَارِثَةَ بْنِ سُرَاقَةَ اَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ اَلَا تُحَدِّثُنِیْ عَنْ حَارِثَةَ وَ کَانَ قُتِلَ یَوْمَ بَدْرٍ اَصَابَهٗ سَهْمٌ غَرْبٌ فَاِنْ کَانَ فِی الْجَنَّةِ صَبَرْتُ وَ اِنْ کَانَ غَیْرَ ذٰلِکَ اجْتَهَدْتُ عَلَیْهِ فِی الْبُکَاءِ فَقَالَ یَا اُمَّ حَارِثَةَ اِنَّهَا جِنَانٌ فِی الْجَنَّةِ وَ اِنَّ ابْنَکِ اَصَابَ الْفِرْدَوْسَ الْاَعْلٰی (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ربیع بنت براء رضی اللہ عنہا جو حارثہ بن سراقہ کی والدہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا اے اللہ کے نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو حارثہ کے متعلق نہیں بتلاتے اور وہ بدر کی لڑائی میں شہید ہو گیا تھا اس کو اجنبی تیر لگا تھا اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کروں اور اگر وہ اس کے علاوہ میں ہے میں رونے کی کوشش کرتی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ام حارثہ جنت میں بہت سے باغ ہیں اور تیرا بیٹا فردوسِ اعلیٰ میں ہے۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

شہید کی منزل جنت ہے

(۲۴) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ حَتّٰی سَبَقُوا الْمُشْرِکِیْنَ اِلٰی بَدْرٍ وَجَاءَ الْمُشْرِکُوْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قُوْمُوْا اِلٰی جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ قَالَ عُمَیْرُ بْنُ الْحُمَامِ بَخٍ بَخٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا یَحْمِلُکَ عَلٰی قَوْلِکَ بَخٍ بَخٍ قَالَ لَا وَاللّٰهِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا رَجَاءَ اَنْ اَکُوْنَ مِنْ اَهْلِهَا قَالَ فَاِنَّکَ مِنْ اَهْلِهَا قَالَ فَاَخْرَجَ تَمَرَاتٍ مِنْ قَرَنِهٖ فَجَعَلَ یَاْکُلُ مِنْهُنَّ ثُمَّ قَالَ لَئِنْ اَنَا حَیِیْتُ حَتّٰی اٰکُلَ تَمَرَاتِیْ اِنَّهَا لَحَیَاةٌ طَوِیْلَةٌ قَالَ فَرَمٰی بِمَا کَانَ مَعَهٗ مِنَ التَّمْرِ ثُمَّ قَاتَلَهُمْ حَتّٰی قُتِلَ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم چلے یہاں تک کہ بدر کی طرف مشرکوں سے سبقت لے گئے اور مشرک آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس جنت کی طرف اٹھ کھڑے ہو جس کا عرض آسمان وزمین کی مانند ہے عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ کہنے لگا خوب خوب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھ کو خوب خوب کہنے پر کس بات نے اکسایا ہے کہنے لگا کوئی اور بات نہیں اے اللہ کے رسول مگر میں یہ امید رکھتا ہوں کہ میں اس کے اہل سے ہو جاؤں آپ نے فرمایا تو اہل جنت سے ہے۔ راوی نے کہا اس نے اپنے ترکش سے کھجوریں نکالیں اور کھانے لگا پھر کہا اگر میں کھجوروں کے کھانے تک زندہ رہا یہ تو بڑی لمبی زندگی ہے۔ راوی نے کہا اس کے پاس جو کھجوریں تھیں وہ اس نے پھینک دیں پھر کافروں سے قتال کیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: "قوموا الی جنة" یعنی جنت کے دروازہ میں داخل ہونے کے لئے کھڑے ہو جاؤ ایسی جنت جس کی چوڑائی زمین اور آسمانوں کے برابر ہے "فقال عمیر" یہ نوعمر مجاہد جنگ بدر میں سب سے پہلے شہید ہو گیا تھا۔ "بخ بخ" با مفتوح اور خ ساکن ہے بطور مبالغہ یہ لفظ مکرر ہے ایک نسخہ میں خ پر تنوین ہے اور خ پر شد بھی پڑھا گیا ہے عرب خوشی و تعجب فخر اور مدح کے وقت یہ کلمہ استعمال کرتے ہیں اس کا ترجمہ "خوب خوب" اور "واہ واہ" ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمیر سے یہ معلوم کرنا چاہا کہ آیا اس نے یہ کلمہ ارادہ کیساتھ زبان پر لایا ہے یا ایسے اتفاقی طور پر نکلا ہے۔ حضرت عمیر نے جواب دیا کہ بغیر ارادہ نہیں بلکہ سچا ارادہ ہے کہ یہ جنت مجھے مل جائے اور میری جان قربان ہو جائے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بشارت ملی تو کسی تاخیر کے بغیر حضرت عمیر نے جان کی بازی لگا دی اور کھجور چبانے اور کھانے تک دیر کو بھی برداشت نہ کیا اور جان لڑا دی۔ علماء نے اس حدیث اور حضرت عمیر کے اس اقدام کو "خودکش بمبار" کارروائی کیلئے بطور دلیل پیش کیا ہے۔ یاد رہے کہ کفار پر بمبار حملہ کرنا خودکشی نہیں ہوتی ہے بلکہ یہ درحقیقت دیگر کش حملہ ہوتا ہے لوگ اس کو خودکش حملہ کہتے ہیں ہاں ملک کے اندر اس طرح افراتفری پھیلانا اچھا نہیں ہے۔

شہداء کی اقسام

(۲۵) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَاتَعُدُّوْنَ الشَّهِیْدَ فِیْكُمْ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ قُتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَهُوَ شَهِیْدٌ قَالَ اِنَّ شُهَدَاءَ اُمَّتِیْ اِذًا لَقَلِیْلٌ مَنْ قُتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَهُوَ شَهِیْدٌ وَ مَنْ مَاتَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَهُوَ شَهِیْدٌ وَ مَنْ مَاتَ فِی الطَّاعُوْنِ فَهُوَ شَهِیْدٌ وَ مَنْ مَاتَ فِی الْبَطْنِ فَهُوَ شَهِیْدٌ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کس کو شہید گنتے ہو صحابہ نے کہا اے اللہ کے رسول جو اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جائے وہ شہید ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تب تو میری امت کے شہید تھوڑے ہوں گے اللہ کی راہ میں جو قتل کیا جائے وہ شہید ہے اللہ کی راہ میں جو مر جائے وہ شہید ہے۔ جو طاعون سے مرے وہ شہید ہے جو شخص پیٹ کی بیماری سے مرے وہ شہید ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

مجاہد کے اجر کی تقسیم

(۲۶) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ غَازِیَةٍ اَوْسَرِیَّةٍ تَغْزُوْ فَتَغْنَمُ وَتَسْلَمُ اِلَّا كَانُوْا قَدْ تَعَجَّلُوْا ثُلُثَیْ اُجُوْرِهِمْ وَمَا مِنْ غَازِیَةٍ اَوْسَرِیَّةٍ تُخْفِقُ وَتُصَابُ اِلَّا تَمَّ اُجُوْرُهُمْ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی جہاد کرنے والی جماعت یا لشکر نہیں جو جہاد کرے پس غنیمت حاصل کرے اور سالم لوٹ آئے مگر ان کو دو تہائی ثواب جلد مل جاتا ہے اور کوئی جماعت اور لشکر نہیں جو زخمی کیا جائے یا مارا جائے مگر ان کا ثواب پورا ہو جاتا ہے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اسلام کے جو مجاہد کفار سے جنگ کرنے کے لیے نکلیں گے ان کی تین صورتیں ہوں گی ایک تو یہ کہ وہ کفار سے جنگ کے بعد صحیح وسالم لوٹ کر بھی آئیں گے اور جو مال غنیمت ان کو ہاتھ لگے گا اس کے بھی حقدار ہوں گے۔ ایسے ہی مجاہدین کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی محنت ومشقت کا دو تہائی اجر کہ سلامتی کے ساتھ لوٹنا اور مال غنیمت حاصل کرنا ہے اسی دنیا میں حاصل کرلیا ایک تہائی اجر جو باقی رہا ہے یعنی جہاد کا ثواب وہ انہیں قیامت کے دن ملے گا دوسرے یہ کہ جو مجاہد صحیح وسلامت لوٹ کر تو آئے مگر مال غنیمت ان کے ہاتھ نہیں لگا تو انہوں نے گویا اس دنیا میں ایک تہائی اجر پالیا ہے اور جو دو تہائی باقی رہا ہے وہ قیامت کے دن پائیں گے تیسرے وہ مجاہد ہیں جنہوں نے جہاد کیا اور میدان جنگ میں زخمی ہو گئے یا شہید کر دیئے گئے اور ان کے ہاتھ مال غنیمت بھی نہیں لگا تو ان کا پورا اجر باقی ہے جو انہیں پوری طرح قیامت کے دن ملے گا۔

جس مومن کے دل میں جذبہ جہاد نہ ہو وہ منافق کی طرح ہے

(۲۷) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مرا جبکہ نہ اس نے جہاد کیا اور نہ کبھی اس کے دل میں جہاد کا خیال گذرا ہے وہ نفاق کی ایک قسم پر مرتا ہے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: "من مات" یعنی جس شخص نے نہ جہاد کیا نہ جہاد کا اس طرح جذبہ رکھا کہ اے کاش میں بھی جہاد میں شریک ہوتا نہ اس نے جہاد کی تیاری کی نہ اسلحہ سیکھا اور نہ رکھا تو ایسے شخص کی جب موت آئے گی تو نفاق پر آئے گی نزول قرآن کے وقت جن لوگوں نے جہاد کا انکار کیا یا جہاد پر اعتراضات کیے قرآن نے ان کو منافقین کے نام سے یاد کیا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ جہاد کا شوق رکھے اور اس کیلئے تیاری کرے خواہ جہاد فرض عین ہو یا فرض کفایہ ہو۔

اس حدیث سے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ، حسن بصریؒ اور سعید بن مسیبؒ نے استدلال کیا ہے کہ جہاد کی صرف ایک ہی قسم ہے جو فرض عین ہے فرض کفایہ کی کوئی قسم نہیں ہے لیکن جمہور امت نے جہاد کی دو قسموں کو قرآن کی آیتوں کی وجہ سے قبول کیا ہے ارشاد عالی ہے وفضل اللّٰه المجاهدين على القاعدين اجرا عظيما "نفسه" یہ منصوب بنزع الخافض ہے یعنی "فی نفسه"۔

حقیقی مجاہد کون ہے؟

(۲۸) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰى قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلذِّكْرِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِيُرٰى مَكَانُهٗ فَمَنْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (متفق عليه)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا ایک آدمی غنیمت حاصل کرنے کے لیے لڑتا ہے ایک آدمی شہرت کے لیے لڑتا ہے۔ ایک آدمی اس لیے لڑتا ہے کہ اس کا مرتبہ دیکھا جائے۔ پس اللہ کی راہ میں کس کا جہاد ہے فرمایا جو شخص اس لیے لڑتا ہے کہ اللہ کا دین بلند ہو پس وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ (متفق علیہ)

عذر کی بنا پر جہاد میں نہ جانے والے کا حکم

(۲۹) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجَعَ مِنْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ فَدَنَا مِنَ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ اِنَّ بِالْمَدِيْنَةِ اَقْوَامًا مَا سِرْتُمْ مَسِيْرًا وَلَا قَطَعْتُمْ وَادِيًا اِلَّا كَانُوْا مَعَكُمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ اِلَّا شَرِكُوْكُمْ فِي الْاَجْرِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَهُمْ بِالْمَدِيْنَةِ قَالَ وَهُمْ بِالْمَدِيْنَةِ حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ عَنْ جَابِرٍ.

ترجمہ: حضرت انس سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس لوٹے جب مدینہ کے قریب پہنچے فرمایا مدینہ میں ایک ایسی جماعت ہے تم کسی جگہ نہیں چلے اور نہ تم نے کوئی جنگل طے کیا ہے مگر وہ تمہارے ساتھ تھے۔ ایک روایت میں ہے فرمایا وہ اجر میں تمہارے ساتھ شریک تھے انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول اور وہ مدینہ ہی میں رہے ہیں فرمایا اور وہ مدینہ میں ہیں ان کو عذر نے روکے رکھا ہے۔ روایت کیا اس کو بخاری نے اور روایت کیا ہے مسلم نے جابر سے۔

تشریح: جو لوگ عذر کی بنا پر جہاد میں نہیں جاسکے اور مدینہ میں رہ گئے وہ جہاد کرنے والے کے ثواب میں شریک تھے نہ یہ کہ مرتبہ و درجہ کے اعتبار سے وہ مجاہدین کے برابر تھے کیونکہ جن لوگوں نے بنفس نفیس جہاد میں شرکت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال کی قربانی پیش کی وہ افضل ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: **فضل الله المجاهدين باموالهم وانفسهم على القاعدين درجة.**
''مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ نے درجہ میں فضیلت بخشی ہے۔''

ماں باپ کی خدمت کا درجہ

(۳۰) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَاْذَنَهٗ فِي الْجِهَادِ فَقَالَ اَحَيٌّ وَالِدَاكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِيْهِمَا فَجَاهِدْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَ فِي رِوَايَةٍ فَارْجِعْ اِلٰى وَالِدَيْكَ فَاَحْسِنْ صُحْبَتَهُمَا. (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہا ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے جہاد کے لیے اجازت طلب کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے ماں باپ زندہ ہیں اس نے کہا جی ہاں فرمایا تو ان میں جہاد کر۔ (متفق علیہ)
ایک روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اپنے ماں باپ کی طرف لوٹ جا اور اچھے طریقے سے ان کے پاس رہ۔

تشریح: شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے جو حکم ثابت ہوتا ہے اس کا تعلق نفل جہاد سے ہے کہ جس شخص کے والدین زندہ ہوں اور مسلمان ہوں وہ ان کی اجازت کے بغیر نفل جہاد میں شرکت کے لیے گھر سے نہ جائے ہاں اگر جہاد فرض ہو تو پھر اس صورت میں ان والدین کی اجازت کی حاجت نہیں ہے۔ بلکہ اگر وہ منع بھی کریں اور جہاد میں جانے سے روکیں تو ان کا حکم نہ مانا جائے اور جہاد میں شریک ہو کر اپنا فرض ادا کیا جائے نیز اگر والدین کو خدا نے اسلام کی ہدایت نہ بخشی ہو اور وہ کافر ہوں تو جہاد میں شریک ہونے کے لیے ان کی اجازت کی کسی حال میں بھی حاجت نہیں ہے خواہ جہاد فرض ہو یا نفل اسی طرح علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر مسلمان ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کو ناگوار خاطر ہو تو ان کی اجازت کے بغیر کسی بھی نفل عبادت جیسے نفل حج وعمرہ کے لیے نہ جائے اور نہ نفل روزہ رکھے۔

فتح مکہ کے بعد ہجرت کی فرضیت ختم ہوگئی

(۳۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ الْفَتْحِ لَاهِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَّنِيَّةٌ وَاِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت ہے اور جس وقت تم کو جہاد کی طرف بلایا جائے نکلو۔ (متفق علیہ)

تشریح: ''لا هجرة'' یعنی مکہ مکرمہ سے مدینہ کی طرف جو خاص ہجرت فرض تھی اس کی فرضیت ختم ہوگئی کیونکہ اب مکہ مکرمہ دار اسلام بن گیا اب وہاں سے ہجرت کی ضرورت نہیں رہی البتہ دیگر دنیا سے ہجرت کا فریضہ اب بھی باقی ہے۔ یاد رکھو ہجرت بھاگنے کا نام نہیں ہے بلکہ بیوی بچوں کو محفوظ جگہ میں چھوڑ کر پھر پلٹنے کا نام ہجرت ہے واخرجوهم من حيث اخرجوكم اللہ کا حکم ہے ہجرت کی تعریف اس طرح ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کیلئے اور اپنی جان و مال اور ایمان کی حفاظت کیلئے اپنے وطن مالوف کو ترک کرنے کا نام ہجرت ہے۔ (۱) ہجرت کی ایک قسم یہ ہے دارکفر سے دارامن کی طرف آدمی ہجرت کرے جیسے مکہ سے حبشہ کی طرف ہوئی۔

(۲) دوسری قسم دارکفر سے دار اسلام کی طرف ہجرت کرنا ہے جیسے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت ہوئی۔

(۳) ہجرت کی تیسری قسم یہ ہے کہ آدمی دارالفتن سے دارالتقویٰ کی طرف ہجرت کرے جیسے پاکستان سے لوگ طالبان کی اسلامی خلافت کی طرف ہجرت کرتے تھے۔ آج کل امریکہ وہاں افغانستان پر قابض ہے جس کی وجہ سے وہ ملک دارحرب میں بدل گیا ہے۔

(۴) ہجرت کی چوتھی قسم وہ ہے کہ لوگ مدینہ کے اطراف وقبائل سے علم سیکھنے سکھانے کی غرض سے مدینہ آکر قیام کرتے تھے اس کو ہجرت القبائل کا نام دیا جاتا تھا۔ زیر بحث حدیث میں صرف مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی نفی کی گئی ہے۔

''ولکن'' چونکہ ہجرت جہاد کیلئے پیش خیمہ ہوتی ہے تو اس کی نفی سے وہم ہوسکتا تھا کہ جب ہجرت ختم ہوگئی تو جہاد بھی ختم ہونا چاہیے اس وہم کو دفعہ کرنے کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لکن کے ساتھ جہاد کا استدراک فرمایا کہ جہاد اور اس کی نیت اب بھی باقی ہے۔

''استنفار'' نفیر عام کو کہتے ہیں یعنی جب وقت کا حاکم یا جہادی امیر تم کو جہاد میں نکلنے کیلئے بلائے تو تم فوراً نکلو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ.... امت محمدی کی کوئی نہ کوئی جماعت ہمیشہ برسر جہاد رہے گی

(۳۲) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِيْ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ عَلٰى مَنْ نَاوَاهُمْ حَتّٰى يُقَاتِلَ اٰخِرُهُمُ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ. (رواه ابوداود)

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر لڑتی رہے گی اور غالب رہے گی جو ان سے دشمنی کرے گا۔ یہاں تک کہ ان کا آخر مسیح دجال کے ساتھ لڑائی کرے گا۔ (روایت کیا اس ابوداؤد نے)

جہاد میں کسی طرح سے بھی شرکت نہ کرنے والے کے بارے میں وعید

(۳۳) وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُجَهِّزْ غَازِيًا اَوْ يَخْلُفْ غَازِيًا فِيْ اَهْلِهٖ بِخَيْرٍ اَصَابَهُ اللّٰهُ بِقَارِعَةٍ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ. (رواه ابوداود)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا جس شخص نے جہاد نہیں کیا نہ ہی مجاہد کا سامان درست کیا ہے اور نہ ہی خیر کے ساتھ مجاہد کے گھر میں اس کا جانشین رہا ہے قیامت کے دن سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ اس کو کوئی سخت مصیبت پہنچائے گا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

(۳۴) وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا مشرکوں کے ساتھ اپنے مالوں اپنی جانوں اور زبانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نسائی اور دارمی نے۔

تشریح: جان و مال کے ذریعہ جہاد کرنا تو یہ ہے کہ حق و باطل کے درمیان ہونے والے معرکہ کے موقع پر میدان جنگ میں اپنی جان کو پیش کرے اور زخمی ہو اور اپنے مال کو جہاد کی ضروریات میں خرچ کرے زبان کے ذریعہ جہاد کرنا یہ ہے کہ دشمنان اسلام کے عقائد نظریات اور ان کے جنوں کی مذمت کرے ان کے حق میں بددعا کرے کہ انہیں حق کے مقابلہ پر ذلت و رسوائی اور شکست کا سامنا کرنا پڑے ان کو قتل و قید کرنے یا اسی طرح کی اور چیزوں سے ڈرائے دھمکائے مسلمانوں کی فتح و کامرانی اور ان کو مال غنیمت ملنے کی دعا کرے اور لوگوں کو جہاد میں شریک ہونے کی ترغیب دلائے۔

جنت کے وارث

(۳۵) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْشُوا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَاضْرِبُوا الْهَامَ تُوْرَثُوا الْجِنَانَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلام کو پھیلاؤ۔ کھانا کھلاؤ اور کفار کی کھوپریوں پر مارو تم کو جنت کا وارث بنا دیا جائے گا۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور اس نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

جہاد میں پاسبانی کی فضیلت

(۳۶) عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ مَيِّتٍ يُخْتَمُ عَلٰى عَمَلِهٖ اِلَّا الَّذِیْ مَاتَ مُرَابِطًا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ يُنْمٰى لَهٗ عَمَلُهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَيَاْمَنُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَ رَوَاهُ الدَّارِمِیُّ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ

ترجمہ: حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا ہر میت کو اس کے عمل پر ختم کیا جاتا ہے مگر وہ شخص جو اللہ کی راہ میں چوکیداری کرتا ہوا مرے قیامت کے دن تک اس کا عمل بڑھایا جاتا ہے اور فتنہ قبر سے وہ امن میں رہتا ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی اور ابوداؤد نے اور روایت کیا اس کو دارمی نے عقبہ بن عامر سے۔

جہاد میں شرکت کرنے والے کی فضیلت

(۳۷) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اِنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قَاتَلَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فُوَاقَ نَاقَةٍ فَقَدْ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَ مَنْ جُرِحَ جُرْحًا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ نُكِبَ نَكْبَةً فَاِنَّهَا تَجِیْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَاَغْزَرِ مَا كَانَتْ لَوْنُهَا الزَّعْفَرَانُ وَرِيْحُهَا الْمِسْكُ وَ مَنْ خَرَجَ بِهٖ خُرَاجٌ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنَّ عَلَيْهِ طَابَعَ الشُّهَدَاءِ. (رواه الترمذی و ابوداود والنسائی)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے جس نے اللہ کی راہ میں اونٹنی کے دو دفعہ دو ہنے کے درمیانی وقفہ کی مقدار جنگ کی اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور اللہ کی راہ میں جس کو زخمی کیا گیا یا مصیبت پہنچایا گیا قیامت کے دن وہ آئے گا مانند اکثر اس چیز کے کہ دنیا میں پایا جاتا تھا اس کا رنگ زعفران ایسا ہوگا اور اس کی بو مشک ایسی ہوگی۔ اللہ کی راہ میں جس کو پھوڑا نکل آیا اس پر شہیدوں کی مہر ہوگی۔ روایت کیا اس کو ترمذی ابوداؤد اور نسائی نے۔

جہاد میں اپنا مال واسباب خرچ کرنے کی فضیلت

(۳۸) وَعَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَنْفَقَ نَفَقَةً فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كُتِبَ لَهٗ بِسَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں خرچ کرے اس کے لیے سات سو گنا تک ثواب لکھا جاتا ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی اور نسائی نے۔

(۳۹) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصَّدَقَاتِ ظِلُّ فُسْطَاطٍ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمِنْحَةُ خَادِمٍ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ طَرُوْقَةُ فَحْلٍ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقات میں سے افضل اللہ کی راہ میں خیمہ کا دینا یا اللہ کی راہ میں خادم کا دینا ہے یا ایسی اونٹنی کا اللہ کی راہ میں دینا جو نر کی جفتی کے لائق ہو۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے)

مجاہد کی فضیلت

(۴۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَلِجُ النَّارَ مَنْ بَکٰی مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ حَتّٰی یَعُوْدَ اللَّبَنُ فِی الضَّرْعِ وَلَا یَجْتَمِعُ عَلٰی عَبْدٍ غُبَارٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَدُخَانُ جَهَنَّمَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ زَادَ النَّسَائِیُّ فِیْ اُخْرٰی فِیْ مَنْخَرَیْ مُسْلِمٍ اَبَدًا وَفِیْ اُخْرٰی لَهٗ فِیْ جَوْفِ عَبْدٍ اَبَدًا وَلَا یَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَالْاِیْمَانُ فِیْ قَلْبِ عَبْدٍ اَبَدًا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص جو اللہ کے خوف سے رویا دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ دودھ تھنوں میں لوٹ جائے اور کسی شخص پر اللہ کی راہ کا غبار اور دوزخ کا دھواں جمع نہیں ہوسکتا۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔ اور نسائی نے ایک دوسری روایت میں زیادہ کیا کہ مسلمان کے تھنوں میں کبھی بھی، ایک اور روایت میں ہے کسی بندے کے پیٹ میں اور ایمان اور بخل کسی بندے کے دل میں جمع نہیں ہوسکتا۔

تشریح: "منخری" منخر ناک کے نتھنے کو کہتے ہیں یعنی ناک کا سوراخ۔

"الشح" یعنی کسی دل میں کنجوسی اور ایمان اکٹھے نہیں ہوسکتے شح اور بخل میں اتنا فرق ہے کہ بخل عام کنجوسی کو کہتے ہیں اور شح ایک خاص قسم کنجوسی کو کہتے ہیں جس میں آدمی حرام کو کھائے اور واجب الاداحق زکوٰۃ کو دبائے اور دوسروں کا مال ظلماً کھائے۔

اب سوال یہ ہے کہ کنجوسی اور بخل کی وجہ سے کیا کوئی آدمی ایمان سے خارج ہوجاتا ہے؟ اس کا جواب علامہ طیبی نے دیا ہے کہ انسان کے اندر تین چیزیں ہیں جس سے انسان مرکب ہے۔ روح، نفس، قلب، لغوی اعتبار سے قلب کو اس لئے قلب کہتے ہیں کہ اس میں حرکت و انقلاب کا معنی پڑا ہے اب ہوتا یہ ہے کہ کبھی یہ قلب جب حرکت کرتا ہے تو روح کی صفات سے متصف ہوجاتا ہے جس سے دل روشن اور منور ہوجاتا ہے اور کبھی یہ قلب جب حرکت کرتا ہے تو نفس کی صفات سے متصف ہوکر آلودہ ہوجاتا ہے نفس کی صفات میں سے ایک شح اور بخل ہے جب دل شح اور بخل کی آلودگی میں آلودہ ہوگیا تو یہ تاریک ہوجاتا ہے جب دل تاریک ہوگیا تو ایمان کی روشنی ختم ہوگئی اس لئے فرمایا کہ شح اور ایمان اکٹھا نہیں ہوسکتے۔

"یعود اللبن فی الضرع" یہ تعلیق بالمحال کی ایک مثال ہے کیونکہ تھنوں سے نکلا ہوا دودھ واپس تھنوں میں نہیں جاسکتا۔

(۴۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَیْنَانِ لَا تَمَسُّهُمَا النَّارُ عَیْنٌ بَکَتْ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ وَعَیْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو آنکھیں ہیں ان کو آگ نہیں لگے گی ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی اور ایک وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں نگہبانی کرتی ہے۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے)

جہاد کی برتری وفضیلت

(۴۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِشِعْبٍ فِیْهِ عُیَیْنَةٌ مِنْ مَاءٍ عَذْبَةٍ فَاَعْجَبَتْهُ فَقَالَ لَوِ اعْتَزَلْتُ النَّاسَ فَاَقَمْتُ فِیْ هٰذَا الشِّعْبِ فَذَکَرَ ذٰلِکَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَفْعَلْ فَاِنَّ مَقَامَ اَحَدِکُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهٖ فِیْ بَیْتِهٖ سَبْعِیْنَ عَامًا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَغْفِرَ اللّٰهُ لَکُمْ وَیُدْخِلَکُمُ الْجَنَّةَ اُغْزُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ قَاتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَوَاقَ نَاقَةٍ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صحابی رضی اللہ عنہ پہاڑ کے ایک درے میں سے گذرا جس میں میٹھے پانی کا ایک چشمہ تھا اس کو اچھا لگا اس نے کہا اے کاش میں لوگوں سے الگ ہوجاؤں پس میں اس درے

میں رہائش اختیار کرلوں اس نے اس بات کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کرو تم میں سے ایک کا اللہ کی راہ میں ٹھہرنا اپنے گھر میں ستر سال تک نماز پڑھنے سے افضل ہے۔تم اس بات کو پسند نہیں کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تم کو معاف کر دے اور تم کو جنت میں داخل کر دے۔اللہ کی راہ میں جنگ کرو جس نے اونٹنی کے دو بجنے کے درمیان ٹھہر جانے کی مقدار اللہ کی راہ میں جنگ کی جنت اس کے لیے واجب ہوگئی۔روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

جہاد میں پاسبانی کی فضیلت

(۴۳) وَعَنْ عُثْمَانَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رِبَاطُ يَوْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ يَوْمٍ فِيْمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَنَازِلِ. (رواه الترمذی و النسائی)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا ایک دن اللہ کی راہ میں چوکیداری کرنا اس کے علاوہ دوسرے مراتب میں ایک ہزار دن سے بہتر ہے۔روایت کیا اس کو ترمذی اور نسائی نے۔

تشریح: "اس منصب وخدمت کے علاوہ" کے ذریعہ اقامت دین کے لیے خدا کی راہ میں جدوجہد کرنے کی خدمت کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ بظاہر اس حدیث کا تعلق اس شخص سے ہے جو جہاد میں اسلامی سرحدوں کی حفاظت ونگہبانی کی خدمت پر مامور کیا گیا ہو اور پاسبانی کی ذمہ داریوں کو انجام دینا اس پر واجب ہو کیونکہ اس شخص کا اسی مفوضہ خدمت کے علاوہ کسی اور عبادت وغیرہ میں مشغول ہونا معصیت ہے اگر چہ وہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں مسجد ہی کیوں نہ بیٹھے کہ اس عمل کی بھی بہت فضیلت ہے اور اس کو بھی رباط کہا گیا ہے۔

شہداء ابتداء ہی جنت میں داخل کیے جائیں گے

(۴۴) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُرِضَ عَلَيَّ اَوَّلُ ثَلَاثَةٍ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ شَهِيْدٌ وَعَفِيْفٌ مُتَعَفِّفٌ وَعَبْدٌ اَحْسَنَ عِبَادَةَ اللّٰهِ وَنَصَحَ لِمَوَالِيْهِ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر تین شخص پیش کیے گئے ہیں جو سب سے پہلے جنت میں جائیں گے شہید حرام سے بچنے والا۔سوال نہ کرنے والا اور غلام جو اللہ کی عبادت اچھی طرح کرتا ہے اور اپنے مالکوں کی خیر خواہی کرتا ہے۔(روایت کیا اس کو ترمذی نے)

افضل جہاد اور افضل شہید

(۴۵) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُبْشِيٍّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ طُوْلُ الْقِيَامِ قِيْلَ فَاَيُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ قَالَ جُهْدُ الْمُقِلِّ قِيْلَ فَاَيُّ الْهِجْرَةِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ هَجَرَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ قِيْلَ فَاَيُّ الْجِهَادِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ جَاهَدَ الْمُشْرِكِيْنَ بِمَالِهٖ وَنَفْسِهٖ قِيْلَ فَاَيُّ الْقَتْلِ اَشْرَفُ قَالَ مَنْ اُهْرِيْقَ دَمُهٗ وَعُقِرَ جَوَادُهٗ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَ فِيْ رِوَايَةِ النَّسَائِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ اِيْمَانٌ لَاشَكَّ فِيْهِ وَجِهَادٌ لَاغُلُوْلَ فِيْهِ وَحَجَّةٌ مَبْرُوْرَةٌ قِيْلَ فَاَيُّ الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ قَالَ طُوْلُ الْقُنُوْتِ ثُمَّ اتَّفَقَا فِي الْبَاقِيْ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن حبشی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کونسا عمل افضل ہے فرمایا لمبا قیام کرنا کہا گیا کونسا صدقہ افضل ہے فرمایا فقیر آدمی کا کوشش کرنا کہا گیا کونسی ہجرت افضل ہے فرمایا اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو چھوڑنا کہا گیا کونسا جہاد افضل ہے فرمایا جو مشرکوں سے اپنے مال اور نفس کے ساتھ جہاد کرے کہا گیا کونسا قتل ہونا افضل ہے فرمایا جس کا خون بہایا گیا اور اس

کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دی گئیں۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے نسائی کی ایک روایت میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کونسا عمل افضل ہے فرمایا ایمان جس میں شک نہ ہو اور جہاد جس میں خیانت نہ ہو اور قبول کیا گیا حج۔ کہا گیا کونسی نماز افضل ہے فرمایا لمبے قیام والی۔ پھر نسائی اور ابوداؤد بقیہ روایت میں متفق ہو گئے ہیں۔

تشریح: جواپنے جان اور مال کے ذریعہ الخ کا مطلب یہ ہے کہ وہی جہاد افضل ہے جس میں مجاہد نے اپنا مال واسباب اور اپنا روپیہ پیسہ بھی اپنے اور دوسرے مجاہدین کی ضروریات جہاد میں صرف کیا ہو اور میدان جنگ میں اپنی جان کو بھی پیش کیا ہو یہاں تک کہ زخمی ہوا اور مارا گیا۔

افضل اعمال کے سلسلے میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ احادیث میں افضل اعمال کے تعین و بیان کے سلسلے میں مختلف ارشاد منقول ہیں کہیں کسی عمل کو افضل فرمایا گیا ہے اور کہیں کسی عمل کو اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل عمل کے بارے میں کیے جانے والے سوالات کے جوابات سائل کی حیثیت اور اس کے احوال کے مناسب ارشاد فرمائے چنانچہ جس سائل میں تکبر و درشتی کے آثار دیکھے اس کو جواب دیا کہ سب سے بہتر عمل تواضع و نرم خوئی ہے جیسے سلام کو ظاہر کرنا اور نرم گوئی اختیار کرنا۔ جس سے سائل میں بخل اور خست کے آثار پائے اس سے فرمایا کہ سب سے بہتر عمل سخاوت ہے جیسے محتاجوں اور فقیروں کو کھانا کھلانا وغیرہ اسی طرح جس سائل میں عبادت کے معاملے میں سستی کے آثار پائے اس کو جواب دیا کہ سب سے بہتر عمل تہجد کی نماز ہے غرضیکہ جس سائل کو جس حالت میں پایا اس کا جواب اسی کے مناسب حال دیا۔ اس اعتبار اعمال کی افضیلت کی مراد گویا درحقیقت سائل...... کے حق میں ہے کہ مثلاً جس سائل میں بخل وخست کی خصلتیں تھیں اس کے حق میں سب سے بہتر عمل سخاوت ہی تھا یا پھر یہ کہا جائے گا کہ جس موقع پر جس عمل کو سب سے بہتر عمل فرمایا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ یہ عمل افضل اعمال میں سے ایک افضل عمل ہے۔

شہداء پر حق تعالیٰ کے انعامات

(۴۶) وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلشَّهِيْدِ عِنْدَ اللّٰهِ سِتُّ خِصَالٍ يُغْفَرُ لَهٗ فِيْ اَوَّلِ دَفْعَةٍ وَيُرٰى مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ وَيُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَيَأْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الْاَكْبَرِ وَيُوْضَعُ عَلٰى رَأْسِهٖ تَاجُ الْوَقَارِ اَلْيَاقُوْتَةُ مِنْهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَافِيْهَا وَيُزَوَّجُ ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ زَوْجَةً مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ وَيُشَفَّعُ فِيْ سَبْعِيْنَ مِنْ اَقْرِبَائِهٖ (رواه الترمذی و ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہید کے لیے اللہ کے ہاں چھ خصلتیں ہیں۔ پہلی دفعہ ہی اس کو بخش دیا جاتا ہے وہ جنت میں اپنی جگہ دکھایا جاتا ہے۔ عذاب قبر سے اس کو محفوظ رکھا جاتا ہے۔ بڑی گھبراہٹ سے وہ امن میں رہتا ہے اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جائے گا۔ اس کا ایک یاقوت دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔ بہتر (72) حورعین سے اس کا نکاح کیا جائے گا۔ اپنے قرابت داروں میں سے ستر آدمیوں کے لیے اس کی سفارش قبول کی جائے گی۔ (روایت کیا اس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے)

جہاد میں شرکت نہ کرنے والے کے بارے میں وعید

(۴۷) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ بِغَيْرِ اَثَرٍ مِنْ جِهَادٍ لَقِيَ اللّٰهَ وَفِيْهِ ثُلْمَةٌ (رواه الترمذی و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے جہاد کے نشان کے بغیر ملاوہ اللہ سے ملے گا کہ اس حال میں کہ اس کے دین میں نقصان ہوگا۔ روایت کیا اس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے۔

تشریح: "بغیر اثر" اثر سے مراد جسمانی زخم بھی ہو سکتا ہے جو ظاہری اثر ہوگا اور نظر آئے گا اسی طرح اس سے معنوی اثر بھی مراد ہو سکتا ہے جو جہاد کے راستے میں گرد وغبار لگنے سے بن جائے گا یا جہاد میں مال خرچ کرنے سے اور دیگر مشقتوں کے برداشت کرنے سے حاصل ہو جائے گا۔

بہر حال ایک مسلمان پر لازم ہے کہ جہاد کی وجہ سے اس کو جہاد کی ظاہری یا معنوی علامت حاصل ہو جائے جو اس کے ایمان کی تکمیل کی سند بن جائے۔
"ثلمة" ثا پر ضمہ ہے اور لام ساکن ہے نقصان اور خلل کو کہتے ہیں یعنی قیامت کے دن اگر کسی شخص کے جسم پر جہاد کی ظاہری یا معنوی علامت نہ ہو تو اس شخص کا ایمان ناقص رہے گا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ پہلے ایمان بناؤ پھر جہاد میں جاؤ حالانکہ یہ حدیث بتا رہی ہے کہ جہاد کے بغیر ایمان نہیں بنتا ہے۔

شہید، قتل کی اذیت سے محفوظ رہتا ہے

(۴۸) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الشَّهِیْدُ لَا یَجِدُ اَلَمَ الْقَتْلِ اِلَّا کَمَا یَجِدُ اَحَدُکُمْ اَلَمَ الْقَرْصَةِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ النَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہید قتل ہونے کی تکلیف نہیں پاتا مگر جس طرح تمہارا ایک چیونٹی کاٹنے کی تکلیف محسوس کرتا ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نسائی اور دارمی نے۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ اس شہید کا حال بیان کیا گیا ہے جو خدا کی راہ میں اپنی جان دینے میں لذت وکیف محسوس کرتا ہے اور اس قربانی پر اس کا نفس خوش ومطمئن ہوتا ہے لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ مراد یہ ہو کہ شہید کو موت کے بعد حق تعالیٰ کی نعمتوں اور رحمتوں کی وجہ سے جو لذتیں حاصل ہوتی ہیں ان کی بہ نسبت اس کو اپنے قتل کی تکلیف چیونٹی کے کاٹنے کی تکلیف سے زیادہ محسوس نہیں ہوتی لہٰذا ہر مومن کو چاہئے کہ وہ خدا کی راہ میں جان دینے سے نہ گھبرائے اور نہ ڈرے بلکہ بڑی خوشی کے ساتھ شہادت کو گلے لگائے۔

جہاد میں مومن کا بہنے والا قطرہ خون خدا کے نزدیک محبوب ترین چیز ہے

(۴۹) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیْسَ شَیْءٌ اَحَبَّ اِلَی اللّٰهِ مِنْ قَطْرَتَیْنِ وَاَثَرَیْنِ قَطْرَةُ دُمُوْعٍ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ وَقَطْرَةُ دَمٍ یُهْرَاقُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاَمَّا الْاَثَرَانِ فَاَثَرٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاَثَرٌ فِیْ فَرِیْضَةٍ مِنْ فَرَائِضِ اللّٰهِ تَعَالٰی. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ.

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہا اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو قطروں اور دو نشانوں سے بڑھ کر کوئی شئی محبوب نہیں۔ اللہ کے خوف سے آنسو کا قطرہ اور خون کا قطرہ جو اللہ کی راہ میں گرایا جاتا ہے اور دو نشان ہیں اللہ کی راہ کا نشان اور اللہ کے فرائض سے ایک فرض کا نشان۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: اللہ کی راہ میں قائم ہونے والے نشان کا مطلب یہ ہے کہ جیسے مجاہد جہاد میں جائے اور راستہ میں اس کے قدم کے نشان پڑ جائیں یا اس کے جسم پر غبار راہ کا اثر قائم ہو جائے یا اس کے بدن پر کوئی زخم آ جائے اور یا طلب علم دین کے کپڑوں یا جسم کے کسی حصہ پر روشنائی کے داغ دھبے پڑ جائیں کہ علم دین کی راہ بھی خدا ہی کی راہ ہے اور اس راہ کا راہی بھی مجاہد ہی کی طرح ہے۔
کسی فرض چیز کے سلسلے میں پیدا ہونے والے نشان کا مطلب یہ ہے کہ جیسے جاڑے کے موسم میں وضو کی وجہ سے نمازی کے ہاتھ پیر پھٹ جائیں نماز میں سجدوں کی وجہ سے پیشانی پر داغ پڑ جائے یا گرمی میں سجدہ کے وقت تپتے ہوئے فرش سے نمازی کی پیشانی جل جائے اور اس کا کوئی دھبہ پڑ جائے یا روزے میں روزے دار کے منہ سے بو آنے لگے اور یا سفر حج میں حاجی کے بدن پر راستے کی گرد وغبار کی تہیں جم جائیں۔

بلا ضرورت شرعی بحری سفر کی ممانعت

(۵۰) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَرْکَبِ الْبَحْرَ اِلَّا حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا اَوْ غَازِیًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَاِنَّ تَحْتَ الْبَحْرِ نَارًا وَتَحْتَ النَّارِ بَحْرًا. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو حج و عمرہ یا اللہ کی راہ میں جہاد کے علاوہ سمندر کا سفر اختیار نہ کر کیونکہ سمندر کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے سمندر ہے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: "لاتركب البحر" یعنی حج و عمرہ اور جہاد کی غرض سے سمندر کا سفر کرو اس کے علاوہ سمندر میں سفر کی کوشش نہ کرو کیونکہ سمندر کے نیچے آگ ہے یہ کلام یا حقیقت پر محمول ہے کہ واقعی سمندر کے نیچے آگ ہے جس کی طرف "والبحر المسجور" میں اشارہ موجود ہے اس آگ کے نیچے پھر پانی ہے اور پھر ہوا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت پر قائم ہے یا یہ کلام مجاز پر محمول ہے یعنی سمندر کے اندر سخت خطرات موجود ہیں غرق ہونے کے قوی امکانات ہیں لہٰذا ضروری سفر کے علاوہ اس کا سفر نہیں کرنا چاہیے۔

بدریائے منافع بے شمار است اگر خواہی سلامت برکنار است

پانی کے سفر میں مرنے والا شہید کا درجہ پائے گا

(۵۱) وَعَنْ أُمِّ حَرَامٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَائِدُ فِي الْبَحْرِ الَّذِي يُصِيبُهُ الْقَيْءُ لَهُ أَجْرُ شَهِيدٍ وَالْغَرِيقُ لَهُ أَجْرُ شَهِيدَيْنِ. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں فرمایا سمندر میں چکرانے والا جس کو قئی پہنچتی ہے اس کے لیے شہید کا ثواب ہے اور اس میں غرق ہونے والے کے لیے دو شہیدوں کا ثواب ہے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: ان دونوں کو شہید کا ثواب اس صورت میں ملے گا جب کہ وہ جہاد کے لیے یا طلب علم اور حج جیسے مقاصد کے لیے کشتی وغیرہ کے ذریعہ دریا و سمندر میں سفر کر رہا ہو نیز اگر اس کے سفر کا مقصد تجارت ہو اور اس تجارت کی غرض محض اپنے جسم کو زندہ و طاقت ور رکھنا اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات زندگی کو پورا کرنا ہو اور وہ تجارت اس دریائی سفر کے بغیر ممکن الحصول نہ ہو تو اس صورت میں بھی یہی حکم ہے۔

جہاد میں کسی بھی طرح مرنے والا شہید ہے

(۵۲) وَعَنْ أَبِي مَالِكٍ نِ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ فَصَلَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَمَاتَ أَوْقُتِلَ أَوْوَقَصَهُ فَرَسُهُ أَوْبَعِيرُهُ أَوْلَدَغَتْهُ هَامَّةٌ أَوْمَاتَ عَلَى فِرَاشِهِ بِأَيِّ حَتْفٍ شَاءَ اللّٰهُ فَإِنَّهُ شَهِيدٌ وَ إِنَّ لَهُ الْجَنَّةَ (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے جو شخص اللہ کی راہ میں نکلا وہ مر گیا یا قتل کر دیا گیا یا اس کا گھوڑا یا اونٹ کچل دے یا کوئی زہریلا جانور کاٹ کھائے یا بستر پر کسی طرح سے موت آ جائے وہ شہید اور اس کے لیے جنت ہے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

مجاہد اپنے گھر لوٹ آنے پر بھی جہاد کا ثواب پاتا ہے

(۵۳) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَفْلَةٌ كَغَزْوَةٍ. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاد سے واپس لوٹنا جہاد کرنے کی مانند ہے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مجاہد اور غازی جب جہاد سے فارغ ہو کر اپنے گھر لوٹ آتا ہے تو اس کے لوٹنے میں بھی اتنا ہی اجر ملتا ہے جتنا جہاد کرنے میں کیونکہ مجاہد و غازی تو ہر وقت اللہ کی راہ میں اپنی جان پیش کرنے کی نیت رکھتا ہے چنانچہ جب وہ کسی جہاد سے فارغ ہو کر گھر آتا ہے تو اس کی نیت یہی ہوتی ہے کہ کچھ دن راحت لے کر پھر جہاد کرنے کی طاقت و قوت پیدا کروں اور جوں ہی اللہ کی راہ کا بلاوا آ جائے فوراً میدان جنگ میں پہنچ کر نئے حوصلوں اور نئی امنگوں کے ساتھ دشمنان دین کے ساتھ نبرد آزمائی کروں۔

جاعل کو جہاد کا دوہرا ثواب ملتا ہے

(۵۴) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْغَازِيْ اَجْرُهٗ وَلِلْجَاعِلِ اَجْرُهٗ وَاَجْرُ الْغَازِيْ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: اسی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاد کرنے والے کے لیے اس کا اجر ہے اور مال دینے والے کے لیے اس کا اجر ہے اور جہاد کا بھی۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: ''جاعل'' اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو کسی غازی کو مال دے اور اس کی مدد کرے تا کہ وہ جہاد کرے لہٰذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جاعل کو دوہرا ثواب ملتا ہے ایک ثواب تو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا اور دوسرا ثواب اس بات کا ملتا ہے کہ وہ اس غازی کے جہاد کرنے کا سبب و ذریعہ بنا ہے اس اعتبار سے جعل سے مراد ہے غازی کی مالی مدد کرنا اور اس کے لیے جہاد کا سامان وضرورت مہیا کرنا چنانچہ اس عمل یعنی جعل کے جائز ہونے اور اس کی فضیلت کے بارے میں کوئی شبہ ہی نہیں ہے اور تمام ہی علماء اس پر متفق ہیں۔

لیکن ابن ملک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جاعل سے مراد ہے وہ شخص جو کسی غازی کو اجرت دے کر جہاد کرائے حنفی علماء کے نزدیک یہ بھی جائز ہے اور اس صورت میں غازی کو جہاد میں اس کی جدوجہد اور مشقت کا ثواب ملے گا اور جاعل یعنی اجرت دینے والے کو دوہرا ثواب ملے گا ایک ثواب تو مال دینے کا اور دوسرا ثواب اس غازی کے جہاد کرنے کا سبب وذریعہ بننے کا مگر حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک میں یہ یعنی کسی شخص کا اجرت دے کر جہاد کرانا منع ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی غازی نے کسی شخص سے اس طرح کی اجرت لے لی ہے تو اس کو واپس کر دینا واجب ہے۔

بلا اجرت جہاد نہ کرنے والے کے بارے میں وعید

(۵۵) وَعَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ سَتُفْتَحُ عَلَيْكُمُ الْاَمْصَارُ وَسَتَكُوْنُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَةٌ يَقْطَعُ عَلَيْكُمْ فِيْهَا بُعُوْثٌ فَيَكْرَهُ الرَّجُلُ الْبَعْثَ فَيَتَخَلَّصُ مِنْ قَوْمِهٖ ثُمَّ يَتَصَفَّحُ الْقَبَائِلَ يَعْرِضُ نَفْسَهٗ عَلَيْهِمْ مَنْ اَكْفِيْهِ بَعْثَ كَذَا اَلَا وَذٰلِكَ الْاَجِيْرُ اِلٰى اٰخِرِ قَطْرَةٍ مِنْ دَمِهٖ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے تم پر شہر فتح کیے جائیں گے اور جمع کیے گئے لشکر ہوں گے۔ لشکروں میں فوجیں معین کی جائیں گی کوئی آدمی امام کے لشکر میں بھیجنے کو برا جانے گا وہ اپنی قوم میں نکلے گا پھر قبائل کو تلاش کرتا پھرے گا اپنا نفس ان پر پیش کرے گا یہ کہتا ہوا کہ کون ہے کہ میں اس کو فلاں لشکر سے کفایت کروں۔ خبردار یہ شخص مزدور ہے اپنے خون کے آخری قطرہ تک۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: ''جن میں تمہارے لیے فوجیں معین کی جائیں گی'' کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی مملکت کے سربراہ اس بات کو ضروری قرار دیں گے کہ اپنے ملک کی ہر قوم اور ہر جماعت کے لوگوں کی فوجیں بنا کر انہیں جہاد کے لیے بھیجیں۔ اور مظہر رحمہ اللہ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جب اسلام کی آواز دنیا کی ہر سمت میں پہنچ جائے گی تو امام وقت یعنی اسلامی مملکت کا سربراہ اس بات کی ضرورت سمجھے گا کہ وہ اسلامی فوج کے لشکر تیار کرا کر ہر سمت کو بھیجے تا کہ وہ لشکر ان کفار کا قلع قمع کرے جو اس سمت میں موجود مسلمانوں کے قریب ہوں اور مسلمانوں پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے ریشہ دوانیاں کر رہے ہوں۔

اجرت پر جہاد میں جانے والے کا مسئلہ

(۵۶) وَعَنْ يَعْلَى بْنِ اُمَيَّةَ قَالَ اَذِنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْغَزْوِ وَ اَنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ لَيْسَ لِيْ خَادِمٌ فَالْتَمَسْتُ اَجِيْرًا يَكْفِيْنِيْ فَوَجَدْتُ رَجُلًا سَمَّيْتُ لَهٗ ثَلَاثَةَ دَنَانِيْرَ فَلَمَّا حَضَرَتْ غَنِيْمَةٌ اَرَدْتُ اَنْ اُجْرِيَ لَهٗ سَهْمَهٗ فَجِئْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ لَهٗ فَقَالَ مَا اَجِدُ لَهٗ فِيْ غَزْوَتِهٖ هٰذِهٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا دَنَانِيْرَهُ الَّتِيْ تَسَمّٰى (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کا اعلان فرمایا اور میں بوڑھا آدمی تھا میرے پاس نوکر بھی نہیں تھا۔ میں نے ایک خادم تلاش کیا جو مجھ کو کفایت کرے میں نے ایک آدمی پایا میں نے اس کے لیے تین دینار مقرر کیے۔ جب مال غنیمت آیا میں نے ارادہ کیا کہ اس کے لیے مال غنیمت سے حصہ جاری کروں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا تذکرہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دنیا اور آخرت میں اس کے لیے وہی دینار پاتا ہوں جو مقرر کیے جا چکے ہیں۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا حاصل یہ تھا کہ اس شخص کے لیے نہ تو مال غنیمت میں سے کوئی حصہ ہے اور نہ اس کو جہاد کا کوئی ثواب ملے گا۔ علماء لکھتے ہیں یہ حکم اس اجیر کے حق میں ہے جس کو کسی مجاہد و غازی نے جہاد کے دوران اپنی خدمت و دیکھ بھال کے لیے رکھا ہو ہاں جس اجیر کو جہاد کرنے کے لیے رکھا گیا ہو اس کو مال غنیمت میں سے حصہ ملے گا اگرچہ بعض علماء کے قول کے مطابق وہ جہاد کے ثواب سے محروم رہے گا۔

شرح السنہ میں لکھا ہے کہ علماء کے اس شخص کے بارے میں اختلافی اقوال ہیں جس کو کام کاج کے لیے یا جانوروں کی حفاظت و دیکھ بھال کے لیے بطور اجیر رکھا گیا ہو اور پھر وہ میدان جنگ میں لڑنے کے لیے بھیجا گیا ہو کہ آیا اس کو مال غنیمت میں سے حصہ ملے گا یا نہیں؟ چنانچہ بعض حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ اس کے لیے حصہ نہیں ہے خواہ وہ قتال کرے یا نہ کرے بلکہ وہ صرف اپنی خدمات کی مقررہ اجرت کا ہی حقدار ہوگا۔ یہ قول اوزاعی رحمہ اللہ و اسحٰق کا ہے اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قولوں میں سے ایک قول بھی یہی ہے جب کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کو حصہ دیا جائے گا اگرچہ اس نے قتال نہ کیا ہو مگر قتال کے وقت مجاہدین کے ساتھ رہا ہو۔

کسی دنیاوی غرض سے جہاد کرنے والا ثواب سے محروم رہتا ہے

(۵۷) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلاً قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَجُلٌ یُرِیْدُ الْجِهَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ هُوَ یَبْتَغِیْ عَرَضًا مِنْ عَرَضِ الدُّنْیَا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لاَ اَجْرَ لَهٗ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اے اللہ کے رسول ایک شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چاہتا ہے اور وہ دنیا کا اسباب حاصل کرنا چاہتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو کچھ ثواب نہیں ملے گا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: عرضا' دنیاوی ساز و سامان کو عرض کہا گیا ہے یعنی جو شخص اخلاص نیت اور اعلاء کلمۃ اللہ کی غرض سے نہیں بلکہ دنیوی اسباب و متاع کیلئے جہاد کرتا ہے تو وہ آخرت کے ثواب سے محروم ہو جاتا ہے ظاہر ہے جب ایک آدمی اتنے بڑے جہاد کو اتنی حقیر دنیا کی بھینٹ چڑھاتا ہے اور خود بھی دل میں ثواب کی نیت نہیں کرتا ہے تو کیا خود بخود اس کے ساتھ ثواب چپک کر لگے گا؟ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اس حدیث کے پیش نظر مسلم ممالک کی افواج اگر صرف مزدوری کی غرض سے فوج میں بھرتی ہوگی تو ان کو بھی کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

حقیقی جہاد کس کا ہے؟

(۵۸) وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْغَزْوُ غَزْوَانِ فَاَمَّا مَنِ ابْتَغٰی وَجْهَ اللّٰهِ وَاَطَاعَ الْاِمَامَ وَاَنْفَقَ الْکَرِیْمَةَ وَیَاسَرَ الشَّرِیْکَ وَ اجْتَنَبَ الْفَسَادَ فَاِنَّ نَوْمَهٗ وَنَبْهَهٗ اَجْرٌ کُلُّهٗ وَ اَمَّا مَنْ غَزَا فَخْرًا وَرِیَاءً وَسُمْعَةً وَعَصَی الْاِمَامَ وَاَفْسَدَ فِی الْاَرْضِ فَاِنَّهٗ لَمْ یَرْجِعْ بِالْکَفَافِ. (رواہ مالک و ابوداؤد و النسائی)

ترجمہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جہاد دو طرح پر ہے جو شخص اللہ کی رضا مندی طلب کرے امام کی اطاعت کرے اور اچھا مال خرچ کرے ساتھی سے معاملہ درست کرے فساد سے بچے اس کا سونا اس کا بیدار

ہونا سب کا سب ثواب ہے اور جو شخص فخر اور ریا کے طور پر جہاد کرے امام کی نافرمانی کرے زمین میں فساد کرے بیشک وہ بدلے کے ساتھ بھی واپس نہیں لوٹتا۔ روایت کیا اس کو مالکؒ ابوداؤد اور نسائی نے۔

ناموری کے لئے جہاد کرنے والے کے بارے میں وعید

(۵۹) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْجِهَادِ فَقَالَ يَا عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو اِنْ قَاتَلْتَ صَابِرًا مُحْتَسِبًا بَعَثَكَ اللّٰهُ صَابِرًا مُحْتَسِبًا وَاِنْ قَاتَلْتَ مُرَائِيًا مُكَاثِرًا بَعَثَكَ اللّٰهُ مُرَائِيًا مُكَاثِرًا يَا عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو عَلٰى اَيِّ حَالٍ قَاتَلْتَ اَوْ قُتِلْتَ بَعَثَكَ اللّٰهُ عَلٰى تِلْكَ الْحَالِ۔ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اس نے کہا اے اللہ کے رسول مجھ کو جہاد کے متعلق خبر دیں فرمایا اے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اگر تو لڑے صبر کرتا ہوا ثواب کے لیے اللہ تعالیٰ تجھ کو صبر کرنے والا ثواب طلب کرنے والا اٹھائے گا۔ اگر تو دکھلاوے کے لیے بہتات کے لیے لڑائی کرے اللہ تعالیٰ دکھلانے والا بہت بہتات حاصل کرنے والا اٹھائے گا اے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ تو جس حالت پر بھی مارا جائے گا یا قتل کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس حالت پر تجھ کو اٹھائے گا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: "محتسبا" ثواب کی نیت سے کام کرنے کو کہتے ہیں "بعثک اللہ" قیامت میں اٹھانے کے معنی میں ہے۔

"مرائیا" ریاکاری اور نمائش کو کہتے ہیں۔ "مکاثرا" شیخی جتلانے کی غرض سے جو کام کیا جائے اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے کیلئے جو کام کیا جائے اس پر مکاثر کا لفظ بولا جاتا ہے شارحین حدیث نے مکاثر کا مطلب مال بڑھانا بھی لیا ہے کہ صرف مال جمع کرنے کیلئے لڑتا ہے یہ مطلب زیادہ واضح ہے۔

امیر کو معزول کر دینا چاہئے

(۶۰) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَعَجَزْتُمْ اِذَا بَعَثْتُ رَجُلًا فَلَمْ يَمْضِ لِاَمْرِيْ اَنْ تَجْعَلُوْا مَكَانَهٗ مَنْ يَمْضِيْ لِاَمْرِيْ۔ (رواہ ابوداؤد) وَذُكِرَ حَدِيْثُ فَضَالَةَ وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ فِيْ كِتَابِ الْاِيْمَانِ

ترجمہ: حضرت عقبہ بن مالک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا کیا تم عاجز ہو اس بات سے کہ جب میں کوئی آدمی بھیجوں وہ میرے حکم کو جاری نہ کرے تم اس کی جگہ ایسا آدمی بھیج دو جو میرے حکم کو جاری کرے روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔ فضالہ کی حدیث جس کے لفظ ہیں المجاھد من جاھد نفسہ کتاب الایمان میں گذر چکی ہے۔

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ واضح کرتا ہے کہ اگر میں کسی شخص کو کسی کام کے لیے مثلاً حاکم ووالی بنا کر کہیں بھیجوں اور وہ وہاں نہ جائے یا وہاں جا کر میرے حکم کی تعمیل نہ کرے اور میری بتائی ہوئی راہ سے ہٹ کر اپنے بنائے ہوئے راستے پر چلنے لگے تو تم اس کو معزول کر دو اور اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو میرے حکم کے مطابق اپنا حاکم چن لو۔ اس حکم پر قیاس کرتے ہوئے علماء نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کوئی امیر وحاکم رعیت پر ظلم کرنے لگے اور عوام کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے لگے تو عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس امیر کو معزول کر کے اور اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو امیر وحاکم چن لیں۔

الفصل الثالث ... اسلام میں رہبانیت کی گنجائش نہیں

(۶۱) عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَمَرَّ رَجُلٌ بِغَارٍ فِيْهِ شَيْءٌ مِنْ مَاءٍ وَبَقْلٍ فَحَدَّثَ نَفْسَهٗ بِاَنْ يُقِيْمَ فِيْهِ وَيَتَخَلّٰى مِنَ الدُّنْيَا فَاسْتَاْذَنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ذٰلِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَمْ اُبْعَثْ بِالْيَهُوْدِيَّةِ وَلَا بِالنَّصْرَانِيَّةِ وَلٰكِنِّيْ بُعِثْتُ بِالْحَنِيْفِيَّةِ السَّمْحَةِ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَغَدْوَةٌ اَوْ رَوْحَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَلَمَقَامُ اَحَدِكُمْ فِي الصَّفِّ خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِهٖ سِتِّيْنَ سَنَةً (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک لشکر میں تھے ایک آدمی ایک غار کے پاس سے گذرا اس میں کچھ پانی اور سبزی تھی اس کے دل میں خیال گذرا کہ وہ اس میں ٹھہرے اور دنیا سے الگ تھلگ ہو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق اجازت طلب کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں یہودیت اور نصرانیت کے ساتھ نہیں بھیجا گیا لیکن میں دین حنیف کے ساتھ بھیجا گیا ہوں جو آسان ہے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے البتہ اول روز اور آخر روز اللہ کی راہ میں جانا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ تم میں سے ایک کا صف میں کھڑا ہونا ساٹھ برس کی نماز سے بہتر ہے۔ (روایت کیا اس کو احمد نے)

تشریح: ''الیھودیة'' یعنی جہاد کو چھوڑ کر غاروں میں بیٹھنا اور رہبانیت اختیار کر کے عبادت میں لگنا اور عام معاشرہ سے الگ تھلگ ہو کر درویش بننے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ اس دین کی بڑی عبادت میدان کارزار میں ہے اس کے پیروکار رات کے راہب اور دن کے شہسوار ہوتے ہیں۔

''سکھایا ہے ہمیں اے دوست طیبہ کے والی نے کہ بوجہلوں سے ٹکرا کر ابھرنا عین ایمان ہے
جہاں باطل مقابل ہو وہاں نوک سناں سے بھی برائے دین اسلام رقص کرنا عین ایمان ہے

''الحنیفیة'' یہ حنفاء کی طرف منسوب ہے دین توحید مراد ہے ''السمحة'' یہ آسان اور واضح کے معنی میں ہے یعنی میرے رب نے مجھے دین توحید پر بھیجا ہے جو آسان تر دین ہے جس میں یہود و نصاریٰ کی طرح بے جا تشدد نہیں ہے اور نہ کوئی ایسی مشقت ہے جو نا قابل برداشت ہو۔

جہاد میں اخلاص نیت کا آخری درجہ

(۲۲) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ غَزَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَمْ یَنْوِ اِلَّا عِقَالًا فَلَہٗ مَانَوٰی (نسائی)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور نہ نیت کی مگر ایک رسی کی اس کے لیے وہ چیز ہے جو اس نے نیت کی۔ (روایت کیا اس کو نسائی نے)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر جہاد میں دنیا کی کوئی حقیر ترین چیز بھی مدنظر ہو تو یہ اخلاص کے منافی ہے گویا اس ارشاد گرامی کا مقصد اس بات کو زیادہ سے زیادہ کر کے بیان کرنا ہے اور یہ ترغیب دینا ہے کہ جہاد میں مال غنیمت کے حصول سے کلیۃً قطع نظر کیا جائے اور نیت میں اس درجہ اخلاص پیدا کیا جائے کہ اس میں دنیا کی کسی بھی غرض کی ہلکی سی بھی آمیزش نہ ہو لیکن یہ واضح رہے کہ جہاد میں اخلاص نیت کا یہ آخری درجہ ہے۔

چنانچہ یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ جہاد میں رضائے الٰہی اور سربلندی دین کے ساتھ مال غنیمت کے حصول کا مقصد بھی شامل ہو تو یہ جائز ہے اور اس صورت میں بھی جہاد کا ثواب ملتا ہے اسی طرح اگر اس نیت میں نمائش کا جذبہ شامل ہو تو اس کی وجہ سے بھی جہاد کا ثواب کلیۃً باطل نہیں ہوگا۔

جہاد جنت میں ترقی درجات کا باعث ہے

(۲۳) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَضِیَ بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّةُ فَعَجِبَ لَھَا اَبُوْسَعِیْدٍ فَقَالَ اَعِدْھَا عَلَیَّ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَاَعَادَھَا عَلَیْہِ ثُمَّ قَالَ وَاُخْرٰی یَرْفَعُ اللّٰہُ بِھَا الْعَبْدَ مِائَةَ دَرَجَةٍ فِی الْجَنَّةِ مَابَیْنَ کُلِّ دَرَجَتَیْنِ کَمَا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ قَالَ وَ مَاھِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے ساتھ راضی ہوا کہ اس کا رب ہے اور اسلام کے ساتھ راضی ہوا کہ اس کا دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ راضی ہوا کہ اس کے رسول ہیں اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔ ابوسعید نے یہ سن کر نہایت تعجب کا اظہار کیا اور کہا ان کلمات کو دوبارہ لوٹائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ان

کلمات کو لوٹایا۔ پھر فرمایا ایک دوسری بات بھی ہے جس کی وجہ سے اللہ تو بندے کے لیے جنت میں سو درجے بلند کرتا ہے ہر دو درجوں کے درمیان اس قدر مسافت ہے جس قدر زمین و آسمان کے درمیان ہے اس نے کہا اے اللہ کے رسول وہ کونسی بات ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: "عقالا" رسی کو عربی میں عقال کہتے ہیں یعنی جہاد میں اگر کسی نے ایک رسی کی نیت بھی کی تو وہی رسی ملے گی ثواب نہیں ملے گا۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ جہاد میں اخلاص کی آخری حد اور تقویٰ کے آخری مقام کو بتایا گیا ہے کہ حقیر سے حقیر چیز کی نیت بھی جہاد کے پاکیزہ عمل کے ساتھ شامل نہ ہو۔ لیکن اگر ایک شخص جہاد کے ساتھ ساتھ مال کی نیت بھی رکھتا ہے تو اس سے جہاد کا ثواب باطل نہیں ہوگا اور شرعاً اس طرح نیت جائز ہے بلکہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر ایک شخص ریاکاری کے ساتھ جہاد کرتا ہے اس میں بھی جہاد کا سارا عمل ضائع نہیں ہوگا اگرچہ ریاکاری بے کار ہے۔ بہرحال ایک تقویٰ کا مقام ہے دوسرا فتویٰ کا مقام ہے فرق کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

جنت کے دروازے تلواروں کے سایہ میں ہیں

(۶۴) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَبْوَابَ الْجَنَّۃِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ فَقَامَ رَجُلٌ رَثُّ الْھَیْئَۃِ فَقَالَ یَا اَبَامُوْسٰی اَنْتَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ ھٰذَا قَالَ نَعَمْ فَرَجَعَ اِلٰی اَصْحَابِہٖ فَقَالَ اَقْرَأُ عَلَیْکُمُ السَّلَامَ ثُمَّ کَسَرَ جَفْنَ سَیْفِہٖ فَاَلْقَاہُ ثُمَّ مَشٰی بِسَیْفِہٖ اِلَی الْعَدُوِّ فَضَرَبَ بِہٖ حَتّٰی قُتِلَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے دروازے تلواروں کے سایہ کے نیچے ہیں ایک پراگندہ حالت والا آدمی کھڑا ہوا اس نے کہا اے ابو موسیٰ تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرما رہے تھے اس نے کہا ہاں وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹا اور کہا میں تم کو سلام کہتا ہوں پھر اپنی تلوار کی میان کو توڑ دیا اور پھینک دیا پھر تلوار لیکر دشمن کی طرف چلا اس کے ساتھ مارا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: جنت کے دروازے تلواروں کے سائے میں ہیں کا مطلب یہ ہے کہ مجاہد و غازی کا میدان جنگ میں اس طرح ہونا کہ کفار کی تلواریں اس کے اوپر اٹھی ہوئی ہوں اس کے جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے اور وہ حالت گویا اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ جنت کے دروازے اس مجاہد و غازی کے ساتھ ہیں کہ ادھر اس نے کفار کی تلواروں کے ذریعہ جام شہادت نوش کیا اور ادھر جنت میں داخل ہوا۔

شہداء احد کے بارے میں بشارت

(۶۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَصْحَابِہٖ اَنَّہٗ لَمَّا اُصِیْبَ اِخْوَانُکُمْ یَوْمَ اُحُدٍ جَعَلَ اللّٰہُ اَرْوَاحَھُمْ فِیْ جَوْفِ طَیْرٍ خُضْرٍ تَرِدُ اَنْھَارَ الْجَنَّۃِ تَاْکُلُ مِنْ ثِمَارِھَا وَتَاْوِیْ اِلٰی قَنَادِیْلَ مِنْ ذَھَبٍ مُعَلَّقَۃٍ فِیْ ظِلِّ الْعَرْشِ فَلَمَّا وَجَدُوْا طِیْبَ مَاْکَلِھِمْ وَمَشْرَبِھِمْ وَمَقِیْلِھِمْ قَالُوْا مَنْ یُّبَلِّغُ اِخْوَانَنَا عَنَّا اِنَّا اَحْیَاءٌ فِی الْجَنَّۃِ لِئَلَّا یَزْھَدُوْا فِی الْجَنَّۃِ وَلَا یَنْکُلُوْا عِنْدَ الْحَرْبِ فَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنَا اُبَلِّغُھُمْ عَنْکُمْ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ اِلٰی اٰخِرِ الْاٰیَۃِ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے فرمایا کہ جب احد کے دن تمہارے بھائی شہید کیے گئے اللہ نے ان کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے پیٹوں میں کر دیں جنت کی نہروں میں وارد ہوتے ہیں اور اس کے پھل کھاتے ہیں اور سونے کی قندیلوں میں ٹھکانا پکڑتے ہیں جو عرش کے سایہ تلے لٹکی ہوئی ہیں۔ جب انہوں نے عمدہ

کھانے پینے اور سونے کی جگہ پالی کہنے لگے کون ہے جو ہمارے متعلق ہمارے بھائیوں کو خبر پہنچائے کہ ہم جنت میں زندہ ہیں تاکہ وہ جنت سے بے رغبتی نہ کریں اور لڑائی کے وقت سستی نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں ان کو اس بات کی خبر پہنچاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں مردے خیال نہ کرو۔ آخر آیت تک۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: پوری آیت یوں ہے: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ط بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ. فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ (آل عمران 3:169،170) (ترجمہ) جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے ان کو مرے ہوئے نہ سمجھنا وہ مرے ہوئے نہیں ہیں بلکہ وہ خدا کے نزدیک زندہ ہیں اور ان کو رزق مل رہا ہے جو خدا نے اپنے فضل سے بخش رکھا ہے اس میں خوش ہیں اور جو لوگ ان کے پیچھے رہ گئے ہیں اور شہید ہو کر ان میں شامل نہیں ہو سکے ان کی نسبت خوشیاں منا رہے ہیں کہ قیامت کے دن ان کو بھی نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔

مومنین کی اعلیٰ جماعت

(۶۶) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُوْنَ فِي الدُّنْيَا عَلٰى ثَلَاثَةِ اَجْزَاءٍ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْ يَأْمَنُهُ النَّاسُ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ثُمَّ الَّذِيْ اِذَا اَشْرَفَ عَلٰى طَمَعٍ تَرَكَهٗ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ. (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا میں مومن تین طرح پر ہیں وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں شک نہیں کیا اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا اور وہ شخص جس کو لوگ اپنے مالوں اور اپنی جانوں پر بے خوف سمجھیں۔ پھر وہ جب کسی طمع پر جھانکتا ہے۔ اللہ عزوجل کے لیے اس کو چھوڑ دیتا ہے۔ (روایت کیا اس کو احمد نے)

تشریح: مومنین کی اس آخری جماعت کا وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر اس کے دل میں دنیا کی کسی چیز کی طمع وحرص پیدا ہوتی ہے تو وہ اس پر عمل نہیں کرتا بلکہ خدا کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس طمع وحرص کو چھوڑ دیتا ہے گویا یہ وہ جماعت ہے جس نے اگر چہ دنیاداروں کے ساتھ اختلاط رکھا اور اس اختلاط کی وجہ سے اس کے دل میں طمع وحرص پیدا ہوئی لیکن عین وقت پر خدا نے اس کو طمع وحرص پر عمل کرنے سے بچالیا یہ جماعت مرتبہ کے اعتبار سے پہلی دونوں جماعتوں سے ادنیٰ ہے پھر اس تیسری جماعت کے بعد مومنین کی اور بھی قسمیں ہیں۔ لیکن وہ سب مرتب کے اعتبار سے ساقط ہیں۔

شہید کی تمنا

(۶۷) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ عَمِيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ نَفْسٍ مُسْلِمَةٍ يَقْبِضُهَا رَبُّهَا تُحِبُّ اَنْ تَرْجِعَ اِلَيْكُمْ وَاَنَّ لَهَا الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا غَيْرُ الشَّهِيْدِ قَالَ ابْنُ اَبِيْ عَمِيْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ اُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ يَكُوْنَ لِيْ اَهْلُ الْوَبَرِ وَالْمَدَرِ. (رواه النسائي)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مسلمان شخص نہیں جس کی روح اس کا رب قبضہ کر لیتا ہے وہ اس بات کو دوست رکھے کہ تمہاری طرف لوٹ آوے اور اس کے لیے دنیا و مافیہا ہو سوائے شہید کے۔ ابن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم خدا کی یہ کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ خیموں والے اور حویلیوں میں رہنے والے میرے زیر نگیں ہوں۔ روایت کیا اس کو نسائی نے۔

تشریح: "اهل الوبر" وبر اونٹ کے بال اور پشم کو کہتے ہیں مراد خیمے ہیں اور خیموں والے لوگ خانہ بدوش اور صحرائی لوگ ہوتے ہیں

مطلب آبادی سے دور خانہ بدوش لوگوں کے علاقے ہیں اور "المدر" اس سے مراد مٹی اور پکے مکانات کے لوگ ہیں مطلب یہ کہ مجھے جہاد اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں ان تمام لوگوں کا حاکم بن جاؤں اور حکومت کروں۔

ہر مومن پر شہید کا اطلاق

(۶۸) وَعَنْ حَسْنَاءَ بِنْتِ مُعَاوِيَةَ قَالَتْ حَدَّثَنَا عَمِّي قَالَ قُلْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فِي الْجَنَّةِ قَالَ النَّبِيُّ فِي الْجَنَّةِ وَالشَّهِيْدُ فِي الْجَنَّةِ وَالْمَوْلُوْدُ فِي الْجَنَّةِ وَالْوَئِيْدُ فِي الْجَنَّةِ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت حسنا بنت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا مجھ کو میرے چچا نے حدیث بیان کی اس نے کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جنت میں کون جائیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنتی ہے شہید جنتی ہے لڑکے جنتی ہیں۔ زندہ گاڑی گئی لڑکی جنتی ہے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: "یہاں شہید" سے مراد صرف وہ شخص نہیں ہے جو خدا کی راہ میں مارا گیا ہو بلکہ "مومن" مراد ہے کہ خواہ وہ حقیقۃ شہید ہو یا حکما شہید ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی اس آیت میں ایمان لانے والوں پر شہید کا اطلاق کیا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ

"اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق اور شہداء ہیں۔"

"اور جنت میں بچے ہوں گے" یعنی بچہ خواہ مومن کا ہو یا کافر کا جنت میں داخل کیا جائے گا اسی طرح وہ کچا بچہ بھی جنت ہی میں داخل کیا جائے گا جو اسقاط حمل کی صورت میں ختم ہو گیا ہے۔ "جن کو جیتے جی گاڑ دیا گیا ہے" یعنی جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی زندہ لڑکیوں کو زمین میں گاڑ دیا کرتے تھے بلکہ بعض لوگ معاشی تنگیوں اور دوسری پریشانیوں کے وقت اپنے زندہ لڑکوں کو بھی گاڑ دیتے تھے تو ایسے لڑکے اور لڑکیاں بھی جنت میں داخل کی جائیں گی۔ حدیث میں بطور خاص صرف چار طرح کے لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے تو شاید اول الذکر دونوں کی تخصیص ان کے فضل و شرف کے اعتبار سے ہے اور آخر الذکر دونوں کی تخصیص اس سبب سے ہے کہ یہ کسی کسب وعمل کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے۔

جہاد میں مال و جان دونوں سے شرکت کرنے والوں کی فضیلت

(۶۹) وَعَنْ عَلِيٍّ وَاَبِي الدَّرْدَاءِ وَاَبِي هُرَيْرَةَ وَاَبِي اُمَامَةَ وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ كُلُّهُمْ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ اَرْسَلَ نَفَقَةً فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاَقَامَ فِيْ بَيْتِهٖ فَلَهٗ بِكُلِّ دِرْهَمٍ سَبْعُمِائَةِ دِرْهَمٍ وَمَنْ غَزَا بِنَفْسِهٖ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاَنْفَقَ فِي وَجْهِهٖ ذٰلِكَ فَلَهٗ بِكُلِّ دِرْهَمٍ سَبْعُمِائَةِ اَلْفِ دِرْهَمٍ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ. (رواہ ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت علی ابوالدرداء ابو ہریرہ ابوامامہ عبداللہ بن عمر عبداللہ بن عمرو جابر بن عبداللہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہم یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ کی راہ میں خرچ بھیج دیا اور خود اپنے گھر میں بیٹھا رہا اس کے لیے ہر درہم کے بدلہ میں سات سو درہم ہیں اور جس نے بذات خود اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور اس میں خرچ کیا اس کو ہر درہم کے بدلہ میں سات لاکھ درہم ملیں گے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے زیادہ کرتا ہے۔ (روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے)

تشریح: اس سے پہلے حدیث ۱۳ اور حدیث ۳۸ میں یہ بات مذکور ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ میں ایک اونٹنی کے بدلے سات سو اونٹنیاں ملیں گی اور دنیا میں ایک درہم خرچ کرنے کے عوض قیامت میں سات سو درہم ملیں گے زیر بحث حدیث میں بھی اس کا تذکرہ ہے لیکن یہاں دو قسم کے

لوگ ہیں اور دونوں کا ثواب الگ الگ ہے ایک وہ شخص ہے جو مجاہدین کیلئے پیسہ بھیج دیتا ہے مگر خود گھر میں بیٹھا ہوا ہے جہاد میں شریک نہیں ہے اس کو ایک درہم کے بدلے سات سو درہم ملیں دوسرا وہ شخص ہے کہ خود بھی جہاد میں شریک ہے اور اس راستے میں پیسہ بھی خرچ کر رہا ہے تو زیر بحث حدیث میں ہے کہ اس کو ایک درہم کے عوض سات لاکھ درہم ملیں گے اب یہاں دونوں آدمی بھی الگ ہیں دونوں کے عمل میں بھی فرق ہے دونوں کے ثواب اور اجر میں بھی فرق ہے لہٰذا دونوں کو الگ الگ رکھنا چاہیے۔ تبلیغی حضرات یہاں اس حدیث سے انچاس کروڑ کا ثواب نکالتے ہیں اور طریقہ یہ اختیار کرتے ہیں کہ سات سو درہم والی حدیث سے سات لاکھ والی حدیث میں ضرب دیتے ہیں مثلاً ۷۰۰۰۰۰x۷۰۰=۴۹۰۰۰۰۰۰۰۔ اس خطیر رقم کو حاصل کرنے کے بعد یہ حضرات اس فضیلت کو اپنے مخصوص اعمال کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔ یہاں سوال یہ ہے کہ سبیل اللہ عام ہے یا خاص ہے اگر عام ہے تو یہ ثواب طلباء، علماء، خطباء، فقہاء، حجاج کرام اہل تبلیغ اور مجاہدین سب کو ملنا چاہیے کیونکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے راستے ہیں اور اگر سبیل اللہ خاص ہے تو پھر انصاف کا تقاضا ہے کہ یہ فضیلت صرف مجاہدین کو حاصل ہو کیونکہ سبیل اللہ جب مطلق ذکر ہو جائے تو اس سے جہاد کا راستہ مراد ہوتا ہے نیز حدیث بھی کتاب الجہاد میں مذکور ہے جو مجاہدین کے ساتھ خاص ہے نہ کہ اہل تبلیغ کے ساتھ۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہاں انچاس کروڑ نکالنے کی آخر ضرورت کیا ہے اور کونسی مجبوری ہے؟ کیا حدیث سمجھنے کیلئے اس طرح ضرب دینے کی ضرورت ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو دو الگ الگ قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے تو دو کو ایک بنانے کا جواز کہاں سے آیا؟ پھر چلو اگر دو قسم لوگوں کا ثواب ایک قسم کو دینا ہے تو جب سات سو والے کا ثواب سات لاکھ والے کو دیدیا تو اس کے پاس سات لاکھ سات سو عدد کا ثواب آ گیا یہ انچاس کروڑ کہاں سے آیا؟

اگر کوئی شخص "یضعف" کے الفاظ سے استدلال کرنا چاہتا ہے کہ اس میں دوگنا کرنے کا ذکر ہے تو عرض یہ ہے کہ دو چند اور دوگنا کرنے کی حد خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمادی کہ ایک کا ثواب سات سو تک اور دوسرے کا سات لاکھ تک بڑھ جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تضعیف اور دو چند کرنے کی حد بتادی ہے آپ اس سے آگے کیوں نہیں جاتے ہو؟ اگر قیامت میں لوگ انچاس کروڑ مانگنا شروع کردیں تو یہ حضرات کہاں سے دیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو یہ تعین نہیں ہے یہ تو ان حضرات کا اپنا مفروضہ ہے حالانکہ انچاس کروڑ عدد کیلئے عربی کے الفاظ بتانا بھی ان حضرات کو نہیں آتا تحفۃ الاحوذی میں لکھا ہے کہ "والفضائل لا تؤخذ بالقیاس" یعنی فضائل کو قیاس کر کے بیان نہیں کیا جا سکتا ہے یہاں تو تعین ہوتا ہے قیاس نہیں چلتا۔

باقی ایک ضابطہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ شریعت میں ثواب بڑھنے اور زیادہ ہونے پر کوئی پابندی نہیں ہے "والله یضاعف لمن یشاء" قرآن کی آیت ہے ارب کھرب کروڑ کیا انچاس ارب ثواب بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن شریعت نے جہاں تعین کیا ہے ہم کریں گے اور جہاں شریعت نے مبہم چھوڑ کر تعین نہیں کیا ہے تو کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ تعین کرے آج کل بیشمار لوگ بے ادبی اور گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں اور کہتے پھرتے ہیں کہ بیت اللہ میں ایک نیکی ایک لاکھ کی ہے اور دعوت تبلیغ میں انچاس کروڑ کی ہے ماہنامہ البلاغ میں ایک دفعہ زیر بحث ابن ماجہ کی حدیث کے متعلق ایک فتویٰ آیا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ ابن ماجہ کی یہ حدیث ضعیف ہے لہٰذا جو شخص بھی اس حدیث کو بیان کرے گا اس پر لازم ہوگا کہ وہ عوام کو یہ بھی بتائے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

شہداء کی قسمیں

(۷۰) وَعَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الشُّهَدَاءُ اَرْبَعَةٌ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَيِّدُ الْاِيْمَانِ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَرْفَعُ النَّاسُ اِلَيْهِ اَعْيُنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ هٰكَذَا وَرَفَعَ رَاْسَهُ حَتّٰى سَقَطَتْ قَلَنْسُوَتُهُ فَمَا اَدْرِىْ اَقَلَنْسُوَةُ عُمَرَ اَرَادَ اَمْ قَلَنْسُوَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَيِّدُ الْاِيْمَانِ لَقِيَ الْعَدُوَّ كَاَنَّمَا ضُرِبَ جِلْدُهُ بِشَوْكِ طَلْحٍ مِنَ الْجُبْنِ اَتَاهُ سَهْمٌ غَرْبٌ فَقَتَلَهُ فَهُوَ فِى الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ خَلَطَ عَمَلاً صَالِحًا وَاٰخَرَ سَيِّئًا لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ فَذٰلِكَ فِى الدَّرَجَةِ الثَّالِثَةِ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ اَسْرَفَ عَلٰى نَفْسِهٖ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ فَذٰلِكَ فِى الدَّرَجَةِ الرَّابِعَةِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

ترجمہ: حضرت فضالہ بن عبید سے روایت ہے کہا میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا کہتے تھے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے شہید چار طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ شخص جو کامل ایمان رکھتا ہے وہ دشمن کو ملا اس نے اللہ کو سچ کر دکھلایا یہاں تک کہ شہید ہو گیا یہ وہ شخص ہے کہ قیامت کے دن لوگ اس کی طرف اپنی آنکھیں اس طرح اٹھائیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر اٹھایا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹوپی گر پڑی۔ راوی نے کہا میں نہیں جانتا اس کی مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ٹوپی تھی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹوپی۔ فرمایا اور ایک وہ شخص ہے جو کامل ایمان والا ہے دشمن سے ملا لیکن اس کی حالت یہ ہے گویا بزدلی سے اس کے جسم میں خاردار درخت کے کانٹے چھوڑے گئے ہیں اس کو کوئی اجنبی تیر آ کر لگا اس کو مار ڈالا۔ یہ دوسرے درجہ کا شہید ہے ایک وہ شخص ہے جو مومن ہے جس نے کچھ اچھے عمل کیے اور کچھ برے دشمن سے ملا اللہ کو سچ کر دکھلایا یہاں تک کہ شہید ہو گیا یہ تیسرے درجہ میں ہے چوتھا وہ ایماندار شخص جس نے اپنی جان پر اسراف کیے دشمن سے ملاقات کی اس نے اللہ کو سچ کر دکھلایا یہاں تک کہ مارا گیا یہ چوتھے درجہ پر ہے روایت کیا اس کو ترمذی نے اور کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: اس نے اللہ تعالیٰ کو سچ کر دکھایا کے بارے میں واضح ہو کہ اگر لفظ صدق میں دال پر تشدید نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس شخص نے اپنی شجاعت و بہادری کے ذریعہ اس چیز کو سچا کیا جس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر عائد ہوئی تھی یعنی خدا کی راہ میں ثابت قدم رہنا اور دشمن کو پیٹھ نہ دکھانا اور اگر دال پر تشدید ہو تو اس صورت میں معنی ہوں گے کہ اس شخص نے اپنے عمل اور اپنی شجاعت و بہادری کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو راست گو ثابت کیا اور اس کے قول کی تصدیق کی بایں طور کہ اس نے خدا کی راہ میں جہاد کیا اور اس راہ کی تمام مشقتوں تکلیفوں اور مصائب کو برداشت کیا اور حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہونے والے اجر و ثواب کا امیدوار ہوا۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے جو مجاہدین اسلام کی یہ تعریف بیان کی ہے کہ وہ خدا کی راہ میں پیش آنے والی ہر مصیبت و تکلیف پر صبر کرتے ہیں اور اپنے پروردگار کی طرف سے اجر و ثواب کے طلب گار ہوتے ہیں تو جب وہ شخص لڑا اور طلب ثواب کی خاطر صبر و استقامت کی راہ اختیار کی تو گویا اس نے اپنے اس عمل کے ذریعہ حق تعالیٰ کی بات کی تصدیق کی۔

حدیث میں شہداء کی جو قسمیں بیان کی گئی ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ جس مسلمان نے خدا کی راہ میں شہادت پائی ہے وہ یا تو متقی و پرہیز گار بھی تھا اور شجاع و بہادر بھی اور یہ پہلی قسم ہے یا وہ متقی و پرہیز گار تو تھا لیکن شجاع و بہادر نہیں تھا یہ دوسری قسم ہے اور یا وہ شجاع بہادر تو تھا مگر متقی و پرہیز گار نہیں تھا پھر اس کی بھی دو قسمیں ہوں گی ایک یہ کہ یا تو وہ ایسا غیر متقی و غیر پرہیز گار تھا کہ اس کے اعمال محفوظ تھے۔ لیکن زندگی میں اس سے نیک عمل بھی صادر ہوئے تھے اور برے عمل بھی سرزد ہوئے تھے لیکن اس کے برے اعمال اتنے زیادہ نہیں تھے کہ اس کو فاسق و مسرف کہا گیا ہو۔ اور یہ حدیث میں بیان کی گئی تیسری قسم ہے اور یا وہ ایسا غیر متقی و غیر پرہیز گار تھا کہ اس کی بدعملیاں اس کی زندگی میں غالب رہی تھیں یعنی اس نے اتنے زیادہ برے اعمال کیے تھے کہ فاسق و مسرف مانا گیا تھا اور یہ چوتھی قسم ہے لہٰذا دوسری قسم کے علاوہ اور ساری قسموں میں اللہ کی راہ کی تصدیق حاصل ہوتی ہے نیز اس وضاحت سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ کی تصدیق کرنے سے "صبر اور طلب ثواب کے وعدے کی تصدیق مراد ہے" کیونکہ وہ دوسری قسم میں بھی حاصل ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود اس دوسری قسم کے شہید کے بارے میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو سچ کر دکھایا۔"

منافق اگر جہاد میں شہید ہو جائے تو جنت کا حقدار نہیں ہوگا

(۷۱) وَعَنْ عُتْبَةَ بْنِ عَبْدِ السُّلَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَتْلٰى ثَلَاثَةٌ مُؤْمِنٌ جَاهَدَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَإِذَا لَقِيَ الْعَدُوَّ قَاتَلَ حَتّٰى يُقْتَلَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِ فَذٰلِكَ الشَّهِيْدُ الْمُمْتَحَنُ فِيْ خَيْمَةِ اللّٰهِ تَحْتَ عَرْشِهٖ لَا يَفْضُلُهُ النَّبِيُّوْنَ إِلَّا بِدَرَجَةِ النُّبُوَّةِ وَمُؤْمِنٌ خَلَطَ عَمَلًا صَالِحًا وَاٰخَرَ سَيِّئًا جَاهَدَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ إِذَا لَقِيَ الْعَدُوَّ قَاتَلَ حَتّٰى يُقْتَلَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِ مُمَصْمِصَةٌ مَحَتْ ذُنُوْبَهٗ وَخَطَايَاهُ إِنَّ السَّيْفَ مَحَّاءٌ لِلْخَطَايَا وَأُدْخِلَ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَ وَمُنَافِقٌ جَاهَدَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فَإِذَا لَقِيَ الْعَدُوَّ

قَاتَلَ حَتّٰی یُقْتَلَ فَذَاکَ فِی النَّارِ اِنَّ السَّیْفَ لَایَمْحُو النِّفَاقَ. (رواہ الدارمی)

ترجمہ: حضرت عتبہ بن عبد سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مقتول تین قسموں پر ہیں ایک مومن شخص جس نے اپنے مال اور جان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا جس وقت دشمن سے ملا لڑا یہاں تک کہ قتل کر دیا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شخص وہ شہید ہے جس کی آزمائش کی گئی ہے وہ اللہ کے عرش کے نیچے اس کے خیمہ میں ہوگا، انبیاء اس سے صرف درجہ نبوت میں زیادہ ہوں گے۔ دوسرا وہ مومن شخص جس نے اچھے اور برے عمل کیے اپنے نفس اور مال کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا جس وقت دشمن سے ملا لڑا یہاں تک کہ قتل کر دیا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس میں پچھی ہے اس کے گناہ مٹا دیئے گئے غلطیاں معاف کر دی گئیں۔ تلوار گناہوں کو بہت مٹانے والی ہے جنت کے جس دروازے سے چاہے گا داخل کیا جائے گا۔ اور تیسرا منافق ہے جس نے اپنے نفس اور مال کے ساتھ جہاد کیا جس وقت دشمن سے ملا لڑا یہاں تک کہ قتل کر دیا گیا پس یہ شخص دوزخ میں ہے تلوار نفاق کو نہیں مٹاتی۔ (روایت کیا اس کو دارمی نے)

تشریح: "الممتحن" اسم مفعول کا صیغہ ہے امتحان و آزمائش میں ڈالے ہوئے کے معنی میں ہے لیکن یہاں اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عظیم شہید کے دل کو ایمان و تقویٰ کیلئے کھول دیا اور ایمان و تقویٰ پر اس کا شرح صدر ہو گیا جیسے آیت میں ہے۔ اولئک الذین امتحن الله قلوبهم للتقوی یہ لوگ عرش کے نیچے اللہ تعالیٰ کے مہیا کردہ خیمے میں ہوں گے۔ "ممصمصة" مدحرجة کے وزن پر ہے پر صفت ہے اس کا موصوف یا لفظ "شہادۃ" ہے اور یا خصلۃ ہے ای شہادۃ ممصمصۃ او خصلۃ ممصمصۃ ممصمصہ مفصمصہ کے وزن پر صفائی اور طہارت و پاکیزگی کے معنی میں ہے یعنی یہ شہادت گناہوں سے آدمی کو پاک وصاف کرنے والی ہے۔

" ذاک فی النا" یعنی منافق اگر چہ جہاد کرے خوب لڑے اور دنیوی شہید بھی بنے اپنے کپڑوں میں بغیر غسل کے شہید کی طرح دفن بھی ہو جائے پھر بھی جنت کے بجائے دوزخ میں جائے گا کیونکہ تلوار گناہوں کو دھو ڈالتی ہے مگر غلط عقیدہ کو بدل نہیں سکتی ہے جیسے قادیانی' آغا خانی' رافضی ملحد ذکری وغیرہ ہیں جو پاکستانی فوج میں سروس کیلئے لڑتے ہیں اور مرتے ہیں مگر یہ شہید نہیں ہوتے ہیں کیونکہ منافق شہید نہیں ہوتے ہیں۔

جہاد میں پاسبانی کی خدمت انجام دینا بدعملیوں کا کفارہ اور نجات ابدی کا ذریعہ ہے

(۴۷) وَعَنِ ابْنِ عَائِذٍ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَنَازَةِ رَجُلٍ فَلَمَّا وُضِعَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَاتُصَلِّ عَلَيْهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَإِنَّهُ رَجُلٌ فَاجِرٌ فَالْتَفَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ رَآهُ اَحَدٌ مِنْكُمْ عَلٰى عَمَلِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَرَسَ لَيْلَةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَصَلّٰى عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَثٰى عَلَيْهِ التُّرَابَ وَقَالَ اَصْحَابُكَ يَظُنُّوْنَ اَنَّكَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ وَاَنَا اَشْهَدُ اَنَّكَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَقَالَ يَا عُمَرُ اِنَّكَ لَا تُسْئَلُ عَنْ اَعْمَالِ النَّاسِ وَلٰكِنْ تُسْئَلُ عَنِ الْفِطْرَةِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ.

ترجمہ: حضرت ابن عائذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے جنازہ میں نکلے جب اس کو رکھا گیا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہنے لگے اے اللہ کے رسول اس پر نماز جنازہ نہ پڑھیں یہ فاجر آدمی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف دیکھا اور فرمایا کسی شخص نے اس کو اسلام کا عمل کرتے دیکھا ہے ایک آدمی نے کہا ہاں اے اللہ کے رسول ایک رات اس نے اللہ کی راہ میں نگہبانی کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز جنازہ پڑھی اور اس پر مٹی ڈالی پھر فرمایا تیرے ساتھی تیرے متعلق گمان رکھتے ہیں کہ تو دوزخی ہے اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تو جنتی ہے اور فرمایا اے عمر تجھ سے لوگوں کے اعمال کے متعلق سوال نہ کیا جائے گا لیکن تو دین اسلام کے متعلق پوچھا جائے گا۔ روایت کیا اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں۔

تشریح: "بلکہ تم سے دین اسلام کی بابت پوچھا جائے گا" یعنی اس چیز کے بارے میں پوچھا جائے گا جو شعار دین اور علامات یقین میں سے

ہونے کی وجہ سے اسلام پر دلالت کرے۔ اس ارشاد کا مقصد دراصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس جرات سے باز رکھنا تھا جو انہوں نے اس میت کے فسق کا تذکرہ کر کے کی تھی اور وہ ایک ناپسندیدہ چیز ہے چنانچہ ان الفاظ کے ذریعہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واضح کیا کہ کسی مسلمان کی محض ظاہری زندگی اور اس کے اعمال کو دیکھ کر اس کی اخروی حیثیت کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس چیز کو معیار بنانا چاہئے جو اس کے دین واسلام پر کامل یقین واعتقاد کی غمازی کرے اور یہ ثابت کرے کہ اس کے اصل ایمان میں کوئی کھوٹ اور اس کے بنیادی عقائد میں کوئی کمی نہیں ہے جہاں تک اعمال کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی بے نیاز ہے۔ اور وہ اپنے بندوں پر بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

طیبی رحمہ اللہ نے حدیث کے مذکورہ جملہ کی وضاحت یہ کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ متنبہ کیا کہ عمر! تمہیں اس موقع پر میت کے برے اعمال اور اس کے ظاہری فسق کا ذکر نہیں کرنا چاہئے کہ تم اس کے نیک اعمال اور اس کی اچھی باتوں کو سامنے لاؤ۔ جیسا کہ ایک جگہ یوں فرمایا گیا ہے کہ: اذکروا موتاکم بالخیر۔ "تم اپنے مرے ہوئے لوگوں کا تذکرہ بھلائی کے ساتھ کرو۔"

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے اس اقدام و جرات سے روکنا مقصود تھا جس کا انہوں نے اس موقع پر مظاہرہ کیا تھا یعنی اس کے فسق کا ذکر واظہار کیونکہ کسی انسان کی اخروی فلاح اور ابدی نجات کا دارومدار اصل میں فطرت یعنی اسلام اور اس کے عقائد پر ہے جب کہ اس شخص نے ایک ایسا عمل بھی کیا تھا جو اعمال اسلام میں سے ہے اور اس کے مسلمان ہونے کو ثابت کرنے کے لیے تنہا وہی عمل کافی ہے۔

بَابُ اِعْدَادِ اٰلَةِ الْجِهَادِ..... سامان جہاد کی تیاری کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ.... جہاد کے لئے بقدر استطاعت، قوت طاقت فراہم کرنیکا حکم

(۱) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تھے۔ اور کافروں کے لیے جس قدر تم کو طاقت ہو قوت تیار کرو خبردار قوت تیر اندازی ہے خبردار قوت تیر اندازی ہے۔ خبردار قوت سے مراد تیر اندازی ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: "واعدو الھم مااستطعتم من قوۃ" اعداد سامان وغیرہ کی تیاری کے معنی میں ہے صاحب مشکوٰۃ نے یہ عنوان اسی آیت کے پیش نظر قائم کر رکھا ہے۔ شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ واعدوا میں امر کا جو صیغہ ہے تمام مسلمان اس کے مخاطب ہیں اور ہر مسلمان پر فرض اور لازم ہے کہ وہ ذاتی طور پر جہاد کی تیاری کرے اور اپنی ایک قوت پیدا کرے یہ قوت اگرچہ پوری دنیا کی قوت کے برابر نہ ہو پھر بھی اپنی طاقت کے مطابق قوت پیدا کرنا ضروری ہے۔ "ما استطعتم" کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ تم سے جتنا ہو سکتا ہے اتنا کرو۔

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے اعداد آلات جہاد پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "اسلام اور ہتھیار" رکھا ہے اس میں آپ نے قرآن وحدیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اسلحہ سیکھ بھی لے اور گھر میں رکھ بھی لے اور کفار پر استعمال بھی کرے اس کتاب کے لکھنے کی ضرورت اس وقت پیش آئی کہ جب ہندوستان میں انگریز کی طرف سے عام پروپیگنڈہ ہو گیا کہ اسلام میں ہتھیار اور تلوار کا کوئی مقام نہیں یہاں تک کہ اخبارات میں مضامین شائع ہونے لگے اس پر کچھ مسلمانوں نے دارالعلوم دیوبند سے فتویٰ مانگا کہ آیا اسلام میں تلوار کا کوئی مقام ہے یا نہیں علماء دیوبند نے حضرت مولانا احمد علی لاہوری کو جواب دینے کیلئے منتخب کیا آپ نے یہ کتاب لکھی جس پر سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ اور حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ کے دستخط موجود ہیں روزنامہ انقلاب مورخہ ۳ ستمبر

۱۹۳۵ء میں یہ فتویٰ جاری کر دیا گیا۔ اعداد لہ جہاد اور اسلحہ سازی کا اہتمام وانتظام خود نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ترجیحی بنیادوں پر کیا تھا۔ چنانچہ جب طائف کے قلعہ کا محاصرہ طویل ہو گیا تو آپ نے قلعہ شکن اسلحہ کی ضرورت کی طرف اشارہ کیا اس پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے منجنیق تیار کی' پھر آنحضرت نے اسی طائف سے دو صحابہ کو دمشق کے علاقہ جرش کی طرف روانہ فرمایا کیونکہ جرش میں اس وقت دو قسم کے نئے اسلحے تیار ہو رہے تھے ایک کا نام دبابہ یعنی ٹینک تھا اور دوسرے کا نام ضبور تھا یہ ایک قسم کی گاڑی تھی جس طرح آج کل بکتر بند گاڑی ہوتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ مسلمان صرف ٹینک خرید کر نہ لائیں بلکہ اسلحہ سازی کی ٹیکنالوجی سیکھ کر آئیں چنانچہ حضرت عروہ بن مسعودؓ اور غیلان بن مسلمہ نے جا کر اس کو سیکھا اور واپس آ گئے۔ جنگ خندق کے بعد بنو قریظہ کو جب شکست ہو گئی اور ان کی عورتیں لونڈیاں بنائی گئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روم کے بازاروں میں ان عورتوں کو اسلحہ کے بدلے فروخت کیا اور اسلحہ حاصل کیا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اسلحہ سازی کی بے انتہا ترغیب دی ہے احادیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلحہ سیکھنے سکھانے' رکھنے اور چلانے کی بے حد ترغیب دی ہے کیونکہ کفار مادی قوت سے ڈرتے ہیں روحانی قوت کی وہ کوئی پرواہ نہیں کرتے عرفات میں ۲۰ لاکھ حجاج کرام چیخ چیخ کر کفار کیلئے بددعا کرتے ہیں مگر کسی بھی جگہ کافر پیچھے نہیں ہٹتے لیکن اگر ایک پسٹل کی معمولی گولی ان پر کشمیر وغیرہ میں چلائی جائے تو ان کی فوج بھاگ جاتی ہے۔

لہٰذا اسلحہ کی اس مادی قوت کو معطل کرنا یا اس کی جگہ روحانی قوت کی بات کرنا شریعت کی تعطیل اور احکام الٰہی کی تعطیل کے مترادف ہے مسلمانوں کو اس طرح کی باتوں سے احتراز کرنا چاہیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گھوڑوں کی سواری' شمشیر زنی' نیزہ بازی اور تیر اندازی وغیرہ سامان جہاد اور مروج اسلحہ ہوتا تھا آج بندوق توپ راکٹ لانچر ہوائی جہاز جیٹ طیارے ٹینک توپیں بکتر بند گاڑیاں آبدوز کشتیاں' بم ایٹم بم آہن پوش اور کروز میزائل وغیرہ کا زمانہ ہے لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان تمام مروج اسلحہ کو خوب سے خوب تر تیار کریں فتح وظفر تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے خود ان اسباب کے استعمال کا حکم مسلمانوں کو دیا ہے اسباب پر اتکال ناجائز ہے اسباب کا استعمال تو اسلام کا حکم ہے ورنہ اسباب کو یکسر مسترد کرنے سے آدمی فرقہ ضالہ جبریہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

سورۃ حدید میں آیت ہے۔ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ

اس میں واضح طور پر حکم ہے کہ اپنے دین کی مدد اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی شریعت کی حفاظت کیلئے لوہے سے جہاد کا کام لو' دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں ایک خصوصیت رکھی ہے اس خصوصیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے مثلاً ایک آدمی کو پیاس لگی ہے پیاس بجھانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے پانی کو پیدا کیا ہے اور اس میں پیاس بجھانے کی خاصیت رکھی ہے اب اگر کوئی شخص متوکل بنتا ہے اور پانی پینے کے بجائے وہ مسجد کا رُخ کرتا ہے اور نماز پڑھنے لگ جاتا ہے تو یہ خودکشی کے مترادف ہو گا یا تو اس شخص پر خرق عادات اور کرامات کا بھوت سوار ہے یا اس شخص کے دماغ میں خلل ہے۔

بالکل اسی طرح کفار کے مقابلے کیلئے اللہ تعالیٰ نے لوہا پیدا کیا ہے اور اس سے بنے ہوئے ہتھیاروں میں دفاع کی خاصیت رکھی ہے اسی کے استعمال سے کافر مغلوب ہوں گے اور بھاگ جائیں گے اگر کوئی شخص یہ کہنا شروع کر دے کہ کفار کو بھگانے کیلئے روحانیت پیدا کرو نیک بنو اعمال پر آ جاؤ اور اسلحہ کو ہاتھ نہ لگاؤ کفار کی حکومتیں خود بخود ٹوٹ جائیں گی تو یہ فلسفہ اور یہ ذہنیت قرآن وحدیث کے بھی منافی ہے اور حضور اکرم وصحابہ کرام کی دس سالہ مسلح جنگ کے بھی منافی ہے اور سلف صالحین کی پوری تاریخ کے بھی منافی ہے اسی ذہنیت کو دور کرنے کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت اعدوا لہ جہاد کی تفسیر میں دو مرتبہ فرمایا "الا ان القوۃ الرمی الا ان القوۃ الرمی" یعنی مار پھینکنا قوت ہے تیر چلانا قوت ہے روحانی قوتوں میں الجھ کر کہیں اپنا نقصان نہ کر لو بے شک مسلمان بنو نیک بنو مگر اسلحہ استعمال کرو اسلحہ پر اتکال نہ کرو اس کا استعمال کرو اور شاہین بن کر اپنے دین کی مدد کرو منت سماجت سے اور معذرت خواہانہ لہجہ سے کافر سر پر چڑھ کر سب کچھ تباہ کر دیں گے شاعر مشرق نے خوب کہا

افسوس صد افسوس کہ شاہین نہ بنا تو — دیکھے نہ تیری آنکھ نے قدرت کے اشارات
تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے — ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلحہ پر کافروں کے اعتراضات کا جواب دیں

ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے
مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر

حق سے اگر غرض ہے تو جائز ہے کیا یہ بات
اسلام کا محاسبہ مغرب سے در گزر

''الرمی'' کا لفظ عجیب جامع لفظ ہے اس میں تلوار کا وار بھی داخل ہے پتھر مارنا تیر مارنا نیزہ مارنا توپ کا گولہ پھینکنا بم گرانا راکٹ داغنا سب رمی کے مفہوم میں داخل ہے۔

دشمن جس چیز کو اپنی طاقت کا ذریعہ بنائے تم بھی اس میں مہارت حاصل کرو

(۲) وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ سَتُفْتَحُ عَلَيْكُمُ الرُّوْمُ وَيَكْفِيْكُمُ اللّٰهُ فَلَا يَعْجِزُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَلْهُوَ بِأَسْهُمِهٖ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے تم پر روم فتح ہوگا اور اللہ تم کو کفایت کرے گا پس تم سستی نہ کرنا کہ تم میں سے کوئی اپنے تیروں سے غافل ہو جائے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں روم والے عام طور پر تیر اندازی ہی کے ذریعہ جنگ کرتے ہیں اور چونکہ تمہیں ان کے ساتھ جنگ کرنی ہے اس لیے ضروری ہے کہ تم لوگ تیر اندازی کو اپنا مشغلہ بنالو اور اس کی مشق کے ذریعہ اس کے گر اور کمالات سیکھتے رہو تاکہ تم ان سے جنگ کرنے پر قادر ہو سکو اور اللہ تمہیں ان سے مڈبھیڑ کے وقت اپنی مدد و نصرت کے ساتھ میں رکھے۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مراد تھی کہ تیر اندازی کی مشق کو ترک نہ کرو بلکہ جنگ میں فتح کے بعد بھی اس کا مشغلہ جاری رکھو اور اس بات پر غرور و اطمینان کر کے نہ بیٹھ جاؤ کہ اب تو روم فتح ہو گیا ہے اس مشغلہ کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ گئی کیونکہ تیر اندازی کی ضرورت ہمیشہ اور ہر جنگ کے وقت پڑنے والی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت پیش بندی کے طور پر دی تھی چنانچہ اس پر پوری طرح عمل کیا گیا اگرچہ اہل روم کے قتال کے موقع پر اس کی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو روم پر بڑی آسانی کے ساتھ فتح عطا فرمادی تھی۔ تیر اندازی کی مشق کو ''لہو'' یعنی کھیل سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ کسی بھی چیز کی مشق صورت کے اعتبار سے کھیل ہی کے درجے کی چیز ہوتی ہے دوسرے اس کے ذریعہ لوگوں کو تیر اندازی کی مشق کی ترغیب دلانا مقصود تھا کہ کسی چیز پر ''کھیل'' کا نام آ جائے تو اس کی طرف جلدی مائل ہو جانا انسانی خصلت میں داخل ہے۔

تیر اندازی کی اہمیت

(۳) وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ عَلِمَ الرَّمْيَ ثُمَّ تَرَكَهٗ فَلَيْسَ مِنَّا أَوْ قَدْ عَصٰى (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے جس نے تیر اندازی سیکھی پھر اس کو چھوڑ دیا وہ ہم میں سے نہیں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے نافرمانی کا کام کیا۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: ''وہ ہم میں سے نہیں ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہم سے قریب نہیں ہے اور ایک ایسے شخص کی مانند ہے جس کا شمار ہمارے زمرے میں نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک تو یہ کہ تیر اندازی سیکھے ہی نہیں لیکن اس کو سیکھ کر پھر چھوڑ دینا نہ سیکھنے کی بہ نسبت کہیں زیادہ برا ہے کیونکہ جس شخص نے تیر اندازی نہیں سیکھی وہ تو گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمرے میں داخل ہی نہیں ہوا لیکن یہ تو وہ شخص ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمرے میں داخل ہوا اور پھر نکل گیا گویا اس نے اس کام میں کوئی نقصان دیکھا یا اس کو کوئی برائی محسوس ہوئی اور یا اس نے ایسا استہزاء کے طور پر کیا اور ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں ایک بڑی نعمت کا کفران کرنے کے مرادف ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تیراندازی کی عملی ترغیب

(۴) وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى قَوْمٍ مِنْ اَسْلَمَ يَتَنَاضَلُوْنَ بِالسُّوْقِ فَقَالَ اِرْمُوْا بَنِيْ اِسْمَاعِيْلَ فَاِنَّ اَبَاكُمْ كَانَ رَامِيًا وَاَنَا مَعَ بَنِيْ فُلَانٍ لِاَحَدِ الْفَرِيْقَيْنِ فَاَمْسَكُوْا بِاَيْدِيْهِمْ فَقَالَ مَالَكُمْ قَالُوْا كَيْفَ نَرْمِيْ وَاَنْتَ مَعَ بَنِيْ فُلَانٍ قَالَ اِرْمُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ كُلِّكُمْ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلم قبیلہ کی ایک جماعت کے پاس سے گذرے جبکہ وہ بازار میں تیراندازی کر رہے تھے۔ فرمایا اے اسمٰعیل کی اولاد تیراندازی کرو تمہارا باپ بھی تیرانداز تھا اور میں بنو فلاں کے ساتھ ہوں کسی ایک فریق کے لیے کہا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ بند کر لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو کیا ہے انہوں نے کہا ہم کس طرح تیراندازی کریں جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں قوم کے ساتھ ہیں۔ فرمایا تیراندازی کرو میں تم سب کے ساتھ ہوں۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی تیراندازی

(۵) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اَبُوْطَلْحَةَ يَتَتَرَّسُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتُرْسٍ وَاحِدٍ وَكَانَ اَبُوْطَلْحَةَ حَسَنَ الرَّمْيِ فَكَانَ اِذَا رَمٰى تَشَرَّفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَنْظُرُ اِلٰى مَوْضِعِ نَبْلِهٖ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ابوطلحہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی ڈھال لیے بچاؤ کرتا تھا۔ ابوطلحہ بڑا اچھا تیرانداز تھا جس وقت وہ تیر پھینکتا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے تیر گرنے کی جگہ کی طرف جھانکتے۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

گھوڑوں کی فضیلت

(۶) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَرَكَةُ فِيْ نَوَاصِي الْخَيْلِ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑوں کی پیشانی میں برکت ہے (متفق علیہ)

تشریح: پیشانی سے مراد ''ذات'' ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں میں ایک خاص قسم کی برکت رکھی ہے کیونکہ گھوڑوں کے ذریعہ جہاد کیا جاتا ہے جس میں دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی ہے۔

(۷) وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْوِيْ نَاصِيَةَ فَرَسٍ بِاِصْبَعِهٖ وَهُوَ يَقُوْلُ اَلْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ بِنَوَاصِيْهَا الْخَيْرُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ الْاَجْرُ وَالْغَنِيْمَةُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا گھوڑے کی پیشانی کو اپنی انگلی کے ساتھ پیچ دیتے تھے اور فرماتے تھے قیامت کے دن تک گھوڑوں کی پیشانی میں برکت باندھ دی گئی ہے۔ اجر آخرت کا اور غنیمت دنیا کی۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

(۸) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَبَسَ فَرَسًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِيْمَانًا بِاللّٰهِ وَتَصْدِيْقًا بِوَعْدِهٖ فَاِنَّ شِبَعَهٗ وَرِيَّهٗ وَرَوْثَهٗ وَبَوْلَهٗ فِيْ مِيْزَانِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں اللہ کے ساتھ ایمان لانے اور اس کے وعدہ کو سچ سمجھنے کے سبب سے گھوڑا باندھ رکھے پس اس کا سیر ہو کر کھانا اس کی سیرابی اس کی لید اس کا پیشاب قیامت کے دن اعمال کے میزان میں ہوں گے۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

تشریح: ''اللہ پر ایمان لانے اور اس کے وعدے کو سچ جاننے کی وجہ سے'' کا مطلب یہ ہے کہ اس نے جہاد میں جانے اور دشمنوں سے

لڑائی کے لیے جو گھوڑا اپنے ہاں باندھا ہو اس میں اس کی نیت محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول اور اس کے حکم کی فرمانبرداری کی ہو اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے لیے جس عظیم اجرت وثواب کا وعدہ کیا ہے اس کی طلب گاری کی خاطر ہو۔ ''سیری اور سیرابی'' سے مراد وہ چیزیں ہیں جن سے جانور کا پیٹ بھرتا ہے اور سیراب ہوتا ہے یعنی گھاس، دانہ، پانی وغیرہ لہٰذا یہ ساری چیزیں بھی ثواب ملنے کے اعتبار سے اس شخص کے نامہ اعمال میں لکھی جائیں گی کہ قیامت کے دن یہ چیزیں ثواب کی شکل میں اس کو حاصل ہوں گی اور اس کے میزان اعمال میں تولی جائیں گی۔

اشکل گھوڑا ناپسندیدہ

(۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَکْرَهُ الشِّکَالَ فِی الْخَیْلِ وَالشِّکَالُ اَنْ یَکُوْنَ الْفَرَسُ فِیْ رِجْلِهِ الْیُمْنٰی بَیَاضٌ وَفِیْ یَدِهِ الْیُسْرٰی اَوْفِیْ یَدِهِ الْیُمْنٰی وَرِجْلِهِ الْیُسْرٰی. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے میں شکال کو مکروہ سمجھتے تھے اور شکال یہ ہے کہ گھوڑے کے دائیں پاؤں اور بائیں ہاتھ میں سفیدی ہو یا دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں میں سفیدی ہو۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: راوی نے تو شکال کی وضاحت یہی کی ہے کہ گھوڑا جس کے ایک ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں پر سفیدی ہو لیکن صاحب قاموس اور دوسرے تمام اہل لغت کے نزدیک گھوڑے میں شکال کا مطلب یہ ہے کہ اس گھوڑے کے تین پاؤں تو سفید ہوں اور ایک پاؤں باقی تمام بدن کا ہم رنگ ہو یا اس کے برعکس ہو یعنی ایک پاؤں سفید ہو اور تین پاؤں بدن کے ہم رنگ ہوں۔ اصل میں ''شکل'' لغت میں اس رسی کو کہتے ہیں جس پر چوپائے کے پیر باندھے جاتے ہیں۔ لہٰذا اس طرح کے گھوڑے کو اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے گھوڑے کو از راہ تفاؤل کے ناپسند فرماتے تھے کہ وہ گھوڑا گویا بصورت شکول ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہو کہ اس جنس کا گھوڑا اصیل نہیں ہوتا۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اگر اشکل گھوڑے کی پیشانی پر اتنی سفیدی ہو کہ جو ہاتھ کے انگوٹھے سے نہ چھپ سکے تو اس کا عیب دور ہو جاتا ہے اور پھر وہ ناپسندیدہ نہیں رہتا۔

گھوڑ دوڑ کا ذکر

(۱۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَابَقَ بَیْنَ الْخَیْلِ الَّتِیْ اُضْمِرَتْ مِنَ الْحَفْیَاءِ وَاَمَدُهَا ثَنِیَّةُ الْوَدَاعِ وَبَیْنَهُمَا سِتَّةُ اَمْیَالٍ وَسَابَقَ بَیْنَ الْخَیْلِ الَّتِیْ لَمْ تُضْمَرْ مِنَ الثَّنِیَّةِ اِلٰی مَسْجِدِ بَنِیْ زُرَیْقٍ وَبَیْنَهُمَا مِیْلٌ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اضمار کیے گئے گھوڑوں کی حفیاء سے دوڑ لگوائی ان کی انتہا ثنیۃ الوداع تھا۔ ان کے درمیان چھ میل کی مسافت ہے اور جو گھوڑے اضمار نہیں کیے گئے تھے ان کی دوڑ ثنیہ سے مسجد بنی زریق تک لگوائی۔ ان کے درمیان ایک میل کی مسافت ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: ''سابق'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں دو قسم کے گھوڑوں نے مسابقت میں حصہ لیا ہے ایک قسم سدھائے ہوئے ٹریننگ یافتہ گھوڑے تھے ان کی مسابقت چھ میل کے فاصلہ تک دوڑنے میں تھی۔ دوسری قسم وہ گھوڑے تھے جو سدھائے ہوئے نہیں تھے تربیت یافتہ نہیں تھے ان کی مسابقت کا فاصلہ تین میل تک تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ٹریننگ کی ہے اور دوسروں کو بھی کرائی ہے گھڑ دوڑ میں خود بھی حصہ لیا ہے اور دوسروں کو بھی آمادہ کیا ہے۔

''اضمرت'' گھوڑوں کو سدھانے کی غرض سے دوڑایا جاتا ہے اس عمل کو تضمیر کہتے ہیں اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے گھوڑے کو کھلا پلا کر خوب فربہ کیا جاتا ہے پھر چالیس دن تک صبح صبح نہار منہ اس کو دوڑایا جاتا ہے اور بہت کم خوراک دیا جاتا ہے یہاں تک کہ آہستہ آہستہ چالیس دن میں گھوڑے کا پیٹ اس کی پیٹھ کے ساتھ لگ جاتا ہے یہ تضمیر شدہ گھوڑا ہوتا ہے جو ہوا کی طرح دوڑتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اونٹنی کا ذکر

(۱۱) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَتْ نَاقَةٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُسَمَّى الْعَضْبَاءَ وَكَانَتْ لَاتُسْبَقُ فَجَاءَ اَعْرَابِيٌّ عَلٰى قَعُوْدٍ لَهُ فَسَبَقَهَا فَاشْتَدَّ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ لَا يَرْتَفِعَ شَيْءٌ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا وَضَعَهُ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اونٹنی تھی اس کا نام عضباء تھا اس سے کوئی اونٹ آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ ایک اعرابی اپنے اونٹ پر سوار ہو کر آیا اور اس سے آگے بڑھ گیا مسلمانوں کو اس بات کا دکھ ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا یہ امر ثابت ہے کہ دنیا میں کوئی چیز بلند نہیں ہوتی مگر اس کو پست کر دیتا ہے۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

تشریح: اصل میں "عضباء" اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے کان کٹے ہوئے یا چرے ہوئے ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس اونٹنی کا کان کٹا ہوا یا چرا ہوا نہیں تھا مگر اس کا نام "عضباء" تھا البتہ خلقی طور پر اس کے کان چھوٹے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وہی اونٹنی ہے جس کو "قصواء" بھی کہتے ہیں لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اونٹنی اور تھی اور "عصواء" ایک دوسری اونٹنی تھی۔ "قعود" اس جوان اونٹ کو کہتے ہیں جو نیا نیا سواری میں آیا ہو اور سواری کے لائق ہو گیا ہو ایسا اونٹ دو برس سے چھ برس تک کی عمر کا ہوتا ہے جس اونٹ کی عمر چھ برس سے زائد ہو اس کو "جمل" کہتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ... جہاد میں کام آنیوالا ہتھیار اپنے بنانیوالے کو بھی جنت میں لے جائیگا

(۱۲) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُدْخِلُ بِالسَّهْمِ الْوَاحِدِ ثَلَاثَةَ نَفَرٍ الْجَنَّةَ صَانِعَهُ يَحْتَسِبُ فِيْ صَنْعَتِهِ الْخَيْرَ وَالرَّامِيَ بِهِ وَمُنَبِّلَهُ فَارْمُوْا وَارْكَبُوْا وَاَنْ تَرْمُوْا اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ تَرْكَبُوْا كُلُّ شَيْءٍ يَلْهُوْ بِهِ الرَّجُلُ بَاطِلٌ اِلَّا رَمْيَهُ بِقَوْسِهِ وَتَادِيْبَهُ فَرَسَهُ وَمُلَاعَبَتَهُ اِمْرَاَتَهُ فَاِنَّهُنَّ مِنَ الْحَقِّ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَزَادَ اَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَمَنْ تَرَكَ الرَّمْيَ بَعْدَمَا عَلِمَهُ رَغْبَةً عَنْهُ فَاِنَّهُ نِعْمَةٌ تَرَكَهَا اَوْقَالَ كَفَرَهَا.

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے اللہ تعالیٰ ایک تیر کے بدلہ میں تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ ایک تیر کا بنانے والا جو اس کے بنانے میں ثواب کی امید رکھتا ہے اور اس کو پھینکنے والا اس کو پکڑانے والا۔ پس تیر اندازی کرو اور سواری کرو اور تیر اندازی کرو یہ مجھے بہت پسند ہے اس بات سے کہ تم سواری کرو جس چیز کے ساتھ آدمی کھیلے وہ ناروا اور باطل ہے مگر اپنی کمان کے ساتھ تیر اندازی کرو۔ اپنے گھوڑے کو ادب سکھانا اور اپنی بیوی سے کھیلنا یہ چیزیں حق ہیں۔ روایت کیا اس کو ترمذی ابن ماجہ نے۔ ابوداؤد اور دارمی نے زیادہ روایت کیا کہ جس شخص نے تیر اندازی سیکھ کر اس سے بیزار ہوتے ہوئے اس کو چھوڑ دیا پس اس نے ایک نعمت کو چھوڑ دیا فرمایا ایک نعمت کی ناشکری کی۔

تشریح: "یہ چیزیں حق ہیں" ان چیزوں کے حکم میں ہر وہ چیز داخل ہے جو حق و بھلائی کی راہ میں معاون ہو خواہ وہ علم کے قبیل سے ہو یا عمل کے قبیل سے جب کہ وہ مقابلہ بازی کی قسم سے ہو جیسے پیدل چلنے اور دوڑنے، گھوڑ سواری اور اونٹوں کی دوڑ کا مقابلہ وغیرہ۔

تیر انداز کے ثواب کا ذکر

(۱۳) وَعَنْ اَبِيْ نَجِيْحٍ السُّلَمِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ بَلَغَ بِسَهْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَهُوَلَهُ دَرَجَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ رَمٰى بِسَهْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَهُوَلَهُ عِدْلُ مُحَرَّرٍ وَمَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْاِسْلَامِ كَانَتْ لَهُ نُوْرًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ. رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَرَوٰى اَبُوْدَاوُدَ اَلْفَصْلَ الْاَوَّلَ وَالنَّسَائِيُّ الْاَوَّلَ وَالثَّانِيَ

وَالتِّرمِذِیُّ الثَّانِیَ وَالثَّالِثَ وَفِیْ رِوَایَتِهِمَا مَنْ شَابَ شَیْبَةً فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بَدَلَ فِی الْاِسْلَامِ.

ترجمہ: حضرت ابونجیح سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے جو شخص اللہ کی راہ میں تیر پہنچائے اس کے لیے جنت میں ایک درجہ ہے جو شخص اللہ کی راہ میں تیر پھینکے اس کے لیے غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ہے جو شخص اسلام میں بوڑھا ہوا بڑھاپا اس کے لیے قیامت کے دن نور ہوگا۔ روایت کیا اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں۔ ابوداؤد نے پہلا جملہ روایت کیا ہے نسائی نے پہلے اور دوسرے جملے کو اور ترمذی نے دوسرے اور تیسرے جملے کو اور بیہقی اور ترمذی کی روایت میں فی الاسلام کی جگہ فی سبیل اللہ کے لفظ ہیں۔

تشریح: "بلغ" یعنی ایک تیر نشانہ پر پہنچا دیا جو کافر کو جا لگا" ومن رمی " یعنی کفار کی طرف تیر پھینکا خواہ لگا یا نہ لگا۔" عدل " برابر اور مساوی کے معنی میں ہے" محرر " یعنی غلام یا لونڈی کے آزاد کرنے کے برابر ہے۔

"الفصل الاول" اس حدیث کے تین حصے ہیں انہی حصوں کو فصل اول وثانی وثالث کہا گیا ہے۔

من بلغ سے ومن رمی تک ایک حصہ ہے اس کو فصل اول کہا گیا ہے ابوداؤد نے اتنا ہی نقل کیا ہے ومن رمی سے ومن شاب تک دوسرا حصہ ہے امام نسائی نے پہلا اور دوسرا حصہ نقل کیا ہے اور ترمذی نے دوسرا اور تیسرا حصہ نقل کیا ہے تیسرا حصہ ومن شاب سے آخر تک ہے فصل سے مراد حصہ اور جزء ہے۔

"وفی روایتهما" بظاہر تثنیہ کی یہ ضمیر نسائی اور ترمذی کی طرف لوٹنی چاہیے کیونکہ دونوں پاس پاس ہیں لیکن ایسا نہیں ہے کیونکہ نسائی نے تیسرا جز نقل نہیں کیا ہے لہذا تثنیہ کی یہ ضمیر ترمذی اور بیہقی کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ بیہقی نے پوری حدیث کو نقل کیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ بیہقی نے شیبۃ فی الاسلام کا لفظ استعمال کیا ہے جیسا کہ اوپر حدیث میں ہے تو بیہقی کے بارہ میں کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے فی سبیل اللہ کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے پھر یہاں صاحب مشکوۃ نے کیسے کہہ دیا کہ "وفی روایتهما فی سبیل الله الخ"

اس کا جواب یہ ہے کہ بیہقی سے دو روایتیں منقول ہیں ایک میں فی الاسلام کا لفظ ہے جو ترمذی میں نہیں ہے دوسری روایت میں فی سبیل اللہ کا لفظ ہے جو ترمذی میں بھی ہے اور بیہقی میں بھی ہے۔ لہذا وفی روایتهما کا جملہ درست ہوا۔

جہاد کی چیزوں میں شرط کا مال لینا جائز ہے

(۱۴) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَاسَبَقَ اِلَّا فِیْ نَصْلٍ اَوْ خُفٍّ اَوْ حَافِرٍ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگے بڑھنے کی شرط لگانا جائز نہیں مگر تیر چلانے یا اونٹ یا گھوڑا دوڑانے میں روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

تشریح: "سبق" شرط کی رقم کو کہتے ہیں یعنی وہ مال جو آگے بڑھ جانے کی شرط جیتنے والے کو دیا جاتا ہے۔ اس حدیث سے بظاہر یہ واضح ہوتا ہے کہ ان تین چیزوں کے علاوہ اور کسی چیز میں مسابقت یعنی آگے بڑھ جانے کی بازی لگانا اور اس کا مال لینا جائز نہیں ہے لیکن فقہاء نے ان تینوں کے حکم میں ان چیزوں کو بھی شامل کیا ہے جو جہاد کا سامان و ذریعہ ہیں جیسے گدھا اور خچر گھوڑے کے حکم میں ہیں اور ہاتھی اونٹ کے حکم میں ہے۔ بعض حضرات نے پیدل دوڑنے اور بعض نے پتھر پھینکنے کے مسابقت کو جواز کے حکم میں شامل کیا ہے کیونکہ یہ چیزیں "تیر" کے مفہوم میں داخل ہیں۔

جو چیزیں جہاد کے ذرائع میں شامل ہیں ان کی مسابقت میں شرط باندھنا اور بازی لگانا اور شرط کی رقم لینا دراصل جہاد کی ترغیب دینے کے پیش نظر ہوتا ہے اور اسی لیے اس کا جواز کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ ہاں جو چیزیں جہاد کے اسباب و ذرائع میں سے نہیں ہیں ان میں مسابقت کی بازی لگانا اور شرط باندھنا چونکہ ایسے کسی صالح مقصد کے لیے نہیں ہوتا اس لیے نہ تو ان چیزوں میں مسابقت ہی جائز ہے اور نہ اس کی شرط کا مال لینا جائز ہے۔

بازی لگانے کا مسئلہ:۔ واضح رہے کہ کسی چیز کی مسابقت اور ہار جیت کے مقابلہ میں رقم کی شرط باندھنا دراصل قمار یعنی جوئے کا مفہوم ہے کیونکہ اس صورت میں ملکیت بھی مشتبہ رہتی ہے اور نفع و نقصان کے درمیان بھی شک رہتا ہے اور قمار کی یہی معنی ہیں ہاں اگر کسی مسابقت اور ہار

جیت کے مقابلہ میں امیر وحاکم یا کسی اور تیسرے شخص کی طرف سے کسی رقم یا کسی مال کی شرط باندھی جائے مثلاً وہ (امیر وحاکم یا تیسرا شخص) یہ کہے کہ ان دونوں میں سے جو شخص آگے بڑھ جائے گا یا جو شخص جیت جائے گا میں اس کو اتنی رقم یا فلاں چیز دوں گا تو یہ جائز ہوگا' اسی طرح دونوں مقابل میں سے صرف کسی ایک کی جانب سے کی رقم یا مال کی شرط باندھی جائے مثلاً ان میں سے کوئی ایک یوں کہے کہ'' اگر تم مجھ سے آگے بڑھ گئے یا میرے مقابلہ پر جیت گئے تو میں تمہیں اتنی رقم یا فلاں چیز دوں گا اور اگر میں آگے بڑھ گیا یا میں جیت گیا تو تمہیں کچھ نہ دینا ہوگا'' تو اس کے جواز میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ ناجائز تو اس صورت میں ہوگا جب کہ دونوں کی طرف سے بازی لگے۔ جیسے یوں کہا جائے کہ اگر میں آگے بڑھ گیا یا میں جیت گیا تو تمہیں اتنی رقم یا فلاں چیز دینی ہوگی اور اگر تم آگے بڑھ گئے یا جیت گئے تو میں اتنی رقم یا فلاں چیز دوں گا۔'' کیونکہ حقیقت میں یہی قمار یعنی جوا ہے لیکن یہ صورت بھی اس طرح سے جائز ہو سکتی ہے۔ جبکہ دونوں کے درمیان' محلل' شامل ہو جائے۔

مسابقت میں محلل کے شامل ہونے کا مسئلہ

(۱۵) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْخَلَ فَرَسًا بَيْنَ فَرَسَيْنِ فَاِنْ كَانَ يَأْمَنُ اَنْ يُسْبَقَ فَلَا خَيْرَ فِيْهِ فَاِنْ كَانَ لَا يَأْمَنُ اَنْ يُسْبَقَ فَلَا بَاْسَ بِهِ رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَ فِیْ رِوَايَةِ اَبِیْ دَاوٗدَ قَالَ مَنْ اَدْخَلَ فَرَسًا بَيْنَ فَرَسَيْنِ يَعْنِیْ وَهُوَ لَا يَأْمَنُ اَنْ يُسْبَقَ فَلَيْسَ بِقِمَارٍ وَمَنْ اَدْخَلَ فَرَسًا بَيْنَ فَرَسَيْنِ وَقَدْ اَمِنَ اَنْ يُسْبَقَ فَهُوَ قِمَارٌ

ترجمہ: اسی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دو گھوڑوں میں تیسرے گھوڑے کو داخل کر دیتا ہے اگر اس بات سے بے خوف ہوا جاتا ہے کہ اس سے آگے بڑھا جائے گا اس میں کچھ بھلائی نہیں ہے اگر اس کے آگے بڑھنے سے بے خوف نہیں ہوا جاتا اس کا کچھ مضائقہ نہیں۔ روایت کیا اس کو شرح السنہ میں۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے فرمایا جس نے دو گھوڑوں کے درمیان تیسرے گھوڑے کو داخل کر دیا یعنی ایسا گھوڑا ہو جس کے آگے بڑھنے سے بے خوف نہیں پس قمار نہیں ہے اور جس نے دو گھوڑوں کے درمیان تیسرے گھوڑے کو داخل کر دیا اور تحقیق امن میں ہے کہ وہ سبقت کیا جائے پس وہ قمار ہے۔

تشریح: "ادخل فرسا بین فرسین" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقابلہ جہادی ٹریننگ نہیں ہے بلکہ عام گھڑ دوڑ کا مقابلہ ہے اسی لئے اس کے جواز کیلئے ایک خاص صورت بتائی گئی ہے حالانکہ جہادی معاملہ میں کوئی صورت ناجائز نہیں ہے جیسا پہلے گزر گیا میں نے اس حدیث سے یہی سمجھا ہے واللہ اعلم۔ بہر حال اس حدیث کا پس منظر اور جائز و ناجائز صورتوں کا نقشہ اس طرح ہے کہ مثلاً دو آدمیوں میں گھڑ دوڑ کا مقابلہ ہے اگر کسی کمپنی یا کسی حاکم نے ان میں سے آگے نکلنے والے کیلئے بطور انعام کوئی شرط رکھ دی ہے تو یہ جائز ہے اسی طرح دونوں گھوڑوں کے مالکوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہہ دیا کہ اگر آپ آگے نکل گئے تو میں اتنی رقم دوں گا اور اگر میں آگے نکلا تو کچھ بھی نہیں لوں گا یہ صورت بھی جائز ہے اور اگر دونوں طرف سے دونوں نے شرط رکھ دی تو یہ معاملہ جوا ہے جو ناجائز ہے ہاں اگر اس میں محلل آ گیا تو پھر طرفین کا معاملہ جائز ہوگا۔ محلل اس تیسرے آدمی کو کہتے ہیں جو اپنا گھوڑا لا کر شرط لگانے والوں کے ساتھ شامل کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر میں تم دونوں سے آگے نکل گیا تو تم دونوں سے اتنی رقم لوں گا اور اگر میں پیچھے رہ گیا تو میں تمہیں کچھ نہیں دوں گا مجھ سے کچھ نہیں لو گے اب اس محلل کے داخل ہونے سے گھڑ دوڑ کے پہلے شرط باندھنے والے دونوں آدمیوں کیلئے شرط کی رقم حلال ہو گئی اسی وجہ سے اس کو محلل کہتے ہیں اب اگر محلل آگے نہیں نکلا اور ان دونوں میں سے کوئی آگے نکل گیا تو وہ اپنے ساتھی سے مقررہ شرط وصول کرے گا اور اگر دونوں ایک ساتھ پہنچ گئے تو کسی کو رقم نہیں ملے گی۔ ہاں حدیث میں اس محلل کیلئے ایک قید لگائی گئی ہے وہ یہ کہ اس کے گھوڑے کا ان دونوں کے گھوڑوں سے آگے نکلنا یقینی نہ ہو بلکہ احتمال ہو کہ آگے نکل جائے یا پیچھے رہ جائے اگر سب لوگوں کو یقینی طور پر معلوم ہو کہ محلل کا گھوڑا آگے ہی نکلے گا تو پھر یہ آدمی محلل نہیں بن سکتا بلکہ پورا معاملہ ناجائز ہو جائے گا۔

گھوڑ دوڑ میں ''جلب'' اور ''جنب'' کی ممانعت

(۱۶) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاجَلَبَ وَلَا جَنَبَ زَادَ يَحْيٰى فِي حَدِيْثِهٖ فِي الرِّهَانِ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مَعَ زِيَادَةٍ فِي بَابِ الْغَصَبِ.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جلب اور جنب نہیں ہے۔ یحییٰ نے اپنی حدیث میں فی الرہان کا لفظ زیادہ نقل کیا ہے روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی اور روایت کیا اس کو ترمذی نے ''بعض الفاظ کی زیادتی'' کے ساتھ باب الغصب میں۔

تشریح: ''جلب اور جنب'' یہ ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا زکوٰۃ دینے والوں کی قیام گاہوں سے کہیں دور ٹھہرے اور ان کو یہ حکم دے کہ وہ اپنی زکوٰۃ کا مال جیسے مویشی لے کر یہاں آجائیں۔ اور ''جنب'' یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والے اپنے زکوٰۃ کا مال جیسے مویشیوں کو لے کر اپنی قیام گاہوں سے کہیں دور چلے جائیں اور زکوٰۃ وصول کرنے والے کو اس مشقت میں مبتلا کریں کہ وہ ان کے پاس پہنچ کر زکوٰۃ وصول کرے۔ لہٰذا یہ دونوں ہی ممنوع و مکروہ ہیں۔

گھوڑ دوڑ میں ''جلب'' یہ ہے کہ گھوڑ دوڑ میں شریک ہونے والا کوئی سوار کسی دوسرے شخص کو اس مقصد سے اپنے گھوڑے کے پیچھے لگا لے کہ وہ اس کے گھوڑے کو ڈانٹتا اور جھڑکتا رہے تا کہ وہ آگے بڑھ جائے۔ اور ''جنب'' یہ ہے کہ اپنے گھوڑے کے پہلو بہ پہلو ایک دوسرا گھوڑا رکھے تا کہ جب سواری کا گھوڑا تھک جائے تو اس گھوڑے پر سوار ہو جائے'' یہ دونوں باتیں بھی ممنوع ہیں۔''

بہترین گھوڑے کی علامات

(۱۷) وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ الْخَيْلِ الْاَدْهَمُ الْاَقْرَحُ الْاَرْثَمُ ثُمَّ الْاَقْرَحُ الْمُحَجَّلُ طَلْقُ الْيَمِيْنِ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ اَدْهَمَ فَكُمَيْتٌ عَلٰى هٰذِهِ الشِّيَةِ. (رواہ الترمذی و الدارمی)

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا بہترین گھوڑا مشکی ہے جس کی پیشانی سفید ہو اور اوپر کا لب سفید ہو پھر سفید پیشانی والا سفید ہاتھ پاؤں والا دائیں ہاتھ کا رنگ بدن جیسا ہو اگر مشکی رنگ کا نہ ہو پھر کمیت انہیں علامتوں پر۔ (روایت کیا اس کو ترمذی اور دارمی نے)

تشریح: ''کمیت'' اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی دم اور ایال سیاہ ہوں اور باقی بدن سرخ ہو اور ''اسی قسم'' کا مطلب یہ ہے کہ جو علامتیں سیاہ گھوڑے میں بیان کی گئی ہیں یعنی پیشانی پر سفیدی وغیرہ۔ وہی ''کمیت'' میں بھی ہوں تو یہ گھوڑا بھی ایک بہترین گھوڑا ہے۔

(۱۸) وَعَنْ اَبِيْ وَهْبِ نِ الْجُشَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِكُلِّ كُمَيْتٍ اَغَرَّ مُحَجَّلٍ اَوْ اَشْقَرَ اَغَرَّ مُحَجَّلٍ اَوْ اَدْهَمَ اَغَرَّ مُحَجَّلٍ. (رواہ ابوداود والنسائی)

ترجمہ: حضرت ابووہب جشمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لازم پکڑو تم ہر کمیت گھوڑا جس کی پیشانی اور ہاتھ پاؤں سفید ہوں یا اشقر جس کی پیشانی اور ہاتھ پاؤں سفید ہوں یا سیاہ سفید ہاتھ پاؤں۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے۔

(۱۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُمْنُ الْخَيْلِ فِي الشُّقْرِ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑوں کی برکت سرخ رنگ میں ہے (ترمذی)

گھوڑوں کی پیشانی کے بال اور ان کی ایال و دم نہ کاٹو

(۲۰) وَعَنْ عُتْبَةَ بْنِ عَبْدِ نِ السُّلَمِيِّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَقُصُّوْا نَوَاصِيَ الْخَيْلِ وَلَا

مَعَارِفَهَا وَلاَ اَذْنَا بَهَا فَاِنَّ اَذْنَا بَهَا مَذَابُّهَا وَمَعَارِفَهَا دِفَاءُ هَا وَنَوَاصِيهَا مَعْقُوْدٌ فِيْهَا الْخَيْرُ. (رواه ابوداود)

ترجمہ: حضرت عتبہ بن عبد سلمی سے روایت ہے کہا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے گھوڑوں کی پیشانی کے بال نہ کاٹو۔ نہ ان کی عیالیں اور نہ ان کی دُمیں۔ ان کی دُمیں ان کی چوریاں ہیں اور ان کی عیالیں ان کے گرم ہونے کا باعث ہیں اور ان کی پیشانیوں میں بھلائی بندھی ہوئی ہے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

گھوڑوں کے بارے میں چند ہدایات

(۲۱) وَعَنْ اَبِي وَهْبٍ نِ الْجُشَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِرْتَبِطُوا الْخَيْلَ وَامْسَحُوا بِنَوَاصِيْهَا وَاَعْجَازِهَا اَوْقَالَ اَكْفَالِهَا وَقَلِّدُوْهَا وَلاَ تُقَلِّدُوْهَا الْاَوْتَارَ. (رواه ابوداود والنسائی)

ترجمہ: حضرت ابو وہب جشمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑوں کو باندھو۔ ان کی پیشانیوں اور پٹھوں پر ہاتھ پھیرا کرو یا اعجاز کی جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکفال کا لفظ فرمایا ان کے گلے میں گانیاں ڈالو اور ان کی گردنوں میں کمان کے چلے نہ ڈالو۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے۔

تشریح: "ارتبطوا" باندھ رکھو یعنی اس کی اچھی دیکھ بھال کرو ان کو خوب کھلاؤ پلاؤ تاکہ خوب موٹے تازے ہوں اور بوقت جہاد جنگ میں خوب جوہر دکھائیں" اعجاز" عجز کی جمع ہے"اکفال" کفل کی جمع ہے دونوں کا ترجمہ پچھلا حصہ ہے یعنی انس ومحبت اور صفائی وخدمت کی غرض سے گھوڑے کی پیٹھ اور پچھلے حصہ پر ہاتھ پھیرا کرو"وقلدوھا" یعنی گھوڑے کے گلے میں قلادہ ڈالا کرو تاکہ دشمنان اسلام سے لڑنے کیلئے اور دین کی سربلندی کیلئے ہر وقت تیار ہو" الاوتار "یہ وتر کی جمع ہے کمان کے تانت اور تسمہ کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ تسمہ گھوڑے کے گلے میں نہ ڈالو اس کے ساتھ گھوڑا اٹک کر لٹک جائے گا یا وتر سے مراد وہ شرکیہ تانت و تسمہ ہے جس کو عرب دفع ضرر کیلئے جانوروں کیلئے گلوں میں باندھتے تھے اور شرک کا عقیدہ رکھتے تھے اسلام نے اس کو روک دیا ہے۔

اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تین مخصوص احکام

(۲۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدًا مَامُوْرًا مَا اخْتَصَّنَا دُوْنَ النَّاسِ بِشَيْءٍ اِلاَّ بِثَلاَثٍ اَمَرَنَا اَنْ نُسْبِغَ الْوُضُوْءَ وَاَنْ لاَ نَاْكُلَ الصَّدَقَةَ وَاَنْ لاَ نُنْزِيَ حِمَارًا عَلٰى فَرَسٍ. (رواه الترمذی والنسائی)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بندے امر کیے گئے تھے لوگوں کے علاوہ ہم کو کسی چیز کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا مگر تین باتوں کے ساتھ ہم کو حکم فرمایا کہ ہم کامل وضو کریں اور صدقہ نہ کھائیں اور ہم گدھوں کو گھوڑیوں پر جست نہ کرائیں۔ روایت کیا اس کو ترمذی اور نسائی نے۔

تشریح: "عبداً ماموراً" یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے پابند بندے تھے جو حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا تھا وہ عوام الناس میں برابر جاری فرماتے تھے ایسا نہیں تھا کہ اپنے کسی قرابت دار کو خصوصی حکم سے نوازا اور دوسروں کو نظر انداز کیا اسی طرح احکام میں آپ کسی امتیاز اور خصوصیت کو روا نہیں رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ یہ وضاحت فرمارہے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم اہل بیت کو بھی کسی چیز کا خصوصی حکم نہیں دیا ہاں تین چیزوں کا ہم کو بطور خاص تاکیدی حکم کیا اگرچہ امت ان میں سے بھی دو چیزوں میں ہمارے ساتھ شریک ہے مگر ہم کو بطور خاص حکم دیا گیا ہے وہ تین وصیتیں مکمل وضو بنانا ہے صدقہ نہ کھانا ہے اور گدھے کو گھوڑے پر نہ چڑھانا ہے۔ گدھے کو گھوڑے پر چڑھانے سے گھوڑی کی نسل خراب ہو جاتی ہے اور اعلیٰ چیز کے بجائے گھٹیا چیز ہاتھ میں آجاتی ہے۔ کیونکہ خچر گھوڑے سے ادنیٰ ہے اس وصیت میں اور کامل ومکمل وضو بنانے کی وصیت میں باقی امت بھی شریک ہے البتہ صدقہ نہ کھانا اہل بیت کی خصوصیات میں سے ہے اس حدیث سے روافض پر واضح رد ہے جو

کہتے ہیں کہ حضرت علی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی وصیتیں کی تھیں روافض اذان میں اس کا اظہار وصی رسول اللہ کے الفاظ سے کرتے ہیں حضرت علی اور اہل بیت نے بار بار اس نظریہ کی تردید کی ہے مگر روافض بہت غلط لوگ ہیں۔

گھوڑی پر گدھا چھوڑنے کی ممانعت

(۲۳) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ أُهْدِيَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَغْلَةٌ فَرَكِبَهَا فَقَالَ عَلِيٌّ لَوْحَمَلْنَا الْحَمِيْرَ عَلَى الْخَيْلِ فَكَانَتْ لَنَا مِثْلُ هٰذِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک خچر ہدیۃً دیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہوئے۔ علی نے کہا اگر ہم گدھوں کو گھوڑیوں پر جست کرائیں ہمارے لیے خچر کی مثل ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا کام وہ کرتے ہیں جو نہیں جانتے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد و نسائی نے)

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطلب یہ تھا کہ غیر دانشمندانہ کام تو وہی لوگ کر سکتے ہیں جو یہ نہیں جانتے کہ اس (گھوڑیوں پر گدھے چھوڑنے) سے بہتر گھوڑی پر گھوڑا ہی چھوڑنا ہے کیونکہ جو فوائد گھوڑی سے اس کی نسل پیدا ہونے کی صورت میں حاصل ہوتے ہیں وہ اس کے پیٹ سے خچر پیدا ہونے سے حاصل نہیں ہوسکتے۔ یا یہ مراد ہے کہ یہ کام وہی نادان کر سکتے ہیں جو شریعت کے احکام سے واقف نہیں ہیں اور ان کو اس چیز کا راستہ نظر نہیں آتا جو ان کے حق میں اولیٰ اور بہتر ہے۔ اس حدیث میں گویا گھوڑی پر گدھا چھوڑنے کی ممانعت مذکور ہے اور یہ ممانعت "نہی کراہت" کے طور پر ہے۔

تلوار کو تھوڑی بہت چاندی سے مزین کرنا جائز ہے

(۲۴) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَتْ قَبِيْعَةُ سَيْفِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ. (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی والدارمی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا قبضہ چاندی کا تھا۔ روایت کیا اس کو ترمذی' ابوداؤد' نسائی' اور دارمی نے۔

تشریح: شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ تلوار کو تھوڑی بہت چاندی کے ساتھ مزین و آراستہ کرنا جائز ہے یہی حکم پیٹی کا بھی ہے۔ البتہ ان میں سے کسی میں بھی سونے کے استعمال کی اجازت نہیں ہے۔

(۲۵) وَعَنْ هُوْدِبْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ جَدِّهٖ مَزِيْدَةَ قَالَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلٰى سَيْفِهٖ ذَهَبٌ وَفِضَّةٌ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

ترجمہ: حضرت ہود بن عبداللہ بن سعد سے روایت ہے وہ اپنے دادا مزیدہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن داخل ہوئے اور آپ کی تلوار پر سونا اور چاندی تھا۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

جنگ میں حفاظت کے زیادہ سے زیادہ سامان استعمال کرنا توکل کے منافی نہیں ہے

(۲۶) وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَلَيْهِ يَوْمَ أُحُدٍ دِرْعَانِ قَدْ ظَاهَرَ بَيْنَهُمَا (رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ)

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر احد کے دن دو زرہیں تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کو دوسری پر پہن رکھا تھا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کا ذکر

(۲۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتْ رَايَةُ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوْدَاءَ وَلِوَاؤُهٗ أَبْيَضَ. (رواہ الترمذی و ابن ماجۃ)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا نشان سیاہ اور چھوٹا نشان سفید تھا۔ (روایت کی اس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے)

تشریح: "رایة" ملکی قومی بڑے جھنڈے کو رایہ کہتے ہیں یہ جھنڈا سیاہ تھا سیاہ کا مطلب یہ نہیں کہ بالکل کالا تھا بلکہ دور سے کالا نظر آتا ہے اور اگر قریب سے کوئی اس کو دیکھتا تو اس میں سفید پٹیاں نظر آتی تھیں اور اسی کو نمرہ چتکبرا کہا جاتا ہے

"ولو ائه ابیض" یعنی آپ کا جنگی چھوٹا جھنڈا سفید ہوتا تھا جو امن کی طرف اشارہ ہے۔

(۲۸) وَعَنْ مُوْسَى بْنِ عُبَيْدَةَ مَوْلَى مُحَمَّدِ بْنِ الْقَاسِمِ قَالَ بَعَثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْقَاسِمِ إِلَى الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ لِيَسْأَلُهُ عَنْ رَايَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَتْ سَوْدَاءَ مُرَبَّعَةً مِنْ نَمِرَةٍ. (رواه احمد والترمذی وابو دائود)

ترجمہ: حضرت موسیٰ بن عبیدہ مولیٰ محمد بن قاسم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا مجھ کو محمد بن قاسم نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نشان کے متعلق سوال کروں اس نے کہا کہ نشان سیاہ رنگ کا چوکونہ تھا قسم نمرہ سے۔ روایت کیا اس کو احمد، ترمذی اور ابوداؤد نے۔

(۲۹) وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ وَلِوَاؤُهُ أَبْيَضُ. (رواه الترمذی وابو دائود و ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے اور آپ کا نشان سفید تھا۔ روایت کیا اس کو ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ.... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں گھوڑوں کی قدر و قیمت

(۳۰) عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ النِّسَاءِ مِنَ الْخَيْلِ (رواه النسائی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف عورتوں کے بعد گھوڑوں سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہ تھی۔ روایت کیا اس کو نسائی نے۔

جنگ میں حقیقی طاقت حق تعالیٰ کی مدد و نصرت سے حاصل ہوتی ہے

(۳۱) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَتْ بِيَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْسٌ عَرَبِيَّةٌ فَرَأَى رَجُلًا بِيَدِهِ قَوْسٌ فَارِسِيَّةٌ قَالَ مَا هٰذِهِ أَلْقِهَا وَعَلَيْكُمْ بِهٰذِهِ وَأَشْبَاهِهَا وَرِمَاحِ الْقَنَا فَإِنَّهَا يُؤَيِّدُ اللّٰهُ لَكُمْ بِهَا فِي الدِّيْنِ وَيُمَكِّنُ لَكُمْ فِي الْبِلَادِ (رواه ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں عربی کمان تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کے ہاتھ میں فارسی کمان دیکھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیا ہے اس کو پھینک دے اور تم اس کو اور اس جیسی کو لازم پکڑو اور کامل نیزوں کو لازم پکڑو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ تمہارے لیے دین میں مدد دے گا اور تم کو شہروں میں جگہ دے گا۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

تشریح: گویا ان صحابی نے جب یہ دیکھا ہوگا کہ فارسی (ایرانی) کمان زیادہ مضبوط اور زیادہ سخت ہوتی ہے تو انہوں نے اس کمان کو عربی کمان پر ترجیح دی' نیز پھر انہوں نے یہ گمان کیا ہوگا کہ ایسی کمان جنگ میں بہت کارآمد ہوتی ہے اور دشمنوں کے شہروں کو فتح کرنے کا مضبوط ذریعہ ہے' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر واضح کیا کہ تمہارا جو خیال ہے وہ صحیح نہیں ہے بلکہ آلات حرب خواہ کسی قسم کے ہوں اور دیکھنے میں کتنے ہی مضبوط عمدہ ہوں حقیقت میں میدان جنگ کی کامیابی کا ان پر انحصار نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی مرضی پر موقوف ہے کہ وہ جس کو چاہتا ہے اپنے دین کی سربلندی کی جدوجہد میں مدد و نصرت دے کر کامیاب و کامران کرتا ہے۔ حقیقی مدد و

نصرت اسی کی طرف ہے اور اسی کی قوت وقدرت کے ساتھ ہوتی ہے نہ تمہاری قوت وطاقت سے دین کی سربلندی میں نصرت حاصل ہوتی ہے اور نہ محض تمہارے ساز وسامان اور آلات حرب کی مضبوطی وعمدگی سے دشمنوں کے مقابلے پر مدد ملتی ہے۔

بَابُ اٰدَابِ السَّفَرِ..... آداب سفر کا بیان

اس باب میں احادیث نقل ہوں گی جن سے سفر کے آداب اور طور طریقے معلوم ہوں گے۔ سفر خواہ جہاد کا ہو یا حج کا اور یا ان کے علاوہ اور کسی طرح کا۔
واضح رہے کہ "سفر کے آداب" بہت ہیں بعض تو اس طرح کے ہیں کہ ان کا تعلق سفر شروع کرنے سے پہلے سے ہے اور بعض آداب اس نوعیت کے ہیں کہ ان کا لحاظ سفر کے دوران ہونا چاہئے اور بعض آداب ایسے ہیں جو سفر سے واپس آنے پر ملحوظ رہنے چاہئیں، ان میں سے کچھ کے بارے میں اس باب میں منقول احادیث اور ان کی تشریحات سے معلوم ہوگا لیکن اس کی سب سے عمدہ تفصیل احیاء العلوم میں مذکور ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ... جہاد کیلئے جمعرات کے دن نکلنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ تھا

(۱) عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمَ الْخَمِيْسِ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ وَكَانَ يُحِبُّ اَنْ يَخْرُجَ يَوْمَ الْخَمِيْسِ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک میں جمعرات کے دن نکلے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعرات کے دن نکلنا پسند کرتے تھے۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

تشریح: "یوم الخمیس" "جمعرات کے دن کو خمیس کہتے ہیں آنحضرت کے عمومی اسفار خمیس میں ہوئے تھے کبھی کبھی اس کے خلاف بھی ہوا ہے خمیس کے انتخاب کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہفتہ بھر کے اعمال خمیس کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں جہاد کا بڑا عمل بھی اس میں ہو تو کیا خوب ہو دوسری وجہ یہ کہ خمیس اور خمس میں مناسبت لفظی ہے خمس مال غنیمت کے حصہ کو کہتے ہیں تیسری وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کا نام الخمیس تھا جس کے پانچ حصے ہوتے تھے یعنی مقدمۃ الجیش، ساقۃ الجیش، میمنۃ الجیش، میسرۃ الجیش اور قلب الجیش۔ اسی مناسبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خمیس کے دن سفر فرماتے تھے یہود نے خیبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کو دیکھا تو انہوں نے اس موقع پر کہا "محمد والخمیس واللہ" اس لئے تفاؤل کے طور پر آپ نے خمیس کا دن عموماً سفر کیلئے منتخب کیا۔

تنہا سفر کرنے کی ممانعت

(۲) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْيَعْلَمُ النَّاسُ مَافِي الْوَحْدَةِ مَا اَعْلَمُ مَاسَارَ رَاكِبٌ بِلَيْلٍ وَحْدَهُ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر لوگ جان لیں کہ تنہا سفر میں کیا (خطرات) ہیں۔ جو میں جانتا ہوں کوئی سوار رات کو اکیلا نہ چلے۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

تشریح: "اس چیز سے دینی اور دنیاوی نقصانات" مراد ہیں۔ چنانچہ دینی نقصان تو یہ ہے کہ تنہائی کی وجہ سے نماز کی جماعت میسر نہیں ہوتی اور دنیوی نقصان یہ ہے کہ کوئی غم خوار ومددگار نہیں ہوتا کہ اگر کوئی ضرورت یا کوئی حادثہ پیش آئے تو اس سے مدد مل سکے۔ "سوار" اور "رات" کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ سوار کو پیادہ کی بہ نسبت زیادہ خطرہ رہتا ہے اور خصوصاً رات میں۔

جس قافلہ میں کتا اور گھنٹال ہوتا ہے اس کے ساتھ رحمت کے فرشتے نہیں ہوتے

(۳) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصْحَبُ الْمَلَائِكَةُ رُفْقَةً فِيْهَا كَلْبٌ وَلَا جَرَسٌ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے اس قافلہ کے ساتھ نہیں ہوتے جس کے ساتھ کتا یا گھنٹا ہو۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: "فرشتے" سے کتبہ یعنی اعمال لکھنے والے فرشتے اور حفظ یعنی حفاظت کرنے والے مراد نہیں ہیں بلکہ رحمت کے فرشتے مراد ہیں۔ کتے سے مراد وہ کتا ہے جو پاسبانی کے لیے نہ ہو لہذا پاسبانی اور مویشیوں کی حفاظت کے لیے کتا رکھنا مباح ہے۔

جرس (گھنٹال) ان گھنٹیوں اور گھنگروؤں کو کہتے ہیں جو جانوروں کے گلے میں باندھی جاتی ہے۔ اس (جرس) کے ممنوع ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ ناقوس کی مشابہت رکھتا ہے یا اس لیے ممنوع ہے کہ یہ ان لٹکانے والی چیزوں میں سے ہے جن کی آواز کی ناپسندیدگی وکراہت کی وجہ سے ان کا لٹکانا ممنوع ہے۔ چنانچہ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو آگے آرہی ہے اور جس میں جرس کو مزامیر الشیطان" کہا گیا ہے۔ نیز شرح السنۃ میں یہ روایت مذکور ہے کہ ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک لڑکی آئی جس کے پاؤں میں جھانجیں یا گھنگھرو تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میرے پاس سے وہ چیز ہٹاؤ جو ملائکہ کو دور کرنے والی ہے" نیز منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر جرس کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔

گھنگھرو اور گھنٹیاں شیطانی باجہ ہیں

(۴) وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجَرَسُ مَزَامِيْرُ الشَّيْطَانِ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا گھنٹی شیطان کا باجہ ہے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: "مزامیر" دراصل "مزمار" کی جمع ہے اور مزمار" بانسری" کو کہتے ہیں جو بجائی جاتی ہے" نیز" زمر" اور" تزمیر" بانسری کے ساتھ گانے کو کہتے ہیں۔ مزامیر بلفظ جمع اس لیے فرمایا گیا ہے کہ اس کی آواز میں اس طرح کا تسلسل ہوتا ہے کہ وہ منقطع نہیں ہوتی گویا اس آواز کی ہر لے اور ہر سلسلہ ایک مزمار ہے۔ نیز" جرس" کو مزامیر شیطان اس وجہ سے فرمایا گیا ہے کہ وہ انسان کو ذکر واستغراق اور مشغولیت عبادت سے باز رکھتا ہے۔

اونٹ کے گلے میں تانت کا پٹا باندھنے کی ممانعت

(۵) وَعَنْ اَبِيْ بَشِيْرِنِ الْاَنْصَارِيِّ اَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ فَاَرْسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُوْلًا لَا تُبْقَيَنَّ فِيْ رَقَبَةِ بَعِيْرٍ قِلَادَةٌ مِنْ وَتَرٍ اَوْ قِلَادَةٌ اِلَّا قُطِعَتْ. (متفق عليه)

ترجمہ: حضرت ابو بشیر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بھیجا کہ کسی اونٹ کی گردن میں چلہ کمان کا قلادہ باقی نہ رہنے دیا جائے۔ مگر اس کو کاٹ دیا جائے۔ (متفق علیہ)

تشریح: یا یہ فرمایا کہ" یہ دراصل راوی کا شک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قلادۃ من وتر یعنی کمان کی تانت کا قلادہ فرمایا تھا یا صرف" قلادۃ" فرمایا تھا۔ قلادے کو کاٹ دینے کا حکم اس لیے فرمایا کہ لوگ اس میں گھنگھرو اور گھنٹیاں باندھ دیتے تھے اور یہ چیز" مزامیر الشیطان ہے جیسا کہ پچھلی حدیث میں گزرا یا اس لیے منع فرمایا کہ بعض کمزور عقیدہ لوگ کمان کی تانت کے منکے (مالے کے دانے) وغیرہ باندھ کر اور اس کا قلادہ (پٹا) بنا کر جانوروں کے گلے میں ڈال دیا کرتے تھے اور یہ گمان رکھتے تھے کہ اس ذریعہ جانور آفات وغیرہ سے محفوظ رہیں گے لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز سے منع فرمایا کیونکہ ایسا کوئی بھی ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حکم وفیصلہ اور تقدیر کے لکھے کو ٹال نہیں سکتا۔

جانوروں پر سفر کرنے کے بارے میں چند ہدایات

(۶) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَافَرْتُمْ فِي الْخِصْبِ فَاَعْطُوا الْاِبِلَ حَقَّهَا مِنَ الْاَرْضِ وَاِذَا سَافَرْتُمْ فِي السَّنَةِ فَاَسْرِعُوْا عَلَيْهَا السَّيْرَ وَاِذَا عَرَّسْتُمْ بِاللَّيْلِ فَاجْتَنِبُوا الطَّرِيْقَ فَاِنَّهَا طُرُقُ الدَّوَابِّ

وَمَاوَى الْهَوَامِّ بِاللَّيْلِ وَفِي رِوَايَةٍ إِذَا سَافَرْتُمْ فِي السَّنَةِ فَبَادِرُوْا بِهَا نِقْيَهَا. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم ارزانی میں سفر کرو زمین سے اونٹوں کو ان کا حق دو اور جب قحط سالی میں سفر کرو جلدی چلو اور جب رات کو اترو راستہ سے بچو کیونکہ وہ چار پایوں کے راستے ہیں اور رات کے وقت موذی جانوروں کے ٹھکانے ہیں ایک روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم قحط سالی میں چلو جلدی کرو۔ اس حال میں کہ ان کی ہڈیوں میں گودا باقی رہے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: "الخصب" سرسبز و شادابی اور ارزانی و آسانی کے زمانے میں سفر کو الخصب کہتے ہیں۔

"حقها" یعنی گھاس چرنے کا حق دیدو "السنة" خشک سالی اور قحط کو کہتے ہیں یعنی ایسے موقع پر بہت تیز چلو تا کہ قحط کی وجہ سے ہلاکت سے پہلے پہلے بچ کر نکل جاؤ "عرستم" "تعریس آخری رات کے وقت پڑاؤ ڈالنے کو کہتے ہیں۔" الطریق "یعنی راستہ میں قیام نہ کرو بلکہ راستہ سے ہٹ کر رات گزاردو تا کہ درندوں اور حشرات الارض اور جنات سے بچ جاؤ کیونکہ رات کو یہ اشیاء راستوں پر آتی ہیں "ماوی" "ٹھکانہ بنانے کے معنی میں ہے" الھوام "حشرات الارض اور موذی اشیاء کو کہتے ہیں۔" نقیها "یعنی گودا ختم ہونے اور لاغر ہو کر بے بس ہو جانے سے پہلے پہلے جانوروں کو بچا کر نکال لو۔

ضرورت مندر فیق سفر کی خبر گیری کرو

(۷) وَعَنْ أَبِي سَعِيدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ فِي سَفَرٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ عَلَى رَاحِلَةٍ فَجَعَلَ يَضْرِبُ يَمِينًا وَشِمَالاً فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا ظَهْرَ لَهُ وَمَنْ كَانَ لَهُ فَضْلُ زَادٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا زَادَ لَهُ قَالَ فَذَكَرَ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ حَتَّى رَأَيْنَا أَنَّهُ لَا حَقَّ لِأَحَدٍ مِنَّا فِي فَضْلٍ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہا ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ایک شخص اونٹ پر سوار ہو کر آیا اور اونٹ کو دائیں اور بائیں پھیرتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے پاس زائد سواری ہو وہ اس شخص کو دیدے جس کے پاس سواری نہیں ہے جس کے پاس زائد زادراہ ہو اس کو دے دے جس کے پاس توشہ نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کی بہت سی اصناف کا ذکر فرمایا یہاں تک کہ ہم نے جان لیا کہ کسی کے لیے ان کی زائد چیز میں حق نہیں ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: "دائیں بائیں پھیرنے موڑنے لگا" کا مطلب یا تو یہ ہے کہ اس کا اونٹ اتنا تھک گیا تھا یا پوری خوراک نہ ملنے کی وجہ سے اتنا لاغر ہو گیا تھا کہ وہ شخص اس اونٹ کو کسی ایک جگہ پر کھڑا کر دینے پر قادر نہیں ہو رہا تھا بلکہ کبھی اس کو دائیں موڑ دیتا تھا اور کبھی بائیں گھما دیتا تھا۔ یہ مطلب ہے کہ وہ شخص اپنی آنکھوں کو چاروں طرف پھیرتا تھا اور ان کو دائیں بائیں گھما کر یہ دیکھتا تھا کہ کہیں سے اس کو وہ چیزیں مل جائیں جو اس کی ضروریات اور حاجتوں کو پورا کر دیں۔ اس صورت میں حاصل یہ ہوگا کہ اس شخص کے پاس نہ تو سواری کے لیے کوئی مناسب انتظام تھا اور نہ اس کے ساتھ کھانے پینے اور اوڑھنے بچھونے کا کوئی سامان تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اس بے سروسامانی کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا اور پھر ترغیب دلائی کہ وہ اس ضرورت مند اور درماندہ کی خبر گیری کریں۔

مقصد سفر پورا ہو جانے پر گھر لوٹنے میں تاخیر نہ کرو

(۸) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ يَمْنَعُ أَحَدَكُمْ نَوْمَهُ وَطَعَامَهُ وَشَرَابَهُ فَإِذَا قَضَى نَهْمَتَهُ مِنْ وَجْهِهِ فَلْيُعَجِّلْ إِلَى أَهْلِهِ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفر عذاب کا ٹکڑا ہے تم میں سے ایک کو اس کی نیند اور اس کے کھانے اور پینے سے روک دیتا ہے جب کوئی شخص سفر میں اپنی حاجت کو پورا کر لے جلد اپنے گھر لوٹ آئے۔ (متفق علیہ)

تشریح: "سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ سفر اپنی صورت کے اعتبار سے جہنم کے عذاب کی انواع میں سے ایک نوع ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے سارھقہ صعوداً۔

جسے بھی جسمانی تکلیف اور روحانی اذیت کے اعتبار سے کسی شخص کے حق میں سفر پریشانیوں اور صعوبتوں کا ذریعہ ہونے سے کم نہیں ہوتا۔ خصوصا اس دور میں جب کہ آج کی طرح سفر کے تیز رفتار اور اطمینان بخش ذرائع نہیں تھے لوگ سفر کے دوران کیسی کیسی مشقتیں برداشت کرتے تھے۔ اور کیسی کیسی مصیبتوں سے دوچار ہوتے تھے اس کا اندازہ بھی آج کے دور میں نہیں لگایا جا سکتا۔ حدیث میں سفر کی بطور خاص دو پریشانیوں کا جو ذکر کیا گیا ہے کہ سفر کے دوران نہ تو وقت پر اور طبیعت کے موافق کھانا پینا ملتا ہے اور نہ آرام وچین کی نیند نصیب ہوتی ہے وہ محض مثال کے طور پر ہے ورنہ سفر میں تو نہ معلوم کتنے ہی دینی اور دنیاوی امور فوت ہوتے ہیں جیسے جمعہ و جماعت کی نماز سے محرومی رہتی ہے اہل بیت اور دیگر قرابت داروں کے حقوق بروقت ادا نہیں ہوتے اور گرمی سردی کی مشقت و تکلیف اور اسی طرح کی دوسری پریشانیاں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔

مسافر کا اپنے گھر واپس آنے پر بچوں کے ذریعہ استقبال

(۹) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ تُلُقِّيَ بِصِبْيَانِ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَاِنَّهٗ قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَسُبِقَ بِيْ اِلَيْهِ فَحَمَلَنِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ثُمَّ جِيْئَ بِاَحَدِ ابْنَيْ فَاطِمَةَ فَاَرْدَفَهٗ خَلْفَهٗ قَالَ فَاُدْخِلْنَا الْمَدِيْنَةَ ثَلَاثَةً عَلٰى دَابَّةٍ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت سفر سے واپس تشریف لاتے اپنے اہل بیت کے لڑکوں کے ساتھ استقبال کیے جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے واپس لوٹے مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے آگے سواری پر بٹھا لیا۔ پھر حضرت فاطمہ کا ایک بیٹا لایا گیا آپ نے اس کو اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ کہا ہم مدینہ میں داخل ہوئے جبکہ تینوں ایک سواری پر بیٹھے ہوئے تھے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: "تلقی بالصبیان" مطلب یہ ہے کہ بچوں کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا جاتا تھا یعنی اہل بیت کے بچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کیلئے لے جائے جاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا استقبال اہل مدینہ نے اسلحہ لہراتے ہوئے اس وقت کیا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تھے پھر غزوات کے اسفار سے واپسی پر موقع بموقع صحابہ نے آپ کا استقبال کیا ہے اس لئے معزز مہمان کی آمد پر اور اسی طرح علمی شخصیت کی آمد پر اگر عوام الناس استقبال کرتے ہیں تو یہ ناجائز نہیں ہوگا تاہم شرعی منکرات سے پاک ہونا چاہیے۔

(۱۰) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّهٗ اَقْبَلَ هُوَ وَ اَبُوْطَلْحَةَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَفِيَّةُ مُرْدِفُهَا عَلٰى رَاحِلَتِهٖ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا وہ اور طلحہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے اس حال میں کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

تشریح: یہ خیبر سے واپس ہونے کے وقت کا واقعہ ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا خیبر کے مال غنیمت میں سے تھیں اور پہلے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ لگی تھیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لے لیا اور پھر انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا اور سواری پر اپنے ساتھ بٹھا کر مدینہ لائے۔

سفر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کا وقت

(۱۱) وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَطْرُقُ اَهْلَهُ لَيْلًا وَكَانَ لَا يَدْخُلُ اِلَّا غُدْوَةً اَوْ عَشِيَّةً (متفق علیه)

ترجمہ: اسی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اپنے اہل پر داخل نہیں ہوتے تھے بلکہ آپ اول روز یا آخر روز داخل ہوتے۔ (متفق علیہ)

تشریح: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی تعلیم یہ ہے کہ سفر سے جب آدمی گھر آتا ہے تو اس کو چاہیے کہ دن کے وقت آئے اس کے ساتھ والی حضرت جابر کی حدیث میں واضح طور پر منع کیا گیا ہے کہ طویل سفر کے بعد رات کے وقت گھر میں داخل نہیں ہونا چاہیے ان دونوں حدیثوں کے ساتھ آئندہ آنے والی حضرت جابر کی حدیث کا تعارض ہے جس میں رات کے وقت گھر میں آنے کو بہتر اور اچھا قرار دیا گیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب سفر لمبا ہوا اور شوہر طویل عرصہ تک گھر سے غائب رہا تو ایسی صورت میں رات کے وقت اچانک گھر میں نہیں آنا چاہیے بلکہ دن کو پہلے مسجد میں دو رکعت پڑھنی چاہئیں اور لوگوں سے ملاقات کے بعد گھر جانا چاہیے تاکہ گھر میں بیوی اپنا بناؤ سنگھار کر سکے اور اگر سفر دور کا نہ ہو بلکہ قریب کا ہو تو رات کے اول حصہ میں آنا بہتر ہے جس طرح کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رات کے پہلے حصہ میں آنے سے خود اس مسافر کو بھی اطمینان ہوگا اور دیر سے آمد کی وجہ سے گھر کے لوگ بھی پریشان نہیں ہوں گے نیز اول شب میں شوہر بیوی سے ہم بستری کر کے رات بھر آرام کرلے گا۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ جن احادیث میں رات کے وقت آنے کی ممانعت ہے ان احادیث کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ سفر لمبا ہوا اور شوہر کی آمد کا کچھ پتہ نہ ہو اگر شوہر اچانک داخل ہوگا اور بیوی اچھی حالت میں نہیں بیٹھی ہوگی تو گھریلو تعلقات خراب ہو جائیں گے مختصر سفر میں یہ صورت نہیں ہوگی نیز اگر سفر لمبا ہوا ہو مگر شوہر نے اپنے آنے سے پہلے اطلاع کردی ہو تو اس صورت میں بھی شوہر گھر میں ہر وقت آسکتا ہے اسلام چاہتا ہے کہ گھریلو نظام مضبوط سے مضبوط تر ہو مگر یہود و نصاریٰ اور ان کے ایجنٹ این جی اوز عائلی نظام کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔

رات کے وقت سفر سے واپس نہ آنے کی ہدایت

(۱۲) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَطَالَ اَحَدُكُمُ الْغَيْبَةَ فَلَا يَطْرُقْ اَهْلَهُ لَيْلًا (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی ایک کا غائب رہنا لمبا ہو جائے وہ رات کو اپنے گھر نہ آئے۔ (متفق علیہ)

تشریح: شرح السنۃ میں ایک یہ روایت منقول ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس ممانعت کے بعد (کا واقعہ ہے کہ) دو آدمیوں نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم پر عمل نہیں کیا اور) اپنے سفر سے واپسی پر گھر میں داخل ہونے کے لیے رات ہی کا وقت اختیار کیا تو (جب وہ اپنے اپنے گھر میں داخل ہوئے تو وہاں) ان میں سے ہر ایک نے اپنی بیوی کے ساتھ غیر مردوں کو پایا۔

(۱۳) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دَخَلْتَ لَيْلًا فَلَا تَدْخُلْ عَلٰى اَهْلِكَ حَتّٰى تَسْتَحِدَّ الْمُغِيْبَةُ وَتَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو رات کو (اپنے شہر میں داخل ہو) اپنے اہل کے پاس داخل نہ ہو۔ یہاں تک کہ بیوی (جس کا خاوند غائب رہا ہے) زیر ناف بال صاف کرے۔ پراگندہ بالوں والی کنگھی کرے۔ (متفق علیہ)

تشریح: "تستحد" حدید استعمال کرنے کو کہا جاتا ہے مراد زیر ناف بالوں کا ازالہ ہے تو مرد کیلئے لوہا استعمال کرنا طبی لحاظ سے مفید ہے اور عورت کیلئے لوہے کے بجائے کوئی اور طریقہ اختیار کرنا بہتر ہے مثلاً نوچنا یا نورہ استعمال کرنا یا بال صفا سے ازالہ کرنا مناسب ہے۔

"تمتشط" امتشاط کنگھی استعمال کرنے کو کہتے ہیں" الشعثة" پراگندہ بال عورت کو الشعثہ کہا گیا ہے۔

سفر سے واپس آنے پر دعوت کرنے مسنون ہے

(۱۴) وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ الْمَدِیْنَةَ نَحَرَ جَزُوْرًا اَوْبَقَرَةً . (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مدینہ تشریف لاتے اونٹ یا گائے ذبح کرتے۔ (بخاری)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر سے واپس آنے کا وقت

(۱۵) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَایَقْدَمُ مِنْ سَفَرٍ اِلَّانَهَارًا فِی الضُّحٰی فَاِذَا قَدِمَ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلّٰی فِیْهِ رَكْعَتَیْنِ ثُمَّ جَلَسَ فِیْهِ لِلنَّاسِ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس نہ آتے تھے مگر دن کو چاشت کے وقت میں جب آتے پہلے مسجد میں جاتے اس میں دو رکعتیں پڑھتے۔ پھر لوگوں کی ملاقات کے لیے بیٹھتے۔ (متفق علیہ)

تشریح: "چاشت کے وقت الخ" یہ اکثر کے اعتبار سے کہا گیا ہے یعنی چونکہ آپ اکثر و بیشتر چاشت ہی کے وقت واپس تشریف لاتے تھے اس لیے یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کے وقت کے علاوہ اور وقت واپس نہیں آتے تھے ورنہ یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دن کے ابتدائی حصہ یعنی صبح اور آخری حصہ شام کے وقت ہی سفر سے آیا کرتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف صبح ہی کے وقت واپس نہیں آیا کرتے تھے بلکہ شام کے وقت بھی واپس آجایا کرتے تھے۔

سفر سے واپس آنے پر پہلے مسجد میں جانے کا حکم

(۱۶) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِیْنَةَ قَالَ لِیْ اُدْخُلِ الْمَسْجِدَ فَصَلِّ فِیْهِ رَكْعَتَیْنِ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں ایک سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا جب ہم مدینہ سے واپس لوٹے آپ نے مجھے فرمایا مسجد میں جا اور اس میں دو رکعتیں پڑھ۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

تشریح: مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کے پیش نظر مسافر کا سفر سے واپس آنے پر پہلے مسجد میں جانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فعلاً بھی ثابت ہوا اور قولاً بھی نیز مذکورہ بالا حکم میں نہ صرف شعائر اللہ کی تعظیم کی طرف اشارہ ہے بلکہ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ مسجد گویا اللہ کے گھروں میں سے ایک گھر ہے اور مسجد میں جانے والا گویا اللہ سبحانہ سے ملاقات کرنے والا ہے لہٰذا جو شخص سفر سے واپس آئے اس کے حق میں اس سے بہتر اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ کہ وہ سب سے پہلے اللہ کے گھر میں جائے اور اللہ سے ملاقات کرے جس نے اس کو سفر کی آفات سے محفوظ رکھ کر بعافیت اس کے اہل و عیال کے درمیان واپس پہنچایا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ.... امت کے حق میں صبح کے وقت کیلئے آنحضرت کی دعاء برکت

(۱۷) عَنْ صَخْرِ بْنِ وَدَاعَةَ الْغَامِدِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِاُمَّتِیْ فِیْ بُكُوْرِهَا وَكَانَ اِذَابَعَثَ سَرِیَّةً اَوْجَیْشًا بَعَثَهُمْ مِنْ اَوَّلِ النَّهَارِ وَكَانَ صَخْرٌتَاجِرًا فَكَانَ یَبْعَثُ تِجَارَتَهٗ اَوَّلَ النَّهَارِ فَاَثْرٰی وَكَثُرَ مَالُهٗ. (رواہ الترمذی و ابوداؤد والدارمی)

ترجمہ: حضرت صخر بن وداعہ غامدی سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ میری امت کے اول روز میں برکت ڈال اور جب آپ کوئی چھوٹا یا بڑا لشکر بھیجتے ان کو اول روز بھیجتے اور صخر تاجر آدمی تھا اپنا مال تجارت اول روز بھیجا کرتا وہ مالدار

ہو گیا اور اس کا مال بہت زیادہ ہو گیا۔ (روایت کیا اس کو ترمذی ابوداؤد اور دارمی نے)

تشریح: "بکورها" یعنی صبح سویرے جہاد کے سفر پر جانے والے کیلئے یا تجارت کے سفر کرنے کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا فرمائی ہے "صخر" ایک تاجر صحابی کا نام ہے جو اس حدیث پر عمل کرتے تھے اور سویرے سویرے تجارتی سامان روانہ کرتے تھے "فاثری" یعنی خوب مالدار ہو گیا "کثر ماله" یہ اثری کی تشریح ہے۔ آج کل کافروں کی طرح مسلمان امت اس حدیث کے خلاف چل رہی ہے دن کے گیارہ یا بارہ بجے دکان پر آتے ہیں اس میں کیا خاک برکت آئے گی۔

رات کے وقت سفر کرنے کا حکم

(۱۸) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالدُّلْجَةِ فَاِنَّ الْاَرْضَ تُطْوٰى بِاللَّيْلِ. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کو سفر کرنے کو لازم پکڑو۔ زمین رات کو لپیٹ دی جاتی ہے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب تم کسی سفر کے لیے گھر سے نکلو تو محض دن کے وقت چلنے پر قناعت نہ کرو بلکہ تھوڑا سا رات کے وقت بھی چلا کرو کیونکہ رات میں سفر آسانی کے ساتھ طے ہوتا ہے اور اس خیال سے مسافر کی ہمت سفر پر کوئی بار نہیں ہوتا کہ ابھی میں نے بہت تھوڑا فاصلہ کیا ہے جب کہ حقیقت میں وہ کافی فاصلہ طے کر چکا ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اول تو رات کے وقت چلنے کے علاوہ اور کوئی شغل نہیں ہوتا دوسرے فاصلے کی علامات ونشانات پر نظر نہیں پڑتی اور یہ چیزیں راستہ چلنے والے کی نظر میں سفر کو بھاری کر دیتی ہے چنانچہ اسی مفہوم کو زمین کے لپیٹ دیے جانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس سے یہ واضح ہو کہ یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ دن کے وقت بالکل چلو ہی مت چنانچہ دوسری احادیث میں یہ حکم بیان فرمایا گیا ہے کہ اپنا سفر دن کے ابتدائی حصہ اور آخری حصہ میں طے (کرنے کی کوشش) کرو اور کچھ حصہ رات کے وقت بھی چلو۔

سفر میں کم سے کم تین آدمیوں کا ساتھ ہونا چاہیے

(۱۹) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرَّاكِبُ شَيْطَانٌ وَالرَّاكِبَانِ شَيْطَانَانِ وَالثَّلَاثَةُ رَكْبٌ رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ.

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اس نے اپنے دادا سے روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سوار شیطان ہے اور دو سوار دو شیطان ہیں اور تین سوار جماعت ہیں۔ (روایت کیا اس کو مالک ترمذی ابوداؤد اور نسائی نے)

تشریح: "الثلاثة رکب" یعنی تین سوار جماعت ہے ایک سوار یا دو سوار شیطان ہیں اس لئے کہ ایک اور دو ساتھیوں کو جب پریشانی لاحق ہو گی شیطان بہت خوش ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک یا دو ساتھیوں کو شیطان آسانی سے گمراہ کر سکے گا اس لئے اس کو سفری شیطان کہا گیا۔ خلاصہ یہ کہ سفر میں کم سے کم تین آدمی ہونے چاہئیں تا کہ نماز ادا کرتے وقت صحیح طریقے سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں۔ دوسرا فائدہ یہ کہ اگر ایک ساتھی کسی کام سے چلا گیا تو باقی دو آپس میں تسلی سے رہیں گے اور اگر اس کے آنے میں تاخیر ہو جائے تو دوسرا اطلاع کیلئے جائے گا اور تیسرا پیچھے سامان کی حفاظت کرے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اسفار کا معاملہ انتہائی خطرناک ہوتا تھا عرب کے صحراؤں کی دشواریاں الگ تھیں اور دشمن کے خطرات الگ تھے اس لئے تین کی جماعت کا ہونا ادنیٰ درجہ کا انتظام تھا آج کل وہ صورت تو نہیں ہے مگر پھر بھی ظاہر حدیث پر عمل میں بے شمار فوائد ہیں۔

کسی ایک رفیق سفر کو امیر بنالیا جائے

(۲۰) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا كَانَ ثَلَاثَةٌ فِيْ سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوْا اَحَدَهُمْ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت تین آدمی سفر کر رہے ہوں وہ ایک کو اپنا امیر مقرر کر لیں۔ روایت کیا اس کو ابو داؤد نے۔

تشریح: "تین شخص" سے مراد جماعت ہے کہ جس کا ادنیٰ درجہ تین ہے ویسے یہ حکم اس صورت کے متعلق بھی ہے جب کہ دو آدمی بھی ساتھ سفر کر رہے ہوں یہاں تین کے ذکر پر اکتفا اس لیے کیا گیا ہے کہ پہلے ایک حدیث میں بیان فرمایا جا چکا ہے کہ دو سوار شیطان ہوتے ہیں۔ بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی سفر میں ایک سے زائد لوگ ہوں تو اس صورت میں ان میں سے ایک شخص کو اپنا امیر و سردار مقرر کر لیا جائے جو سب سے افضل ہو اور کسی کو امیر و سردار بنا لینے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ اگر دوران سفر کسی معاملہ میں آپس میں کوئی نزاعی صورت پیدا ہو جائے تو اس امیر و سردار کی طرف رجوع کر لیا جائے اور وہ جو فیصلہ کرے اس کو تسلیم کر کے اپنے نزاع کو ختم کر دیا جائے۔ امیر و سردار کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ وہ اپنے تمام رفقاء سفر کے حق میں خیر خواہ، مہربان اور غمگسار ہو اور اپنی سرداری کو اپنے لیے محض وجہ افتخار سمجھ کر کسی بڑائی میں مبتلا نہ ہو بلکہ حقیقی معنی میں اپنے آپ کو اس کا خادم سمجھے جیسا کہ فرمایا گیا ہے۔ سید القوم خادمھم یعنی کسی جماعت کا سردار اصل میں اپنی جماعت کا خدمت گزار ہوتا ہے۔

بہترین رفقاء سفر

(۲۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ الصَّحَابَةِ اَرْبَعَةٌ وَ خَيْرُ السَّرَايَا اَرْبَعُمِائَةٍ وَ خَيْرُ الْجُيُوْشِ اَرْبَعَةُ الاٰفٍ وَلَنْ يُغْلَبَ اثْنَا عَشَرَ اَلْفًا مِنْ قِلَّةٍ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا بہترین رفیق چار ہیں اور بہترین چھوٹا لشکر چار سو کی تعداد کا ہے۔ بہترین بڑا لشکر وہ جس کی تعداد چار ہزار ہو اور بارہ ہزار کا لشکر قلت کی وجہ سے شکست نہیں کھا سکتا ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے ابو داؤد اور دارمی نے۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: چار رفقاء اور ساتھیوں کو "بہترین" اس اعتبار سے فرمایا گیا ہے کہ فرض کیجئے اگر ان چاروں میں سے کوئی ایک بیمار ہو جائے اور وہ اپنی زندگی سے مایوس ہو کر اپنے ان تین ساتھیوں میں سے کسی ایک ساتھی کو کوئی وصیت کرے تو باقی دو ساتھی اس کی وصیت کے گواہ ہو جائیں۔ ویسے علماء نے لکھا ہے پانچ ساتھی چار ساتھیوں سے بہتر ہوتے ہیں بلکہ پانچ سے بھی جتنے زیادہ ہوں گے اتنے ہی بہتر ہوں گے اور یہاں حدیث میں چار کا ذکر کر کے گویا ادنیٰ درجہ بیان کیا گیا ہے۔ "مغلوب نہیں ہوتے" کا مطلب یہ ہے کہ بارہ ہزار مجاہدین کے لشکر کی طاقت ایک بڑی طاقت ہوتی ہے اتنے زیادہ مجاہدین دشمن کے مقابلے پر بھی مغلوب نہیں ہوں گے اور اگر مغلوب بھی ہوں گے تو تعداد کی کمی کی وجہ سے تو ہوں گے نہیں کیونکہ بارہ ہزار کا عدد کمی کی حد سے نکل گیا ہے البتہ کسی اور سبب سے مغلوب ہوں گے۔ جیسے اپنی تعداد و طاقت پر بے جا اتراہٹ اور غرور و تکبر وغیرہ۔

اپنے رفقاء سفر کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

(۲۲) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَلَّفُ فِي الْمَسِيْرِ فَيُزْجِي الضَّعِيْفَ وَيُرْدِفُ وَيَدْعُوْلَهُمْ (ابوداود)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چلنے میں پیچھے رہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضعیف کو چلاتے یا اپنے پیچھے سوار کر لیتے۔ اور ان کے لیے دعا کرتے۔ (روایت کیا اس کو ابو داؤد نے)

منزل پر پہنچ کر تمام رفقاء سفر کو ایک جگہ ٹھہرنا چاہیے

(۲۳) وَعَنْ اَبِيْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ قَالَ كَانَ النَّاسُ اِذَا نَزَلُوْا مَنْزِلًا تَفَرَّقُوْا فِي الشِّعَابِ وَالْاَوْدِيَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ تَفَرُّقَكُمْ فِيْ هٰذِهِ الشِّعَابِ وَالْاَوْدِيَةِ إِنَّمَا ذٰلِكُمْ مِنَ الشَّيْطَانِ فَلَمْ يَنْزِلُوْا بَعْدَ ذٰلِكَ مَنْزِلاً إِلَّا انْضَمَّ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ حَتّٰى يُقَالَ لَوْ بُسِطَ عَلَيْهِمْ ثَوْبٌ لَعَمَّهُمْ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا لوگ جس وقت سفر میں کسی جگہ اترتے پہاڑ کے دروں اور نالوں میں متفرق ہو جاتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا ان دروں اور نالوں میں متفرق ہونا شیطان سے ہے اس کے بعد وہ کسی منزل میں بھی اترتے تو ان کا بعض بعض سے مل جاتا۔ یہاں تک کہ کہا جاتا اگر ان پر ایک کپڑا پھیلا دیا جائے ان سب کو ڈھانک لے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: چونکہ اس زمانہ میں صف بندی کے ساتھ جنگ ہوتی تھی تو ساتھیوں کا اکٹھا ہونا انتہائی ضروری ہوتا تھا کیونکہ تنہا ساتھی کو پا کر دشمن دبا دیتا مگر آج کل چونکہ ہوائی بمباری ہوتی ہے نیز راکٹ اور گولے گرتے ہیں تو اس کیلئے حکمت عملی وہ ہوگی جو بچاؤ کیلئے مفید تر ہوگی۔

اسلام نے مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیدیا ہے مگر اس کو کسی ہیئات اور کیفیات کا پابند نہیں بنایا ہے جس طرح دعوت تبلیغ کا حکم دیا ہے مگر کسی خاص شکل بنانے اور اپنانے کا پابند نہیں بنایا ہے لہٰذا جہاد اور دعوت کی جو صورت آسان اور مفید ہو وہ اپنائی جائے گی کسی خاص صورت کا التزام کرنا بدعت ہوگی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال انکسار کا مظہر ایک واقعہ

(۲۴) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا يَوْمَ بَدْرٍ كُلُّ ثَلَاثَةٍ عَلٰى بَعِيْرٍ كَانَ أَبُوْلُبَابَةَ وَعَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ زَمِيْلَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَكَانَتْ إِذَا جَاءَتْ عُقْبَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَا نَحْنُ نَمْشِيْ عَنْكَ قَالَ مَا أَنْتُمَا بِأَقْوٰى مِنِّيْ وَمَا أَنَا بِأَغْنٰى عَنِ الْأَجْرِ مِنْكُمَا. (رواه فی شرح السنة)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بدر کی لڑائی میں ہم تین آدمی ایک اونٹ پر سوار تھے ابولبابہ اور علی بن ابی طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باری آئی ابولبابہ اور علی کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہم چلتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ فرماتے تم دونوں مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور نہ ہی میں تم دونوں سے ثواب سے بے پرواہ ہوں۔ روایت کیا اس کو شرح السنہ میں۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کمال انکسار و تواضع کے کس بلند مقام پر تھے اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء اور ساتھیوں کے حق میں کس قدر مہربان اور خیر خواہ تھے کہ ان کی راحت کو بھی ترجیح نہیں دیتے تھے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگرآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی اور رسول ہونے کی حیثیت سے معصوم عن الخطا تھے اور خدا کے محبوب بندے تھے مگر اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الوہیت میں اپنی عبدیت کے اقرار کے طور پر خدا کی طرف سے اپنے احتیاج اور اس کے حضور میں اپنی مکمل بیچارگی کو ظاہر فرمایا کرتے تھے۔

سواری کے جانوروں کے بارے میں ایک حکم

(۲۵) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَتَّخِذُوْا ظُهُوْرَ دَوَابِّكُمْ مَنَابِرَ فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى إِنَّمَا سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُبَلِّغَكُمْ إِلٰى بَلَدٍ لَمْ تَكُوْنُوْا بَالِغِيْهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ وَجَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فَعَلَيْهَا فَاقْضُوْا حَاجَاتِكُمْ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں۔ فرمایا جانوروں کی پشت کو منبر نہ بناؤ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے لیے مسخر کیا ہے تاکہ وہ تم کو شہر کی طرف پہنچا دیں جس کی طرف تم پہنچنے والے نہ تھے مگر مشقت کے ساتھ۔ اس کام کے لیے تمہارے لیے زمین کو بنایا ہے اس پر اپنی حاجات پوری کرو۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: "جانوروں کی پشت کو منبر نہ بناؤ" کا مطلب یہ ہے کہ باتیں کرنے کے لیے جانور کی پشت پر سوار ہو کے نہ کھڑے رہو بلکہ اگر کسی سے بات کرنی ہے تو اس کی پشت پر سے اتر کر اپنی حاجت پوری کرو اور پھر اس پر سوار ہو لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ سواری کے علاوہ

جانور کی اور کوئی حاجت یا اس کے ساتھ کوئی اور صحیح غرض متعلق نہ ہو ہاں اگر اس جانور سے کوئی اور صحیح غرض متعلق ہو گو اس میں کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ یہ ثابت ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اس لیے پیدا کیا کہ تم اس پر اٹھو بیٹھو اور کھڑے ہو اور ان کے علاوہ اپنی ضرورتیں پوری کرو لہٰذا اپنے کام زمین پر ہی کرو سواری کے جانور کی پشت پر سوائے سوار ہونے کے کہ وہ تمہیں منزل مقصود پر پہنچادے اور کوئی کام نہ کرو۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک سواری کے جانوروں کی دیکھ بھال کی اہمیت

(۲۶) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنَّا اِذَا نَزَلْنَا مَنْزِلًا لَا نُسَبِّحُ حَتّٰى نَحُلَّ الرِّحَالَ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا جب ہم کسی جگہ اترتے ہم نفل نہ پڑھتے تھے یہاں تک کہ جانوروں کے اسباب کھولے جاتے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: سبحہ اور تسبیح کا اطلاق اکثر نفل نماز پر ہوتا ہے لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہاں نماز چاشت ہی مراد ہے کہ اس زمانے میں عام طور پر منزلوں پر اترنے کا وقت یہی چاشت کا وقت ہوتا تھا۔ بہر حال حدیث کا مطلب یہ بتانا ہے کہ باوجودیکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نماز کا بہت زیادہ اہتمام وخیال رکھتے تھے لیکن وہ اپنے جانوروں کی دیکھ بھال کے اہتمام کو بھی پہلے ملحوظ رکھتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حق شناسی

(۲۷) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِيْ اِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ مَعَهُ حِمَارٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ارْكَبْ وَتَاَخَّرَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اَنْتَ اَحَقُّ بِصَدْرِ دَابَّتِكَ اِلَّا اَنْ تَجْعَلَهُ لِيْ قَالَ جَعَلْتُهُ لَكَ فَرَكِبَ. (رواہ الترمذی وابوداؤد)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ جا رہے تھے ایک آدمی آیا اس کے ساتھ گدھا تھا اس نے کہا اے اللہ کے رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہوں اور وہ پیچھے ہٹ گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں اپنی سواری کی اگلی جانب کا تجھ کو زیادہ حق ہے مگر جب تو اس کو میرے لیے کر دے اس نے کہا میں نے آپ کے لیے کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہو گئے۔ روایت کیا اس کو ترمذی اور ابوداؤد نے۔

تشریح: اس حدیث سے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ احساس انصاف وحق شناسی ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک اس شخص کی سواری پر آگے بیٹھنے سے انکار کر دیا جب تک کہ اس نے صراحت کے ساتھ اپنی سواری آگے بیٹھنے کے اپنے حق کو آپ کی طرف منتقل نہ کر دیا وہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف تواضع وانکسار بھی پورے کمال کے ساتھ ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے پیچھے بیٹھنے میں کوئی عار محسوس نہیں کیا اور اس پر راضی ہوئے۔

شیطانی اونٹ اور شیطانی گھر

(۲۸) وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ هِنْدٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكُوْنُ اِبِلٌ لِلشَّيَاطِيْنِ وَبُيُوْتٌ لِلشَّيَاطِيْنِ فَاَمَّا اِبِلُ الشَّيَاطِيْنِ فَقَدْ رَاَيْتُهَا يَخْرُجُ اَحَدُكُمْ بِنَجِيْبَاتٍ مَعَهُ قَدْ اَسْمَنَهَا فَلَا يَعْلُوْ بَعِيْرًا مِنْهَا وَيَمُرُّ بِاَخِيْهِ قَدِ انْقَطَعَ بِهٖ فَلَا يَحْمِلُهُ وَاَمَّا بُيُوْتُ الشَّيَاطِيْنِ فَلَمْ اَرَهَا كَانَ سَعِيْدٌ يَقُوْلُ لَا اُرَاهَا اِلَّا هٰذِهِ الْاَقْفَاصَ الَّتِيْ يَسْتُرُ النَّاسُ بِالدِّيْبَاجِ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت سعید بن ابی ہند ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض اونٹ

شیطانوں کے لیے ہوتے ہیں اور بعض گھر شیطانوں کے لیے ہوتے ہیں پس شیطانوں کے اونٹ وہ ہیں جو میں ان کو دیکھتا ہوں تم میں سے ایک شخص اچھی اونٹیاں لے کر سفر پر نکلتا ہے اس نے ان کو فربہ کیا ہوتا ہے وہ کسی اونٹ پر نہیں چڑھتا اپنے بھائی کے پاس سے گذرتا ہے کہ وہ تھک چکا ہے وہ اس کو سوار نہیں کرتا۔ اور شیطانوں کے گھر میں نے انہیں نہیں دیکھا ہے۔ سعید کہتا تھا کہ میرے خیال میں یہ پنجرے اور ڈولیاں ہیں جس کو لوگ ریشمی کپڑوں کے ساتھ ڈھانکتے ہیں۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: "بنجیات" نجیبات عمدہ اونٹیوں کو کہتے ہیں" فلا یعلوا "یعنی اونٹ کو خالی چھوڑ کر ہنکاتا ہے نہ کسی اور کو اس پر سوار کرتا ہے نہ خود سوار ہوتا ہے کیونکہ اس کو ضرورت نہیں بلکہ کبھی اپنے مجبور بھائی پر گزر بھی ہوتا ہے مگر اس کو سوار نہیں کرتا یہ شیطانی اونٹ ہیں کہ اس کی پشت میں کسی غریب اور مجبور کا حق نہیں ہے۔ "الا قفاص" یہ قفص کی جمع ہے قفص پنجرے کو کہتے ہیں یہاں مراد کجاوے ہیں لیکن وہ کجاوے جن پر ریشمی کپڑے ڈالے گئے ہوں تو ریشم کی وجہ سے یہ کجاوے شیطان کے پنجرے اور گھونسلے بن گئے۔

کہیں پڑاؤ ڈالو تو وہاں نہ زیادہ جگہ گھیرو اور نہ راستہ روکو

(۲۹) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَيَّقَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ وَقَطَعُوا الطَّرِيْقَ فَبَعَثَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنَادِيًا يُنَادِيْ فِي النَّاسِ اِنَّ مَنْ ضَيَّقَ مَنْزِلًا اَوْقَطَعَ طَرِيْقًا فَلَاجِهَادَلَهٗ. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت سہل بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہا ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کی لوگوں نے منزلوں کو تنگ کر لیا اور راستہ کو قطع کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارنے والے کو بھیجا جو لوگوں میں اعلان کرتا تھا جس نے منزل کو تنگ کیا یا راستہ کو قطع کیا اس کا جہاد نہیں ہے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

سفر سے واپسی کا بہترین وقت

(۳۰) وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَحْسَنَ مَادَخَلَ الرَّجُلُ اَهْلَهٗ اِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ اَوَّلُ اللَّيْلِ (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا تحقیق بہت اچھا جو آدمی اپنے اہل پر داخل ہو جب سفر سے واپس آئے اول شب ہے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: یہ اس صورت میں ہے جب کہ قریب کا سفر ہو چنانچہ پہلے جو یہ گذرا ہے کہ سفر سے واپسی میں رات کے وقت اپنے گھر نہ آنا چاہئے تو اس کا تعلق دور کے سفر سے ہے! اور نووی رحمہ اللہ یہ کہتے ہیں کہ اگر دور کا بھی سفر ہو اور اس کے آنے کی اطلاع اس کے گھر والوں کو دن میں مل چکی ہو تو رات کے وقت آنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ "گھر والوں کے پاس پہنچے" سے گھر والی کے پاس آنا" یعنی جماع مراد ہے کیونکہ مسافر کا جنسی جذبہ بہت زیادہ بیدار ہو جاتا ہے لہذا جب وہ سفر سے واپس ہو کر رات کے ابتدائی حصہ ہی میں جماع سے فارغ ہو جائے گا تو پھر سکون و آرام کے ساتھ سوئے گا بھی اور بیوی کا حق بھی جلدی ادا ہو جائے گا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ... سفر کے دوران رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام کرنیکی کیفیت

(۳۱) عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ فِیْ سَفَرٍ فَعَرَّسَ بِلَيْلٍ اِضْطَجَعَ عَلٰى يَمِيْنِهٖ وَاِذَا عَرَّسَ قُبَيْلَ الصُّبْحِ نَصَبَ ذِرَاعَهٗ وَوَضَعَ رَاْسَهٗ عَلٰى كَفِّهٖ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے دائیں کروٹ پر لیٹتے اور جب صبح سے کچھ دیر پہلے آرام کے لیے اترتے ہاتھ کھڑا کرتے اور اپنا سر ہتھیلی پر رکھتے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

صبح کے وقت سفر شروع کرنے کی فضیلت

(۳۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ رَوَاحَةَ فِی سَرِیَّةٍ فَوَافَقَ ذٰلِکَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَغَدَا اَصْحَابُهُ وَ قَالَ اَتَخَلَّفُ وَاُصَلِّی مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَلْحَقُهُمْ فَلَمَّا صَلّٰی مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاٰهُ فَقَالَ مَامَنَعَکَ اَنْ تَغْدُوَمَعَ اَصْحَابِکَ فَقَالَ اَرَدْتُ اَنْ اُصَلِّیَ مَعَکَ ثُمَّ اَلْحَقَهُمْ فَقَالَ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَا اَدْرَکْتَ فَضْلَ غَدْوَتِهِمْ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن رواحہ کو ایک چھوٹے لشکر کے ساتھ بھیجا یہ جمعہ کے دن اتفاق ہوا اس کے ساتھی چلے گئے اس نے کہا میں پیچھے رہتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھوں گا۔ پھر ان کے ساتھ جا ملوں گا۔ جس وقت اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھ لیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے کس چیز نے منع کیا ہے کہ تو صبح اپنے ساتھیوں کے ساتھ چلا جاتا اس نے کہا میں نے ارادہ کیا کہ آپ کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھ لوں پھر ان کے ساتھ جا ملوں گا آپ نے فرمایا اگر تو جو کچھ زمین میں ہے خرچ کر دے ان کے صبح کے وقت جانے کے ثواب کو حاصل نہیں کر سکتا۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

تشریح: "فی سریة" ۸ ہجری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً تین ہزار صحابہ کرام کو روما سلطنت سے جہاد کیلئے روانہ فرمایا تھا حضرت زید اور ان کے بعد حضرت جعفر اور پھر حضرت عبداللہ بن رواحہ تینوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یکے بعد دیگرے ترتیب کے ساتھ امیر بنایا تھا جب مدینہ سے یہ حضرات نکلنے لگے تو حضرت عبداللہ بن رواحہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ پڑھنے کی غرض سے مدینہ میں رک گئے آپ کے دونوں ساتھی لشکر اسلام کے ساتھ چلے گئے جمعہ کا دن تھا حضرت عبداللہ بن رواحہ نے سوچا کہ شاید یہ زندگی کا آخری جمعہ ہو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری زیارت ہو مسجد نبوی کی آخری نماز ہو اس غرض سے جمعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھنے کیلئے رک گئے جمعہ پڑھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو پوچھنے لگے کہ کس وجہ سے تاخیر کی آپ نے عذر بتا دیا کہ ساتھیوں کے ساتھ جا کر ملنا کوئی مشکل نہیں ہے ابھی چلا جاؤں گا آپ کے ساتھ جمعہ پڑھنے کی فضیلت حاصل ہوگئی اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین میں جو کچھ ہے اس سب کو بھی خرچ کر لو پھر بھی جہاد کے سفر میں صبح نکلنے والوں کی فضیلت نہیں پاؤ گے معلوم ہوا کہ جہاد کا عمل بہت اونچا عمل ہے اور یہ سب سے افضل عمل ہے۔ اس حدیث کو تبلیغی جماعت کے ساتھی اپنے سہ روزوں چلوں اور گشت میں نکلنے کیلئے بیان کرتے ہیں اور واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اس میں جہاد کا نام تک نہیں آتا یہ ان حضرات کی طرف سے اس حدیث میں واضح تحریف ہے خدا کا خوف کرنا چاہیے۔

چیتے کی کھال استعمال کرنا ممنوع ہے

(۳۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصْحَبُ الْمَلَائِکَةُ رُفْقَةً فِیْهَا جِلْدُ نَمِرٍ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے اس قافلہ کے ساتھ نہیں ہوتے جس میں چیتے کا چمڑا ہو۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

امیر سفر کو رفقاء سفر کا خادم ہونا چاہیے

(۳۴) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَیِّدُ الْقَوْمِ فِی السَّفَرِ خَادِمُهُمْ فَمَنْ سَبَقَهُمْ بِخِدْمَةٍ لَمْ یَسْبِقُوْهُ بِعَمَلٍ اِلَّا الشَّهَادَةَ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِی شُعَبِ الْاِیْمَانِ۔

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قوم کا سردار سفر میں ان کا خادم ہوتا ہے جو شخص خدمت میں ان سے سبقت لے گیا۔ شہادت کے سوا کسی عمل کے ساتھ وہ اس سے سبقت نہیں لے جائیں گے۔

روایت کیا اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ امیر و حاکم کو چاہئے کہ وہ قوم کی خدمت کرے ان کے مصالح پر نظر رکھے ان کے ظاہری و باطنی حالات کی رعایت ملحوظ رکھے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ جو بھی شخص اپنی قوم اور اپنی جماعت کی خدمت میں لگا رہے۔ تو حقیقت میں وہی شخص کثرت ثواب کی بنا پر اس قوم و جماعت کا سردار ہے اگرچہ دیکھنے میں وہ پوری قوم و جماعت میں کتنی ہی کمتر حیثیت کا کیوں نہ ہو کیونکہ خدمت قوم کے علاوہ اور کوئی عمل افضل نہیں الا یہ کہ کوئی شخص خدا کی راہ میں لڑے اور شہادت کا درجہ پائے۔

بَابُ الْكِتَابِ إِلَى الْكُفَّارِ وَدُعَائِهِمْ إِلَى الْإِسْلَامِ

کفار کو خطوط لکھنے اور ان کو اسلام کی دعوت دینے کا بیان

قال الله تعالىٰ وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ

کفار کو جنگ سے پہلے دعوت دینا واجب ہے بشرطیکہ ان تک دعوت نہیں پہنچی ہو اگر دعوت پہنچ گئی ہو تو پھر دوبارہ دعوت دینا مستحب ہے اس پر کتاب الجہاد کی ابتداء میں تفصیل سے گفتگو ہو چکی ہے دعوت کے بہت سارے طریقے ہیں خود جا کر دعوت دینا یا کسی نشریاتی ادارہ سے اعلان کرنا یا کسی مشہور واقعہ سے کفار کو معلوم ہو جائے کہ مسلمان بھی کوئی قوم ہے جو اپنے پاس آسمانی کتاب اور مذہب رکھتے ہیں انہیں طریقوں میں سے دعوت کا ایک طریقہ کفار کو خط لکھنا بھی ہے اسلام میں دعوت ایک شعبہ تو ہے لیکن اس کی کوئی مخصوص متعین شکل نہیں ہے زمانے کے احوال کے مطابق جس جائز صورت کو کوئی اختیار کرتا ہے دعوت کا کام ہو جاتا ہے۔ بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کفار مکہ سے دس سال کیلئے حدیبیہ میں جنگ بندی پر صلح کر لی تو اس صلح کے بہت سارے فائدے حاصل ہو گئے ایک فائدہ یہ حاصل ہوا کہ کفار نے قریب سے مسلمانوں کو دیکھا اور آپس میں میل جول کے ذریعے سے کفار نے بہتر طور پر اسلام کو سمجھ لیا اور پھر اچھی خاصی تعداد نے اسلام کو قبول کر لیا۔

دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب جزیرۂ عرب کے اندر کے دشمنوں سے مطمئن ہو کر فارغ ہو گئے تو آپ نے جزیرۂ عرب سے باہر دنیا کے تمام کفار کو بذریعہ خطوط اسلام کی دعوت دیدی آپ اگرچہ جزیرۂ عرب سے باہر خود نہیں گئے مگر خطوط کے ذریعہ سے آپ نے دعوت پہنچا دی اور اتنی دعوت ضروری اور جہاد کیلئے کافی تھی۔ اس وقت دنیا پر دو بڑی قوتیں حکمرانی کرتی تھیں (جس طرح ہمارے دور میں روس اور امریکہ ہوتا تھا روس تو ٹوٹ گیا اب ان شاء اللہ امریکہ کی باری ہے) ایک قوت کا نام فارس تھا اور دوسری قوت کا نام روم تھا لوگ فارس کے بڑے کو کسریٰ اور روم کے بڑے کو قیصر کے نام سے پکارتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر و کسریٰ دونوں کو خطوط بھیجے ہیں چنانچہ وہ لوگ مہر کے بغیر کسی خط کو قبول نہیں کرتے تھے اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بنوائی اور اس میں یہ عبارت کندہ کروائی "محمد رسول اللہ" اس کے لکھنے کا طریقہ اس طرح تھا کہ لفظ اللہ سب سے اوپر تھا اس کے بعد لفظ رسول اور اس کے بعد سب سے نیچے محمد کا لفظ ہوتا تھا۔

الله

رسول

محمد

الفصل الاول... قیصر روم کے نام مکتوب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَتَبَ اِلٰی قَیْصَرَ یَدْعُوْہُ اِلَی الْاِسْلَامِ وَ بَعَثَ بِکِتَابِہٖ اِلَیْہِ دِحْیَةَ الْکَلْبِیَّ وَاَمَرَہٗ اَنْ یَّدْفَعَہٗ اِلٰی عَظِیْمِ بُصْرٰی لِیَدْفَعَہٗ اِلٰی قَیْصَرَ فَاِذَا فِیْہِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ اِلٰی ھِرَقْلَ عَظِیْمِ الرُّوْمِ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ بِدَاعِیَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ وَاَسْلِمْ یُؤْتِکَ اللّٰہُ اَجْرَکَ مَرَّتَیْنِ وَاِنْ تَوَلَّیْتَ فَعَلَیْکَ اِثْمُ الْاَرِیْسِیِّیْنَ وَیَا اَھْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ. مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَ فِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَ قَالَ اِثْمُ الْیَرِیْسِیِّیْنَ وَقَالَ بِدِعَایَةِ الْاِسْلَامِ (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر کی طرف خط لکھا اس کو اسلام کی طرف دعوت دیتے تھے۔ یہ خط دے کر آپ نے دحیہ کلبی کو بھیجا اس کو حکم دیا کہ یہ خط بصریٰ کے حاکم کو پہنچا دے تا کہ وہ قیصر کو پہنچا دے اس میں یہ لکھا ہوا تھا۔ شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو بخشنے والا مہربان ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں یہ خط ہرقل کی طرف لکھا ہے جو روم کا بادشاہ ہے اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرے اما بعد میں تجھ کو اسلام لانے کی دعوت دیتا ہوں تو مسلمان ہو جا سالم رہے گا۔ مسلمان ہو جا اللہ تعالیٰ تجھ کو دوہرا اجر دے گا اگر منہ پھیرے گا تیری رعیت کا گناہ تجھ پر ہوگا اور اے اہل کتاب ایک کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہمارا بعض بعض کو اللہ کے سوا رب نہ پکڑے اگر تم منہ موڑ و پس گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ (متفق علیہ) مسلم کی ایک روایت میں ہے فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو اللہ کا رسول ہے اور مسلم کی روایت میں اثم الیریسیین نیز بدعایۃ الاسلام کے الفاظ ہیں۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت روم (رومن امپائر) کی حکومت اپنی سطوت و جبروت اور طاقت وعظمت کے لحاظ سے دنیا کی ایک بڑی عظیم طاقت اور پر شوکت حکومت تھی۔ روم کے حکومت کا دارالسلطنت قسطنطنیہ تھا اور اس وقت یورپ کے مختلف ممالک کے علاوہ شام و فلسطین اور مصر بھی اسی کے زیر اقتدار تھے۔ قیصر روم کے بادشاہ کا لقب ہوا کرتا تھا جیسا کہ فارس (ایران) کے بادشاہ کو کسریٰ حبش کے بادشاہ کو ''نجاشی'' ترک بادشاہ کو ''خاقان'' قبط کے بادشاہ کو فرعون مصر کے بادشاہ کے عزیز اور حمیر کے بادشاہ کو تبع کہا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانے میں روم کا جو قیصر تھا اور جس کو آپ نے یہ گرامی نامہ بھیجا تھا اس کا نام ہرقل (ہرل یوس) تھا یہ ہرقل جس طرح اپنی شاہی شان وشوکت میں ممتاز سمجھا جاتا تھا اسی طرح مذہبی علوم یعنی تورات وانجیل کا بھی زبردست عالم تھا۔ دحیہ کلبی ایک صحابی تھے ان کی سب سے بڑی امتیازی شان یہ تھی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اکثر انہیں کی صورت میں اترتے تھے۔ ''بصریٰ'' شام کے ایک شہر کا نام تھا جو ایک بڑا متمدن اور تجارتی مرکز تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ابتدائی زندگی میں جو دو تجارتی سفر فرمائے تھے اس میں سے ایک سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بصریٰ بھی تشریف لے گئے تھے۔

حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کا سفارت پر مامور ہو کر قیصر کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی لے جانا سنہ ۶ھ یا سنہ 7 ھ کے شروع کا واقعہ ہے۔ روایات اور تاریخ سے ثابت ہے کہ قیصر روم نے اس نامہ مبارک سے اس حد تک اثر قبول کیا تھا کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی تھی اور اس کے دل میں نور اسلام جلوہ فگن ہو چکا تھا مگر رعایا اور اہل دربار کے خوف سے اور تخت و تاج کی محبت میں وہ روشنی بجھ کر رہ گئی اور مسلمان نہیں ہو سکا۔ چنانچہ منقول ہے کہ اس نے نامہ مبارک پڑھے جانے کے بعد اپنے اہل دربار کی برہمی دیکھ کر حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر مجھے اپنے لوگوں سے اپنی جان کا خوف نہ ہوتا تو میں ضرور تمہارے نبی کا اتباع کرتا وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ وہی نبی ہیں جن کے ہم منتظر تھے۔

ابن ملک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ خط لکھنے کا یہ بہترین طریقہ ہے کہ تحریر کی ابتداء بسم اللہ سے ہو اور خط لکھنے والے کا نام بھی پہلے لکھا جائے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ بات حدیث سے ثابت نہیں بلکہ قرآن کریم کی اس آیت انه من سلیمان و انه بسم الله الرحمن الرحیم سے بھی مفہوم ہوتی ہے۔ ہرقل چونکہ غیر مسلم تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نامہ مبارک میں اس کو خطاب کرتے ہوئے سلام علیک تم پر سلامتی ہو نہیں لکھا بلکہ یہ بلیغ اسلوب اختیار فرمایا کہ سلام علیٰ من اتبع الهدیٰ اس پر سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو ہے اس میں گویا اس طرف اشارہ ہے کہ غیر مسلم کے ساتھ تخاطب کی ابتداء کنایۃً سلام کے ساتھ کرنا جائز ہے۔

مکتوب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ شہنشاہ ایران کا نخوت آمیز معاملہ اور اس پر اسکا وبال

(۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بِكِتَابِهٖ اِلٰى كِسْرٰى مَعَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ حُذَافَةَ السَّهْمِيِّ فَاَمَرَهٗ اَنْ يَّدْفَعَهٗ اِلٰى عَظِيْمِ الْبَحْرَيْنِ فَدَفَعَهٗ عَظِيْمُ الْبَحْرَيْنِ اِلٰى كِسْرٰى فَلَمَّا قَرَاَهٗ مَزَّقَهٗ قَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ فَدَعَا عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّمَزَّقُوْا كُلَّ مُمَزَّقٍ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن حذافہ سہمی کے ہاتھ اپنا خط کسریٰ کی طرف بھیجا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو بحرین کے سردار کو دیدے۔ بحرین کا سردار کسریٰ کو پہنچادے گا۔ جب اس نے پڑھا اس کو پھاڑ ڈالا۔ ابن مسیب نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر بددعا فرمائی اور فرمایا کہ پارہ پارہ کیے جاویں خوب پارہ پارہ کیا جانا۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

تشریح: روم کی طرح فارس (ایران) بھی قدیم ترین شہنشاہیت کا گہوارہ تھا اور ایشیاء کی ایک عظیم الشان سلطنت تھی اس وقت اس کی حدود سلطنت ایک طرف سندھ تک پھیلی ہوئی تھیں اور دوسری جانب عراق اور عرب کے اکثر حصے یمن بحرین اور عمان بھی فارس ہی کے زیر اقتدار تھے اس کی اخلاقی حالت بھی گردو پیش کے ممالک کی طرح نہایت ابتر تھی یزدان اور اہرمن نیکی اور بدی کے دو خدا سمجھے جاتے تھے آتش پرستی ملک کا عام مذہب تھا اس سلطنت کے شہنشاہ کا لقب خسرو ہوا کرتا تھا جس کا عربی لفظ کسریٰ بنالیا گیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس خسرو یا کسریٰ کے پاس نامہ مبارک بھیجا تھا اس کا نام پرویز تھا جو ہرمز ابن نوشیرواں کا بیٹا تھا۔ تاریخی روایت میں آتا ہے کہ اس وقت ایران کا دستور یہ تھا کہ بادشاہوں کو جو خطوط لکھے جاتے تھے ان میں سب سے پہلے بادشاہ کا نام ہوتا تھا لیکن چونکہ نامہ مبارک کو خدا کے نام (بسم اللہ) سے شروع کیا تھا' پھر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تھا اس لیے جب وہ خسرو پرویز کے سامنے پڑھا گیا تو وہ سخت غضب ناک ہوا اور کہنے لگا کہ میرے غلام کو یہ جرات ہے کہ وہ میرے نام اس طرح خط لکھے۔ اور پھر طیش میں آ کر نامہ مبارک کو پرزے پرزے کردیا۔ قاصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس طرح اس کی حکومت کے بھی پرزے پرزے ہو جائیں گے چنانچہ نامہ مبارک کے ساتھ خسرو پرویز کے اس نخوت آمیز رویہ پر سرکار عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کا یہ نتیجہ نکلا کہ کچھ ہی عرصہ بعد طبری کی روایت کے مطابق 13 جمادی الاول 629ء کی شب میں پرویز کو اسی کے بیٹے شیرویہ نے قتل کردیا اور پھر چھ مہینے کے بعد ہی اس کا بیٹا شیرویہ بھی مر گیا اور اس طرح اس کی حکومت وسلطنت پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایسا وبال پڑا اور ایسی لعنت نازل ہوئی کہ تھوڑی ہی مدت کے بعد ہزاروں برس کی اس عظیم الشان سلطنت کے پرزے پرزے اڑ گئے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام سربراہان مملکت کو خطوط لکھ کر اسلام کی دعوت دی

(۳) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اِلٰى كِسْرٰى وَاِلٰى قَيْصَرَ وَاِلَى النَّجَاشِيِّ وَاِلٰى كُلِّ جَبَّارٍ يَدْعُوْهُمْ اِلَى اللّٰهِ وَلَيْسَ بِالنَّجَاشِيِّ الَّذِيْ صَلّٰى عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ قیصر نجاشی اور ہر

سرکش کی طرف خط لکھا ان کو اللہ کی طرف بلاتے تھے اور یہ نجاشی وہ نہیں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی تھی۔

تشریح: "نجاشي" یہ لفظ اصل میں نجوس تھا حبشہ کے بادشاہ کو وہ لوگ نجوس کہتے تھے عرب نے اس لفظ کو نجاشی بنا دیا آج کل حبشہ کا نام کافروں نے ایتھوپیا رکھا ہے تاکہ مسلمانوں کی تاریخ مٹ جائے۔ زیر بحث حدیث میں یہ تنبیہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کے جس نجاشی کو خط لکھا تھا یہ وہ نجاشی ہے جس نے اسلام قبول کیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔

جہاد کرنے والوں کے بارے میں چند ہدایات

(۴) وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَّرَ اَمِيْرًا عَلٰى جَيْشٍ اَوْ سَرِيَّةٍ اَوْصَاهُ فِيْ خَاصَّتِهٖ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَمَنْ مَعَهٗ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا ثُمَّ قَالَ اغْزُوْا بِاسْمِ اللّٰهِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَاتِلُوْا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ اغْزُوْا فَلَا تَغُلُّوْا وَلَا تَغْدِرُوْا وَلَا تَمْثُلُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا وَلِيْدًا وَاِذَا لَقِيْتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَادْعُهُمْ اِلٰى ثَلَاثِ خِصَالٍ اَوْخِلَالٍ فَاَيَّتُهُنَّ مَا اَجَابُوْكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ فَاِنْ اَجَابُوْكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ اِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ اِلٰى دَارِ الْمُهَاجِرِيْنَ وَاَخْبِرْهُمْ اَنَّهُمْ اِنْ فَعَلُوْا ذٰلِكَ فَلَهُمْ مَا لِلْمُهَاجِرِيْنَ وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُهَاجِرِيْنَ فَاِنْ اَبَوْا اَنْ يَّتَحَوَّلُوْا مِنْهَا فَاَخْبِرْهُمْ اَنَّهُمْ يَكُوْنُوْنَ كَاَعْرَابِ الْمُسْلِمِيْنَ يَجْرِيْ عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللّٰهِ الَّذِيْ يَجْرِيْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَكُوْنُ لَهُمْ فِي الْغَنِيْمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ اِلَّا اَنْ يُّجَاهِدُوْا مَعَ الْمُسْلِمِيْنَ فَاِنْ هُمْ اَبَوْا فَسَلْهُمُ الْجِزْيَةَ فَاِنْ هُمْ اَجَابُوْكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ فَاِنْ هُمْ اَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَقَاتِلْهُمْ وَاِذَا حَاصَرْتَ اَهْلَ حِصْنٍ فَاَرَادُوْكَ اَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَذِمَّةَ نَبِيِّهٖ وَلَا تَجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَلَا ذِمَّةَ نَبِيِّهٖ وَلٰكِنِ اجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّتَكَ وَذِمَّةَ اَصْحَابِكَ فَاِنَّكُمْ اِنْ تُخْفِرُوْا ذِمَمَكُمْ وَذِمَمَ اَصْحَابِكُمْ اَهْوَنُ مِنْ اَنْ تُخْفِرُوْا ذِمَّةَ اللّٰهِ وَذِمَّةَ رَسُوْلِهٖ وَاِنْ حَاصَرْتَ اَهْلَ حِصْنٍ فَاَرَادُوْكَ اَنْ تُنْزِلَهُمْ عَلٰى حُكْمِ اللّٰهِ فَلَا تُنْزِلْهُمْ عَلٰى حُكْمِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَنْزِلْهُمْ عَلٰى حُكْمِكَ فَاِنَّكَ لَا تَدْرِيْ اَتُصِيْبُ حُكْمَ اللّٰهِ فِيْهِمْ اَمْ لَا۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت سلیمان بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت کسی بڑے یا چھوٹے لشکر پر کسی کو امیر مقرر کرتے خاص اس کے اپنے حق میں اس کو تقویٰ کی وصیت فرماتے اور اس کے مسلمانوں کے حق میں نصیحت فرماتے پھر فرماتے اللہ کے نام کے ساتھ۔ اللہ کی راہ میں جنگ کرو اللہ کے ساتھ جو کفر کرتا ہے اس سے لڑو خیانت نہ کرو عہد شکنی نہ کرو مثلہ نہ کرو چھوٹے بچے کو قتل نہ کرو جس وقت تو اپنے مشرک دشمنوں سے ملے ان کو تین باتوں کی دعوت دو ان تینوں میں سے جس بات کو وہ تسلیم کر لیں ان سے قبول کر لے اور اس کے ساتھ لڑائی کرنے سے رک جا۔ پھر ان کو اسلام کی طرف بلاؤ اگر قبول کر لیں ان سے قبول کر لو اور ان کے ساتھ لڑائی کرنے سے رک جاؤ پھر ان کو دار حرب سے مہاجرین کے ملک کی طرف منتقل ہو جانے کی دعوت دو اور ان کو خبر دو اگر وہ ایسا کریں گے ان کو مہاجرین کے حقوق حاصل ہو جائیں گے اور اگر وہ منتقل ہونے سے انکار کر دیں ان کو بتاؤ کہ وہ گنوار مسلمانوں کی طرح ہوں گے ان پر اللہ تعالیٰ کا وہ حکم جاری کیا جائے گا جو مسلمانوں پر جاری ہے لیکن غنیمت اور فی سے ان کو کچھ حصہ نہ ملے گا مگر یہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو کر جہاد کریں اگر وہ اس بات کا انکار کر دیں ان سے جزیہ کا مطالبہ کرو اگر اس کو مان لیں ان سے قبول کر لو اور ان سے باز رہو۔ اگر وہ انکار کر دیں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ اور اس سے لڑائی کر اور جس وقت کسی قلعہ والوں کا محاصرہ کرو وہ چاہیں کہ ان کو اللہ کا ذمہ اور اس کے نبی کا ذمہ ان کو اللہ کا ذمہ دو اور اس کے رسول کا ذمہ نہ دو لیکن ان کو اپنا اور اپنے ساتھیوں کا ذمہ دو۔ کیونکہ اگر تم اپنا اور اپنے ساتھیوں کا ذمہ توڑو گے سہل تر ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ توڑو۔ اگر تم کسی قلعہ والوں کا محاصرہ کرو اور وہ چاہیں کہ اللہ کے حکم پر ان کو اتارو ان کو اللہ کے حکم پر نہ اتارو۔ کیونکہ تم نہیں جانتے کہ ان کے بارے میں اللہ کا حکم پہنچ گا یا نہیں۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: "ثم ادعهم الی الاسلام" دعوت اسلام کی تین خصلتوں میں سے یہ پہلی خصلت ہے کہ ایمان کی دعوت دو یہاں بعض نسخوں میں "ثم" کا لفظ نہیں ہے اور یہی زیادہ مناسب ہے جس طرح ابوداؤد کی روایت میں ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دعوت کے بعد اگر لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تو پھر ان لوگوں سے کہدو کہ ان شہروں میں آجاؤ جہاں مسلمان آباد ہیں اگر وہ لوگ ہجرت کر کے دیہاتوں سے شہروں میں آگئے تو مہاجرین کے سارے حقوق ان کو ملیں گے اور اگر وہ لوگ شہروں میں نہیں آئے تو پھر ان کا معاملہ دیہاتیوں کی طرح ہوگا کہ اگر جہاد میں شریک ہو گئے تو مال غنیمت میں حصہ ملے گا ورنہ نہیں ملے گا البتہ اسلام کے قوانین ان پر نافذ ہوں گے۔

"فسلهم الجزية" یعنی اگر کفار نے اسلام کو قبول نہیں کیا تو دعوت اسلام کی دوسری خصلت یہ ہے کہ ان کے سامنے جزیہ دینے کی بات رکھو۔ "فاستعن بالله" یعنی اگر جزیہ دینے سے بھی ان لوگوں نے انکار کیا تو پھر دعوت اسلام کی تیسری خصلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ان لوگوں سے جنگ لڑو۔

جہاد کی مقدس جنگ کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ جب تم کسی قلعہ کا محاصرہ کرلو اور قلعہ والے تم سے اللہ تعالیٰ کے نام کی ذمہ داری پر عہد و امان لینا چاہیں تو تم اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری پر معاہدہ نہ کرو بلکہ اپنی صوابدید پر معاہدہ کرو کیونکہ اگر معاہدہ کسی مجبوری سے توڑنا پڑے تو یہ بہتر ہوگا کہ تمہارے حوالہ سے جو عہد و امان دیا گیا تھا وہ ٹوٹ جائے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی نہ ہو جائے۔ اسی طرح جنگ کے آداب میں سے دوسرا ادب یہ ہے کہ اگر کسی قلعہ کے محاصرین قلعہ سے اس شرط پر اترنا چاہیں کہ ان کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہو وہ ان پر نافذ ہوگا ایسا معاہدہ بھی نہ کرو بلکہ ان سے کہو کہ ہمارے حکم کے مطابق اتر جاؤ جو فیصلہ ہم کریں گے وہ نافذ ہوگا یہ اس لئے کہ تم کو کیا معلوم کہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم کیا ہے اور کہاں پر ہے وہ لوگ کچھ اور کہیں گے تم کچھ اور کہو گے اس طرح تم ایک الجھن میں پھنس جاؤ گے اس لئے ان سے صاف کہدو کہ ہمارا کمانڈر جو فیصلہ کریگا اسی کا اعتبار ہوگا ظاہر ہے کہ مسلمان کمانڈر شریعت کے خلاف فیصلہ نہیں کریگا جو فیصلہ ہوگا وہ انصاف اور حکمت پر مبنی ہوگا۔

سورج ڈھلنے کے بعد جنگ شروع کرنے کی حکمت

(۵) وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ بَعْضِ اَیَّامِهِ الَّتِیْ لَقِیَ فِیْهَا الْعَدُوَّ انْتَظَرَ حَتّٰی مَالَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ قَامَ فِی النَّاسِ فَقَالَ یَااَیُّهَا النَّاسُ لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَاسْأَلُوا اللهَ الْعَافِیَةَ فَاِذَا لَقِیْتُمُوْهُمْ فَاصْبِرُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْکِتَابِ وَمُجْرِیَ السَّحَابِ وَهَازِمَ الْاَحْزَابِ اهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَیْهِمْ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض ان دنوں میں جب دشمن سے ملے آپ نے انتظار کیا یہاں تک کہ سورج ڈھل گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے فرمایا اے لوگو دشمنوں کے ساتھ ملنے کی آرزو نہ کرو اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرو۔ جب تم دشمنوں سے ملو صبر کرو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ پھر فرمایا اے اللہ کتاب اتارنے والے بادل چلانے والے کافروں کی جماعت کو شکست دینے والے ان کو شکست دے اور ان پر ہماری مدد فرما۔ (متفق علیہ)

تشریح: سورج ڈھلنے تک جنگ کی ابتداء نہ کرنے میں یہ حکمت تھی کہ پھٹی ہوئی دوپہر کے بعد جب سورج ڈھل جاتا ہے تو تمازت وتپش میں کمی آجاتی ہے ہوا چلنے لگتی ہے جو فرحت پہنچاتی ہے اور اس طرح وہ وقت طبیعت کے انبساط ونشاط کا ہوتا ہے دوسرے یہ کہ وہ نماز و دعا کا بھی وقت ہوتا ہے۔ نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس وقت آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور انسانوں کے اعمال اور محل قبولیت میں اٹھائے جاتے ہیں لہٰذا ایسے وقت میں جب کہ انوار و برکات اور فتح ونصرت کے نزول کی امید ہوتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ جہاد جو افضل ترین عمل ہے اسی بابرکت وقت میں واقع ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح ہونے سے پہلے دشمن آبادی پر حملے نہیں کرتے تھے

(۶) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا غَزَابِنَا قَوْمًا لَمْ یَکُنْ یَغْزُوْبِنَا حَتّٰی یُصْبِحَ وَیَنْظُرَ اِلَیْهِمْ فَاِنْ سَمِعَ اَذَانًا

كَفَّ عَنْهُمْ وَإِنْ لَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا أَغَارَ عَلَيْهِمْ قَالَ فَخَرَجْنَا إِلَى خَيْبَرَ فَانْتَهَيْنَا إِلَيْهِمْ لَيْلًا فَلَمَّا أَصْبَحَ وَلَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا رَكِبَ وَرَكِبْتُ خَلْفَ أَبِي طَلْحَةَ وَإِنَّ قَدَمِي لَتَمَسُّ قَدَمَ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَخَرَجُوا إِلَيْنَا بِمَكَاتِلِهِمْ وَمَسَاحِيهِمْ فَلَمَّا رَأَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا مُحَمَّدٌ وَاللّٰهِ مُحَمَّدٌ وَالْخَمِيسُ فَلَجَئُوا إِلَى الْحِصْنِ فَلَمَّا رَآهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جب کسی قوم سے جنگ کرتے۔ہم کو ساتھ لے کر جنگ نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کرتے اور ان کی طرف دیکھتے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اذان سنتے ان سے باز رہتے اگر اذان نہ سنتے ان پر حملہ کرتے۔اس نے کہا ہم خیبر کی طرف نکلے ہم رات کو وہاں پہنچ گئے۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی اور اذان نہ سنی سوار ہوئے میں ابوطلحہ کے پیچھے سوار تھا میرے قدم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم سے ٹکراتے تھے۔انس نے کہا صبح وہ اپنے تھیلوں اور بیلچوں کو لیکر نکلے جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہنے لگے محمد آئے اللہ کی قسم محمد اپنا لشکر لے آئے۔انہوں نے قلعہ کی طرف پناہ پکڑی جب ان کو دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اکبر اللہ اکبر خیبر خراب ہوا جب ہم کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو اس قوم کی صبح بری ہوتی ہے جو ڈرائے گئے ہیں۔

تشریح: "مکاتل" مکتل کی جمع ہے بڑے تھیلے کو مکتل کہتے ہیں" مساحی" کا مفرد مسحات ہے پھاوڑے کو کہتے ہیں "الخمیس" پانچ پرے کے لشکر کو خمیس کہتے ہیں۔کسی کافر علاقے پر حملہ کرنے سے پہلے اگر اذان ہو جائے تو پھر احتیاط سے جنگ کی کارروائی کرنی پڑتی ہے تاکہ مسلمانوں کا نقصان نہ ہو لیکن اگر اذان نہ ہو تو پھر بھرپور انداز سے حملہ ہوتا ہے اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احتیاط فرمائی۔

ظہر کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جنگ کی ابتداء

(۷) وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ قَالَ شَهِدْتُ الْقِتَالَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ إِذَا لَمْ يُقَاتِلِ الْقِتَالَ أَوَّلَ النَّهَارِ انْتَظَرَ حَتّٰى تَهُبَّ الْأَرْوَاحُ وَتَحْضُرَ الصَّلَاةُ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک لڑائی میں حاضر ہوا جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اول دن لڑائی نہ کرتے انتظار کرتے یہاں تک کہ ہوا چلتی اور نماز کا وقت آجاتا۔(روایت کیا اس کو بخاری نے)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ظہر کی نماز کے وقت جنگ کی ابتداء اس صورت میں ہوتی جب کہ کسی وجہ سے صبح کے وقت جنگ شروع نہ ہو پاتی' بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کی ابتداء حالات و مصلحت کے مطابق کی جاتی تھی' اگر حالات کا تقاضہ صبح کے وقت جنگ چھیڑنے کا ہوتا تو صبح کے وقت لڑائی شروع کی جاتی اور اگر اسی وجہ سے صبح کے وقت جنگ چھیڑنا مناسب نہیں ہوتا تو پھر دوپہر ڈھلے جنگ کی ابتداء کی جاتی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِي ... دوپہر ڈھلے جنگ کی ابتداء

(۸) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ إِذَا لَمْ يُقَاتِلْ أَوَّلَ النَّهَارِ انْتَظَرَ حَتّٰى تَزُولَ الشَّمْسُ وَتَهُبَّ الرِّيَاحُ وَيَنْزِلَ النَّصْرُ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر تھا جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اول دن میں لڑائی نہ کرتے انتظار کرتے یہاں تک کہ سورج ڈھلتا اور ہوائیں چلتیں اور نصرت نازل ہوتی۔(روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگ کے اوقات

(۹) وَعَنْ قَتَادَةَ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ اَمْسَكَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَإِذَا طَلَعَتْ قَاتَلَ فَإِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ اَمْسَكَ حَتّٰى تَزُوْلَ الشَّمْسُ فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ قَاتَلَ حَتَّى الْعَصْرِ ثُمَّ اَمْسَكَ حَتّٰى يُصَلِّيَ الْعَصْرَ ثُمَّ يُقَاتِلُ قَالَ قَتَادَةُ كَانَ يُقَالُ عِنْدَ ذٰلِكَ تَهِيْجُ رِيَاحُ النَّصْرِ وَيَدْعُو الْمُؤْمِنُوْنَ لِجُيُوْشِهِمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کی جب فجر طلوع ہوتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ سے رُک جاتے یہاں تک کہ سورج نکل آتا۔ جب سورج طلوع ہوتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم لڑتے جب دوپہر ہوتی رُک جاتے یہاں تک کہ سورج ڈھلتا۔ جب سورج ڈھلتا عصر تک لڑائی کرتے پھر رک جاتے تا کہ عصر کی نماز پڑھ لیں۔ پھر لڑتے۔ قتادہ نے کہا کہا جاتا تھا کہ اس وقت نصرت کی ہوائیں چلتی ہیں اور مسلمان اپنی نمازوں میں اپنے لشکروں کے لیے دعا کرتے ہیں۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے)

مجاہدین اسلام کو ایک خاص ہدایت

(۱۰) وَعَنْ عِصَامٍ الْمُزَنِيِّ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَقَالَ إِذَا رَأَيْتُمْ مَسْجِدًا أَوْسَمِعْتُمْ مُؤَذِّنًا فَلَا تَقْتُلُوْا أَحَدًا. (رواه الترمذی و ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عصام مزنی سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک چھوٹے لشکر میں بھیجا۔ فرمایا اگر تم مسجد دیکھو یا کسی موذن کو اذان کہتے ہوئے سنو کسی کو قتل نہ کرو۔ (روایت کیا اس کو ترمذی اور ابوداؤد نے)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر تم کسی جگہ شعار اسلام میں کوئی قولی یا فعلی علامت پاؤ تو اس وقت تک کسی کو قتل نہ کرو جب تک کہ یہ ظاہر نہ ہو جائے کہ کون مومن ہے اور کون کافر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ... زعماء ایران کے نام حضرت خالد بن ولیدؓ کا مکتوب

(۱۱) عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ قَالَ كَتَبَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ إِلٰى اَهْلِ فَارِسَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ إِلٰى رُسْتَمَ وَمِهْرَانَ فِيْ مَلَاءِ فَارِسٍ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى اَمَّا بَعْدُ فَإِنَّا نَدْعُوْكُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَإِنْ اَبَيْتُمْ فَاَعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَاَنْتُمْ صَاغِرُوْنَ فَإِنْ اَبَيْتُمْ فَإِنَّ مَعِيْ قَوْمًا يُحِبُّوْنَ الْقَتْلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَا يُحِبُّ فَارِسُ الْخَمْرَ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى. (رواه فی شرح السنة)

ترجمہ: حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا خالد بن ولید نے اہل فارس کی طرف لکھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خالد بن ولید کی طرف سے رستم اور مہران کو فارس کے سرداروں کی جماعت سمیت یہ خط بھیجا جا رہا ہے۔ اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ امابعد۔ ہم تم کو اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اگر تم اس بات کا انکار کرو جزیہ دو اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر اگر اس بات کا بھی تمہیں انکار ہو پس میرے ساتھ ایسی قوم ہے جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جانا اس طرح محبوب سمجھتے ہیں جیسا کہ فارس والے شراب کو سمجھتے ہیں اور اس شخص پر سلام ہے جو ہدایت کی پیروی کرے۔ (روایت کیا اس کو شرح السنہ میں)

تشریح: "القتل" یعنی یہ خیال دماغ سے نکال دو کہ ہم موت سے ڈرنے والے ہیں ہمیں میدان کارزار میں لڑنے اور جام شہادت نوش

کرتے میں وہی مستی اور مزہ حاصل ہوتا ہے جس طرح تم کو شراب پینے میں لذت حاصل ہوتی ہے ایسی قوم کا مقابلہ تم نہیں کر سکتے ہو لہذا ہمارا راستہ خواہ مخواہ نہ روکو۔ سبحان اللہ یہ بھی ایک دور تھا جس پر اسلام آج تک ناز کرتا ہے، شاعر نے کہا ہے

مصلحت در دین ما جنگ و شکوہ مصلحت در دین عیسیٰ غار و کوہ

یعنی ہمارے دین کی مصلحت تو جہاد اور رعب وداب میں ہے اور عیسائی مذہب کی مصلحت پادری بن کر غاروں میں رہنا ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا یہ خط فارس والوں کے نام آپ نے اس وقت لکھا تھا جب آپ جہاد کے ابتدائی دور میں عراق میں تھے پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو عراق سے شام کی طرف بلا لیا اور امیر الجیش بنایا شام کو فتح کرتے ہوئے آپ براستہ مصر صعید مصر پہنچے ہیں اور وہاں عظیم جہاد کیا ہے۔

بَابُ الْقِتَالِ فِي الْجِهَادِ..... جہاد میں لڑنے کا بیان

جہاد میں لڑائی کی ترتیب کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ﴾

فقہ کی تمام کتابوں میں اس باب کے ساتھ کیفیۃ القتال کا لفظ لگا دیا گیا ہے احادیث میں بھی کیفیت قتال بیان کرنا مقصود ہے کیونکہ اس باب میں جتنی احادیث مذکور ہیں تقریباً سب میں قتال کی کوئی نہ کوئی کیفیت کا ذکر ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں "ای فی حث القتال و ترغیبه و ثوابه" یعنی اس باب میں کفار سے لڑنے کی ترغیب کا بیان ہے اس کے ثواب کا بیان ہے اور کفار سے لڑنے اور ابھرنے اور برانگیختہ کرنے کا بیان ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو طبعی طور پر جہاد کو مکروہ سمجھتے ہیں وہ یہاں خوش ہو جاتے ہیں کہ دیکھو جہاد اور چیز ہے اور لڑنا اور چیز ہے ہم اگر چہ لڑتے نہیں ہیں مگر جہاد میں برابر لگے ہوئے ہیں اور جہاد میں لڑنا ایک جزوی معاملہ ہے جو بدرجہ مجبوری ہے میں کہتا ہوں کہ اس سے پہلے جہاد کے باب میں لڑنے کی احادیث کیوں آئی ہیں اگر جہاد اور چیز ہے تو جہاد کے باب میں لڑنے کی احادیث کا ذکر تک نہیں ہونا چاہیے تھا حالانکہ پورا باب لڑائی کی احادیث اور فضائل سے بھرا پڑا ہے جب یہ طے شدہ امر ہے کہ جہاد میں لڑنا پڑتا ہے اور لڑنا جہاد کا حصہ ہے تو اس کی کیفیت اور ترتیب وطریقہ بیان کرنا ضروری تھا اس لئے جہاد کے عمومی باب سے اس کی کیفیت کو الگ کر کے مستقل باب میں رکھ دیا۔

مشروعیت جہاد کا حکم:۔ اسلام میں مشروعیت جہاد کی بڑی حکمتیں ہیں (۱) جہاد سے دین کے راستے کھلتے ہیں (۲) فساد ختم ہو کر امن آتا ہے (۳) اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو جاتا ہے کفر وظلم کی کمر ٹوٹ جاتی ہے (۴) ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ جب سارے انسان اللہ تعالیٰ کے بندے اور غلام ہیں تو ان کو اللہ تعالیٰ کی غلامی میں رہنا چاہیے مگر بعض بندے اللہ تعالیٰ کے احکامات سے سول نافرمانی کرتے ہیں اور بغاوت پر اتر آتے ہیں اور دوسرے پر امن انسانوں کیلئے باعث مصیبت بن جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے وفادار بندوں کو حکم ہو جاتا ہے کہ اب ان کو قتل کرو یہ اب جانور بن چکے ہیں اس لئے ان جانوروں کو میدان جہاد میں مارنا بھی جائز ہے اور پکڑ کر ذبح کرنا بھی جائز ہے اور ان کی خرید وفروخت بھی جائز ہے اور ان کو غلام ولونڈی بنانا بھی جائز ہے مثال کے طور پر ایک حکومت ہے ان کی فوج ہے اس فوج میں بغاوت ہو گئی اور فوج دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ایک وفادار فوج ہے ایک باغی فوج ہے بین الاقوامی قانون کے مطابق دنیا کی تمام حکومتیں یہ بات ضروری سمجھتی ہیں کہ وفادار فوج اس باغی فوج سے لڑائی لڑے اور اس کو ختم کرے بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے وفادار بندوں کو حکم دیتا ہے کہ مجھ سے بغاوت کرنے والی فوج سے خوب لڑو اور ان کو مار دو۔ (۵) جہاد کی حکمت آپ اس طرح بھی سمجھ سکتے ہیں کہ جسم میں جب کینسر ہو جاتا ہے تو اس حصہ کے آپریشن کو ہر عقلمند انسان اور ڈاکٹر ضروری سمجھتے ہیں تاکہ اس کینسر کے لپیٹ میں باقی جسم نہ آئے اسی طرح کافروں کا وجود انسان کے صالح جسم کے اندر بمنزلہ کینسر ہے اس کو کاٹنا اس لئے ضروری ہے تاکہ پوری انسانیت کا جسم اس مہلک مرض سے محفوظ رہ جائے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۱۴ کی تفسیر میں جہاد کی چھ حکمتوں کو اس طرح بیان کیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ.... شہید کی منزل جنت ہے

(۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ اُحُدٍ اَرَاَيْتَ اِنْ قُتِلْتُ فَاَيْنَ اَنَا قَالَ فِي الْجَنَّةِ فَاَلْقٰى تَمَرَاتٍ فِيْ يَدِهٖ ثُمَّ قَاتَلَ حَتّٰى قُتِلَ. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا احد کے دن ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ فرمائیں اگر میں مارا جاؤں میں کہاں جاؤں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں اس نے کھجوریں پھینک دیں جو اس کے ہاتھ میں تھیں پھر لڑا یہاں تک کہ شہید کر دیا گیا۔ (متفق علیہ)

اعلان جہاد کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی حکمت عملی

(۲) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيْدُ غَزْوَةً اِلَّا وَرّٰى بِغَيْرِهَا حَتّٰى كَانَتْ تِلْكَ الْغَزْوَةُ يَعْنِيْ غَزْوَةَ تَبُوْكَ غَزَاهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَرٍّ شَدِيْدٍ وَاسْتَقْبَلَ سَفَرًا بَعِيْدًا وَمَفَازًا وَعَدُوًّا كَثِيْرًا فَجَلّٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ اَمْرَهُمْ لِيَتَاَهَّبُوْا اُهْبَةَ غَزْوِهِمْ فَاَخْبَرَهُمْ بِوَجْهِهِ الَّذِيْ يُرِيْدُ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد کے لیے تشریف لے جاتے اس کے غیر کے لیے توریہ کرتے یہاں تک کہ تبوک کا معرکہ پیش آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت گرمی میں یہ جہاد کیا اور دور دراز سفر کے لیے آپ متوجہ ہوئے۔ بے آب و گیاہ جنگل اور دشمن بہت زیادہ تعداد رکھتا تھا آپ نے مسلمانوں کو واضح فرما دیا تاکہ اپنے جہاد کے لیے تیاری کریں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو اس جہت کی خبر دے دی جہاں جانا چاہتے تھے۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

تشریح: "توریہ" کے معنی ہیں "خبر کو چھپانا بایں طور کہ اصل بات کو چھپایا جائے اور دوسری بات کو ظاہر کیا جائے" چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارادہ جہاد کے موقع پر یہ جنگی حکمت عملی اختیار فرماتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس مقام پر جہاد کے لیے جانا ہوتا اس کا اعلان نہ کرتے بلکہ اسی دوسرے مقام کے بارے میں مشہور کرا دیتے کہ وہاں جہاد کے لیے جانا ہے اور یہ حکمت عملی آپ اس لیے اختیار فرماتے تھے تاکہ دشمن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ کا پتہ نہ چلے اور وہ غافل رہے! اس طرح کی حکمت عملیاں دراصل جنگ جیتنے کے لیے انتہائی ضروری ہوتی ہیں اور دنیا کا ہر قانون ان کو روا رکھتا ہے' اسی لیے اسلام نے بھی "الحرب خدعة" (لڑائی مکروفریب کا نام ہے) کہہ کر جنگ میں اس طرح کے "فریب دینے کو جائز رکھا ہے' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ توریہ بھی اگرچہ "خدعہ" کی قسم سے تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو صریح قول کے ذریعہ اختیار نہیں فرماتے تھے بلکہ بطریق تعریض و کنایہ اختیار فرماتے تھے جیسے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مقام پر جہاد کے لیے جانے کا ارادہ فرماتے کہ لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی ارادے کا علم نہیں ہوتا تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم صریح الفاظ میں کسی دوسرے مقام کا نام لے کر یہ بالکل نہیں کہتے تھے کہ میں فلاں جگہ کے جانے کا ارادہ رکھتا ہوں' تاکہ جھوٹ بولنا لازم نہ آئے۔

"یہاں تک کہ یہ غزوہ الخ" حضرت کعبؓ ابن مالک نے اس کے ذریعہ اس غزوہ یعنی غزوہ تبوک کی طرف اشارہ کیا جو ان کی ذات کے تعلق سے مشہور و معروف تھا۔ حضرت کعب ابن مالک بذات خود اس غزوہ میں شریک نہیں ہوئے تھے چنانچہ ان کا واقعہ بہت مشہور ہے جو قرآن کریم میں بھی مذکور ہے۔

"دور دراز کا سفر فرمایا" جہاد کرنے کے لیے تبوک جانے کو دور دراز کا سفر اس لیے فرمایا گیا ہے کہ تبوک جو دمشق (شام) اور مدینہ کے درمیانی پر خیبر اور البلاد کے خطہ پر واقع ایک جگہ کا نام ہے مدینہ سے اس زمانہ کی مسافت کے اعتبار سے چودہ منزل اور آج کل کے حساب کے مطابق تقریباً 425 میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں جن غزوات میں بہ نفس نفیس شرکت فرمائی ان میں یہ غزوہ تبوک واقع 9ھ آخری غزوہ تھا۔ اس غزوہ کے موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم کو بڑی سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور انہوں نے بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کیں۔

(۳) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَرْبُ خُدْعَةٌ. (متفق عليه)

ترجمہ: حضرت جابر سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لڑائی فریب ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جنگ میں لشکر کی زیادہ تعداد اور بہت لڑنا اتنا کارآمد و مفید نہیں ہوتا جتنا مکر و فریب مفید ہوتا ہے جس کو آج کے مہذب الفاظ میں "حکمت عملی" بھی کہتے ہیں۔ اسی مکر و فریب یا حکمت عملی کا کرشمہ ہوتا ہے کہ پوری جنگ ایک ہی داؤ سے ختم ہو جاتی ہے جو داؤ کھاتا ہے مارا جاتا ہے اور داؤ مارنے والا جنگ پر غالب آجاتا ہے۔ چنانچہ بہترین کمانڈر وہی کہلاتا ہے جو میدان جنگ میں اپنی تدبیر اور حکمت عملی سے دشمن کی بڑی سے بڑی فوج کو پسپا ہونے پر مجبور کر دے۔ اگرچہ علماء اسلام نے متفقہ طور پر کفار کے ساتھ کی جانے والی جنگ میں مکر و فریب کو جائز قرار دیا ہے لیکن اس بارے میں کچھ حدود بھی مقرر کی ہیں تا کہ اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر کوئی حرف نہ آئے چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ مکر و فریب کا راستہ اختیار کرنے کی صورت میں پہلی بات تو یہ ملحوظ ہونی چاہئے کہ کھلا ہوا جھوٹ نہ بولا جائے اور یہ کہ کسی بھی ایسی صورت میں مکر و فریب نہ کیا جائے جس میں مسلمانوں کی طرف سے دیا ہوا عہد ماں توڑا جائے۔ پھر علماء نے "فریب دینے" کی کچھ صورتیں بھی متعین کر دی ہیں مثلاً اس طرح فریب دیا جائے کہ اسلامی لشکر میدان جنگ سے ہٹ جائے یا جنگ بند کر دے تا کہ دشمن غافل ہو جائے اور یہ سمجھ لے کر اسلامی لشکر جنگ سے بھاگ گیا ہے اور پھر دشمن کی اس غفلت سے فائدہ اٹھا کر اس پر یکبارگی حملہ کر دیا جائے اس طرح کی ایسی کوئی بھی حکمت عملی اختیار کی جائے جس میں مذکورہ بالا دونوں امور کا لحاظ ہو۔

جہاد میں عورتوں کو لے جانے کا مسئلہ

(۴) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُوْبِاُمِّ سُلَيْمٍ وَنِسْوَةٍ مِنَ الْاَنْصَارِ مَعَهُ اِذَا غَزَا يَسْقِيْنَ الْمَاءَ وَيُدَاوِيْنَ الْجَرْحٰى. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام سلیم اور انصار کی چند عورتوں کو جہاد میں اپنے ساتھ لے جاتے وہ پانی پلاتیں اور زخمیوں کی دوا کرتیں۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجاہدین کو پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی اور دیکھ بھال کرنے کی غرض سے زیادہ عمر والی عورتوں کو اپنے ساتھ لے جانا جائز ہے اور اگر مباشرت و صحبت کی غرض سے لے جانا ہو تو پھر آزاد عورتوں (یعنی اپنی بیویوں) کی بہ نسبت لونڈیوں کو لے جانا بہتر ہے۔ (یہ حکم اس وقت تھا جب کہ ایسی لونڈیاں رکھنے کا رواج تھا جس کے ساتھ صحبت و مباشرت جائز تھی)۔

(۵) وَعَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ اَخْلُفُهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ فَاَصْنَعُ لَهُمُ الطَّعَامَ وَاُدَاوِي الْجَرْحٰى وَاَقُوْمُ عَلَى الْمَرْضٰى. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات لڑائیوں میں حصہ لیا ہے میں انکے ڈیروں میں پیچھے رہتی ان کے لیے کھانا تیار کرتی زخمیوں کا علاج کرتی اور بیماروں کی تیمارداری کرتی۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

جہاد میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کا مسئلہ

(۶) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِ النِّسَآءِ وَالصِّبْيَانِ. (متفق عليه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: ہدایہ میں لکھا ہے کہ عورت، لڑکے، جا ماندہ، اندھے اور شیخ فانی (بڈھے کھوسٹ) کو قتل نہ کیا جائے ہاں اگر کوئی لڑکا یا دیوانہ جنگ میں شریک ہوں اور قتال کر رہے ہوں تو ان کو قتل کیا جا سکتا ہے اسی طرح ملکہ عورت کو بھی قتل کیا جا سکتا ہے نیز اس لڑکے کو بھی قتل کرنا جائز ہے جو

بادشاہ وسردار ہو کیونکہ دشمن کے بادشاہ وسردار کے قتل ہو جانے سے ان کی شان وشوکت ٹوٹ جاتی ہے۔

(۷) وَعَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَهْلِ الدِّيَارِ يُبَيَّتُوْنَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَيُصَابُ مِنْ نِّسَائِهِمْ وَذَرَارِيْهِمْ قَالَ هُمْ مِنْهُمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ هُمْ مِنْ اٰبَائِهِمْ. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک گھر والوں کے متعلق سوال کیا گیا جن پر شبخون ڈالا جاتا ہے ان کی عورتوں اور ان کے بچے مارے جائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ انہیں میں سے ہیں ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا وہ اپنے باپوں سے ہیں۔ (متفق علیہ)

دشمن کے درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا مسئلہ

(۸) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطَعَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيْرِ وَحَرَّقَ وَلَهَا يَقُوْلُ حَسَّانُ. وَهَانَ عَلٰى سَرَاةِ بَنِيْ لُؤَيٍّ حَرِيْقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيْرٌ وَفِيْ ذٰلِكَ نَزَلَتْ. ما قطعتم من لينة او تركتموها قائمة على اصولها فباذن الله. متفق عليه

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کے کھجوروں کے درخت کاٹنے کا اور آگ لگا دینے کا حکم فرمایا اس کے متعلق حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بنو لوئی کے سرداروں پر بویرہ کا جلانا آسان ہو گیا ہے جو کہ پھیلا ہوا ہے۔ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تم نے جو کھجور کا درخت کاٹا ہے یا اس کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا ہے اللہ کے حکم سے ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: "وهان" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تو مدینہ میں آپ کا واسطہ یہود سے پڑا ان کے تین بڑے قبائل تھے بنو قینقاع بنو نضیر اور بنو قریظہ اول الذکر نے کوئی معاہدہ نہیں کیا تو مسلمانوں نے ابتداء ہی سے ان کو مدینہ سے نکال دیا ثانی الذکر بنو نضیر نے معاہدہ کیا مگر پھر غداری کی یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کی اس پر مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کیا وہ قلعہ بند ہو گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے باغات کو آگ لگانے کا حکم دیا اس پر یہود نے کہا کہ یہ تو محض فساد ہے اس پر قرآن کی آیتیں اتریں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا ہے اب مسئلہ یہ نکلا کہ اگر باغات اور کھیتوں کے جلانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو جلانا جائز ہے لیکن بغیر مجبوری نہیں جلانا چاہیے "بویرہ" بنو نضیر کے علاقے کا نام ہے جہاں ان کے باغات تھے ان باغات کو جب آگ لگائی گئی تو اس پر حضرت حسان نے بطور طنز چند اشعار کہے جن میں سے ایک شعر اس حدیث میں ہے یعنی قریش پر نہایت آسان گزری وہ آگ جو ہم نے بویرہ مقام میں لگائی تھی جو بھڑک کر بلند ہو رہی تھی "بنی لوئی" سے مراد صحابہ بھی لئے جا سکتے ہیں کہ ان کے سامنے آگ لگانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی یعنی کوئی شخص مزاحمت نہ کر سکا اور بنو لوئی سے مراد قریش مکہ بھی ہو سکتے ہیں اور یہ زیادہ واضح ہے مطلب یہ کہ بویرہ مقام میں بھڑکتی آگ کفار کیلئے آسان ہو گئی وہ مزاحمت نہ کر سکے اور آسانی سے اس ذلت کو قبول کر لیا ابو سفیان بن حارث جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ دار تھا اس نے اس شعر کا جواب یوں دیا۔

ادام الله ذلک من صنيع	وحرق في نواحيها السعير
ستعلم اينا منها بنزه	وتعلم اى ارضينا نضير

یعنی اللہ تعالیٰ اس آگ کے شعلوں کو مدینہ کی اطراف تک پھیلا کر دوام دے۔ عنقریب تم جان لو گے کہ اس آگ سے ہم کتنے دور ہو نگے اور تم یہ بھی جان لو گے کہ ہم میں سے کس کی زمین کا نقصان ہے۔

دشمن کی غفلت کا فائدہ اٹھا کر اس کا قتل اور غارتگری جائز ہے

(۹) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَوْنٍ اَنَّ نَافِعًا كَتَبَ اِلَيْهِ يُخْبِرُهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَغَارَ عَلٰى بَنِي الْمُصْطَلِقِ

غَارِّیْنَ فِی نَعَمِهِمْ بِالْمُرَیْسِیْعِ فَقَتَلَ الْمُقَاتِلَةَ وَ سَبَی الذُّرِّیَّةَ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عون سے روایت ہے نافع نے اس کی طرف لکھا اس کو خبر دیتا تھا کہ ابن عمر نے اس کو خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مصطلق پر حملہ کیا وہ غافل تھے اور مریسیع میں اپنے مویشیوں میں تھے آپ نے لڑنے والوں کو قتل کر دیا اور عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا۔ (متفق علیہ)

تشریح: "بنی مصطلق" قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ تھی۔ اور "مریسیع" ایک جگہ کا نام تھا جو مکہ و مدینہ کے درمیان مدینہ منورہ سے تقریباً ستر 70 اسی 80 میل کے فاصلہ پر واقع تھا یہاں کافی مقدار میں پانی موجود تھا جس پر بنی مصطلق کا تسلط تھا۔

"لڑنے والوں" سے وہ لوگ مراد ہیں جو لڑنے کی صلاحیت و اہلیت رکھتے تھے یعنی عاقل و بالغ مرد اور "ذریت" سے ان کی عورتیں اور بچے مراد ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام دشمن اگر کہیں غافل پڑے ہوں تو ان کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر ان پر اچانک ٹوٹ پڑنا اور ان کی حالت غفلت میں ان کو قتل کر دینا نیز ان کے مال و اسباب پر قبضہ کر لینا جائز ہے۔

میدان جنگ سے متعلق ایک فوجی حکم

(۱۰) وَعَنْ اَبِیْ اُسَیْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَنَا یَوْمَ بَدْرٍ حِیْنَ صَفَفْنَا لِقُرَیْشٍ وَ صَفُّوْا لَنَا اِذَا اَکْثَبُوْکُمْ فَعَلَیْکُمْ بِالنَّبْلِ وَ فِیْ رِوَایَةٍ اِذَا اَکْثَبُوْکُمْ فَارْمُوْهُمْ وَاسْتَبْقُوْا نَبْلَکُمْ. رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَ حَدِیْثُ سَعْدٍ هَلْ تُنْصَرُوْنَ سَنَذْکُرُ فِیْ بَابِ فَضْلِ الْفُقَرَاءِ وَ حَدِیْثُ الْبَرَاءِ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَهْطًا فِیْ بَابِ الْمُعْجِزَاتِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی

ترجمہ: حضرت ابواسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن ہمیں فرمایا جب ہم نے قریش کے سامنے صفیں باندھیں اور انہوں نے ہمارے سامنے صفیں باندھیں۔ جب وہ تمہارے نزدیک آئیں تو ان کو تیر مارو ایک روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب وہ تمہارے نزدیک پہنچیں تو ان کو تیر مارو اور اپنے تیر باقی رکھو۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔ سعد کی حدیث جس کے الفاظ ہیں ھل تنصرون ہم باب فضل الفقراء میں ذکر کریں گے۔ براء کی حدیث جس کے الفاظ ہیں بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رھطا باب المعجزات میں ان شاء اللہ ذکر کریں گے۔

وَحَدِیْثُ سَعْدٍ هَلْ تُنْصَرُوْنَ سَنَذْکُرُ فِیْ بَابِ فَضْلِ الْفُقَرَاءِ وَحَدِیْثُ الْبَرَاءِ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَهْطًافِیْ بَابِ الْمُعْجِزَاتِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی.

الفصل الثانی.... میدان جنگ میں لشکر کی تیاری

عن عبدالرحمن بن عوف قال عبانا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ببدر لیلا رواہ الترمذی

ترجمہ: حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بدر کے دن رات کو تیار کیا۔ (ترمذی)

تشریح: تعبیہ کے لغوی معنی ہیں "تیار کرنا" لہٰذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے موقع پر جنگ شروع ہونے سے پہلے رات میں اپنے لشکر کو بایں طور تیار و مرتب کیا کہ مجاہدین اسلام کے بدن پر ہتھیار لگائے ان کی صفیں قائم کیں اور ہر ایک مجاہد کو اپنے اپنے مقام پر جمایا یعنی جس کو جس جگہ مناسب سمجھا وہاں کھڑا کر کے بتایا کہ دن میں جب جنگ شروع ہو تو ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر اسی طرح قائم رہے۔

مجاہدین اسلام کے لئے امتیازی علامات

(۱۲) وَعَنِ الْمُهَلَّبِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنْ بَیَّتَکُمُ الْعَدُوُّ فَلْیَکُنْ شِعَارُکُمْ حٰمٓ لَا یُنْصَرُوْنَ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت مہلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر رات کو تم پر دشمن شبخون مارے تمہاری علامت حٰمٓ لا ینصرون ہوگی۔ روایت کیا اس کو ترمذی اور ابوداؤد نے۔

تشریح: فوجی اور جنگی قواعد وضوابط میں عام طور سے یہ معمول ہوتا ہے کہ فوجیوں کے لیے کچھ مخصوص علامتیں اور نشان متعین کر دیے جاتے ہیں جن سے موافق ومخالف کے درمیان امتیاز کیا جا سکے یہ علامتیں غیر لفظی نشانات کی صورتوں میں بھی متعین ہوتی ہیں جو فوجیوں کے بدن اور وردیوں پر لگائے جاتے ہیں اور لفظی اشارات کی صورت میں بھی ہوتی ہیں جن کو زبان سے ادا کر کے اپنی حیثیت وحقیقت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سربراہ لشکر کی طرف سے اپنے لشکر والوں کو پہلے سے یہ بتا دیا جاتا ہے کہ اگر میدان جنگ میں یا کسی اور موقع پر تم سے پوچھا جائے کہ تم کون ہو تو یہ فلاں لفظ اپنی زبان سے ادا کرنا تا کہ اگر پوچھنے والا اپنے ہی لشکر کا فرد ہو تو تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ خاص طور پر شبخون مارے جانے کے وقت جب کہ عام افراتفری کا عالم ہوتا ہے اور اس موقع پر اپنے اور غیروں کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہوتا ہے اور اکثر اشتباہ ہو جاتا ہے ایسی علامات اور اشارتی الفاظ کی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ آج کل کی رائج الوقت اصطلاحات میں ایسے اشارتی الفاظ کو انگریزی میں ''کوڈ ورڈ'' (code word) کہتے ہیں۔ لہٰذا غزوہ حنین کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمن کی طرف سے شبخون مارے جانے کا خطرہ پیدا ہوا تو آپ نے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا کہ وہ ایسی حالت میں اپنی علامت حٰمٓ لا ینصرون کے الفاظ کو قرار دیں تا کہ اس کے ذریعہ یہ پہچانا جائے کہ کون مسلمان ہے اور کون کافر ہے۔ ان الفاظ کے معنی یہ ہیں۔ اے حٰمٓ کے اتارنے والے! دشمنوں کو کوئی مدد نہ ملے۔

(۱۳) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ شِعَارُ الْمُهَاجِرِيْنَ عَبْدَاللّٰهِ وَشِعَارُ الْاَنْصَارِ عَبْدَالرَّحْمٰنِ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا مہاجرین کا شعار عبداللہ اور انصار کا شعار عبدالرحمٰن تھا۔ (ابوداؤد)

(۱۴) وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ اَبِیْ بَكْرٍ فِیْ زَمَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيَّتْنَاهُمْ نَقْتُلُهُمْ وَكَانَ شِعَارُنَا تِلْكَ اللَّيْلَةَ اَمِتْ اَمِتْ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جہاد کیا ہم نے کافروں پر شب خون مارا اور ہم نے ان کو قتل کیا۔ اس رات ہمارا شعار امت امت کا کلمہ تھا۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنگ کے وقت شور وشغب ناپسند کرتے تھے

(۱۵) وَعَنْ قَيْسِ بْنِ عُبَادٍ قَالَ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُوْنَ الصَّوْتَ عِنْدَ الْقِتَالِ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت قیس بن عبادہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ لڑائی کے وقت شور وغل کو مکروہ سمجھتے تھے۔ (ابوداؤد)

تشریح: فوجیوں کی عام عادت ہوتی ہے کہ وہ میدان جنگ میں لڑائی کے وقت شور وشغب چیخ وپکار اور بے مقصد نعرہ بازی کرتے ہیں اور اپنی شجاعت وبہادری کے نعرے بلند کرتے ہیں تا کہ دشمن پر ہیبت ورعب پڑے لیکن صحابہ اس بات کی کوئی حقیقت نہیں جانتے تھے بلکہ وہ صرف اللہ کا نام بلند کرتے تھے (یعنی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا کرتے تھے) اور اگر ان کے منہ سے آواز بلند ہوتی تھی تو وہ صرف ذکر الٰہی پر مشتمل ہوتی تھی کیونکہ درحقیقت صرف اللہ ہی کا نام بلند کرنے میں دنیا وآخرت کی مطلب برآری ہے۔

دشمن کے بڑی عمر والوں کو قتل کرو اور چھوٹوں کو باقی رکھو

(۱۶) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اقْتُلُوْا شُيُوْخَ الْمُشْرِكِيْنَ وَاسْتَحْيُوْا شَرْخَهُمْ اَیْ صِبْيَانَهُمْ. (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرکوں میں سے بڑی عمر والوں کو قتل کردو اور چھوٹی عمر والوں یعنی بچوں کو زندہ رہنے دو۔ (روایت کیا اس کو ترمذی اور ابوداؤد نے)

تشریح: "بڑی عمر والوں" سے مراد یا تو وہ نوجوان ہیں جو بچوں کے مقابلے میں بڑے ہوتے ہیں یا وہ بڈھے مراد ہیں جو مضبوط قوی کے مالک ہوں اور لڑنے کی طاقت وقوت رکھتے ہوں۔ جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے "شیخ فانی (یعنی بڈھے کھوسٹ) کو قتل کرنا درست نہیں ہے جو شیخ فانی جنگ میں اپنی عقل اور اپنی رائے کو موثر رکھتا ہو اور دشمن لڑائی میں اس کی بتائی ہوئی تدبیروں پر عمل کرتا ہو تو اس کو قتل کرنا جائز ہے۔

دشمن کے شہر اور ان کے کھیت کھلیان وغیرہ کو جلا ڈالنا جائز ہے

(۱۷) وَعَنْ عُرْوَةَ قَالَ حَدَّثَنِیْ اُسَامَةُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَهِدَ اِلَيْهِ قَالَ اَغِرْ عَلٰی اُبْنٰی صَبَاحًا وَ حَرِّقْ (ابوداود)

ترجمہ: حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا مجھ سے اسامہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تاکید کی تھی کہ اُبناء پر صبح کے وقت حملہ کرا اور جلا دے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: ابنا ایک آبادی کا نام ہے۔ جو ملک شام میں واقع تھی اور جہاں حضرت اسامہؓ بن زید کو مجاہدین اسلام کا سردار بنا کر جہاد کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام کے دشمنوں کے شہروں کو تاخت وتاراج کر دینا ان کے گھربار کھیت کھلیان اور درخت وباغات کو جلا دینا جائز ہے۔

دشمن پر اس وقت حملہ کرو جب وہ بالکل قریب آ جائے

(۱۸) وَعَنْ اَبِیْ اُسَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ اِذَا اَكْثَبُوْكُمْ فَارْمُوْهُمْ وَلَا تَسُلُّوا السُّيُوْفَ حَتّٰی يَغْشَوْكُمْ. (رواه ابوداود)

ترجمہ: حضرت ابو اُسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب وہ تمہارے نزدیک آئیں ان کو تیر مارو اور جب تک وہ بالکل قریب نہ آ جائیں تلواریں مت سونتو۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

دشمن کے مزدوروں کو قتل کرنے کی ممانعت

(۱۹) وَعَنْ رِبَاحِ بْنِ الرَّبِيْعِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ غَزْوَةٍ فَرَاٰی النَّاسَ مُجْتَمِعِيْنَ عَلٰی شَیْءٍ فَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ انْظُرْ عَلٰی مَا اجْتَمَعَ هٰؤُلَاءِ فَجَاءَ فَقَالَ عَلٰی امْرَاَةٍ قَتِيْلٍ فَقَالَ مَا كَانَتْ هٰذِهٖ لِتُقَاتِلَ وَ عَلَی الْمُقَدَّمَةِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ فَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ قُلْ لِخَالِدٍ لَا تَقْتُلِ امْرَاَةً وَلَا عَسِيْفًا. (رواه ابوداود)

ترجمہ: حضرت رباح بن ربیع سے روایت ہے کہا ہم ایک جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دیکھا کہ ایک چیز پر جمع ہو رہے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی بھیجا اور فرمایا جا کر دیکھو لوگ کیوں جمع ہیں وہ آیا اور اس نے کہا ایک عورت پر جو ماری گئی ہے جمع ہیں آپ نے فرمایا یہ تو نہیں لڑتی تھیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو پیغام بھیجا جو کہ اگلی فوج کے سپہ سالار تھے اور فرمایا کہ کسی عورت اور مزدور کو قتل نہ کرو۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: "مزدور" سے مراد وہ مزدور ہے جس کو میدان جنگ میں لڑنے کے لیے نہ لایا گیا ہو بلکہ خدمت اور دوسرے کام کاج کے لیے لایا گیا ہو۔

مجاہدین کو میدان جنگ بھیجتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات

(۲۰) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ انْطَلِقُوْا بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَا تَقْتُلُوْا شَيْخًا فَانِيًا

وَلَا طِفْلًا صَغِيْرًا وَلَا امْرَأَةً وَلَا تَغُلُّوْا وَضُمُّوْا غَنَائِمَكُمْ وَأَصْلِحُوْا وَأَحْسِنُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے نام اور اللہ کی توفیق سے چلو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت پر کسی بوڑھے کو قتل نہ کرو۔ نہ چھوٹے بچے اور عورت کو خیانت نہ کرو اپنی غنیمتوں کو جمع کرو اور اصلاح کرو نیکی کرو۔ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: ''شیخ فانی کی جان نہ مارنا'' لیکن اگر کوئی بڈھا لڑنے کی صلاحیت رکھتا ہو یا اس کی رائے اور اس کی جنگی تدابیر دشمن کے لیے نفع بخش اور موثر ہوں تو اس کی جان مارنا جائز ہے۔ ''طفلا صغیرا'' میں ''صغیرا'' بدل اور بیان ہے لفظ ''طفل'' یعنی وہ لڑکا جو حد بلوغ کو نہ پہنچا ہو۔ اس حکم سے وہ لڑکا مستثنیٰ ہے جو دشمن کی قوم کا بادشاہ و سردار ہو یا جنگ میں حصہ لیتا ہو۔ اسی طرح سے عورت کو قتل کرنا ممنوع ہے جو لڑائی میں شریک نہ ہو اور نہ اپنی قوم کی ملکہ اور جنگی معاملات میں رائے اور تدبیر پیش کرنے والی ہو۔

بدر کے میدان جنگ میں زعماء مکہ کی دعوت مبارزت

(۲۱) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ تَقَدَّمَ عُتْبَةُ بْنُ رَبِيْعَةَ وَتَبِعَهُ ابْنُهُ وَأَخُوْهُ فَنَادَى مَنْ يُبَارِزُ فَانْتَدَبَ لَهُ شَبَابٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ مَنْ أَنْتُمْ فَأَخْبَرُوْهُ فَقَالَ لَا حَاجَةَ لَنَا فِيْكُمْ إِنَّمَا أَرَدْنَا بَنِيْ عَمِّنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُمْ يَا حَمْزَةُ قُمْ يَا عَلِيُّ قُمْ يَا عُبَيْدَةُ بْنَ الْحَارِثِ فَأَقْبَلَ حَمْزَةُ إِلَى عُتْبَةَ وَأَقْبَلْتُ إِلَى شَيْبَةَ وَاخْتَلَفَ بَيْنَ عُبَيْدَةَ وَالْوَلِيْدِ ضَرْبَتَانِ فَأَثْخَنَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صَاحِبَهُ ثُمَّ مِلْنَا عَلَى الْوَلِيْدِ فَقَتَلْنَاهُ وَاحْتَمَلْنَا عُبَيْدَةَ. (رواہ احمد و ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا جب بدر کا دن ہوا عتبہ بن ربیعہ آگے اس کے پیچھے اس کا بھائی اور بیٹا بھی آیا۔ اس نے آواز دی ہمارے مقابلہ میں کون آتا ہے۔ انصار کے کئی ایک جوان مقابلہ کے لیے گئے اس نے کہا تم کون ہو انہوں نے اس کو خبر دی۔ کہنے لگا ہم کو تمہاری ضرورت نہیں۔ ہم تو اپنے چچا کے بیٹوں سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حمزہ تو اٹھ کھڑا ہو اے علی تم اٹھو اے عبیدہ بن الحارث تم بھی اٹھو۔ حمزہ عتبہ کی طرف گئے میں شیبہ کی طرف بڑھا عبیدہ اور ولید کے درمیان تلوار کی دو ضربیں آپس میں مختلف ہوئیں کہ انہوں نے ہر ایک کو زخمی کر دیا پھر ہم نے ولید پر حملہ کر دیا اور اس کو قتل کر دیا اور عبیدہ کو اٹھا لائے۔ (روایت کیا اس کو احمد اور ابوداؤد نے)

تشریح: بدر میں پہلا حملہ کفار نے کیا عتبہ اور شیبہ دو بھائی اور عتبہ کا بیٹا ولید تینوں مقابلے پر آئے اور مقابل کے خواہاں ہوئے گلشن نبوی سے تین جوان مقابلے پر آئے جن کا تعلق انصار سے تھا کفار نے ان کو مقابلہ میں قبول نہیں کیا بلکہ قریش کے جوانوں میں سے کسی کو طلب کیا تاکہ بہادری کا خوب جوہر دکھائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ حضرت علی اور عبیدہ بن حارث کو مقابلہ پر روانہ فرمایا دو بدو لڑائی تھی حمزہ کا مقابلہ عتبہ سے ہوا تو اس کو جہنم رسید کیا حضرت علی نے بھی اپنے مقابل شیبہ کو مہلت نہ دی لیکن حضرت عبید بن حارث اور ولید کا مقابلہ کچھ دیر تک رہا اور ہر ایک نے دوسرے کو زخمی کیا پھر حضرت حمزہ و علی پلٹے اور ولید کا کام تمام کیا حضرت عبید زخموں کی تاب نہ لا کر راستے میں شہید ہو گئے۔

نئی کمک لانے کی غرض سے میدان جنگ سے بھاگ آنا جائز ہے

(۲۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَحَاصَ النَّاسُ حَيْصَةً فَأَتَيْنَا الْمَدِيْنَةَ فَاخْتَفَيْنَا بِهَا وَقُلْنَا هَلَكْنَا ثُمَّ أَتَيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَحْنُ الْفَرَّارُوْنَ قَالَ بَلْ أَنْتُمُ الْعَكَّارُوْنَ وَأَنَا فِئَتُكُمْ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِيْ رِوَايَةِ أَبِيْ دَاوٗدَ نَحْوَهُ وَقَالَ لَا بَلْ أَنْتُمُ الْعَكَّارُوْنَ قَالَ فَدَنَوْنَا فَقَبَّلْنَا يَدَهُ فَقَالَ أَنَا فِئَةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ أُمَيَّةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ كَانَ يَسْتَفْتِحُ وَحَدِيْثَ أَبِي الدَّرْدَاءِ ابْغُوْنِيْ فِيْ ضُعَفَائِكُمْ

فِيْ بَابِ فَضْلِ الْفُقَرَآءِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى. وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثُ اُمَيَّةَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ كَانَ يَسْتَفْتِحُ وَ حَدِيْثُ اَبِي الدَّرْدَاءِ اِبْغُوْنِي فِيْ ضُعَفَائِكُمْ فِيْ بَابِ فَضْلِ الْفُقَرَآءِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر میں بھیجا لوگ بھاگ آئے ہم مدینہ آ کر چھپ گئے۔ ہم نے کہا ہم ہلاک ہو گئے۔ پھر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے ہم نے کہا اے اللہ کے رسول ہم بھاگنے والے ہیں آپ نے فرمایا بلکہ تم حملہ کرنے والے ہو اور میں تمہاری جماعت ہوں۔ روایت کیا ترمذی نے۔ اور ابوداؤد کی ایک روایت میں اسی طرح ہے فرمایا نہیں تم حملہ کرنے والے ہو صحابی کہتے ہیں کہ ہم نے بڑھ کر آپ کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں مسلمانوں کی جماعت ہوں۔ امیہ بن عبداللہ کی حدیث جس کے الفاظ ہیں کان یستفتح اور ابوداؤد کی حدیث جس کے الفاظ ہیں ابغونی فی ضعفائکم باب فضل الفقراء میں بیان کریں گے ہم۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

تشریح: "عکر" کے معنی ہیں "لوٹنا" جنگ میں واپس چلے جانا" اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ تھا کہ اگر کوئی لشکر اپنی کمزوری محسوس کرتا ہو اور وہ دشمن کے مقابلہ سے اس نیت کے ساتھ بھاگ آئے کہ اپنے مرکز سے نئی کمک اور نئی مدد لے کر پھر میدان جنگ میں آئیں گے تو یہ گناہ نہیں اور چونکہ تم لوگ اسی نیت کے ساتھ میدان جنگ سے بھاگا ہو اس لیے ندامت اور شرمندگی محسوس کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔

"میں مسلمان کی جماعت ہوں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عظمت و برکت کی بناء پر اپنی تنہا ذات شریف کو ایک پوری جماعت قرار دیا جیسا کہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ان ابراھیم کان امۃً نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد گرامی کے ذریعہ گویا اپنی مرکزیت کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ میری ذات مسلمانوں کے لیے منبع قوت و طاقت ہے جہاں سے انہیں مدد و نصرت حاصل ہوتی ہے لہٰذا اے ابن عمر! تم اس عارضی پسپائی سے ہراساں اور دل گرفتہ نہ ہو میں تمہارا بھی مددگار حامی و ناصر ہوں۔

وسنذکر حدیث امیۃ بن عبداللہ کان یستفتح وحدیث ابی الدرداء ابغونی فی ضعفائکم فی باب فضل الفقراء ان شاء اللہ تعالیٰ۔

"اور امیہ ابن عبداللہ کی روایت کان یستفتح اور ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ابغونی فی ضعفائکم ہم ان شاء اللہ فضل الفقراء کے باب میں ذکر کریں گے۔"

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ ... غزوہ طائف میں منجنیق کا استعمال

(۲۳) عَنْ ثَوْبَانَ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَصَبَ الْمَنْجَنِيْقَ عَلٰى اَهْلِ الطَّائِفِ (رواه الترمذی مرسلا)

ترجمہ: حضرت ثوبان بن یزید سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف پر منجنیق نصب کی۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے مرسل)

تشریح: قدیم آلات حرب میں "منجنیق" کی حیثیت آج کل کی گولے پھینکنے والی توپ کی سی تھی۔ چنانچہ یہ ایک ایسی دستی مشین تھی جس سے بڑے بڑے پتھر پھینکے جاتے تھے۔ بطور خاص جب کسی قلعہ وغیرہ کا محاصرہ کیا جاتا تو اس پر منجنیق کے ذریعہ پتھر برسائے جاتے تھے۔

"طائف" آج بھی حجاز کا ایک بڑا شہر ہے جو مکہ سے اصلاً تو 40۔45 میل کے فاصلہ پر جنوب مشرق میں واقع ہے لیکن ابھی کچھ دنوں پہلے تک وہاں پہنچنے کے لیے ایسا کوئی سیدھا راستہ نہیں تھا جس سے گاڑیاں آ جا سکیں اور پختہ یا خام سڑک ہو مکہ مکرمہ سے طائف کے لیے جو سڑک گئی تھی وہ پہاڑوں کا چکر کھاتی ہوئی جاتی تھی اس لیے یہ راستہ طویل ہو جاتا تھا اس راستہ سے مکہ مکرمہ سے طائف کا فاصلہ 85 میل بتایا جاتا ہے اسی راستہ میں منی و عرفات ملتے ہیں اور محققین کے نزدیک یہی وہ راستہ تھا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء میں تبلیغ کی غرض سے طائف تشریف لے گئے تھے۔

موجودہ طائف سے ڈھائی تین میل کے فاصلے پر جنوب مغرب کی طرف ایک چھوٹی سی بستی "مثناۃ" ہے یہ طائف ہی کا ایک حصہ سمجھی جاتی ہے یہ بستی اس جگہ بتائی جاتی ہے جس کے قریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اصل طائف آباد تھا۔

یہاں دو باغوں میں دو چھوٹی چھوٹی مسجدیں بنی ہوئی ہیں ان میں سے ایک کو مسجد علی کہتے ہیں اور دوسرے کو مسجد الجعشی ان دونوں

مسجدوں کے درمیان ایک وادی ہے جو وادی اوج کہلاتی ہے۔ محققین کا خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ طائف میں طائف کا محاصرہ اسی جگہ فرمایا تھا اور غالباً یہی وہ جگہ ہے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منجنیق نصب کی تھی۔

بَابُ حُکْمِ الْاُسَرَاءِ..... قیدیوں کے احکام کا بیان

قال اللہ تعالیٰ مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ

اسراء اسیر کی جمع ہے اسیر قیدی اور گرفتار شخص کو کہتے ہیں میدان جہاد میں جس طرح مقابلہ ہوتا ہے اور لوگ مارے جاتے ہیں وہیں پر لوگ گرفتار بھی ہو جاتے ہیں گرفتار دونوں طرف سے ہوتے ہیں مسلمانوں کے بھی اور کفار کے بھی ہوتے ہیں پھر ان قیدیوں کی رہائی کے مختلف طریقے ہوتے ہیں کبھی تو قیدیوں کا تبادلہ ہوتا ہے اور کبھی تاوان بھر کر چھڑایا جاتا ہے اور کبھی ویسے احسان کر کے چھوڑا جاتا ہے اور کبھی قتل بھی کیا جاتا ہے اسلام میں قیدیوں کے مکمل قوانین موجود ہیں لہٰذا ہمارا مقدس اسلام اقوام متحدہ یا جنیوا کنونشن کے قواعد کا محتاج نہیں ہے جن قواعد پر خود اس کے بنانے والے بھی عمل نہیں کرتے ہیں مندرجہ بالا تمام صورتوں پر مسلمان عمل کر سکتے ہیں اگر چہ کفار جلتے رہیں گے مذکورہ باب میں ان قیدیوں کا بیان ہے جو غیر مسلم ہوتے تھے اور مسلمانوں کے پاس تھے مسلمانوں نے انتہائی حسن سلوک کا مظاہرہ کیا اور اپنے پیٹ پر پتھر باندھ کر ان کا اکرام کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حسن سلوک کا حکم دیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کافروں کے علاوہ کوئی مسلمان قیدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں تھا اور نہ اس وقت باقاعدہ کوئی جیل تھی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ..... وہ کفار قیدی جو جنت میں داخل ہوں گے

(۱) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَجِبَ اللّٰہُ مِنْ قَوْمٍ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ فِی السَّلَاسِلِ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ یُقَادُوْنَ اِلَی الْجَنَّۃِ بِالسَّلَاسِلِ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا اللہ تعالیٰ اس قوم سے تعجب کرتا ہے جو زنجیروں میں جنت میں داخل ہوگی۔ ایک روایت میں ہے جنت کی طرف زنجیروں کے ساتھ کھینچے جاتے ہیں۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کفار (دشمن) کے جو لوگ جہاد وغیرہ کے موقع پر قیدی بنائے جاتے ہیں اور ان کو زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑ کر دار الاسلام میں لایا جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ ان کو ایمان نصیب فرماتا ہے تو ان کو جنت میں داخل کیا جائے گا اس اعتبار سے اگر چہ ان کے دخول جنت کا سبب ان کا ایمان قبول کر لینا ہے لیکن ظاہر میں گویا وہ زنجیروں اور بیڑیوں میں باندھ کر جنت میں داخل کیے گئے ہیں۔

دشمن کے جاسوس کو قتل کرنے کا حکم

(۲) وَعَنْ سَلَمَۃَ بْنِ الْاَکْوَعِ قَالَ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَیْنٌ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ وَھُوَ فِیْ سَفَرٍ فَجَلَسَ عِنْدَ اَصْحَابِہٖ یَتَحَدَّثُ ثُمَّ انْفَتَلَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اطْلُبُوْہُ وَ اقْتُلُوْہُ فَقَتَلْتُہٗ فَنَفَّلَنِیْ سَلَبَہٗ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مشرکوں کا ایک جاسوس آیا آپ سفر میں تھے وہ تھوڑی دیر آپ کے صحابہ کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتا رہا۔ پھر وہ پھرا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو ڈھونڈ کر قتل کر دو میں نے اس کو قتل کر دیا۔ اس کا اسباب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو دیا۔ (متفق علیہ)

تشریح: "فقتلتہ" یہ شخص چونکہ جاسوس تھا اس لئے اس کا قتل کرنا ضروری تھا اسی طرح اس کافر کو بھی قتل کیا جا سکتا ہے جو حربی ہو اور امان

لیے بغیر مسلمانوں کے علاقہ میں داخل ہوا ہو۔"فنفلنی" یعنی بطور انعام مجھے اس کے جسم کا سامان دیدیا۔

(۳) وَعَنْهُ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَوَازِنَ فَبَيْنَا نَحْنُ نَتَضَحّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْجَآءَ رَجُلٌ عَلٰى جَمَلٍ أَحْمَرَ فَأَنَاخَهُ وَ جَعَلَ يَنْظُرُ وَفِيْنَا ضَعْفَةٌ وَرِقَّةٌ مِنَ الظَّهْرِ وَبَعْضُنَا مُشَاةٌ إِذْخَرَجَ يَشْتَدُّ فَأَتٰى جَمَلَهُ فَأَثَارَهُ فَاشْتَدَّ بِهِ الْجَمَلُ فَخَرَجْتُ أَشْتَدُّ حَتّٰى أَخَذْتُ بِخِطَامِ الْجَمَلِ فَأَنَخْتُهُ ثُمَّ اخْتَرَطْتُ سَيْفِي فَضَرَبْتُ رَأْسَ الرَّجُلِ ثُمَّ جِئْتُ بِالْجَمَلِ أَقُوْدُهُ وَ عَلَيْهِ رَحْلُهُ وَسِلَاحُهُ فَاسْتَقْبَلَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ فَقَالَ مَنْ قَتَلَ الرَّجُلَ قَالُوْا ابْنُ الْأَكْوَعِ قَالَ لَهُ سَلَبُهُ أَجْمَعُ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوازن سے جنگ کی ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چاشت کا کھانا کھا رہے تھے سرخ اونٹ پر سوار ایک شخص آیا اس نے اونٹ بٹھایا اور ہمیں دیکھنے لگا۔ ہم میں کمزوری اور اونٹوں کی کمی کے سبب ہمارے بعض پیادہ تھے۔ اچانک وہ دوڑا اور اونٹ کے پاس آیا اس کو کھڑا کیا اور دوڑانے لگا۔ میں نکلا میں تیز دوڑ رہا تھا یہاں تک کہ میں نے اونٹ کی نکیل پکڑلی میں نے اس کو بٹھایا پھر میں نے اپنی تلوار سونتی اور اس آدمی کے سر پر ماری۔ پھر میں اونٹ کھینچتا ہوا لایا اس پر اس کا اسباب اور ہتھیار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگ مجھ کو آگے سے ملے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کو کس نے قتل کیا ہے لوگوں نے کہا ابن اکوع نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے لیے اس کا سب اسباب ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: "ہوازن" یہ ایک مشہور قبیلہ کا نام ہے جو تیر اندازی میں اپنی نظیر آپ تھا حنین اور اوطاس میں ہوازن کے ساتھ بڑا معرکہ ہوا عرفات اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام حنین ہے۔ "یتضحی" یہ لفظ تضحیہ سے ہے اصل میں سفر کے دوران گھاس والی جگہ اترنے اور اونٹوں کو گھاس چرانے اور آرام دلانے کیلئے استعمال ہوتا تھا پھر نرمی کیلئے استعمال ہوا پھر چاشت کی نماز کیلئے استعمال ہوا پھر چاشت کے وقت کھانے کیلئے استعمال ہوا یہاں یہی معنی مراد ہے" رقة من الظهر "یعنی سواریوں کی کمی کی وجہ سے ہم میں کمزوری تھی پیدل چل چل کر تھکے ہوئے تھے" وبعضنا مشاة" یہ جملہ رقۃ من الظہر کیلئے عطف بیان اور تفسیر ہے" اخترطت سیفی "تلوار سونتنے کو کہتے ہیں" اشتد "دوڑنے کے معنی میں ہے" خطام "مہار کو کہتے ہیں۔

مدینہ کے عہد شکن یہودیوں کے متعلق فیصلہ

(۴) وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ لَمَّانَزَلَتْ بَنُوْ قُرَيْظَةَ عَلٰى حُكْمِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ عَلٰى حِمَارٍ فَلَمَّا دَنَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُوْمُوْا إِلٰى سَيِّدِكُمْ فَجَآءَ فَجَلَسَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ هٰؤُلَاءِ نَزَلُوْا عَلٰى حُكْمِكَ قَالَ فَإِنِّيْ أَحْكُمُ أَنْ تُقْتَلَ الْمُقَاتِلَةُ وَأَنْ تُسْبٰى الذُّرِّيَّةُ قَالَ لَقَدْ حَكَمْتَ فِيْهِمْ بِحُكْمِ الْمَلِكِ وَ فِيْ رِوَايَةٍ بِحُكْمِ اللّٰهِ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا جب بنو قریظہ سعد بن معاذ کے حکم پر اترے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف پیغام بھیجا وہ گدھے پر سوار ہو کر آئے۔ جب نزدیک پہنچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو جاؤ وہ آئے اور بیٹھ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ لوگ تمہارے فیصلہ پر اترے ہیں۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا میں فیصلہ کرتا ہوں کہ لڑنے والوں کو قتل کر دیا جائے اور لڑکے اور عورتیں قیدی بنالی جائیں۔ آپ نے فرمایا تو نے حکم کیا ان کے بارے میں بادشاہ کے حکم کے ساتھ۔ ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: "قوموا الی سیدکم" حضرت سعد انصار کے سردار تھے جنگ خندق میں ان کو گہرا زخم لگا تھا انہوں نے یہود بنو قریظہ کی غداری پر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک یہود سے اپنا دل ٹھنڈا نہ کروں ادھر جنگ خندق کے بعد فوراً مسلمانوں نے بنو

قریظہ کا محاصرہ کرلیا ۲۵ دن سے زیادہ محاصرہ رہا تب یہود اپنے قلعوں سے اترنے پر راضی ہو گئے مگران بدبختوں نے کہا ہمارا فیصلہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ کریں بلکہ سعد بن معاذ کریں حضرت سعد کے ان لوگوں سے پرانے مراسم بھی تھے اور یہ لوگ ایک دوسرے کے حلیف بھی تھے یہود کا خیال تھا کہ سعد ہمارے حق میں فیصلہ کردے گا۔ حضرت سعد چونکہ زخمی تھے اس لئے مسجد نبوی کے پاس سے گدھے پر سوار کرا کر لائے گئے جب محلہ بنو قریظہ میں پہنچ گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قوموا الی سیدکم" چونکہ ان کی مدد کی ضرورت تھی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے سردار کی مدد کیلئے کھڑے ہو جاؤ ان کو گدھے سے اتارو لہٰذا اس حدیث کا اس حدیث سے تعارض نہیں ہے جس میں آیا ہے کہ "من سرہ ان یتمثل لہ الرجال قیاما فلیتبوأ مقعدہ من النار" کیونکہ یہاں مجبوری تھی شوقیہ کسی کیلئے دست بستہ کھڑا ہونا منع ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں صرف استقبال کے طور پر احترام و اکرام کیلئے کھڑا ہونا تھا اس سے صرف استقبال ثابت ہوتا ہے۔ اعاجم کے ممنوع قیام سے اس کا کوئی تعلق نہیں جس کا ذکر من سرہ والی حدیث میں ہے۔

بہرحال حضرت سعد نے فیصلہ فرما دیا کہ قابل جنگ یہود کو قتل کیا جائے اور عورتوں بچوں کو غلام بنایا جائے یہی فیصلہ تورات کا بھی تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعد کا فیصلہ عرش والے بادشاہ کا فیصلہ ہے۔

سردار یمامہ کے اسلام لانے کا واقعہ

(۵) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْلاً قِبَلَ نَجْدٍ فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِیْ حَنِيْفَةَ يُقَالُ لَهٗ ثُمَامَةُ بْنُ اُثَالٍ سَيِّدُ اَهْلِ الْيَمَامَةِ فَرَبَطُوْهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِی الْمَسْجِدِ فَخَرَجَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَاذَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِیْ يَا مُحَمَّدُ خَيْرٌ اِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَادَمٍ وَاِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰى شَاكِرٍ وَاِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْهُ مَاشِئْتَ فَتَرَكَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى كَانَ الْغَدُ فَقَالَ لَهٗ مَاعِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِیْ مَاقُلْتُ لَكَ اِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰى شَاكِرٍ وَ اِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَادَمٍ وَ اِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْهُ مَاشِئْتَ فَتَرَكَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى كَانَ بَعْدَ الْغَدِ فَقَالَ لَهٗ مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ؟ فَقَالَ عِنْدِیْ مَاقُلْتُ لَكَ اِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰى شَاكِرٍ وَ اِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَادَمٍ وَ اِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْهُ مَاشِئْتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَطْلِقُوْا ثُمَامَةَ فَانْطَلَقَ اِلٰى نَخْلٍ قَرِيْبٍ مِنَ الْمَسْجِدِ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ يَا مُحَمَّدُ وَاللّٰهِ مَا كَانَ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ وَجْهٌ اَبْغَضُ اِلَیَّ مِنْ وَجْهِكَ فَقَدْ اَصْبَحَ وَجْهُكَ اَحَبَّ الْوُجُوْهِ كُلِّهَا اِلَیَّ وَاللّٰهِ مَا كَانَ مِنْ دِيْنٍ اَبْغَضَ اِلَیَّ مِنْ دِيْنِكَ فَاَصْبَحَ دِيْنُكَ اَحَبَّ الدِّيْنِ كُلِّهٖ اِلَیَّ وَاللّٰهِ مَا كَانَ مِنْ بَلَدٍ اَبْغَضَ اِلَیَّ مِنْ بَلَدِكَ فَاَصْبَحَ بَلَدُكَ اَحَبَّ الْبِلَادِ كُلِّهَا اِلَیَّ وَاِنَّ خَيْلَكَ اَخَذَتْنِیْ وَاَنَا اُرِيْدُ الْعُمْرَةَ فَمَاذَا تَرٰى فَبَشَّرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَهٗ اَنْ يَّعْتَمِرَ فَلَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ قَالَ لَهٗ قَائِلٌ اَصَبَوْتَ فَقَالَ لَا وَ لٰكِنِّیْ اَسْلَمْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا وَاللّٰهِ لَا يَاْتِيْكُمْ مِنَ الْيَمَامَةِ حَبَّةُ حِنْطَةٍ حَتّٰى يَاْذَنَ فِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواہ مسلم واختصرہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف ایک لشکر بھیجا وہ بنو حنیفہ کے ایک آدمی کو پکڑ لائے جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا جو اہل یمامہ کا سردار تھا۔ صحابہ نے مسجد کے ایک ستون کے ساتھ اس کو باندھ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف نکلے اور پوچھا کیا حال ہے اے ثمامہ! اس نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خیریت ہے اگر تم قتل کرو گے ایک خون والے کو قتل کرو گے۔ اگر انعام کرو گے قدردان پر انعام کرو گے۔ اگر مال چاہتے ہو سوال کرو دیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھوڑ دیا جب اگلا دن ہوا آپ نے فرمایا اے ثمامہ تیرے نزدیک کیا ہے اس نے کہا میرے نزدیک وہی ہے جو میں کہہ چکا ہوں اگر انعام کرو گے ایک قدر

دان پر انعام کرو گے اگر قتل کرو گے خون والے کو قتل کرو گے اگر مال چاہتے ہو مانگو دیا جائے گا جس قدر آپ چاہیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ اس سے اگلا دن ہوا۔ آپ نے فرمایا اے ثمامہ کیا حال ہے اس نے کہا میرا حال وہی ہے جو میں کہہ چکا ہوں اگر احسان کرو ایک قدر دان پر احسان کرو گے اگر قتل کرو گے خون والے کو قتل کرو گے اگر مال چاہتے ہو جس قدر مانگو گے دیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثمامہ کو چھوڑ دو وہ مسجد کے قریب کھجور کے درختوں کی طرف گیا غسل کیا پھر مسجد میں داخل ہوا اور کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کی قسم زمین پر کوئی چہرہ تیرے چہرے سے بڑھ کر میرے نزدیک مبغوض نہ تھا اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ سب لوگوں کے چہروں سے محبوب ترین ہو گیا ہے۔ اللہ کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے بڑھ کر میری طرف کوئی دین برا نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین اب مجھے سب دینوں سے بڑھ کر محبوب ہو چکا ہے۔ اللہ کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر سے بڑھ کر میری طرف کوئی شہر مبغوض نہ تھا اب آپ کے شہر سے بڑھ کر کوئی شہر محبوب نہیں ہے اور آپ کے لشکر نے مجھے گرفتار کر لیا ہے جبکہ میں عمرہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا خیال ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بشارت دی اور اس کو عمرہ کرنے کا حکم دیا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ مکہ آئے ایک کہنے والے نے کہا تو بے دین ہو گیا ہے اس نے کہا نہیں لیکن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لایا ہوں اور نہیں اللہ کی قسم گندم کا ایک دانہ یمامہ سے نہیں آئے گا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں۔ روایت کیا اس کو مسلم نے اور بخاری نے مختصر بیان کیا ہے۔

جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ترغیب اسلام

(۶) وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ اُسَارٰى بَدْرٍ لَوْ كَانَ الْمُطْعِمُ بْنُ عَدِيٍّ حَيًّا ثُمَّ كَلَّمَنِيْ فِيْ هٰٓؤُلَاءِ النَّتْنٰى لَتَرَكْتُهُمْ لَهٗ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کے متعلق فرمایا اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا پھر ان ناپاک قیدیوں کے متعلق مجھ سے کلام کرتا میں اس کی خاطر ان کو چھوڑ دیتا۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

تشریح: حضرت جبیر رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے سے پہلے جنگ بدر کے موقع پر کفار مکہ کے ساتھ تھے اور مسلمان کے مقابلے پر لڑ رہے تھے جنگ کے بعد ان کفار میں سے جو لوگ قیدی بنا کر مدینہ لائے گئے ان میں حضرت جبیر رضی اللہ عنہ بھی تھے اس طرح حضرت جبیر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی تو کفر کی حالت میں، مگر اس کو بیان کیا اسلام قبول کرنے کے بعد۔ مطعم ابن عدی حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کے والد تھے اور نوفل ابن عبد مناف کو پوتا ہونے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم جد قرابتی تھے ان (مطعم) کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک یہ احسان تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ اسلام کے لیے طائف تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس آئے تو مشرکین مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر اپنے نرغے میں لے کر نقصان پہنچانا چاہا مگر مطعم نے ان مشرکین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کیا اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کے سامنے مذکورہ کلمات ارشاد فرمائے جس کا ایک بڑا مقصد جبیر رضی اللہ عنہ کی تالیف قلب اور ان کو اسلام کی طرف راغب کرنا تھا۔

حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملے کا ارادہ کرنے والے کفار مکہ کو گرفتار کر کے چھوڑ دینے کا واقعہ

(۷) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ ثَمَانِيْنَ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ هَبَطُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ جَبَلِ التَّنْعِيْمِ

مُتَسَلِّحِيْنَ يُرِيْدُوْنَ غِرَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابِهٖ فَاَخَذَهُمْ سِلْمًا فَاسْتَحْيَا هُمْ وَ فِيْ رِوَايَةٍ فَاَعْتَقَهُمْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا اہل مکہ کے اسی (80) آدمی جبل تنعیم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترے وہ مسلح تھے ان کا ارادہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو غافل پا کر ان پر حملہ کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مطیع کر لیا۔ آپ نے ان کو زندہ چھوڑ دیا۔ ایک روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ وہ ذات جس نے ان کا ہاتھ بطن مکہ میں تم سے بند رکھا اور تمہارا ہاتھ ان سے بند رکھا۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

جنگ بدر کے بعد مقتولین مکہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب

(۸) وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ ذَكَرَ لَنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ اَبِيْ طَلْحَةَ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ يَوْمَ بَدْرٍ بِاَرْبَعَةٍ وَعِشْرِيْنَ رَجُلاً مِنْ صَنَادِيْدِ قُرَيْشٍ فَقُذِفُوْا فِيْ طَوِيٍّ مِنْ اَطْوَاءِ بَدْرٍ خَبِيْثٍ مُخْبِثٍ وَ كَانَ اِذَا ظَهَرَ عَلٰى قَوْمٍ اَقَامَ بِالْعَرْصَةِ ثَلاَثَ لَيَالٍ فَلَمَّا كَانَ بِبَدْرٍ الْيَوْمَ الثَّالِثَ اَمَرَ بِرَاحِلَتِهٖ فَشُدَّ عَلَيْهَا رَحْلُهَا ثُمَّ مَشٰى وَاتَّبَعَهٗ اَصْحَابُهٗ حَتّٰى قَامَ عَلٰى شَفَةِ الرَّكِيِّ فَجَعَلَ يُنَادِيْهِمْ بِاَسْمَائِهِمْ وَاَسْمَاءِ اٰبَائِهِمْ يَافُلاَنُ ابْنَ فُلاَنٍ يَافُلاَنُ بْنَ فُلاَنٍ اَيَسُرُّكُمْ اَنَّكُمْ اَطَعْتُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَاوَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَاتُكَلِّمُ مِنْ اَجْسَادٍ لاَ اَرْوَاحَ لَهَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ مَااَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْهُمْ وَ فِيْ رِوَايَةٍ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لاَيُجِيْبُوْنَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ الْبُخَارِيُّ قَالَ قَتَادَةُ اَحْيَاهُمُ اللّٰهُ حَتّٰى اَسْمَعَهُمْ قَوْلَهٗ تَوْبِيْخًا وَ تَصْغِيْرًا وَنِقْمَةً وَحَسْرَةً وَنَدَمًا

ترجمہ: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ہمارے لیے ابوطلحہ سے ذکر کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن قریش کے چوبیس سرداروں کے متعلق حکم دیا ان کو بدر کے ایک خبیث و ناپاک کنوئیں میں ڈالا گیا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قوم پر غالب آتے تھے میدان میں تین دن ٹھہرتے جب بدر میں آپ کو تیسرا دن تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی پر کجاوہ کسنے کا حکم دیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلے آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ساتھ تھے یہاں تک کہ آپ کنوئیں کے کنارے پر کھڑے ہوئے۔ آپ ان کا اور ان کے باپوں کا نام لے کر ان کو بلانے لگے۔ اے فلاں بن فلاں اے فلاں بن فلاں تم کو یہ بات خوش کرتی ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کر لیتے۔ ہمارے ساتھ ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا ہم نے حق دیکھ لیا۔ پس کیا تم نے تمہارے ساتھ تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا پا لیا ہے۔ عمر کہنے لگے اے اللہ کے رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے اجساد کے ساتھ کلام کر رہے ہیں۔ جن میں روح نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تم ان سے بڑھ کر سننے والے نہیں ہو۔ ایک روایت میں ہے تم ان سے بڑھ کر نہیں سن رہے لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔ (متفق علیہ) بخاری نے زیادہ بیان کیا قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا یہاں تک کہ ان کو آپ کی بات سنا دی۔ سرزنش کے طور پر اور حسرت و افسوس اور ندامت و ذلت کے لیے۔

تشریح: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ وغیرہ نے اس حدیث کے ذریعہ سماع موتی کے مسئلہ کو ثابت کیا ہے جب کہ اکثر حنفی علماء نے اس (سماع موتی) کا انکار کیا ہے ان علماء کی طرف سے مختلف انداز میں جواب دیئے گئے ہیں جن کی تفصیل فقہ کی کتابوں جیسے فتح القدیر وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

غزوہ حنین کے قیدیوں کی واپسی

(۹) وَعَنْ مَرْوَانَ وَالْمِسْوَرِبْنِ مَخْرَمَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ حِيْنَ جَاءَهٗ وَفْدُهَوَازِنَ مُسْلِمِيْنَ

فَسَأَلُوْهُ اَنْ يَّرُدَّ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَسَبْيَهُمْ فَقَالَ فَاخْتَارُوْا اِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ اَمَّا السَّبْيَ وَاَمَّا الْمَالَ قَالُوْا فَاِنَّا نَخْتَارُ سَبْيَنَا فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَثْنٰى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ اِخْوَانَكُمْ قَدْ جَآءُوْا تَائِبِيْنَ وَاِنِّيْ قَدْ رَأَيْتُ اَنْ اَرُدَّ اِلَيْهِمْ سَبْيَهُمْ فَمَنْ اَحَبَّ مِنْكُمْ اَنْ يُّطَيِّبَ ذٰلِكَ فَلْيَفْعَلْ وَ مَنْ اَحَبَّ مِنْكُمْ اَنْ يَّكُوْنَ عَلٰى حَظِّهٖ حَتّٰى نُعْطِيَهٗ اِيَّاهُ مِنْ اَوَّلِ مَا يُفِيْئُ اللّٰهُ عَلَيْنَا فَلْيَفْعَلْ فَقَالَ النَّاسُ قَدْ طَيَّبْنَا ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا لَا نَدْرِيْ مَنْ اَذِنَ مِنْكُمْ مِمَّنْ لَمْ يَاْذَنْ فَارْجِعُوْا حَتّٰى يَرْفَعَ اِلَيْنَا عُرَفَاءُكُمْ اَمْرَكُمْ فَرَجَعَ النَّاسُ فَكَلَّمَهُمْ عُرَفَاءُ هُمْ ثُمَّ رَجَعُوْا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرُوْهُ اَنَّهُمْ قَدْ طَيَّبُوْا وَاَذِنُوْا. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت مروان رضی اللہ عنہ اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت ہوازن کا وفد مسلمان ہونے کے لیے آیا آپ سے سوال کیا کہ ان کے اموال اور ان کے قیدی واپس کردیے جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دونوں چیزوں میں سے ایک پسند کرلو یا قیدی لے لو یا مال انہوں نے کہا ہم قیدی پسند کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا اللہ کی تعریف کی جس کا وہ اہل ہے پھر فرمایا امابعد تمہارے بھائی توبہ کرآئے ہیں میں چاہتا ہوں کہ ان کے قیدی واپس کردوں تم میں جو پسند کرے خوشی سے دیدے اور جو تم میں سے پسند کرے وہ اپنے حصہ پر رہے ہم اس کو اس کا عوض پہلے اس مال سے دیں گے جو اللہ تعالیٰ ہم پر انعام کرے گا۔ وہ ایسا کرے لوگوں نے کہا ہم بخوشی قیدی چھوڑتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم نہیں جانتے کس نے اجازت دی ہے اور کس نے نہیں دی لوٹ جاؤ تمہارا معاملہ تمہارے سردار ہی پہچائیں گے۔ لوگ واپس آگئے۔ ان کے سرداروں نے ان سے بات چیت کی پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ وہ راضی ہوگئے ہیں اور انہوں نے اجازت دے دی ہے۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

تشریح: مکہ مکرمہ سے شمال مشرقی جانب طائف کے لیے جو راستہ جاتا ہے اس راستے پر ایک وسیع میدان ملتا ہے جس کے اطراف میں پہاڑیاں ہیں اور اس سے گذرنے کے بعد ایک چھوٹی سی بستی ملتی ہے اس میدان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کے آس پاس قبیلہ ہوازن کے لوگ آباد تھے اور یہیں فتح مکہ کے بعد وہ غزوہ ہوا تھا جس کو غزوہ حنین یا غزوہ ہوازن کہتے ہیں۔ اس غزوہ میں غنیمت کا بہت زیادہ مال مسلمانوں کے ہاتھ لگا اور دشمن کے بے شمار بال بچے قیدی بنا کر مدینے لائے گئے تھے جن کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان تقسیم کردیا گیا تھا چنانچہ جب اس غزوہ کے بعد قبیلہ ہوازن کے لوگ مشرف بہ اسلام ہوگئے تو وہ دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور اپنے مال اور اپنے قیدیوں کی واپسی کا مطالبہ کیا' چونکہ ان کا مال اور قیدی مجاہدین اسلام (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم) کی ملکیت ہوگئے تھے اور ان کی اجازت کے بغیر ان کی ملکیت کو واپس کرنا جائز نہیں تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے مذکورہ بالا ارشاد فرمایا اور ان سے مذکورہ اجازت طلب کی۔

گرفتاری کے بدلے گرفتاری

(۱۰) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كَانَ ثَقِيْفُ حَلِيْفًا لِبَنِيْ عُقَيْلٍ فَاَسَرَتْ ثَقِيْفُ رَجُلَيْنِ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَسَرَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِنْ بَنِيْ عُقَيْلٍ فَاَوْثَقُوْهُ فَطَرَحُوْهُ فِي الْحَرَّةِ فَمَرَّبِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَادَاهُ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ فِيْمَ اُخِذْتُ قَالَ بِجَرِيْرَةِ حُلَفَائِكُمْ ثَقِيْفَ فَتَرَكَهٗ وَمَضٰى فَنَادَاهُ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ فَرَحِمَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَجَعَ قَالَ مَاشَأْنُكَ قَالَ اِنِّيْ مُسْلِمٌ فَقَالَ لَوْ قُلْتَهَا وَاَنْتَ تَمْلِكُ اَمْرَكَ اَفْلَحْتَ كُلَّ الْفَلَاحِ قَالَ فَفَدَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالرَّجُلَيْنِ الَّذَيْنِ اَسَرَتْهُمَا ثَقِيْفُ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ثقیف بنو عقیل کے حلیف تھے۔ ثقیف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے دو صحابی قید کر لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے بنوعقیل کا ایک آدمی پکڑ لیا اس کو مضبوط باندھ کر حرہ میں پھینک دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس سے گذرے اس نے آواز دی اے محمد اے محمد مجھے کس سبب سے پکڑا گیا ہے آپ نے فرمایا تمہارے حلیف ثقیف کی تقصیر کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھوڑ دیا اور چلے گئے اس نے پھر پکارا اے محمد اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر رحم کھایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس لوٹے فرمایا تو کیا چاہتا ہے اس نے کہا میں مسلمان ہوتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو یہ کلمہ اس وقت کہتا جب اپنے امر کا مالک تھا تو پوری طرح چھٹکارا حاصل کر لیتا۔ راوی نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو آدمیوں کے فدیہ میں اس کو رہا کر دیا جن کو ثقیف نے قید کیا تھا۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: "ثقیف" عرب کے ایک بڑے اور مشہور قبیلہ کا نام ہے۔ جو بنو ہوازن کی ایک شاخ اور طائف میں آباد تھا اسی طرح "بنوعقیل" بھی ایک قبیلہ تھا' یہ دونوں قبیلہ ایک دوسرے کے حلیف تھے۔ زمانہ جاہلیت کے عرب میں یہ دستور تھا کہ قبائل آپس میں ایک دوسرے کے درمیان حلف وقسم کے ساتھ یہ عہد و پیمان کیا کرتے تھے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے برے بھلے کام کے ساتھی ہوں گے اور ہم میں سے کسی ایک کا دشمن دوسرے کا بھی دشمن اور کسی ایک کا دوست کا بھی دوست ہوگا لیکن جب اسلام کا زمانہ آیا تو زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق وہ قسما قسمی تو جائز رہی جس کا تعلق حق اور جائز باتوں سے تھا لیکن جس کا تعلق ناحق اور ناجائز باتوں سے تھا اس کو ختم کر دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ اسلام کا جو حلف ہے وہ کافی ہے۔

"بنوعقیل کے ایک آدمی کو گرفتار کر لیا" یعنی قبیلہ ثقیف کے لوگوں نے جن دو صحابہ رضی اللہ عنہم کو پکڑ کر اپنے یہاں قید کر لیا تھا ان کے بدلے میں مسلمانوں نے بنوعقیل کا ایک آدمی پکڑ کر اپنے یہاں باندھ دیا۔ کیونکہ اس وقت قبائل کا باہمی دستور یہی تھا کہ ایک حلیف کے جرم میں دوسرے حلیف کے آدمی کو پکڑ لیا جاتا تھا چنانچہ مسلمانوں نے بھی اسی دستور کے مطابق عمل کیا اور بظاہر اس میں مصلحت بھی تھی۔

"حرہ" مدینہ کے مضافات میں پہاڑی علاقہ کے اس قطعہ کو کہا جاتا تھا جس کی زمین کالی پتھریلی تھی۔

"میں مسلمان ہوں الخ" ان الفاظ کے ذریعہ اس شخص نے گویا یہ بتانا چاہا کہ میں پہلے ہی سے مسلمان ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو غیر مسلم مسلمانوں کی قید میں ہو اور وہ یہ دعویٰ کرے کہ میں مسلمان ہوں تو اس کی بات کو اس وقت تک تسلیم نہ کیا جائے جب تک کہ اس کا دعویٰ گواہی کے ذریعہ ثابت نہ ہو جائے۔ لیکن یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ ان الفاظ کے ذریعہ اس شخص کی یہ مراد ہو میں اب اسلام قبول کرتا ہوں۔ بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دعویٰ اسلام کو قبول نہیں کیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ یہ یا تو از راہ نفاق اپنے اسلام کا دعویٰ کر رہا ہے یا بطریق اضطرار وہ اسے دعوے پر مجبور ہے اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جھوٹا سمجھتے ہوئے دار الحرب جانے دیا۔ اس اعتبار سے اس شخص کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معاملہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ... جنگ بدر کے قیدوں میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابوالعاص کی رہائی کا واقعہ

(۱۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا بَعَثَ اَهْلُ مَكَّةَ فِيْ فِدَاءِ اُسَرَائِهِمْ بَعَثَتْ زَيْنَبُ فِيْ فِدَاءِ اَبِي الْعَاصِ بِمَالٍ وَبَعَثَتْ فِيْهِ بِقِلَادَةٍ لَهَا كَانَتْ عِنْدَ خَدِيْجَةَ اَدْخَلَتْهَا بِهَا عَلٰى اَبِي الْعَاصِ فَلَمَّا رَاٰهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَقَّ لَهَا رِقَّةً شَدِيْدَةً وَقَالَ اِنْ رَاَيْتُمْ اَنْ تُطْلِقُوْا لَهَا اَسِيْرَهَا وَتَرُدُّوْا عَلَيْهَا الَّذِيْ لَهَا فَقَالُوْا نَعَمْ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ عَلَيْهِ اَنْ يُّخَلِّيَ سَبِيْلَ زَيْنَبَ اِلَيْهِ وَبَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْدَ بْنَ حَارِثَةَ وَرَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ كُوْنَا بِبَطْنِ يَاجِجَ حَتّٰى تَمُرَّ بِكُمَا زَيْنَبُ فَتَصْحَبَاهَا حَتّٰى تَاْتِيَابِهَا. (رواہ احمد و ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا جب اہل مکہ نے اپنے اپنے قیدیوں کے لیے فدیہ بھیجا زینب رضی اللہ عنہا نے ابو العاص کے فدیہ میں کچھ مال بھیجا اور اس میں ایک ہار بھی بھیج دیا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کا اس کے پاس تھا۔ زینب رضی اللہ عنہا اس ہار کو ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے گھر لے گئی تھیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہار کو دیکھا آپ پر رقت طاری ہوگئی۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا اگر تم مناسب جانو تو زینب کے قیدی کو چھوڑ دو اور اس کا فدیہ اس کی طرف واپس کردو صحابہ نے عرض کیا جی ہاں: ہم ایسا ہی کرتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے عہد لیا تھا کہ زینب کو مدینہ آنے دے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ اور ایک انصاری شخص کو بھیجا کہ تم بطن ناجح میں ٹھہرو تمہارے پاس سے زینب گذرے گی اس کو مدینہ لے آؤ۔ (روایت کیا اس کو احمد اور ابوداؤد نے)

تشریح: "فداء ابی العاص" ابوالعاص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے ان کے نکاح میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔ حضرت ابوالعاص ایک دفعہ بدر کی جنگ میں قید ہوگئے تھے جب فدیہ کے ذریعہ سے قیدیوں کی رہائی کا عمل شروع ہوگیا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کی رہائی کیلئے وہ ہار بھیجا جو ہار بوقت رخصتی حضرت خدیجہ نے ان کو دیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ ہار دیکھا تو پرانا دور یاد آ گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رقت کی کیفیت طاری ہوگئی اور آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ اگر میری بیٹی کے ہار کو بھی واپس کرلو اور قیدی بھی چھوڑ دو تو اچھا ہوگا صحابہ نے اس کو پسند فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالعاص سے یہ شرط لگائی کہ میری بیٹی کو مدینہ روانہ کردو چنانچہ ابوالعاص نے وفاداری کی اور بطن یاجج مقام پر حضرت زینب کو دو صحابہ کے حوالہ کردیا اور صحابہ اس کو مدینہ لے گئے ان میں سے ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منہ بولا بیٹا زید بن حارثہ تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دین ایک مضبوط نظام ہے اور اس کی آبیاری کیلئے بڑی قربانیاں دی گئی ہیں۔

جنگ بدر کے قیدیوں میں سے قتل کئے جانے والے کفار

(۱۲) وَعَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَسَرَ اَهْلَ بَدْرٍ قَتَلَ عُقْبَةَ بْنَ اَبِىْ مُعَيْطٍ وَالنَّضْرَبْنَ الْحَارِثِ وَ مَنَّ عَلٰى اَبِىْ عَزَّةَ الْجُمَحِىِّ. (رواه فى شرح السنة)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت اہل بدر کو قید کیا عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث کو قتل کردیا۔ ابوعزہ جمحی کو منت کرتے ہوئے اس کو چھوڑ دیا۔ (روایت کیا اس کو شرح السنۃ میں)

تشریح: امام وقت (یعنی اسلامی مملکت کے سربراہ) کو یہ اختیار حاصل ہے کہ جو غیر مسلم (دشمن کے لوگ) اس کی قید میں ہوں اور وہ اسلام قبول نہ کریں تو وہ چاہے ان کو موت کے گھاٹ اتار دے چاہے غلام بنا کر رکھے اور چاہے مسلمانوں کے عہد امان کی بناء پر ان کو آزاد کر کے چھوڑ دے البتہ ان کو ممنون کرنا یعنی بلا کسی معاوضہ کے ان کو رہا کردینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس کا جواز منسوخ ہوگیا ہے۔

(۱۳) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَرَادَ قَتْلَ عُقْبَةَ بْنِ اَبِىْ مُعَيْطٍ قَالَ مَنْ لِلصِّبْيَةِ قَالَ النَّارُ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عقبہ بن ابی معیط کو قتل کرنے کا ارادہ کیا وہ کہنے لگا لڑکوں کو کون پالے گا۔ فرمایا آگ۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ بچوں کو آگ پالے گی گویا ان بچوں کے ضائع ہوجانے کے مفہوم کا حامل ہے یعنی اگر آگ اس چیز کی صلاحیت رکھتی کہ وہ کسی کی مددگار و غمخوار ہوسکتی تو یقیناً وہ بچوں کی بھی مددگار و کفیل ہوتی لیکن چونکہ وہ ایسی صلاحیت ہی نہیں رکھتی اس لیے بچوں کا کوئی دوسرا مددگار و کفیل نہ ہونے کی وجہ سے ان کی تباہی لازمی ہے۔

یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ تو اب اپنی فکر کر کہ دوزخ کی آگ تیرا ٹھکانا بننے والی ہے بچوں کی فکر میں مبتلا نہ ہو کہ ان کی پرورش نہ تجھ پر منحصر ہے اور نہ کسی دوسرے پر ان کا مددگار و کفیل خدا کی ذات ہے وہی ان کی پرورش کرائے گا۔

جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں دیا گیا اختیار

(۱۴) وَعَنْ عَلِيٍّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ جِبْرِيْلَ هَبَطَ فَقَالَ لَهُ خَيِّرْهُمْ يَعْنِي اَصْحَابَكَ فِي اُسَارٰى بَدْرٍ الْقَتْلَ اَوِ الْفِدَاءَ عَلٰى اَنْ يُّقْتَلَ مِنْهُمْ قَابِلاً مِّثْلُهُمْ قَالُوا الْفِدَاءَ وَيُقْتَلُ مِنَّا (رواه الترمذی و قال هذا حديث غريب)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہا جبریل آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترے اور فرمایا ان کو یعنی اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بدر کے قیدیوں کے متعلق اختیار دے کہ وہ قتل کر دیں یا فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیں لیکن شرط یہ ہے کہ ان کی مثل آئندہ سال شہید کیے جائیں گے صحابہ نے پسند کر لیا کہ ہم بدلہ لیتے ہیں اور ہم سے ان کی مثل قتل کیے جائیں روایت کیا اس کو ترمذی نے اور اس نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: "القتل او الفداء" بدر میں جو لوگ گرفتار ہوئے تھے وہ اہل مکہ کے ستر آدمی تھے جن میں بڑے نامور اشخاص بھی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا تھا کہ ان لوگوں کو قتل کر دو یا فدیہ لے لو لیکن فدیہ کی صورت میں آئندہ تمہارے ستر آدمی مارے جائیں گے اس فیصلہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورتحال کو صحابہ کے سامنے رکھا اور اپنی رائے یہ ظاہر فرمادی کہ فدیہ لینا اچھا ہے۔ صدیق اکبر نے بھی فدیہ لینے کو بہتر قرار دیا تا کہ فی الحال فدیہ کے مال سے جہاد کا میدان مستحکم ہو جائے باقی ہم شہادت کے متلاشی ہیں اگر ہمارے آدمی آئندہ سال شہید ہو جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں عام صحابہ کی بھی یہی رائے تھی۔ صرف حضرت عمر اور حضرت سعد بن معاذ دونوں کی رائے تھی کہ یہ صنادید قریش ہیں فدیہ نہیں لینا چاہیے بلکہ قتل کر دینا چاہیے بہر حال فیصلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور عام صحابہ کی رائے کے مطابق ہو گیا اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے شدید وعید آئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس درخت تک عذاب پہنچ گیا تھا اگر عذاب الٰہی آتا تو عمر و سعد کے سوا دوسرا کوئی نہ بچتا۔ اب سوال یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو دونوں چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کرنے کا اختیار تھا تو پھر یہ وعید اور سرزنش کیوں آئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اختیار بھی امتحان کے طور پر تھا اللہ تعالیٰ کے ہاں فدیہ نہ لینا تھا کہ سب کا فر قتل ہو جائیں اس وجہ سے سرزنش آئی۔

قیدیوں کی تحقیق و تفتیش

(۱۵) وَعَنْ عَطِيَّةَ الْقُرَظِيِّ قَالَ كُنْتُ فِي سَبْيِ قُرَيْظَةَ عُرِضْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانُوْا يَنْظُرُوْنَ فَمَنْ اَنْبَتَ الشَّعْرَ قُتِلَ وَ مَنْ لَمْ يُنْبِتْ لَمْ يُقْتَلْ فَكَشَفُوْا عَانَتِيْ فَوَجَدُوْهَا لَمْ تُنْبِتْ فَجَعَلُوْنِيْ فِي السَّبْيِ (رواه ابوداؤد و ابن ماجة و الدارمی)

ترجمہ: حضرت عطیہ قرظی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں قریظہ کے قیدیوں میں سے تھا ہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو لایا گیا وہ دیکھتے تھے جس کے زیر ناف بال جمے ہوتے اس کو قتل کر دیتے اور جس کے نہ جمے ہوتے قتل نہ کرتے۔ انہوں نے میری زیر ناف کو کھول کر دیکھا کہ میرے زیر ناف بال نہیں اگے مجھ کو انہوں نے قیدی بنا لیا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے۔

تشریح: علامہ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زیر ناف حصے پر بالوں کے اگ آنے کو بلوغ کی علامت قرار دینا ضروری مصلحت کی بناء پر تھا کیونکہ اگر ان قیدیوں سے بلوغ کی واقعی علامت یعنی احتلام اور عمر بلوغ کو پوچھا جاتا تو وہ اپنی ہلاکت کے خوف سے یقیناً صحیح بات نہ بتاتے۔

کفار مکہ کے مسلمان ہو جانیوالے غلاموں کو واپس کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار

(۱۶) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ خَرَجَ عُبْدَانٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ قَبْلَ الصُّلْحِ فَكَتَبَ اِلَيْهِ مَوَالِيْهِمْ قَالُوْا يَا مُحَمَّدُ وَاللّٰهِ مَا خَرَجُوْا اِلَيْكَ رَغْبَةً فِي دِيْنِكَ وَ اِنَّمَا خَرَجُوْا هَرَبًا مِّنَ الرِّقِّ فَقَالَ نَاسٌ صَدَقُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رُدَّهُمْ اِلَيْهِمْ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ قَالَ مَا اَرَاكُمْ تَنْتَهُوْنَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ

حَتّٰی یَبْعَثَ اللّٰهُ عَلَیْکُمْ مَنْ یَضْرِبُ رِقَابَکُمْ عَلٰی هٰذَا وَاَبٰی اَنْ یَرُدَّهُمْ وَقَالَ هُمْ عُتَقَاءُ اللّٰهِ۔ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حدیبیہ کے دن بہت سے غلام صلح سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نکلے۔ ان کے مالکوں نے آپ کی طرف لکھا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ غلام تیرے دین میں رغبت رکھتے ہوئے تیری طرف نہیں نکلے بلکہ یہ تو غلامی سے بھاگے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے کہا اے اللہ کے رسول یہ بات سچ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان غلاموں کو ان کی طرف لوٹا دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے اور فرمایا میں تم کو نہیں دیکھتا کہ تم باز رہو گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے شخص کو تم پر بھیجے جو اس حکم کے قبول کرنے پر تمہاری گردنوں کو مارے اور ان کی طرف لوٹاتے سے انکار کر دیا اور فرمایا یہ اللہ کے آزاد کیے ہوئے ہیں۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے غضبناک ہوئے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان غلاموں کے حق میں اپنی ذاتی رائے کو شرعی حکم کے مقابل کیا اور گویا ان کے مالکوں کے دعوے کی گواہی دی چنانچہ ان غلاموں کے حق میں شرعی حکم یہ تھا کہ وہ چونکہ دارالحرب سے نکل آنے کے سبب محض اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے معصوم اور آزاد ہو گئے تھے ان کو ان کے پاس دارالحرب واپس کر دینا جائز نہیں تھا لہٰذا صحابہ رضی اللہ عنہم کا ان کی واپسی کے مطالبہ کی تائید کرنا جبر و زیادتی پر ان کے مالکوں کی مدد کرنے کے مترادف تھا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ... حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی طرف سے عدم احتیاط کا ایک واقعہ

(۱۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِیْدِ اِلٰی بَنِیْ جَذِیْمَةَ فَدَعَاهُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ فَلَمْ یُحْسِنُوْا اَنْ یَقُوْلُوْا اَسْلَمْنَا فَجَعَلُوْا یَقُوْلُوْنَ صَبَأْنَا صَبَأْنَا فَجَعَلَ خَالِدٌ یَقْتُلُ وَیَأْسِرُ وَدَفَعَ اِلٰی کُلِّ رَجُلٍ مِنَّا اَسِیْرَهٗ حَتّٰی اِذَا کَانَ یَوْمٌ اَمَرَ خَالِدٌ اَنْ یَقْتُلَ کُلُّ رَجُلٍ مِنَّا اَسِیْرَهٗ فَقُلْتُ وَاللّٰهِ لَا اَقْتُلُ اَسِیْرِیْ وَلَا یَقْتُلُ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِیْ اَسِیْرَهٗ حَتّٰی قَدِمْنَا عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذَکَرْنَاهُ فَرَفَعَ یَدَیْهِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَبْرَأُ اِلَیْکَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ مَرَّتَیْنِ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا۔ اس نے ان کو اسلام کی دعوت دی وہ اچھی طرح نہ کہہ سکے کہ ہم اسلام لائے انہوں نے صبانا صبانا کہنا شروع کر دیا۔ خالد رضی اللہ عنہ ان کو قتل کرنے لگے اور قید کرنے لگے اور ہم میں سے ہر ایک شخص کو ایک ایک قیدی دے دیا ایک دن خالد رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ ہر آدمی اپنے قیدی کو قتل کر دے۔ میں نے کہا اللہ کی قسم نہ میں اپنے قیدی کو قتل کروں گا اور نہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی اپنے قیدی کو قتل کرے گا یہاں تک کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں اور ان سے اس بات کا ذکر کریں ہم نے آپ سے اس بات کا ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دو مرتبہ کہا اے اللہ خالد نے جو کچھ کیا ہے میں اس سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

تشریح: خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ رب العزت میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے عمل سے اس لیے اظہار بیزاری فرمایا کہ خالد رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر احتیاط کی راہ اختیار نہیں کی اور اس بات میں غور و تامل نہیں کیا کہ وہ لوگ ''صبانا'' سے کیا مراد رکھتے تھے کیونکہ یہ لفظ ''صبانا'' دین اسلام اختیار کر لینے کے مفہوم کا بھی احتمال رکھتا تھا لیکن خالد رضی اللہ عنہ نے محض یہ دیکھ کر کہ ان لوگوں نے قبولیت اسلام کے مفہوم کو واضح طور پر ظاہر کرنے والے الفاظ ''اسلمنا'' استعمال کرنے سے روگردانی کی ہے اس لیے انہوں نے ان لوگوں کی بات کو تسلیم نہیں کیا اور ان کے کہے ہوئے مذکورہ الفاظ کو ان کے بددین ہو جانے پر محمول کر کے ان کو قتل کرنا اور قیدی بنانا شروع کر دیا۔

بَابُ الْاَمَانِ... امان دینے کا بیان

قال اللہ تعالیٰ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ اسْتَجَارَکَ فَاَجِرْهُ حَتّٰی یَسْمَعَ کَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ

امان اور امن خوف کا ضد ہے کسی کو جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ دینا امن کہلاتا ہے۔ امان کی مشہور تین صورتیں ہیں۔ (۱) کوئی کافر حربی دار

اسلام میں آکر امن طلب کرے اور مسلمانوں میں رہے یہ مستامن کہلاتا ہے ان کی جان و مال دونوں کی حفاظت ضروری ہے اور یہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔(۲) امان کی دوسری صورت یہ ہے کہ معاہد و حلیف یعنی جن لوگوں یا ملکوں کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا خصوصی حکم دیا گیا ہو اور خلیفۂ وقت نے ان سے عدم قتال پر معاہدہ کیا ہو تمام مسلمانوں پر اس کی پاسداری لازم ہے یاد رہے کفار کے ساتھ دس سال سے زیادہ جنگ بندی کا معاہدہ جائز نہیں ہے۔(۳) جو شخص کسی قوم و ملک یا کسی قبیلہ کی طرف سے قاصد بن کر آیا ہو ان کی حفاظت لازم ہے لفظ امان ان تینوں صورتوں کو شامل ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ... ام ہانی رضی اللہ عنہا کی طرف سے اپنے ایک عزیز کو امان دینے کا واقعہ

(۱) عَنْ اُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَتْ ذَهَبْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ فَوَجَدْتُهٗ یَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ ابْنَتُهٗ تَسْتُرُهٗ بِثَوْبٍ فَسَلَّمْتُ فَقَالَ مَنْ هٰذِهٖ فَقُلْتُ اَنَا اُمُّ هَانِئٍ بِنْتُ اَبِیْ طَالِبٍ فَقَالَ مَرْحَبًا بِاُمِّ هَانِئٍ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهٖ قَامَ فَصَلّٰی ثَمَانِیَ رَكَعَاتٍ مُلْتَحِفًا فِیْ ثَوْبٍ ثُمَّ انْصَرَفَ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ زَعَمَ ابْنُ اُمِّیْ عَلِیٌّ اَنَّهٗ قَاتِلٌ رَجُلًا اَجَرْتُهٗ فُلَانَ بْنَ هُبَیْرَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَجَرْنَا مَنْ اَجَرْتِ یَا اُمَّ هَانِئٍ قَالَتْ اُمُّ هَانِئٍ وَذٰلِكَ ضُحًی. مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِلتِّرْمِذِیِّ قَالَتْ اَجَرْتُ رَجُلَیْنِ مِنْ اَحْمَائِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَمَّنَّا مَنْ اَمَّنْتِ

ترجمہ: حضرت ام ہانی بنت ابی طالب سے روایت ہے کہا میں فتح مکہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا کہ آپ غسل کر رہے ہیں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کپڑے کا پردہ کیے ہوئے ہے میں نے سلام کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے میں نے کہا میں ام ہانی بنت ابی طالب ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ام ہانی کو خوش آمدید ہو۔ جب آپ غسل سے فارغ ہوئے کھڑے ہوئے اور ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعت پڑھیں پھر آپ فارغ ہوئے میں نے کہا اے اللہ کے رسول میری ماں کا بیٹا علی ایک آدمی کو قتل کرنا چاہتا ہے میں نے اس کو پناہ دے دی ہے۔ وہ فلاں ہبیرہ کا بیٹا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ام ہانی جس کو تو نے پناہ دے دی ہے ہم نے بھی اس کو پناہ دی ام ہانی کہتی ہیں اس وقت چاشت کا وقت تھا (متفق علیہ) ترمذی کی ایک روایت میں ہے ام ہانی نے کہا میں نے اپنے خاوند کے رشتہ داروں میں سے دو شخصوں کو پناہ دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو تو نے امان دی ہم نے بھی امان دی۔

تشریح: "یغتسل" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر وادی محصب کے پاس ایک جگہ پر اپنے رہنے کیلئے ایک خیمہ نصب کرایا تھا اور وہیں پر اپنا جھنڈا گاڑا تھا اس جگہ میں آج کل ایک مسجد موجود ہے جس کا نام "مسجد رایہ" ہے جو چھپرہ بازار کے آخر میں واقع ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ میں غسل فرمارہے تھے کہ ام ھانی وہاں آئی ام ھانی کا اصل نام فاختہ یا عاتکہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چچا زاد بہن ابوطالب کی بیٹی تھی ان کے شوہر کا نام ہبیرہ تھا فتح مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امن کا عام اعلان کیا تھا مگر یہ شرط رکھی تھی کہ جو اسلحہ ڈال دے یا گھر کا دروازہ بند کر دے یا حرم میں یا مسجد حرام میں داخل ہو جائے یا ابوسفیان کے گھر میں آجائے وہ امن میں ہے۔ حضرت علی جب اپنی بہن ام ھانی کے گھر میں داخل ہوئے تو وہاں ایک آدمی ملا حضرت علی نے خیال کیا کہ اس شخص کو امن حاصل نہیں لہذا ان کو قتل کرنا چاہیے حضرت ام ہانی آڑے آئی مگر حضرت علی سخت غصہ میں تھے ام ھانی دوڑ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی اور امن حاصل کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امن دیدیا ام ھانی نے حضرت علی کو ابن امی بطور شفقت کہا ہے کیونکہ ماں کا نام زیادہ ہوتا ہے فلان بن ھبیرہ سے یہی شخص مراد ہے جو ھبیرہ کا بیٹا تھا تفصیلی روایت میں ہے کہ یہ دو شخص تھے جو ھبیرہ کے رشتہ دار تھے شاید ایک بیٹا ہو دوسرا کوئی اور ہو۔

الفصل الثانی... عورت کے عہد امان کی پاسداری سارے مسلمانوں پر لازم ہے

(۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمَرْاَةَ لَتَاْخُذُ لِلْقَوْمِ یَعْنِیْ تُجِیْرُ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت قوم کے لیے لیتی ہے یعنی مسلمانوں کو پناہ دے سکتی ہے۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان عورت' کسی کافر کو یا کافروں کی کسی جماعت کو امان و پناہ دے دے تو یہ سارے مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ اس عورت کے عہد امان کو ملحوظ رکھ کر اس کافر کو یا کافروں کی اس جماعت کو امان و پناہ دیں اور اس عہد امان کو توڑیں نہیں۔

اپنے عہد امان کو توڑنے والے کے بارے میں وعید

(۳) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَمِقِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اٰمَنَ رَجُلاً عَلٰى نَفْسِهٖ فَقَتَلَهٗ اُعْطِىَ لِوَاءَ الْغَدْرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (رواہ فی شرح السنة)

ترجمہ: حضرت عمرو بن حمق سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے جس شخص نے کسی آدمی کو اپنے نفس سے امان دی پھر اس کو قتل کر دیا قیامت کے دن بدعہدی کا نشان دیا جائے گا۔ (روایت کیا اس کو شرح السنۃ میں)

تشریح: "اس کو بدعہدی کا نشان دیا جائے گا" اس جملہ کے ذریعہ کنایۃ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس شخص کو میدان حشر میں تمام مخلوق کے سامنے ذلیل و رسوا کیا جائے گا۔ دوسری حدیثوں میں یہ بیان کیا گیا ہے قیامت کے دن عہد شکن کو ایک ایسا نشان دیا جائے گا جس کے ذریعہ اس کو پہچانا جائے گا کہ یہی وہ شخص ہے جس نے عہد شکنی کا ارتکاب کیا تھا۔

معاہدہ کی پوری طرح پابندی کرنی چاہیے

(۴) وَعَنْ سُلَيْمِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ كَانَ بَيْنَ مُعَاوِيَةَ وَ بَيْنَ الرُّوْمِ عَهْدٌ وَكَانَ يَسِيْرُ نَحْوَ بِلَادِهِمْ حَتّٰى اِذَا انْقَضَى الْعَهْدُ اَغَارَ عَلَيْهِمْ فَجَاءَ رَجُلٌ عَلٰى فَرَسٍ اَوْبِرْذَوْنٍ وَهُوَ يَقُوْلُ اللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَفَاءٌ لَاغَدْرٌ فَنَظَرُوْا فَاِذَا هُوَ عَمْرُو بْنُ عَبَسَةَ فَسَأَلَهٗ مُعَاوِيَةُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ كَانَ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ قَوْمٍ عَهْدٌ فَلَا يَحُلَّنَّ عَهْدًا وَلَا يَشُدَّنَّهٗ حَتّٰى يَمْضِىَ اَمَدُهٗ اَوْيَنْبِذَ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ قَالَ فَرَجَعَ مُعَاوِيَةُ بِالنَّاسِ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت سلیم بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا معاویہ اور روم والوں کے درمیان جنگ نہ کرنے کا عہد تھا۔ معاویہ ان کے شہروں کی طرف جاتے تا کہ جونہی عہد کی مدت ختم ہوان پر حملہ کر دیں۔ ایک آدمی عربی گھوڑے یا ترکی گھوڑے پر سوار آیا اور کہنے لگا اللہ اکبر اللہ اکبر ایفاء عہد چاہیے بدعہدی نہیں کرنا چاہیے لوگوں نے دیکھا وہ عمرو بن عبسہ تھا معاویہ نے اس سے کہا کیا بات ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص کا کسی قوم کے ساتھ عہد و پیمان ہو وہ عہد نہ توڑے اور نہ اس کو باندھے یہاں تک کہ عہد کی مدت گذر جائے یا برابری پر ان کی طرف عہد کو پھینک دے۔ راوی نے کہا معاویہ لوگوں کو لے کر واپس آ گئے۔ (روایت کیا اس کو ترمذی اور ابوداؤد نے)

تشریح: "اور نہ باندھے" کا مطلب یہ ہے کہ اپنے کسی بھی فعل سے معاہدہ کے مقصد و منشاء میں کوئی تغیر و تبدیلی نہ کرے گویا اس جملہ کی مراد ایفاء عہد میں کسی طرح کا تغیر نہ کرنا ہے ورنہ شد نہ کہ جس کے معنی اپنے عہد کو باندھنا اور مستحکم کرنا ہے شریعت کی نظر میں مستحسن و مطلوب ہے۔

ایفاء عہد اور احترام قاصد کی اہمیت

(۵) وَعَنْ اَبِىْ رَافِعٍ قَالَ بَعَثَنِىْ قُرَيْشٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُلْقِىَ فِىْ قَلْبِىَ الْاِسْلَامُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ وَاللّٰهِ لَا اَرْجِعُ اِلَيْهِمْ اَبَدًا قَالَ اِنِّىْ لَا اَخِيْسُ

بِالْعَهْدِ وَلَا اَحْبِسُ الْبُرُدَ وَلٰكِنِ ارْجِعْ فَاِنْ كَانَ فِيْ نَفْسِكَ الَّذِيْ فِيْ نَفْسِكَ الْاٰنَ فَارْجِعْ قَالَ فَذَهَبْتُ ثُمَّ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْلَمْتُ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا قریش نے مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا میرے دل میں اسلام ڈالا گیا۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول اللہ کی قسم میں ان کی طرف نہیں جاؤں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں عہد نہیں توڑتا اور قاصدوں کو نہیں روکتا لیکن تو واپس جا اگر تیرے دل میں وہ چیز رہی جو اس وقت ہے پھر آ جانا میں گیا پھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر مسلمان ہو گیا۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: چونکہ ابورافع رضی اللہ عنہ کفار مکہ کی طرف سے کوئی پیغام لے کر آئے تھے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے پاس نہیں روکا، تا کہ وہ واپس جا کر کفار قریش کو ان کے پیغام کا جواب دے دیں' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جو حکم دیا اس کا مطلب یہی تھا کہ اسلام نے تمہارے دل میں گھر لیا ہے' اور اب مسلمان ہونے سے تمہیں کوئی چیز نہیں روک سکتی' لیکن احتیاط اور ایفاءِ عہد کا تقاضا یہ ہے کہ تم ابھی اپنے اسلام کا اظہار و اعلان نہ کرو بلکہ پہلے تم مکہ واپس جاؤ اور کفار قریش نے جو ذمہ داری تمہارے سپرد کی تھی اس کو پورا کر آؤ' یعنی انہوں نے تمہیں جس بات کا جواب لانے کے لیے یہاں بھیجا تھا ان کو وہ جواب پہنچاؤ اور پھر اس کے بعد وہاں سے ہمارے پاس آ کر اپنے اسلام کا اظہار و اعلان کرنا۔

(۶) وَعَنْ نُعَيْمِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلَيْنِ جَاءَ مِنْ عِنْدِ مُسَيْلِمَةَ اَمَا وَاللّٰهِ لَوْ لَا اَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ اَعْنَاقَكُمَا. (رواہ احمد و ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت نعیم بن مسعود سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو آدمیوں سے فرمایا جو مسیلمہ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے۔ خبردار اللہ کی قسم اگر شریعت میں یہ حکم نہ ہوتا کہ ایلچی قتل نہ کیے جائیں۔ میں تمہاری گردنیں اڑا دیتا۔ (روایت کیا اس کو احمد اور ابوداؤد نے)

تشریح: مسیلمہ ایک شخص کا نام ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اپنی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اسی لیے اس کو مسیلمہ کذاب کہا جاتا ہے۔ وہ دو شخص جو مسیلمہ کذاب کے پاس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تھے ان میں سے ایک کا نام عبداللہ ابن نواحہ تھا اور دوسرے کا نام ابن اثال تھا ان دونوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ کہا تھا کہ نشهد ان مسيلمة رسول الله ہم گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے' اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ ہو کر مذکورہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

زمانہ جاہلیت کے ان معاہدوں کو پورا کرنے کا حکم جو اسلام کے منافی نہ ہوں

(۷) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ خُطْبَتِهٖ اَوْفُوْا بِحِلْفِ الْجَاهِلِيَّةِ فَاِنَّهٗ لَا يَزِيْدُهٗ يَعْنِي الْاِسْلَامَ اِلَّا شِدَّةً وَلَا تُحْدِثُوْا حِلْفًا فِي الْاِسْلَامِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مِنْ طَرِيْقِ حُسَيْنِ بْنِ ذَكْوَانَ عَنْ عَمْرٍو وَقَالَ حَسَنٌ

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں فرمایا جاہلیت کی حلف کو پورا کرو اسلام اس کو نہیں زیادہ کرتا مگر شدت میں ہی لیکن اسلام میں کسی سے نئی حلف نہ کرو۔ ترمذی نے حسین بن ذکوان عن عمر کی سند سے روایت کیا اور کہا یہ حسن ہے۔ علی کی حدیث جس کے الفاظ ہیں المسلمون تتكافأ کتاب القصاص میں گذر چکی ہے۔

تشریح: "اوفوا" یعنی جاہلیت کے زمانہ میں جو معاہدہ ہو گیا ہے اس کی پاسداری کرو اسلام اس کو توڑتا نہیں بلکہ مزید مستحکم کرتا ہے لیکن اس میں ان تمام قواعد کو دیکھا جائے گا جو اسلام کے قواعد کے مطابق ہوں اسلام کے مخالف قواعد کو برقرار نہیں رکھا جائے گا۔ "ولا تحدثوا" یعنی میراث کے احکامات کے نفاذ کے بعد کسی جدید معاہدہ کی ضرورت نہیں کہ کوئی کسی کو اپنا وارث بنانے کا معاہدہ کرے کیونکہ جو حقوق اسلام نے دیئے ہیں میراث نے اس کو متعین کر دیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ... قاصد اور ایلچیوں کو قتل نہیں کیا جاسکتا

(۸) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ ابْنُ النَّوَاحَةِ وَ ابْنُ اُثَالٍ رَسُوْلاً مُسَيْلَمَةَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُمَا اَتَشْهَدَانِ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَا نَشْهَدُ اَنَّ مُسَيْلَمَةَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لَوْ كُنْتُ قَاتِلاً رَسُوْلاً لَقَتَلْتُكُمَا قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَمَضَتِ السُّنَّةُ اَنَّ الرَّسُوْلَ لَا يُقْتَلُ. (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہا ابن نواحہ اور ابن اثال مسیلمہ کی طرف سے ایلچی بن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا تم دونوں اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا۔ اگر میں کسی ایلچی کو قتل کرنے والا ہوتا تم دونوں کو قتل کر دیتا۔ عبداللہ نے کہا یہ سنت جاری ہوئی کہ ایلچی قتل نہیں کیے جاتے۔ (روایت کیا اس کو احمد نے)

تشریح: ان ایلچیوں نے جو جواب دیا اس کے ذریعہ انہوں نے گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار اور مسیلمہ کذاب کے خود ساختہ رسالت کا اقرار کیا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ "میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا تو اس کے ذریعہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جذبہ طلب حق، صفت حلم و بردباری اور ان کے عذاب خداوندی میں جلد ہی مبتلا ہونے کا اظہار کیا نیز ان الفاظ کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نبی (مسیلمہ کذاب) کی نبوت کے انکار اور اس کے دعوے کے جھوٹا ہونے کی طرف اشارہ فرمایا۔

بَابُ قِسْمَةِ الْغَنَائِمِ وَالْغُلُوْلِ فِيْهَا

مال غنیمت کی تقسیم اور اس میں خیانت کرنے کا بیان

قال اللّٰه تعالىٰ وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى الخ

غنائم غنیمۃ کی جمع ہے میدان جہاد میں کفار سے جنگ کے ذریعہ جو مال حاصل ہوتا ہے وہ مال غنیمت کہلاتا ہے اگر کوئی مال جنگ کے بغیر حاصل ہو جائے وہ مال فئی کہلاتا ہے جس کا ذکر الگ باب میں آنے والا ہے مال غنیمت کو انفال ونفل بھی کہتے ہیں نفل زائد کے معنی میں ہے چونکہ جہاد کا اصل مقصود اعلاء کلمۃ اللہ ہوتا ہے اور مال اس مقصود سے زائد ہوتا ہے اس لئے اس کو نفل اور زائد کہتے ہیں۔

"واعلموا انما غنمتم" کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کی تقسیم اس طرح فرمائی کہ چار حصے مجاہدین کیلئے ہیں پانچواں حصہ بیت المال کا ہے غنائم کی مباحث میں چند اصطلاحی الفاظ آئے ہیں اس کا سمجھنا بھی ضروری ہے۔

الغنيمة: جہاد فی سبیل اللہ میں بزور بازو کفار سے جو مال چھینا جاتا ہے اس کو غنیمت کہتے ہیں۔

الفئی: لڑائی کے بغیر صرف کفار پر چڑھائی کے ذریعہ سے مال حاصل ہو جائے وہ مال فئی ہے۔

تنفیل: یہ نفل سے ہے جو زائد کے معنی میں ہے بادشاہ یا امیر الحرب کسی کارنامے پر مجاہد کیلئے انعام کا جو اعلان کرتا ہے وہ تنفیل ہے مثلاً بادشاہ کہتا ہے کہ اگر کسی نے فلاں قلعہ فتح کیا تو ان کو اس قلعہ کا دسواں حصہ مال دیا جائے گا یا کافر بادشاہ کی بیٹی اس کو ملے گی۔

السلب: سلب چھیننے کے معنی میں ہے بادشاہ یا امیر الحرب جب اعلان کرے کہ جس شخص نے جس کافر کو قتل کیا تو اس کو اس مقتول کے بدن کا سامان ملے گا۔ مثلاً گھڑی کپڑے جوتے جیب کا سامان اسلحہ اور سواری وغیرہ سب سلب میں داخل ہیں۔

الرضخ: رضخ عطیہ کے معنی میں ہے جن لوگوں کو مال غنیمت میں حصہ نہیں دیا جاتا وہ اگر جہاد میں حاضر ہو گئے تو غنیمت کے حصہ کی جگہ ان کو

کچھ عطیہ دیا جاتا ہے اسی کو رضخ کہتے ہیں۔ خمس ہٹانے کے بعد بقیہ مال میں سے یہ عطیہ غلاموں بچوں اور عورتوں کو دیا جاتا ہے۔

الصفی: صفی چننے اور انتخاب کے معنی میں ہے تقسیم غنیمت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی تلوار یا زرہ یا لونڈی کا انتخاب کر کے لیتے تھے اس کا نام صفی تھا چنانچہ کہتے ہیں ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا من الصفیۃ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ حصہ منسوخ ہو گیا ہے اب کسی بادشاہ کا مال غنیمت سے صفی اٹھانا جائز نہیں ہے۔ غلول: مال غنیمت میں خیانت کو غلول کہتے ہیں جو بہت بڑا گناہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ.... غنیمت کا مال مسلمانوں کے لئے حلال کیا گیا ہے

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَلَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِاَحَدٍ مِنْ قَبْلِنَا ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ رَاٰی ضَعْفَنَا وَعِجْزَنَا فَطَیَّبَهَا لَنَا. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا ہم سے پہلے کسی کے لیے غنیمت حلال نہ تھی اور اس لیے ہم پر حلال ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا ضعیف ہونا اور عاجز ہونا دیکھا اس کو ہمارے لیے حلال کر دیا۔ (متفق علیہ)

تشریح: طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "فلم تحل" میں حرف فا (پس) عاطفہ ہے جس کے ذریعہ ارشاد گرامی کے ان جملوں پر عطف کیا گیا ہے جو اس سے پہلے فرمائے گئے تھے حاصل یہ ہے کہ یہاں جو حدیث نقل کی گئی ہے وہ دراصل اس ارشاد گرامی کا تتمہ ہے جو یہاں نقل نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس باب کی تیسری فصل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں منقول ہے۔

مقتول سے چھینا ہوا مال قاتل کا ہے

(۲) وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَامَ حُنَیْنٍ فَلَمَّا الْتَقَیْنَا کَانَتْ لِلْمُسْلِمِیْنَ جَوْلَةٌ فَرَاَیْتُ رَجُلًا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ قَدْ عَلَا رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ فَضَرَبْتُهُ مِنْ وَرَائِهِ عَلٰی حَبْلِ عَاتِقِهِ بِالسَّیْفِ فَقَطَعْتُ الدِّرْعَ وَاَقْبَلَ عَلَیَّ فَضَمَّنِیْ ضَمَّةً وَجَدْتُ مِنْهَا رِیْحَ الْمَوْتِ ثُمَّ اَدْرَکَهُ الْمَوْتُ فَاَرْسَلَنِیْ فَلَحِقْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقُلْتُ مَا بَالُ النَّاسِ قَالَ اَمْرُ اللّٰهِ ثُمَّ رَجَعُوْا وَجَلَسَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ قَتَلَ قَتِیْلًا لَهُ عَلَیْهِ بَیِّنَةٌ فَلَهُ سَلَبُهُ فَقُلْتُ مَنْ یَشْهَدُ لِیْ ثُمَّ جَلَسْتُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ فَقُمْتُ مَنْ یَشْهَدُ لِیْ ثُمَّ جَلَسْتُ ثُمَّ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ فَقُلْتُ فَقَالَ مَالَکَ یَا اَبَا قَتَادَةَ فَاَخْبَرْتُهُ فَقَالَ رَجُلٌ صَدَقَ وَسَلَبُهُ عِنْدِیْ فَاَرْضِهِ مِنِّیْ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ لَاهَا اللّٰهِ اِذًا لَا یَعْمِدُ اِلٰی اَسَدٍ مِنْ اُسْدِ اللّٰهِ یُقَاتِلُ عَنِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ فَیُعْطِیَکَ سَلَبَهُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ فَاَعْطِهِ فَاَعْطَانِیْهِ فَابْتَعْتُ بِهِ مَخْرَفًا فِیْ بَنِیْ سَلِمَةَ فَاِنَّهُ لَاَوَّلُ مَالٍ تَاَثَّلْتُهُ فِی الْاِسْلَامِ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین کے سال نکلے جب ہم کفار سے ملے۔ مسلمانوں کو شکست ہو گئی میں نے ایک مشرک شخص دیکھا کہ وہ ایک مسلمان شخص پر چڑھا ہوا ہے میں نے پیچھے سے اس کی رگ گردن پر تلوار ماری میں نے زرہ کاٹ دی۔ وہ میری طرف متوجہ ہوا مجھ کو اس قدر بھینچا کہ میں نے اس سے موت کی بو پائی پھر اس کو موت نے آلیا اس نے مجھ کو چھوڑ دیا میں عمر بن خطاب سے ملا میں نے کہا لوگوں کا کیا حال ہے وہ کہنے لگے اللہ کا حکم ہے پھر مسلمان واپس لوٹے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے فرمایا جس شخص نے کسی کو قتل کیا ہو اس کے پاس اس بات کی دلیل ہے اس کا سامان اس کے لیے ہے۔ میں نے کہا میری گواہی کون دیتا ہے یہ کہہ کر میں بیٹھ گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی بات کہی میں کھڑا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی بات کہی میں کھڑا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو قتادہ تجھے کیا ہے میں نے پورا واقعہ بیان کر دیا ایک آدمی کہنے لگا یہ

سچا ہے اور اس کا سامان میرے پاس ہے ابو قتادہ کو میری طرف سے راضی کردو ابو بکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے نہیں اللہ کی قسم یوں نہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کی طرف قصد کریں جس نے اللہ اور اس کی رسول کی خاطر جنگ کی ہے اور آپ اس کا اسباب تجھ کو دیدیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو بکر نے سچ کہا۔ اس نے اس مشرک کا سامان مجھ کو دے دیا میں نے وہ بیچ کر بنو سلمہ میں ایک باغ خرید لیا وہ پہلا مال تھا جس کو میں نے اسلام لانے کے بعد جمع کیا۔ (متفق علیہ)

تشریح: اس غزوہ (جنگ) میں مسلمانوں کو کچھ دیر کے لیے شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا کیونکہ اسلامی لشکر کے کچھ لوگوں نے ایک موقع پر پسپائی اختیار کی جس سے دشمن کے لشکر کو بظاہر حاوی ہونے کا موقع مل گیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میدان جنگ میں اپنی جگہ پر قائم رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک خچر پر سوار تھے جس کی باگ حضرت عباسؓ ابن عبدالمطلب اور حضرت ابو سفیانؓ بن الحارث نے تھام رکھی تھی۔ اس عارضی پسپائی کے موقع پر جب کہ اسلامی لشکر میں تقریباً افراتفری کا عالم تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف بڑی بہادری کے ساتھ دشمن کے مقابلے پر ڈٹے رہے بلکہ آگے بڑھ بڑھ کر دشمن کے لشکر پر تن تنہا حملہ کرنے کا ارادہ کرتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے۔

انا النبی لا کذب، انا ابن عبدالمطلب ”یعنی میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں اور جھوٹ نہیں کہتا سچا نبی ہوں۔“

لیکن یہ دونوں حضرات جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کے باگ تھام رکھی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روک دیتے تھے آخر کار حق تعالیٰ نے اسلامی لشکر کو ثابت قدمی بخشی اور اس نے دوبارہ دشمن پر حملہ کر کے اس کے لشکر کو تہس نہس کر دیا اور آخری فتح حاصل کی۔

مال غنیمت کی تقسیم

(۳) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْهَمَ لِلرَّجُلِ وَلِفَرَسِهٖ ثَلَاثَةَ اَسْهُمٍ سَهْمًا لَهٗ وَسَهْمَيْنِ لِفَرَسِهٖ (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے غازی آدمی اور اس کے گھوڑے کو تین حصے دیئے ایک حصہ اس کو اور دو اس کے گھوڑے کو۔ (متفق علیہ)

تشریح: اکثر علماء کا مسلک اسی حدیث کے مطابق ہے جب کہ بعض علماء کے نزدیک مال غنیمت میں سوار مجاہد کے دو حصے ہیں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار مجاہد کو دو حصے دیئے جیسا کہ اسی باب کی دوسری فصل میں منقول روایت سے واضح ہوگا نیز حضرت علی اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے بلکہ ہدایہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ جب اس بارے میں خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی دو روایتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ اس روایت کو ترجیح دی جائے گی جو ان کے علاوہ دوسرے نے نقل کی ہے۔

مال غنیمت میں غلام اور عورتوں کا کوئی حصہ مقرر نہیں

(۴) وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ هُرْمُزَ قَالَ كَتَبَ نَجْدَةُ الْحَرُوْرِيُّ اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ يَسْاَلُهٗ عَنِ الْعَبْدِ وَالْمَرْاَةِ يَحْضُرَانِ الْمَغْنَمَ هَلْ يُقْسَمُ لَهُمَا فَقَالَ لِيَزِيْدَ اُكْتُبْ اِلَيْهِ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهُمَا سَهْمٌ اِلَّا اَنْ يُّحْذَيَا. وَفِيْ رِوَايَةٍ كَتَبَ اِلَيْهِ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّكَ كَتَبْتَ تَسْاَلُنِيْ هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُوْا بِالنِّسَاءِ وَهَلْ كَانَ يَضْرِبُ لَهُنَّ بِسَهْمٍ فَقَدْ كَانَ يَغْزُوْا بِهِنَّ يُدَاوِيْنَ الْمَرْضٰى وَيُحْذَيْنَ مِنَ الْغَنِيْمَةِ وَاَمَّا السَّهْمُ فَلَمْ يَضْرِبْ لَهُنَّ بِسَهْمٍ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت یزید بن ہرمز رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نجدہ حروری نے ابن عباس کی طرف لکھا کہ غلام اور عورت اگر مال غنیمت کے وقت حاضر ہوں کیا ان کو کچھ دیا جائے ابن عباس نے یزید سے کہا اس کی طرف لکھو کہ غلام اور لونڈی کا مال غنیمت میں کوئی

حصہ مقرر نہیں۔ ان کو کچھ دے دیا جائے اور ایک روایت میں ہے کہ ابن عباس نے اس کی طرف لکھا کہ تم نے خط لکھا ہے اور پوچھا ہے کیا عورتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ میں جاتی تھیں اور کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مال غنیمت سے حصہ دیتے تھے پس وہ جنگ میں جاتیں بیماروں کا علاج کرتیں ان کو مال غنیمت سے کچھ دیا جاتا لیکن ان کا حصہ مقرر نہ کیا جاتا تھا۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: "نجدہ" اس شخص کا نام ہے جو خوارج یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مخالفین کا سردار تھا' اور حروری دراصل حروراء کی طرف منسوب ہے جو کوفہ کے نواح میں ایک آبادی کا نام تھا کہا جاتا ہے کہ خوارج کے سب سے پہلا اجتماع اسی آبادی میں ہوا تھا۔

اکثر علماء کا یہی مسلک ہے کہ غلام بچوں اور عورتوں کو مال غنیمت میں سے یوں ہی کچھ دے دیا جائے۔ یعنی حصہ سے کم دیا جائے پورا حصہ نہ دیا جائے' حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ اور ہدایہ میں لکھا ہے کہ غلام کو مال غنیمت میں سے کچھ اس صورت میں دیا جائے جب کہ وہ جنگ میں شریک رہ کر دشمن سے لڑا ہو اسی طرح عورت کو بھی اس صورت میں دیا جائے جب کہ وہ بیمار اور زخمی مجاہدین کی تیمارداری اور ان کی روا داری کرے۔

مخصوص طور پر بعض مجاہدوں کو ان کے حصے سے زائد دیا جاسکتا ہے

(۵) وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِظَهْرِهٖ مَعَ رَبَاحٍ غُلَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا مَعَهٗ فَلَمَّا اَصْبَحْنَا اِذَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ الْفَزَارِيُّ قَدْ اَغَارَ عَلٰى ظَهْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُمْتُ عَلٰى اَكَمَةٍ فَاسْتَقْبَلْتُ الْمَدِيْنَةَ فَنَادَيْتُ ثَلَاثًا يَاصَبَاحَاهُ ثُمَّ خَرَجْتُ فِيْ آثَارِ الْقَوْمِ اَرْمِيْهِمْ بِالنَّبْلِ وَاَرْتَجِزُ اَقُوْلُ اَنَا ابْنُ الْاَكْوَعِ وَالْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضَّعِ. فَمَازِلْتُ اَرْمِيْهِمْ وَاَعْقِرُبِهِمْ حَتّٰى مَاخَلَقَ اللّٰهُ مِنْ بَعِيْرٍ مِنْ ظَهْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا خَلَّفْتُهٗ وَرَاءَ ظَهْرِيْ ثُمَّ اتَّبَعْتُهُمْ اَرْمِيْهِمْ حَتّٰى اَلْقَوْا اَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثِيْنَ بُرْدَةً وَثَلَاثِيْنَ رُمْحًا يَسْتَخِفُّوْنَ وَلَا يَطْرَحُوْنَ شَيْئًا اِلَّا جَعَلْتُ عَلَيْهِ آرَامًا مِنَ الْحِجَارَةِ يَعْرِفُهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ حَتّٰى رَاَيْتُ فَوَارِسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَحِقَ اَبُوْقَتَادَةَ فَارِسُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَقَتَلَهٗ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ فُرْسَانِنَا الْيَوْمَ اَبُوْقَتَادَةَ وَ خَيْرُ رَجَّالَتِنَا سَلَمَةُ قَالَ ثُمَّ اَعْطَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَهْمَيْنِ سَهْمَ الْفَارِسِ وَسَهْمَ الرَّاجِلِ فَجَمَعَهُمَا لِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ اَرْدَفَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَاءَهٗ عَلَى الْعَضْبَاءِ رَاجِعِيْنَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام رباح کے ساتھ سواری کے اونٹ بھیجے میں اس کے ساتھ تھا جب ہم نے صبح کی اچانک عبدالرحمٰن فزاری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں پر حملہ کر دیا۔ میں ایک ٹیلہ پر کھڑا ہوا مدینہ کی طرف منہ کیا اور تین مرتبہ کہا یا صباحاہ پھر میں لوگوں کے پیچھے نکل کھڑا ہوا میں ان کو تیر مارتا تھا اور یہ رجز پڑھتا تھا۔ میں ابن الاکوع ہوں۔ آج کا دن برے لوگوں کے لیے ہلاکت کا ہے میں ان کو تیر مارتا رہا اور ان کے اونٹوں کی کونچیں کاٹتا رہا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں میں سے جن کو اللہ نے پیدا کیا ہے میں نے اپنے پیچھے چھوڑ دیا۔ پھر میں ان کے پیچھے تیر مارتا تھا یہاں تک کہ انہوں نے تیس سے زیادہ چادریں اور تیس نیزے پھینک دیے۔ ہلکے ہوتے تھے۔ وہ کوئی چیز نہ پھینکتے تھے مگر میں اس پر پتھر کی نشانی رکھتا تھا تا کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم دیکھ لیں یہاں تک کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سواروں کو دیکھا۔ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوار ہیں عبدالرحمٰن کو آ ملا اس کو قتل کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا بہترین سوار آج ابو قتادہ ہے اور ہمارے پیادوں کا بہترین سلمہ بن اکوع ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو دو حصے دیے ایک سوار کا اور ایک پیادے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دونوں مجھ کو دیے۔ پھر رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے مدینہ واپس آتے ہوئے مجھ کو اپنی عضباء اونٹنی پر پیچھے بٹھایا۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: "وضع" دراصل راضع کی جمع ہے جیسے ارکع کی جمع رکع ہے، راضع پاجی اور کمینہ شخص کو کہتے ہیں آرام (پہلے الف کے مد کے ساتھ) ارم کی جمع ہے جیسے عنب کی جمع اعناب ہے، ارم اس پتھر کو کہتے ہیں جو جنگل و میدان میں راستہ یا کسی دفینہ کے نشان و علامت کے طور پر نصب کیا گیا ہو۔ اہل عرب کی یہ عادت تھی جب وہ راستہ میں کوئی چیز پاتے اور اس کو اپنے ساتھ نہ لے جا سکتے تو اس پر بطور نشان یا پتھر رکھ دیتے یا پتھروں کا ڈھیر کر کے اس کے نیچے اس کو چھپا دیتے اور پھر آ کر اسی نشان سے وہ چیز نکال کر لے جاتے۔

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ اگرچہ پیادہ تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پیادہ کا حصہ دینے کے ساتھ سوار کا حصہ بھی دیا کیونکہ یہ سارا معرکہ ایک طرح سے انہی کی جدوجہد سے سر ہوا گویا وہ اس غزوے کے ایک بڑے منتظم بھی تھے اس سے معلوم ہوا کہ امام وقت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ مال غنیمت میں سے کسی ایسے مجاہد کو اس کے حصے سے زیادہ دیدے۔ جس نے جہاد میں بہت زیادہ محنت و جدوجہد کی ہوتا کہ لوگ جہاد میں زیادہ سے زیادہ محنت و جدوجہد کرنے کی طرف راغب ہوں۔

(۶) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُنَفِّلُ بَعْضَ مَنْ يَبْعَثُ مِنَ السَّرَايَا لِاَنْفُسِهِمْ خَاصَّةً سِوٰى قِسْمَةِ عَامَّةِ الْجَيْشِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض جن کو لشکر میں بھیجتے تھے ان کو خاص طور پر سوائے عام تقسیم کے کچھ زائد حصہ دیا کرتے تھے۔ (متفق علیہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت کی تقسیم کے وقت بعض مجاہدوں کو ان کے مقررہ حصوں سے کچھ زیادہ دے دیا کرتے تھے تاکہ انہیں دشمنوں کے مقابلہ پر لڑنے کی ترغیب ہو۔

(۷) وَعَنْهُ قَالَ نَفَّلَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَلاً سِوٰى نَصِيْبِنَا مِنَ الْخُمُسِ فَاَصَابَنِيْ شَارِفٌ وَالشَّارِفُ الْمُسِنُّ الْكَبِيْرُ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خمس کے حصہ سے زائد دیا مجھ کو ایک اونٹنی شارف ملی۔ شارف بوڑھی اونٹنی کو کہتے ہیں۔ (متفق علیہ)

مسلمانوں کے ان جانوروں اور غلاموں کا حکم جو دشمنوں کے ہاتھ لگ جائیں اور پھر مال غنیمت میں واپس آئیں

(۸) وَعَنْهُ قَالَ ذَهَبَتْ فَرَسٌ لَهُ فَاَخَذَهُ الْعَدُوُّ فَظَهَرَ عَلَيْهِمُ الْمُسْلِمُوْنَ فَرُدَّ عَلَيْهِ فِيْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَبَقَ عَبْدٌ لَهُ فَلَحِقَ بِالرُّوْمِ فَظَهَرَ عَلَيْهِمُ الْمُسْلِمُوْنَ فَرَدَّ عَلَيْهِ خَالِدُ ابْنُ الْوَلِيْدِ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا اس کا ایک گھوڑا بھاگ گیا اس کو دشمن نے پکڑ لیا۔ مسلمان ان پر غالب آ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کو لوٹا دیا گیا۔ ایک روایت میں ہے اس کا ایک غلام بھاگ گیا وہ رومیوں کو جا ملا۔ مسلمان ان پر غالب آ گئے خالد بن ولید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد... اس کو واپس لوٹا دیا۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

تشریح: "فاخذھا العدو" یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا گھوڑا بھاگ گیا تو دشمن نے پکڑ لیا پھر مسلمان غالب آ گئے اور گھوڑا ان سے واپس کر دیا اسی طرح ان کا غلام بھاگا تھا پھر مسلمان غالب آ گئے تو اس کو بھی مسلمانوں نے واپس لے لیا اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر کفار کسی مسلمان کے مال

پر غلبہ کر کے اپنے ہاں لے جائیں اور احراز بھی کر لیں تو آیا وہ لوگ اس مال کے مالک ہو جائیں گے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔
اختلاف:۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کفار اس مال کے مالک نہیں ہونگے یہ جس کا مال ہے اسی کا رہے گا۔ لیکن جمہور کے ہاں کافر لوگ اس مال کے مالک ہو جائیں گے اس اختلاف کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اگر بعد میں مسلمانوں نے غلبہ حاصل کیا اور وہی مال چھین لیا تو اب کیا ہوگا؟ شوافع کے ہاں یہ مال اصل مالک کو دیا جائے گا گویا یہ مال اس کی ملکیت سے نہیں نکلا ہے۔ جمہور کے ہاں یہ مال اگر کافروں میں تقسیم نہیں ہوا اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں تقسیم سے پہلے آ گیا تو یہ اصل مالک کا ہے لیکن کافروں میں تقسیم ہو جانے کے بعد اگر مجاہدین کے ہاتھ میں آ گیا تو اب یہ مال غنیمت میں شامل کیا جائے گا اور عام مسلمانوں پر تقسیم ہوگا۔
دلائل:۔ شوافع نے زیر بحث روایت سے استدلال کیا ہے جس میں حضرت ابن عمرؓ کے گھوڑے اور غلام کے بھاگنے اور کافروں کے قبضہ میں چلے جانے کا قصہ ہے اور پھر ان کو واپس دلانے کا ذکر ہے اسی طرح شوافع نے اس سے پہلے حدیث میں مذکور ناقۂ رسول کے واقعہ سے بھی استدلال کیا ہے۔
جمہور نے "للفقراء المهاجرين" سے استدلال کیا ہے طرز استدلال اس طرح ہے کہ صحابہ کے اموال مکہ مکرمہ میں تھے لیکن کافروں کے ہاتھ میں چلے جانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس مال کے مالکوں کو فقراء کے نام سے یاد کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا یہ مال کافروں کی ملکیت میں چلا گیا تھا اور تقسیم کے بعد کفار اس کے مالک ہو گئے تھے ہاں تقسیم سے پہلے کفار اس مال کے مالک نہیں بنتے ہیں۔ یہ تو عام اموال کا مسئلہ اور اس میں اختلاف تھا۔
اب یہاں بھاگے ہوئے غلام کا الگ مسئلہ ہے اس میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے وہ اس طرح ہے کہ اگر غلام مرتد ہو کر بھاگ گیا تو تمام ائمہ کے نزدیک اتفاقاً کافر اس کے مالک ہو جائیں گے۔ لیکن اگر مسلمان یا ذمی غلام بھاگ جائے اور کافر اس کے مالک ہو جائیں تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ کفار اس کے مالک نہیں ہو سکتے ہیں مگر جمہور کہتے ہیں کہ مرتد غلام کی طرح مسلمان غلام کے بھی کافر مالک ہو جائیں گے دونوں فریق نے زیر بحث حدیث کے اجزاء سے استدلال کیا ہے مگر یہ باریک اجتہادی فرق ہے اس لئے دلائل کی ضرورت نہیں۔

خیبر کے مال خمس میں سے بنو عبد شمس اور بنو نوفل کی محرومی

(۹) وَعَنْ جُبَيْرِ ابْنِ مُطْعِمٍ قَالَ مَشَيْتُ أَنَا وَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا أَعْطَيْتَ بَنِي الْمُطَّلِبِ مِنْ خُمُسِ خَيْبَرَ وَ تَرَكْتَنَا وَنَحْنُ بِمَنْزِلَةٍ وَاحِدَةٍ مِنْكَ فَقَالَ إِنَّمَا بَنُوْهَاشِمٍ وَبَنُو الْمُطَّلِبِ شَيْءٌ وَاحِدٌ قَالَ جُبَيْرٌ وَلَمْ يَقْسِمِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبَنِيْ عَبْدِ شَمْسٍ وَبَنِيْ نَوْفَلٍ شَيْئًا. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہا میں اور عثمان بن عفان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہا کہ خیبر کے خمس سے آپ نے بنو مطلب کو دیا ہے اور ہم کو چھوڑ دیا ہے حالانکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ داری میں ایک مرتبہ میں ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہی شی ہیں جبیر نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عبد الشمس اور بنو نوفل کے لیے کوئی چیز تقسیم نہیں کی۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

تشریح: "من خمس خيبر" مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ بیت المال کا ہوتا ہے خمس کا یہ حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوی القربیٰ اور فقراء وغیرہ میں تقسیم ہوتا تھا۔ خیبر کا مال جب آ گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس میں سے اپنے ذوی القربیٰ بنو ہاشم اور بنو المطلب کو دیا مگر بنو نوفل اور بنی عبد الشمس کو کچھ نہیں دیا اس بات کو جاننے کیلئے حضرت عثمان اور حضرت جبیر بن مطعم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! قرابت میں ہم اور بنو المطلب آپ کیلئے برابر ہیں یہ بات صحیح ہے کہ آپ کا تعلق بنو ہاشم سے ہے اس فضیلت میں ہم مداخلت نہیں کرتے ہیں کہ بنو ہاشم کو کیوں دیا لیکن بنو المطلب اور ہم قرابت میں آپ کے لئے برابر ہیں کیونکہ عبد مناف کے چار بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں۔ (۱) ہاشم (۲) مطلب (۳) عبد شمس (۴) نوفل۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہاشم کی اولاد میں سے تھے حضرت عثمان عبد شمس کی اولاد میں سے تھے حضرت جبیر بن مطعم نوفل کی اولاد میں سے تھے ان حضرات کی شکایت یہ تھی کہ بنو المطلب کو جب خمس میں سے دیا گیا تو ہم کو کیوں چھوڑ دیا گیا حالانکہ قرابت داری میں کوئی فرق نہیں ہے اس کے جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرابت کا حق صرف بنو ہاشم اور بنو المطلب کو حاصل ہے اس لئے کہ ان لوگوں نے اسلام اور جاہلیت میں ساتھ رہنے کا مظاہرہ کیا ہے کیونکہ جب قریش نے بنو ہاشم سے بائیکاٹ کیا تو بنو المطلب نے بنو ہاشم کا ساتھ دیا اور بنو نوفل اور بنو عبد شمس نے بائیکاٹ کرنے میں کفار کا بھرپور ساتھ دیا لہٰذا ان کی قرابت ہم سے ختم ہوگئی تو خمس میں ان کا حق نہیں رہا۔

مال فیئ کا حکم

(۱۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَاقَرْيَةٍ اَتَيْتُمُوْهَا وَاَقَمْتُمْ فِيْهَا فَسَهْمُكُمْ فِيْهَا وَاَيُّمَاقَرْيَةٍ عَصَتِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ خُمُسَهَا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ ثُمَّ هِيَ لَكُمْ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس بستی کو تم آؤ اور وہاں ٹھہرو تمہارا حصہ اس میں ہے جو بستی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے پھر وہ تمہارے لیے ہے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: "واقمتم فیھا" یعنی ایسی زمین میں تم آکر ٹھہر گئے کہ وہاں کے لوگوں نے نہ جنگ کی نہ کوئی مزاحمت کی اور ان کے اموال بطور غنیمت تم کو مل گئے تو یہ مال فیئ ہے جس میں مجاہدین مقاتلین اور مدینہ میں رہنے والے غیر مجاہدین سب شریک ہوتے ہیں سب کو حصہ ملتا ہے اور اس میں خمس نہیں ہوتا لیکن جس شہر نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی یعنی وہاں کے باشندوں نے مجاہدین کا مقابلہ کیا جنگ کی اور شکست کھا کر بھاگ گئے اور مال غنیمت مسلمانوں کو ملا تو اس میں سے خمس نکال کر بیت المال کے حوالہ کیا جائے گا اور باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم ہونگے بہر حال حدیث کا خلاصہ یہ کہ مال فیئ میں خمس نہیں ہوتا مال غنیمت میں ہوتا ہے آخری جملہ ثم هی لکم میں فرمایا کہ خمس بھی تم ہی مسلمانوں میں تقسیم ہوتا ہے میراذاتی مال نہیں ہے۔

مال غنیمت میں خیانت کرنے والوں کے بارے میں وعید

(۱۱) وَعَنْ خَوْلَةَ الْاَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ رِجَالًا يَتَخَوَّضُوْنَ فِيْ مَالِ اللّٰهِ بِغَيْرِ حَقٍّ فَلَهُمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت خولہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کچھ لوگ اللہ کے مال میں بغیر حق کے تصرف کرتے ہیں قیامت کے دن ان کے لیے آگ ہے۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

تشریح: یعنی اگر انہوں نے حلال جان کر ناحق تصرف کیا ہوگا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ کی آگ میں جلیں گے اور اگر انہوں نے اس گناہ کا ارتکاب اس کو حلال جان کر نہیں کیا ہوگا پھر حق تعالیٰ جتنی مدت کے لیے چاہے گا ان کو دوزخ کے عذاب میں مبتلا رکھے گا۔

(۱۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَذَكَرَ الْغُلُوْلَ فَعَظَّمَهٗ وَعَظَّمَ اَمْرَهٗ ثُمَّ قَالَ لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ بَعِيْرٌ لَهٗ رُغَاءٌ يَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِيْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ فَرَسٌ لَهٗ حَمْحَمَةٌ فَيَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِيْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ شَاةٌ لَهَا ثُغَاءٌ يَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِيْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ نَفْسٌ لَهَا صِيَاحٌ فَيَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِيْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ رِقَاعٌ تَخْفِقُ فَيَقُوْلُ يَا

رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُکَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عَلٰی رَقَبَتِہٖ صَامِتٌ فَیَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُکَ. مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَھٰذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ وَھُوَ اَتَمُّ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہا ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے آپ نے غنیمت میں خیانت کا ذکر فرمایا آپ نے اس کا بڑا گناہ بتلایا اور اس کے امر کو بڑا بیان کیا پھر فرمایا میں ایک تمہارے کو نہ پاؤں قیامت کے دن آئے گا اس حال میں کہ اس کی گردن پر اونٹ بلبلاتا ہوگا کہے گا اے اللہ کے رسول میری امداد کریں میں کہوں گا تیرے لیے میں کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ میں نے تجھ تک احکام پہنچا دیئے۔ میں تم میں سے کسی ایک کو نہ پاؤں قیامت کے دن آئے گا اس کی گردن پر گھوڑا ہنہناتا ہوگا وہ کہے گا اے اللہ کے رسول میری فریادرسی کریں میں کہوں گا میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں میں نے پہنچا دیا۔ میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں قیامت کے دن آئے گا اس کی گردن پر بکری ممیاتی ہوگی وہ کہے گا اے اللہ کے رسول میری فریادرسی کریں میں کہوں گا میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں میں نے شریعت تم کو پہنچا دی۔ ایک تمہارے کو میں نہ پاؤں قیامت کے دن آئے گا اس پر ایک شخص ہوگا اس کے لیے آواز ہوگی وہ کہے گا اے اللہ کے رسول میری فریادرسی کریں میں کہوں گا میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں میں نے احکام شریعت پہنچا دیئے میں کسی کو نہ پاؤں کہ تم میں سے ایک قیامت کے دن آئے گا اس کی گردن پر ہلتا ہوا کپڑا ہوگا وہ کہے گا اے اللہ کے رسول میری فریادرسی کریں میں کہوں گا تیرے لیے میں کسی چیز کا مالک نہیں تحقیق میں پہنچا چکا۔ تم میں سے ایک کو میں نہ پاؤں قیامت کے دن آئے گا اس کی گردن پر سونا چاندی ہوگا وہ کہے گا اے اللہ کے رسول میری مدد فرمائیں میں کہوں گا میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں میں شریعت پہنچا چکا۔ (متفق علیہ) اور یہ لفظ مسلم کے ہیں اور وہ مکمل ہے۔

جس مال سے مسلمانوں کے حقوق متعلق ہوں

اس میں ناحق تصرف کرنے والے کے بارے میں وعید

(۱۳) وَعَنْہُ قَالَ اَھْدٰی رَجُلٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غُلَامًا یُقَالُ لَہٗ مِدْعَمٌ فَبَیْنَمَا مِدْعَمٌ یَحُطُّ رَحْلًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصَابَہٗ سَھْمٌ عَائِرٌ فَقَتَلَہٗ فَقَالَ النَّاسُ ھَنِیْئًا لَہُ الْجَنَّۃُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَلَّا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنَّ الشَّمْلَۃَ الَّتِیْ اَخَذَھَا یَوْمَ خَیْبَرَ مِنَ الْمَغَانِمِ لَمْ تُصِبْھَا الْمَقَاسِمُ لَتَشْتَعِلُ عَلَیْہِ نَارًا فَلَمَّا سَمِعَ ذٰلِکَ النَّاسُ جَاءَ رَجُلٌ بِشِرَاکٍ اَوْ شِرَاکَیْنِ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ شِرَاکٌ مِنْ نَارٍ اَوْ شِرَاکَانِ مِنْ نَارٍ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک غلام بطور ہدیہ دیا جس کا نام مدعم تھا ایک دفعہ مدعم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کجاوا اتار رہا تھا کہ ایک تیر آکر مدعم کو لگا اور اس کو قتل کر دیا لوگ کہنے لگے اس کو جنت مبارک ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ چادر جو اس نے خیبر کے دن مال غنیمت سے تقسیم سے پہلے لے لی تھی اس پر آگ بن کر شعلہ مار رہی ہے۔ جب لوگوں نے اس بات کو سنا ایک آدمی ایک تسمہ یا دو تسمے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک تسمہ یا دو تسمے آگ سے ہیں۔ (متفق علیہ)

تشریح: اس حدیث میں اس شخص کے لیے سخت تنبیہ اور شدید وعید ہے جو کسی ایسے مال میں سے کھائے جس کے ساتھ مسلمانوں کے حقوق متعلق ہوں۔ جیسے اوقاف اور بیت المال وغیرہ کیونکہ کسی ایک شخص کا حق تو واپس کیا جا سکتا ہے لیکن بہت سوں کے حقوق کی واپسی اور ان کی حق تلفیوں کی تلافی مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے۔

(۱۴) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ عَلٰى ثَقَلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهٗ كِرْكِرَةُ فَمَاتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ فِي النَّارِ فَذَهَبُوْا يَنْظُرُوْنَ فَوَجَدُوْا عَبَاءَةً قَدْ غَلَّهَا. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان پر ایک آدمی تھا جس کا نام کرکرۃ تھا وہ مر گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دوزخ میں ہے لوگ گئے اور دیکھا کہ اس نے مال غنیمت سے ایک کمل چھپائی تھی۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

تشریح: یحییٰ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ لفظ فذھبوا میں حرف فا عاطفہ ہے گویا اس لفظ سے پہلے یہ مفہوم محذوف ہے کہ ''صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا تو انہیں معلوم ہوا کہ کرکرہ کے حق میں یہ وعید اس سبب سے ہے کہ اس نے مال غنیمت میں خیانت کی تھی چنانچہ انہوں نے اس کے سامان کو دیکھنا شروع کیا الخ''۔

مجاہدین کو مال غنیمت میں سے خورد ونوش کی چیزوں کو تقسیم سے پہلے استعمال کرنیکی اجازت

(۱۵) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا نُصِيْبُ فِيْ مَغَازِيْنَا الْعَسَلَ فَنَأْكُلُهٗ وَلَا نَرْفَعُهٗ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا مال غنیمت میں ہم کو شہد اور انگور دستیاب ہوتے ہم کھا لیتے تھے اور اس کو اٹھاتے نہ تھے۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

تشریح: یعنی ہم اس شہد اور انگور کو تقسیم کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اٹھا کر نہیں لے جاتے تھے! گویا اس سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اس فعل کو جائز رکھتے تھے' چنانچہ اس مسئلہ پر علماء کا اتفاق ہے' کہ مجاہدین اسلام جب تک دار الحرب یعنی دشمن کے محاذ جنگ پر رہیں اس وقت ان کو مال غنیمت میں سے خورد ونوش کی چیزوں کو ان کی تقسیم سے پہلے بقدر ضرورت و حاجت کھانے پینے کے مصرف میں لانا جائز ہے۔

(۱۶) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ اَصَبْتُ جِرَابًا مِنْ شَحْمٍ يَوْمَ خَيْبَرَ فَالْتَزَمْتُهٗ فَقُلْتُ لَا اُعْطِي الْيَوْمَ اَحَدًا مِنْ هٰذَا شَيْئًا فَالْتَفَتُّ فَاِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَبَسَّمُ اِلَيَّ. (متفق علیه)

وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اُعْطِيْكُمْ فِيْ بَابِ رِزْقِ الْوُلَاةِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا خیبر کے دن مجھ کو چربی کی ایک تھیلی ملی میں نے اس کو اٹھا لیا اور کہا میں آج اس میں سے کسی کو کچھ نہ دوں گا میں نے پھر کر دیکھا ناگہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے (متفق علیہ)

ابو ہریرہ کی حدیث جس کے الفاظ ہیں ما اعطیکم باب رزق الولاۃ میں گذر چکی ہے۔

تشریح: جنگ خیبر میں ابتداء میں کھانے کی اتنی تنگی آئی کہ صحابہ نے گھاس کھائی گدھے کا گوشت کھایا' وہاں یہود رہتے تھے ان کیلئے چربی کا استعمال کرنا حرام تھا لہٰذا ان میں سے کسی نے چربی سے بھری ہوئی تھیلی کو زا خانہ میں پھینک دیا ایک صحابی کو جب یہ تھیلی ملی تو سینہ سے لگایا کہ خود کھاؤں گا کسی کو نہیں دوں گا جب پیچھے مڑ کر دیکھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے نظر آئے سبحان کیا منظر تھا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ ... مال غنیمت کے جواز کے ذریعہ امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسری امتوں پر فضیلت

(۱۷) وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ فَضَّلَنِيْ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ اَوْقَالَ فَضَّلَ اُمَّتِيْ عَلَى الْاُمَمِ وَاَحَلَّ لَنَا الْغَنَائِمَ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھ کو انبیاء پر فضیلت دی ہے یا فرمایا میری امت کو دوسری امتوں پر فضیلت دی ہے اور ہمارے لیے غنیمتوں کو حلال کیا ہے۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے)

تشریح: حدیث کا آخری جملہ مذکورہ فضیلت و بزرگی کی وضاحت کے طور پر ہے یعنی حق تعالیٰ نے ہمارے لیے مال غنیمت کو مخصوص طور پر حلال قرار دے کر ہمیں دوسری امتوں پر فضیلت و بزرگی عطا کی ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ حق تعالیٰ نے ہمیں دوسری امتوں پر جہاد اور بہت سی فضیلتیں عطا کی ہیں وہیں ایک فضیلت یہ بھی عطا کی ہے کہ ہمارے لیے مال غنیمت کو حلال کیا ہے۔

مقتول کا مال قاتل کو ملے گا

(۱۸) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ يَعْنِيْ يَوْمَ حُنَيْنٍ مَنْ قَتَلَ كَافِرًا فَلَهٗ سَلَبُهٗ فَقَتَلَ اَبُوْطَلْحَةَ يَوْمَئِذٍ عِشْرِيْنَ رَجُلاً وَاَخَذَ اَسْلَابَهُمْ. (رواہ الدارمی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز یعنی حنین کے دن فرمایا جو شخص کسی کافر کو قتل کرے گا اس کا اسباب اس کے لیے ہے ابوطلحہ نے اس روز بیس آدمی قتل کیے اور ان کے اسباب لیے۔ (روایت کیا اس کو دارمی نے)

تشریح: "فله سلبه" جمہور کے نزدیک سلب کا ضابطہ اور قاعدہ ہے کہ ہر حال میں قاتل کو ملے گا۔ خواہ موقع پر کوئی امیر اعلان کرے یا نہ کرے۔ ائمہ احناف کے نزدیک موقع پر وقتی اعلان ضروری ہے مستقل قاعدہ و ضابطہ نہیں ہے۔

(۱۹) وَعَنْ عَوْفِ ابْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ وَخَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى فِى السَّلَبِ لِلْقَاتِلِ وَلَمْ يُخَمِّسِ السَّلَبَ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ اور خالد بن ولید سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ مقتول کا سامان قاتل کو دیا جائے اور اس سامان سے خمس نہیں نکالا۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

(۲۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ نَفَّلَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ سَيْفَ اَبِيْ جَهْلٍ وَكَانَ قَتَلَهٗ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن ابوجہل کی تلوار مجھ کو حصہ سے زائد دی اور ابن مسعود نے اس کو قتل کیا تھا۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: جنگ بدر میں ابوجہل کو اصل میں تو انصار مدینہ کے دونو عمروں نے قتل کیا تھا لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے قتل کرنے میں ان کے شریک تھے بایں طور کہ اس کا سرتن سے انہوں نے ہی جدا کیا تھا' اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامان کی ایک چیز یعنی تلوار حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی۔

غلام کو مال غنیمت میں سے تھوڑا بہت دیا جاسکتا ہے

(۲۱) وَعَنْ عُمَيْرٍ مَوْلٰى اَبِي اللَّحْمِ قَالَ شَهِدْتُ خَيْبَرَ مَعَ سَادَتِيْ فَكَلَّمُوْا فِيَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَلَّمُوْهُ اَنِّيْ مَمْلُوْكٌ فَاَمَرَنِيْ فَقُلِّدْتُ سَيْفًا فَاِذَا اَنَا اَجُرُّهٗ فَاَمَرَ لِيْ بِشَيْءٍ مِنْ خُرْثِيِّ الْمَتَاعِ وَ عَرَضْتُ عَلَيْهِ رُقْيَةً كُنْتُ اَرْقِيْ بِهَا الْمَجَانِيْنَ فَاَمَرَنِيْ بِطَرْحِ بَعْضِهَا وَحَبْسِ بَعْضِهَا. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ اِلَّا اَنَّ رِوَايَتَهٗ انْتَهَتْ عِنْدَ قَوْلِهِ الْمَتَاعِ

ترجمہ: حضرت عمیر مولیٰ ابی اللحم سے روایت ہے کہا میں غزوہ خیبر میں اپنے مالکوں کے ساتھ شامل تھا انہوں نے میرے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور آپ سے کلام کیا کہ میں غلام ہوں آپ نے میرے لیے حکم فرمایا مجھ کو ایک تلوار پہنچائی گئی تو گھاں

میں اس کو کھینچتا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے خانگی اسباب میں سے کچھ دیئے جانے کا حکم دیا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک منتر پیش کیا جس کے ساتھ میں دیوانوں کو دم کیا کرتا تھا آپ نے بعض کلمات موقوف کرنے اور بعض کو رہنے کا حکم دیا۔ روایت کیا اس کو ترمذی اور ابوداؤد نے لیکن ابوداؤد کی ایک روایت المتاع پر ختم ہوگئی ہے۔

تشریح: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمیر جو منتر جانتے تھے اس سے بعض کلمات اسلامی عقائد کے منافی ہوں گے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کلمات کو ترک کر دینے کا حکم دیا البتہ جو کلمات اسلامی عقائد و تعلیمات کے منافی نہیں تھے ان کو باقی رکھنے کی اجازت دے دی۔

خیبر کے مال غنیمت کی تقسیم

(۲۲) وَعَنْ مُجَمِّعِ بْنِ جَارِيَةَ قَالَ قُسِمَتْ خَيْبَرُ عَلٰى اَهْلِ الْحُدَيْبِيَةِ فَقَسَمَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَهْمًا وَكَانَ الْجَيْشُ اَلْفًا وَخَمْسَمِائَةٍ فِيْهِمْ ثَلَاثُمِائَةِ فَارِسٍ فَاَعْطَى الْفَارِسَ سَهْمَيْنِ وَالرَّاجِلَ سَهْمًا. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ حَدِيْثُ ابْنِ عُمَرَ اَصَحُّ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ وَاَتَى الْوَهْمُ فِيْ حَدِيْثِ مُجَمِّعٍ اَنَّهٗ قَالَ ثَلَاثُمِائَةِ فَارِسٍ وَاِنَّمَا كَانُوْا مِائَتَيْ فَارِسٍ

ترجمہ: حضرت مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا خیبر اہل حدیبیہ پر تقسیم کیا گیا آپ نے اس کو اٹھارہ حصوں پر تقسیم کیا لشکر کی تعداد پندرہ سو تھی۔ اس میں تین سو سوار تھے آپ نے سوار کو دو حصے دیئے اور پیادہ کو ایک حصہ دیا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اور کہا ابن عمر کی حدیث صحیح تر ہے اور عمل اس پر ہے مجمع کی حدیث میں وہم اس بات سے واقع ہوا ہے کہ اس نے ذکر کیا ہے سوار تین سو تھے جبکہ وہ دو سو تھے۔

تشریح: جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ مال غنیمت میں اسلامی لشکر کے سوار مجاہد کے دو حصے ہیں جیسا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے وہ اس حدیث مجمع رضی اللہ عنہ کو اپنے مسلک کی دلیل قرار دیتے ہیں کیونکہ جب اٹھارہ حصوں میں سے تین سو سواروں میں ہر سو سوار کو دو دو حصے دیئے گئے تو چھ حصے ہو گئے اور بارہ حصے باقی بچے۔ چنانچہ ان بارہ حصوں کو بارہ سو پیادوں کے درمیان اس طرح تقسیم کیا گیا کہ ہر سو پیادوں کو ایک حصہ ملا۔ جب کہ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ مال غنیمت میں سوار مجاہد کے تین حصے ہیں ان کے اعتبار سے یہ حساب درست نہیں۔ بیضا کیونکہ اس صورت میں سواروں پر نو حصوں کی تقسیم لازم آتی ہے اور بارہ حصے پیادوں کے کے ہوئے اس حساب سے ان حصوں کے مجموعی تعداد اکیس ہوتی ہے حالانکہ حدیث میں مجموعی تعداد اٹھارہ بیان کی گئی ہے دوسرے یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی حضرت مجمع رضی اللہ عنہ جیسی روایت منقول ہے ان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ سواروں کو دو دو ہی حصے دیئے گئے تاہم جن حضرات کے نزدیک سواروں کے تین حصے ہیں وہ یہی کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی کی روایت زیادہ صحیح و ثابت اور فیصلہ کن ہے۔ جہاں تک حنفیہ کا تعلق ہے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت پر جس وجہ سے عمل نہیں کرتے وہ اس روایت کی تشریح میں بیان کی جا چکی ہے۔

روایت کے آخر میں جس "واہمہ" کا ذکر کیا گیا ہے اس کی بنیاد اختلاف روایت پر ہے چنانچہ اس بارہ میں مختلف روایتیں منقول ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر اسلامی لشکر کی تعداد کتنی تھی ایک روایت تو یہی ہے جو حضرت مجمع رضی اللہ عنہ نے نقل کی ہے کہ پندرہ سو کی تعداد تھی جس میں تین سو سوار تھے لیکن ایک روایت میں یہ تعداد چودہ سو بیان کی گئی ہے جو بارہ سو پیادوں اور دو سو سواروں پر مشتمل تھی۔

جہاد میں زیادہ سعی و محنت کرنے والوں کے لئے مال غنیمت میں سے خصوصی حصہ

(۲۳) وَعَنْ حَبِيْبِ ابْنِ مَسْلَمَةَ الْفِهْرِيِّ قَالَ شَهِدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَلَ الرُّبُعَ فِي الْبَدْاَةِ وَالثُّلُثَ فِي الرَّجْعَةِ (ابوداود)

ترجمہ: حضرت حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ابتداء جہاد میں چوتھا حصہ زیادہ دیا اور جہاد سے لوٹتے وقت تہائی حصہ زیادہ دیا۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: اس حدیث میں مال غنیمت کی تقسیم کے سلسلے میں ایک مخصوص نوعیت کے معاملہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر میدان جنگ میں جہاد کے شروع ہونے کے وقت اسلامی لشکر کا کوئی دستہ اپنے لشکر سے آگے نکل کر دشمن کے مقابلہ پر پہنچ جاتا اور اپنے پورے لشکر کے پہنچنے سے پہلے دشمن کے ساتھ جنگ میں مشغول ہو جاتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دستہ کو مخصوص طور پر مال غنیمت کا چوتھائی حصہ عطا فرماتے اور پھر جب باقی تین چوتھائی حصے تقسیم ہوتے تو اس میں بھی پورے لشکر کے ساتھ اس دستہ کو شریک کرتے اسی طرح میدان جنگ میں دشمن کے مقابلہ سے اسلامی لشکر کے واپس آنے کے بعد اگر مجاہدین کا کوئی دستہ بدستور جنگ میں مشغول رہتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دستہ کو مخصوص طور پر مال غنیمت کا تہائی حصہ عطا فرماتے اور پھر جب باقی دو تہائی حصے تقسیم ہوتے تو اس میں بھی پورے لشکر کے ساتھ اس دستہ کو شریک کرتے۔ اور اس دستہ کو تہائی حصہ اس لیے عطا فرماتے کہ پورے لشکر کی واپسی کے بعد صرف چند مجاہدین کا دشمن کے مقابلہ پر جمے رہنا اور لڑائی جاری رکھنا ایک انتہائی سخت مرحلہ اور نہایت خطرناک اقدام اور غیر معمولی حوصلے کا کام ہوتا تھا جب کہ ابتداء میں اتنا سخت مرحلہ نہیں ہوتا تھا کیونکہ اس وقت تو پورا لشکر آ جاتا تھا اور ان مجاہدین کی مدد کرتا تھا' اس کے برخلاف لشکر کی واپسی کی صورت میں جب کہ سارے مجاہدین واپس آ جاتے تھے تو اس وقت جنگ کرنا اور دشمن کا مقابلہ کرنا سخت مشکل اور انتہائی سخت ہوتا تھا۔ بہرحال ان مجاہدین کو مال غنیمت میں سے ان کے حصے سے زیادہ عطا کرنا جنگ میں ان کی بہادری' غیر معمولی حوصلہ اور سخت ترین جدوجہد کی امتیازی کارنامے کی بناء پر تھا۔

(۲۴) وعنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان ينفل الربع بعد الخمس والثلث بعد الخمس اذا قفل (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت حبیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ خمس کے بعد چوتھائی حصہ زیادہ دیتے تھے اور خمس نکالنے کے بعد تہائی حصہ زیادہ دیتے تھے جب لوٹتے تھے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: اوپر کی حدیث میں یہ تو بیان کیا گیا تھا کہ ابتدائے جنگ میں لڑنے والے مجاہدین کو چوتھائی حصہ اور لشکر کے واپس آ جانے کے بعد لڑنے والے مجاہدین کو تہائی حصہ دیا جاتا تھا لیکن یہ وضاحت نہیں کی گئی تھی کہ یہ چوتھائی یا تہائی حصہ خمس نکالنے کے بعد دیا جاتا تھا یا اس سے پہلے؟ چنانچہ اس حدیث میں اسی کو واضح کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پورے مال غنیمت میں سے پہلے خمس نکالتے' اس کے بعد چوتھائی یا تہائی حصہ دیتے اور پھر اس کو پورے لشکر کے درمیان تقسیم فرماتے۔

مالِ فیئ میں کوئی خصوصی حصہ نہیں

(۲۵) وعن ابى الجويرية الجرمي قال اصبت بارض الروم جرة حمراء فيهادنا نير في امرة معاوية وعلينا رجل من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم من بنى سليم يقال له معن بن يزيد فاتيته بها فقسها بين المسلمين واعطانى منها مثل ما اعطى رجلا منهم ثم قال لولا انى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لانفل الا بعد الخمس لاعطيتك. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوجویریہ جرمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا حضرت معاویہ کے زمانہ میں ارض روم سے مجھے ایک سرخ ٹھلیا ملی اس میں کچھ دینار تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صحابی ہم پر حاکم تھا جو بنو سلیم میں سے تھا جس کا نام معن بن یزید تھا میں اس کے پاس لے آیا اس نے دوسرے مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا اور مجھ کو بھی اسی قدر دیا جس قدر دوسرے مسلمانوں کو دیا پھر فرمایا اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا نہ ہوتا آپ فرماتے تھے خمس کے بعد زائد حصہ دینا نہیں ہے۔ تجھ کو میں دیتا۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: حضرت معن ابن یزید رضی اللہ عنہ کے کہنے کے مطلب یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق کسی مجاہد کو مخصوص طور پر کوئی زیادہ حصہ اس مال میں سے دیا جا سکتا ہے جس میں سے خمس نکالنا ضروری ہو اور وہ خمس نکالا جا چکا ہو اور یہ ظاہر ہے کہ خمس اس مال میں

سے نکالا جاتا ہے جو کفار سے جنگ وجدال کے بعد ہاتھ لگا ہو جس کو مال غنیمت کہتے ہیں جب کہ یہ مال جو تمہارے ہاتھ لگا ہے "مال فئی" ہے اور "مال فئی" میں کوئی زائد حصہ نہیں لگتا اس لیے تمہیں بھی اس مال میں سے دوسرے سے زیادہ نہیں ملے گا۔

شریک معرکہ نہ ہونے والوں کو مال غنیمت میں سے خصوصی عطیہ

(۲۶) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَدِمْنَا فَوَافَقْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ افْتَتَحَ خَیْبَرَ فَاَسْھَمَ لَنَا اَوْ قَالَ فَاَعْطَانَا مِنْھَا وَمَاقَسَمَ لِاَحَدٍ غَابَ عَنْ فَتْحِ خَیْبَرَ مِنْھَا شَیْئًا اِلَّا لِمَنْ شَھِدَ مَعَہٗ اِلَّا اَصْحَابَ سَفِیْنَتِنَا جَعْفَرًا وَاَصْحَابَہٗ اَسْھَمَ لَھُمْ مَعَھُمْ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہا ہم آئے اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا کہ آپ نے خیبر کو فتح کیا ہے آپ نے ہمارا حصہ بھی مقرر فرمایا ہے یا کہا کہ ہم کو بھی اس سے دیا اور ہمارے سوا کسی کو نہیں دیا جو خیبر کی فتح سے غائب تھا مگر اس شخص کو دیا جو وہاں حاضر تھا۔ مگر ہمارے کشتی والوں کو یعنی جعفر اور اس کے ساتھیوں کو ان کے ساتھ ان کو بھی حصہ دیا۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ دعوت اسلام کے بالکل ابتدائی زمانہ میں یمن سے مکہ آئے اور اسلام قبول کیا اور پھر ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے جہاں حضرت جعفر ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہ بھی مکہ سے ہجرت کر کے چلے گئے تھے جب ان سب لوگوں نے حبشہ میں یہ خبر سنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ چلے گئے ہیں تو یہ لوگ بھی حبشہ سے کشتیوں کے ذریعہ مدینہ کے لیے روانہ ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت پہنچے۔ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کو فتح کر چکے تھے۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ حبشہ سے آنے والے ان لوگوں کو خیبر کے مال غنیمت میں سے اس لیے حصہ دیا گیا کہ اگرچہ ان کا آنا جنگ کے بعد ہوا تھا لیکن وہ مال غنیمت کے جمع کرنے اور اس کی تقسیم سے پہلے پہنچ گئے تھے یہ تاویل ان علماء کی طرف سے کی جاتی ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کوئی مجاہد جنگ میں شریک نہ ہو سکے مگر مال غنیمت کے جمع ہونے اور اس کی تقسیم کے وقت موجود ہو تو اس مال غنیمت میں سے اس کو بھی لشکر والوں کے ساتھ حصہ ملے گا جیسا کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول ہے لیکن جو علماء اس بات کے قائل نہیں ہیں وہ یہ کہتے کہ ان لوگوں کو خیبر کے مال غنیمت میں سے حصہ دینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک خصوصی نوعیت کا عطیہ تھا جو غزوہ خیبر میں شریک ہونے والے مجاہدین کی رضامندی سے دیا گیا تھا اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

مال غنیمت میں خیانت کرنیوالے کی نماز جنازہ پڑھنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار

(۲۷) وَعَنْ یَزِیْدَ بْنِ خَالِدٍ اَنَّ رَجُلاً مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تُوُفِّیَ یَوْمَ خَیْبَرَ فَذَکَرُوْا لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَلُّوْا عَلٰی صَاحِبِکُمْ فَتَغَیَّرَتْ وُجُوْہُ النَّاسِ لِذٰلِکَ فَقَالَ اِنَّ صَاحِبَکُمْ غَلَّ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَفَتَّشْنَا مَتَاعَہٗ فَوَجَدْنَا خَرَزًا مِنْ خَرَزِ یَھُوْدَ لَا یُسَاوِیْ دِرْھَمَیْنِ. (رواہ مالک و ابوداؤد والنسائی)

ترجمہ: حضرت یزید بن خالد سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صحابی خیبر کے دن فوت ہو گیا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ساتھی پر نماز جنازہ پڑھو۔ لوگوں کے چہرے متغیر ہو گئے آپ نے فرمایا تمہارے اس ساتھی نے اللہ کی راہ میں مال غنیمت سے خیانت کی ہے ہم نے اس کے سامان کی تلاشی لی ہم نے یہود کے نگینوں میں سے نگینے دیکھے جن کی قیمت دو درہم بھی نہ تھی۔ روایت کیا اس کو مالک، ابوداؤد اور نسائی نے۔

مال غنیمت جمع کرنے میں تاخیر کرنے والے کے بارے میں وعید

(۲۸) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصَابَ غَنِیْمَۃً اَمَرَ بِلاَلاً فَنَادٰی فِی

النَّاسِ فَيَجِيئُونَ بِغَنَائِمِهِمْ فَيُخَمِّسُهُ وَيُقَسِّمُهُ فَجَاءَ رَجُلٌ يَوْمًا بَعْدَ ذٰلِكَ بِزِمَامٍ مِنْ شَعْرٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ هٰذَا فِيمَا كُنَّا أَصَبْنَاهُ مِنَ الْغَنِيمَةِ قَالَ أَسَمِعْتَ بِلَالًا نَادٰى ثَلَاثًا قَالَ نَعَمْ فَمَا مَنَعَكَ أَنْ تَجِيئَنِي بِهٖ فَاعْتَذَرَ قَالَ كُنْ أَنْتَ تَجِيئُنِي بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَلَنْ أَقْبَلَهُ عَنْكَ. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مال غنیمت کو پہنچتے بلال کو حکم دیتے وہ لوگوں میں اعلان کرتے۔ لوگ اپنی غنیمتیں لاتے آپ اس میں سے پانچواں حصہ نکالتے اور اس کو تقسیم کرتے۔ ایک آدمی تقسیم کے بعد دوسرے دن بالوں کی ایک مہار لایا اور کہا اے اللہ کے رسول یہ ہم کو مال غنیمت سے ملی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے بلال کو تین مرتبہ سنا تھا کہ اس نے اعلان کر دیا۔ آپ نے فرمایا تجھے کس بات نے روکا تھا کہ اس کو لاتا اس نے کوئی عذر بیان کیا آپ نے فرمایا تو رہ اب اس کو قیامت کے دن لائے گا۔ میں تجھ سے قبول نہیں کروں گا۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہار کو اس لیے قبول نہیں کیا کہ اس میں سارے مجاہدوں کا حق تھا اور اس وقت چونکہ سارے مجاہد منتشر ہو گئے تھے اس لیے اس میں سے ہر ایک کو اس کا حصہ پہنچانا مشکل تھا۔

مال غنیمت میں خیانت کی سزا

(۲۹) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ حَرَّقُوا مَتَاعَ الْغَالِّ وَضَرَبُوهُ. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم و عنہم نے غنیمت کے مال میں خیانت کرنے والے کا سامان جلا دیا اور اس کو مارا۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: اس خیانت کی سزا یہ دی کہ اس کا سامان و اسباب نذر آتش کر دیا اور از راہ تعزیر اس کی پٹائی بھی کی۔ بعض علماء جیسے حضرت امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ وغیرہ نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کیا ہے اور کہا ہے کہ جو شخص مال غنیمت میں خیانت کرے اس کی سزا یہ ہے کہ اس کے گھر کا سارا سامان و اسباب جلا دیا جائے علاوہ جانوروں اور مصحف مجید (قرآن کریم) کے نیز اس چیز کو بھی نہ جلایا جائے جس کو اس نے مال غنیمت میں سے خیانت کر کے لیا ہے کیونکہ وہ (اس کی ملکیت میں داخل نہیں ہے بلکہ) مجاہدین کا حق ہے۔ جب کہ تینوں ائمہ یعنی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ یہ کہتے ہیں کہ اس کا سامان و اسباب نہ جلایا جائے بلکہ اس کو کوئی اور تعزیر جو حاکم و قاضی مناسب جانے دے۔ ان حضرات نے اس حدیث کو سخت تنبیہ و وعید پر محمول کیا ہے۔

خائن کی اطلاع نہ دینے والا بھی خائن کے حکم میں ہے

(۳۰) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ يَكْتُمْ غَالًّا فَإِنَّهٗ مِثْلُهٗ. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جو شخص غنیمت کے مال میں خیانت کرنے والے کی پردہ پوشی کرے وہ اس کی مثل ہے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

غنیمت کا مال تقسیم ہونے سے پہلے اس کی خرید و فروخت کی ممانعت

(۳۱) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شِرَى الْمَغَانِمِ حَتّٰى تُقْسَمَ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمتوں کے تقسیم ہونے سے قبل ان کو

خریدنے سے منع فرمایا ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

(۳۲) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ نَهٰی اَنْ تُبَاعَ السِّهَامُ حَتّٰی تُقْسَمَ. (رواہ الدارمی)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم سے قبل حصوں کے بیچنے سے منع کیا ہے۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مال غنیمت کے اپنے حصہ کو تقسیم سے پہلے بیچنے لگے تو یہ جائز نہیں ہوگا ایک تو اس وجہ سے کہ جس حصہ کو وہ بیچنا چاہتا ہے ابھی وہ اس کی ملکیت میں نہیں آیا ہے (جیسا کہ بعض علماء کا قول ہے کہ تقسیم سے پہلے کسی بھی حصہ کی ملکیت موقوف رہتی ہے) دوسرے اس وجہ سے کہ (حصہ دار کو تقسیم سے پہلے مالک مان بھی لیا جائے تو) خود اس (مالک) کو تقسیم سے پہلے تک یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے حصے میں کیا چیز آئے گی اور وہ چیز کیسی ہوگی اس صورت میں اس حصے کو بیچنا گویا ایک ایسی چیز کو بیچنا لازم آئے گا جو غیر معلوم ہو غیر متعین ہے اور یہ نا جائز ہے۔

مال غنیمت میں ناحق تصرف کرنے والے دوزخ کی آگ کے سزاوار ہوں گے

(۳۳) وَعَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ قَیْسٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ فَمَنْ اَصَابَهٗ بِحَقِّهٖ بُوْرِکَ لَهٗ فِیْهِ وَرُبَّ مُتَخَوِّضٍ فِیْمَا شَاءَتْ بِهٖ نَفْسُهٗ مِنْ مَالِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لَیْسَ لَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِلَّا النَّارُ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت خولہ بنت قیس سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے یہ مال سبز شیریں ہے جس نے اس سے اپنا حق لیا اس کے لیے اس میں برکت کی جائے گی۔ بہت سے اللہ اور اس کے رسول کے مال میں اپنے نفس کے مطابق اس میں تصرف کرنے والے ہیں قیامت کے دن ان کے لیے نہیں ہے مگر آگ۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے)

ذوالفقار تلوار کا ذکر

(۳۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَنَفَّلَ سَیْفَهٗ ذَا الْفَقَارِ یَوْمَ بَدْرٍ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَزَادَ التِّرْمِذِیُّ وَهُوَ الَّذِیْ رَاٰی فِیْهِ الرُّؤْیَا یَوْمَ اُحُدٍ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن اپنی ذوالفقار تلوار زائد لی۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔ ترمذی نے زیادہ کیا یہ وہی تلوار تھی جس کے متعلق آپ نے اُحد کے دن خواب دیکھا تھا۔

تشریح: "حصے سے زیادہ لی تھی" کا مطلب یہ ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر جو مال غنیمت ہاتھ لگا تھا اس میں یہ تلوار بھی تھی جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند کر کے اپنے حصے سے زائد لے لیا تھا۔ یہ بات صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جائز تھی اور کسی کے لیے جائز نہیں۔ جیسے کہ حدیث سے معلوم ہوا اس تلوار کا نام "ذوالفقار" تھا جو ایک کافر منبہ ابن حجاج کی ملکیت تھی وہ جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تلوار پسند آ گئی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت اس کو اپنے حصے سے زائد اپنے پاس رکھ لیا۔ چنانچہ کتنی ہی جنگوں میں اور تلواروں کے ساتھ یہ تلوار بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتی۔ اور قاموس میں یہ لکھا ہے کہ یہ تلوار منبہ کے بیٹے عاص کی ملکیت تھی جو جنگ بدر میں (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں) مارا گیا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تلوار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمادی۔

اس تلوار کا نام "ذوالفقار" اس مناسبت سے تھا کہ اصل میں "فقار" پشت کی ہڈی کو کہتے ہیں چونکہ اس تلوار کی پشت پر چھوٹے چھوٹے خوبصورت گڑھے تھے یا پشت کی ہڈیوں کی طرح جوڑ تھے اس لیے اس کو "ذوالفقار" کہا جانے لگا۔

غزوہ احد کے موقع پر ذوالفقار سے متعلق خواب دیکھنے کا قصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب میں یہ دیکھا کہ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے اس تلوار (ذوالفقار) کو ہلایا تو وہ درمیان سے ٹوٹ گئی پھر دوبارہ اس کو ہلایا تو وہ پہلے سے بھی زیادہ اچھی ہوگئی چنانچہ غزوہ احد کے دن اس خواب کی یہ تعبیر سامنے آئی کہ پہلے کو شکست کا سامنا کرنا پڑا لیکن آخر میں فتح وکامرانی حاصل ہوئی۔

تقسیم سے پہلے مال غنیمت کی کسی چیز کو استعمال کرنے کی ممانعت

(۳۵) وَعَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَرْكَبْ دَابَّةً مِنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِيْنَ حَتّٰى اِذَا اَعْجَفَهَا رَدَّهَا فِيْهِ وَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَلْبَسْ ثَوْبًا مِنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِيْنَ حَتّٰى اِذَا اَخْلَقَهُ رَدَّهُ فِيْهِ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت رویفع بن ثابت سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے وہ مسلمانوں کے مال فی میں سے کسی جانور پر سوار نہ ہو یہاں تک کہ جب اس کو دبلا کر دے اس کو غنیمت میں لوٹا دے۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے مسلمانوں کی غنیمت سے کپڑا نہ پہنے یہاں تک کہ جس وقت اسکو پرانا کر دے اس کو غنیمت میں پھیر دے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ اگر اپنی سواری کے مصرف میں لانے کی وجہ سے وہ جانور دبلا نہ ہو تو اس صورت میں اس پر سوار ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن حقیقت میں نہ یہ مفہوم مراد ہے اور نہ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے بلکہ یہ بات محض محاورۃً فرمائی گئی ہے کہ عام طور پر جانور سواری کے کام آنے سے دبلے ہو جاتے۔

مال غنیمت میں کھانے کی جو چیز ہاتھ آئیں ان کا حکم

(۳۶) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِي الْمُجَالِدِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِيْ اَوْفٰى قَالَ قُلْتُ هَلْ كُنْتُمْ تُخَمِّسُوْنَ الطَّعَامَ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَصَبْنَا طَعَامًا يَوْمَ خَيْبَرَ فَكَانَ الرَّجُلُ يَجِيْءُ فَيَاْخُذُ مِقْدَارَ مَا يَكْفِيْهِ ثُمَّ يَنْصَرِفُ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت محمد بن ابی المجالد رضی اللہ عنہ عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے روایت کرتے ہیں میں نے کہا کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کھانے میں سے خمس نکالتے تھے اس نے کہا خیبر کے دن ہم نے طعام پایا۔ آدمی آتا اور بقدر کفایت اس سے لے لیتا پھر چلا جاتا۔ (ابوداؤد)

تشریح: سوال کا مطلب یہ تھا کہ آیا ان چیزوں میں سے بھی خمس نکالا جاتا تھا یا جو چیزیں کھانے کی قسم سے ہوتیں ان کو تقسیم سے مستثنیٰ رکھا جاتا تھا کہ جو شخص چاہتا ان کو اپنے مصرف میں لے آتا؟ جواب کا حاصل یہ تھا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں سے خمس نہیں نکالنا چاہے لیکن اس بات کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ ایسی چیزوں میں سے جو کچھ بھی لیا جائے وہ بس اتنی ہی مقدار میں ہو کہ ضرورت وحاجت پوری ہو جائے۔

(۳۷) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ جَيْشًا غَنِمُوْا فِيْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا وَعَسَلًا فَلَمْ يُؤْخَذْ مِنْهُمُ الْخُمُسُ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک لشکر مال غنیمت میں شہد اور طعام لایا اس سے خمس نہیں نکالا گیا۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

(۳۸) وَعَنِ الْقَاسِمِ مَوْلٰى عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنَّا نَاْكُلُ الْجَزُوْرَ فِي الْغَزْوِ وَلَا نَقْسِمُهُ حَتّٰى اِذَا كُنَّا نَرْجِعُ اِلٰى رِحَالِنَا وَاَخْرِجَتُنَا مِنْهُ مَمْلُوْءَةٌ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت قاسم مولیٰ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہا ہم جہاد میں اونٹ کھاتے تھے اور تقسیم نہ کرتے یہاں تک کہ جب ہم اپنے ڈیروں کی طرف لوٹتے ہماری خرجیاں اس سے بھری ہوتیں۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب مسلمان (جہاد کے بعد) دارالاسلام واپس آتے ہوئے دارالحرب کی سرحدوں سے پار ہو جائیں تو اس کے بعد ان کے لیے یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ اپنے جانوروں کو مال غنیمت میں سے گھاس دانہ کھلائیں یا مال غنیمت کی کھانے پینے کی چیزوں میں سے خود کچھ کھائیں کیونکہ اس صورت میں وہ ضرورت باقی نہیں رہ گئی ہے جس کی بناء پر دارالحرب میں مال غنیمت کی کھانے پینے کی چیزوں کا اپنے مصرف میں لانا مجاہدین کے لیے مباح تھا۔ نیز جس شخص کے پاس دارالحرب میں غیر تقسیم شدہ مال غنیمت کا گھاس دانہ یا کھانے پینے کی چیزیں اس کی ضرورت وحاجت سے زائد ہوں وہ ان کو مال غنیمت میں واپس کردے۔

خیانت کرنے والوں کو قیامت کے دن بے عزت ہونا پڑے گا

(۳۹) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اَدُّوا الْخِيَاطَ وَالْمِخْيَطَ وَ اِيَّاكُمْ وَالْغُلُوْلَ فَاِنَّهُ عَارٌ عَلٰى اَهْلِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ.

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ تاگا اور سوئی بھی ادا کردو اور مال غنیمت میں خیانت کرنے سے بچو قیامت کے دن یہ خیانت کرنے والے پر عار ہوگی۔ روایت کیا اس کو دارمی نے اور روایت کیا ہے نسائی نے عمرو بن شعیب سے اس نے اپنے باپ سے اس نے اپنے دادا سے۔

مال غنیمت میں حقیر ترین چیز کی خیانت مستوجب مواخذہ ہے

(۴۰) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ دَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَعِيْرٍ فَاَخَذَ وَبَرَةً مِنْ سَنَامِهٖ ثُمَّ قَالَ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّهٗ لَيْسَ لِيْ مِنْ هٰذَا الْفَيْءِ شَيْءٌ وَلَا هٰذَا وَرَفَعَ اِصْبَعَهٗ اِلَّا الْخُمُسَ وَالْخُمُسُ مَرْدُوْدٌ عَلَيْكُمْ فَاَدُّوا الْخِيَاطَ وَالْمِخْيَطَ فَقَامَ رَجُلٌ فِيْ يَدِهٖ كُبَّةٌ مِنْ شَعْرٍ فَقَالَ اَخَذْتُ هٰذِهٖ لِاُصْلِحَ بِهَا بَرْدَعَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا مَا كَانَ لِيْ وَلِبَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَهُوَ لَكَ فَقَالَ اَمَّا اِذَا بَلَغَتْ مَا اَرٰى فَلَا اَرَبَ لِيْ فِيْهَا وَنَبَذَهَا (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ سے اس نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک اونٹ کے قریب ہوئے اس کی کوہان سے ایک پشم لی۔ پھر فرمایا اے لوگو میرے لیے اس مال فی سے کچھ حصہ نہیں اور نہ یہ ہے مگر خمس اور خمس بھی تم پر خرچ کردیا جاتا ہے۔ پس تاگا اور سوئی ادا کرو ایک آدمی کھڑا ہوا اس کے ہاتھ میں بالوں کی رسی کا ٹکڑا تھا اس نے کہا میں نے اس کو لیا ہے تاکہ اپنے جھل کو درست کروں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس میں میرا اور بنو عبدالمطلب کا جس قدر حصہ ہے وہ تیرے لیے ہے وہ کہنے لگا اگر یہ اس مرتبہ تک پہنچ چکی ہے جو میں دیکھ رہا ہوں مجھ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں اور اس رسی کو پھینک دیا۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: "کبة" یعنی بالوں کا ایک گولہ عورت جب چرخہ کے ذریعہ سے اون کات لیتی ہے اور اون کا ایک ٹکڑا مثل شوڑہ بن جاتا ہے اسی کو کبة کہتے ہیں "بردعة" گھوڑے کے زین کے نیچے یا اونٹ کے کجاوہ کے نیچے جو کپڑا پشت پر بچھایا جاتا ہے اس کو بردعہ کہتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے جواب میں فرمایا کہ اگر یہ معمولی چیز میری ہوتی یا میرے خاندان کی ہوتی تو میں دیدیتا مگر یہ بیت المال کا مال ہے اس شخص نے جواب میں کہا کہ جب اتنی معمولی چیز کا معاملہ اتنا آگے گیا تو مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں یہ کہہ کر اس نے گولہ کو مال غنیمت میں ڈال دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خمس کا مال بھی مسلمانوں ہی کے اجتماعی مفاد میں خرچ کرتے تھے

(۴۱) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى بَعِيْرٍ مِنَ الْمَغْنَمِ فَلَمَّا سَلَّمَ اَخَذَ وَبَرَةً مِنْ جَنْبِ الْبَعِيْرِ ثُمَّ قَالَ وَلَا يَحِلُّ لِيْ مِنْ غَنَائِمِكُمْ مِثْلُ هٰذَا اِلَّا الْخُمُسَ وَالْخُمُسُ مَرْدُوْدٌ فِيْكُمْ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو مال غنیمت کے ایک اونٹ کی طرف نماز پڑھائی جب سلام پھیرا اونٹ کے پہلو سے پشم لی پھر فرمایا تمہاری غنیموں میں سے میرے لیے اس کے برابر بھی جائز نہیں مگر خمس اور خمس بھی تمہاری طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: اگر "پہلو" سے یہ مراد ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹ کے کوہان کی کسی جانب سے بال اکھاڑے تو اس صورت میں یہ وہی واقعہ ہوگا جس کا ذکر اوپر کی حدیث میں تھا اور اگر ظاہری مفہوم یعنی "اونٹ کا پہلو" مراد لیا جائے تو اس صورت میں یہ کوئی دوسرا واقعہ ہوگا۔

ذوی القربیٰ میں مال خمس کی تقسیم کے موقع پر حضرت عثمانؓ وغیرہ کی محرومی

(۴۲) وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ لَمَّا قَسَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَهْمَ ذَوِي الْقُرْبٰى بَيْنَ بَنِي هَاشِمٍ وَبَنِي الْمُطَّلِبِ اَتَيْتُهُ اَنَا وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰؤُلَاءِ اِخْوَانُنَا مِنْ بَنِي هَاشِمٍ لَا نُنْكِرُ فَضْلَهُمْ لِمَكَانِكَ الَّذِي وَضَعَكَ اللّٰهُ مِنْهُمْ اَرَاَيْتَ اِخْوَانَنَا مِنْ بَنِي الْمُطَّلِبِ اَعْطَيْتَهُمْ وَتَرَكْتَنَا وَاِنَّمَا قَرَابَتُنَا وَقَرَابَتُهُمْ وَاحِدَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا بَنُوْهَاشِمٍ وَبَنُو الْمُطَّلِبِ شَيْءٌ وَاحِدٌ هٰكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاؤُدَ وَالنَّسَائِيِّ نَحْوَهٗ وَفِيْهِ اَنَا وَبَنُو الْمُطَّلِبِ لَا نَفْتَرِقُ فِيْ جَاهِلِيَّةٍ وَلَا اِسْلَامٍ وَاِنَّمَا نَحْنُ وَهُمْ شَيْءٌ وَاحِدٌ وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ.

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالقربیٰ کا حصہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے درمیان تقسیم کر دیا میں اور عثمان بن عفان آپ کے پاس آئے ہم نے کہا اے اللہ کے رسول! بنو ہاشم ہمارے بھائی ہیں۔ آپ کے ان میں سے ہونے کی وجہ سے ان کے مرتبہ کا ہم انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان میں پیدا فرمایا ہے۔ لیکن آپ فرمائیے ہمارے بھائی بنو مطلب کو آپ نے حصہ دیا ہے اور ہم کو چھوڑ دیا ہے جبکہ ان کی اور ہماری قرابت ایک جیسی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہیں اور اپنی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالیں کہ ان کی قرابت اس طرح ہے روایت کیا اس کو شافعی نے ابوداؤد اور نسائی کی ایک روایت میں اس طرح ہے اور اس میں ہے میں اور بنو مطلب کبھی جدا نہیں ہوئے نہ جاہلیت میں اور نہ اسلام میں اور سوائے اس کے نہیں ہم اور وہ ایک ہیں پھر آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ..... ابوجہل کے قتل کا واقعہ

(۴۳) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ اِنِّيْ لَوَاقِفٌ فِي الصَّفِّ يَوْمَ بَدْرٍ فَنَظَرْتُ عَنْ يَمِيْنِيْ وَعَنْ شِمَالِيْ فَاِذَا اَنَا بِغُلَامَيْنِ مِنَ الْاَنْصَارِ حَدِيْثَةٍ اَسْنَانُهُمَا فَتَمَنَّيْتُ اَنْ اَكُوْنَ بَيْنَ اَضْلَعَ مِنْهُمَا فَغَمَزَنِيْ اَحَدُهُمَا فَقَالَ اَيْ عَمِّ هَلْ تَعْرِفُ اَبَاجَهْلٍ قُلْتُ نَعَمْ فَمَا حَاجَتُكَ اِلَيْهِ يَا ابْنَ اَخِيْ قَالَ اُخْبِرْتُ اَنَّهٗ يَسُبُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَئِنْ رَاَيْتُهٗ لَا يُفَارِقُ سَوَادِيْ سَوَادَهٗ حَتّٰى يَمُوْتَ الْاَعْجَلُ مِنَّا قَالَ فَتَعَجَّبْتُ لِذٰلِكَ قَالَ وَغَمَزَنِي الْاٰخَرُ فَقَالَ لِيْ مِثْلَهَا فَلَمْ اَنْشَبْ اَنْ نَظَرْتُ اِلٰى اَبِيْ جَهْلٍ يَجُوْلُ فِي النَّاسِ فَقُلْتُ اَلَا تَرَيَانِ هٰذَا صَاحِبُكُمَا الَّذِيْ تَسْاَلَانِيْ عَنْهُ قَالَ فَابْتَدَرَاهُ بِسَيْفَيْهِمَا فَضَرَبَاهُ حَتّٰى قَتَلَاهُ ثُمَّ انْصَرَفَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَاهُ فَقَالَ اَيُّكُمَا قَتَلَهٗ فَقَالَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا اَنَا قَتَلْتُهٗ فَقَالَ هَلْ مَسَحْتُمَا سَيْفَيْكُمَا فَقَالَا لَا فَنَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى السَّيْفَيْنِ فَقَالَ كِلَاكُمَا قَتَلَهٗ وَقَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَلَبِهٖ لِمُعَاذِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوْحِ وَالرَّجُلَانِ مُعَاذُ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوْحِ وَمُعَاذُ بْنُ عَفْرَاءَ. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بدر کے دن میں جنگ کی صف میں کھڑا تھا میں نے اپنی دائیں اور بائیں جانب دیکھا ناگہاں میں دو انصاری لڑکوں کے درمیان تھا جو نوعمر تھے میں نے آرزو کی کہ کاش میں ان سے قوی آدمیوں کے درمیان ہوتا۔ ان میں سے ایک نے مجھ کو دبایا اور کہا چچا تو ابوجہل کو جانتا ہے میں نے کہا ہاں لیکن اے بھتیجے تجھے اس سے کیا کام ہے اس نے کہا مجھے خبر ملی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتا ہے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میں اس کو دیکھ لوں میرا جسم اس کے جسم سے جدا نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ ہم میں سے جلد باز مر جائے گا میں نے اس بات پر تعجب کیا پھر دوسرے لڑکے نے مجھ کو چوکا مارا اور وہی بات کہی تھوڑی دیر بعد ہی میں نے ابوجہل کو دیکھا کہ لوگوں میں چل پھر رہا ہے میں نے کہا اس کو تم نہیں دیکھ رہے ہو یہ تمہارا وہ صاحب ہے جس کے متعلق تم مجھ سے پوچھ رہے تھے۔ عبدالرحمٰن نے کہا (یہ سنتے ہی) انہوں نے اپنی اپنی تلواریں لیں اور جلدی کی اس کو تلوار سے مارا اور قتل کر دیا پھر وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے اس کو کس نے قتل کیا ہے۔ ایک کہنے لگا کہ میں نے قتل کیا ہے آپ نے فرمایا تم نے اپنی تلواروں کو پونچھ تو نہیں دیا انہوں نے کہا نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تلواروں کو دیکھا اور فرمایا تم دونوں نے ہی اس کو قتل کیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اسباب معاذ بن عمرو بن جموح کو دیا اور وہ دونوں معاذ بن عمرو بن جموح اور معاذ بن عفراء تھے۔ (متفق علیہ)

تشریح: "اضلع" اقوی کے معنی میں ہے یعنی میں نے تمنا کی کہ کاش میرے دائیں بائیں ان دو بچوں کے بجائے طاقتور مرد ہوتے۔" فغمزنی "یعنی ہاتھ کی انگلیوں سے میرے جسم میں چٹکی بھر دی تاکہ میں ان کی طرف متوجہ ہو جاؤں۔" سوادی سواده " ای جسمی جسمه و شخصی شخصه " " الاعجل "یعنی جس کی موت کا وقت جلدی ہو وہ مر جائے یہ حملہ بھی خودکش حملہ کی طرح ہے جو اصل میں دیگر کش حملہ ہے۔"لم انشب "یعنی کوئی دیر نہیں لگی۔" ومعاذ بن عفراء "اس سے پہلے لکھا جا چکا ہے کہ یہ دونوں ماں شریک بھائی تھے اور ماں کا نام عفراء تھا اور باپ دونوں کے الگ الگ تھے معاذ کے باپ عمرو بن جموح تھے اور معوذ کے باپ کا نام حارث تھا اور دونوں کی والدہ کا نام عفرا تھا تو جس کی طرف نسبت ہو جائے صحیح ہے کوئی تعارض نہیں ہے البتہ اتنی یاد رہے کہ پہلے حضرت معاذ نے حملہ کیا پھر معوذ نے حملہ کیا عکرمہ نے معاذ پر حملہ کیا اور بھاگ گیا پھر حضرت ابن مسعود نے بعد میں آکر ابوجہل کا سر قلم کیا فرشتوں نے بھی اس کار خیر میں حصہ لیا۔

(۲۴) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ مَنْ يَنْظُرُ لَنَا مَاصَنَعَ اَبُوْجَهْلٍ فَانْطَلَقَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَوَجَدَهُ قَدْ ضَرَبَهُ ابْنَا عَفْرَاءَ حَتّٰى بَرَدَ قَالَ فَاَخَذَ بِلِحْيَتِهٖ فَقَالَ اَنْتَ اَبُوْجَهْلٍ فَقَالَ وَهَلْ فَوْقَ رَجُلٍ قَتَلْتُمُوْهُ وَ فِيْ رِوَايَةٍ قَالَ فَلَوْ غَيْرُ اَكَّارٍ قَتَلَنِيْ. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا کون شخص ہے جو دیکھے کہ ابوجہل نے کیا کیا ہے ابن مسعود گیا اس نے دیکھا کہ عفراء کے بیٹوں نے اس کو مار گرایا ہے یہاں تک کہ ٹھنڈا ہوا اس نے اس کی داڑھی پکڑ لی اس نے کہا تو ابوجہل ہے اس نے جواب دیا ایک آدمی کو قتل کرنے سے بڑھ کر تو تم نے کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔ ایک روایت میں ہے اس نے کہا کاش کہ زمینداروں کے ماسوا کوئی مجھ کو قتل کرتا۔ (متفق علیہ)

تشریح: "اگر غیر زراعت پیشہ لوگ مجھے قتل کرتے الخ" سے ابوجہل کا مطلب یہ تھا کہ مجھے اس میں کوئی عار محسوس نہیں ہوا ہے کہ تم لوگوں نے مجھے قتل کر دیا ہے لیکن اس بات کا افسوس ضرور ہے کہ مجھے ان آدمیوں نے مارا ہے جو کھیتی باڑی کرنے والے ہیں اگر کاش! مجھے ان کے علاوہ دوسرے لوگ مارتے تو میرے نزدیک یہ زیادہ بہتر ہوتا۔ گویا ابوجہل نے عفراء کے دونوں بیٹوں کی طرف اشارہ کیا جنہوں نے اس کو قتل کیا تھا چنانچہ وہ دونوں انصار سے تعلق رکھتے تھے اور انصار کھیتی باڑی کرتے تھے۔ بایں طور کہ ان کے پاس کھیت بھی تھے اور کھجور کے باغات بھی۔

کسی کو مال دینے سے اس کی دینی فضیلت لازم نہیں آتی

(۳۵) عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ اَعْطٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَھْطًا وَاَنَا جَالِسٌ فَتَرَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْھُمْ رَجُلًا ھُوَ اَعْجَبُھُمْ اِلَیَّ فَقُمْتُ فَقُلْتُ مَالَکَ عَنْ فُلَانٍ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَرَاہُ مُؤْمِنًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْمُسْلِمًا ذَکَرَ ذٰلِکَ سَعْدٌ ثَلَاثًا وَ اَجَابَہٗ بِمِثْلِ ذٰلِکَ ثُمَّ قَالَ اِنِّیْ لَاُعْطِی الرَّجُلَ وَغَیْرُہٗ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْہُ خَشْیَۃَ اَنْ یُّکَبَّ فِی النَّارِ عَلٰی وَجْھِہٖ. مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَھُمَا قَالَ الزُّھْرِیُّ فَنَرٰی اَنَّ الْاِسْلَامَ الْکَلِمَۃُ. وَالْاِیْمَانُ الْعَمَلُ الصَّالِحُ

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو کچھ دیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے ایک شخص کو چھوڑ دیا جبکہ وہ مجھے زیادہ پسند تھا میں کھڑا ہوا میں نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں کو کیوں نہیں دیا اللہ کی قسم میں اس کو مومن خیال کرتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا مسلمان۔ سعد نے تین مرتبہ ایسا کہا اور آپ نے اسی طرح تین مرتبہ اس طرح کہا۔ پھر فرمایا میں ایک شخص کو دیتا ہوں اس کا غیر مجھے زیادہ محبوب ہوتا ہے اس ڈر سے کہ کہیں اس کو آگ میں ڈال جائے (متفق علیہ) ایک روایت میں ہے زہری نے کہا کہ اسلام کلمہ شہادت کا نام ہے اور ایمان عمل صالح ہے۔

تشریح: "او مسلما" علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ "او" بل کے معنی میں ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بتانا چاہتے ہیں کہ ایمان ایک پوشیدہ باطنی امر ہے اس کا حکم نہ لگاؤ بلکہ صرف ظاہر پر حکم لگاؤ جو اسلام ہے لہٰذا اس کو مسلم کہو مومن نہ کہو اس روایت سے اسلام اور ایمان میں تباین کا پتہ چلتا ہے۔

جنگ میں شریک نہ ہونے کے باوجود مال غنیمت میں سے حضرت عثمانؓ کا حصہ

(۳۶) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَامَ یَعْنِیْ یَوْمَ بَدْرٍ فَقَالَ اِنَّ عُثْمَانَ انْطَلَقَ فِیْ حَاجَۃِ اللّٰہِ وَحَاجَۃِ رَسُوْلِہٖ وَاِنِّیْ اُبَایِعُ لَہٗ فَضَرَبَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِسَھْمٍ وَلَمْ یَضْرِبْ لِاَحَدٍ غَابَ غَیْرَہٗ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے دن کھڑے ہوئے اور فرمایا عثمان اللہ اور اس کے رسول کے کام گیا ہے میں اس کی بیعت کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے حصہ بھی معین کیا اور عثمان کے سوا کسی شخص کو حصہ نہیں دیا جو بدر سے غائب رہا ہو۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ بدر پہنچے تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں سخت بیمار تھیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مدینہ بھیج دیا تا کہ وہ وہاں جا کر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کریں۔ اور پھر جب مال غنیمت کی تقسیم کا وقت آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس جنگ میں تین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر جو ذمہ داری عائد ہوئی تھی اس کو انہوں نے پورا کیا اور وہ جنگ میں شریک ہونے کے لیے یہاں آئے لیکن خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہوا کہ وہ مدینہ واپس چلے جائیں اور رقیہ رضی اللہ عنہا کی دیکھ بھال کریں اس اعتبار سے وہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے کام سے گئے ہیں لہٰذا میں خود ان کی طرف سے بیعت کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بایاں ہاتھ اپنے دائیں ہاتھ پر مارا اور فرمایا کہ یہ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی حصہ لگایا۔

ایک اونٹ دس بکریوں کے برابر ہے

(۳۷) وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِیْجٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَجْعَلُ فِیْ قَسْمِ الْمَغَانِمِ عَشْرًا مِّنَ الشَّاءِ بِبَعِیْرٍ. (رواہ النسائی)

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غنیموں کو تقسیم کرتے وقت ایک اونٹ کے بدلہ میں دس بکریاں کرتے تھے۔ (روایت کیا اس کو نسائی نے)

پہلی امتوں میں مال غنیمت کو آسمانی آگ جلا ڈالتی تھی

(۴۸) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ غَزَا نَبِیٌّ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ فَقَالَ لِقَوْمِهٖ لَا یَتْبَعْنِیْ رَجُلٌ مَلَکَ بُضْعَ امْرَاَةٍ وَهُوَ یُرِیْدُ اَنْ یَّبْنِیَ بِهَا وَلَمَّا یَبْنِ بِهَا وَلَا اَحَدٌ بَنٰی بُیُوْتًا وَلَمْ یَرْفَعْ سُقُوْفَهَا وَلَا رَجُلٌ اشْتَرٰی غَنَمًا اَوْ خَلِفَاتٍ وَهُوَ یَنْتَظِرُ اَوْ لَادَهَا فَغَزَا فَدَنَا مِنَ الْقَرْیَةِ صَلَاةَ الْعَصْرِ اَوْ قَرِیْبًا مِنْ ذٰلِکَ فَقَالَ لِلشَّمْسِ اِنَّکِ مَاْمُوْرَةٌ وَاَنَا مَاْمُوْرٌ اَللّٰهُمَّ احْبِسْهَا عَلَیْنَا فَحُبِسَتْ حَتّٰی فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْهِ فَجَمَعَ الْغَنَائِمَ فَجَاءَتْ یَعْنِی النَّارَ لِتَاْکُلَهَا فَلَمْ تَطْعَمْهَا فَقَالَ اِنَّ فِیْکُمْ غُلُوْلًا فَلْیُبَایِعْنِیْ مِنْ کُلِّ قَبِیْلَةٍ رَجُلٌ فَلَزِقَتْ یَدُ رَجُلٍ بِیَدِهٖ فَقَالَ فِیْکُمُ الْغُلُوْلُ فَجَاءُوْا بِرَاْسٍ مِثْلِ رَاْسِ بَقَرَةٍ مِنَ الذَّهَبِ فَوَضَعَهَا فَجَاءَتِ النَّارُ فَاَکَلَتْهَا وَزَادَ فِیْ رِوَایَةٍ فَلَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِاَحَدٍ قَبْلَنَا ثُمَّ اَحَلَّ اللّٰهُ لَنَا الْغَنَائِمَ رَاٰی ضَعْفَنَا وَعَجْزَنَا فَاَحَلَّهَا لَنَا. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء میں سے ایک نبی نے جنگ کی اور اپنی قوم سے کہا میرے ساتھ ایسا شخص نہ جائے جس نے کسی عورت سے نکاح کیا ہے اور اس سے جماع کا ارادہ رکھتا ہے اس کو اپنے گھر نہیں لایا اور نہ وہ آدمی میرے ساتھ جائے جس نے گھر بنایا ہے اور چھت نہیں ڈالی۔ اور نہ وہ آدمی جس نے بکریاں خریدی ہیں یا حاملہ اونٹنیاں ہیں اور وہ ان کے جننے کا منتظر ہے اس نے جہاد کیا نماز عصر کے وقت وہ اس گاؤں کے قریب ہوا یا اس کے قریب قریب اور سورج کو کہا تو بھی مامور ہے اور میں بھی مامور ہوں اے اللہ اس کو ہم پر روک رکھ اس کو ٹھہرایا گیا یہاں تک کہ اللہ نے اس کو فتح دے دی اس نے غنیموں کو جمع کیا آگ ان کو کھانے کے لیے آئی لیکن اس نے نہ کھایا اس نے کہا تم میں خیانت ہے ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی میرے ہاتھ پر بیعت کرے ایک آدمی کا ہاتھ اس کے ہاتھ کے ساتھ چمٹ گیا اس نبی نے کہا تم میں خیانت ہے وہ گائے کے سر جتنا سونا لائے اس کو مال غنیمت میں رکھا آگ آئی اس کو کھا لیا۔ ایک روایت میں زیادہ الفاظ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم سے پہلے کسی کے لیے اللہ تعالیٰ نے غنیمتیں حلال نہیں کیں پھر ہمارے لیے حلال کر دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا ضعف اور عجز دیکھا پس ہمارے لیے حلال کر دیں۔ (متفق علیہ)

تشریح: "نبی من الانبیاء" کہتے ہیں یہ یوشع بن نون پیغمبر تھے انہوں نے فارغ البال نوجوانوں کو جہاد کیلئے منتخب کیا تاکہ بے فکری سے لڑیں۔ "انت مامورة" یعنی مجھے جہاد کا حکم ہے اور تجھے آسمان پر سفر کرنے کا حکم ہے اے اللہ اس کو روک دو تاکہ میں جہاد کے عمل کو مکمل کر لوں اور شہر میں داخل ہو جاؤں چونکہ غروب آفتاب کے بعد ہفتہ کا دن شروع ہونے والا تھا اور ہفتہ کے دن ان کیلئے جہاد کرنا منع تھا اس لئے حضرت یوشع علیہ السلام نے دعا مانگی تاکہ جہاد کے عمل کی تکمیل ہو جائے اور شہر فتح ہو جائے ورنہ پرسوں تک کافر لوگ مضبوط ہو جائیں گے اس وقت یہ کمزور ہیں اور ان کے پاؤں اکھڑے گئے ہیں اس دعا کے بعد سورج رک گیا جب شہر فتح ہو گیا تب غروب ہوا اس سے جہاد کی اہمیت وعظمت کا پتہ چلتا ہے اہل تبلیغ کے نزدیک جہاد کی کوئی اہمیت نہیں ہے بہر حال شہر فتح ہونے کے بعد مال غنیمت اکٹھا کیا گیا مگر دستور کے مطابق آگ نے اس کو نہیں جلایا حضرت یوشع علیہ السلام نے لوگوں کو مصافحہ کرنے کا حکم دیا خائن کا ہاتھ آپ کے ہاتھ سے چپک گیا تو خائن معلوم ہو گیا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہود کے انبیاء نے جہاد کیا ہے جو لوگ جہاد کو دہشت گردی کہتے ہیں وہ اپنے نبی پر اعتراض کرتے ہیں۔

مال غنیمت میں خیانت کرنے والا دوزخ میں ڈالا جائے گا

(۴۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ عُمَرُ قَالَ لَمَّا کَانَ یَوْمُ خَیْبَرَ اَقْبَلَ نَفَرٌ مِنْ صَحَابَةِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا

فُلَانٌ شَهِيْدٌ وَفُلَانٌ شَهِيْدٌ حَتّٰى مَرُّوْا عَلٰى رَجُلٍ فَقَالُوْا فُلَانٌ شَهِيْدٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا اِنِّيْ رَاَيْتُهٗ فِي النَّارِ فِيْ بُرْدَةٍ غَلَّهَا اَوْعَبَاءَةٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ اذْهَبْ فَنَادِ فِي النَّاسِ اَنَّهٗ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ ثَلَاثًا قَالَ فَخَرَجْتُ فَنَادَيْتُ اَلَا اِنَّهٗ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ ثَلَاثًا (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا عمر نے مجھ کو حدیث بیان کی جب خیبر کا دن ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی ایک صحابہ آئے انہوں نے کہا فلاں شہید ہے فلاں شہید ہے یہاں تک کہ ایک شخص کا نام انہوں نے لیا کہ فلاں بھی شہید ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا ہے ایک چادر یا کملی کی وجہ سے جو اس نے مال غنیمت سے چرائی تھی پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر بن خطاب جا اور لوگوں میں اعلان کر دے کہ جنت میں داخل نہ ہوں گے مگر مومن تین مرتبہ آپ نے فرمایا میں نکلا اور تین مرتبہ اعلان کیا کہ خبردار جنت میں نہ داخل ہوں گے مگر مومن۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: "جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے۔" ابن ملک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ شرعی اصطلاح اور عرف عام میں "مومن" اس شخص کو کہتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر ایمان لائے۔ اس اعتبار سے جس شخص نے خیانت کا ارتکاب کیا اس نے گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و شریعت کی تصدیق سے انکار کیا بایں طور پر کہ اس تصدیق کے نتیجہ میں اس پر جو احکام نافذ ہوتے ہیں اس نے ان پر عمل نہیں کیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب بہرحال نہیں ہوسکتا کہ جس شخص نے خیانت کا ارتکاب کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے منافی عمل کیا وہ سرے سے مومن نہیں رہا لہٰذا اس اعلان کے ذریعہ کہ "جنت میں صرف مومن ہی ... ے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شخص کو بظاہر زمرۂ مومنین سے خارج کرنا اصل میں سخت زجر و تنبیہ اور وعید کے طور پر تھا یا یہ بھی کہا جا ... ہے کہ اس ارشاد میں "مومن" سے مراد "متقی و پرہیزگار مومن" ہے اور "داخل ہونے" سے مراد بلا عذاب داخل ہونا ہے اس طرح اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ جو مومن تقویٰ و پرہیزگاری کی راہ پر گامزن ہوں گے وہ جنت میں بغیر عذاب کے داخل کیے جائیں گے لیکن جو مومن متقی و پرہیزگار نہیں ہوں گے اور گناہ کا ارتکاب کریں گے انہیں پہلے عذاب میں مبتلا کیا جائے تاکہ وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت لیں اور پھر بعد میں انہیں بھی جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

چونکہ یہ ارشاد "میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا ہے" بظاہر ان نصوص کے خلاف ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ کسی کا حقیقۃً دوزخ میں ڈالا جانا حشر کے بعد ہی واقع ہوگا۔ لہٰذا اس ارشاد گرامی کو "تمثیل" پر محمول کیا جائے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اسلوب بیان کے ذریعہ درحقیقت اس طرف اشارہ فرمایا کہ یہ شخص دوزخ میں ڈالا جائے گا جیسا کہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے انتقال سے پہلے ہی ان کے جنت میں داخل ہونے کو تمثیل کے طور پر بیان فرمایا تھا میرے نزدیک یہ احتمال بھی ہے کہ یہ ارشاد مجازی اسلوب بیان کا مظہر ہو یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ میں اس شخص کو ایک ایسے گناہ کا مرتکب جانتا ہوں جو دوزخ کے عذاب کو واجب کرنے والا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ ان الابرار لفی نعیم (نیک لوگ جنت میں ہیں) ظاہر ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نیک لوگ ابھی سے جنت میں پہنچ گئے ہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ نیک لوگ ان اوصاف حمیدہ کے حامل ہوتے ہیں جو ان کو جنت میں لے جائیں گے۔

بَابُ الْجِزْيَةِ..... جزیہ کا بیان

جزیہ کس کو کہتے ہیں؟ "جزیہ" اسلامی قانون کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کا اطلاق اس خاص محصول (ٹیکس) پر ہوتا ہے جو اسلامی مملکت میں بسنے والے غیر مسلم افراد (ذمیوں) سے ان کی طے شدہ مرضی کے مطابق لیا جاتا ہے۔

"جزیہ" اصل میں "جزاء" سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی "بدلہ" کے ہیں! اس خاص محصول (ٹیکس) کو جزیہ اسی لیے کہا جاتا ہے وہ گویا اسلامی ریاست میں ترک اسلام اور کفر پر قائم رہنے کا ایک بدلہ اور عوض ہے جو ان کے مال، جائیداد، عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے وصول کیا جاتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ.... مجوسیوں سے جزیہ لیا جاسکتا ہے

(۱) عَنْ بَجَالَةَ قَالَ كُنْتُ كَاتِبًا لِجَزْءِ بْنِ مُعَاوِيَةَ عَمِّ الْاَحْنَفِ فَاَتَانَا كِتَابُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَبْلَ مَوْتِهٖ بِسَنَةٍ فَرِّقُوْا بَيْنَ كُلِّ ذِيْ مَحْرَمٍ مِنَ الْمَجُوْسِ وَلَمْ يَكُنْ عُمَرُ اَخَذَ الْجِزْيَةَ مِنَ الْمَجُوْسِ حَتّٰى شَهِدَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَهَا مِنْ مَجُوْسِ هَجَرَ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت بجالہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا میں احنف کے چچا جزء بن معاویہ کا کاتب تھا ہمارے پاس عمر بن خطاب کا خط آیا ان کی وفات سے ایک سال پہلے اس کا مضمون یہ تھا کہ مجوسیوں میں سے ہر ذی محرم کو جدا کر دو اور حضرت عمر نے مجوسیوں سے جزیہ نہیں لیا تھا یہاں تک کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے گواہی دی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوس سے جزیہ لیا تھا۔ روایت کیا اس کو بخاری نے اور بریدہ کی حدیث جس کے الفاظ ہیں اذا امر امیرا علیٰ جیش باب الکتاب الی الکفار میں ذکر کی جا چکی ہے۔

تشریح: "من المجوس" حضرت عمر فاروقؓ ابتداء میں مجوس سے جزیہ نہیں لیتے تھے کیونکہ قرآن کریم میں آیت تھی من الذین اوتو الکتاب حتی یعطوا الجزیة عن یدوھم صاغرون اس آیت سے بظاہر معلوم ہو رہا تھا کہ جزیہ کا تعلق صرف اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے ہے مجوس اہل کتاب نہیں ہیں بلکہ آتش پرست ہیں جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے گواہی دیدی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر علاقہ کے مجوس سے جزیہ لیا تھا تب عمر فاروق نے لینا شروع کر دیا جزیہ نہ لینے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو زندہ نہ چھوڑا جائے بلکہ قتل کیا جائے۔ اب اہل کتاب اور مجوس کے علاوہ دیگر کفار عجم سے جزیہ لیا جائے گا یا نہیں اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اہل کتاب کے علاوہ کسی کافر سے جزیہ نہیں لیا جائے گا خواہ وہ عربی ہو یا عجمی ہو البتہ مجوس سے جزیہ لینا اس لئے جائز ہے کہ زیر بحث حدیث میں اس کی واضح تصریح موجود ہے۔ احناف کے نزدیک اہل کتاب وغیرہ تمام کفار سے جزیہ لیا جائے گا البتہ مشرکین عرب اور مرتدین سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ ان کیلئے یا اسلام اور یا تلوار ہے۔

دلائل:۔ امام شافعیؒ نے من الذین اوتوا الکتاب سے مفہوم مخالف کے طور پر استدلال کیا ہے البتہ مجوس کی تخصیص اور ان سے جزیہ لینا زیر بحث حدیث کی وجہ سے ہے۔ ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ کفار عجم کو غلام بنانا سب کے نزدیک جائز ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان سے جزیہ لینا بھی جائز ہے کیونکہ جب زندہ چھوڑنا کفر کی حالت میں جائز ہوا تو پھر جزیہ لینا بھی جائز ہونا چاہیے باقی مفہوم مخالف ہمارے نزدیک کوئی دلیل نہیں ہے لہٰذا اس کو پیش کرنا بیکار ہے۔ "ذی محرم من المجوس" مجوسیوں کے ہاں بیٹی ماں اور بہن وغیرہا محارم سے نکاح کرنا کوئی عار نہیں تھا اور نہ منع تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ ایسے محارم کو تعلق ازدواج سے الگ کر دو۔ "ھجر" یمن کے پاس ایک علاقے کا نام ہے جس کو آج کل احساء کہتے ہیں نیز مدینہ کے قریب ایک علاقہ کا نام بھی ہجر تھا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ.... جزیہ کی مقدار

(۲) عَنْ مُعَاذٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا وَجَّهَهٗ اِلَى الْيَمَنِ اَمَرَهٗ اَنْ يَّاخُذَ مِنْ كُلِّ حَالِمٍ يَعْنِيْ مُحْتَلِمٍ دِيْنَارًا اَوْ عِدْلَهٗ مِنَ الْمَعَافِرِيْ ثِيَابٌ تَكُوْنُ بِالْيَمَنِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھ کو یمن کی طرف بھیجا حکم دیا کہ میں ہر بالغ سے ایک دینار یا اس کے برابر معافری کپڑے لوں جو یمن میں پائے جاتے تھے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جزیہ نہ تو عورت پر عائد ہوتا ہے اور نہ بچے پر۔ (اسی طرح مجنون اندھے اور فالج زدہ پر بھی)

جزیہ واجب نہیں ہوتا۔ نیز وہ بڈھا جو لڑنے اور کام کرنے پر قادر نہ ہو اور وہ محتاج جو کوئی کام کرنے پر قادر نہ ہو جزیہ سے مستثنیٰ ہے۔

یہ حدیث بظاہر حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک کی دلیل ہے جن کے نزدیک جزیہ کی واجب مقدار کے بارے میں غنی اور فقیر (یعنی امیر و غریب) برابر ہیں کیونکہ اس حدیث میں کوئی تخصیص ذکر نہیں ہے۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک غنی (امیر) پر ہر سال اڑتالیس درہم واجب ہوتے ہیں جو ہر مہینے چار درہم کے حساب سے ادا کرتے ہوتے ہیں' درمیانی درجہ والے پر ہر سال چوبیس درہم ہوتے ہیں جنہیں وہ ہر ماہ دو دو درہم کر کے ادا کرے گا اور فقیر یعنی نچلے طبقہ والے پر جو کمانے والا ہو ہر سال بارہ درہم واجب ہوتے ہیں جنہیں وہ ہر ماہ ایک ایک درہم کر کے ادا کرے گا۔

اسی حنفی مسلک کے بارہ میں ہدایہ میں لکھا ہے کہ یہ مسلک حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے نیز انصار و مہاجرین میں سے کسی سے بھی اس کے خلاف منقول نہیں ہے اور جہاں تک اس حدیث کا سوال ہے جس میں ہر بالغ سے ایک ایک دینار لینا روایت کیا گیا ہے تو یہ صلح کی صورت پر محمول ہے کہ یمن چونکہ جنگ و جدال کے ذریعہ فتح نہیں ہوا تھا بلکہ باہمی صلح کے ذریعہ یمن والوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے تسلط و اقتدار میں دے دیا تھا لہٰذا جزیہ کے بارے میں بھی ان کے ساتھ مذکورہ مقدار پر مصالحت ہوئی۔ یا یہ اس پر محمول ہے کہ اہل یمن چونکہ مالی طور پر بہت پس ماندہ اور خستہ حال تھے اس لیے ان پر جزیہ کی وہی مقدار واجب کی گئی جو فقراء (غریبوں) پر واجب کی جانی چاہئے تھی۔

مسلمانوں پر جزیہ واجب نہیں

(۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصْلُحُ قِبْلَتَانِ فِيْ أَرْضٍ وَاحِدَةٍ وَلَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ جِزْيَةٌ۔ (رواه احمد والترمذی و ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک زمین میں دو قبلے جائز نہیں ہیں اور مسلمان پر جزیہ نہیں ہے۔ (روایت کیا اس کو احمد' ترمذی اور ابوداؤد نے)

تشریح: "لا تصلح قبلتان" اس جملہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کے لئے جزیرۂ عرب میں رہنے کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ ان کا قبلہ بیت المقدس ہے اور مسلمانوں کا بیت اللہ ہے اور یہ دونوں مخالف سمت میں ہیں لہٰذا ان کو جزیرۂ عرب سے نکال باہر کر دو گویا "ارض واحدۃ" سے مراد جزیرۂ عرب ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی مسلم سرزمین کیلئے یہ مناسب اور صالح نہیں ہے کہ وہاں بطور مغالبہ و مقابلہ اور بطور مساوات دو قبلے آباد ہوں اس کی صورت یہ ہوگی کہ مسلمان ملک میں کفار جزیہ کے بغیر رہتے ہیں یا مسلمان باجلد ار بن کر کفار کے درمیان ذلت کے ساتھ رہ رہے ہوں۔

"ولیس علی المسلم جزیۃ" مطلب یہ ہے کہ ایک ذمی آدمی تھا اس پر جزیہ مقرر تھا پھر وہ مسلمان ہو گیا اب وہ ذمی نہیں بلکہ مسلمان ہے تو اب ان پر جزیہ نہیں ہے یا مطلب یہ ہے کہ ایک ذمی تھا وہ جزیہ دے رہا تھا لیکن پھر اس نے بند کر دیا لیکن کچھ عرصہ بعد وہ مسلمان ہو گیا اب ان پر جو بقایا جزیہ تھا اس کا دینا لازم نہیں کیونکہ اب وہ مسلمان ہو گیا ہے اور مسلمان پر جزیہ نہیں ہوتا ہے۔

جزیہ پر صلح

(۴) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ إِلَى أُكَيْدِرِ دُوْمَةَ فَأَخَذُوْهُ فَأَتَوْا بِهٖ فَحَقَنَ لَهٗ دَمَهٗ وَصَالَحَهٗ عَلَى الْجِزْيَةِ۔ (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو اکیدر دومۃ الجندل کی طرف بھیجا وہ اس کو پکڑ لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون معاف کر دیا اور جزیہ پر اس کے ساتھ صلح کر لی۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: اکیدر الف کے پیش کاف کے زیر یا کے جزم اور دال کے زیر کے ساتھ۔ دومہ کا بادشاہ تھا اور دومہ ایک شہر کا نام تھا جو شام میں تبوک کے پاس واقع تھا۔ اکیدر ایک نصرانی (عیسائی) تھا اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ اس کو قتل نہ کیا جائے بلکہ زندہ پکڑ کر میرے پاس لایا جائے۔ چنانچہ جب اس کو دربار رسالت میں لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر جزیہ مقرر کیا۔ پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس کو ہدایت بخشی اور وہ کامل مسلمان ہو گیا۔

یہود و نصاریٰ سے مال تجارت پر محصول لینے کا مسئلہ

(۵) وَعَنْ حَرْبِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ جَدِّهِ أَبِي أُمِّهِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا الْعُشُوْرُ عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى وَلَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ عُشُوْرٌ. (رواه احمد و ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت حرب بن عبید اللہ اپنے نانا سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مالوں میں سے دسواں حصہ یہود و نصاریٰ پر ہے۔ مسلمانوں کے مال میں عشر نہیں ہے۔ (روایت کیا اس کو احمد اور ابوداؤد نے)

تشریح: یہاں عشر یعنی دسویں حصے کا تعلق مال تجارت سے ہے صدقات واجبہ (یعنی زمینی پیداوار) کا عشر مراد نہیں ہے کیونکہ مسلمان پر زمینی پیداوار کا عشر واجب ہوتا ہے۔ خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ پر عشر کی قسم سے جو چیز واجب ہوتی ہے وہ بس وہی ہے جس پر ان کو ذمی بناتے وقت صلح ہوئی ہو اور جس کا ان کے ساتھ معاہدہ ہوا ہو۔ اور اگر ان کو ذمی بناتے وقت ان سے کسی چیز پر صلح نہیں ہوتی ہے تو اس صورت میں ان پر جزیہ کے علاوہ اور کچھ واجب نہیں ہوگا۔ چنانچہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہی ہے۔

اس سلسلے میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر یہود و نصاریٰ اپنے شہروں میں مسلمان کے داخل ہونے کے وقت ان کے مال تجارت پر محصول (ٹیکس) وغیرہ لیتے ہوں تو مسلمان کو بھی یہ حق حاصل ہوگا کہ جب ان کے شہروں میں یہود و نصاریٰ آئیں تو ان کے تجارت پر مسلمان بھی ان سے محصول لیں اور اگر وہ مسلمانوں سے کسی طرح کا کوئی محصول نہ لیتے ہوں تو پھر مسلمان بھی اس سے کوئی محصول نہیں لیں گے۔

ذمیوں سے معاہدہ کی شرائط زبردستی کرائی جاسکتی ہیں

(۶) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّا نَمُرُّ بِقَوْمٍ فَلَاهُمْ يُضَيِّفُوْنَا وَلَاهُمْ يُؤَدُّوْنَ مَالَنَا عَلَيْهِمْ مِنَ الْحَقِّ وَلَا نَحْنُ نَأْخُذُ مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ أَبَوْا إِلَّا أَنْ تَأْخُذُوْا كَرْهًا فَخُذُوْا. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہا میں نے کہا اے اللہ کے رسول ہم ایک قوم کے پاس سے گزرتے ہیں نہ وہ ہماری مہمانی کرتے ہیں اور نہ وہ اپنا حق ادا کرتے ہیں نہ ہم ان سے لیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ انکار کریں مگر یہ کہ تم ان سے جبراً لو پس لے لو۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے)

تشریح: جن لوگوں کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے وہ دراصل ذمی تھے (جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا بلکہ جزیہ ادا کر کے اسلامی قلمرو میں آباد تھے) اور ان کو ذمی بناتے وقت ان کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا اس میں ان پر یہ شرط عائد کی گئی تھی کہ جو مسلمان جہاد کے لیے جاتا ہو اور ان کے ہاں سے گذرے وہ اس کی میزبانی کریں لیکن انہوں نے اس شرط سے روگردانی کی چنانچہ جو مسلمان جہاد کو جاتے ہوئے ان کے ہاں ٹھہرتے وہ نہ صرف یہ کہ ان کی میزبانی نہ کرتے بلکہ ان کے ہاتھ غلہ وغیرہ بھی فروخت نہیں کرتے تھے جب مسلمان نے اس صورت حال سے تنگ آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ حکم ارشاد فرمایا۔ لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ ان ذمیوں پر پہلے سے اس طرح کی کوئی شرط عائد نہ کی گئی ہو تو اس صورت میں ان کے ہاں ٹھہرنے والے مسلمان کے لیے جو غیر مضطر ہو یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ ان کے مال واسباب ان کی رضا و خوشی کے بغیر لے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

ذمیوں پر جزیہ کی مقررہ مقدار کے علاوہ مسلمانوں کی ضیافت بھی واجب کی جاسکتی ہے

(۷) وَعَنْ اَسْلَمَ اَنَّ عُمَرَبْنَ الْخَطَّابِ ضَرَبَ الْجِزْيَةَ عَلٰى اَهْلِ الذَّهَبِ اَرْبَعَةَ دَنَانِيْرَ وَ عَلٰى اَهْلِ الْوَرِقِ اَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا مَعَ ذٰلِكَ اَرْزَاقُ الْمُسْلِمِيْنَ وَضِيَافَةُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ. (رواہ مالک)

ترجمہ: حضرت اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا عمر بن خطاب نے سونے والوں پر چار دینار۔ چاندی والوں پر چالیس درہم مقرر کیے اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا رزق اور تین دن کی مہمانی مقرر کی۔ (روایت کیا اس کو مالک نے)

تشریح: "اور تین دن کی میزبانی الخ" یہ اصل میں "خورد ونوش" کی وضاحت ہے یعنی ان غیر مسلموں کو ذمی بناتے وقت ان پر جزیہ کی جو مذکورہ مقدار مقرر کی گئی تھی اس کے ساتھ ہی ان کے لیے یہ بھی ضروری قرار دیا گیا تھا کہ جب ان کے ہاں کوئی مسلمان پہنچے تو وہ کم سے کم تین دن تک اس کی میزبانی کے فرائض انجام دیں۔ چنانچہ شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ ذمیوں سے ایک دینار سے زائد کی مقدار پر مصالحت کرنا نیز ان پر یہ شرط عائد کرنا کہ اگر ان کے ہاں سے مسلمان گذریں تو ان کی میزبانی کے فرائض انجام دیں یہ جائز ہے اور اس میزبانی کے اخراجات اصلی جزیہ سے وضع نہیں ہوں گے بلکہ وہ جزیہ کی مقررہ مقدار سے ایک زائد چیز ہوگی۔ اس مسئلہ کی باقی تفصیل مرقات وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

بَابُ الصُّلْحِ...... صلح کا بیان

"صلح" اصل میں صلاح اور صلوح کا اسم ہے جو فساد بمعنی تباہی کے مقابلہ پر استعمال ہوتا ہے۔ اسلامی مملکت کے سربراہ کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ نظریہ توحید کے مطابق عالمگیر امن کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے تبلیغ اسلام کے مطمح نظر کی خاطر انسانی سلامتی و آزادی کی حفاظت اور سیاسی و جنگی مصالح کے پیش نظر دشمن اقوام سے معاہدہ صلح و امن کرلے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ میں آپ نے سب سے بڑے دشمن کفار مکہ سے صلح کی جو "صلح حدیبیہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اس معاہدہ صلح کی مدت دس سال مقرر کی گئی تھی اور حدیث و تاریخ کے اس متفقہ فیصلہ کے مطابق کہ حدیبیہ کا یہی وہ معاہدہ صلح ہے جس نے نہ صرف اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی راہ میں بڑی آسانیاں پیدا کیں بلکہ دنیا کو معلوم ہوگیا کہ اسلام انسانیت اور امن کے قیام کا حقیقی علمبردار ہے اور مسلمان اس راہ میں اس حد تک صادق ہیں کہ جنت جو عرب اور بالخصوص کفار مکہ کے وحشیانہ تشدد اور عیارانہ سازشوں کے باوجود اس معاہدہ کی پوری پوری پابندی کرتے رہے لیکن اس معاہدہ صلح کی مدت پر تین سال ہی گزر رہے تھے کہ کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف بنوخزاعہ کے مقابلہ پر جنگ کرنے والے بنوبکر کی مدد کرکے اس معاہدہ کو توڑ ڈالا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ.... صلح حدیبیہ

(۱) عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَمَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَا خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ فِيْ بِضْعَ عَشْرَةَ مِائَةً مِنْ اَصْحَابِهٖ فَلَمَّا اَتٰى ذَا الْحُلَيْفَةِ قَلَّدَ الْهَدْيَ وَاَشْعَرَ وَ اَحْرَمَ مِنْهَا بِعُمْرَةٍ وَ سَارَ حَتّٰى اِذَا كَانَ بِالثَّنِيَّةِ الَّتِيْ يُهْبَطُ عَلَيْهِمْ مِنْهَا بَرَكَتْ بِهٖ رَاحِلَتُهٗ فَقَالَ النَّاسُ حَلْ حَلْ خَلَاَتِ الْقَصْوَاءُ خَلَاَتِ الْقَصْوَاءُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاخَلَاَتِ الْقَصْوَاءُ وَ مَاذَاكَ لَهَا بِخُلُقٍ وَلٰكِنْ حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيْلِ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَايَسْاَلُوْنِيْ خُطَّةً يُعَظِّمُوْنَ فِيْهَا حُرُمَاتِ اللّٰهِ اِلَّا اَعْطَيْتُهُمْ اِيَّاهُمْ ثُمَّ زَجَرَهَا فَوَثَبَتْ فَعَدَلَ عَنْهُمْ حَتّٰى نَزَلَ بِاَقْصَى الْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى ثَمَدٍ قَلِيْلِ الْمَاءِ يَتَبَرَّضُهُ النَّاسُ تَبَرُّضًا فَلَمْ يُلَبِّثْهُ النَّاسُ حَتّٰى نَزَحُوْهُ وَشُكِيَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَطَشُ فَانْتَزَعَ سَهْمًا مِنْ كِنَانَتِهٖ ثُمَّ اَمَرَهُمْ اَنْ يَجْعَلُوْهُ فِيْهِ فَوَاللّٰهِ مَازَالَ يَجِيْشُ لَهُمْ بِالرِّيِّ حَتّٰى صَدَرُوْا عَنْهُ فَبَيْنَاهُمْ كَذٰلِكَ اِذْجَاءَ بُدَيْلُ بْنُ وَرْقَاءَ الْخُزَاعِيُّ فِيْ نَفَرٍ مِنْ خُزَاعَةَ ثُمَّ اَتَاهُ عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَ سَاقَ الْحَدِيْثَ اِلٰى اَنْ قَالَ اِذْجَاءَ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُكْتُبْ هٰذَا مَاقَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ سُهَيْلٌ وَاللّٰهِ لَوْكُنَّا نَعْلَمُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَاصَدَدْنَاكَ عَنِ الْبَيْتِ وَلَا قَاتَلْنَاكَ وَلٰكِنْ اُكْتُبْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاِنْ كَذَّبْتُمُوْنِيْ اُكْتُبْ مُحَمَّدَ ابْنَ عَبْدِاللّٰهِ فَقَالَ سُهَيْلٌ وَ عَلٰى اَنْ لَايَاْتِيَكَ مِنَّا رَجُلٌ وَاِنْ كَانَ عَلٰى دِيْنِكَ اِلَّا رَدَدْتَهٗ عَلَيْنَا فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ قَضِيَّةِ الْكِتَابِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَصْحَابِهٖ قُوْمُوْا فَانْحَرُوْا ثُمَّ احْلِقُوْا ثُمَّ جَاءَ نِسْوَةٌ مُؤْمِنَاتٌ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ الاٰيَةَ فَنَهَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْ يَرُدُّوْهُنَّ وَاَمَرَهُمْ اَنْ يَرُدُّوا الصَّدَاقَ ثُمَّ رَجَعَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَجَاءَهٗ اَبُوْبَصِيْرٍ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ وَهُوَ مُسْلِمٌ فَاَرْسَلُوْا فِيْ طَلَبِهٖ رَجُلَيْنِ فَدَفَعَهٗ اِلَى الرَّجُلَيْنِ فَخَرَجَابِهٖ حَتّٰى اِذَا بَلَغَاذَا الْحُلَيْفَةِ نَزَلُوْايَاْكُلُوْنَ مِنْ تَمْرٍ لَهُمْ فَقَالَ اَبُوْبَصِيْرٍ لِاَحَدِ الرَّجُلَيْنِ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَرٰى سَيْفَكَ هٰذَا يَافُلَانُ جَيِّدًا اَرِنِيْ اَنْظُرْ اِلَيْهِ فَاَمْكَنَهٗ مِنْهُ فَضَرَبَهٗ حَتّٰى بَرَدَ وَفَرَّ الْاٰخَرُ مِنْهُ حَتّٰى اَتَى الْمَدِيْنَةَ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ يَعْدُوْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَاٰى هٰذَا ذُعْرًا فَقَالَ قُتِلَ وَاللّٰهِ صَاحِبِيْ وَاِنِّيْ لَمَقْتُوْلٌ فَجَاءَ اَبُوْبَصِيْرٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلُ اُمِّهٖ مِسْعَرُ حَرْبٍ لَوْكَانَ لَهٗ اَحَدٌ فَلَمَّا سَمِعَ ذٰلِكَ عَرَفَ اَنَّهٗ سَيَرُدُّهٗ اِلَيْهِمْ فَخَرَجَ حَتّٰى اَتٰى سِيْفَ الْبَحْرِ قَالَ وَانْفَلَتَ اَبُوْجَنْدَلِ بْنِ سُهَيْلٍ فَلَحِقَ بِاَبِيْ بَصِيْرٍ فَجَعَلَ لَا يَخْرُجُ مِنْ قُرَيْشٍ رَجُلٌ قَدْ اَسْلَمَ اِلَّا لَحِقَ بِاَبِيْ بَصِيْرٍ حَتَّى اجْتَمَعَتْ مِنْهُمْ عِصَابَةٌ فَوَاللّٰهِ مَايَسْمَعُوْنَ بِعِيْرٍ خَرَجَتْ لِقُرَيْشٍ اِلَى الشَّامِ اِلَّا اعْتَرَضُوْالَهَا فَقَتَلُوْهُمْ وَاَخَذُوْا اَمْوَالَهُمْ فَاَرْسَلَتْ قُرَيْشٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُنَاشِدُهُ اللّٰهَ وَالرَّحِمَ لَمَّا اَرْسَلَ اِلَيْهِمْ فَمَنْ اَتَاهُ فَهُوَ اٰمِنٌ فَاَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِمْ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہما و عنہم سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے سال دس اور کتنے سو صحابہ کو لے کر نکلے جب ذوالحلیفہ آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہدی کو قلادہ پہنایا اور اشعار کیا اور وہاں سے عمرہ کا احرام باندھا اور چلے حتی کہ جب ثنیہ پر پہنچے جہاں سے مکہ والوں پر اترا جاتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی لوگوں نے کہا حل حل قصوا اونٹنی اڑ گئی ہے قصوا اڑ گئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قصوا اونٹنی نہیں ہے اور نہ اس کی عادت ہے لیکن اس کو ہاتھی کے روکنے والے نے روکا ہے پھر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مجھ سے قریش کوئی ایسی بات طلب نہیں کریں گے جس میں اللہ کی حرمات کی تعظیم ہوگی مگر میں ان کو دے دوں گا پھر اونٹنی کو اٹھایا پس وہ اٹھی اور ان سے علیحدہ ہوگئی یہاں تک کہ حدیبیہ کی انتہائی جانب میں جا کر اترے ایک جگہ پر جہاں تھوڑا سا پانی تھا جس کو لوگ تھوڑا تھوڑا لیتے تھے جلد ہی لوگوں نے اس کو کھینچ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوگوں نے پیاس کی شکایت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترکش سے ایک تیر نکالا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو صحابہ رضی اللہ عنہم اس میں رکھ دیں۔ پس اللہ کی قسم پانی ان کے ساتھ سیرابی کے ساتھ جوش مارتا رہا یہاں تک کہ اس سے پھرے وہ اسی طرح تھے کہ بدیل بن ورقاء خزاعی بنو خزاعہ کی ایک جماعت لے کر آیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عروہ بن مسعود آیا پھر راوی نے پوری حدیث بیان کی یہاں تک کہ راوی نے کہا کہ سہیل بن عمرو آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لکھو یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ نے کیا ہے۔ سہیل کہنے لگا اللہ کی قسم اگر ہم جان لیں کہ تو اللہ کا رسول ہے ہم تجھ کو بیت اللہ سے نہ روکیں اور نہ تمہارے ساتھ جنگ کریں لیکن آپ محمد بن عبداللہ لکھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم میری تکذیب کر

رہے ہو۔ لکھ محمد بن عبداللہ' سہیل نے کہا اور پہلی شرط یہ ہے تمہارے پاس ہمارا کوئی آدمی نہیں آئے گا اگر چہ وہ تمہارے دین پر ہو مگر اس کو ہماری طرف لوٹا دو گے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلح نامہ سے فارغ ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کھڑے ہو جاؤ اور اپنی قربانیاں ذبح کر دو پھر سر منڈاؤ۔ پھر کئی ایک ایماندار عورتیں آئیں اللہ تعالیٰ نے آیت نازل کی اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تمہارے پاس ایماندار عورتیں ہجرت کر کے آئیں (الآیۃ) اللہ تعالیٰ نے ان کو منع کیا ہے کہ ان کو واپس لوٹا دیں ان کو حکم دیا کہ وہ مہر واپس کر دیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ چلے آئے۔ قریش کا ایک آدمی ابو بصیر آپ کے پاس آیا اور وہ مسلمان تھا۔ انہوں نے اس کی تلاش میں دو آدمی بھیجے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دونوں آدمیوں کے سپرد کر دیا وہ اس کو لے کر نکلے جب وہ ذوالحلیفہ پہنچے اترے اور اپنی کھجوریں کھانے لگے ابو بصیر نے ایک آدمی کو کہا اللہ کی قسم اے فلاں تیری تلوار بڑی عمدہ معلوم ہوتی ہے۔ ذرا مجھے دکھلاؤ تو اس نے اس کو پکڑا دی ابو بصیر نے اس کو تلوار ماری وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ دوسرا بھاگ نکلا یہاں تک کہ مدینہ آیا اور مسجد میں داخل ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے خوف دیکھا ہے اس نے کہا ابو بصیر نے میرے ساتھی کو مار ڈالا ہے اور میں بھی مارا جاؤں گا۔ ابو بصیر بھی آ گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی ماں کے لیے ہلاکت ہو یہ جنگ کو گرم کرنے والا ہے اگر اس کا کوئی مددگار ہوتا جب اس نے یہ بات سنی اس نے جان لیا کہ آپ اس کو واپس لوٹا دیں گے وہ نکلا اور سمندر کے کنارے آ گیا۔ ابو جندل بن سہل بھی بھاگ کر اس کو آ ملا۔ قریشیوں میں سے جو بھی مسلمان ہو کر نکلتا وہ ابو بصیر کو آ ملتا۔ یہاں تک کہ قریش کی ایک جماعت وہاں جمع ہو گئی۔ اللہ کی قسم کسی قافلہ کے متعلق وہ نہ سنتے تھے کہ وہ شام کی طرف نکلا ہے مگر اس کا پیچھا کرتے ان کو قتل کرتے اور ان کا مال لوٹتے قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا۔ آپ کو اللہ اور قرابت کا واسطہ دیتے تھے کہ ان کو پیغام بھیجیں کہ ان کے پاس جو آئے گا وہ امن میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف پیغام بھیجا۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

تشریح: "حدیبیۃ" ایک کنوئیں کا نام تھا اس کی وجہ سے جگہ کا نام پڑ گیا' حدیبیہ مکہ اور جدہ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جس کا کچھ حصہ حرم میں داخل ہے آج کل اس کو شمیسی کہتے ہیں مکہ سے مغربی جانب تقریباً پندرہ میل کے فاصلہ پر حدیبیہ واقع ہے۔ "حل حل" یعنی چل چل" **خلات القصوی** "یعنی قصوا اونٹنی اڑ گئی" **ثمد** "گڑھا جس میں تھوڑا سا پانی تھا" **یتبرضه** "تھوڑا تھوڑا پانی لینا" **شکی** "مجہول کا صیغہ ہے شکایت کے معنی میں ہے پانی کی قلت کی شکایت آنحضرت کے سامنے کی گئی۔ یجش جوش مارنے کے معنی میں ہے" بالری" یعنی خوب کثرت کے ساتھ پانی آیا جس سے لوگ سیراب ہو جائیں گے" **صدروا** "یعنی سیراب ہو کر واپس لوٹ آئے۔

"**یردو الصداق**" اللہ تعالیٰ کا تکوینی معاملہ تھا کہ صلح حدیبیہ میں دستاویز لکھنے میں عورتوں کا تذکرہ کسی کو یاد بھی نہ رہا بعد میں کفار پچھتائے مگر کچھ ہاتھ نہیں آیا پیغمبر اسلام پر وحی نازل ہو گئی کہ عورتوں کو کفار کے ہاتھوں واپس نہ کر والبتہ عورتوں کا مہر ان کو واپس کر دو یہ ابتدائی دور کا معاملہ تھا پھر اس میں تبدیلی آ گئی چنانچہ آج کسی مسلم مرد کو کفار کی طرف واپس کرنے کا معاہدہ جائز نہیں ہے۔ "**ذعرا**" یعنی اس نے کوئی خوفناک حادثہ دیکھا "**ویل امه**" یہ جملہ اگر چہ بددعا کیلئے وضع کیا گیا ہے مگر یہ تعجب کیلئے استعمال ہوتا ہے یہاں تعجب کا معنی ہے" **مسعر حرب**" یعنی لڑائی کی آگ بھڑکانے والا ہے اگر ان کے ساتھ کچھ ساتھی ہو جائے اور ان کی مدد کرے یہ مطلب زیادہ واضح ہے اگر چہ ملا علی قاریؒ نے یہ مطلب زیادہ مناسب قرار دیا ہے کہ لڑائی بھڑکانے والا ہے کاش اگر ان کو کوئی بتائے کہ میرے پاس نہ آئے تاکہ میں اس کو دوبارہ واپس نہ کر دوں۔ بہر حال نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بصیر کو مدینہ سے واپس بھیج دیا مگر کفار کے ہاتھ میں نہیں دیا ابو بصیر نے جا کر ساحل سمندر کے پاس اپنا ٹھکانا بنایا اب کافروں کے پاس سے جو مسلمان چھوٹ کر آتا تو ابو بصیر کے معسکر میں ٹھہرتا یہاں مظلوموں کیلئے ایک آزاد قبائلی علاقہ بن گیا چنانچہ ان کی تعداد ۷۰ تک پہنچ گئی اور انہوں نے کفار کے مقابلہ میں چھاپہ مار جنگ شروع کی ان کے تجارتی قافلوں پر حملے کیے تب قریش نے پریشان ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا اور خدا کا واسطہ دیا کہ ابو بصیر اور ان کے ساتھیوں کو مدینہ بلائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بصیر کے نام خط روانہ کیا کہ مدینہ آ جاؤ اس

وقت ابوبصیر حالت نزع میں تھے آپ نے خط سنا اور پھر اپنے سینے پر رکھ کر جان جان آفرین کے حوالہ کر دی۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن   خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

صلح حدیبیہ کی تین خاص شرطیں

(۲) وعن البراء بن عازب قال صالح النبی صلی الله علیه وسلم المشرکین یوم الحدیبیه علی ثلاثة اشیاء علی ان من اتاه من المشرکین رده الیهم و من اتاهم من المسلمین لم یردوه و علی ان یدخلها من قابل ویقیم بها ثلاثة ایام و لا یدخلها الا بجلبان السلاح والسیف والقوس ونحوه فجاء ابوجندل یحجل فی قیوده فرده الیهم (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن مشرکوں کے ساتھ تین شرطوں پر صلح کی۔ کہ مشرکوں میں سے جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے ان کی طرف آپ لوٹا دیں اور مسلمانوں میں سے جو شخص ان کے پاس آئے گا وہ اس کو واپس نہیں کریں گے۔ دوسری شرط یہ تھی کہ آئندہ سال آپ مکہ میں داخل ہوں اور تین دن وہاں ٹھہریں اور مکہ میں ہتھیار تلوار اور کمان تھیلی میں بند کیے ہوئے ہوں۔ ابوجندل بیڑیوں میں چلتا ہوا آیا آپ نے اس کو ان کی طرف لوٹا دیا۔ (متفق علیہ)

تشریح: جلبان چمڑے کا ایک تھیلا ہوتا تھا جس کا مصرف یہ تھا کہ جب لوگ سفر کرتے تو نیام سمیت تلواریں اور دوسرے ہتھیار وغیرہ اس میں رکھ کر گھوڑے کی زین کے پچھلے حصہ میں لٹکا دیتے تھے۔ یہاں جلبان یعنی غلاف میں ہتھیاروں کو رکھ کر لانے کی شرط سے مشرکین کی مراد یہ تھی کہ جب آئندہ سال مسلمان مکہ آئیں تو اپنے ہتھیار ننگے کھلے لے کر شہر میں داخل نہ ہوں بلکہ ان کو نیام وغیرہ میں رکھیں تا کہ اس طرح مسلمانوں کے غلبہ ان کی طاقت کی فوقیت و برتری اور ان کے جنگی ارادوں کا اظہار نہ ہو۔

حضرت ابوجندل ابن سہیل رضی اللہ عنہ مکہ ہی میں اسلام قبول کر چکے تھے اور جن دنوں صلح حدیبیہ ہوئی ہے وہ مشرکین مکہ کی قید میں تھے۔ چنانچہ وہ کسی طرح مکہ سے بھاگ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حدیبیہ پہنچے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ صلح کے پیش نظر ان کو مشرکین کے حوالے کر دیا اور انہیں صبر واستقامت کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ ابوجندل! صبر واستقامت کی راہ اختیار کرو اور آخرت کے اجر وثواب کی امید رکھو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بھی اور دوسرے ضعیف وبے بس لوگوں کیلئے بھی (جلد ہی) خلاصی ونجات اور شادمانی کے سامان پیدا کر دے گا۔

علماء لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل مکہ کی ان شرائط کو قبول کرنا جو بظاہر مسلمانوں کیلئے سوہان روح اور ان کی ملی جمعیت ووقار کے منافی تھیں۔ اس وجہ سے تھا کہ ایک تو اس وقت مسلمان بہرحال کمزور وخستہ حال تھے اور ان میں اتنی مادی طاقت اور ان کے پاس اتنے وسائل نہیں تھے۔ جن کے ذریعہ وہ اہل مکہ کا مقابلہ کر پاتے۔ دوسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ سے کسی جنگ کے ارادے سے نہیں چلے تھے بلکہ عمرہ کیلئے روانہ ہوئے تھے اور اس کیلئے احرام بھی باندھ چکے تھے۔ ادھر حدود حرم کی عظمت اور ان کے شرعی تقاضوں کا لحاظ بھی ضروری تھا نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنگ کرنے کا حکم بھی نازل نہیں ہوا تھا ان کے علاوہ اور بھی بہت سی مصلحتیں تھیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر تھیں۔

چنانچہ انجام کار اس معاہدہ صلح کے بہت زیادہ فائدے ظاہر ہوئے کہ اسلام کی اشاعت وتبلیغ کے ایسے مواقع میسر آئے جنہوں نے دور دراز تک کی فضا کو مسلمانوں کے حق میں بدل دیا اور اسلام کی آواز حق چار دانگ عالم میں پھیل گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مکہ کی فتح عظیم عطا فرمائی۔ وہاں کے لوگوں کو اسلام کے دامن میں پہنچا دیا اور اس طرح یہ ثابت ہو گیا کہ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کی پیش کردہ شرائط پر معاہدہ صلح کر کے اپنے جذبہ امن پسندی وانسانیت نوازی ہی کا اظہار نہیں کیا بلکہ اپنی بے مثال سیاسی بصیرت وبالغ نظری اور دور اندیشی کا نمونہ بھی پیش کیا اور سب سے بڑھ کر حقیقت میں منشاء خداوندی اور حکم الٰہی کی فرمانبرداری کی اور کمال عبودیت کا اظہار کیا۔

(۳) وعن انس ان قریشا صالحوا النبی صلی الله علیه وسلم فاشترطوا علی النبی صلی الله علیه وسلم ان من

جاء نامنکم لم تردہ علیکم و من جاء کم منا رددتموہ علینا فقالوا یا رسول اللہ اتکتب ھذا قال نعم انہ من ذھب منا الیھم فابعدہ اللہ ومن جاء نامنھم سیجعل اللہ لہ فرجاو مخرجا۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا قریش نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح کی انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر شرط لگائی کہ تم میں سے اگر کوئی شخص ہمارے پاس آ گیا ہم اس کو نہیں لوٹائیں گے۔ اور ہمارا جو شخص تمہارے پاس آ گیا تم ہماری طرف لوٹا دو گے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا ہم اس کو لکھ دیں آپ نے فرمایا ہاں ہم میں سے جو شخص ان کی طرف چلا گیا اللہ نے اس کو دور کر دیا اور ان میں سے جو ہمارے پاس آ گیا اللہ اس کے لیے کشادگی اور خلاصی پیدا کر دے گا۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

عورتوں کی بیعت

(۴) وعن عآئشۃ قالت فی بیعۃ النساء ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یمتحنھن بھذہ الایۃ یآیھا النبی اذا جآء ک المومنات یبایعنک فمن اقرت بھذا الشرط منھن قال لھا قد بایعتک کلا مایکلمھا بہ واللہ ماسمست یدہ یدامراۃ قط فی المبایعۃ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے عورتوں کی بیعت کے متعلق کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے ساتھ ان کا امتحان لیتے تھے اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ایمان والی عورتیں آپ کے پاس بیعت کے لیے آئیں۔ ان عورتوں میں سے جو اس کا اقرار کر لیتی اس کے لیے فرما دیتے کہ میں نے تیری بیعت قبول کر لی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ گفتگو ہی فرماتے۔ اللہ کی قسم بیعت کرنے میں آپ کا ہاتھ کبھی کسی عورت کو نہیں لگا۔ (متفق علیہ)

تشریح: ''اس آیت کریمہ کی روشنی میں پرکھتے تھے۔'' یعنی اس آیت میں عورتوں کے لیے جن احکام کی پابندی کو بیعت کی شرط قرار دیا گیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان عورتوں سے ان احکام پر عمل کرنے کا عہد کرتے جن کا وہ عہد و اقرار کرتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بیعت کرتے چنانچہ اس پوری آیت کا مفہوم و مضمون یہ ہے کہ مسلمان عورتیں ان شرائط پر (یعنی ان احکام پر عمل کرنے کی) بیعت کریں کہ وہ (عورتیں) کسی ذات اور کسی چیز کو خدا کا شریک نہیں مانیں گی (یعنی ہر طرح کے شرک سے کلیۃ اجتناب کریں گی) چوری نہیں کریں گی زنا کی مرتکب نہیں ہوں گی اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی (جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ بیٹیوں کو مار ڈالا جاتا تھا) کسی پر تہمت نہیں لگائیں گی اور عصیان نہیں کریں گی (یعنی خدا اور اس کے رسول کے احکام سے روگردانی نہیں کریں گی' اس اعتبار سے یہ آیت اس آیت کریمہ کی تفسیر و وضاحت ہے جو پہلی حدیث میں گزر چکی ہے یعنی یایھا الذین امنوا اذا جآء کم المومنات الخ۔ حدیث کے آخری جزء کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ بیعت' ہاتھ میں ہاتھ لے کر یا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کی جاتی ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے زبانی بیعت لیتے تھے یعنی ان سے یہ فرماتے تھے کہ ''میں نے تمہاری بیعت قبول کی۔'' اس سے معلوم ہوا کہ بعض مشائخ عورتوں سے بیعت لینے کا جو یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ مرید کرتے وقت کسی برتن میں رکھے ہوئے پانی میں اپنے ہاتھ ڈالتے ہیں اور وہ عورت بھی اس پانی میں اپنا ہاتھ ڈالتی ہے' یا بعض حضرات یہ کرتے ہیں کہ کسی کپڑے کا ایک آنچل اپنے ہاتھ میں پکڑتے ہیں اور دوسرا آنچل عورت پکڑ لیتی ہے' تو اس طرح کے تکلفات کی ضرورت نہیں بلکہ جو طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اسی پر اکتفا کرنا افضل واحسن۔ مؤلف کتاب نے بیعت سے متعلق اس حدیث کو یہاں ''باب الصلح'' میں اس لیے نقل کیا ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت لینے کا مرحلہ بھی آیا تھا جو ''بیعت الرضوان'' کے نام سے مشہور ہے اور جس کو قرآن کریم نے بھی اس آیت لقد رضی اللہ عن المومنین الخ میں بیان کیا ہے اسی مناسبت سے عورتوں کی بیعت سے متعلق اس حدیث کو یہاں نقل کیا گیا ہے اگرچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر عورتوں سے بیعت نہیں لی گئی تھی۔

الفصل الثانی... معاہدۂ حدیبیہ کی کچھ اور دفعات

(۵) عن المسور ومروان انهم اصطلحوا علی وضع الحرب عشر سنین یامن فیهن الناس و علی ان بیننا عیبة مکفوفة وانه لااسلال ولا اغلال. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت مسور اور مروان رضی اللہ عنہما و عنہم سے روایت ہے قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر صلح کی کہ دس سال تک آپس میں لڑائی نہیں کریں گے لوگ اس میں امن کے ساتھ رہیں گے اور یہ کہ ہمارے درمیان جامہ دانی بند ہو اور یہ کہ چوری چھپی اور خیانت نہ ہو۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: ''بندھی ہوئی گٹھری'' سے مراد یہ تھی کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے لیے اپنے سینوں کو مکر و فریب، کینہ و عداوت اور شر و فساد سے پاک رکھیں اور صلح و وفا کا ہر وقت خیال رکھیں۔ ''نہ چھپی ہوئی چوری کریں اور نہ خیانت'' کا مطلب یہ تھا کہ ہر فریق اس بات کو ملحوظ رکھے کہ اس کا کوئی فرد دوسرے فریق کے کسی فرد کا کوئی مال اور اس کی کوئی چیز نہ تو چوری چھپے ہتھیائے اور نہ کھلم کھلا غصب کرے۔

غیر مسلموں سے کیے ہوئے معاہدوں کی پابندی نہ کرنے والوں کے خلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتباہ

(۶) وعن صفوان بن سلیم عن عدة ابناء اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم عن ابائهم عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال الا من ظلم معاهدا اوانتقصه او کلفه فوق طاقته او اخذمنه شیئا بغیر طیب نفس فانا حجیجه یوم القیامة. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت صفوان بن سلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بہت سے بیٹوں سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے باپوں سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا خبردار جو شخص ذمی پر ظلم کرے یا اس کے حق کو کم کرے یا طاقت سے بڑھ کر اس کو تکلیف دے یا اس کی رضامندی کے بغیر کوئی چیز لے لے۔ قیامت کے دن میں اس کے ساتھ جھگڑا کرنے والا ہوں گا۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

عورتوں کی اجتماعی بیعت کا مسنون طریقہ

(۷) وعن امیمة بنت رقیقة قالت بایعت النبی صلی الله علیه وسلم فی نسوة فقال لنا فیما استطعتن واطقتن قلت الله ورسوله ارحم بنامنا بانفسنا قلت یا رسول الله بایعنا تعنی صافحنا قال انما قولی لمائة امراة کقولی لامراة واحدة رواه.

ترجمہ: حضرت امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چند عورتوں کے درمیان بیعت کی آپ نے فرمایا جس کی تم کو طاقت ہو اور استطاعت ہو۔ میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہمارے نفسوں پر ہم سے زیادہ مہربان ہے میں نے کہا اے اللہ کے رسول ہم سے مردوں کی طرح بیعت کرو اس کی مراد تھی کہ مصافحہ کرو آپ نے فرمایا سو عورتوں کے لیے میری وہی بات ہے جو ایک عورت کے لیے ہے۔

الفصل الثالث... معاہدۂ حدیبیہ کی کتابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلم سے

(۸) عن البراء بن عازب قال اعتمر رسول الله صلی الله علیه وسلم فی ذی القعدة فابی اهل مکة ان یدعوه یدخل مکة حتی قاضاهم علی ان یدخل یعنی من العام المقبل یقیم بها ثلاثة ایام فلما کتبوا الکتاب کتبوا هذا

ماقاضی علیہ محمد رسول اللہ وقالوالا نقربہا فلوتعلم انک رسول اللہ مامنعناک ولکن انت محمد بن عبداللہ فقال انا رسول اللہ و انا محمد بن عبداللہ ثم قال لعلی بن ابی طالب امح رسول اللہ قال لا واللہ لا امحوک ابدا فاخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولیس یحسن یکتب فکتب ھذا ما قاضی علیہ محمد ابن عبداللہ لا یدخل مکۃ بالسلاح الا لسیف فی القراب و ان لایخرج من اھلہا باحد ان اراد ان یتبعہ و ان لایمنع من اصحابہ احدا ان اراد ان یقیم بہا فلما دخلہا و مضی الاجل اتوا علیا فقالوا قل لصاحبک اخرج عنا فقد مضی الا جل فخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم. (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالقعدہ میں عمرہ کیا اہل مکہ نے اس بات کا انکار کیا کہ آپ کو چھوڑیں کہ آپ مکہ میں داخل ہوں یہاں تک کہ آپ نے ان سے صلح کی اس بات پر کہ آپ آئندہ سال مکہ میں داخل ہوں گے اور وہاں تین دن تک ٹھہریں گے۔ جب انہوں نے صلح نامہ لکھا یہ الفاظ لکھے کہ یہ وہ صلح نامہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی ہے مشرکوں نے کہا ہم اس بات کا اقرار نہیں کرتے اگر ہم جان لیں کہ تو اللہ کا رسول ہے تم کو منع نہ کرتے لیکن تو محمد بن عبداللہ ہے آپ نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں۔ اور میں محمد بن عبداللہ ہوں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالب کے لیے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ مٹا دے۔ کہا نہیں اللہ کی قسم میں اس کو کبھی نہیں مٹاؤں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح نامہ کو پکڑا آپ اچھی طرح نہیں لکھ سکتے تھے آپ نے لکھا یہ وہ صلح نامہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے صلح کی ہے مکہ میں ہتھیار لے کر داخل نہیں ہوں گے مگر تلواریں میانوں میں ہوں گی اور اس کے رہنے والوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں گے جو ساتھ جانا چاہے گا اور آپ کے صحابہ میں سے جو کوئی یہاں ٹھہرنا چاہے گا اس کو روکیں گے نہیں۔ جب آپ مکہ میں داخل ہوئے اور مدت مقررگزر گئی کافر علی کے پاس آئے اور کہا اپنے صاحب سے کہو کہ ہمارے شہر سے نکل جائے کیونکہ مدت گزر گئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکل گئے۔ (متفق علیہ)

تشریح: "انت محمد" کفار نے محمد بن عبداللہ لکھوانا چاہا کیونکہ رسول اللہ کو وہ نہیں مانتے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ رسول اللہ کا لفظ مٹا دو حضرت علی نے انکار کیا مگر یہ انکار نافرمانی کی غرض سے نہیں تھا بلکہ اطاعت کی غرض سے تھا جس پر ثواب ملتا ہے اسی طرح انکار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واقعہ قرطاس میں کیا تھا مگر روافض نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہیں چھیڑا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں چھوڑا یہ ان کی بد بختی کی نشانی ہے۔

فعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ ولکن عین السخط تبدی المساویا

اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ ۹ بار رسول کا لفظ ذکر فرمایا بلکہ سورۃ فتح میں تو بعینہ یہی نقط آیا محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار الخ

باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب

یہودیوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دینے کا بیان

قال اللہ تعالیٰ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ جزیرہ عرب اصل میں خشکی کے اس ٹکڑے کا نام ہے جس کو چاروں طرف سے پانی نے گھیر رکھا ہو چونکہ عرب کے تین اطراف میں پانی ہے اس لئے زمین کے اس حصہ کو اکثری حکم کے اعتبار سے جزیرہ کہہ دیا گیا ورنہ عرب کے شمال میں ملک شام واقع ہے جہاں سمندر نہیں ہے البتہ اکثر جوانب میں پانی کا احاطہ ہے چنانچہ بحر ہند، بحر شام اور دجلہ وفرات

نے اس ملک پر احاطہ کیا ہوا ہے حدود اربعہ کچھ اس طرح ہیں عرب کے مشرقی جانب میں خلیج فارس اور بحر عمان ہے مغربی جانب میں بحیرہ قلزم اور نہر سویز ہے جنوب میں بحر ہند واقع ہے اور شمال میں ملک شام واقع ہے جہاں سمندر نہیں ہے۔

جزیرہ عرب پانچ حصوں پر مشتمل ہے (۱) تہامہ (۲) نجد (۳) حجاز (۴) عروض (۵) یمن۔

جب جزیرہ عرب کا نام لیا جاتا ہے تو لمبائی میں یہ عدن سے عراق تک ہے اور چوڑائی میں جدہ سے لیکر شام تک ہے یہاں کتاب کے عنوان میں صرف یہود کے اخراج کا لفظ آیا ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں صرف یہود نکالے گئے تھے اور نصاریٰ عیسائی جہیں نکالے گئے بعد میں ان کا بھی اخراج ہو گیا تھا' تاہم آنے والی حدیثوں میں یہود ونصاریٰ اور اہل کتاب کا ذکر موجود ہے بلکہ مشرکین کے اخراج کا ذکر بھی ہے اس اخراج کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ جزیرہ عرب پیغمبر اسلام علیہ السلام کا وطن ہے اور اس میں مرکز اسلام مکہ اور مدینہ واقع ہے اس لئے مذہبی اور سیاسی اعتبار سے ان مراکز سے کفر وشرک کی گندگیوں سے دور کرنا اور مفسد ومضر اثرات سے اس کو پاک کرنا انتہائی اہم اور قرین قیاس ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے کفار سے حجاز کی اس تطہیر کو مکہ ومدینہ تک محدود مانا ہے لیکن ائمہ احناف اس تخصیص کو پسند نہیں کرتے ہیں بلکہ پورے جزیرۃ عرب کی تطہیر کا فتویٰ دیتے ہیں کہ یہاں نہ گرجا ہو نہ کنیسہ ہو نہ مندر ہو نہ گردوارہ ہو نہ امام باڑہ ہو نہ مزار ہو اور نہ کوئی ایمان بگاڑنے والا ہو۔ بہر حال جب احادیث میں مطلق جزیرہ عرب کا نام آیا ہے "لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب" کے الفاظ عام ہیں تو اس عموم کو مکہ ومدینہ تک محدود کرنا مناسب نہیں ہے لہٰذا شوافع کے بجائے احناف کا مسلک اپنانا بہت اچھا ہے خاص کر آج کل کے دور میں۔

الفصل الاول.... جزیرۃ العرب سے یہودیوں کا اخراج

(۱) عن ابی هریرة قال بینا نحن فی المسجد خرج النبی صلی الله علیه وسلم فقال انطلقوا الی یهود فخرجنا معه حتی جئنا بیت المدراس فقام النبی صلی الله علیه وسلم فقال یامعشر یهود اسلموا تسلموا اعلموا ان الارض لله ولرسوله وانی ارید ان اجلیکم من هذه الارض فمن وجد منکم بماله شیئا فلیبعه. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ایک مرتبہ ہم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے فرمایا یہود کی طرف چلو ہم آپ کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ ہم بیت المدراس آئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے فرمایا اے یہود کی جماعت اسلام لے آؤ سلامت رہو گے۔ جان لو کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس زمین سے تم کو جلا وطن کردوں۔ جو شخص تم میں سے اپنے مال کے ساتھ کوئی چیز پائے اس کو بیچ ڈالے۔ (متفق علیہ)

تشریح: "بینا نحن فی المسجد" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسی دوران کہ ہم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ نبی کریم تشریف لائے۔

سوال:۔ یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ بنو نضیر کی جلاوطنی ۴ ہجری میں ہوئی اور بنو قریظہ کی تباہی ۵ ہجری میں ہوئی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۷ ہجری میں مسلمان ہوئے ہیں اس وقت ابو ہریرہ مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے تو آپ نے کیسے کہدیا کہ بنو نضیر کی جلاوطنی کے وقت ہم مسجد میں بیٹھے تھے؟

جواب:۔ اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ یہاں یہود سے مراد بنو قینقاع ہیں ان کے کچھ لوگ اس وقت نکالے گئے تھے جس وقت حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو چکے تھے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اکثر و بیشتر اس طرح جملہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم وہاں تھے اور ہم نے دیکھا یا ہم نے سنا اس سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صحابہ کی جماعت مراد لیتے ہیں اگر چہ وہ خود وہاں نہیں ہوتے مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم صحابہ کی جماعت وہاں بیٹھی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے (احادیث سمجھنے کیلئے یہ ایک بہترین قاعدہ ہے۔)

"بیت المدارس" یہ یہود کے ہاں مدرسہ ہوتا تھا جیسا کہ ہمارے ہاں مدرسہ ہوتا ہے 'اجلیکم' یعنی میں تم کو جزیرہ عرب سے جلاوطن کرنا چاہتا ہوں تم اپنا مال فروخت کردو یا ساتھ لے کر چلو مگر یہاں سے چلے جاؤ۔

(۲) وعن ابن عمر قال قام عمر خطيبا فقال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان عامل يهود خيبر على اموالهم و قال نقركم ما اقركم الله وقد رايت اجلاءهم فلما اجمع عمر على ذلك اتاه احدبني ابي الحقيق فقال يا امير المومنين اتخرجنا وقد اقرنا محمد و عاملنا على الاموال فقال عمر اظننت اني نسيت قول رسول الله صلى الله عليه وسلم كيف بك اذا اخرجت من خيبر تعدو بك قلوصك ليلة بعد ليلة فقال هذه كانت هزيلة من ابي القاسم فقال كذبت يا عدو الله فاجلاهم عمر واعطاهم قيمة ما كان لهم من الثمر مالا وابلا و عروضا من اقتاب و حبال و غير ذلك. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا عمر خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں سے ان کے مالوں پر معاملہ کیا تھا اور فرمایا جب تک اللہ تعالیٰ تم کو ٹھہرائے ہم ٹھہرائے رکھیں گے اور میں نے خیال کیا ہے کہ تم کو جلاوطن کر دوں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کا پختہ ارادہ کرلیا بنوابی الحقیق کا ایک آدمی آیا اور کہا اے امیر المومنین کیا ہم کو نکالتے ہو جبکہ محمد نے ہم کو ٹھہرایا ہے اور ہمارے اموال پر معاملہ کیا تھا۔ حضرت عمر نے کہا کیا تیرا خیال ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھول گیا ہوں کہ آپ نے فرمایا تھا تیرا کیا حال ہوگا جب تجھ کو خیبر سے نکال دیا جائے گا اس حال میں کہ تیری اونٹنیاں تجھ کو پے در پے راتوں میں دوڑاتی ہوں گی۔ وہ کہنے لگا ابوالقاسم نے ہنسی مذاق سے ایسی بات کہی ہوگی حضرت عمر نے کہا اے اللہ کے دشمن تو جھوٹ بولتا ہے اس کے بعد انہوں نے یہودیوں کو جلاوطن کر دیا اور ان کو ان کے مال اسباب پھل میوے اونٹ پالان اور رسیوں وغیرہ کی قیمت دے دی۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

تشریح: ''قلوص'' قلوص جوان طاقتور اونٹنی کو کہتے ہیں'' لیلة بعد لیلة ''یعنی راتوں رات تجھے تیری جوان اونٹنی دوڑ دوڑ کر نکالے گی وہ منظر کیسا ہوگا؟ یہودیوں کے سردار نے کہا یہ تو ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم مذاق کر رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جا اللہ کے دشمن یہ مذاق نہیں تھا تم جھوٹ کہتے ہو چنانچہ عمر فاروق نے ان کو جلاوطن کر دیا۔'' و اعطاهم قيمة'' اعطاهم کیلئے قیمة مفعول ثانی ہے اور مالاً اس سے بدل ہے اسی طرح ابلا وعروضا بھی بدل ہے اور من اقتاب یہ عروضاً کیلئے بیان ہے۔ عبارت اس طرح ہے۔'' فاعطاهم قيمة يعني ابلاً وعروضاً من الاقتاب والحبال بدل ما كان لهم من الثمر ''یعنی عمر فاروق نے جلاوطن کیے جانے والے یہودکوان کے باغات اور پھلوں کے بدلے میں قیمت ادا کر کے دیدی وہ قیمت اونٹوں کی شکل میں تھی اور سامان کی شکل میں تھی جیسے پالان کجاوے اور رسیاں یہ ان کو دیدیں تاکہ راستے میں کام آجائیں اور باغات اس کے بدلے میں مسلمانوں کے ہاتھ میں رہ جائیں۔

مشرکین کو جزیرۃ العرب سے جلاوطن کردینے کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت

(۳) وعن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اوصى بثلاثة قال اخرجوا المشركين من جزيرة العرب واجيزوا الوفد بنحو ما كنت اجيزهم قال ابن عباس و سكت عن الثالثة او قال فانسيتها. (متفق عليه)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں کی وصیت فرمائی تھی۔ فرمایا مشرکوں کو جزیرہ عرب سے نکال دینا وفود کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنا جیسا میں ان سے کرتا ہوں۔ ابن عباس نے کہا تیسری بات سے آپ خاموش رہے یا کہا کہ میں بھلا دیا گیا ہوں۔ (متفق علیہ)

تشریح: قاضی عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ احتمال ہے کہ وہ تیسری بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد ہو کر لا تتخذو اقبری و ثنا یعبد یعنی میری قبر کو بت (کی طرح) نہ قرار دینا جس کی پوجا کی جائے۔ اس ارشاد کو امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی کتاب موطا میں نقل کیا ہے۔

جزیرۃ العرب سے یہود ونصاریٰ کی جلاوطنی

(۴) وعن جابر بن عبداللہ قال اخبر نی عمر بن الخطاب انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لاخرجن الیھود والنصاری من جزیرۃ العرب حتی لا ادع فیھا الامسلما. رواہ مسلم و فی روایۃ لئنعشت ان شاء اللہ لاخرجن الیھود والنصار من جزیرۃ العرب.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہا عمر بن خطاب نے مجھ کو خبر دی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے یہودیوں اور عیسائیوں کو میں جزیرہ عرب سے نکال دوں گا یہاں تک کہ اس میں نہیں چھوڑ دوں گا مگر مسلمانوں کو روایت کیا اس کو مسلم نے ایک روایت میں ہے ان شاء اللہ اگر میں زندہ رہا یہود ونصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا۔ (مسلم)

الفصل الثانی

لیس فیہ الاحدیث ابن عباس لایکون قبلتان و قد مرفی باب الجزیۃ.

الفصل الثالث.. حجاز سے یہود ونصاریٰ کی جلاوطنی کا کام حضرت عمرؓ کے ہاتھوں انجام پایا

(۵) عن ابن عمر ان عمر ابن الخطاب اجلی الیھود والنصاری من ارض الحجاز وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما ظھر علی اھل خیبر ارادان یخرج الیھود منھا وکانت الارض لما ظھر علیھا للہ ورسولہ وللمسلمین فسال الیھود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یترکھم علی ان یکفو العمل ولھم نصف الثمر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نقرکم علی ذلک ماشئنا فاقروا حتی اجلاھم عمر فی امازتہ الی تیماء واریحاء (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا عمر بن خطاب نے یہود ونصاریٰ کو ارض حجاز سے جلاوطن کردیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت اہل خیبر پر غالب ہوئے تھے آپ نے ارادہ فرمایا تھا کہ یہود کو وہاں سے نکال دیں اور جب آپ نے اس پر فتح حاصل کی تھی وہ زمین اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے لیے تھی۔ یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ ان کو چھوڑ دیں اس شرط پر کہ وہ کام کریں گے اور ان کے لیے نصف پیداوار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اس شرط پر جب تک ہم چاہیں گے ٹھہرائیں گے ان کو ٹھہرایا گیا یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو تیماء اور اریحاء کی طرف جلاوطن کردیا۔ (متفق علیہ)

تشریح: "من ارض الحجاز" اخراج یہود کی جو تمنا اور تاکید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی اس کو حضرت عمر فاروق نے پورا کیا معلوم ہوا حضرت عمر فاروق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کو پورا کرنے والے تھے اگر عمر فاروق کو تاریخ کے اوراق سے ہٹایا جائے تو دین کی تکمیل کا مرحلہ نامکمل رہ جائے گا۔ روافض پر اللہ تعالیٰ کی لعنتیں ہوں جو عمر فاروق کی خدمات سے نفرت کرتے ہیں۔

"وکانت الارض" یعنی جو زمین جہاد مقدس کے ذریعہ سے فتح ہوجاتی تھی وہ اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کی ہوجاتی اور مسلمانوں میں تقسیم ہوجاتی تھی خیبر کی اراضی کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا مگر یہود نے یہ درخواست کی کہ اب کھیتی باڑی کے طور پر ہمیں یہاں رہنے دیا جائے ہم زمینیں آباد کریں گے آدھا غلہ ہمارا اور آدھا مسلمانوں کا ہوگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک ہم چاہیں گے تم کو برقرار رکھیں گے ورنہ نکالیں گے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ان کو نکالنا اور باقی نہ رکھنا گویا حضور اکرم کا نکالنا اور باقی نہ رکھنا ہوا نقر کم میں شان عمر کتنی شاندار بن جاتی ہے تیما اور اریحا یہ دو مقام جزیرہ عرب سے باہر شام میں ہیں۔

باب الفئی ء..... فئی کا بیان

فئی کس کو کہتے ہیں؟ "فئی" اس مال کو کہا جاتا ہے جو مسلمانوں کو کفار سے جنگ کے بغیر حاصل ہوا ہو اس مال کا حکم یہ ہے کہ وہ سب کا سب مسلمانوں کا حق ہے اس میں سے نہ تو خمس نکالا جاتا ہے اور نہ اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کیا جاتا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب کوئی لشکر کسی جگہ سے مال فئی لے کر آتا تو اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا اختیار حاصل ہوتا تھا کہ اس میں سے جس کو چاہتے دیتے اور جس کو چاہتے نہ دیتے "اسی طرح جس کو چاہتے زیادہ دیتے اور جس کو چاہتے کم دیتے۔

اور جو مال جنگ کے ذریعہ کفار پر غالب آنے کے بعد مسلمانوں کو حاصل ہوتا ہے اس کو "مال غنیمت کہتے ہیں۔ اس مال کا یہ حکم ہے کہ پہلے اس میں سے خمس نکالا جائے اور پھر بقیہ کو مجاہدین کے درمیان اس طرح تقسیم کردیا جائے کہ پیادے کو ایک اور سوار کو دو حصے ملیں۔

الفصل الاول.... مال فئی کا مصرف

(۱) عن مالک بن اوس بن الحدثان قال قال عمر بن الخطاب ان الله قد خص رسوله صلی الله علیه وسلم فی هذا الفئی ء لم یعطه احد اغیره ثم قرا ما افاء الله علی رسوله منهم الی قوله قدیر فکانت هذه خالصة لرسول الله صلی الله علیه وسلم ینفق علی اهله نفقه سنتهم من هذا المال ثم یا خذ مابقی فیجعله مجعل مال الله. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت مالک بن اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا عمر بن خطاب نے کہا اللہ تعالیٰ نے مال فی خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مختص کیا ہے آپ کے سوا کسی کو کوئی چیز نہیں دی۔ پھر یہ آیت پڑھی اللہ نے جو چیز اپنے رسول کو دی لفظ قدیر تک پڑھی یہ مال خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا اپنے گھر والوں پر خرچ کرتے تھے سال بھر کا خرچ ان کو دے دیتے تھے۔ جو بچ رہتا اس کو لیتے اور اللہ کے مال کی جگہ اس کو گردادیتے۔ (متفق علیہ)

(۲) وعن عمر قال کانت اموال بنی النضیر مما افاء الله علی رسوله ممالم یوجف المسلمون علیه بخیل ولا رکاب فکانت لرسول الله صلی الله علیه وسلم خاصة ینفق علی اهله نفقة سنة ثم یجعل مابقی فی السلاح والکراع عدة فی سبیل الله. (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا بنونضیر کے مال اس قسم سے تھے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو عطا فرمائے تھے مسلمانوں نے اس پر گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے تھے پس وہ مال خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا۔ سال بھر کا خرچ اس سے اپنے گھر والوں کو دے دیتے جو بچ رہتا اس سے اللہ کی راہ میں ہتھیار اور گھوڑے وغیرہ خرید لیتے۔ (متفق علیہ)

الفصل الثانی.... آنحضرت کی طرف سے مال فئی کی تقسیم

(۳) عن عوف بن مالک ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان اذا اتاه الفی ء قسمه فی یومه فاعطی الآهل حظین واعطی الاعزب حظافد عیت فاعطانی حظین و کان لی اهل ثم دعی بعدی عمار بن یاسر فاعطی حظا واحد (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک سے روایت ہے کہا جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال فی آتا اسی روز اس کو تقسیم کر دیتے۔ متاہل کو دو حصے دیتے اور مجرد کو ایک حصہ۔ مجھے بلایا گیا مجھے دو حصے دیئے اور میری بیوی تھی۔ میرے بعد عمار بن یاسر کو بلایا گیا اس کو ایک حصہ دیا گیا۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

(۴) وعن ابن عمر قال رایت رسول الله صلی الله علیه وسلم اول ماجاءه شیء بدا بالمحررین. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ کے پاس جب کوئی چیز آتی سب سے پہلے آزاد کردہ لوگوں سے شروع کرتے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

(۵) وعن عائشة ان النبی صلی الله علیه وسلم اتی بظبیة فیها خرز فقسمها للحرة والامة قالت عائشة کان ابی یقسم للحر والعبد. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرتبہ نگینوں کا تھیلا لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد عورتوں اور لونڈیوں کے درمیان اس کو تقسیم کر دیا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا میرا باپ آزاد اور غلام کے لیے تقسیم کرتا تھا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: "ظبیة" ظا پر فتحہ ہے با ساکن ہے یا پر فتحہ ہے چھوٹی سی تھیلی کو کہتے ہیں جس میں عموماً جواہرات وغیرہ رکھے جاتے ہیں۔ "خرز" خا پر فتحہ ہے را پر بھی فتحہ ہے آخر میں زا ہے جواہر کی ایک قسم ہے لیکن یہاں نگینے مراد ہیں۔ "للحر والعبد" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس کلام میں یہ اشارہ ہے کہ مال فئی کے یہ نگینے صدیقی دور میں صرف عورتوں میں تقسیم نہیں ہوتے تھے بلکہ مردوں میں بھی تقسیم ہوتے تھے اور یہ اشارہ بھی ہے کہ خواہ وہ مرد و عورت آزاد ہوں یا غلام اور باندی ہوں چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ نگینے صرف عورتوں پر تقسیم ہوتے تھے مردوں کو نہیں ملتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس تخصیص کو عام کرنا چاہتی ہیں اور فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ نگینے مردوں پر بھی تقسیم ہوتے تھے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ شاید غلام سے آزاد شدہ غلام مراد ہو کیونکہ غلام اگر کسی کا غلام ہے تو اس کا خرچ مالک پر ہے مال فئی میں اس کا حصہ نہیں ہوتا ہے۔ بہرحال حق بنتا اور عطیہ دینا دو الگ الگ چیزیں ہیں۔

مال فئی کی تقسیم میں فرق مراتب کا لحاظ

(۶) وعن مالک بن اوس بن الحدثان قال ذکر عمر بن الخطاب یوما الفیء فقال ما انا باحق بهذا الفیء منکم وما احد منا باحق به من احد الا انا علی منازلنا من کتاب الله عزوجل وقسم رسوله صلی الله علیه وسلم فالرجل وقدمه والرجل وبلاؤه والرجل وعیاله والرجل وحاجته. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت مالک بن اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا عمر بن خطاب نے ایک دن مال فئی کا ذکر فرمایا مال فئی کا میں تم سے بڑھ کر حق دار نہیں نہ کوئی ایک دوسرے سے زیادہ حق دار ہے بلکہ ہم کتاب اللہ کے مراتب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر ہیں آدمی اور اس کے قدیم الاسلام ہونے کو دیکھا جائے گا۔ اسی طرح آدمی اور اس کی آزمائش آدمی اور اس کے عیال آدمی اور اس کی ضرورت کو دیکھا جائے گا۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: "وقدمه" یعنی قدیم الاسلام آدمی مال فئی کی تقسیم میں مقدم اور افضل ہوگا۔ "فالرجل وبلاءه" یعنی مسلمان ہے اور بہادر ہے بڑے معرکے سر کرتا ہے دین کیلئے بڑی مشقتیں برداشت کرتا ہے وہ زیادہ مستحق ہے۔ "وعیاله" یعنی عیالدار آدمی ہے اس کو اس کے عیال کے اعتبار سے زیادہ دیا جائے گا۔ "وحاجته" یعنی ایسا آدمی ہے جو بالکل محتاج ہے وہ زیادہ مستحق ہے حضرت عمر نے فرق مراتب کا لحاظ رکھا ہے یہی جمہور کا مسلک ہے امام شافعی اس کے قائل نہیں ہیں۔

(۷) وعنه قال قرا عمر بن الخطاب انما الصدقات للفقرآء والمساکین حتی بلغ علیم حکیم فقال هذه لهولاء ثم قرا واعلموآ انما غنمتم من شیء فان لله خمسه وللرسول حتی بلغ و ابن السبیل ثم قال هذا لهولاء ثم قرا ما افآء الله علی رسوله من اهل القری حتی بلغ للفقرآء ثم قرا والذین جآء وامن بعدهم ثم قال هذه استوعبت

المسلمین عامة فلئن عشت فلیاتین الراعی وھو بسرو حمیر نصیبه منھالم یعرق فیھا جبینه. (رواہ فی شرح السنة)

ترجمہ: حضرت مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی سوائے اس کے نہیں صدقات فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں یہاں تک کہ علیم وحکیم تک آیت کو پڑھا اور فرمایا یہ زکوٰۃ ان لوگوں کے لیے ہے۔ پھر پڑھا جان لو جو چیز تم نے غنیمت سے لی ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پانچواں حصہ ہے یہاں تک کہ ابن سبیل تک اس آیت کو پڑھا پھر فرمایا یہ ان لوگوں کے لیے ہے پھر پڑھا اور اللہ نے جو چیز اپنے رسولوں کو دی بستیوں میں سے یہاں تک کہ آیت کے ان لفظوں تک پہنچے فقراء کے لیے اور ان لوگوں کے لیے جو ان کے بعد ہیں پھر فرمایا اس آیت نے سب مسلمانوں کو گھیر لیا ہے اگر میں زندہ رہا چرواہے کو اس کا حصہ ملے گا جبکہ وہ سروحمیر میں ہوگا اس کی پیشانی پسینہ نہ لائے گی۔ روایت کیا اس کو شرح السنہ میں۔

تشریح: "استوعبت المسلمین" یعنی یہ آیت تمام مسلمانوں کو شامل ہے۔ "الراعی" چرواہے کو راعی کہتے ہیں لیکن یہاں دور دراز علاقے کے لوگ مراد ہیں۔ "بسرو" سین پر فتحہ ہے راساکن ہے واؤ متحرک ہے با جارہ ہے سرو یمن کے قریب ایک جگہ کا نام ہے "حمیر" یمن کے ایک مشہور قبیلہ کا نام ہے یعنی وہ دیہاتی قبیلہ حمیر کے علاقے سرو میں رہتا ہوگا اور میرے پاس آئے گا میں اس کو بھی مال فیئ سے حصہ دوں گا۔ ملا علی قاریؒ نے مندرجہ ذیل بالا تحقیق کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ بعض علماء کا خیال ہے کہ "سرحمیر" ایک علاقہ کا پورا نام ہے لہٰذا پھر اضافت کی صورت نہیں ہوگی یعنی دیہاتی سرحمیر جگہ سے آئے گا۔

قضیہ فدک میں حضرت عمرؓ کا استدلال

(۸) وعنه قال کان فیما احتج به عمر ان قال کانت لرسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ثلاث صفایا بنو النضیر و خیبر وفدک فاما بنو النضیر فکانت حبسا لنوائبه واما فدک فکانت حبسا لابناء السبیل واما خیبر فجزاھا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ثلاثة اجزاء جزئین بین المسلمین وجزء نفقة لاھله فما فضل عن نفقة اھله جعله بین فقراء المھاجرین. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا حضرت عمر نے اس سے بھی دلیل پکڑی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین صفایا تھے بنو نضیر، خیبر اور فدک۔ بنو نضیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضروریات کے لیے محبوس تھا۔ فدک مسافروں کے لیے تھا اور خیبر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ دو حصے مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیتے اور ایک حصہ سے اپنے گھر والوں کو خرچ دیتے اگر گھر کے خرچ سے کوئی چیز بچ رہتی اس کو فقراء مہاجرین میں تقسیم کر دیتے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: "جس بات سے استدلال کیا الخ یعنی جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فدک کے مال کے بارے میں اپنا مطالبہ لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے مطالبہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور جن جائیدادوں زمینوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی حق تھا (جیسے بنو نضیر، خیبر اور فدک کی زمین، جائیدادیں) ان کے بارے میں مذکورہ بالا تفصیل بیان کی اور چونکہ اس تفصیل کے بیان کے وقت دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے جن میں سے کسی نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ تفصیل کی تردید نہیں کی اس لیے گویا یہ بات ان کے فیصلہ کی دلیل قرار پائی۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ نے اتنا ضرور کیا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فدک کے محاصل کا متولی بنا دیا کہ وہ دونوں اس محاصل کو اسی طرح صرف کریں جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف کیا کرتے تھے۔

''صفایا'' صفیہ کی جمع ہے اور ''صفیہ'' اس کو کہتے ہیں کہ امام وقت (اسلامی مملکت کی سربراہ) مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے کوئی چیز چھانٹ کر اپنے لیے مخصوص کرے۔ یہ بات صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت میں سے خمس کے علاوہ اور بھی جو چیز جیسے لونڈی، غلام، تلوار اور گھوڑا وغیرہ چاہتے لے لینے کا حق رکھتے تھے لیکن آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی دوسرے امام وقت کے لیے یہ بات جائز نہیں۔

''فدک'' ایک بستی کا نام تھا جو خیبر کے مواضعات میں سے تھی اور مدینہ سے دو روز کے فاصلہ پر واقع تھی یہ ایک شاداب اور سرسبز جگہ تھی جہاں زیادہ تر کھجور کے اور تھوڑے بہت دوسرے پھلوں کے باغات تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فدک پر صلح کے ذریعہ تسلط حاصل ہوا تھا اور صلح کی بنیاد یہ معاہدہ تھا کہ یہاں کی آدھی زمین تو فدک والوں کی رہیگی آدھی زمین پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہوگا' چنانچہ فدک کی وہ آدھی زمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی ملکیت میں رہی جس کی آمدنی اور پیداوار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث کے مطابق محتاج مسافرین کی امداد واعانت فرماتے تھے۔

خیبر کے محاصل کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین حصوں میں اس لیے تقسیم کرتے تھے کہ خیبر کا علاقہ اصل میں بہت سارے مواضعات اور بستیوں پر مشتمل تھا ان میں سے بعض گاؤں تو بزور طاقت فتح کیے گئے تھے اور بعض گاؤں بغیر جنگ وجدال کے صلح کے ذریعہ قبضہ واختیار میں آئے تھے چنانچہ جو گاؤں بزور طاقت فتح کیے گیے تھے ان سے حاصل ہونے والا مال چونکہ ''مال غنیمت'' تھا اس لیے اس میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خمس لیتے تھے اور جو گاؤں بذریعہ صلح قبضہ واختیار میں آئے تھے ان سے حاصل ہونے والا مال چونکہ ''مال فئی'' تھا اس لیے وہ تمام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی ملکیت تھا جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ضروریات' اپنے اہل وعیال کے اخراجات اور عام مسلمانوں کے اجتماعی مفاد ومصالح میں جہاں مناسب سمجھتے صرف کرتے تھے۔ لہٰذا اس بنا پر تقسیم ومساوات کا تقاضہ یہی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کے سارے مال کو اپنے اور مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنے کے لیے تین حصوں میں کر کے دو حصے مسلمانوں کو دیں اور ایک حصہ اپنے پاس رکھیں۔

الفصل الثالث..... قضیہ فدک وغیرہ کی تفصیل

(۹) عن المغيرة بن شعبة قال ان عمر بن عبدالعزيز جمع بني مروان حين استخلف فقال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كانت له فدك فكان ينفق منها ويعود منها على صغير بني هاشم ويزوج منها ايمهم وان فاطمة سالته ان يجعلها لها فابى فكانت كذلك في حيات رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى مضى لسبيله فلما ان ولي ابوبكر عمل فيها بما عمل رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما ان ولي عمر بن الخطاب عمل فيها بمثل ما عمل حتى مضى لسبيله ثم اقتطعها مروان ثم صارت لعمر بن عبدالعزيز فرايت امرا منعه رسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمة ليس لي بحق واني اشهد كم اني رددتها على ما كانت يعني على عهد رسول الله عليه وسلم و ابي بكر وعمر. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا حضرت عمر بن عبدالعزیز جس وقت خلیفہ مقرر ہوئے انہوں نے بنو مروان کو جمع کیا کہا فدک خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا آپ اس سے خرچ کرتے بنو ہاشم کے چھوٹے لڑکوں پر اس سے احسان کرتے۔ ان کے رانڈ کا اس سے نکاح کر دیتے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس سے سوال کیا تھا کہ فدک اس کو دے دیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تک اسی طرح رہا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے مطابق عمل کیا یہاں تک کہ ان کی وفات ہوئی۔ جب حضرت عمر بن خطاب خلیفہ مقرر ہوئے انہوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر کے عمل کے مطابق عمل کیا یہاں تک کہ آپ فوت ہو گئے پھر مروان نے اس کو جاگیر بنا لیا۔ پھر وہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس آ گئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک ایسا امر جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو روک دیا اس میں میرا کوئی حق نہیں ہے میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اس کو اس حالت پر لوٹا دیا جس پر وہ تھی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: ''ان عمر بن عبد العزيز'' اس حدیث میں بات یہاں سے اس لئے چلی ہے کہ بنو مروان نے فدک وغیرہ کے وقفی اموال کو

قبضہ کر کے ذاتی اموال میں داخل کیا تھا اور عمر بن عبدالعزیز اسے چھڑا کر وقفی حیثیت پر رکھنا چاہتے تھے۔ ''کانت له فدک'' فدک ایک ایسی بستی کا نام تھا جو خیبر کے اطراف میں تھی مدینہ سے دور دراز کے فاصلے پر یہ بستی واقع تھی یہ ایک سرسبز و شاداب جگہ تھی جہاں زیادہ تر کھجور اور کچھ دوسرے پھلوں کے باغات بھی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فدک صلح کی صورت میں ملی تھی جس کی حیثیت مال فئی کی تھی باغ فدک، اموال بنونضیر اور خیبر کی زمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ذاتی حیثیت سے تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل بیت کے علاوہ عام مسلمانوں کے مصرف میں یہ اموال لاتے تھے آپ کے وصال کے بعد اہل بیت اور آپ کے خاندان کے بعض افراد نے ان اموال پر ذاتی میراث کا دعویٰ کیا مگر خلفاء نے اس کو وقف کی حیثیت میں رکھا اور میراث نہیں ہونے دیا کیونکہ انبیاء کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہو سکتا کیونکہ وفات کے بعد انبیاء زندہ ہوتے ہیں جس کا اثر دنیا پر پڑتا ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں بھی اس کا مطالبہ کیا تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دینے سے انکار کیا۔ زیر بحث روایت میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس مال کا پس منظر بنو مروان کے سامنے بیان کر کے اس کو اسی حیثیت پر وقف میں رکھا جس طرح وہ خلفاء راشدین کے زمانہ میں تھا کچھ تفصیل کے ساتھ اس پس منظر کو اپنے الفاظ میں قارئین کے سامنے رکھتا ہوں۔

مال فدک باغ فدک تھا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دینے سے انکار کیا آپ اس سے عام خرچ فرماتے تھے پھر حضرت فاطمہ نے صدیق اکبر سے مانگا حضرت صدیق نے ''لا نرث ولا نورث ما تركنا صدقة'' کی حدیث سنائی اور دینے سے انکار کیا حضرت فاطمہ بتقاضائے بشریت ناراض ہو گئیں پھر حضرت صدیق ان کے گھر پر گئے اور دھوپ میں کھڑے رہے اور معافی مانگتے رہے حضرت فاطمہ نے معاف کر دیا اور اس سلسلہ میں پھر کبھی مراجعت نہیں کی چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ کا انتقال ہو گیا تو کوئی لمبے جھگڑے نہیں ہوئے شیعہ روافض ذاکرین ویسے شور کرتے ہیں اور اس سے مجالس گرما کر لوگوں کو رلاتے ہیں اور صحابہ پر تبرا کرتے ہیں میں شیعہ حضرات سے پوچھتا ہوں کہ حضرت فاطمہ نے فدک کا باغ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مانگا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دینے سے انکار کیا تھا اس پر شور کیوں نہیں کرتے ہو؟ پھر جب حضرت علی خلیفہ ہوئے فدک کا باغ موجود تھا آپ نے اسے لے کر حسنین کو کیوں نہ دیا؟ پھر حضرت حسن خود خلیفہ ہوئے اور چھ ماہ تک خلافت کی آپ نے اس کو اپنے اموال میں کیوں شامل نہ کیا؟ شرم کی بات ہے فدک کے باغ کی وجہ سے پروپیگنڈہ بنا کر صحابہ پر طعن کرتے ہو حالانکہ صحابہ کا مفتوحہ ملک ایران پر خاموشی سے قابض ہو؟ تم ایران واپس کر دو تم کو فدک کا باغ واپس مل جائے گا۔

بہر حال! فدک کی طرح بنونضیر کے اموال کا مسئلہ بھی اٹھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد اس مال کو وقف کے طور پر صدیق اکبر نے سنبھالا پھر عمر فاروق نے نگرانی کی پھر حضرت علی وعباس مشترکہ طور پر اس کے نگران بنائے گئے مگر آپس میں اختلاف کی وجہ سے اس مال سے متعلق حضرت علی وعباس نے اس تقسیم کا مطالبہ کیا کہ الگ الگ اپنے اپنے حصہ کی نگرانی کریں گے حضرت عمرؓ نے انکار کیا اور فرمایا یہ تو ایک قسم تقسیم ہو جائے گی اس طرح نہیں ہوگا پھر مروان نے ان اموال کو ذاتی جائیداد میں شامل کر لیا اور بنو مروان نے آپس میں تقسیم کر کے رکھ دیا جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنے تو آپ نے دیگر اصلاحات کے ساتھ ساتھ یہ اصلاح بھی کی کہ ان اموال کو ان سے واپس کرا لیا اور وقف کی حیثیت سے رکھ لیا آپ کے انتقال کے بعد پھر بنو مروان نے اس کو تقسیم کر لیا اور ایسا غائب کر دیا کہ آج تک معلوم نہ ہو سکا کہ یہ اموال کہاں گئے حضرت عمر بن عبدالعزیز زیر بحث روایت میں یہی بتا رہے ہیں کہ جو اموال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو نہیں دیئے میں کون ہوتا ہوں کہ اس کو اپنے پاس رکھوں۔ بہر حال صدیق وفاروق پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے انہوں نے بڑی مشقتیں اٹھا کر ایک شرعی مسئلہ کی حفاظت فرمائی۔

الحمدللہ خیر المفاتیح کی چوتھی جلد مکمل ہوئی۔ آگے کتاب الصید سے پانچویں جلد شروع ہے۔

بحمد اللہ تعالیٰ